6
قرآن و حدیث دونوں ہدایت کے چراغ ہیں
اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ
وہ چراغ ایک فانوس میں ہے
تفسیر مصباحین
ترجمہ و شرح
تفسیر جلالین
تصنیف
امام جلال الدین محلی شافعی
امام جلال الدین سیوطی شافعی
مترجم و شارح
علامہ محمد لیاقت علی رضوی حنفی
شبیر برادرز
اردو بازار لاہور
سورۃ یٰسٓ تا سورۃ النجم

قرآن وحدیث دونوں ہدایت کے چراغ ہیں
المصباح فی زجاجۃ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے
تفسیر مصباحین
ترجمہ وشرح
تفسیر جلالین
نمبر 6
سورۃ یٰسٓ
سورۃ الصّٰفّٰت
سورۃ صٓ
سورۃ الزمر
سورۃ المؤمن
سورۃ الشورٰی
سورۃ الزخرف
سورۃ الدخان
سورۃ الجاثیۃ
سورۃ الاحقاف
سورۃ محمد
سورۃ الفتح
سورۃ الحجرات
سورۃ قٓ
سورۃ الذٰریٰت
سورۃ الطور
حٰمٓ السجدۃ
سورۃ النجم
تصنیف
امام جلال الدین محلی شافعی
امام جلال الدین سیوطی شافعی
مترجم وشارح
علامہ محمد لیاقت علی رضوی حنفی
شبیر برادرز ®
زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

نام کتاب ——— (نمبر 6) ——— تفسیر مصباحین تفسیر جلالین

تصنیف ——— امام جلال الدین محلی شافعی/امام جلال الدین سیوطی شافعی

مترجم ——— علامہ محمد لیاقت علی رضوی

کمپوزنگ ——— ورڈز میکر

باہتمام ——— ملک شبیر حسین

سن اشاعت ——— جون 2014ء

سرورق ——— اے ایف ایس ایڈورٹائزر لاہور 0322-7202212

طباعت ——— اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

ہدیہ ——— روپے

شبیر برادرز®
زبیدہ سنٹر 40، اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006
shabbirborther786@gmail.com

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

شبیر برادرز
اردو بازار لاہور

ترتیب

سُورَةُ الصَّافَّات

سُورَة ص

سورة الزمر

سُورَةُ غَافِر أَوْ الْمُؤْمِن

سورۃ فصلت

سُورَةُ الشُّوریٰ

سورۃ الزخرف

سورة الدخان

سورۃ الجاثیۃ

سورۃ الأحقاف

سورة محمد

سُوْرَةُ الْفَتْح

سُورَةُ الْحُجُرَات

سُورۃ ق

سُورَةُ الذّٰرِيٰت

سُورَةُ الطُّور

سُورَةُ النَّجم

مقدمہ تفسیر مصباحین

قرآن مجید کی اتباع کے سبب دنیاو آخرت کی گمراہی سے بچنے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کتاب اللہ کا علم حاصل کیا اور پھر اس چیز کی پیروی کی جو اس (کتاب اللہ) کے اندر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں گمراہی سے ہٹا کر راہ ہدایت پر لگائے (یعنی اس کو ہدایت کے راستہ پر ثابت قدم رکھے گا اور گمراہی سے بچالے گا) اور قیامت کے دن اس کو برے حساب سے بچالے گا (یعنی اس سے مواخذہ نہیں ہوگا) اور ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے کتاب اللہ کی پیروی کی تو نہ وہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بد بخت ہوگا (یعنی اسے عذاب نہیں دیا جائے گا) اس کے بعد عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ آیت تلاوت فرمائی آیت (فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی، طٰہٰ:123) جس آدمی نے میری ہدایت (یعنی قرآن) کی پیروی کی نہ وہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) بد بخت ہوگا۔ (رزین، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 185)

چونکہ قرآن کریم کا پڑھنا باعث سعادت اور اس پر عمل کرنا ذریعہ نجات ہے اس لئے جو آدمی قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھے اور قرآن کو سمجھنے کی جو شرائط ہیں ان کے مطابق اس کے علوم و معارف کو حاصل کرے اور پھر قرآن کریم نے جو احکام بتائے ہیں ان پر عمل کرے اور ہدایت کا جو راستہ متعین کر دیا ہے اس پر چلتا رہے تو اس کے لئے دین و دنیا دونوں جگہ سعادت و رحمت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ دنیا میں اس پر اللہ کی جانب سے رحمت ہوگی کہ وہ چونکہ قرآن کو اپنا راہبر بنا رکھے گا اس لئے گناہ و معصیت سے بچتا رہے گا برائی کے راستے کو چھوڑ دے گا جس کا نتیجہ آخرت میں یہ ہوگا کہ وہاں اس پر اللہ کی بے شمار رحمتوں کا سایہ ہوگا نہ تو حساب و کتاب کی سختی ہوگی اور نہ عذاب میں مبتلا ہوگا اور یہی بندہ کے حق میں سب سے بڑی فلاح و سعادت ہے۔

قرآن وسنت کو تھام لینے والوں کیلئے ہدایت کا بیان

حضرت مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے۔ وہ کتاب اللہ (قرآن مجید) اور سنت رسول اللہ ﷺ (احادیث) ہیں۔ (موطا، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 181)

محمد لیاقت علی رضوی

یہ قرآن مجید کی سورت یٰسین ہے

سورہ یٰسین کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃ یس (مَکِّیَّۃ إِلَّا آیۃ 45 فَمَدَنِیَّۃ وَآیَاتھَا 83) "نَزَلَتْ بَعْد سُورَۃ الْجِنّ"

سورہ یٰسین مَکِّیہ ہے، اس میں پانچ رکوع، تراسی آیات، سات سوانتیس کلمات، تین ہزار حروف ہیں۔ اور یہ سورت جن کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورت یٰسین کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کے شروع میں لفظ یٰسین آیا ہے جس کی وجہ سے یہ سورت اسی نام سے معروف ہوئی ہے۔ اور اس سورت مبارکہ کے کثیر فضائل ہیں۔ جس طرح احادیث میں ان کا بیان آیا ہے۔

سورت یٰسین کو قرآن کا دل کہنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل سورت یٰسین ہے جو شخص یس پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے پڑھنے کی وجہ سے (اس کے نامہ اعمال میں) دس مرتبہ قرآن پڑھنے کا ثواب لکھتا ہے۔ (ترمذی، دارمی، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 658)

قرآن کا دل سورت یٰسین ہے یعنی قرآن کے علوم ومعارف کا خلاصہ اور اس کا حاصل سورت یٰس ہے بایں طور کہ اس سورت میں قیامت کے احوال اور قرآن کے مقاصد اعلیٰ مذکور ہیں۔

سورت یٰسین کا زمین وآسمان کی تخلیق سے پہلے پڑھے جانے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کرنے سے ہزار برس پہلے سورت طٰہٰ اور سورت یٰس پڑھی جب فرشتوں نے قرآن (یعنی ان دونوں سورتوں کا پڑھنا) سنا تو کہنے لگے کہ خوش بختی ہو اس امت کے لئے جس پر یہ قرآن (یعنی دونوں سورتیں) اتاری جائیں گی خوش بختی ہو ان دلوں کے لئے جو انہیں قبول کریں گے (یعنی ان کو یاد کریں گے اور ان کی محافظت کریں گے) اور خوش بختی ہو ان زبانوں کے لئے جو انہیں پڑھیں گی۔ (دارمی، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 659)

اللہ تعالیٰ نے ان سورتوں کو پڑھا کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان سورتوں کو فرشتوں کے سامنے ظاہر کیا اور ان کے سامنے ان سورتوں کی تلاوت کا ثواب بھی بیان کیا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو یہ سورتیں سکھائیں اور سمجھائیں نیز مذکورہ سورتوں کے معانی و مطالب ان کو الہام کئے۔ علامہ ابن حجر کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ باقی تمام فرشتوں کے سامنے ان سورتوں اور ان کی فضیلت و عظمت جانیں۔ فلما سمعت الملائکہ القرآن میں قرآن سے مراد قرات ہے یعنی ان فرشتوں نے ان سورتوں کا پڑھنا سنایا کہ قرآن سے مراد بھی سورت طٰہٰ اور سورت یٰس ہیں کیونکہ جس طرح کلام اللہ کے پورے مجموعہ کا نام قرآن ہے اسی طرح اس کے کسی جزء و حصہ کو بھی قرآن ہی کہا جاتا ہے لہٰذا قرآن جز اور کل دونوں کا نام ہے۔

سورت یٰسین کے سبب بخشش ہونے کا بیان

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ رب العزت کی رضا و خوشنودی کی طلب میں سورت یٰسین پڑھتا ہے تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں جو اس نے پہلے کئے ہیں لہٰذا اس سورت کو اپنے مردوں کے سامنے پڑھو۔ (بیہقی، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 688)

گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں کہ وہ اس سورت کی برکت سے بخش دیئے جاتے ہیں اسی طرح کبیرہ گناہ بھی بخشے جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی بے پایاں رحمت شامل حال ہو۔ مردوں سے مراد قریب المرگ ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو شخص قریب المرگ ہو اس کے سامنے سورت یٰسین پڑھنی چاہیے تاکہ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اس کو سنے اور اس کے معانی کی طرف اس کی توجہ ہو اس طرح اس کا سننا اس کے پڑھنے کے حکم میں ہو جائے گا جو اس کی مغفرت و بخشش کا سبب ہوگا۔ یا پھر مردوں سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سورت کو اپنی میت کی مغفرت و بخشش کی زیادہ احتیاج ہوتی ہے۔

قبر پر جا کر سورت یٰسین پڑھنے کا بیان

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اپنے مردوں کے سامنے سورت یٰسین پڑھو۔ (احمد ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 100)

مردوں سے مراد قریب المرگ ہیں۔ اس صورت میں سورت یٰسین پڑھنے کی حکمت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ قریب المرگ اس سورت میں مذکورہ مضامین مثلاً ذکر اللہ، احوال قیامت، بعث اور اسی قسم کے دوسرے عجیب و بدیع مضامین سے لطف اندوز ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حدیث میں لفظ "مردوں" سے مراد قریب المرگ نہ ہوں بلکہ حقیقی مردے مراد ہوں اس صورت میں اس کلمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ سورت یٰسین مردہ کے پاس اس کے گھر میں دفن سے پہلے دفن کے بعد اس کی قبر کے سرہانے پڑھی جائے۔

ابن مردویہ رحمہ اللہ وغیرہ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس میت (یعنی قریب المرگ یا حقیقی میت) کے سر کے پاس سورت یٰسین پڑھی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر آسانی فرماتا ہے۔

ابن عدی رحمہ اللہ وغیرہ نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ "جو شخص اپنے والدین کی یا ان میں سے کسی ایک کی (یعنی صرف ماں کی یا صرف باپ کی) قبر پر ہر جمعہ کو جاتا ہے اور پھر وہاں سورت یٰسین پڑھتا ہے تو صاحب قبر کے لئے سورت یٰسین کے تمام حروف کی تعداد کے بقدر مغفرت عطا کی جاتی ہے۔" علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جمعہ سے مراد حسب ظاہر خاص طور پر یوم جمعہ بھی ہو سکتا ہے اور پورا ہفتہ بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝
یا،سین حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔حکمت والے قرآن کی قسم بیشک آپ ضرور رسولوں
میں سے ہیں۔سیدھے رستے پر ہیں۔یہ سب پر غالب،نہایت مہربان کا نازل کیا ہوا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی رسالت پر قرآن حکیم کی گواہی کا بیان

"یس" اللّٰہ أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِهِ "وَالْقُرْآن الْحَكِيم" الْمُحْكَم بِعَجِيبِ النَّظْم وَبَدِيع الْمَعَانِي "إنَّك" يَا مُحَمَّد، ﷺ

"عَلَى" مُتَعَلِّق بِمَا قَبْله "صِرَاط مُسْتَقِيم" أَيْ طَرِيق الْأَنْبِيَاء قَبْلك التَّوْحِيد وَالْهُدَى وَالتَّأْكِيد بِالْقَسَمِ وَغَيْره رَدّ لِقَوْلِ الْكُفَّار لَهُ "لَسْت مُرْسَلًا" "تَنْزِيل الْعَزِيز" فِي مُلْكه "الرَّحِيم" بِخَلْقِهِ خَبَر مُبْتَدَأ مُقَدَّر أَيْ الْقُرْآن،

یا،سین حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔حکمت والے قرآن یعنی جو عجیب نظم اور بدیع معانی کے ساتھ محکم ہے اس کی قسم! بیشک یا محمد ﷺ آپ ضرور رسولوں میں سے ہیں۔یہاں پر لفظ علی یہ ماقبل سے متعلق ہے۔سیدھے رستے پر ہیں۔یعنی جو پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کا راستہ توحید وہدایت ہے اور اس قسم وغیرہ کے ساتھ تاکید طور پر کفار کے قول "کہ آپ رسولوں میں سے نہیں ہیں۔اس کا رد ہے۔جو اپنے ملک میں غالب،اپنی مخلوق کے ساتھ نہایت مہربان ہے۔اور تنزل العزیز یہ مبتداء محذوف قرآن کی خبر ہے۔

سورہ یٰسین آیت ۲ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سجدہ میں بلند آواز میں قرات کرتے یہاں تک کہ قریش کے کچھ لوگوں کو اس قدر تکلیف ہوئی کہ وہ آپ کو پکڑنے کے لیے کھڑے ہوئے لیکن ان کے ہاتھ ان کی اپنی ہی گردنوں کی طرف بڑھ گئے اور سب کے سب اندھے ہو گئے۔یہ نبی کریم ﷺ کے پاس دعا کے لیے آئے اور کہا اے محمد ﷺ ہم آپ کو اللہ اور رشتہ داری کا واسطہ دیتے ہیں چنانچہ آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی تو یہ کیفیت ان سے دور ہو گئی اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، یٰس وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ الی قوله اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ، یسین۔قسم ہے قرآن کی جو حکمت سے بھرا ہوا ہے۔اے محمد ﷺ بے شک تم

پیغمبروں میں سے ہو اور تم ان کو نصیحت کر دو یا نہ کرو ان کے لیے برابر ہے وہ ایمان نہیں لانے کے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ چنانچہ اس جماعت میں سے ایک شخص بھی ایمان نہ لایا۔

لفظ یٰسین کا اسمائے الٰہیہ سے ہونے کا بیان

ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ امام مالک نے فرمایا کہ یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اور حضرت ابن عباس سے بھی ایک روایت یہی ہے کہ اسماء آلٰہیہ میں سے ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں اے انسان اور مراد انسان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور حضرت ابن جبیر کے کلام سے یہ مستفاد ہے کہ لفظ یٰسین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ان دو عظیم الشان حرفوں سے رکھنا، یعنی یا اور سین اس میں بڑے راز ہیں۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ یٰسین، بیروت)

بعض لوگوں نے کہا کہ یٰسین سے مراد اے انسان ہے۔ بعض کہتے ہیں حبشی زبان میں اے انسان کے معنی میں یہ لفظ ہے۔ کوئی کہتا ہے یہ اللہ کا نام ہے، پھر فرماتا ہے قسم ہے محکم اور مضبوط قرآن کی جس کے آس پاس بھی باطل پھٹک نہیں سکتا، کہ بالیقین اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، سچے اچھے مضبوط اور عمدہ سیدھے اور صاف دین پر آپ ہیں، یہ راہ اللہ رحمٰن ورحیم صراط مستقیم کی ہے، اسی کا اترا ہوا یہ دین ہے جو عزت والا اور مومنوں پر خاص مہربانی کرنے والا ہے۔ جیسے فرمان ہے (وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ،الشوریٰ:52)، آپ یقیناً راہ راست کی رہبری کرتا ہے جو اس اللہ کی سیدھی راہ ہے جو آسمان وزمین کا مالک ہے اور جس کی طرف تمام امور کا انجام ہے، تاکہ تو عربوں کو ڈرا دے جن کے بزرگ بھی آگاہی سے محروم تھے جو محض غافل ہیں۔ ان کا تنہا ذکر کرنا اس لئے نہیں کہ دوسرے اس تنبیہہ سے الگ ہیں۔ جیسے کہ بعض افراد کے ذکر سے عام کی نفی نہیں ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عام تھی ساری دنیا کی طرف تھی۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ○ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○
اِنَّا جَعَلْنَا فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ○
تاکہ آپ اس قوم کو ڈر سنائیں جن کے باپ دادا کو نہیں ڈرایا گیا سو وہ غافل ہیں۔ درحقیقت ان کے اکثر لوگوں پر
ہمارا فرمان ثابت ہو چکا ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بیشک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں تو وہ ان کی
ٹھوڑیوں تک ہیں، پس وہ سر اوپر اٹھائے ہوئے ہیں۔

کفار کے ہاتھوں کا طوق میں بندھے ہوئے ہونے کا بیان

"لِتُنْذِرَ" بِهِ "قَوْمًا" مُتَعَلِّق بِتَنْزِيلِ "مَا أُنْذِرَ آبَاؤُهُمْ" أَيْ لَمْ يُنْذَرُوا فِي زَمَن الْفَتْرَة "فَهُمْ" أَيْ الْقَوْم "غَافِلُونَ" عَنْ الْإِيمَان وَالرُّشْد، "لَقَدْ حَقَّ الْقَوْل" وَجَبَ "عَلَى أَكْثَرهمْ" بِالْعَذَابِ "فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ"

أَىْ الْأَكْثَرِ،

"إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا " بِأَنْ تُضَمَّ إِلَيْهَا الْأَيْدِي لِأَنَّ الْغُلَّ يَجْمَعُ الْيَدَ إِلَى الْعُنُقِ "فَهِيَ" أَيْ الْأَيْدِي مَجْمُوعَةٌ "إِلَى الْأَذْقَانِ " جَمْعُ ذَقَنٍ وَهِيَ مُجْتَمَعُ اللَّحْيَيْنِ "فَهُمْ مُقْمَحُونَ" رَافِعُونَ رُءُوسَهُمْ لَا يَسْتَطِيعُونَ خَفْضَهَا وَهَذَا تَمْثِيلٌ وَالْمُرَادُ أَنَّهُمْ لَا يُذْعِنُونَ لِلْإِيمَانِ وَلَا يُخْفِضُونَ رُءُوسَهُمْ لَهُ،

تا کہ آپ اس قوم کو ڈر سنائیں جن کے باپ دادا کو بھی نہیں ڈرایا گیا یعنی انہیں زمانہ فترت میں نہیں ڈرایا گیا۔ پس وہ ایمان وہدایت سے غافل قوم ہیں۔ درحقیقت ان کے اکثر لوگوں پر ہمارے ہمارے عذاب کا فرمان سچ ثابت ہو چکا ہے پس وہ اکثر ایمان نہیں لائیں گے۔ بیشک ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں یعنی طوق سے ان کے ہاتھوں کو گردن کے ساتھ باندھا ہوا ہوگا۔ اور ایدی مجموعہ ہے۔ تو وہ ہاتھ ان کی ٹھوڑیوں تک ہیں، یہاں پر لفظ اذقان یہ ذقن کی جمع ہے۔ جس کا معنی دونوں جبڑوں سے ملنے والی جگہ ہے۔ پس وہ سر اوپر اٹھائے ہوئے ہیں۔ وہ سر کو نیچے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور یہ ایک تمثیل ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایمان کا اقرار نہیں کرتے اور نہ ہی ایمان کیلئے سروں کو جھکاتے ہیں۔

سورہ یٰسین آیت ۸ کے شان نزول کا بیان

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ ابوجہل نے کہا اگر میں محمد ﷺ کو دیکھ لوں تو یہ کردوں گا اور وہ کردوں گا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ إِنَّا جَعَلْنَا فِيٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۔ ہم نے ان کی گرنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک (پھنسے ہوئے ہیں) تو ان کے سر اہلا رہے ہیں۔ کفار کہتے ہیں کہ محمد ﷺ یہ ہیں تو یہ کہتا کہاں ہیں؟ کہاں ہیں؟ اور اسے آپ نظر نہ آتے۔ (سیوطی 238، طبری 22-99)

یہ آیت ابوجہل اور اس کے دو مخزومی دوستوں کے بارے میں نازل ہوئی ابوجہل نے قسم کھائی تھی کہ اگر وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھے گا تو پتھر سے سر کچل ڈالے گا جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تو وہ اسی ارادہ فاسدہ سے ایک بھاری پتھر لے کر آیا جب اس نے پتھر کو اٹھایا تو اس کے ہاتھ گردن میں چپکے رہ گئے اور پتھر ہاتھ کو لپٹ گیا یہ حال دیکھ کر اپنے دوستوں کی طرف واپس ہوا۔

اور ان سے واقعہ بیان کیا تو اس کے دوست ولید بن مغیرہ نے کہا کہ یہ کام میں کروں گا اور ان کا سر کچل کر ہی آؤں گا چنانچہ وہ پتھر لے آیا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی نماز ہی پڑھ رہے تھے، جب یہ قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی سلب کر لی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سنتا تھا آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا تھا، یہ بھی پریشان ہو کر اپنے یاروں کی طرف لوٹا وہ بھی نظر نہ آئے انہوں نے ہی اسے پکارا اور اس سے کہا کہ تو نے کیا کیا؟ کہنے لگا میں نے ان کی آواز تو سنی مگر وہ نظر ہی نہیں آئے، اب ابوجہل کے تیسرے دوست نے دعویٰ کیا کہ وہ اس کام کو انجام دے گا اور بڑے دعوے کے ساتھ وہ حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی طرف چلا تھا کہ الٹے پاؤں ایسا بدحواس ہو کر بھاگا کہ اوندھے منہ گر گیا اس کے دوستوں نے حال پوچھا تو کہنے لگا کہ میرا حال بہت سخت ہے میں نے ایک بہت بڑا سانڈ دیکھا جو میرے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان حائل ہو گیا، لات وعزّٰی کی قسم اگر میں ذرا بھی آگے بڑھتا تو وہ مجھے کھا ہی جاتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر خازن وجمل، سورہ یٰسین، بیروت)

کفار کیلئے ہدایت کی طرف نہ پہنچ سکنے کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان بدنصیبوں کا ہدایت تک پہنچنا بہت مشکل بلکہ محال ہے۔ یہ تو ان لوگوں کی طرح ہیں جن کے ہاتھ گردن پر باندھ دیئے جائیں اور ان کا سر اونچا جا رہا ہو۔ گردن کے ذکر کے بعد ہاتھ کا ذکر چھوڑ دیا لیکن مراد یہی ہے کہ گردن سے ملا کر ہاتھ باندھ دیئے گئے ہیں اور سر اونچے ہیں اور ایسا ہوتا ہے کہ بولنے میں ایک چیز کا ذکر کر کے دوسری چیز کو جو اسی سے سمجھ لی جاتی ہے اس کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہ بات موجود ہے۔ غل کہتے ہی ہیں دونوں ہاتھوں کو گردن تک پہنچا کر گردن کے ساتھ جکڑ بند کر دینے کو۔ اسی لئے گردن کا ذکر کیا اور ہاتھوں کا ذکر چھوڑ دیا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کے ہاتھ ان کی گردنوں سے باندھ دیئے ہیں اس لئے وہ کسی کار خیر کی طرف ہاتھ بڑھا نہیں سکتے ان کے سر اونچے ہیں ان کے ہاتھ ان کے منہ پر ہیں وہ ہر بھلائی کرنے سے قاصر ہیں، گردنوں کے اس طوق کے ساتھ ہی ان کے آگے دیوار ہے جو حق تسلیم کرنے میں مانع ہے۔ پیچھے بھی دیوار ہے یعنی حق کو ماننے میں رکاوٹ ہے یعنی حق سے روک ہے۔ اس وجہ سے تردد میں پڑے ہوتے ہیں حق کے پاس آ نہیں سکتے۔ گمراہیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ حق کو دیکھ ہی نہیں سکتے۔ نہ حق کی طرف راہ پائیں۔ نہ حق سے فائدہ اٹھائیں۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت کے مقصد عظیم کا بیان

حضرت مالک سے منقول ہے کہ ان تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں یعنی اس دنیا میں میری بعثت کا ایک عظیم مقصد یہ ہے کہ انسانی اخلاق واوصاف کو بیان کروں اور ان کو درجہ کمال تک پہنچا دوں۔ (موطا امام مالک اور احمد نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے) اپنی بہترین صورت وسیرت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1021)

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ٥
وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ٥
اور ہم نے ان کے آگے سے ایک دیوار کر دی اور ان کے پیچھے سے ایک دیوار، پھر ہم نے انھیں ڈھانپ دیا تو وہ نہیں دیکھتے۔
اور ان پر برابر ہے خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا انہیں نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔

کفار کیلئے قبول حق کا مثل دیوار راستہ بند ہو جانے کا بیان

"وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا " بِفَتْحِ السِّين وَضَمّهَا فِي الْمَوْضِعَيْنِ "فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ" تَمْثِيل أَيْضًا لِسَدِّ طُرُق الْإِيمَان عَلَيْهِمْ، "وَسَوَاء عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتهمْ " بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِبْدَال الثَّانِيَة أَلِفًا وَتَسْهِيلهَا وَإِدْخَال أَلِف بَيْن الْمُسَهَّلَة وَالْأُخْرَى وَتَرْكه

اور ہم نے ان کے آگے سے ایک دیوار کر دی اور ان کے پیچھے سے ایک دیوار، یہاں پر لفظ سدا دونوں مقامات پر سین کے فتحہ کے ساتھ آیا ہے۔ پھر ہم نے انھیں ڈھانپ دیا تو وہ نہیں دیکھتے۔ یہ بھی اسی طرح ایمان کے راستوں کو بند کرنے کی تمثیل ہے۔ اور ان پر برابر ہے خواہ آپ انہیں ڈرائیں یا انہیں نہ ڈرائیں، یہاں پر دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ دوسرے کو الف کے ساتھ بدلنے اور دونوں ہمزوں کی تسہیل جبکہ مسہلہ اور دوسرے کے درمیان الف کو داخل کیا جائے گا اور اسی طرح ترک دخول کے ساتھ بھی آیا ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔

نبی کریم ﷺ کا قریش کو دعوت اسلام دینے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ (وانذر عشیرتک الاقربین) (یعنی اپنے قریب کے کنبہ والوں کو ڈرایئے) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے لوگوں کو آواز دے کر بلایا جب وہ جمع ہو گئے تو آپ نے خطاب میں تعمیم بھی کی اور تخصیص بھی یعنی ان کو ان کے دور کے جد اعلیٰ کے ناموں کے ذریعہ بھی مخاطب کیا خاص خاص لوگوں سے مخصوص خطاب بھی ہو جائے چنانچہ آپ نے ان سب کو اس طرح خطاب فرمایا اے کعب بن لوی کے بیٹو اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ (یعنی ایمان قبول کرو اور نیک عمل کرو تا کہ دوزخ کی آگ سے نجات پا سکو) اے مرہ بن کعب کے بیٹو اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے عبد شمس کے بیٹو اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے عبد مناف کے بیٹو اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے ہاشم کے بیٹو اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ اور اے میری لخت جگر فاطمہ اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچا اس لئے کہ میں تمہارے حق میں اللہ کی طرف از قسم عذاب کسی چیز کا مالک نہیں ہوں یعنی میں تم سے کسی کو بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا البتہ مجھ پا تمہاری قرابت کا حق ہے جس کو میں اس کی تری کے ساتھ تر کرتا ہوں یعنی میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت ہے اور اس کا جو حق مجھ پر ہے۔ وہ بس اتنا ہی کہ میں اس دنیا کے معاملات میں تمہاری دیکھ بھال رکھوں، تمہارے ساتھ اچھا سلوک کروں اور اگر تم احتیاج وضرورت کی تپش محسوس کرو تو میں صلہ رحمی اور حسن سلوک واحسان کے چھینٹوں سے اس تپش کو ختم کرنے کی کوشش کروں۔ اس روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1305)

کفار کے سروں کے خاک آلود ہونے کا بیان

ایک مرتبہ ابوجہل ملعون نے ایک مجمع میں کہا تھا کہ یہ دیکھو کہتا ہے کہ اگر تم اس کی تابعداری کرو گے تو تم بادشاہ بن جاؤ گے اور مرنے کے بعد خلد نشین ہو جاؤ گے اور اگر تم اس کا خلاف کرو گے تو یہاں ذلت کی موت مارے جاؤ گے اور وہاں عذابوں میں گرفتار

ہو گے۔ آج آنے تو دو۔ اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ کی مٹھی میں خاک تھی آپ ابتداء سورہ یٰسین سے لایبصرون تک پڑھتے ہوئے آ رہے تھے۔ اللہ نے ان سب کو اندھا کر دیا اور آپ ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے تشریف لے گئے۔ ان بدبختوں کا گروہ کا گروہ آپ کے گھر کو گھیرے ہوئے تھا اس کے بعد ایک صاحب گھر سے نکلے ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے گھیرا ڈالے کھڑے ہو انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں آج اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے اس نے کہا واہ واہ وہ تو گئے بھی اور تم سب کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے نکل گئے ہیں۔ یقین نہ ہو تو اپنے سر جھاڑ واب جو سر جھاڑے تو واقعی خاک نکلی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب ابوجہل کی یہ بات دوہرائی گئی تو آپ نے فرمایا اس نے ٹھیک کہا فی الواقع میری تابعداری ان کے لئے دونوں جہاں کی عزت کا باعث ہے اور میری نافرمانی ان کے لئے ذلت کا موجب ہے اور یہی ہوگا، ان پر مہر اللہ کی لگ چکی ہے یہ نیک بات کا اثر نہیں لیتے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یٰسین، بیروت)

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ○
آپ تو صرف اسی شخص کو ڈر سناتے ہیں جو نصیحت کی پیروی کرتا ہے اور خدائے رحمان سے بن دیکھے ڈرتا ہے،
سو آپ اسے بخشش اور بڑی عزت والے اجر کی خوشخبری سنا دیں۔

غائب پر ایمان لانے والوں کیلئے جنت ہونے کا بیان

"إِنَّمَا تُنْذِر" يَنْفَع إِنْذَارك "مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْر" الْقُرْآن "وَخَشِيَ الرَّحْمَن بِالْغَيْبِ" خَافَهُ وَلَمْ يَرَهُ "فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْر كَرِيم" هُوَ الْجَنَّة،

آپ تو صرف اسی شخص کو ڈر سناتے ہیں جو نصیحت یعنی قرآن کی پیروی کرتا ہے اور خدائے رحمان سے بن دیکھے ڈرتا ہے، حالانکہ اس نے دیکھا نہیں ہے۔ سو آپ اسے بخشش اور بڑی عزت والے اجر کی خوشخبری سنا دیں۔ جو جنت ہے۔

غیب کی تعریف واقسام کا بیان

غیب مصدر یا اسم فاعل کے معنی میں ہے، اس تقدیر پر غیب وہ ہے جو حواس وعقل سے بدیہی طور پر معلوم نہ ہو سکے، اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس پر کوئی دلیل نہ ہو یہ علم غیب ذاتی ہے اور یہی مراد ہے آیہ (وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ (59)-6الانعام:59) میں اور ان تمام آیات میں جن میں علم غیب کی غیر خدا سے نفی کی گئی ہے، اس قسم کا علم غیب یعنی ذاتی جس پر کوئی دلیل نہ ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، غیب کی دوسری قسم وہ ہے جس پر دلیل ہو جیسے صانع عالم اور اس کی صفات اور نبوات اور ان کے متعلقات احکام وشرائع وروز آخر اور اس کے احوال، بعث، نشر، حساب، جزا وغیرہ کا علم جس پر دلیلیں قائم ہیں اور جو تعلیم الٰہی سے حاصل ہوتا ہے یہاں یہی مراد ہے، اس دوسرے قسم کے غیوب جو ایمان سے علاقہ رکھتے ہیں ان کا علم ویقین ہر مومن کو حاصل ہے اگر نہ ہو آدمی مومن نہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں انبیاء واولیاء پر جو غیوب کے دروازے کھولتا ہے وہ اسی قسم

کا غیب ہے یا غیب معنیٰ مصدری میں رکھا جائے اور غیب کا صلہ مومن بہ قرار دیا جائے یا باء کو متلبسین محذوف کے متعلق کر کے حال قرار دیا جائے، پہلی صورت میں آیت کے معنیٰ یہ ہوں گے جو بغیر دیکھے ایمان لائیں،
دوسری صورت میں معنیٰ یہ ہوں گے جو مؤمنین کے پسِ غیب ایمان لائیں یعنی ان کا ایمان منافقوں کی طرح مومنین کے دکھانے کے لئے نہ ہو بلکہ وہ مخلص ہوں، غائب حاضر ہر حال میں مؤمن رہیں۔غیب کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ غیب سے قلب یعنی دل مراد ہے، اس صورت میں معنیٰ یہ ہوں گے کہ وہ دل سے ایمان لائیں۔(تفسیر جمل، سورہ یٰسین، بیروت)

بن دیکھے ایمان لانے کی فضیلت کا بیان

اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ سے پوچھا، تمہارے نزدیک ایمان لانے میں کون زیادہ افضل ہے، انہوں نے کہا، فرشتے۔فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لائیں وہ تو اپنے رب کے پاس ہی ہیں، لوگوں نے پھر کہا انبیاء، فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لائیں ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے۔کہا پھر ہم۔فرمایا تم ایمان کو قبول کیوں نہ کرتے؟ جب کہ میں تم میں موجود ہوں سنو! میرے نزدیک سب سے زیادہ افضل ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے۔صحیفوں میں لکھی ہوئی کتاب پائیں گے اس پر ایمان لائیں گے۔(معجم کبیر، ج ۱۲، حدیث، ۱۲۵۶۰)

اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَکْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ؕ وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْٓ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ۝
بے شک ہم ہی مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ہم لکھ رہے ہیں جو عمل انھوں نے آگے بھیجے اور ان کے چھوڑے ہوئے
نشان بھی اور جو بھی چیز ہے ہم نے اسے ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے۔

مردوں کے زندہ ہونے اور حساب اعمال کا بیان

"إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَى " لِلْبَعْثِ "وَنَكْتُب" فِي اللَّوْح الْمَحْفُوظ "مَا قَدَّمُوا" فِي حَيَاتهمْ مِنْ خَيْر وَشَرّ لِيُجَازُوا عَلَيْهِ "وَآثَارهمْ" مَا اسْتَنَّ بِهِ بَعْدهمْ "وَكُلّ شَيْء " نَصَبَهُ بِفِعْلٍ يُفَسِّرهُ "أَحْصَيْنَاهُ" ضَبَطْنَاهُ "فِي إِمَام مُبِين" كِتَاب بَيِّن هُوَ اللَّوْح الْمَحْفُوظ،

بے شک ہم ہی مردوں کو بعث کیلئے زندہ کرتے ہیں اور ہم لوح محفوظ میں لکھ رہے ہیں جو عمل انھوں نے اپنی زندگی میں بھلائی اور برائی کے اعمال آگے بھیجے تاکہ ان پر انہیں جزاء دی جائے۔اور ان کے چھوڑے ہوئے نشان بھی جن کے نقش قدم پر وہ بعد میں چلا گیا اور جو بھی چیز ہے یہاں لفظ کل فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر بعد والا فعل احصیناہ کر رہا ہے۔ہم نے اسے ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے۔یعنی لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔

سورہ یٰسین آیت ۱۲ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابوسعد خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں قبیلہ بنو سلم مدینہ کے کنارے آباد تھے ان کی چاہت تھی کہ مسجد کے قریب

منتقل ہو جائیں۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی (اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ، بے شک ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے اور جو انہوں نے آگے بھیجا اور جو پیچھے اس کو لکھتے ہیں)۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چونکہ تمہارے اعمال لکھے جاتے ہیں اس لئے منتقل نہ ہو۔ یہ حدیث ثوری کی روایت سے حسن غریب ہے اور ابوسفیان سے مراد طریف سعدی ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1174)

حضرت ابوسعید خدری سے ایک دوسری روایت ہے کہ بنوسلمہ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے گھروں کو مسجد سے دور ہونے کی شکایت کی تو اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنے انہی گھروں میں ٹھہرے رہو کیونکہ تمہارے قدم لکھے جاتے ہیں۔ (نیسابوری 303، مستدرک 2۔428)

صدقہ جاریہ بننے والے اعمال کا بیان

اور ہم ان کی وہ نشانیاں، وہ طریقے بھی لکھتے ہیں جو وہ اپنے بعد چھوڑ گئے خواہ وہ طریقے نیک ہوں یا بد، جو نیک طریقے امتی نکالتے ہیں ان کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں اور اس طریقے کو نکالنے والوں اور عمل کرنے والوں دونوں کو ثواب ملتا ہے اور جو برے طریقے نکالتے ہیں ان کو بدعتِ سیئہ کہتے ہیں اس طریقے کے نکالنے والے اور عمل کرنے والوں دونوں گناہ گار ہوتے ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اسلام میں نیک طریقہ نکالا اس کو طریقہ نکالنے کا بھی ثواب ملے گا اور اس پر عمل کرنے والوں کو بھی ثواب بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے ثواب میں کچھ کمی کی جائے اور جس نے اسلام میں برا طریقہ نکالا تو اس پر وہ طریقہ نکالنے کا بھی گناہ اور اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کے بھی گناہ بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کچھ کمی کی جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدہا امورِ خیر مثلِ فاتحہ گیارہویں و تیجہ و چالیسواں و عرس و توشہ و ختم و محافلِ ذکرِ میلاد و شہادت جن کو بدمذہب لوگ بدعت کہہ کر منع کرتے ہیں اور لوگوں کو ان نیکیوں سے روکتے ہیں یہ سب درست اور باعث اجر و ثواب ہیں اور ان کو بدعتِ سیئہ بتانا غلط و باطل ہے۔ یہ طاعات اور اعمالِ صالحہ جو ذکر و تلاوت اور صدقہ و خیرات پر مشتمل ہیں بدعتِ سیئہ نہیں۔ بدعتِ سیئہ وہ برے طریقے ہیں جن سے دین کو نقصان پہنچتا ہے اور جو سنّت کے مخالف ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا کہ جو قوم بدعت نکالتی ہے اس سے ایک سنّت اٹھ جاتی ہے تو بدعتِ سیئہ وہی ہے جس سے سنّت اٹھتی ہو جیسے کہ رفض، خروج، وہابیت یہ سب انتہا درجہ کی خراب سیئہ بدعتیں ہیں، رفض و خروج جو اصحاب و اہلِ بیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت پر مبنی ہیں، ان سے اصحاب و اہلِ بیت کے ساتھ محبت و نیاز مندی رکھنے کی سنّت اٹھ جاتی ہے جس کے شریعت میں تاکیدی حکم ہیں۔ وہابیت کی اصل مقبولانِ حق حضرات انبیاء و اولیاء کی جناب میں بے ادبی و گستاخی اور تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دینا ہے، اس سے بزرگانِ دین کی حرمت و عزت اور ادب و تکریم اور مسلمانوں کے ساتھ اخوت و محبت کی سنّتیں اٹھ جاتی ہیں جن کی بہت شدید تاکیدیں ہیں اور جو دین میں بہت ضروری چیزیں ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا کہ آثار سے مراد وہ قدم ہیں جو نمازی مسجد کی طرف چلنے میں رکھتا ہے اور اس معنی پر آیت کی شانِ نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ بنی سلمہ مدینہ طیبہ کے

کنارے پر رہتے تھے انہوں نے چاہا کہ مسجد شریف کے قریب آ بسیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے قدم لکھے جاتے ہیں تم مکان تبدیل نہ کرو یعنی جتنی دور سے آؤ گے اتنے ہی قدم زیادہ پڑیں گے اور اجر وثواب زیادہ ہوگا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یٰسین، لاہور)

مسلمان کے فوت ہو جانے کے بعد ثواب پہنچانے والے اعمال کا بیان

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کے ثواب کا سلسلہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کے ثواب کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔

(۱) صدقہ جاریہ (۲) علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (۳) صالح اولاد جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرے۔

(صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 198)

ایسے اعمال جن کا تعلق دنیاوی زندگی سے ہوتا ہے ان کے اثرات مرنے کے بعد دنیا ہی میں ختم ہو جاتے ہیں مثلاً نماز، روزہ وغیرہ ایسے اعمال ہیں جو انسان کی زندگی میں ادا ہوتے تھے گو کہ ان کا ثواب بایں طور باقی رہتا ہے کہ وہ ذخیرہ آخرت ہو جاتے ہیں اور مرنے کے بعد اس پر جزاء ملتی ہے مگر ان کا سلسلہ مرنے کے بعد آئندہ جاری نہیں رہتا۔ کیونکہ زندگی میں جب تک یہ اعمال ہوتے تھے اس کا ثواب ملتا رہتا تھا جب زندگی ختم ہوگئی تو یہ اعمال بھی ختم ہو گئے اور جب یہ اعمال ختم ہو گئے تو اس پر جزاء سزا کا ترتب بھی ختم ہو گیا۔ لیکن کچھ اعمال ایسے بھی ہیں جن کے ثواب کا سلسلہ نہ صرف یہ کہ زندگی میں ملتا ہے بلکہ مرنے کے بعد باقی و جاری رہتا ہے۔

ایسے ہی اعمال کے بارے میں اس حدیث میں ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ تین اعمال ایسے ہیں کہ زندگی ختم ہو جانے کے بعد بھی ان کے ثواب کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اور مرنے والا برابر اس سے منتفع ہوتا رہتا ہے۔ پہلی چیز صدقہ جاریہ ہے، یعنی اگر کوئی آدمی اللہ کی راہ میں زمین وقف کر گیا ہے یا کنواں و تالاب بنوا گیا ہے یا ایسے ہی اللہ کی مخلوق کے فائدہ کی خاطر کوئی دوسری چیز اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے تو جب تک یہ چیزیں قائم رہیں گی اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کو برابر ثواب ملتا رہے گا۔ دوسری چیز علم نافع ہے یعنی کسی ایسے عالم نے وفات پائی جو اپنی زندگی میں لوگوں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاتا رہا اور پھر اپنے علوم و معارف کو کسی کتاب کے ذریعہ محفوظ کر گیا جو ہمیشہ لوگوں کے لئے فائدہ مند اور رشد و ہدایت کا سبب بنی ہے یا کسی ایسے آدمی کو اپنا شاگرد بنا گیا جو اس کے علم کا صحیح وارث ہے۔

جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو زندگی ختم ہونے کے بعد اس کے لئے سرمایہ و سعادت ثابت ہوں گی اور جن کا ثواب اسے وہاں برابر ملتا رہے گا۔ تیسری چیز اولاد صالح ہے ظاہر ہے کہ کسی انسان کے لئے سب سے بڑی سعادت اور وجہ افتخار اس کی اولاد صالح ہی ہوتی ہے اس لئے کہ صالح اولاد نہ صرف یہ کہ ماں باپ کے لئے دنیا میں سکون و راحت کا باعث بنتی ہے بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے وسیلہ نجات اور ذریعہ فلاح بھی بنتی ہے اور اس طرح سے کہ لائق و نیک لڑکا

اپنے والدین کی قبروں پر جاتا ہے وہاں فاتحہ پڑھتا ہے دعائے مغفرت کرتا ہے، قرآن پڑھ کران کو بخشتا ہے اوران کی طرف سے خیرات وصدقات کرتا ہے اورظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں مردہ کے لئے ثواب کا باعث ہیں جن سے وہ اخروی زندگی میں کامیاب ہوتا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ
اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝
اورآپ ان کے لئے ایک بستی کے باشندوں کی مثال بیان کریں، جب ان کے پاس کچھ پیغمبر آئے۔ جبکہ ہم نے
ان کی طرف دو بھیجے تو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا پھر ہم نے تیسرے کے ذریعے قوت دی، پھران تینوں نے کہا:
بیشک ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔

بستی انطاکیہ کی جانب متعدد رسل کی بعثت کا بیان

"وَاضْرِبْ" اجْعَلْ "لَهُمْ مَثَلًا" مَفْعُول أَوَّل "أَصْحَاب" مَفْعُول ثَانٍ "الْقَرْيَة" أَنْطَاكِيَة "إِذْ جَاءَهَا" إِلَى آخِره بَدَل اشْتِمَال مِنْ أَصْحَاب الْقَرْيَة "الْمُرْسَلُونَ" أَيْ رُسُل عِيسَى،
"إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا" إِلَى آخِره بَدَل مِنْ إِذْ الْأُولَى "فَعَزَّزْنَا بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد: قَوَّيْنَا الِاثْنَيْنِ،

اورآپ ان کے لئے ایک بستی انطاکیہ کے باشندوں کی مثال بیان کریں، یہاں پرلفظ مثلا یہ مفعول اول ہے جبکہ اصحاب یہ مفعول ثانی ہے۔اوراذ جاءھا یہ آخر تک اصحاب قریہ سے بدل اشتمال ہے۔ جب ان کے پاس کچھ پیغمبر یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد آئے۔ جبکہ ہم نے ان کی طرف پہلے دو پیغمبر بھیجے۔ یہاں پر اذ پہلے اذ سے بدل ہے۔تو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا پھر ہم نے ان کو تیسرے پیغمبر کے ذریعے قوت دی، یہاں پرلفظ فعززنا یہ تخفیف وتشدید دونوں طرح آیا ہے۔ پھران تینوں نے کہا: بیشک ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔

اس شہر سے مراد انطاکیہ ہے یہ ایک بڑا شہر ہے اس میں چشمے ہیں، کئی پہاڑ ہیں، ایک سنگین شہر پناہ ہے، بارہ میل کے دور میں بستا ہے۔

حبیب نجار کے ایمان لانے کا بیان

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کا مختصر بیان یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دو حواریوں صادق و صدوق کو انطاکیہ بھیجا تا کہ وہاں کے لوگوں کو جو بت پرست تھے دین حق کی دعوت دیں جب یہ دونوں شہر کے قریب پہنچے تو انہوں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ بکریاں چرارہا ہے اس شخص کا نام حبیب نجار تھا اس نے ان کا حال دریافت کیا، ان دونوں نے کہا

کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے ہیں تمہیں دین حق کی دعوت دینے آئے ہیں کہ بت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کرو، حبیب نجار نے نشانی دریافت کی انہوں نے کہا کہ نشانی یہ ہے کہ ہم بیماروں کو اچھا کرتے ہیں، اندھوں کو بینا کرتے ہیں، برص والے کا مرض دور کر دیتے ہیں، حبیب نجار کا ایک بیٹا دو سال سے بیمار تھا، انہوں نے اس پر ہاتھ پھیرا وہ تندرست ہو گیا، حبیب ایمان لائے اور اس واقعہ کی خبر مشہور ہو گئی تا آنکہ ایک خلق کثیر نے ان کے ہاتھوں اپنے امراض سے شفا پائی یہ خبر پہنچنے پر بادشاہ نے انہیں بلا کر کہا کیا ہمارے معبودوں کے سوا اور کوئی معبود بھی ہے؟ ان دونوں نے کہا ہاں وہی جس نے تجھے اور تیرے معبودوں کو پیدا کیا پھر لوگ ان کے درپے ہوئے اور انہیں مارا اور یہ دونوں قید کر لئے گئے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شمعون کو بھیجا وہ اجنبی بن کر شہر میں داخل ہوئے اور بادشاہ کے مصاحبین و مقربین سے رسم و راہ پیدا کر کے بادشاہ تک پہنچے اور اس پر اپنا اثر پیدا کر لیا جب دیکھا کہ بادشاہ ان سے خوب مانوس ہو گیا ہے تو ایک روز بادشاہ سے ذکر کیا کہ دو جو آدمی قید کئے گئے ہیں کیا ان کی بات سنی گئی تھی وہ کیا کہتے تھے؟ بادشاہ نے کہا کہ نہیں جب انہوں نے نئے دین کا نام لیا فوراً ہی مجھے غصہ آ گیا شمعون نے کہا کہ اگر بادشاہ کی رائے ہو تو انہیں بلایا جائے دیکھیں ان کے پاس کیا ہے چنانچہ وہ دونوں بلائے گئے، شمعون نے ان سے دریافت کیا تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ انہوں نے کہا اس اللہ نے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر جاندار کو روزی دی اور جس کا کوئی شریک نہیں، شمعون نے کہا اس کی مختصر صفت بیان کرو انہوں نے کہا وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے، شمعون نے کہا تمہاری نشانی کیا ہے؟ انہوں نے کہا جو بادشاہ چاہے تو بادشاہ نے ایک اندھے لڑکے کو بلایا انہوں نے دعا کی وہ فوراً بینا ہو گیا، شمعون نے بادشاہ سے کہا کہ اب مناسب یہ ہے کہ تو اپنے معبودوں سے کہہ کہ وہ بھی ایسا ہی کر کے دکھائیں تاکہ تیری اور ان کی عزت ظاہر ہو، بادشاہ نے شمعون سے کہا کہ تم سے کچھ چھپانے کی بات نہیں ہے ہمارا معبود نہ دیکھے، نہ سنے، نہ کچھ بگاڑ سکے، نہ بنا سکے پھر بادشاہ نے ان دونوں حواریوں سے کہا کہ اگر تمہارے معبود کو مردے کے زندہ کر دینے کی قدرت ہو تو ہم اس پر ایمان لے آئیں، انہوں نے کہا ہمارا معبود ہر شے پر قادر ہے، بادشاہ نے ایک دہقان کے لڑکے کو منگایا جس کو مرے ہوئے سات دن ہو گئے تھے اور جسم خراب ہو چکا تھا، بدبو پھیل رہی تھی، ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ کیا اور وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں مشرک مرا تھا مجھ کو جہنم کے سات وادیوں میں داخل کیا گیا، میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ جس دین پر تم ہو بہت نقصان دہ ہے، ایمان لاؤ اور کہنے لگا کہ آسمان کے دروازے کھلے اور ایک حسین جوان مجھے نظر آیا جوان تینوں شخصوں کی سفارش کرتا ہے، بادشاہ نے کہا کون تین؟ اس نے کہا ایک شمعون اور دو یہ، بادشاہ کو تعجب ہوا، جب شمعون نے دیکھا کہ اس کی بات بادشاہ میں اثر کر گئی تو اس نے بادشاہ کو نصیحت کی وہ ایمان لایا اور اس کی قوم کے کچھ لوگ ایمان لائے اور کچھ ایمان نہ لائے اور عذاب الٰہی سے ہلاک کئے گئے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یٰسین، بیروت)

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ○
قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ○ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○

انھوں نے کہا تم ہمارے جیسے بشر ہی تو ہو اور رحمان نے کوئی چیز نازل نہیں کی، تم تو محض جھوٹ ہی کہہ رہے ہو۔
جبکہ ان (رسولان گرامی) نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ یقیناً ہم تمھاری طرف ضرور بھیجے ہوئے ہیں۔ اور ہم پر
صاف پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں۔

انبیائے کرام کے مقصد بعثت میں حکم ابلاغ کا بیان

"قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَر مِثْلنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَن مِنْ شَيْء إِنْ " مَا"قَالُوا رَبّنَا يَعْلَم" جَارٍ مَجْرَى الْقَسَم وَزِيدَ التَّأْكِيد بِهِ وَبِاللَّامِ عَلَى مَا قَبْله لِزِيَادَةِ الْإِنْكَار فِي "إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ"

"وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ الْمُبِين" التَّبْلِيغ الْمُبِين الظَّاهِر بِالْأَدِلَّةِ الْوَاضِحَة وَهِيَ إِبْرَاء الْأَكْمَه وَالْأَبْرَص وَالْمَرِيض وَإِحْيَاء الْمَيِّت،

انھوں نے کہا تم ہمارے جیسے بشر ہی تو ہو اور رحمان نے کوئی چیز نازل نہیں کی، تم تو محض جھوٹ ہی کہہ رہے ہو۔ جبکہ ان (رسولان گرامی) نے کہا ہمارا رب جانتا ہے یہاں پر لفظ ربنا یہ قسم کے قائم مقام ہے اور لام کے ساتھ اور تاکید کے ساتھ ماقبل پر انکار کے سبب زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ کہ یقیناً ہم تمھاری طرف ضرور بھیجے ہوئے ہیں۔ اور ہم پر صاف پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں۔ یعنی پیغام حق کو دلائل کے ساتھ ظاہر کر دینا ہے۔ اور وہ کوڑھی مریض کو تندرست کرنا اور اندھے کو بینائی دینا اور مردوں کو زندہ کرنا ہے۔

لفظ رسول اور مرسل قرآن کریم میں عام طور پر اللہ کے نبی پیغمبر کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس آیت میں ان کے بھیجنے کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے، یہ بھی علامت اس کی ہے کہ اس سے مراد انبیاء مرسلین ہیں۔ ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس کعب احبار اور وہب بن منبہ کی روایت یہی نقل کی ہے کہ یہ تینوں بزرگ جن کا اس قریہ میں بھیجنے کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے ان کے نام اس روایت میں صادق، صدوق اور شلوم مذکور ہیں، اور ایک روایت میں تیسرے کا نام شمعون آیا ہے۔

اور حضرت قتادہ سے یہ منقول ہے کہ یہاں لفظ مرسلون اپنے اصلاحی معنی میں نہیں بلکہ قاصد کے معنی میں ہے اور یہ تین بزرگ جو اس قریہ کی طرف بھیجے گئے خود پیغمبر نہیں تھے، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوارین میں سے تھے۔ انہی کے حکم سے یہ اس قریہ کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے (ابن کثیر) اور چونکہ ان کے بھیجنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول تھے، ان کا بھیجنا بھی بالواسطہ اللہ تعالیٰ ہی کا بھیجنا تھا اس لئے آیت میں ان کے ارسال کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ مفسرین میں سے ابن کثیر نے پہلے قول کو اور قرطبی وغیرہ نے دوسرے کو اختیار کیا ہے، ظاہر قرآن سے بھی یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ حضرات اللہ کے نبی اور پیغمبر تھے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ یٰسین، بیروت)

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○

انہوں نے کہا ہمیں تم سے نحوست پہنچی ہے اگر تم واقعی باز نہ آئے تو ہم تمہیں یقیناً سنگ سار کردیں گے اور ہماری طرف سے تمہیں ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔ کہا: تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے، کیا یہ نحوست ہے کہ تمہیں نصیحت کی گئی، بلکہ تم لوگ حد سے گزر جانے والے ہو۔

کفار کا نصیحت کی جانب نحوست کی نسبت کرنے کا بیان

"قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا" تَشَاءَمْنَا "بِكُمْ" لِانْقِطَاعِ الْمَطَر عَنَّا بِسَبَبِكُمْ "لَئِنْ" لَام قَسَم "لَمْ تَنْتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ" بِالْحِجَارَةِ "وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِنَّا عَذَاب أَلِيم" مُؤْلِم

"قَالُوا طَائِرُكُمْ" شُؤْمكُمْ "مَعَكُمْ" بِكُفْرِكُمْ "أَإِنْ" هَمْزَة اسْتِفْهَام دَخَلَتْ عَلَى إِنْ الشَّرْطِيَّة وَفِي هَمْزَتهَا التَّحْقِيق وَالتَّسْهِيل وَإِدْخَال أَلِف بَيْنهَا بِوَجْهَيْهَا وَبَيْن الْأُخْرَى "ذُكِّرْتُمْ" وُعِظْتُمْ وَخُوِّفْتُمْ وَجَوَاب الشَّرْط مَحْذُوف أَيْ تَطَيَّرْتُمْ وَكَفَرْتُمْ وَهُوَ مَحَلّ الِاسْتِفْهَام وَالْمُرَاد بِهِ التَّوْبِيخ "بَلْ أَنْتُمْ قَوْم مُسْرِفُونَ" مُتَجَاوِزُونَ الْحَدّ بِشِرْكِكُمْ،

بستی والوں نے کہا ہمیں تم سے نحوست پہنچی ہے کیونکہ تمہاری وجہ سے ہم سے بارش منقطع ہو چکی ہے۔ یہاں پر لفظ لئن میں لام قسمیہ ہے۔ اگر تم واقعی باز نہ آئے تو ہم تمہیں یقیناً سنگ سار کردیں گے اور ہماری طرف سے تمہیں ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔ پیغمبروں نے کہا تمہاری نحوست تمہارے کفر کے ساتھ ہے، کیا یہ نحوست ہے یہاں پر ہمزہ استفہامیہ ہے جو ان شرطیہ پر داخل ہوا ہے۔ اور اس میں ہمزہ تحقیق و تسہیل جبکہ دونوں صورتوں میں ان کے درمیان الف داخل کیا جائے۔ کہ تمہیں نصیحت کی گئی، یعنی تمہیں ڈرایا گیا۔ اور جواب شرط محذوف ہے یعنی تطیرتم و کفرتم اور یہی محل استفہام ہے۔ جبکہ اس سے مراد توبیخ ہے۔ بلکہ تم لوگ حد سے گزر جانے والے ہو۔ یعنی تم شرک کر کے حد سے بڑھنے والے ہو۔

انبیاء و رسل سے کفار کی بدسلوکی کا بیان

ان کافروں نے ان رسولوں سے کہا کہ تمہارے آنے سے ہمیں کوئی برکت و خیریت تو ملی نہیں۔ بلکہ اور برائی اور بدی پہنچی۔ تم ہو ہی بدشگون اور تم جہاں جاؤ گے بلائیں برسیں گی۔ سنو اگر تم اپنے اس طریقے سے باز نہ آئے اور یہی کہتے رہے تو ہم تمہیں سنگسار کردیں گے۔ اور سخت المناک سزائیں دیں گے رسولوں نے جواب دیا کہ تم خود بدفطرت ہو۔ تمہارے اعمال ہی برے ہیں اور اسی وجہ سے تم پر مصیبتیں آتی ہیں۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

یہی بات فرعونیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے مومنوں سے کہی تھی۔ جب انہیں کوئی راحت ملتی تو کہتے ہم تو

اس کے مستحق ہی تھے۔اور اگر کوئی رنج پہنچتا تو حضرت موسیٰ اور مومنوں کی بدشگونی پر اسے محمول کرتے۔جس کے جواب میں جناب باری نے فرمایا یعنی ان کی مصیبتوں کی وجہ ان کے بداعمال ہیں جن کا وبال ہماری جانب سے انہیں پہنچ رہا ہے۔قوم صالح نے بھی اپنے نبی سے یہی کہا تھا اور یہی جواب پایا تھا۔خود جناب پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی کہا گیا ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے یعنی اگر ان کافروں کو کوئی نفع ہوتا ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان ہوتا ہے تو کہتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے تُو کہہ دیجیے کہ سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے۔انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ان سے یہ بات بھی نہیں سمجھی جاتی؟ پھر فرماتا ہے کہ صرف اس وجہ سے کہ ہم نے تمہیں نصیحت کی، تمہاری خیر خواہی کی، تمہیں بھلی راہ سمجھائی۔تمہیں اللہ کی توحید کی طرف رہنمائی کی تمہیں اخلاص وعبادت کے طریقے سکھائے تم ہمیں منحوس سمجھنے لگے؟

اور ہمیں اس طرح ڈرانے دھمکانے لگے؟ اور خوفزدہ کرنے لگے؟ اور مقابلہ پر اتر آئے؟ حقیقت یہ ہے کہ تم فضول خرچ لوگ ہو۔حدود الٰہیہ سے تجاوز کر جاتے ہو۔ہمیں دیکھو کہ ہم تمہاری بھلائی چاہیں۔تمہیں دیکھو کہ تم ہم سے برائی سمجھو۔بتاؤ تو بھلا یہ کوئی انصاف کی بات ہے؟ افسوس تم انصاف کے دائرے سے نکل گئے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ یٰسین، بیروت)

بدشگونی کے بے اصل ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ۔"بدشگونی بے حقیقت ہے اس سے بہتر تو اچھی فال ہے۔"صحابہ نے عرض کیا کہ اور فال کیا چیز ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اچھا کلمہ جس کو تم میں سے کوئی شخص سنے اور اس سے اپنی مراد پانے کی توقع پیدا کرے۔

(بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 509)

بدشگونی بے حقیقت ہے" کا مطلب یہ ہے کہ حصول منفعت یا دفع مضرت میں بدفالی لینے کا کوئی عمل دخل نہیں ہے اور نہ شریعت نے اس کو سبب اعتبار قرار دیا ہے۔لہٰذا اس کا کوئی اعتقاد و اعتبار نہ کرنا چاہئے۔چونکہ ہوگا وہی جو قادر مطلق (اللہ تعالیٰ) کی مرضی ہوگی اس لئے بدفالی لے کر اپنے آپ کو خواہ مخواہ خوف و اندیشہ اور ناامیدی میں کیوں مبتلا کیا جائے۔طیرہ یعنی بدفالی کی نفی کرنے اور اس کی ممانعت کو ظاہر کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فال کی تعریف کی اور یہ فرمایا کہ طیرہ کی بہترین صورت اچھی فال ہے۔گویا حدیث میں "طیرہ" مطلق فال لینے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے لیکن اس موقع پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حدیث کی عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اچھی فال لینا بہتر ہے۔اور بدفالی لینا بھی کسی نہ کسی درجہ میں اچھی چیز ہے حالانکہ حقیقت میں بدفالی اچھی چیز نہیں ہے۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس عبارت میں لفظ خیر اصل میں بہ کے مفہوم میں ہے نہ کہ بہتر کے معنی میں جیسا کہ یہ جملہ ہے۔آیت (والاخرة خیر وابقی) . واصحاب الجنة خیر . ایک جواب یہ بھی ہے کہ یہ ارشاد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم دراصل اہل عرب کے گمان واعتقاد پر مبنی ہے کہ وہ بدفالی کو بھی پسندیدہ چیز سمجھتے تھے یا یہ کہ اس عبارت کی بنیاد یہ ہے کہ اگر طیرہ کا اچھا ہونا بالفرض ممکن بھی ہوتا تو فال اس سے بہتر چیز ہوتی۔"وہ اچھا کلمہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو کوئی ایسا

جملہ سنائی دے جس سے اس کے دل میں اپنے مطلوب و مقصود کے حاصل ہو جانے کی امید پیدا ہو جائے اور وہ اس لفظ یا جملے کو اپنے حق میں گویا اچھی پیشگوئی سمجھے جیسے کوئی شخص اپنی کسی گمشدہ چیز کو تلاش کر رہا ہو کہ وہ یہ آواز سنے یا واجد یا کوئی شخص راستہ بھول گیا ہو اور اس کی تلاش میں ادھر ادھر بھٹک رہا ہو کہ اس کے کان میں کسی طرف سے یہ آواز آئے۔ یا راشدا۔

دور جاہلیت میں لوگوں کا کاہنوں کے پاس جانے کا بیان

حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا" یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسی کتنی ہی چیزیں ہیں جن کو ہم زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ ہم کاہنوں کے پاس جاتے تھے (اور ان سے غیب کی باتیں پوچھا کرتے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تم کاہنوں کے پاس نہ جایا کرو، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ایک چیز یہ بھی ہے کہ ہم شگون بد لیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو تم میں سے کوئی اپنے دل میں محسوس کر سکتا ہے لیکن یہ (یعنی دل میں اس طرح کا خیال آنا) تم کو کسی کام سے نہ روکے (یعنی اگر تم میں سے کوئی شخص بتقاضائے بشریت شگون بد کا خیال بھی لائے تو اس سے متاثر ہو کر اپنے قصد و ارادہ سے باز نہ رہے کیونکہ بدشگونی وہم محض سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ ایک چیز یہ بھی ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ لکیریں اور خطوط کھینچتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،۔ انبیاء میں سے ایک نبی گزرے ہیں جو (اللہ تعالیٰ کے حکم سے یا اپنے علم لدنی کے ذریعہ) لکیریں اور خطوط کھینچا کرتے تھے لہٰذا جس شخص کا خط ان کے موافق ہو وہ مباح ہوگا (ورنہ ناجائز)۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 526)

حدیث میں جس نبی مکرم علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے ان سے حضرت دانیال علیہ السلام یا بعض حضرات کے قول کے مطابق حضرت ادریس علیہ السلام مراد ہیں۔ حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ لکیریں اور خطوط کھینچنے کا علم کہ جس کو رمل کہا جاتا ہے اصل میں ان نبی سے چلا تھا جو اب اپنے حقیقی اصول و قواعد کے اعتبار سے معدوم ہو چکا ہے، اگر اب بھی کوئی شخص اس علم کو انہی خصوصیات و شرائط کے ساتھ جانتا ہو جو ان نبی علیہ السلام نے وضع فرمائے تھے اور اس کا لکیریں اور خطوط کھینچنا بالکل اسی طرح ہو جس طرح نبی کھینچتے تھے تو اس صورت میں اس علم سے فائدہ اٹھانا مباح ہوگا، لیکن یہ بات چونکہ متحقق ہے کہ یہ علم اپنے اصل کے اعتبار سے دنیا سے اٹھ گیا ہے اور کوئی شخص یہ جاننے پر قادر نہیں ہے کہ وہ نبی کس طرح لکیریں اور خطوط کھینچا کرتے تھے اس لئے اب اس علم کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا حرام و ممنوع ہوا۔

بدشگونی سے بچنے کی دعا کا بیان

حضرت عروہ بن عامر تابعی کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بدشگونی کا ذکر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی بہترین صورت اچھی فال ہے اور یاد رکھو کسی مسلمان کو شگون بد (اس کے مقصد و ارادہ سے) باز نہ رکھے (یعنی مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرے اور پھر کسی چیز کو بدشگونی سمجھ کر اس کام سے باز رہے)

اور جب تم میں کوئی شخص ایسی چیز کو دیکھے جس کو وہ ناپسند کرتا ہے یعنی ایسی چیز جس کے ذریعہ شگون بدلیا جاتا ہے اور جو دل ودماغ میں وہم وخلجان پیدا کرتی ہے تو چاہئے کہ یہ دعا پڑھے (اللھم لایاتی بالحسنات الا و الا یدفع السیات الا انت ولا حول ولاقوۃ الا باللہ) اے اللہ! اچھائیوں اور برائیوں کا لانے والا صرف تو ہے اور صرف تو ہی برائیوں اور خرابیوں کو دور کرنے والا ہے اور برائی سے منہ موڑنے اور نیکی کی طرف آنے کی توفیق وطاقت اللہ ہی کی طرف سے ہے۔" اس روایت کو ابوداؤد نے بطریق روایت نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 524)

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝
اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝
اور شہر کے سب سے دور کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا اے میری قوم! ان رسولوں کی پیروی کرو۔
ایسے لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

حبیب نجار کا قوم کو انبیائے کرام کی اتباع کا حکم دینے کا بیان

"وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَة رَجُل " هُوَ حَبِيب النَّجَّار كَانَ قَدْ آمَنَ بِالرُّسُلِ وَمَنْزِله بِأَقْصَى الْبَلَد
"يَسْعَى" يَشْتَدّ عَدْوًا لَمَّا سَمِعَ بِتَكْذِيبِ الْقَوْم الرُّسُل،
"اتَّبِعُوا" تَأْكِيد لِلْأَوَّلِ "مَنْ لَا يَسْأَلكُمْ أَجْرًا" عَلَى رِسَالَته "وَهُمْ مُهْتَدُونَ" فَقِيلَ لَهُ : أَنْتَ عَلَى دِينهمْ،

اور شہر کے سب سے دور کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا، جو حبیب نجار تھا۔ جو رسولان گرامی پر ایمان لے آیا اور اس کا گھر شہر کے آخری کنارے پر تھا۔ جب اس نے قوم سے رسولان گرامی کی تکذیب سنی تو وہ دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے کہا اے میری قوم! ان رسولوں کی پیروی کرو۔ یہ اول کی تاکید کیلئے آیا ہے۔ ایسے لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے اپنی رسالت پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ تو اس سے کہا گیا تو ان کے دین پر ہو گیا ہے؟

حبیب نجار کا قوم کو رسولان گرامی پر اطاعت کی دعوت دینے کا بیان

مروی ہے کہ اس بستی کے لوگ یہاں تک سرکش ہو گئے کہ انہیں نے پوشیدہ طور پر نبیوں کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ ایک مسلمان شخص جو اس بستی کے آخری حصے میں رہتا تھا جس کا نام حبیب تھا اور رسے کا کام کرتا تھا، تھا بھی بیمار، جذام کی بیماری تھی، بہت سخی آدمی تھا۔ جو کماتا تھا اس کا آدھا حصہ اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا کرتا تھا۔ دل کا نرم اور فطرت کا اچھا تھا۔ لوگوں سے الگ تھلگ ایک غار میں بیٹھ کر اللہ عزوجل کی عبادت کیا کرتا تھا۔ اس نے جب اپنی قوم کے اس بد ارادے کو کسی طرح معلوم کیا تو اس سے صبر نہ ہو سکا دوڑتا بھاگتا آیا۔ بعض کہتے ہیں یہ بڑھئی تھے۔ ایک قول ہے کہ یہ دھوبی تھے۔ عمر بن حکم فرماتے ہیں جوتی گانٹھنے والے تھے۔ اللہ ان پر رحم

کرے۔ انہوں نے آکر اپنی قوم کو سمجھانا شروع کیا کہ تم ان رسولوں کی تابعداری کرو۔ ان کا کہا مانو۔ ان کی راہ چلو، دیکھو تو یہ اپنا کوئی فائدہ نہیں کررہے ہیں تم سے تبلیغ رسالت پر کوئی بدلہ نہیں مانگتے۔ اپنی خیر خواہی کی کوئی اجرت تم سے طلب نہیں کررہے۔ درددل سے تمہیں اللہ کی توحید کی دعوت دے رہے ہیں اور سیدھے اور سچے راستے کی رہنمائی کررہے ہیں۔ خود بھی اسی راہ پر چل رہے ہیں۔ تمہیں ضرور ان کی دعوت پر لبیک کہنا چاہئے اور ان کی اطاعت کرنی چاہئے۔ لیکن قوم نے ان کی ایک نہ سنی بلکہ انہیں شہید کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یٰسین، بیروت)

وَمَالِیَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ○
اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

صفت خلق سے تقاضہ عبادت کے استدلال کا بیان

"وَمَا لِیَ لَا أَعۡبُدُ الَّذِی فَطَرَنِی" خَلَقَنِی أَیۡ لَا مَانِعَ لِی مِنۡ عِبَادَته الۡمَوۡجُود مُقۡتَضِیهَا وَأَنۡتُمۡ كَذٰلِكَ "وَإِلَیۡهِ تُرۡجَعُونَ" بَعۡدَ الۡمَوۡت فَیُجَازِیكُمۡ بِكُفۡرِكُمۡ،

اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا یعنی جب تقاضہ موجود ہے تو مجھے اس کی عبادت سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور اسی کی طرف تم موت کے بعد لوٹائے جاؤ گے۔ پس وہ تمہیں تمہارے کفر کے سبب جزاء دے گا۔

دعوت دین دینے والے کی شہادت کا بیان

وہ نیک بخت شخص جو اللہ کے رسولوں کی تکذیب وتردید اور توہین ہوتی دیکھ کر دوڑا ہوا آیا تھا اور جس نے اپنی قوم کو نبیوں کی تابعداری کی رغبت دلائی تھی وہ اب اپنے عمل اور عقیدے کو ان کے سامنے پیش کررہا ہے اور انہیں حقیقت سے آگاہ کرکے ایمان کی دعوت دے رہا ہے، تو کہتا ہے کہ میں تو صرف اپنے خالق مالک اللہ وحدہ لاشریک لہ کی قدرت کی ہی عبادت کرتا ہوں جبکہ صرف اسی نے مجھے پیدا کیا ہے تو میں اس کی عبادت کیوں نہ کروں؟ پھر یہ نہیں کہ اب ہم اس کی قدرت سے نکل گئے ہیں؟ اس سے اب ہمارا کوئی تعلق نہیں رہا ہو؟ نہیں بلکہ سب کے سب لوٹ کر پھر اس کے سامنے جمع ہونے والے ہیں۔ اس وقت وہ ہر بھلائی برائی کا بدلہ دے گا۔ یہ کیسی شرم کی بات ہے کہ میں اس خالق ووقار کو چھوڑ کر اوروں کو پوجوں جو نہ تو یہ طاقت رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی کسی مصیبت کو مجھ پر سے ڈال دیں، نہ یہ کہ ان کے کہنے سننے کی وجہ سے مجھے کوئی برائی پہنچے، اللہ اگر مجھے کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو یہ اسے دفع نہیں کرسکتے روک نہیں سکتے نہ مجھے اس سے بچا سکتے ہیں، اگر میں ایسے کمزوروں کی عبادت کرنے لگوں تو مجھ سے بڑھ کر گمراہ اور بہکا ہوا اور کون ہوگا؟ پھر تو نہ صرف مجھے بلکہ دنیا کے ہر بھلے انسان کو میری گمراہی کھل جائے گی۔ میری قوم کے لوگو! اپنے جس حقیقی معبود اور پروردگار سے تم منکر ہوئے ہو۔ سنو میں تو اس کی ذات پر ایمان رکھتا ہوں اور یہ بھی معنی اس آیت کے ہوسکتے ہیں کہ اس اللہ کے بندے مرد صالح نے اب اپنی قوم سے روگردانی کرکے اللہ کے ان رسولوں سے یہ کہا ہو کہ اللہ کے پیغمبرو!

تم میرے ایمان کے گواہ رہنا! میں اس اللہ کی ذات پر ایمان لایا جس نے تمہیں برحق رسول بنا کر بھیجا ہے، پس گویا یہ اپنے ایمان پر اللہ کے رسولوں کو گواہ بنا رہا ہے۔ یہ قول بہ نسبت اگلے قول کے بھی زیادہ واضح ہے واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ تمام کفار پل پڑے اور زدوکوب کرنے لگے۔ کون تھا جو انہیں بچاتا؟ پتھر مارتے مارتے انہیں اسی وقت فی الفور شہید کر دیا (رضی اللہ عنہ وارضاہ) یہ اللہ کے بندے یہ سچے ولی اللہ پتھر کھا رہے تھے لیکن زبان سے یہی کہے جا رہے تھے کہ اللہ میری قوم کو ہدایت کر یہ جانتے نہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ یٰسین، بیروت)

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ
شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ۝ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝
کیا میں اس کے سوا ایسے معبود بنالوں کہ اگر رحمان میرے بارے میں کسی نقصان کا ارادہ کرے تو ان کی سفارش
میرے کسی کام نہ آئے گی اور نہ وہ مجھے بچائیں گے۔ یقیناً میں تو اس وقت ضرور کھلی گمراہی میں ہوں گا۔

معبودان باطلہ کی سفارش کا کام نہ آنے کا بیان

"أَأَتَّخِذُ" فِي الْهَمْزَتَيْنِ مِنْهُ مَا تَقَدَّمَ فِي أَأَنْذَرْتهمْ وَهُوَ اسْتِفْهَام بِمَعْنَى النَّفْي "مِنْ دُونه" أَيْ غَيْره "آلِهَة" أَصْنَامًا "إِنْ يُرِدْنِ الرَّحْمَن بِضُرٍّ لَا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتهمْ" الَّتِي زَعَمْتُمُوهَا "شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُونَ" صِفَة آلِهَة، "إِنِّي إِذًا" أَيْ إِنْ عَبَدْت غَيْر اللَّه "لَفِي ضَلَال مُبِين" بَيِّن،

یہاں پر دونوں ہمزے وہی ہیں جن کا بیان اأنذرتہم میں گزر چکا ہے اور وہ استفہام بہ معنی نفی ہے۔ کیا میں اس کے سوا ایسے معبود یعنی بت بنالوں کہ اگر رحمان میرے بارے میں کسی نقصان کا ارادہ کرے تو ان کی سفارش میرے کسی کام نہ آئے گی جس طرح تم نے گمان کر رکھا ہے۔ یہاں پر ینقذون یہ الہۃ کی صفت ہے اور نہ وہ مجھے بچائیں گے۔ یعنی اگر میں غیر اللہ کی عبادت کروں، یقیناً میں تو اس وقت ضرور کھلی گمراہی میں ہوں گا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ءاتخذ۔ ہمزہ استفہام انکاری ہے اتخذ مضارع کا صیغہ واحد متکلم ہے اتخاذ (افتعال) مصدر۔ اختیار کرنا۔ کیا میں اختیار کروں۔ بھلا میں اختیار کرو۔ الھۃ۔ الہ کی جمع ہے۔ ءاتخذ من دونہ الھۃ۔ کیا میں اس کو (اللہ کو) چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنالوں

ان یردن الرحمن بضر (جملہ شرطیہ) لا تغن عنی شفاعتھم شیئا ولا ینقذون (جواب شرط)۔ ان شرطیہ یردن مضارع مجزوم (بوجہ عمل ان) واحد مذکر غائب۔ ارادۃ مصدر (باب افعال) اصل میں یردنی تھا۔ ان کے عمل سے اخیر کی یا ساقط ہوگئی ن وقایہ ی ضمیر واحد متکلم مفعول، اگر وہ مجھ کو (دکھ پہنچانا) چاہے۔

لا تغن۔ مضارع منفی واحد مونث غائب، اغناء (افعال) مصدر کام آتا ہے۔ کفایت کرنا۔ بے پرواہ بنا دینا۔ اصل میں تغنی

تھا۔عامل کے سبب سے آخر سے یا ساقط ہوگئی شفاعتہم مضاف مضاف الیہ،ان کی شفاعت۔ہم ضمیر جمع مذکر کا مرجع الھۃ ہے۔لا تغن عنی شفاعتہم شیئا۔(تو) ان (معبودان باطل) کی شفاعت یا سفارش میرے کسی کام نہ آسکے گی۔مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔لاینقذون۔مضارع منفی (مجزوم بوجہ جواب شرط) جمع مذکر غائب۔اصل میں یہ ینقذ ونی تھا۔نون اعرابی مضارع مجزوم کی صورت میں گر گیا۔نون مکسور نون وقایہ ہے۔آخر میں یا متکلم بوجہ تخفیف محذوف ہوگئی۔انقاذ مصدر۔(باب افعال) الانقاذ کے معنی کسی خطرہ یا ہلاکت سے خلاصی دینا ہے۔مثلاً و کنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا، اورتم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچالیا۔لا ینقذون ۔ ای لا یخلصون من ذلک الضر ۔ مجھے اس ضرر سے نہ بچا سکیں یا چھڑا نہ سکیں۔

اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنِ۝ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّۃَ ؕ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ۝
بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ۝
بے شک میں تمھارے رب پر ایمان لایا ہوں،سو مجھ سے سنو۔ارشاد ہوا جا جنت میں داخل ہو کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو
یہ بات معلوم ہو جاتی۔کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کر دیا۔

ایمان کے اظہار پر کفار کا حبیب کو شہید کر دینے کا بیان

"اِنِّی آمَنْت بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنِ" أَیْ اسْمَعُوا قَوْلِی فَرَجَمُوْهُ فَمَاتَ "قِیلَ" لَهُ عِنْد مَوْته "اُدْخُلْ الْجَنَّة" وَقِیلَ دَخَلَهَا حَیًّا "قَالَ یَا" حَرْف تَنْبِیه "بِمَا غَفَرَ لِی رَبِّی" بِغُفْرَانِهِ،

بے شک میں تمھارے رب پر ایمان لایا ہوں،سو مجھ سے سنو۔یعنی تم میری بات دھیان سے سنو تو لوگوں نے اس کو رجم کیا جس سے اس کا وصال ہو گیا۔وصال کے وقت اس سے کہا گیا جا جنت میں داخل ہو کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی۔یہاں یاء حرف انتباہ ہے۔کہ میرے پروردگار نے مجھ کو اپنی بخش کے سبب بخش دیا اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کر دیا۔

ایمان کی دعوت میں مشکلات کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کفار نے اس مومن کامل کو بری طرح مارا پیٹا اسے گرا کر اس کے پیٹ پر چڑھ بیٹھے اور پیروں سے اسے روندنے لگے یہاں تک کہ اس کی آنتیں اس کے پیچھے کے راستے سے باہر نکل آئیں،اسی وقت اللہ کی طرف سے اسے جنت کی خوشخبری سنائی گئی،اسے اللہ تعالی نے دنیا کے رنج وغم سے آزاد کر دیا اور امن چین کے ساتھ جنت میں پہنچا دیا ان کی شہادت سے اللہ خوش ہوا جنت ان کیلئے کھول دی گئی اور داخلہ کی اجازت مل گئی،اپنے ثواب واجر کو،عزت واکرام کو دیکھ کر پھر اس کی زبان سے نکل گیا کاش کہ میری قوم یہ جان لیتی کہ مجھے میرے رب نے بخش دیا اور میرا بڑا ہی اکرام کیا۔فی الواقع مومن سب کے خیر خواہ ہوتے ہیں وہ دھوکے باز اور بدخواہ نہیں ہوتے۔دیکھئے اس اللہ والے شخص نے زندگی میں بھی قوم کی خیر خواہی کی

اور بعد مرگ بھی ان کا خیر خواہ رہا۔ یہ بھی مطلب ہے کہ وہ کہتا ہے کاش کہ میری قوم یہ جان لیتی کہ مجھے کس سبب سے میرے رب نے بخشا اور کیوں میری عزت کی تو لامحالہ وہ بھی اس چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتی، اللہ پر ایمان لاتی اور رسولوں کی پیروی کرتی، اللہ ان پر رحمت کرے اور ان سے خوش رہے۔ دیکھو تو قوم کی ہدایت کے کس قدر خواہش مند تھے۔ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور اگر اجازت دیں تو میں اپنی قوم میں تبلیغ دین کیلئے جاؤں اور انہیں دعوت اسلام دوں؟ آپ نے فرمایا ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں قتل کر دیں؟ جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا تو خیال تک نہیں۔ انہیں مجھ سے اس قدر الفت وعقیدت ہے کہ میں سویا ہوا ہوں تو وہ مجھے جگائیں گے بھی نہیں، آپ نے فرمایا اچھا پھر جایئے، یہ چلے، جب لات وعزیٰ کے بتوں کے پاس سے ان کا گزر ہوا تو کہنے لگے اب تمہاری شامت آ گئی قبیلہ ثقیف بگڑ بیٹھا انہوں نے کہنا شروع کیا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم ان بتوں کو ترک کرو یہ لات وعزیٰ دراصل کوئی چیز نہیں، اسلام قبول کرو تو سلامتی حاصل ہوگی۔ اے میرے بھائی بندو! یقین مانو کہ یہ بت کچھ حقیت نہیں رکھتے، ساری بھلائی اسلام میں ہے وغیرہ۔ ابھی تو تین ہی مرتبہ صرف اس کلمہ کو دوہرایا تھا جب ایک بدنصیب تن جلے نے دور سے ایک ہی تیر چلایا جو رگ اکحل پر لگا اور اسی وقت شہید ہو گئے۔ حضور علیہ السلام کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا یہ ایسا ہی تھا جیسے سورۃ یٰس والا جس نے کہا تھا کاش کہ میری قوم میری مغفرت وعزت کو جان لیتی۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ کے پاس جب حبیب بن زید بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر آیا جو قبیلہ بنو مازن بن نجار سے تھے جنہیں یمامہ میں مسیلمہ کذاب ملعون نے شہید کر دیا تھا تو آپ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ حبیب بھی اسی حبیب کی طرح تھے جن کا ذکر سورۃ یاسین میں ہے، ان سے اس کذاب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا بیشک وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس نے کہا میری نسبت بھی تو گواہی دیتا ہے کہ میں رسول اللہ ہوں؟ تو حضرت حبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نہیں سنتا۔ اس نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت تو کیا کہتا ہے؟ جواب دیا کہ میں ان کی سچی رسالت کو مانتا ہوں، اس نے پھر پوچھا میری رسالت کی نسبت کیا کہتا ہے؟ جواب دیا کہ میں نہیں سنتا اس ملعون نے کہا ان کی نسبت تو سن لیتا ہے اور میری نسبت بہرا بن جاتا ہے۔ ایک مرتبہ پوچھتا اور ان کے اس جواب پر ایک عضو بدن کٹوا دیتا پھر پوچھتا پھر یہی جواب پاتا پھر ایک عضو بدن کٹواتا اسی طرح جسم کا ایک ایک جوڑ کٹوا دیا اور وہ اپنے سچے اسلام پر آخری دم تک قائم رہے اور جو جواب پہلے تھا وہی آخر تک رہا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یٰسین، بیروت)

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ٥
اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ٥
اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم اتارنے والے تھے۔ ایک سخت چنگھاڑ
کے سوا اور کچھ نہ تھا، بس وہ اسی دم بجھ گئے۔

قوم حبیب پر چنگھاڑ کا عذاب آنے کا بیان

"وَمَا" نَافِيَة "أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمه " أَيْ حَبِيب "مِنْ بَعْده" بَعْد مَوْته "مِنْ جُنْد مِنْ السَّمَاء " أَيْ مَلَائِكَة لِإِهْلَاكِهِمْ "وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ" مَلَائِكَة لِإِهْلَاكِ أَحَد "إِنْ" مَا "كَانَتْ" عُقُوبَتهمْ "إِلَّا صَيْحَة وَاحِدَة" صَاحَ بِهِمْ جِبْرِيل "فَإِذَا هُمْ خَامِدُونَ" سَاكِنُونَ مَيِّتُونَ،

یہاں پر لفظ ماء نافیہ ہے۔اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم یعنی حبیب کی قوم پر اس کے وصال کے بعد آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا یعنی ان لوگوں کی ہلاکت کیلئے فرشتوں کو نازل نہیں کیا۔اور نہ ہم کسی کی بھی ہلاکت کیلئے فرشتوں کو اتارنے والے تھے۔ان کا عذاب ایک سخت چنگھاڑ کے سوا اور کچھ نہ تھا، جو ان پر جبرائیل امین نے ماری۔بس وہ اسی دم بجھ گئے۔یعنی خاموشی کے ساتھ مردہ ہوگئے۔

کفار پر عذاب الٰہی آجانے کے سبب ہلاک ہونے کا بیان

اس کے بعد ان لوگوں پر جو اللہ کا غضب نازل ہوا اور جس عذاب سے وہ غارت کر دیئے گئے اس کا ذکر ہو رہا ہے، چونکہ انہوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا اللہ کے ولی کو قتل کیا اس لئے ان پر عذاب اترا اور ہلاک کر دیئے گئے، لیکن انہیں برباد کرنے کیلئے اللہ نے تو کوئی لشکر آسمان سے بھیجا نہ کوئی خاص اہتمام کرنا پڑا نہ کسی بڑے سے بڑے کام کیلئے اس کی ضرورت، اس کا تو صرف حکم کر دینا کافی ہے، نہ انہیں اس کے بعد کوئی تنبیہ کی گئی نہ ان پر فرشتے اتارے گئے، بلکہ بلا مہلت عذاب میں پکڑ لئے گئے اور بغیر اس کے کہ کوئی نام لینے والا پانی دینے والا ہو اول سے آخر تک ایک ایک کر کے سب کے سب فنا کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔جبرائیل علیہ السلام آئے اور ان کے شہر انطاکیہ کے دروازے کی چوکھٹ تھام کر اس زور سے ایک آواز لگائی کہ کلیجے پاش پاش ہوگئے، دل اڑ گئے اور روحیں پرواز کر گئیں۔حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ ان لوگوں کے پاس جو تینوں رسول آئے تھے یہ حضرت عیسیٰ کے بھیجے ہوئے قاصد تھے، لیکن اس میں قدرے کلام ہے، اولاً تو یہ کہ قصے کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مستقل رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ فرمان ہے (اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ، یس:14)، جبکہ ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے جب انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کی مدد کیلئے تیسرا رسول بھیجا۔پھر اللہ کے یہ رسول اہل انطاکیہ سے کہتے ہیں (اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ، یس:14)، یعنی ہم تمہاری طرف رسول ہیں۔پس اگر یہ تینوں حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں سے حضرت عیسیٰ کے بھیجے ہوئے ہوتے تو انہیں یہ کہنا مناسب نہ تھا بلکہ وہ کوئی ایسا جملہ کہتے جس سے معلوم ہو جاتا کہ یہ حضرت عیسیٰ کے قاصد ہیں واللہ اعلم۔

پھر یہ بھی ایک قرینہ ہے کہ کفار انطاکیہ ان کے جواب میں کہتے ہیں (اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ،ابراھیم:10) تم تو ہم ہی جیسے انسان ہو، دیکھ لو یہ کلمہ کفار ہمیشہ رسولوں کو ہی کہتے رہے۔ اگر وہ حواریوں میں سے ہوتے تو ان کا مستقل دعویٰ رسالت کا تھا ہی نہیں پھر انہیں یہ لوگ یہ الزام ہی کیوں دیتے؟ ثانیاً اہل انطاکیہ

کی طرف حضرت مسیح کے قاصد گئے تھے اور اس وقت اس بستی کے لوگ ان پر ایمان لائے تھے بلکہ یہی وہ بستی ہے جو ساری کی ساری جناب مسیح پر ایمان لائی اسی لئے نصرانیوں کے وہ چار شہر جو مقدس سمجھے جاتے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔ بیت المقدس کی بزرگی کے وہ قائل اس لئے کہ وہ حضرت مسیح کا شہر ہے اور انطاکیہ کو حرمت والا شہر اس لئے کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہیں کے لوگ حضرت مسیح پر ایمان لائے۔ اور اسکندریہ کی عظمت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مذہبی عہدیداروں کے تقرر پر اجماع کیا۔ اور رومیہ کی حرمت کے قائل اس وجہ سے ہیں کہ شاہ قسطنطین کا شہر یہی ہے اور اسی بادشاہ نے ان کے دین کی امداد کی تھی اور یہیں ان کے تبرکات کو رومیہ سے یہاں لا رکھا۔ سعد بن بطریق وغیرہ نصرانی مورخین کی کتابوں میں یہ سب واقعات مذکور ہیں۔

مسلمان مورخین نے بھی یہی لکھا ہے پس معلوم ہوا کہ انطاکیہ والوں نے حضرت عیسیٰ کے قاصدوں کی تو مان لی تھی اور یہاں بیان ہے کہ انہوں نے نہ مانی اور ان پر عذاب الٰہی آیا اور تہس نہس کر دیئے گئے تو ثابت ہوا کہ یہ واقعہ اور ہے یہ رسول مستقل رسالت پر مامور تھے انہوں نے نہ مانا جس پر انہیں سزا ہوئی اور وہ بے نشان کر دیئے گئے اور چراغ سحری کی طرح بجھا دیئے گئے واللہ اعلم۔ ثانیاً انطاکیہ والوں کا قصہ جو حضرت عیسیٰ کے حواریوں کے ساتھ وقوع میں آیا وہ قطعاً تورات کے اترنے کے بعد کا ہے۔

اور حضرت ابو سعید خدری اور سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ توراۃ کے نازل ہو چکنے کے بعد کسی بستی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے آسمانی عذاب سے بالکل برباد نہیں کیا بلکہ مومنوں کو کافروں سے جہاد کرنے کا حکم دے کر کفار کو نیچا دکھایا ہے۔ جیسا کہ آیت (وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ، القصص:43)، کی تفسیر میں ہے اور اس بستی کی آسمانی ہلاکت پر آیات قرآنی شاہد عدل موجود ہیں اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ انطاکیہ کا نہیں جیسے کہ بعض سلف کے اقوال بھی اسے مستثنیٰ کر کے بتاتے ہیں کہ اس سے مراد مشہور شہر انطاکیہ نہیں، ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انطاکیہ نامی کوئی شہر اور بھی ہو اور یہ واقعہ وہاں کا ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یٰسین، بیروت)

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝
ہائے بندوں پر افسوس! ان کے پاس کوئی رسول نہ آتا تھا مگر یہ کہ وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

رسولان گرامی کی تکذیب کرنے والے بد بخت لوگوں پر افسوس کا بیان

"يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَاد" هَؤُلَاءِ وَنَحْوهمْ مِمَّنْ كَذَّبُوا الرُّسُل فَأُهْلِكُوا وَهِيَ شِدَّة التَّأَلُّم وَنِدَاؤُهَا مَجَاز أَيْ هَذَا أَوَانك فَاحْضُرِي "مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُول إلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ" مُسَوِّق لِبَيَانِ سَبَبهَا لِاشْتِمَالِهِ عَلَى اسْتِهْزَائِهِمْ الْمُؤَدِّي إلَى إهْلَاكهمْ الْمُسَبِّب عَنْهُ الْحَسْرَة،

ہائے اُن بندوں پر افسوس! یعنی ان جیسے لوگوں پر افسوس ہے جنہوں نے رسولان گرامی کی تکذیب کی اور وہ ہلاک کر دیئے اور اس میں شدت اَلم ہے اور ان کی نداء مجازی طور پر ہے۔ یعنی اے حسرت یہ تیرے ہونے کا وقت ہے۔ ان کے پاس کوئی رسول نہ

آ تا تھا مگر یہ کہ وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ یہ جملہ ان کی حسرت کا سبب بیان کرنے کیلئے لایا گیا جو ایسے مذاق پر مشتمل تھا جو ان کی ہلاکت کی طرف لے جانے والا تھا۔ اور یہی حسرت کا مسبب عنہ ہوا۔

انبیائے کرام کے منکرین کی ندامت کا بیان

بندوں پر حسرت وافسوس ہے۔ بندے کل اپنے اوپر کیسے نادم ہوں گے۔ بار بار کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم نے تو خود اپنا برا کیا۔ بعض قرأتوں میں یاحسرۃ العباد علی انفسھا بھی ہے مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن عذابوں کو دیکھ کر ہاتھ ملیں گے کہ انہوں نے کیوں رسولوں کو جھٹلایا؟ اور کیوں اللہ کے فرمان کے خلاف کیا؟ دنیا میں تو ان کا یہ حال تھا کہ جب کبھی جو رسول آیا انہوں نے بلا تامل جھٹلایا اور دل کھول کر ان کی بے ادبی اور توہین کی۔ وہ اگر یہاں تامل کرتے تو سمجھ لیتے کہ ان سے پہلے جن لوگوں نے پیغمبروں کی نہ مانی تھی وہ غارت وبرباد کردیئے گئے ان کی دھجیاں اڑادی گئیں۔ ایک بھی تو ان میں سے نہ بچ سکا نہ اس دار آخرت سے کوئی واپس پلٹا۔ اس میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو دہریہ تھے جن کا خیال تھا کہ یونہی دنیا میں مرتے جیتے چلے جائیں گے، لوٹ لوٹ کر اس دنیا میں آئیں گے۔ تمام گذرے ہوئے موجود اور آنے والے لوگ قیامت کے دن اللہ کے سامنے حساب وکتاب کے لئے حاضر کئے جائیں گے اور وہاں ہر ایک بھلائی برائی کا بدلہ پائیں گے جیسے اور آیت میں فرمایا (وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ اِنَّه بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ،ھود: 111) یعنی ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ تیرا رب عطا فرمائے گا، ایک قرأت میں لما ہے تو، ان، اثبات کے لئے ہوگا، اور لما پڑھنے کے وقت، ان، نافیہ ہوگا اور لما معنی میں الا کے ہوگا تو مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ نہیں ہیں سب مگر یہ کہ سب کے سب ہمارے سامنے حاضر شدہ ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ یٰسین، بیروت)

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۝
کیا انھوں نے نہیں دیکھا، ہم نے ان سے پہلے کتنے زمانوں کے لوگ ہلاک کردیے کہ بے شک وہ ان کی طرف پلٹ کر نہیں آتے۔

سابقہ اقوام کی ہلاکتوں کے سبب عبرت حاصل کرنے کا بیان

"أَلَمْ يَرَوْا" أَىْ أَهْل مَكَّة الْقَائِلُونَ لِلنَّبِيِّ "لَسْت مُرْسَلًا" وَالِاسْتِفْهَام لِلتَّقْرِيرِ : أَىْ عَلِمُوا "كَمْ" خَبَرِيَّة بِمَعْنَى كَثِيرًا مَعْمُولَة لَهَا بَعْدهَا مُعَلِّقَة لِمَا قَبْلهَا عَنْ الْعَمَل وَالْمَعْنَى إنَّا "أَهْلَكْنَا قَبْلهمْ" كَثِيرًا "مِنْ الْقُرُون" الْأُمَم "أَنَّهُمْ" أَىْ الْمُهْلَكِينَ "إلَيْهِمْ" أَىْ الْمُكَذِّبِينَ "لَا يَرْجِعُونَ" أَفَلَا يَعْتَبِرُونَ بِهِمْ وَأَنَّهُ إلَخْ : بَدَل مِمَّا قَبْله بِرِعَايَةِ الْمَعْنَى الْمَذْكُور،

اے اہل مکہ! کیا انھوں نے نہیں دیکھا، جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ رسول نہیں ہیں۔ اور یہ استفہام تقریری ہے یعنی انہوں نے جان لیا ہے۔ ہم نے ان سے پہلے کتنے زمانوں کے لوگ یعنی کتنی امم کو ہلاک کردیا ہے، یہاں پر کم خبریہ ہے جو بہ معنی کثیر آیا ہے اس کا مابعد اس کا معمول ہے۔ جس کا تعلق ماقبل سے ہے اور ماقبل کو عمل سے روکنے والا ہے۔ کہ بے شک وہ ان کی طرف

پلٹ کرنہیں آتے۔لہٰذا وہ ان سے عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے یہاں پر لفظ انہم مذکورہ معنی کی رعایت کے سبب ما قبل سے بدل ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

کم ۔ من القرن ۔ کتنی ہی قومیں۔کتنی ہی امتیں القرن جمع ہے القرن کی جس کے معنی کوئی ایسی قوم یا امت جس کا اپنا مخصوص زمانہ ہو دوسروں سے الگ۔

کم سوالیہ بھی آتا ہے اس صورت میں اس کا مابعد اسم تمیز بن کر منصوب ہوتا ہے اور اس کے معنی کتنی تعداد یا مقدار کے ہوتے ہیں۔جیسے کم رجلا ضربت تو نے کتنے آدمیوں کو پیٹا؟

کم دوسری صورت خبریہ ہے اس صورت میں یہ مقدار کی کمی بیشی اور تعداد کی کثرت کو ظاہر کرتا ہے اور اس کی تمیز ہمیشہ مجرور ہوتی ہے۔جیسے کم قریة اھلکناھا ہم نے بہت بستیوں کو ہلاک کر دیا۔کبھی تمیز سے پہلے من آتا ہے جیسے کم من قریة اھلکناھا ۔ ہم نے کتنی بستیوں کو ہلاک کر دیا (یعنی بہت بستیوں کو)۔کم۔من القرون۔کتنی ہی قوموں کو،کتنی ہی امتوں کو (یعنی بہت بستیوں یا امتوں کو)۔انہم۔ضمیر ہم جمع مذکر غائب من القرون کی طرف راجع ہے۔الیہم ۔ چونکہ خطاب اہل مکہ سے ہو رہا ہے لہٰذا ہم ضمیر مرجع اھل مکہ ہیں۔ انھم الیھم لا یرجعون ۔ کہ ان بستیوں کے باسی پھر لوٹ کر ان کے پاس واپس نہ آئے۔یا نہ آئیں گے۔(انوار البیان،سورہ یٰسین)

یعنی سابقہ اقوام کے انجام کی طرف نہ دیکھتے ہیں نہ اس میں غور وفکر کرتے ہیں وہ قومیں بھی اپنے رسولوں کا مذاق اڑاتی رہیں۔اور اس کی پاداش میں انہیں ہلاک کر دیا جاتا تھا اور ان کا ایسا نام ونشان تک مٹ گیا کہ ان میں سے کوئی بھی بچ کر ان کے پاس واپس نہیں لوٹا پھر بھی ان کافروں کا یہی دستور رہا کہ جب کوئی نیا رسول آتا تو اس سے اسی طرح تمسخر اور استہزاء شروع کر دیتے جو پہلے کفار کی عادت تھی اور کچھ سبق حاصل نہیں کرتے تھے۔اور آج کفار مکہ کا بھی رسول اللہ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہے۔

وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ۝ وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ
اَحْيَيْنٰهَا وَ اَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ۝
مگر یہ کہ وہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر کیے جائیں گے۔اور ان کے لئے ایک نشانی مردہ زمین ہے،
جسے ہم نے زندہ کیا اور ہم نے اس سے دانے نکالے، پھر وہ اس میں سے کھاتے ہیں۔

دوبارہ زندہ کر کے حاضر کیے جانے کا بیان

"وَإِنْ" نَافِيَة أَوْ مُخَفَّفَة "كُلّ" أَيْ كُلّ الْخَلَائِق مُبْتَدَأ "لَمَّا" بِالتَّشْدِيدِ بِمَعْنَى إلَّا أَوْ بِالتَّخْفِيفِ فَاللَّام فَارِقَة وَمَا مَزِيدَة "جَمِيع" خَبَر الْمُبْتَدَأ أَيْ مَجْمُوعُونَ "لَدَيْنَا" عِنْدنَا فِي الْمَوْقِف بَعْد بَعْثهمْ

"مُحْضَرُونَ" لِلْحِسَابِ خَبَر ثَانٍ،
"وَآيَةٌ لَهُمْ" عَلَى الْبَعْثِ خَبَر مُقَدَّم "الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ "أَحْيَيْنَاهَا" بِالْمَاءِ مُبْتَدَأ
"وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا" كَالْحِنْطَةِ،

یہاں پر لفظ اِن نافیہ ہے یا مخففہ ہے اور کل سے مراد کل خلائق ہے جو مبتداء ہے۔ اور لفظ لما یہ تشدید کے ساتھ الا کے معنی میں آیا ہے۔ یا تخفیف کے ساتھ بھی آیا ہے اور اس میں لام فارقہ ہے جبکہ ماء زائدہ ہے۔ اور جمیع یہ مبتداء کی خبر اول ہے۔ اور محضرون للحساب یہ خبر ثانی ہے۔

مگر یہ کہ وہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر کیے جائیں گے۔ اور ان کے لئے بعث پر ایک نشانی مردہ زمین ہے، یہاں پر لفظ لیۃ لہم یہ خبر مقدم ہے۔ اور میتۃ یہ تشدید وتخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ جسے ہم نے پانی کے ساتھ زندہ کیا اور اور الارض مبتداء مؤخر ہے۔ ہم نے اس سے اناج کے دانے نکالے، پھر وہ اس میں سے کھاتے ہیں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

وان کل لما جمیع لدینا محضرون ۔ ان نافیہ ہے کل مبتدا ہے اس کی تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے اصل میں کلھم تھا۔ (ہم سے مراد القرون ہے جن کی ہلاکت کا ابھی ذکر ہوا) لما بمعنی الا ہے جمیع بروزن فعیل بمعنی مفعول ہے ای مجموعون اور یہ خبر ہے لدینا مضاف مضاف الیہ مل کر ظرف مکان ہے۔ محضرون خبر ثانی۔ آیت کا مطلب ہوگا: **وما کلھم الا مجموعون لدینا محضرون (للحساب والجزاء)** لیکن وہ سب کے سب اکٹھے کر کے ہمارے حضور حاضر کئے جائیں گے (حساب وجزا کے لئے)۔ (انوار البیان، سورہ یٰسین)

زمین کی حیات وممات سے دلیل قدرت کا بیان

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرے وجود پر، میری زبردست قدرت پر اور مردوں کو زندگی دینے پر ایک نشانی یہ بھی ہے کہ مردہ زمین جو بنجر خشک پڑی ہوئی ہوتی ہے جس میں کوئی روئیدگی، تازگی، ہریالی، گھاس وغیرہ نہیں ہوتی۔ میں اس پر آسمان سے پانی برساتا ہوں وہ مردہ زمین جی اٹھتی ہے لہلہانے لگتی ہے ہر طرف سبزہ ہی سبزہ اگ جاتا ہے اور قسم قسم کے پھل پھول وغیرہ نظر آنے لگتے ہیں۔ تو فرماتا ہے کہ ہم اس مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں اور اس سے قسم قسم کے اناج پیدا کرتے ہیں بعض کو تم کھاتے ہو بعض تمہارے جانور کھاتے ہیں۔ ہم اس میں کھجوروں کے انگوروں کے باغات وغیرہ تیار کر دیتے ہیں۔ نہریں جاری کر دیتے ہیں جو باغوں اور کھیتوں کو سیراب، سرسبز وشاداب کرتی رہتی ہیں۔

یہ سب اس لئے کہ ان درختوں کے میوے دنیا کھائے، کھیتیوں سے، باغات سے نفع حاصل کرے، حاجتیں پوری کرے، یہ سب اللہ کی رحمت اور اس کی قدرت سے پیدا ہو رہے ہیں، کسی کے بس اور اختیار میں نہیں، تمہارے ہاتھوں کی پیدا کردہ یا حاصل کردہ چیزیں نہیں۔ نہ تمہیں انہیں اگانے کی طاقت نہ تم میں انہیں بچانے کی قدرت، نہ انہیں پکانے کا تمہیں اختیار۔ صرف اللہ کے

یہ کام ہیں اور اسی کی یہ مہربانی ہے اور اس کے احسان کے ساتھ ہی ساتھ یہ اس کی قدرت کے نمونے ہیں۔ پھر لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو شکرگزاری نہیں کرتے؟ اور اللہ تعالیٰ کی بے انتہا ان گنت نعمتیں اپنے پاس ہوتے ہوئے اس کا احسان نہیں مانتے؟ ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ باغات کے پھل جو کھاتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کا بویا ہوا یہ پاتے ہیں۔

وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَّ فَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ○
لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ○
اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات بنائے اور اس میں ہم نے کچھ چشمے بھی جاری کر دیئے۔
تا کہ وہ اس کے پھل کھائیں اور اسے ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا، پھر کیا وہ شکر نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکرادا کرنے کا بیان

"وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّات" بَسَاتِين "مِنْ نَخِيل وَأَعْنَاب وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُون " أَيْ بَعْضهَا "لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَره" بِفَتْحَتَيْنِ وَضَمَّتَيْنِ أَيْ ثَمَر الْمَذْكُور مِنَ النَّخِيل وَغَيْره "وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ " أَيْ لَمْ تَعْمَل الثَّمَر "أَفَلَا يَشْكُرُونَ" أَنْعُمه تَعَالَى عَلَيْهِمْ،

اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات بنائے اور اس میں ہم نے کچھ چشمے بھی جاری کر دیئے۔تا کہ وہ اس کے پھل کھائیں یہاں پر لفظ ثمرہ میں حرف ثاء اور میم دونوں کو فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔یعنی ذکر کردہ کھجور وغیرہ کا پھل ہے اور اسے یعنی ان پھلوں کو ان کے ہاتھوں نے نہیں بنایا، پھر بھی کیا وہ شکر نہیں کرتے۔یعنی جو ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان پر شکرادا کیوں نہیں کرتے۔

یعنی مردہ زمین کو زندہ کر کے ہم اس سے ان کی خوراک کے لئے صرف غلہ ہی نہیں لگاتے، بلکہ ان کے کام و دہن کی لذت کے لئے مختلف اقسام کے پھل بھی کثرت سے پیدا کرتے ہیں، یہاں صرف دو پھلوں کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ یہ کثیر المنافع بھی ہیں اور عربوں کو مرغوب بھی، نیز ان کی پیداوار بھی عرب میں زیادہ ہے۔ پھر غلے کا ذکر پہلے کیا کیونکہ اس کی پیداوار بھی زیادہ ہے اور خوراک کی حیثیت سے اس کی اہمیت بھی مسلمہ۔ جب تک انسان روٹی یا چاول وغیرہ خوراک سے اپنا پیٹ نہیں بھرتا، محض پھل فروٹ سے اس کی غذائی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔

غذائی نعمتوں پر شکرادا کرنے کا بیان

امام ابن جریر کے نزدیک یہاں مانافیہ ہے یعنی غلول اور پھلوں کی یہ پیداوار، اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے جو وہ اپنے بندوں پر کرتا ہے۔اس میں ان کی سعی ومحنت، کدو کاوش اور تصرف کا دخل نہیں ہے۔ پھر بھی یہ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر کیوں نہیں کرتے؟ اور بعض کے نزدیک ما موصولہ ہے جو الَّذِی کے معنی میں ہے یعنی تا کہ وہ اس کا پھل کھائیں اور ان چیزوں کو جن کو ان کے

ہاتھوں نے بنایا۔ ہاتھوں کا عمل ہے، زمین کو ہموار کر کے بیج بونا، اسی طرح پھلوں کے کھانے مختلف طریقے ہیں، مثلاً انہیں نچوڑ کر ان کا رس پینا، مختلف فروٹوں کو ملا کر چاٹ بنانا وغیرہ۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ یٰسین، بیروت)

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ۝
پاک ہے وہ ذات جس نے سب چیزوں کے جوڑے پیدا کیے، ان سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان کی جانوں سے بھی
اور ان چیزوں سے بھی جنہیں وہ نہیں جانتے۔

مخلوقات کی تخلیق وعجائب کا بیان

"سُبْحَان الَّذِی خَلَقَ الْأَزْوَاج" الْأَصْنَاف "كُلّهَا مِمَّا تُنْبِت الْأَرْض " مِنْ الْحُبُوب وَغَيْرهَا "وَمِنْ أَنْفُسهمْ" مِنْ الذُّكُور وَالْإِنَاث "وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ" مِنْ الْمَخْلُوقَات الْعَجِيبَة الْغَرِيبَة،

پاک ہے وہ ذات جس نے سب چیزوں کے جوڑے یعنی مختلف اقسام میں پیدا کیے، ان سے بھی جنہیں زمین یعنی غلہ وغیرہ اگاتی ہے اور خود ان کی جانوں سے بھی مرد وخواتین کو پیدا کیا۔ اور ان چیزوں سے بھی عجیب وغریب مخلوقات بنائیں جنہیں وہ نہیں جانتے۔

لفظ زوج کا اصناف مخلوق کو شامل ہونے کا بیان

اس آیت میں لفظ ازواج زوج کی جمع ہے، جو جوڑے کے معنی میں آتا ہے۔ جوڑے میں دو متقابل چیزیں ہوتی ہیں، ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کا زوج کہا جاتا ہے، جیسے مرد وعورت ہیں مرد کو عورت کا اور عورت کو مرد کا زوج کہا جاتا ہے اسی طرح حیوانات کے نر و مادہ باہم زوج ہیں، نباتات کے بہت سے درختوں میں بھی نر اور مادہ کا ادراک کیا گیا ہے، کھجور اور پپیتہ کے درختوں میں تو معروف ومشہور ہے ہی، اوروں میں بھی ہو تو کچھ بعید نہیں۔ جیسا کہ سائنس کی جدید تحقیقات میں تمام پھلدار اور پھولدار درختوں میں نر و مادہ ہوتے ہیں، ان میں توالد وتناسل ہونا بتلایا گیا ہے۔ اسی طرح اگر یہی مخفی سلسلہ جمادات اور دوسری مخلوقات میں بھی ہو تو کیا بعید ہے جس کی طرف (آیت) وممالا یعلمون میں اشارہ پایا جاتا ہے۔

اور عام طور پر حضرات مفسرین نے ازواج کو بمعنے انواع واقسام لکھا ہے، کیونکہ جس طرح نر و مادہ کو باہم زوجین کہا جاتا ہے اسی طرح دو متقابل چیزوں کو بھی زوجین کہتے ہیں جیسے سردی، گرمی، خشکی، تری، رنج، خوشی، بیماری تندرستی، پھر ان میں سے ہر ایک کے اندر اعلیٰ، ادنیٰ، متوسط کے اعتبار سے بہت سے درجات اور انواع واقسام بن جاتی ہیں، اسی طرح انسانوں اور جانوروں میں رنگ وہیئت اور زبان اور طرز معیشت کے اعتبار سے بہت سی انواع واقسام ہیں۔

لفظ ازواج ان تمام انواع واقسام کو شامل ہے۔ آیت مذکورہ میں پہلے تو مما تنبت الارض یعنی نباتات کی انواع واقسام کا بیان فرمایا ہے، اس کے بعد من انفسہم یعنی خود انسانی نفوس کے انواع واقسام کا ذکر ہے، اور اس کے بعد ممالا یعلمون میں وہ ہزاروں

مخلوقات شامل ہیں جن کا آج تک بھی لوگوں کو انکشاف نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ زمین کی تہہ میں اور دریاؤں اور پہاڑوں میں کتنی انواع اقسام حیوانات، نباتات اور جمادات ہیں۔

وَ ایَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ ج نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ○ وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط
ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ○ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ○
اور ایک نشانی ان کے لیے رات ہے، ہم اس پر سے دن کو کھینچ اتارتے ہیں تو اچانک وہ اندھیرے میں رہ جانے والے ہوتے
ہیں۔اور سورج اپنے ایک ٹھکانے کے لیے چل رہا ہے، یہ اس سب پر غالب، سب کچھ جاننے والے کا اندازہ ہے۔
اور ہم نے چاند کی بھی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں یہاں تک کہ کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔

چاند کی مقررہ منازل کے مطابق انتیس یا تیس دن کے ہونے کا بیان

"وَآيَةٌ لَهُمْ" عَلَى الْقُدْرَة الْعَظِيمَة "اللَّيْل نَسْلَخ" نَفْصِل "مِنْهُ النَّهَار فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ" دَاخِلُونَ فِي الظَّلَام،

"وَالشَّمْس تَجْرِي" إلَى آخِره مِنْ جُمْلَة الْآيَة لَهُمْ: أَوْ آيَة أُخْرَى وَالْقَمَر كَذَلِكَ "لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا" أَيْ إلَيْهِ لَا تَتَجَاوَزهُ "ذَلِكَ" أَيْ جَرْيهَا "تَقْدِير الْعَزِيز" فِي مُلْكه "الْعَلِيم" بِخَلْقِهِ،

"وَالْقَمَر" بِالرَّفْعِ وَالنَّصْب وَهُوَ مَنْصُوب بِفِعْلٍ يُفَسِّرهُ مَا بَعْده "قَدَّرْنَاهُ" مِنْ حَيْثُ سَيْره "مَنَازِل" ثَمَانِيَة وَعِشْرِينَ مَنْزِلًا فِي ثَمَان وَعِشْرِينَ لَيْلَة مِنْ كُلّ شَهْر وَيَسْتَتِر لَيْلَتَيْنِ إنْ كَانَ الشَّهْر ثَلَاثِينَ يَوْمًا وَلَيْلَة إنْ كَانَ تِسْعَة وَعِشْرِينَ يَوْمًا "حَتَّى عَادَ" فِي آخِر مَنَازِله فِي رَأْي الْعَيْن "كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيم" أَيْ كَعُودِ الشَّمَارِيخ إذَا عَتَقَ فَإِنَّهُ يَرِقّ وَيَتَقَوَّس وَيَصْفَرّ،

اور ایک نشانی یعنی اس کی قدرت عظیمہ پر ان کے لیے رات ہے، ہم اس پر سے دن کو کھینچ اتارتے ہیں تو اچانک وہ اندھیرے میں رہ جانے والے ہوتے ہیں۔یعنی وہ اندھیروں میں داخل ہو جاتے ہیں۔اور سورج اپنے ایک ٹھکانے کے لیے چل رہا ہے، یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔اور اسی طرح کی دوسری نشانی چاند ہے۔جو ایک مستقل ٹھکانے پر چل رہا ہے اور وہاں سے تجاوز نہیں کرتا۔وہ اپنی بادشاہت میں غالب، اپنی مخلوق کو جاننے والا ہے۔

اور ہم نے چاند کی حرکت و گردش کی بھی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں۔یہاں پر لفظ قمر یہ مرفوع اور منصوب بھی آیا ہے۔اس کے بعد والا فعل اس کی تفسیر کرنے والا ہے۔اسی فعل کے سبب قمر منصوب ہے۔اور ایک اٹھائیس منازل ہیں جو ہر مہینے کی اٹھائیس راتوں میں ہوتی ہیں۔اگر چاند تیس دن کا ہو تو چاند دو راتیں پوشیدہ رہتا ہے اور چاند انتیس دن کا ہو تو وہ ایک رات پوشیدہ رہتا ہے۔یہاں تک کہ اس کا اہل زمین کو دکھائی دینا گھٹتے گھٹتے کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔جب وہ ٹہنی پرانی پتلی ہو زرد رنگ والی بن جاتی

ہے۔

سورہ یٰسین آیت ۳۸ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ غروب آفتاب کے وقت مسجد میں داخل ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! تو جانتا ہے کہ یہ آفتاب کہاں جاتا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جا کر سجدہ کی اجازت مانگتا جو اسے دے دی جاتی ہے اور گویا کہ اس سے کہا جائے گا کہ جہاں سے آئے ہو وہیں سے طلوع ہو۔ اس طرح وہ مغرب سے طلوع ہوگا۔ پھر یہ آیت پڑھی (وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا، اور سورج چلا جاتا ہے اپنے ٹھہرے ہوئے راستہ پر)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1175)

سورج کا عرش کے نیچے سجدہ کرنے کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن جب کہ آفتاب غروب ہو رہا تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرمانے لگے، جانتے ہو یہ آفتاب کہاں جا رہا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آفتاب جاتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے پہنچ کر سجدہ کرتا ہے، پھر حضور رب العزت میں حاضری کی اجازت مانگتا ہے، اس کو اجازت عطا ہوتی ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ مشرق کی طرف لے جائے اور وہاں سے طلوع کرے اور یاد رکھو وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے جب آفتاب (اپنے معمول کے مطابق سجدہ کرے گا لیکن اس کا سجدہ قبول نہیں ہوگا اور اجازت چاہے گا لیکن اس کو اجازت عطا نہیں ہوگی اور یہ حکم دیا جائے گا کہ جس طرف سے آیا ہے اسی طرف لوٹ جا چنانچہ وہ مغرب کی طرف سے طلوع کرے گا اور یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ والشمس تجری لمستقر لھا (یعنی آفتاب اپنے مستقر کی طرف چلا جاتا ہے نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (آفتاب کے مستقر کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ آفتاب کا مستقر یعنی اس کے ٹھہرنے کی جگہ عرش کے نیچے ہے۔" (بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 34)

بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث میں فانھا تذھب حتی تسجد تحت العرش کے الفاظ قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف نہیں ہیں جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ حتی بلغ مغرب الشمس وجدھا تغرب فی عین حمیۃ کیونکہ اس آیت کی مراد اصل حد نظر کو بیان کرنا ہے، جب کہ یہاں حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سورج ڈوبنے کی جو بات فرمائی گئی ہے اس کی مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آفتاب عرش کے نیچے پہنچ کر مستقر ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کے مستقر ہونے کی کیفیت وحقیقت کیا ہوتی ہے تو اس کا ادراک اظہار انسانی علم کے احاطہ سے باہر ہے۔ لفظ تستاذن میں استیذان سے مراد " حضور حق میں حاضری کی اجازت چاہنا۔" لیا گیا ہے، لیکن اس لفظ کا زیادہ واضح مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ آفتاب عرش کے نیچے سجدہ ریز ہونے کے بعد اپنے معمول کے مطابق طلوع کرنے کی اجازت چاہتا ہو اور اس کو وہ اجازت ہوتی ہے۔ آفتاب کا مستقر عرش کے نیچے ہے" کا مطلب یہ ہے کہ

آفتاب غروب ہونے کے بعد عرش کے نیچے جاتا ہے اور وہاں سجدہ کرتا ہے پھر وہ اجازت طلب کرتا ہے جس پر اس کو اجازت دی جاتی ہے واضح رہے کہ مذکورہ آیت (وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا، یٰس:38) کی تفسیر میں بیضاوی نے مستقر" کے کئی معنی بیان کئے ہیں، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے "مستقر" کی اس وضاحت کو قطعاً ذکر نہیں کیا ہے جو بخاری ومسلم کی مذکورہ بالا حدیث میں بیان ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے اور جس سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ "مستقر" سے کیا مراد ہے۔

چاند کی منازل ہونے کا بیان

حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "میں اپنی امت کے حق میں تین باتوں سے ڈرتا ہوں کہ (کہیں وہ ان کو اختیار کر کے گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائے) ایک تو چاند کی منازل کے حساب سے بارش مانگنا، دوسرے بادشاہ کا ظلم کرنا اور تیسرے تقدیر کا جھٹلانا۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 843)

یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ تقدیر الٰہی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ انسان جو بھی فعل کرتا ہے وہ خود اس کا خالق ہوتا ہے جیسا کہ ایک جماعت قدریہ کا مسلک ہے۔ انواء نوء۔ کی جمع ہے جس کے لغوی معنی تو "اٹھنا" اور (گرنا) ہیں لیکن عام طور پر اس کا استعمال چاند کی منازل کے مفہوم میں ہوتا ہے! قدیم علماء فلکیات کے مطابق چاند کی اٹھائیس منزلیں ہوتی ہیں کہ وہ ہر شب ایک منزل میں رہتا ہے غالباً" اٹھنے اور گرنے" سے "طلوع اور غروب" مراد لے کر "انواء" کو چاند کو منازل کے مفہوم استعمال کیا جاتا ہے۔ بہر حال عرب کے مشرکین بارش کو ان منازل کی طرف منسوب کرتے تھے اور جب بارش ہوتی تو وہ یہ کہتے کہ چاند کی فلاں منزل کی وجہ سے بارش ہوئی ہے چونکہ یہ ایک باطل عقیدہ ہے کہ اس لئے دوسری احادیث میں یہ عقیدہ رکھنے سے صریح ممانعت مذکور ہے۔ توحید کی اہمیت کو واضح کرنے اور شرک کے ایہام سے دور رکھنے کے لئے اس پر لفظ" کفر" کا اطلاق کیا گیا ہے۔

بارش کو منازل ستاروں سے منسوب کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دوسرے کو بیماری لگنا ہامہ نوء اور صفر کی حقیقت نہیں ہے۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 512)

نوء کا مطلب ہے کہ ایک ستارہ کا غروب ہونا اور دوسرے کا طلوع ہونا اہل عرب کے خیال میں بارش کا ہونا یا نہ ہونا ستاروں کے اسی طلوع وغروب کے زیر اثر ہے جیسا کہ علم نجوم پر اعتقاد رکھنے والے لوگ کہا کرتے ہیں کہ بارش کا تعلق نچھتروں سے ہے کہ فلاں فلاں نچھتر اگر فلاں فلاں تاریخ میں پڑ جائیں اور ان تاریخوں میں بارش ہو جائے تو آگے چل کر برسات کے مہینوں میں فلاں فلاں تاریخوں میں بارش ہوگی نہل میں لکھا ہے کہ نوء کی جمع انواء ہے جس کے معنی قمر کے ہیں منازل یعنی نچھتروں کے ہیں او، وہ منازل اٹھائیس ہیں قرآن کریم کی آیت کریمہ (وَالۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰهُ مَنَازِلَ، یٰس:39) میں ان ہی منازل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے چنانچہ اہل عرب نزول باراں کو انہی منازل کی طرف منسوب کرتے تھے ان کا کہنا تھا کہ جب چاند ان سے فلاں فلاں منازل

میں آتا ہے تو بارش یقیناً ہوتی ہے گویا ان کے نزدیک چاند کا ان منازل میں آنا بارش ہونے کی علت اور مؤثر حقیقی کا درجہ رکھتا ہے۔ چنانچہ شارع علیہ السلام نے اس عقیدے کو باطل قرار دیا ہے اور واضح کیا کہ بارش کا ہونا محض حکم الٰہی پر منحصر ہے نہ کہ کسی سبب اور علت سے متعلق ہے لیکن واضح رہے کہ اس نفی و ابطال کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ تاثیر علت کا اعتقاد ہو ہاں منازل میں چاند کے آنے کو نزول باراں کا ایک ظاہری سبب سمجھا جائے۔ یعنی یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بارش برساتا ہے جب کہ چاند اپنی اپنی فلاں منزل میں آتا ہے اور وہ وقت علت کا درجہ نہیں رکھتا بلکہ محض ایک ظاہری سبب کا درجہ رکھتا ہے کہ حق تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس وقت سے پہلے یا اس کے بعد بارش برسائے اور اگر چاہے تو اس وقت بھی نہ برسائے تو یہ عقیدہ نہ کفر کے دائرے میں آئے گا اور نہ اس کو باطل کہا جائے گا۔

اگرچہ امام نووی کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ بھی کفر کا سبب ہے کیونکہ نزول باراں کو چاند اور اس کے منازل سے کسی بھی طرح متعلق کرنا اول تو اہل کفر کا شعار ہے دوسرے مذکورہ صورت (اگرچہ علیت کے عقیدہ کو ظاہر نہیں کرتی مگر موہم علیت تو یقیناً ہے، اس بارے میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ حدیث مذکورہ ممانعت مطلق (بلا استثناء) ہے کہ اس کا تعلق علیت کے عقیدے سے بھی ہے اور اس صورت سے بھی ہے جس میں چاند اور اس کی منازل کو محض ایک ظاہری سبب سمجھا جائے، کیونکہ اول تو اس ارشاد کا مقصود عقیدے کی گمراہی و فساد کا سد باب ہے دوسری ایسی کوئی حدیث منقول نہیں ہے جس سے اس کا جواز کسی بھی صورت میں ثابت ہو۔ حاصل یہ کہ جب بارش ہو، اس طرح نہیں کہنا چاہئے کہ فلاں نچھتر سے بارش ہوئی ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بارش ہوئی ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر اللہ تعالیٰ مثلاً پانچ برس تک اپنے بندوں کو بارش سے محروم رکھے اور پھر بارش برسائے تو لوگوں کی ایک جماعت جو نجوم پر اعتقاد رکھتی ہے اس صورت میں بھی کفر کرتی ہوئی یہ کہے گی کہ مجدح یعنی قمر کی منزل کے سبب ہم پر بارش ہوئی ہے۔ (نسائی، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 538)

مجدح" میم کے زیر جیم کے جزم اور دال کے زبر کے ساتھ اہل عرب کے نزدیک منازل قمر میں سے ایک منزل کا نام ہے زمانہ جاہلیت میں اہل عرب اس منزل کو بارش برسنے کا سبب قرار دیتے تھے۔ یہ بات پہلے بھی بتائی جا چکی ہے کہ ستاروں کے طلوع، غروب اور منازل قمر کو بارش برسنے کا حقیقی سبب سمجھنا کفر ہے۔

لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِؕ وَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ٥
نہ سورج، اس کے لیے لائق ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آنے والی ہے
اور سب ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔

سورج اور چاند کے اہتمام نظم و نسق کا بیان

"لَا الشَّمْس یَنْبَغِی " یَسْهُل وَیَصِحّ "لَهَا أَنْ تُدْرِك الْقَمَر " فَتَجْتَمِع مَعَهُ فِی اللَّیْل "وَلَا اللَّیْل سَابِق

النَّهَار "فَلا يَأْتِي قَبْلَ انْقِضَائِهِ "وَكُلّ" تَنْوِينه عِوَض عَنْ الْمُضَاف إلَيْهِ مِنْ الشَّمْس وَالْقَمَر وَالنُّجُوم "فِي فَلَكٍ" مُسْتَدِير "يَسْبَحُونَ" يَسِيرُونَ نَزَلُوا مَنْزِلَة الْعُقَلَاء،

نہ سورج ،اس کے لیے لائق ہے کہ چاند کو جا پکڑے تا کہ وہ رات کے ساتھ اکٹھا ہو جائے۔اور نہ رات ہی دن سے پہلے آنے والی ہے یعنی دن ختم ہونے سے پہلے نہیں آتی۔یہاں پر لفظ کل کی تنوین مضاف الیہ کے بدلے میں آئی ہے۔جو سورج ،شاند اور ستارے ہیں۔اور سب ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔یہاں پر سورج چاند اور ستاروں کو اہل عقل کے حکم میں بیان کیا گیا ہے۔

سورج کی سلطنت دن میں ہے اور چاند کی رات میں، یہ نہیں ہو سکتا کہ چاند کی نور افشانی کے وقت سورج اس کو آ دبائے۔یعنی دن آگے بڑھ کر رات کا کچھ حصہ اڑا لے یا رات سبقت کر کے دن کے ختم ہونے سے پہلے آ جائے۔جس زمانہ اور جس ملک میں جو اندازہ رات ،دن کا رکھ دیا ہے ان کی رات کی مجال نہیں کہ ایک منٹ آگے پیچھے ہو سکیں۔ہر ایک سیارہ اپنے اپنے مدار میں پڑا چکر کھا رہا ہے اس سے ایک قدم ادھر ادھر نہیں ہٹ سکتا اور باوجود اس قدر سریع حرکت اور کھلی ہوئی فضا کے نہ ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے نہ مقررہ انداز سے زیادہ تیز یا سست ہوتا ہے کیا یہ اس کا واضح نشان نہیں کہ یہ سب عظیم الشان مشینیں اور ان کے تمام پرزے کسی ایک زبردست مدبر و دانا ہستی کے قبضہ اقتدار میں اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔پھر جو ہستی رات دن اور چاند سورج کا ادل بدل کرتی ہے وہ تمہارے فنا کرنے اور فنا کے بعد دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہو گی؟

وَ اٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝
اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کے آباء واجداد کو۔بھری کشتی میں سوار کر لیا تھا۔
اور ہم نے ان کے لئے اس کے مانند ان کو بنایا جن پر یہ لوگ سوار ہوتے ہیں۔

کشتیوں کو بنانے اور سوار ہونے سے استدلال قدرت کا بیان

"وَآيَة لَهُمْ" عَلَى قُدْرَتنَا "أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتهمْ" وَفِي قِرَاءَة : ذُرِّيَّاتهمْ أَيْ آبَاءَهُمْ الْأُصُول "فِي الْفُلْك" أَيْ سَفِينَة نُوح "الْمَشْحُون" الْمَمْلُوء،

"وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْله" أَيْ مِثْل فُلْك نُوح وَهُوَ مَا عَمِلُوهُ عَلَى شَكْله مِنْ السُّفُن الصِّغَار وَالْكِبَار بِتَعْلِيمِ اللَّه تَعَالَى "مَا يَرْكَبُونَ" فِيهِ،

اور ایک نشانی ان کے لئے یہ بھی ہے یعنی جو ہماری قدرت پر دلیل ہے۔کہ ہم نے ان کے آباء واجداد کو ایک قرأت کے مطابق ذریاتہم یعنی ان کے آباؤ واجداد کو بھری کشتی نوح میں سوار کر کے بچا لیا تھا۔اور ہم نے ان کے لئے اس کشتی کے مانند ان بہت سی اور سواریوں کو بنایا جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تعلیم کے مطابق چھوٹی بڑی ہیں۔جن کو وہ چلاتے ہیں۔جن پر یہ لوگ

سوار ہوتے ہیں۔

کشتیوں کیلئے سمندر کی تسخیر کا بیان

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت کی ایک اور نشانی بتا رہا ہے کہ اس نے سمندر کو مسخر کر دیا ہے جس میں کشتیاں برابر آمد ورفت کر رہی ہیں۔ سب سے پہلی کشتی حضرت نوح علیہ السلام کی تھی جس پر سوار ہو کر وہ خود اور ان کے ساتھ ایماندار بندے نجات پا گئے تھے باقی روئے زمین پر ایک انسان بھی نہ بچا تھا، ہم نے اس زمانے والے لوگوں کے آباؤ اجداد کو کشتی میں بٹھا لیا تھا جو بالکل بھرپور تھی۔ کیونکہ اس میں ضرورت اکل اسباب بھی تھا اور ساتھ ہی حیوانات بھی تھے جو اللہ کے حکم سے اس میں بٹھا لئے گئے تھے ہر قسم کے جانور کا ایک ایک جوڑا تھا، بڑا باوقار مضبوط اور بوجھل وہ جہاز تھا، یہ صفت بھی صحیح طور پر حضرت نوح کی کشتی پر صادق آتی ہے۔ اسی طرح کی خشکی کی سواریاں بھی اللہ نے ان کے لئے پیدا کر دی ہیں مثلاً اونٹ جو خشکی میں وہی کام دیتا ہے جو تری میں کشتی کام دیتی ہے۔

اسی طرح دیگر چوپائے جانور ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کشتی نوح نمونہ بنی اور پھر اس نمونے پر اور کشتیاں اور جہاز بنتے چلے گئے۔ اس مطلب کی تائید آیت (لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ، الحاقۃ:12) سے بھی ہوتی ہے یعنی جب پانی نے طغیانی کی تو ہم نے انہیں کشتی میں سوار کر لیا تاکہ اسے تمہارے لئے ایک یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔ ہمارے اس احسان کو فراموش نہ کرو کہ سمندر سے ہم نے تمہیں پار کر دیا۔

اگر ہم چاہتے تو اسی میں تمہیں ڈبو دیتے کشتی کی کشتی بیٹھ جاتی کوئی نہ ہوتا جو اس وقت تمہاری فریاد رسی کرتا نہ کوئی ایسا تمہیں ملتا جو تمہیں بچا سکتا۔ لیکن یہ صرف ہماری رحمت ہے کہ خشکی اور تری کے لمبے چوڑے سفر تم باآرام وراحت طے کر رہے ہو اور ہم تمہیں اپنے ٹھہرائے ہوئے وقت تک ہر طرح سلامت رکھتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یٰسین، بیروت)

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ٥ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ٥
اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں تو نہ ان کے لئے کوئی فریاد رس ہوگا اور نہ وہ بچائے جا سکیں گے۔
سوائے ہماری رحمت کے اور ایک مقررہ مدت تک کا فائدہ ہے۔

نجات کا محض اللہ کی رحمت سے ہونے کا بیان

"وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ" مَعَ إيجَاد السُّفُن "فَلَا صَرِيْخ" مُغِيث "لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ" يَنْجُونَ "اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إلَى حِين" أَيْ لَا يُنْجِيهِمْ إلَّا رَحْمَتنَا لَهُمْ وَتَمْتِيعنَا إيَّاهُمْ بِلَذَّاتِهِمْ إلَى انْقِضَاء آجَالهمْ،

اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں تو نہ ان کے لئے کوئی فریاد رس ہوگا یعنی کوئی مددگار نہ ہوا اور نہ وہ بچائے جا سکیں گے۔ یعنی نجات نہ پائیں گے۔ سوائے ہماری رحمت کے اور یہ ایک مقررہ مدت تک کا فائدہ ہے۔ یعنی وہ صرف ہماری رحمت سے نجات پانے

والے ہیں۔اور ہم نے انہیں موت آنے تک لذات دے رکھی ہیں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

وان نشا نغرقھم واو عاطفہ ہے ان شرطیہ نشا مضارع مجزوم بوجہ عمل ان۔جمع متکلم۔اور اگر ہم چاہیں۔شیء ومشیۃ مصدر (باب فتح)۔**نغرقھم نغرق مضارع مجزوم** (بوجہ جواب شرط) صیغہ جمع متکلم۔اغراق (افعال) مصدر ہم ضمیر مفعول جمع مذکر غائب ان کو ہم غرق کردیں۔فلا۔ بر فا برائے عطف وتقیب لا نفی جنس کے لئے ہے۔

صریخ اس کی دو صورتیں ہیں:۔صرخ یصرخ (نصر) سے مصدر ہے جس کے معنی فریاد کرنا۔ چلانا۔ مدد کے لئے پکارنا کے ہیں۔اس صورت میں ترجمہ ہوگا:۔پس وہ کوئی فریاد نہ کرسکیں گے۔اور اگر یہ بروزن فعیل بمعنی فاعل ہے تو یہ اضداد میں سے ہے اور اس کے معنی ہوں گے فریادرس (فریاد کو پہنچنے والا) یا فریاددی، (فریاد کرنے والا) اس کی جمع صرخاء ہے۔فلا صریخ لہم۔پس ان کے لئے کوئی فریاد سننے والا یا فریادرس نہ ہوگا۔

ولاھم ینقذون ۔واؤ عاطفہ۔لاینقذون مضارع منفی مجہول جمع مذکر غائب، ہم ضمیر جمع مذکر غائب کو تاکید کے لئے لایا گیا ہے اور نہ ہی وہ (ڈوبنے سے) بچائے جائیں گے۔ینقذون انقاذ (افعال) مصدر سے ہے بمعنی خطرہ، یا ہلاکت سے خلاصی پانا۔ اور جگہ قرآن مجید میں ہے **وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منھا** ۔اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچالیا۔(انوار البیان، سورہ یٰسین)

سمندر میں انسان کے کشتی پر سوار ہو کر سفر کرنے کے منظر کو قرآن نے متعدد مقامات پر اپنی نشانی کے طور پر پیش کیا ہے اگر کسی نے سمندری سفر کیا ہو تو وہی اس منظر کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ سمندر کے عین درمیان جہاز چل رہا ہے اوپر دیکھیں تو صرف نیلا آسمان نظر آتا ہے کوئی پرندہ تک نظر نہیں آتا، نیچے دیکھیں تو حد نگاہ تک سیاہ پانی نظر آتا ہے۔ پھر جب سمندر کی موجیں اور تیز ہوائیں جہاز کو ڈگمگا دیتی ہیں تو ہر مسافر سہا سہا نظر آنے لگتا ہے۔نزدیک کوئی خشکی نہیں، کوئی بستی نہیں جہاز میں سوار تمام مسافروں کی زندگی کا انجام بس اتنا ہی ہوتا ہے کہ ایک شدید جھٹکا لگے جو جہاز کو الٹ دے تو تمام مسافروں کی لاشیں سمندر کی اتھاہ گہرائیوں تک پہنچ کر دم لیں یا کسی آبی جانور کا لقمہ بن جائیں اور اس حال میں جان دیں کہ ان کے لواحقین کو خبر تک بھی نہ ہوسکے۔

وَ اِذَا قِیۡلَ لَھُمُ اتَّقُوۡا مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡکُمۡ وَ مَا خَلۡفَکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝
وَمَا تَاۡتِیۡھِمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّھِمۡ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡھَا مُعۡرِضِیۡنَ ۝
اور جب ان سے کہا جاتا ہے بچو اس سے جو تمھارے سامنے ہے اور جو تمھارے پیچھے ہے، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔
اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیرنے والے ہوتے ہیں۔

آیات الٰہی سے اعراض کر لینے والوں کا بیان

"وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ" مِنْ عَذَابِ الدُّنْيَا كَغَيْرِهِمْ "وَمَا خَلْفَكُمْ" مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ "لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ" أَعْرَضُوا،

اور جب ان سے کہا جاتا ہے بچو اس عذاب سے جو دنیا میں تمھارے یا دوسروں کے سامنے ہے اور جو آخرت کا عذاب تمھارے پیچھے ہے، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ جبکہ انہوں نے اعراض کر لیا۔ اور ان کے پاس ان کے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر وہ اس سے منہ پھیرنے والے ہوتے ہیں۔

کفار کی نادانی وسرکشی کا بیان

کافروں کی سرکشی نادانی اور عناد تکبر بیان ہو رہا ہے کہ جب ان سے گناہوں سے بچنے کو کہا جاتا ہے کہ جو کر چکے ان پر نادم ہو جاؤ ان سے توبہ کر لو اور آئندہ کے لئے ان سے احتیاط کرو۔ اس سے اللہ تم پر رحم فرمائے گا اور تمہیں اپنے عذابوں سے بچالے گا۔ تو وہ اس پر کاربند ہونا تو ایک طرف اور منہ پھلا لیتے ہیں، قرآن نے اس جملے کو بیان نہیں فرمایا کیونکہ آگے جو آیت ہے وہ اس پر صاف طور سے دلالت کرتی ہے۔ اس میں ہے کہ یہی ایک بات کیا؟ ان کی تو عادت ہو گئی ہے کہ اللہ کی ہر بات سے منہ پھیر لیں۔ نہ اسکی توحید کو مانتے ہیں نہ رسولوں کو سچا جانتے ہیں نہ ان میں غور وخوض کی عادت نہ ان میں قبولیت کا مادہ، نہ نفع کو حاصل کرنے کا ملکہ۔ ان کو جب کبھی اللہ کی راہ میں خیرات کرنے کو کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے اس میں فقراء مساکین اور محتاجوں کا حصہ بھی ہے۔ تو یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر اللہ کا ارادہ ہوتا تو ان غریبوں کو خود ہی دیتا، جب اللہ ہی کا ارادہ انہیں دینے کا نہیں تو ہم اللہ کے ارادے کے خلاف کیوں کریں؟ تم جو ہمیں خیرات کی نصیحت کر رہے ہو اس میں بالکل غلطی پر ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ پچھلہ جملہ کفار کی تردید میں اللہ کی طرف سے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کفار سے فرما رہا ہے کہ تم کھلی گمراہی میں ہو لیکن ان سے یہی اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کفار کے جواب کا حصہ ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝
اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس میں سے خرچ کرو جو تمہیں اللہ نے عطا کیا ہے تو کافر لوگ ایمان والوں سے کہتے ہیں:
کیا ہم اس شخص کو کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو کھلا دیتا۔ تم تو کھلی گمراہی میں ہی ہو گئے ہو۔

کفار کا ظاہری اسباب کے سبب عقیدہ عطائے رزق پر اعتراض کرنے کا بیان

"وَإِذَا قِيلَ" أَيْ قَالَ فُقَرَاء الصَّحَابَة "لَهُمْ أَنْفِقُوا" عَلَيْنَا "مِمَّا رَزَقَكُمْ اللَّه" مِنْ الْأَمْوَال "قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا" اسْتِهْزَاء بِهِمْ "أَنُطْعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاء اللَّه أَطْعَمَهُ" فِي مُعْتَقَدكُمْ هَذَا "إِنْ" مَا

"أَنْتُمْ" فِي قَوْلِكُمْ لَنَا ذَلِكَ مَعَ مُعْتَقِدِكُمْ هٰذَا "إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ" بَيِّنٍ وَلِلتَّصْرِيحِ بِكُفْرِهِمْ مَوْقِعٌ عَظِيمٌ،

اور جب ان سے کہا جاتا ہے یعنی انہیں فقراء صحابہ نے کہا کہ تم اس میں سے راہِ خدا میں ہم پر خرچ کرو جو تمہیں اموال اللہ نے عطا کیے ہیں۔تو کافر لوگ ایمان والوں سے بہ طور مذاق کہتے ہیں کیا ہم اس غریب شخص کو کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو خود ہی کھلا دیتا۔جس طرح تمہارا عقیدہ ہے۔یعنی تمہارا یہ قول جو ہمارے لئے تم نے کہا ہے یہ تمہارے عقیدہ کے مطابق نہیں ہے۔تم تو کھلی گمراہی میں ہی مبتلا ہوگئے ہو۔یعنی اس بڑے موقع پر صراحت کے ساتھ غلطی میں ہو۔

سورہ یٰسین آیت ۴۷ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت کفار قریش کے بارے میں نازل ہوئی جن سے مسلمانوں نے کہا تھا کہ تم اپنے مالوں کا وہ حصہ مسکینوں پر خرچ کرو جو تم نے بزعم خود اللہ تعالیٰ کے لئے نکالا ہے،اس پر انہوں نے کہا کہ کیا ہم ان کو کھلائیں جنہیں اللہ تعالیٰ کھلانا چاہتا تھا تو کھلا دیتا، مطلب یہ تھا کہ خدا ہی کو مسکینوں کا محتاج رکھنا منظور ہے۔

تو انہیں کھانے کو دینا اس کی مشیّت کے خلاف ہوگا یہ بات انہوں نے بخیلی اور کنجوسی سے بطورِ تمسخر کے کہی تھی اور نہایت باطل تھی کیونکہ دنیا دارالامتحان ہے،فقیری اور امیری دونوں آزمائشیں ہیں،فقیر کی آزمائش صبر سے اور غنی کی انفاق فی سبیل اللہ سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ مکہ مکرمہ میں زندیق لوگ تھے جب ان سے کہا جاتا تھا کہ مسکینوں کو صدقہ دو تو کہتے تھے ہرگز نہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ محتاج کرے ہم کھلائیں۔(تفسیر خزائن العرفان،سورہ یٰسین،لاہور)

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ مَا يَنْظُرُوْنَ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ
وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ۝ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ إِلٰٓى أَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ۝
اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔وہ لوگ صرف ایک سخت چنگھاڑ کے ہی منتظر ہیں جو انہیں پکڑے گی اور وہ آپس
میں جھگڑ رہے ہوں گے۔پھر وہ نہ تو وصیت کرنے کے ہی قابل رہیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس پلٹ سکیں گے۔

وعدہ بعث کا مطالبہ کرنے والے کفار کا بیان

"وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ" بِالْبَعْثِ "إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" فِيهِ "مَا يَنْظُرُونَ" أَيْ يَنْتَظِرُونَ "إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً" وَهِيَ نَفْخَة إِسْرَافِيل الْأُولَى "تَأْخُذهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ" بِالتَّشْدِيدِ أَصْله يَخْتَصِمُونَ نُقِلَتْ حَرَكَة التَّاء إِلَى الْخَاء وَأُدْغِمَتْ فِي الصَّاد أَيْ وَهُمْ فِي غَفْلَة عَنْهَا بِتَخَاصُمٍ وَتَبَايُعٍ وَأَكْل وَشُرْب وَغَيْر ذَلِكَ وَفِي قِرَاءَة يَخْصِمُونَ كَيَضْرِبُونَ أَيْ يَخْصِم بَعْضهمْ بَعْضًا،

"فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَة" أَيْ أَنْ يُوصُوا "وَلَا إِلَى أَهْلهمْ يَرْجِعُونَ" مِنْ أَسْوَاقهمْ وَأَشْغَالهمْ بَلْ

يَمُوتُونَ فِيهَا،

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ بعث کب پورا ہوگا اگر تم اس میں سچے ہو۔ وہ لوگ صرف ایک سخت چنگھاڑ کے ہی منتظر ہیں اور وہ حضرت اسرافیل پہلی بار پھونکیں گے۔ جو انہیں اچانک پکڑے گی اور وہ آپس میں جھگڑ رہے ہوں گے۔ یہاں پر لفظ **یخصمون** تشدید کے ساتھ آیا ہے اس کی اصل یختصمون ہے۔ تاء کی حرکت کونقل کے خاء کو دیا گیا ہے۔ اور اس کا صاد میں ادغام کیا گیا ہے یعنی وہ ایسی غفلت میں اس لئے ہیں کہ چیخ، بیع وغیرہ اور کھانے پینے میں مصروف ہوں گے۔ جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں۔ اور ایک قرأت کے مطابق یخصمون یضربون کی کی طرح آیا ہے یعنی وہ ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے۔ پھر وہ نہ تو وصیت کرنے کے ہی قابل رہیں گے کہ وہ وصیت کریں۔ اور نہ وہ بازاروں سے اور مصروفیات سے اپنے گھر والوں کی طرف واپس پلٹ سکیں گے۔ بلکہ وہ وہیں مر جائیں گے۔

اچانک قیامت کے وقوع ہو جانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دو بڑے گروہ آپس میں نہ لڑیں گے، ان دونوں گروہوں کے درمیان زبردست قتل وقتال ہوگا۔ اور دونوں کا ایک ہی دعویٰ ہوگا اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک بڑے زبردست مکار، فریبی اور فسادی لوگ پیدا نہ ہو جائیں گے جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ بولیں گے ان کی تعداد تیس کے قریب ہوگی اور ان میں سے ہر ایک کا یہ دعویٰ ہوگا کہ وہ اللہ کا رسول ہے اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک علم نہ اٹھالیا جائے گا اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک زلزلوں کی کثرت نہ ہو جائے گی، زمانہ قریب نہ ہو جائے گا فتنوں کا ظہور نہیں ہونے لگے گا اور ہرج یعنی قتل وقتال اور لوٹ مار کے واقعات میں اضافہ نہ ہو جائے گا اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ تمہارے پاس مال ودولت کی اتنی کثرت نہیں ہو جائے گی کہ مالدار شخص خیرات لینے والے کی وجہ سے قلق اور پریشانی میں مبتلا ہو جائے، یہاں تک کہ وہ مالدار، جس شخص کو صدقہ وخیرات دینے والا سمجھ کر اس کے سامنے صدقہ وخیرات کا مال پیش کرے گا، وہ غنائے قلبی کے سبب یا خود مالدار ہونے کی وجہ سے یہ کہے گا کہ مجھے تمہارے اس صدقہ خیرات کے مال کی ضرورت وحاجت نہیں ہے۔ اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ لوگ وسیع اور لمبی چوڑی عمارتوں کے بنانے پر فخر نہ کرنے لگیں گے اور جب تک کہ آدمی کسی قبر کے پاس سے گزرتا ہوا یہ نہ کہنے لگے کہ کاش میں اس کی جگہ ہوتا اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں گی جب کہ تک کہ آفتاب مغرب کی طرف سے طلوع نہ ہوگا۔ اور لوگ اس کی طرف دیکھیں تو سب ایمان لے آئیں گے اور آخرت کا امر ظاہر ہو جائے گا پس یہ وقت وہ ہوگا جب کسی بھی ایسے شخص کو اس کا ایمان لانا نفع نہ دے گا جس نے اس دن سے پہلے ایمان قبول نہیں کیا ہوگا اور نہ کسی شخص کو اس وقت اپنے ایمان کی حالت میں نیک کام کرنا فائدہ پہنچائے گا اگر اس نے اس دن سے پہلے نیک کام نہیں کیا ہوگا۔ اور اس میں شک نہیں کہ قیامت اس طرح قائم ہوگی یعنی پہلا صور کہ جو قیامت کی ابتداء ہوگا اس طرح اچانک پھونکا جائے گا کہ دو شخصوں نے اپنا کپڑا خرید وفروخت کے لئے کھول

رکھا ہوگا اور وہ نہ اس کی خرید و فروخت کر چکے ہوں گے اور نہ اس کو لپیٹ کر رکھ سکے ہوں گے کہ اسی حالت میں قیامت آ جائے گی۔ اور بلاشبہ قیامت اس حال میں قائم ہوگی کہ ایک شخص اپنی اونٹنی کے دودھ کے ساتھ واپس آیا ہوگا یعنی اونٹنی کا دودھ لے کر اپنے گھر آیا ہوگا اور اس دودھ کو پینے نہ پایا ہوگا کہ قیامت آ جائے گی اور بلاشبہ قیامت اس طرح قائم ہوگی کہ ایک شخص اپنے حوض کو لیپتا اور پوتا ہوگا یعنی اپنے جانوروں کو پانی پلانے کے لئے کوئی کنڈ وغیرہ بناتا یا اس کو درست کرتا ہوگا اور وہ اپنے جانوروں کو اس حوض سے پانی نہ پلانے پایا ہوگا کہ قیامت آ جائے گی اور بلاشبہ قیامت اس طرح قائم ہوگی کہ ایک شخص نے منہ میں رکھنے کے لئے لقمہ اٹھایا ہوگا اور وہ اس لقمہ کو کھانے نہ پایا ہوگا کہ قیامت آ جائے گی۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1350)

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ○ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا
مِنْ مَّرْقَدِنَا سكته هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ○
اور صور پھونکا جائے گا تو وہ فوراً قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ کہیں گے ہائے ہماری بربادی!
کس نے ہمیں ہماری سونے کی جگہ سے اٹھا دیا؟ یہ وہ ہے جو رحمان نے وعدہ کیا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔

دونوں نفخات کے درمیان چالیس سال کی مدت سونے کا بیان

"وَنُفِخَ فِي الصُّور" هُوَ قَرْن النَّفْخَة الثَّانِيَة لِلْبَعْثِ وَبَيْن النَّفْخَتَيْنِ أَرْبَعُونَ سَنَة "فَإِذَا هُمْ" أَيْ الْمَقْبُورُونَ "مِنْ الْأَجْدَاث" الْقُبُور "إِلَى رَبّهمْ يَنْسِلُونَ" يَخْرُجُونَ بِسُرْعَةٍ

"قَالُوا" أَيْ الْكُفَّار مِنْهُمْ "يَا" لِلتَّنْبِيهِ "وَيْلَنَا" هَلَاكنَا وَهُوَ مَصْدَر لَا فِعْل لَهُ مِنْ لَفْظه "مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدنَا" لِأَنَّهُمْ كَانُوا بَيْن النَّفْخَتَيْنِ نَائِمِينَ لَمْ يُعَذَّبُوا "هَذَا" أَيْ الْبَعْث "مَا" أَيْ الَّذِي "وَعَدَ" بِهِ "الرَّحْمَن وَصَدَقَ" فِيهِ "الْمُرْسَلُونَ" أَقَرُّوا حِين لَا يَنْفَعهُمْ الْإِقْرَار وَقِيلَ: يُقَال لَهُمْ ذَلِكَ

اور جس وقت بعث کیلئے دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور ان دونوں صوروں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا۔ تو وہ فوراً قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ یعنی جلدی کے ساتھ نکلیں گے۔ تو کفار کہیں گے ہائے ہماری بربادی! یہاں پر لفظ یا ، یہ انتباہ کیلئے آیا ہے۔ اور لفظ ویل کا معنی ہلاکت ہے اور وہ مصدر ہے کیونکہ اس کا فعل لفظی طور پر نہیں آتا۔ کس نے ہمیں ہماری سونے کی جگہ سے اٹھا دیا؟ کیونکہ جب وہ دونوں نفخات کے درمیان سوئے تھے تو انہیں کوئی عذاب نہیں ہوا۔ یہ وہ بعث ہے جو رحمان نے وعدہ کیا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔ تو وہ اس وقت اقرار کریں گے جب ان کا اقرار کرنا ان کو کچھ فائدہ نہ دے گا۔ اور ان سے کہا جائے گا۔

قیام قیامت کیلئے صور پھونکے جانے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دونوں نفخوں (یعنی ایک مرتبہ مارنے کے

لئے اور دوسری مرتبہ جلانے کے لئے دونوں مرتبہ پھونکے جانے والے صور کے درمیان کا وقفہ چالیس ہوگا لوگوں نے (یہ سن کر) پوچھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! کیا (چالیس سے) چالیس دن مراد ہیں؟ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم! پھر لوگوں نے پوچھا کہ کیا چالیس مہینے مراد ہیں؟

ابو ہریرہ نے جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم ان لوگوں نے پھر پوچھا کہ کیا چالیس سال مراد ہیں؟ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر یہی جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان حدیث کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا کہ) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسائے گا اور اس پانی سے لوگ۔ (یعنی انسان اور تمام جاندار) اس طرح اگیں کہ جیسے سبزہ اگتا ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" انسان کے جسم و بدن کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو پرانی اور بوسیدہ نہ ہوجاتی ہو (یعنی گل سڑ کر ختم نہ ہوجاتی ہو) علاوہ ایک ہڈی کے جس کو عجب الذنب کہتے ہیں اور قیامت کے دن ہر جاندار کی اسی ہڈی سے اس کے تمام جسم کو مرکب کیا جائے گا۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 93)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جواب دینا کہ مجھے نہیں معلوم، اس بنا پر تھا کہ یا تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو اسی طرح مجملا سنا تھا یا سنا تو مفصل تھا مگر وہ یہ بھول گئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم "چالیس" کے بعد کیا فرمایا تھا، چنانچہ انہوں نے اپنے مذکورہ جواب کے ذریعہ واضح کیا کہ میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ "چالیس" سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد چالیس دن تھے، یا چالیس مہینے اور یا چالیس سال بہر حال اس حدیث میں چالیس کا لفظ مجمل نقل ہوا ہے جب کہ ایک دوسری حدیث میں یہ لفظ تفصیل کے ساتھ ہے اور وہ چالیس برس ہے پس دونوں نفخوں کے درمیان جو وقفہ ہوگا وہ چالیس سال کے برابر ہوگا۔ "عجب الذنب" اس ہڈی کو کہتے ہیں جو ریڑھ کے نیچے دونوں کولھوں کے درمیان ہوتی ہے جہاں جانور کی دم کا جوڑ ہوتا ہے اور عام طور پر اس کو ریڑھ کی ہڈی سے تعبیر کیا جاتا ہے بعض روایتوں میں عجب الذنب میں "عجب" کے بجائے "عجم" کا لفظ ہے ویسے جوڑ ہوتا ہے اس لئے اس کا نام عجب الذنب یا عجم الذنب ہے حاصل یہ کہ ریڑھ کی ہڈی گویا انسان کا بیج ہے کہ اسی سے ابتدائی تخلیق ہوتی ہے اور قیامت کے دن دوبارہ اسی کے ذریعہ تمام اعضاء جسمانی کو از سر نو ترتیب دیا جائے گا بس مرنے کے بعد انسان یا کوئی بھی جاندار گل سڑ کر نابود ہوجاتا ہے اور اس کے پورے جسم کی ہڈیوں کو مٹی کھا جاتی ہے مگر ریڑھ کی ہڈی نہ تو گلتی سڑتی ہے اور نہ اس کو مٹی کھاتی ہے واضح رہے کہ یہ ان لوگوں کی حالت کا بیان ہے جن کے بدن گل سڑ جاتے ہیں انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کا سارا بدن محفوظ رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کرام کے جسموں کو کھانا حرام کیا ہے، یہی بات ان لوگوں کے حق میں کہی جاسکتی ہے جو اس بارے میں انبیاء کے حکم میں ہیں یعنی شہداء اور اولیاء اللہ اور وہ موذن جو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اذان دیتے ہیں چنانچہ یہ سب لوگ اپنی قبروں میں اسی طرح زندہ ہیں جس طرح اس دنیا میں زندہ لوگ ہیں۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ○
فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

یہ محض ایک بہت سخت چنگھاڑ ہوگی تو وہ سب کے سب یکا یک ہمارے حضور لا کر حاضر کر دیئے جائیں گے۔ پس آج
کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور نہ تمھیں اس کے سوا کوئی بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

قیامت کے دن کسی پر بھی ظلم نہ کیے جانے کا بیان

"إِنْ" مَا "كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا " عِنْدَنَا "مُحْضَرُونَ"فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا" جَزَاءً،

یہ محض ایک بہت سخت چنگھاڑ ہوگی تو وہ سب کے سب یکا یک ہمارے حضور لا کر حاضر کر دیئے جائیں گے۔ پس آج کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور نہ تمھیں اس کے سوا کوئی بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

صور کی آواز سے لوگوں کے مر جانے اور دوبارہ جمع ہو جانے کا بیان

"صور" اصل میں نرسنگا (سنکھ) اور قرنا کو کہتے ہیں جس میں پھونکنے سے ایک بلند آواز پیدا ہوتی ہے اور یہاں وہ مخصوص نرسنگا (سنکھ) مراد ہے جس کو حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے حضرت اسرافیل علیہ السلام کا یہ صور پھونکنا دو مرتبہ ہوگا ایک بار تو اس وقت جب قیامت آنے کو ہوگی اور اس صور کی آواز سے تمام لوگ مر جائیں گے اور دوسری بار اس وقت جب تمام لوگوں کو میدان حشر میں جمع کرنے کے لئے دوبارہ زندہ کرنا مقصود ہوگا چنانچہ اس صور کی آواز سے تمام لوگ زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" صور ایک سینگ ہے جس کو پھونکا جائے گا۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 100)

جس کو پھونکا جائے گا" کا مطلب یہ ہے کہ اس کو حضرت اسرافیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے دو مرتبہ پھونکیں گے ایک بار تو سب کو مارنے کے لئے اور دوسری بار سب جگانے کے لئے۔ بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ اس سینگ یعنی صور کا وہ سرا جس کو حضرت اسرافیل علیہ السلام اپنے منہ میں لگائے پھونکنے کے لئے تیار بیٹھے ہیں، گول ہے اور اس کی گولائی زمین اور آسمانوں کے برابر ہے۔

قیامت کے دن ظالموں سے پوچھا جانے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ لے گا اور پھر ان کو داہنے ہاتھ میں لے کر فرمائے گا کہ بادشاہ میں ہوں! کہاں ہیں ظلم و جبر کرنے والے، کہاں ہیں (اپنے جاہ و حشم پر) تکبر کرنے والے؟ پھر زمینوں کو اپنے بائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ زمینوں کو اپنے دوسرے ہاتھ میں لے لے گا اور فرمائے گا۔" بادشاہ میں ہوں کہاں ہیں بادشاہ یعنی وہ لوگ جو اپنے کو بادشاہ کہا کرتے تھے)؟ کہاں ہیں ظلم

وجبر کرنے والے۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 95)

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ○ هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ
مُتَّكِـُٔوْنَ ○ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ○ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ○
بے شک جنت کے رہنے والے آج ایک شغل میں خوش ہیں۔ وہ اوران کی بیبیاں سایوں میں ہیں، تختوں پر تکیہ لگائے۔ ان کے لیے
اس میں بہت پھل ہے اوران کے لیے اس میں وہ کچھ ہے جو وہ طلب کریں گے۔ سلام ہو، ربِّ رحیم کی طرف سے فرمایا جائے گا۔

اہل جنت کے سکون اور سلامتی کا بیان

"إِنَّ أَصْحَاب الْجَنَّة الْيَوْم فِي شُغُل" بِسُكُونِ الْغَيْن وَضَمّهَا عَمَّا فِيهِ أَهْل النَّار مِمَّا يَتَلَذَّذُونَ بِهِ كَافْتِضَاضِ الْأَبْكَار لَا شُغْل يَتْعَبُونَ فِيهِ لِأَنَّ الْجَنَّة لَا نَصَب فِيهَا "فَاكِهُونَ" نَاعِمُونَ خَبَر ثَانٍ لِإِنَّ وَالْأَوَّل فِي شُغْل،

"هُمْ" مُبْتَدَأ "وَأَزْوَاجهمْ فِي ظِلَال" جَمْع ظُلَّة أَوْ ظِلّ خَبَر: أَيْ لَا تُصِيبهُمْ الشَّمْس "عَلَى الْأَرَائِك" جَمْع أَرِيكَة وَهُوَ السَّرِير فِي الْحَجَلَة أَوْ الْفُرُش فِيهَا "مُتَّكِئُونَ" خَبَر ثَانٍ مُتَعَلِّق عَلَى

"لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَة وَلَهُمْ" فِيهَا "مَا يَدَّعُونَ" يَتَمَنَّوْنَ،

"سَلَام" مُبْتَدَأ "قَوْلًا" أَيْ بِالْقَوْلِ خَبَره "مِنْ رَبّ رَحِيم" بِهِمْ أَيْ يَقُول لَهُمْ: سَلَام عَلَيْكُمْ،

بے شک جنت کے رہنے والے آج ایک شغل میں خوش ہیں۔ یہاں پر لفظ شغل غین کے سکون اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی وہ اہل دوزخ سے بے خبر ہوں گے اور وہ جنت میں لطف اندوز ہور ہے ہوں گے جس طرح دوشیزاؤں سے جماع کرنا ہے اور وہاں کوئی محنت ومشقت نہ ہوگی کیونکہ جنت کسی مشقت کی جگہ کا نام نہیں ہے۔ یہاں پر لفظ فاکھون یہ ناعمون کے معنی میں اور یہ خبر ثانی ہے کیونکہ خبر اول شغل ہے۔

یہاں پر لفظ ھم مبتداء ہے۔ وہ اوران کی بیبیاں سایوں میں ہیں، یہاں پر لفظ ظلال یہ ظلۃ یا ظل کی جمع ہے۔ اور خبر ہے۔ یعنی وہاں سورج کی دھوپ نہ پہنچے گی۔ تختوں پر تکیہ لگائے۔ یہاں پر لفظ ارائک یہ اریکہ کی جمع ہے جس کا معنی وہ مسہری جو خیمے میں لگائی جاتی ہے یا فرش پر لگائی جاتی ہے۔ اور متکئون یہ خبر ثانی ہے۔ جو لہم کے متعلق ہے۔ ان کے لیے اس میں بہت پھل ہے اوران کے لیے اس میں وہ کچھ ہے جو وہ طلب کریں گے۔ تم پر سلام ہو، لفظ سلام مبتداء ہے۔ یہ ربِّ رحیم کی طرف سے فرمایا جائے گا۔ لفظ قول اس کی خبر ہے۔ یعنی وہ ان سے فرمائے گا تم پر سلامتی ہو۔

جنت میں آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی نعمتوں کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ

چیز تیار کر رکھی ہے کہ (آج تک) نہ کسی آنکھ نے اس (جیسی کسی چیز) کو دیکھا ہے نہ کسی کان نے (اس جیسی خوبیوں کا) سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں (اس کی ماہیت کا تصور تک آیا ہے اگر تم اس بات کی تصدیق چاہو تو یہ آیت پڑھو: (**فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ**، السجدہ:17) (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 179)

کوئی بھی شخص نہیں جانتا (جو بندے شب بیداری کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں) ان کے لئے کیا چیز چھپا رکھی گئی ہے جو آنکھ کی ٹھنڈک کا سبب ہے۔

نہ کسی آنکھ نے الخ کے بارے میں بھی یہ احتمال ہے کہ اس چیز (یعنی جنت) کے مظاہر شکل وصورت آوازیں اور خاطر داریاں مراد ہوں، مطلب یہ کہ وہاں جو اعلیٰ مناظر ہوں گے اور وہاں جو نظر افروز شکلیں اور صورتیں دکھائی دیں گی ان جیسے مناظر اور جیسی شکلیں اور صورتیں اس دنیا میں نہ دیکھی گئی ہیں اور نہ کبھی دیکھیں جا سکتی ہیں، اسی طرح وہاں کی آوازوں میں جو مٹھاس، نغمگی اور دلکشی ہوگی، ایسی میٹھی، نغمیہ ریز اور دلکش آوازیں اس دنیا میں آج تک نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کبھی سنی جا سکتی ہیں اور ایسے ہی وہاں جو خاطر ومدارت ہوں گی، جو نعمتیں اور لذتیں حاصل ہوں گی، ان کا تصور بھی اس دنیا میں آج تک کسی انسان کے دل میں نہیں آیا ہوگا اور نہ کبھی اس کا کوئی تصور کیا جا سکتا ہے۔

آیت میں جس چیز کو آنکھ کی ٹھنڈک سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے فرحت وشادمانی، چین وراحت اور مقصود مراد پانا ہے! واضح رہے کہ (آنکھ کی ٹھنڈک) میں لفظ قرۃ دراصل قر سے نکلا ہے جس کے معنی ثبات وقرار کے ہیں۔ چنانچہ آنکھ جب اپنی محبوب چیز کو دیکھتی ہے تو قرار پا جاتی ہے اور اس طرح مطمئن ہو جاتی ہے کہ کسی اور طرف مائل نہیں ہوتی اس کے برخلاف جب آنکھ کسی غیر پسندیدہ اور ناگوار چیز کو دیکھتی ہے اور اس کی محبوب شی سامنے نہیں ہوتی تو وہ پریشان اور کھوئی سی رہتی ہے اور کسی ایک سمت قرار پانے کے بجائے ادھر ادھر بھٹکنا شروع کر دیتی ہے ایسے ہی فرحت وسرور اور راحت واطمینان کی حالت میں آنکھوں کو عجیب طرح کا کیف وسکون اور آرام ملتا ہے جب کہ خوف وغم کی حالت میں وہ متحرک ومضطرب ہو جاتی ہیں۔ یا یہ کہ "قرۃ" کے لفظ "قر" سے مشق ہے جس کے معنی "ٹھنڈک اور خشکی" کے ہیں اس صورت میں کہا جائے گا کہ آنکھ کی ٹھنڈک سی مراد وہ مخصوص لذت وکیف ہے جو محبوب اور پسندیدہ چیز کو دیکھ کر اور اپنا مقصود ومطلوب پا کر آنکھ محسوس کرتی ہے۔

اس کے برخلاف آنکھ جب کسی غیر پسندیدہ اور ناگوار چیز اور دشمن کو دیکھتی ہے اور مطلوب ومقصود کے انتظار میں ہوتی ہے تو گویا اس وقت وہ ایک خاص جلن اور سوزش محسوس کرتی ہے! اسی مناسبت سے "پیاری اولاد" کو قرۃ العین یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک کہا جاتا ہے! نیز ایک حدیث میں جو یوں آیا ہے کہ **جعلت قرة عيني في الصلوة** (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز رکھی گئی ہے تو اس میں بھی لفظ قرۃ کے دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

حوران جنت کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صبح کو شام کو ایک بار اللہ کی راہ میں نکلنا دنیا

اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے اور اگر جنتیوں میں سے کسی کی عورت (یعنی کوئی حور) زمین کی طرف جھانک لے تو مشرق ومغرب کے درمیان کو (یعنی دنیا کے اس کونے سے لے کر اس کونے تک کی تمام چیزوں کو) روشن ومنور کردے اور مشرق سے لے کر مغرب تک کی تمام فضاء کو خوشبو سے بھر دے، نیز اس کے سر کی ایک اوڑھنی اس دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔"

(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 181)

صبح اور شام کی تخصیص معمول کا لحاظ رکھتے ہوئے ہے کہ عام طور پر فوج ولشکر کی روانگی میدان جنگ میں معرکہ آرائی اور حملہ وغیرہ کی ابتداء انہی اوقات میں ہوئی ہے۔ ورنہ یہاں نطق مراد ہے خواہ وہ صبح وشام کا وقت ہو یا کوئی اور وقت "اللہ کی راہ" سے مراد جہاد وغیرہ بھی ہے اور ہجرات بھی، اسی طرح حج، طلب علم اور ہر اس مقصد کے لئے گھر سے نکلنا اور سفر کرنا بھی مراد ہے جس کا مطمع نظر اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کا حصول اور بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اسی کے فرمان کی بجا آوری ہو یہاں تک کہ اپنے اہل وعیال کا نفقہ پورا کرنے کے لئے اور عبادت الٰہی اور احکام الٰہی کی بجا آوری میں دلجمی واطمینان اور حضور قلب کے حصول کی غرض سے رزق حلال کی تلاش میں نکلنا اور سفر کرنا بھی اللہ کی راہ میں نکلنے کا مفہوم رکھتا ہے۔

جو شخص محض ایک بار بھی اللہ کی راہ میں نکلتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اس کو جو اجر وثواب ملتا ہے یا اس کو آخرت میں جو نعمتیں حاصل ہوں گی وہ اس دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہیں! نیز ذکر چونکہ اللہ کے راستہ میں نکلنے کی فضیلت کا تھا جس کا اجر اللہ کے ہاں جنت ہے اس مناسبت سے جنت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت (یعنی حور) کی کچھ خوبیاں بھی بیان فرمائی گئیں۔ لفظ بینہما کی ضمیریں مشرق ومغرب کی طرف لوٹائی گئی ہیں، لیکن یہ ضمیریں آسمان وزمین کی طرف یا جنت اور زمین کی طرف بھی لوٹائی جا سکتی ہیں، ویسے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ جنت اور زمین کی طرف راجع ہوں کیونکہ عبارت میں بھی یہی دونوں صریحاً مذکور ہیں۔

اہل جنت کیلئے قول سلام کا بیان

ان اہل جنت کے مہربان پروردگار کی طرف سے انہیں سلام کہا جائے گا۔ خواہ یہ اللہ کی طرف سے سلام فرشتوں کی وساطت سے ہو۔ یا بلاواسطہ اللہ تعالیٰ ان سے خطاب فرمائیں۔ کیونکہ عالم آخرت کے احوال عالم دنیا جیسے نہیں ہوں گے۔ اس دنیا میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا۔ مگر جنت میں اہل جنت اللہ تعالیٰ کو یوں دیکھ سکیں گے جیسے یہاں ہم چاند کی طرف دیکھ سکتے ہیں اور ہمیں راحت محسوس ہوتی ہے۔ اس دنیا میں اللہ کو کسی نے نہیں دیکھا البتہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ سے براہ راست بلاواسطہ کلام ضرور کیا ہے۔ لہٰذا عالم آخرت میں اللہ تعالیٰ کا اہل جنت سے اور اہل جنت کا اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونا بدرجہ اولیٰ ممکن ہوگا۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

اور اے مجرمو! تم آج الگ ہو جاؤ۔ اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے اس بات کا عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پرستش نہ کرنا، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

قیامت کے دن مجرموں کو مؤمنوں سے الگ کر دینے کا بیان

"وَ" "امْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ " أَيْ انْفَرِدُوا عَنِ الْمُؤْمِنِينَ عِنْد اخْتِلَاطهمْ بِهِمْ "أَلَمْ أَعْهَد إلَيْكُمْ" آمُرُكُمْ "يَا بَنِي آدَم" عَلَى لِسَان رُسُلِي "أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَان" لَا تُطِيعُوهُ "إنَّهُ لَكُمْ عَدُوّ مُبِين" بَيِّن الْعَدَاوَة،

اور اے مجرمو! تم آج اہل ایمان کے ساتھ ملنے کی بہ جائے ان سے الگ ہو جاؤ۔ یعنی جب وہ ملنے لگیں گے۔ اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے اپنے رسولان گرامی کی زبانی اس بات کا عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پرستش نہ کرنا، یعنی اس کی اطاعت نہ کرنا بیشک وہ عداوت میں تمہارا کھلا دشمن ہے۔

نیک وبد علیحدہ علیحدہ کر دیئے جانے کا بیان

فرماتا ہے کہ نیک کاروں سے بدکاروں کو چھانٹ دیا جائے گا، کافروں سے کہدیا جائے گا کہ مومنوں سے دور ہو جاؤ، پھر ہم ان میں امتیاز کر دیں گے انہیں الگ الگ کر دیں گے۔ اسی طرح سورہ یونس میں ہے (ترجمہ) جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز سب کے سب جدا جدا ہو جائیں گے۔ یعنی ان کے دو گروہ بن جائیں گے۔ سورہ والصافات میں فرمان ہے (اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ، الصافات: 22) یعنی ظالموں کو اور ان جیسوں کو اور ان کے جھوٹے معبودوں کو جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے جمع کرو اور انہیں جہنم کا راستہ دکھاؤ۔ جنتیوں پر جو طرح طرح کی نوازشیں ہو رہی ہوں گی اس طرح جہنمیوں پر طرح طرح کی سختیاں ہو رہی ہوں گی انہیں بطور ڈانٹ ڈپٹ کے کہا جائے گا کہ کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی نہ ماننا، وہ تمہارا دشمن ہے؟ لیکن اس پر بھی تم نے مجھ رحمان کی نافرمانی کی اور اس شیطان کی فرمانبرداری کی۔ خالق مالک رازق میں اور فرمانبرداری کی جائے میرے راندہ درگاہ کی؟ میں تو کہہ چکا تھا کہ ایک میری ہی ماننا صرف مجھ ہی کو پوجنا مجھ تک پہنچنے کا سیدھا قریب کا اور سچا راستہ یہی ہے لیکن تم الٹے چلے، یہاں بھی الٹے ہی جاؤ، ان نیک بختوں کی اور تمہاری راہ الگ الگ ہے یہ جنتی ہیں تم جہنمی ہو۔ جبلا سے مراد خلق کثیر بہت ساری مخلوق ہے لغت میں جبل بھی کہا جاتا ہے اور جبل بھی کہا جاتا ہے، شیطان نے تم میں سے بکثرت لوگوں کو بہکا دیا اور صحیح راہ سے ہٹا دیا، تم میں اتنی بھی عقل نہ تھی کہ تم اس کا فیصلہ کر سکتے کہ رحمان کی مانیں یا شیطان کی؟ اللہ کو پوجیں یا مخلوق کو؟

ابن جریر میں ہے قیامت کے دن اللہ کے حکم سے جہنم اپنی گردن نکالے گی جس میں سخت اندھیرا ہوگا اور بالکل ظاہر ہوگی وہ بھی کہے گی کہ اے انسانو! کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا؟ وہ تمہارا ظاہری دشمن ہے اور میری عبادت کرنا یہ سیدھی راہ ہے، اس نے تم میں سے اکثروں کو گمراہ کر دیا کیا تم سمجھتے نہ تھے؟ اے گنہگارو! آج تم جدا ہو جاؤ۔ اس وقت

نیک بدا الگ الگ ہو جائیں گے، ہر ایک گھٹنوں کے بل گر پڑے گا، ہر ایک کو اس کے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا، آج ہی بدلے دیئے جاؤ گے جو کر کے آئے ہو۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ یٰسین، بیروت)

وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِیْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ○ وَ لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِیْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا
تَعْقِلُوْنَ ○ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○
اور یہ کہ میری عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔ اور بلاشبہ یقیناً اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا۔ تو کیا تم نہیں سمجھتے
تھے۔ یہ وہی دوزخ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے۔ آج اس میں داخل ہو جاؤ، اس کے بدلے جو تم کفر کیا کرتے تھے۔

کفار کیلئے وعدہ دوزخ کے پورا ہونے کا بیان

"وَأَنْ اُعْبُدُونِی" وَحِّدُونِی وَأَطِیعُونِی "هَذَا صِرَاط" طَرِیق "وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا" جِبِلًّا جَمْع جَبِیل كَقَدِیمٍ وَفِی قِرَاءَة بِضَمِّ الْبَاء "كَثِیرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ" عَدَاوَته وَإِضْلَاله أَوْ مَا حَلَّ بِهِمْ مِنْ الْعَذَاب فَتُؤْمِنُونَ وَیُقَال لَهُمْ فِی الْآخِرَة "هَذِهِ جَهَنَّم الَّتِی كُنْتُمْ تُوعَدُونَ" بِهَا،

اور یہ کہ میری عبادت کرو، یعنی میری توحید کا اقرار کرو اور میری اطاعت کرو۔ یہ سیدھا راستہ ہے۔ اور بلاشبہ یقیناً اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا۔ یہاں پر لفظ جبلا یہ جبیل کی جمع ہے جس طرح قدما جو قدیم کی جمع ہے، اور ایک قرأت میں جبلا یہ باء کے ضمہ کے ساتھ آیا ہے۔ تو کیا تم اس کی عداوت اور گمراہی کو نہیں سمجھتے تھے۔ یا اس کو سمجھتے جو اس پر عذاب نازل ہوا تھا۔ تا کہ تم ایمان لاتے اور ان سے آخرت میں کہا جائے گا۔ یہ وہی دوزخ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے۔ آج اس میں داخل ہو جاؤ، اس کے بدلے جو تم کفر کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے حکم کا بیان

حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ (ایک سفر کے دوران سواری کے) گدھے پر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف کجاوے کا پچھلا حصہ حائل تھا، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا معاذ! جانتے ہو بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ پر بندوں کا یہ حق ہے کہ جس نے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرایا ہو، اسے عذاب نہ دے (یہ سن کر) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں یہ خوشخبری لوگوں کو سنا دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سناؤ کیونکہ وہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے (اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے)۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 22)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے اللہ کو ایک مان لیا اس کی الوہیت و ربوبیت اور اس کی بھیجی ہوئی رسالت پر ایمان لے

آیا اور اس کی عبادت و پرستش میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تو اس پر عذاب نہیں ہوگا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی آدمی اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آیا اور شرک کا مرتکب نہیں ہوا تو اس پر دوزخ کی آگ بالکل حرام ہو جائے گی۔ اگرچہ وہ کتنا ہی بدعمل اور بدکار رہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین اور کفار کی طرح اس پر ہمیشہ کے لئے عذاب مسلط نہیں کیا جائے گا اور نہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا بلکہ اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر آخر کار اسے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ٥
آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں
اس کی گواہی دیں گے جو وہ کمایا کرتے تھے۔

قیامت کے دن کفار کے اعضاء کی گواہی کا بیان

"اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ" اَیِ الْكُفَّارِ لِقَوْلِهِمْ "وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ" "وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ" وَغَيْرُهَا "بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" فَكُلُّ عُضْوٍ يَنْطِقُ بِمَا صَدَرَ مِنْهُ

آج ہم ان یعنی کفار کے مونہوں پر بات کرنے کی بہ جائے مہر لگا دیں گے یعنی جب وہ کہنے لگیں "وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ" اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں وغیرہ اس کی گواہی دیں گے جو وہ کمایا کرتے تھے۔ پس ہر عضو وہی بولے گا جو کام اس سے کیا گیا ہوگا۔

قیامت کے دن انسان کا اپنے اعضاء سے مکالمہ کرنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یکا یک ہنسنے لگے اور پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو میں کیوں، ہنس رہا ہوں؟ حضرت انس کہتے ہیں کہ ہم نے کہا "اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" میں (قیامت کے دن) بندہ اور اللہ کے درمیان منہ در منہ گفتگو ہونے کا خیال کر کے) ہنس رہا ہوں! (اس دن) بندہ کہے گا کہ اے پروردگار کیا تو نے مجھ کو ظلم سے پناہ نہیں دی ہے؟ (یعنی کیا تو نے نہیں فرمایا کہ میں اپنے بندوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ سن کر) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہاں تجھ کو (میں نے پناہ دی ہے اور میں یقیناً بندوں پر ظلم نہیں کرتا) تب بندہ کہے گا کہ اگر تو نے مجھ کو ظلم سے پناہ دی ہے تو) میں اپنے متعلق اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا کہ میرے بارے میں گواہی دینے والا مجھ ہی میں سے ہو" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بندے کی یہ بات سن کر) اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ " (مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے) آج کے دن تیرے بارے میں خود تیری ذات کی گواہی دیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" پھر بندے کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی (یعنی اس کی قوت گویائی کو معطل کر دیا جائے گا) اور اس کے بعد اس کے تمام اعضاء و جسم کو حکم دیا جائے گا کہ بولو، چنانچہ اس کے جسم کے اعضاء اس کے (ان)

اعمال کو بیان کریں گے جو اس نے ان اعضاء کے ذریعہ کئے تھے۔

پھر اس بندے اور اس کی گویائی کے درمیان سے (پردہ) اٹھا دیا جائے گا (یعنی اس کے منہ کو جو مہر لگائی گئی تھی اس کو توڑ دیا جائے گا اور اس کی قوت گویائی بحال ہو جائے گی جس سے وہ پہلے کی طرح باتیں کرنے لگے گا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بندہ (یہ صورت حال دیکھ کر اپنے اعضاء جسم سے) کہے گا کہ دور ہو بدبختو اور ہلاک ہو، میں تو تمہاری ہی طرف سے اور تمہاری ہی نجات کے لئے لڑ جھگڑ رہا تھا۔" (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 128)

میرے بارے میں گواہی دینے والا مجھ ہی میں سے ہو" یعنی مجھے یہ گوارہ نہیں ہے کہ میرے اعمال و کردار اور میری دنیاوی زندگی کے بارے میں گواہی دینے والا کوئی دوسرا ہو، میں تو صرف اس گواہ کو تسلیم کروں گا جو میری ذات کے اندر سے پیدا ہو گویا بندہ تو یہ خیال کرے گا کہ میری ذات کے اندر سے گواہی دینے والا کون ہو سکتا ہے کیونکہ کوئی ذات خود اپنے کو ضرر و نقصان پہنچانے کے لئے گواہی نہیں دیا کرتی، لیکن اس کو یہ خیال نہیں آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی پوری طرح سے قادر ہے کہ وہ اس بندے کی ذات میں سے ایسا گواہ پیدا کر دے جو اس کے خلاف گواہی دے اور اس کو اللہ کے حکم کے خلاف انکار کی مجال اور دم مارنے کی گنجائش نہ ہو! پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کا سبب یہی تھا کہ حق تعالیٰ کے سامنے بندہ کا اس طرح کلام کرنا کہ خود اپنے جال میں پھنس جائے اس کی کس درجہ کی مضحکہ خیز حرکت ہوگی۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ کے منہ کو مہر لگانا ان اعضاء جسم کا اعمال کے بارے میں گواہی دینا جن کے ذریعہ بندے نے وہ عمل کئے ہوں گے اور پھر اس بندے کا اپنی نادانی پر جھنجھلاہٹ کی وجہ سے اپنے ان اعضاء جسم کو برا بھلا کہنا اور ان کو بددعا دینا جیسے عجیب و غریب امور کا خیال کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے۔ خود بندے کی درخواست اور خواہش کے مطابق خود اسی کے اعضاء جسم کو اس کے بارے میں گواہ بنانے کے بعد پھر نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو بھی گواہ بنانا مقصود سے زائد بات۔ اور اس کا سبب یہ ہوگا کہ اعضاء جسم جو گواہی دیں گے اس کی تصدیق و توثیق ہو جائے اور بندے کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ یہ اعضاء جسم درست گواہی نہیں دے رہے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ صرف فرشتوں کو گواہ بنائے گا تو یہ بات اس قرارداد کے خلاف ہوگی۔

جو اس کے اور بندے کے درمیان طے پائی گی حاصل یہ کہ اصل گواہ تو بندے کے اعضاء جسم ہی ہوں گے جن کو خود بندے کی غرض و خواہش کے مطابق گواہ بنایا جائے گا اور ان اعضاء جسم کی گواہی ثابت کرنے کے لئے نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو بطور زائد گواہ پیش کیا جائے گا، لہٰذا یہ اعتراض پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ بندے کی غرض و خواہش کو مان کر اس کی ذات کے اندر سے، یعنی اسی کے اعضاء جسم کو گواہ بنائے گا تو فرشتوں کو گواہ بنانے کی کیا ضرورت ہوگی۔ دور ہٹو بدبختو اور ہلاک ہو الخ" یعنی جب وہ بندہ دیکھے گا کہ یہ میرے اعضاء جسم تو میرے ہی خلاف گواہی دے رہے ہیں، ادھر ان اعضاء جسم کا اس کے خلاف گواہ بننا خود اس کی درخواست و خواہش کے مطابق ہوگا، تو وہ اس صورت حال سے جھنجلا جائے گا۔

اور اپنے اعضاء جسم کو برا بھلا کہنے لگے گا کہ کمبختو، میں تمہاری ہی طرف سے لڑ جھگڑ رہا تھا تاکہ تمہیں اعمال بد کی سزا نہ بھگتنی

پڑے، لیکن اپنے خلاف خود تم ہی گواہی دے رہے ہو اور اپنے آپ کو عذاب و ہلاکت میں ڈال رہے ہو یا یہ کہ میں دنیا میں تمہاری ہی وجہ سے بندوں سے لڑتا جھگڑتا تھا، تمہیں نقصان وضرر سے بچانے کے لئے دوسروں کو نقصان پہنچایا کرتا تھا، تمہاری راحت اور تمہارے کام کی وجہ سے فلاں فلاں پر عمل کیا کرتا تھا۔

ہر وقت تمہاری ہی حفاظت اور تمہاری ہی مدد میں لگا رہتا تھا اور تمہیں ہی اپنا دوست و غم خوار مانتا تھا مگر آخر کو تم ہی میرے دشمن اور میرے بدخواہ نکلے اور مجھے عذاب اللہ وندی کے حوالہ کئے جانے کا سبب بنے! حدیث میں ان اعضاء جسم کا وہ جواب ذکر نہیں کیا گیا ہے جو وہ آخر میں بندے کی یہ بات سن کر دیں گے، لیکن قرآن کی ایک آیت میں ان کے اس جواب کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے۔(وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ، صلت:21) اور وہ اپنی جلدوں سے (یعنی اپنے اعضاء جسم سے) کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ تو وہ جلدیں کہیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے بلایا ہے جس نے ہر ایک کو بلایا ہے اور اس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ○
اور اگر ہم چاہیں تو یقیناً ان کی آنکھیں مٹا دیں، پھر وہ راستے کی طرف بڑھیں تو کیسے دیکھیں گے؟

آنکھوں کی بینائی سے دلیل قدرت کا بیان

"وَلَوْ نَشَاء لَطَمَسْنَا عَلَى أَعْيُنهمْ " لَأَعْمَيْنَاهَا طَمْسًا "فَاسْتَبَقُوا" ابْتَدَرُوا "الصِّرَاط" الطَّرِيق ذَاهِبِينَ كَعَادَتِهِمْ "فَأَنَّى" فَكَيْفَ "يُبْصِرُونَ" حِينَئِذٍ ؟ أَيْ لَا يُبْصِرُونَ

اور اگر ہم چاہیں تو یقیناً ان کی آنکھیں مٹا دیں، یعنی ان کی بینائی ختم کر کے اندھا کر دیں۔ پھر وہ حسب عادت راستے کی طرف بڑھیں تو کیسے دیکھیں گے؟ کیونکہ بینائی سے تو وہ محروم ہو چکے ہوں گے۔

ایسے کنز مجرموں کو اگر ہم چاہیں تو اس دنیا میں بھی سزا دے سکتے ہیں۔ ان کی بینائی سلب کر سکتے ہیں کہ وہ چاہیں بھی تو گناہوں کے کاموں کی طرف آگے بڑھ ہی نہ سکیں اور انہیں کچھ بھی سجھائی نہ دے۔ اسی طرح اگر چاہیں تو ان پر فالج گرا کر ان کو اپاہج بنا سکتے ہیں کہ اپنی جگہ سے حرکت کر ہی نہ سکیں، نہ آگے بڑھ سکیں نہ پیچھے جا سکیں۔ بس اپنے بستر پر ہی ہاتھ پاؤں رگڑتے رہیں۔ یا ان کا حلیہ ہی بگاڑ سکتے ہیں کہ ان کی دوسری بھی کئی قوتیں ختم ہو جائیں۔ مگر مجرموں کو فوری طور پر پکڑنا ہماری مشیت کے خلاف ہے اور یہ لوگ اس مہلت کا بڑا غلط استعمال کر رہے ہیں۔

حضرت سارہ کی ہجرت اور انفرادی طور دنیا میں عذاب کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی

جھوٹ نہیں بولا علاوہ تین بار بہ طور توریہ کے اوران میں سے بھی وہ جھوٹ اللہ کے لئے بولے تھے۔ ان میں ایک تو ان کا یہ کہنا تھا کہ میں آج علیل سا ہوں۔ دوسرا یہ کہنا تھا کہ " بلکہ یہ کام بڑے بت نے کیا ہے " اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے جو تیسرا جھوٹ نکلا تھا وہ ان کا یہ کہنا تھا کہ " یہ میری بہن ہے " اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کی بیوی سارہ (ہجرت کر کے ملک شام کی طرف جارہے تھے کہ ان کا گزر ایک بڑے ظالم وجابر حاکم کے شہر سے ہوا چنانچہ اس حاکم کو بتایا گیا کہ یہاں (اس شہر میں) ایک شخص آیا ہوا ہے جس کے ساتھ ایک حسین وجمیل عورت ہے، اس حاکم نے یہ سنتے ہی ایک گماشتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلانے کے لئے بھیجا اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون عورت ہے اور تمہاری کیا لگتی ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میری بہن ہے۔ پھر انہوں نے سارہ کے پاس واپس آ کر ان کو اس جابر حاکم کے برے ارادے سے نجات پانے کی تدبیر بتائی اور کہا کہ اگر اس ظالم کو معلوم ہو گیا کہ تم میری بیوی ہو تو تمہیں زبردستی مجھ سے چھین لے گا پس اگر وہ تمہارے اور میرے تعلق کے بارے میں پوچھے تو اس کو بتانا کہ تم میری بہن ہو اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں کہ تم دین کے رشتہ سے میری بہن ہو لہٰذا خود کو میری بہن بتاتے وقت دینی اخوت کی نیت کر لینا اور یہ نیت اس لئے بھی صحیح ہوگی کہ اس سرزمین پر سوائے میرے اور تمہارے کوئی دوسرا مؤمن نہیں ہے۔

لہٰذا اس ظالم نے ایک گماشتہ بھیج کر حضرت سارہ کو طلب کیا اور ادھر تو حضرت سارہ اس کے پاس لے جائی گئیں ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام (اپنی قیام گاہ پر) نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے سارہ جب اس ظالم کے پاس پہنچیں تو وہ اس کا حسن وجمال دیکھ کر ازخود رفتہ ہو گیا اور یا تو ان سے پوچھے اور تحقیق کئے بغیر کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا رشتہ رکھتی ہیں، یا پوچھنے اور سارہ کے یہ کہنے کے باوجود یکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی بہن ہیں اس نے ان پر ہاتھ ڈالنا اوران کی عفت وعصمت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے سارہ کی مدد کی اور وہ ظالم پکڑا گیا۔ ایک روایت میں یا تو فاخذ کی بجائے یا اس لفظ کے ساتھ مزید فخط کا لفظ بھی نقل کیا گیا ہے بہر حال وہ عتاب الٰہی کی گرفت میں آنے کے بعد زمین پر پیر مارنے لگا یعنی جس طرح کوئی آسیب زدہ یا مرگی میں مبتلا شخص زمین پر زور زور سے پاؤں پٹختا ہے اسی طرح وہ بھی اپنے پیر پٹخنے لگا پھر اس نے سارہؓ سے کہا کہ میں اپنے ارادہ بد سے باز آیا تم اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا یعنی تمہارے ساتھ کوئی تعرض نہیں کروں گا۔ چنانچہ حضرت سارہ نے دعا کی اور اس ظالم کی خلاصی ہو گئی لیکن اس نے دوبارہ دست درازی کرنی چاہی اور پھر پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت عتاب الٰہی میں پکڑا گیا اس نے پھر حضرت سارہ سے کہا کہ اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے اور میں اب صدق دل کے ساتھ یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا حضرت سارہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس ظالم کی گلوخلاصی ہو گئی۔ اس کے بعد اس ظالم اپنے دربانوں میں کسی کو بلایا اور کہا کہ تو میرے پاس انسان کو نہیں لایا ہے (کہ جس پر قابو پا سکتا) بلکہ تو کسی جن کو میرے پاس لے آیا ہے کہ اس پر قابو پانے کے بجائے خود الٹا مصیبت

میں پھنس جاتا ہوں یہ تو تو نے میرے لئے موت کا سامان فراہم کر دیا ہے۔

پھر اس نے سارہ کی خدمت کے لئے ہاجرہ نامی ایک لونڈی دی اور ان کو واپس بھیج دیا سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس پہنچیں تو وہ نماز پڑھنے میں مشغول تھے کیونکہ اس وقت تک ان کو اس ظالم کے پنجہ سے سارہ کی رہائی کی خبر نہیں ہوئی تھی، وہ بدستور نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے اور سارہ کی باعفت و عافیت واپسی کی دعائیں مانگ رہے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو دیکھا تو نماز ہی میں اپنے ہی میں اپنے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کا حال ہے اور تم پر کیا بیتی؟ حضرت سارہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کافر کی بدنیتی کو اس کے سینے میں ہی لوٹا دیا (یعنی اس نے مجھے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے لئے جس بدنیتی کا اظہار کیا وہ الٹے اس کے گلے پڑ گئی، مجھے تو وہ کوئی نقصان پہنچا نہیں سکا خود عذاب الٰہی میں ضرور پھنس گیا تھا" اور اس نے خدمت کے لئے ہاجرہ کو میرے ساتھ کر دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (یہ حدیث بیان کرنے کے بعد) کہا کہ اے آسمان کے پانی کے بیٹو! وہی ہاجرہ تم سب کی ماں ہیں۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 269)

وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ۝
اور اگر ہم چاہتے تو ان کی رہائش گاہوں پر ہی ہم ان کی صورتیں بگاڑ دیتے پھر نہ وہ آگے جانے کی
قدرت رکھتے اور نہ ہی واپس لوٹ سکتے۔

انسانوں کی صورتوں کے سلامت رہنے سے استدلال قدرت کا بیان

"وَلَوْ نَشَاء لَمَسَخْنَاهُمْ " قِرَدَة وَخَنَازِير أَوْ حِجَارَة "عَلَى مَكَانَتهمْ " وَفِي قِرَاءَة : مَكَانَاتهمْ جَمْع مَكَانَة بِمَعْنَى مَكَان : أَيْ فِي مَنَازِلهمْ "فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ " أَيْ لَمْ يَقْدِرُوا عَلَى ذَهَاب وَلَا مَجِيء،

اور اگر ہم چاہتے تو ان کی رہائش گاہوں پر ہی ہم ان کی صورتیں بگاڑ دیتے یعنی بندر و خنازیر یا پتھر بنا دیتے۔ یہاں پر لفظ مکانتہم ایک قرأت کے مطابق مکاناتہم آیا ہے۔ جو مکانۃ کی جمع ہے جس کا معنی مکان ہے۔ یعنی ان کے گھروں میں، پھر نہ وہ آگے جانے کی قدرت رکھتے اور نہ ہی واپس لوٹ سکتے۔ یعنی نہ وہ جانے کی طاقت رکھتے اور نہ آنے کی طاقت رکھتے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لمسخنهم : لام جواب شرط کے لئے ہے (لو کے جواب میں) مسخنا ماضی جمع متکلم مسخ (باب فتح) مصدر نا ضمیر جمع متکلم ہم ضمیر مفعول جمع مذکر غائب۔ ہم ان کی صورت بگاڑ دیں۔ یا ہم ان کی صورتیں بگاڑ دیتے۔ ان کی صورتیں مسخ کر دیتے۔

علی مکانتهم ۔ علی حرف جار مکانتهم مضاف مضاف الیہ مل کر مجرور۔ ان کی جگہوں پر ہی۔ ان کے گھروں میں۔ جہاں کہیں بھی وہ ہوں۔ فما استطاعوا ۔ الفاء للتعقیب استطاعوا ماضی منفی صیغہ جمع مذکر غائب۔ استطاعۃ (استفعال)

مصدر۔ وہ نہ کرسکیں، ان سے نہ ہو سکے۔ وہ استطاعت نہ رکھیں۔

مضیا ۔ مضی یمضی کا مصدر ہے مضیٰ یہ اصل میں مضوی تھا واؤ ساکن اور یاء اکٹھے ہوئے واؤ کو یاء میں بدلا اور یاء کو یاء میں مدغم کیا ضاد کے ضمہ کو تخفیف کے لئے اور یاء کی مناسبت کی وجہ سے کسرہ سے بدلا۔ مضیٰ ہوگیا۔ استطاعوا کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ مضیٰ گذر جانا۔ گذرنا۔

ولا یرجعون۔ واؤ عاطفہ ہے اور اس جملہ کا عطف مضیا پر ہے۔ **فما استطاعوا، لا یرجعون ۔ ای فلم یقدروا علی ذھاب ولا مجیی او مضیا امامھم ولا یرجعون خلفھم** یعنی وہ جانے آنے پر کوئی قدرت نہ رکھ سکیں یا نہ آگے جا سکیں اور نہ پیچھے مڑ سکیں۔

فائدہ: آیت ہٰذا و آیت سابقہ کا مطلب یہ ہے کہ عہد شکنی اور کفر کی وجہ سے یہ لوگ مستحق تو اسی بات کے تھے کہ ان کی بینائی ختم کردی جاتی اور ان کی شکلیں مسخ کردی جاتیں لیکن اللہ تعالیٰ کی عمومی رحمت سے دنیا میں ان کے ساتھ ایسا نہیں کیا اور اس کے باقتضا حکمت ان کو مہلت دے رکھی ہے۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۝
اور جسے ہم زیادہ عمر دیتے ہیں اسے تخلیق میں الٹا کر دیتے ہیں، تو کیا یہ نہیں سمجھتے۔

انسانی قوت و جوانی اور بڑھاپے و کمزوری سے استدلال بعث کا بیان

"وَمَنْ نُعَمِّرْهُ" بِإِطَالَةِ أَجَله "نَنْكُسهُ" وَفِي قِرَاءَة بِالتَّشْدِيدِ مِنْ التَّنْكِيس "فِي الْخَلْق" فَيَكُون بَعْد قُوَّته وَشَبَابه ضَعِيفًا وَهَرِمًا "أَفَلَا يَعْقِلُونَ" أَنَّ الْقَادِر عَلَى ذَلِكَ الْمَعْلُوم عِنْدهمْ قَادِر عَلَى الْبَعْث فَيُؤْمِنُونَ وَفِي قِرَاءَة بِالتَّاءِ،

اور جسے ہم زیادہ عمر دیتے ہیں یعنی موت لمبی کر دیتے ہیں۔ اسے تخلیق میں الٹا کر دیتے ہیں، یہاں پر لفظ ننکسہ ایک قرأت میں تشدید کے ساتھ تنکیس سے آیا ہے۔ یعنی وہ جوانی کے بعد بڑھاپے اور کمزوری کی طرف جاتے ہیں۔ تو کیا یہ نہیں سمجھتے۔ یعنی جو قدرت ان کو معلوم ہے اس کے ذریعے وہ یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ وہ دوبارہ زندہ کر کے لانے پر قادر ہے۔ تاکہ وہ ایمان لائیں۔ یہاں پر لفظ یعقلون ایک قرأت کے مطابق تاء کے ساتھ آیا ہے۔

وہ بچپن کے سے ضعف و ناتوانی کی طرف واپس ہونے لگے اور دم بدم اس کی طاقتیں، قوّتیں اور جسم اور عقل گھٹنے لگے۔ کہ جو احوال کے بدلنے پر ایسا قادر ہو کہ بچپن کے ضعف و ناتوانی اور صغرِ جسم و نادانی کے بعد شباب کی قوّتیں و توانائی و جسمِ قوی و دانائی عطا فرماتا ہے پھر کبرِ سن اور آخرِ عمر میں اسی قوی ہیکل جوان کو دبلا اور حقیر کر دیتا ہے اب نہ وہ جسم باقی ہے نہ قوّتیں، نشست برخاست میں مجبوریاں درپیش ہیں، عقل کام نہیں کرتی، بات یاد نہیں رہتی، عزیز و اقارب کو پہچان نہیں سکتا، جس پروردگار نے یہ تغیّر کیا وہ قادر ہے کہ آنکھیں دینے کے بعد انہیں مٹا دے اور اچھی صورتیں عطا کرنے کے بعد ان کو مسخ کر دے اور موت دینے کے بعد پھر زندہ کر

دے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ یٰسین، لاہور)

انسان کا بڑھاپے میں مبتلاء ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "ابن آدم اس حال میں پیدا کیا گیا ہے کہ اس کے پہلو میں (یعنی اس کے قریب) ننانوے مہلک بلائیں ہیں اگر وہ بلائیں اسے نہیں پہنچتیں تو بڑھاپے میں مبتلا ہوتا ہے یہاں تک کہ مر جاتا ہے۔ (جامع ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 48)

مطلب یہ ہے کہ انسان جب عدم سے وجود میں آتا ہے تو اس کے چاروں طرف بلاؤں کا ایک جال سا پھیلا ہوا ہوتا ہے وہ ایسی ایسی بلاؤں اور مصیبتوں میں گھرا ہوا ہوتا ہے جن سے خلاصی نہیں ہوتی اور اگر اتفاقاً کوئی شخص ان بلاؤں اور مصیبتوں سے نجات پائے رہتا ہے تو آخر میں بڑھاپے کے جال میں پھنس جاتا ہے اور بڑھاپا بھی ایسا جو "درد بے دوا" اور "بلائے بے انتہا" ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ دنیا مومن کے لئے ایک قید کانہ اور کافر کے لئے عیش کدہ ہے۔ لہٰذا مسلمان کو لازم آتا ہے کہ وہ دنیا کی ہر مصیبت و بلاء کے موقع پر صبر کے دامن کو ہاتھ سے پکڑے رہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر راضی اور صابر رہیں کہ اخروی فلاح و سعادت کی یہی ضمانت ہے۔ ایک حدیث قدسی میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "جو بندہ میری اتاری ہوئی مصیبت و بلاء پر صبر نہ کرے میری دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا نہ کرے اور میرے فیصلہ سے راضی نہ رہے تو وہ میرے علاوہ کوئی دوسرا رب ڈھونڈ لے" سوچئے کہ ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کتنی شدید ہے۔ جو صبر و شکر کی راہ پر گامزن نہ ہو اور اللہ کے فیصلہ پر راضی نہ رہے۔ دعا (اللھم احفظنا منه و وفقنا للصبر والشکر والرضاء)۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝
لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝
اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہے۔ یہ تو فقط نصیحت اور روشن قرآن ہے۔
تاکہ وہ اس شخص کو ڈر سنائیں جو زندہ ہو اور کافروں پر فرمان حجت ثابت ہو جائے۔

شعر کا قرآن مجید کے شیان شان نہ ہونے کا بیان

"وَمَا عَلَّمْنَاهُ" أَيْ النَّبِيّ "الشِّعْر" رَدّ لِقَوْلِهِمْ : إِنَّ مَا أَتَى بِهِ مِنْ الْقُرْآن شِعْر "وَمَا يَنْبَغِي" يَسْهُل "لَهُ" الشِّعْر "إِنْ هُوَ" لَيْسَ الَّذِي أَتَى بِهِ "إِلَّا ذِكْر" عِظَة "وَقُرْآن مُبِين" مُظْهِر لِلْأَحْكَامِ وَغَيْرهَا "لِيُنْذِر" بِالْيَاءِ وَالتَّاء بِهِ "مَنْ كَانَ حَيًّا" يَعْقِل مَا يُخَاطِب بِهِ وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ "وَيَحِقّ الْقَوْل" بِالْعَذَابِ "عَلَى الْكَافِرِينَ" وَهُمْ كَالْمَيِّتِينَ لَا يَعْقِلُونَ مَا يُخَاطِبُونَ بِهِ،

اور ہم نے ان کو یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شعر کہنا نہیں سکھایا یہاں ان کے قول کہ قرآن محض شعر ہے اس کا رد کیا گیا

ہے۔اور نہ ہی یہ شعر ان کے شایانِ شان ہے۔کیونکہ یہ شعر کے ساتھ آئی ہی نہیں۔یہ کتاب تو فقط نصیحت اور روشن قرآن ہے۔یعنی جو احکام وغیرہ کو ظاہر کرنے والا ہے۔تا کہ وہ اس شخص کو ڈر سنائیں۔یہاں پر لفظ لینذر یہ یاء اور تاء دونوں کے ساتھ آیا ہے۔جو زندہ ہو یعنی سے خطاب کو سمجھا اور وہی مؤمن ہیں۔اور کافروں پر فرمان حجت یعنی عذاب کا حق ہونا ثابت ہو جائے۔اور وہ ایسے مردوں کی طرح ہیں جو سمجھنے کیلئے بھی عقل نہیں رکھتے۔

سورہ یٰسین آیت ۶۹ کے شانِ نزول کا بیان

کفار قریش نے کہا تھا کہ محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شاعر ہیں اور جو وہ فرماتے ہیں یعنی قرآن پاک وہ شعر ہے اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ (معاذ اللہ) یہ کلام کاذب ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ان کا مقولہ نقل فرمایا گیا ہے کہ "بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ" اسی کا اس آیت میں رد فرمایا گیا ہے کہ ہم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی باطل گوئی کا ملکہ ہی نہیں دیا اور یہ کتاب اشعار یعنی اکاذیب پر مشتمل نہیں، کفار قریش زبان سے ایسے بدذوق اور نظمِ عروضی سے ایسے ناواقف نہ تھے کہ نثر کو نظم کہہ دیتے اور کلام پاک کو شعرِ عروضی بتا بیٹھتے اور کلام کا محض وزنِ عروضی پر ہونا ایسا بھی نہ تھا کہ اس پر اعتراض کیا جا سکے، اس سے ثابت ہو گیا کہ ان بے دینوں کی مراد شعر سے کلام کاذب تھی۔(تفسیر مدارک وجمل وروح البیان، سورہ یٰسین، بیروت)

اور حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے اس آیت کے معنی میں فرمایا ہے کہ معنی یہ ہیں کہ ہم نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معمّے اور اجمال کے ساتھ خطاب نہیں فرمایا جس میں مراد کے مخفی رہنے کا احتمال ہو بلکہ صاف صریح کلام فرمایا ہے جس سے تمام حجاب اٹھ جائیں اور علوم روشن ہو جائیں چونکہ شعر لغز و توریہ اور رمز و اجمال کا محل ہوتا ہے اس لئے شعر کی نفی فرما کر اس معنی کو بیان فرما دیا۔صاف صریح حق و ہدایت، کہاں وہ پاک آسمانی کتاب تمام علوم کی جامع اور کہاں شعر جیسا کلام کاذب چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔(الکبریت الاحمر للشیخ الاکبر)

امام جصاص نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کوئی شعر پڑھتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں، البتہ ایک شعر ابن طرفہ کا آپ نے پڑھا تھا

ستبدی لك الایام ما کنت جاهلاً　　　ویاتیك بالاخبار من لم تزود

اس کو آپ نے وزن شعری کو توڑ کر من لم تزود بالاخبار پڑھا۔حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ شعر اس طرح نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ میں شاعر نہیں اور نہ میرے لئے شعر و شاعری مناسب ہے۔

یہی روایت ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کی ہے اور ترمذی، نسائی، امام احمد نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ خود کوئی شعر تصنیف کرنا تو کیا آپ دوسروں کے اشعار بھی پڑھنے کو اپنے لئے مناسب نہ سمجھتے تھے۔اور بعض روایات میں جو خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وزن شعری کے مطابق کچھ کلمات منقول ہیں وہ بقصد شعر نہیں، اتفاقی ہیں اور ایسے اتفاقی کوئی ایک دو شعر موزوں ہو جانے سے کوئی آدمی شاعر نہیں کہلاتا۔(احکام القرآن، سورہ یٰسین، بیروت)

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَیْدِیْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِکُوْنَ ۝ وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا
رَکُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا یَاْکُلُوْنَ ۝ وَ لَهُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشْکُرُوْنَ ۝
اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان چیزوں میں سے جنھیں ہمارے ہاتھوں نے بنایا، ان کے لیے مویشی پیدا کیے،
پھر وہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے انھیں ان کے تابع کر دیا تو ان میں سے کچھ ان کی سواری ہیں اور ان میں سے بعض کو
وہ کھاتے ہیں اور ان کے لیے ان میں کئی فائدے اور پینے کی چیزیں ہیں۔ تو کیا وہ شکر نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کسی شریک و مددگار کے نہ ہونے کا بیان

"أَوَلَمْ يَرَوْا" يَعْلَمُوا وَالِاسْتِفْهَام لِلتَّقْرِيرِ وَالْوَاو الدَّاخِلَة عَلَيْهَا لِلْعَطْفِ "أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا" عَمِلْنَاهُ بِلَا شَرِيك وَلَا مُعِين "أَنْعَامًا" هِيَ الْإِبِل وَالْبَقَر وَالْغَنَم "فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ" ضَابِطُونَ "وَذَلَّلْنَاهَا" سَخَّرْنَاهَا "لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبهمْ" مَرْكُوبهمْ،

"وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِع" كَأَصْوَافِهَا وَأَوْبَارهَا وَأَشْعَارهَا "وَمَشَارِب" مِنْ لَبَنهَا جَمْع مَشْرَب بِمَعْنَى شُرْب أَوْ مَوْضِعه "أَفَلَا يَشْكُرُونَ" الْمُنْعِم عَلَيْهِمْ بِهَا فَيُؤْمِنُونَ أَيْ مَا فَعَلُوا ذَلِكَ،

اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا یہاں پر استفہام تقریری ہے اور ان کے درمیان واؤ عطف کیلئے داخل ہوئی ہے۔ کہ ہم نے ان چیزوں میں سے جنھیں ہمارے ہاتھوں نے بنایا، یعنی جن کو بغیر کسی شریک و مددگار کے بنایا ہے۔ ان کے لیے مویشی پیدا کیے، اور وہ اونٹ، گائے اور بکری ہے۔ پھر وہ ان کے مالک ہیں۔ یعنی ان پر قابض ہیں۔ اور ہم نے انھیں ان کے تابع کر دیا تو ان میں سے کچھ ان کی سواری ہیں اور ان میں سے بعض کو وہ کھاتے ہیں اور ان کے لیے ان میں کئی فائدے ہیں جس طرح اون اور ان کے بال ہیں۔ اور پینے کی چیزیں ہیں۔ یعنی ان کا دودھ ہے اور مشارب یہ مشرب کی جمع ہے جس کا معنی شرب یا جگہ شرب یعنی تھن ہیں۔ تو کیا وہ شکر نہیں کرتے۔ یعنی جو ان کو انعام کرنے والا ہے۔ تاکہ وہ ایمان لائیں جبکہ انہوں نے ایسا نہ کیا۔

جانوروں کے فوائد و حقوق ملکیت کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے انعام و احسان کا ذکر فرما رہا ہے۔ کہ اس نے خود ہی یہ چوپائے پیدا کئے اور انسان کی ملکیت میں دے دیئے، ایک چھوٹا سا بچہ بھی اونٹ کی نکیل تھام لے اونٹ جیسا قوی اور بڑا جانور اس کے ساتھ ساتھ ہی سو اونٹوں کی ایک قطار ہو ایک بچے کے ہانکنے سے سیدھے چلتی رہتی ہے۔ اس ماتحتی کے علاوہ بعض لمبے لمبے مشقت والے سفر بآسانی جلدی جلدی طے ہوتے ہیں خود سوار ہوتے ہیں اسباب لادتے ہیں بوجھ ڈھونے کے کام آتے ہیں۔

اور بعض کے گوشت کھائے جاتے ہیں، پھر صوف اور ان کے بالوں کھالوں وغیرہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ دودھ پیتے ہیں، بطور علاج پیشاب کام میں آتے ہیں اور بھی طرح طرح کے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں۔ کیا پھر ان کو نہ چاہیے کہ ان نعمتوں کے منعم

حقیقی، ان احسانوں کے محسن، ان چیزوں کے خالق، ان کے حقیقی مالک کا شکر بجالائیں؟ صرف اسی کی عبادت کریں؟ اس کی توحید کو مانیں اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کریں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ یٰسین، بیروت)

مثلاً گائے، بیل، بھیڑ، بکری، اونٹ، گھوڑے، گدھے یہ سب قسم کے جانور الگ الگ انواع ہیں۔ اور سب انسان کے فائدے کے لئے اللہ نے بنائی ہیں ان کی نسل بھی ایسے ہی نطفہ سے چلتی ہے جیسے انسان کی چلتی ہے۔ اور نطفہ بے جان مادوں سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ چیزیں انسان کی مملوک نہیں تھیں۔ اللہ نے انسان کو عقل دی۔ عقل کے ذریعہ اس نے چوپایوں کو اپنے قابو میں کیا۔ پھر ان میں اپنے لئے فوائد دیکھے تو انہیں اپنے گھروں میں پالنا شروع کر دیا اور آپس میں ان کی خرید و فروخت شروع کر دی اور ان کے مالک بن بیٹھے۔

وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ○ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ وَ هُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ○
اور انھوں نے اللہ کے سوا کئی معبود بنالیے، تا کہ ان کی مدد کی جائے۔ وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے
اور یہ ان کے لشکر ہیں، جو حاضر کیے ہوئے ہیں۔

بتوں کی پوجا کرنے والے مشرکین کے باطل نظریات کا بیان

"وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰه " أَيْ غَيْره "آلِهَة" أَصْنَامًا يَعْبُدُونَهَا "لَعَلَّهُمْ يُنْصَرُونَ " يُمْنَعُونَ مِنْ عَذَاب اللّٰه تَعَالَى بِشَفَاعَةِ آلِهَتهمْ بِزَعْمِهِمْ

"لَا يَسْتَطِيعُونَ" أَيْ آلِهَتهمْ نَزَلُوا مَنْزِلَة الْعُقَلَاء "نَصْرهمْ وَهُمْ" أَيْ آلِهَتهمْ مِنْ الْأَصْنَام "لَهُمْ جُنْد" بِزَعْمِهِمْ نَصْرهمْ "مُحْضَرُونَ" فِي النَّار مَعَهُمْ

اور انھوں نے اللہ کے سوا کئی معبود یعنی بت وغیرہ بنالیے ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ تا کہ ان کی مدد کی جائے۔ یعنی ان کے خیال کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کر کے انہیں عذاب سے بچائیں گے۔ جبکہ ان کے وہ معبودان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے، یہاں ان کے معبودان باطلہ کو اہل عقل کے حکم میں بیان کیا گیا ہے۔ اور ان کے وہ امدادی معبود بت ہیں۔ اور یہ اپنے خیال کے مطابق ان کی مدد کے لشکر ہیں، جو دوزخ میں ان کے ساتھ حاضر کیے ہوئے ہیں۔

قیامت کے دن تین طرح کے لوگوں کے حاضر ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قیامت کے دن میدان حشر میں لوگوں کو تین طرح سے لایا جائے گا ایک قسم کے لوگ تو وہ ہوں گے جو پیدل چل کر آئیں گے، ایک قسم کے لوگ وہ ہوں گے جو سواریوں پر آئیں گے اور ایک قسم کے لوگ وہ ہوں گے جو منہ کے بل چلتے ہوئے آئیں گے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! (پاؤں کے بل چلنے کی عادت کے بالکل خلاف) لوگ منہ کے بل چل کر کس طرح آئیں گے؟ فرمایا۔" حقیقت یہ ہے کہ جس

ذات نے ان کو پاؤں کے بل چلایا ہے وہ ان کو منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے اور جان لو کہ وہ لوگ منہ کے بل چلنے میں اپنے منہ کو بلندی اور کانٹوں سے بچائیں گے۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 119)

پہلی قسم کے لوگ وہ اہل ایمان ہوں گے جن کے ذخیرہ اعمال میں نیک اور برے دونوں طرح کے عمل ہیں اور وہ خوف ورجاء کے درمیان تردد کی حالت میں رہتے ہوئے حق تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

دوسری قسم کے لوگ وہ کامل الایمان ہوں گے جو نیک اعمال میں سبقت وپیش قدمی اختیار کرتے ہیں اور تیسری قسم اہل کفر وشرک پر مشتمل ہوگی۔ حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں انسان اپنے پاؤں کے بل چلتا ہے تو وہ راستہ کی روکاٹوں اور ایذاء پہنچانے والی چیزوں سے ہاتھ اور پاؤں کے ذریعہ بچتا ہے اسی طرح وہ تیسری قسم کے لوگ) قیامت کے دن جب منہ کے بل چل کر آئیں گے تو ان کے منہ وہی انجام دیں گے جو ہاتھ پاؤں انجام دیتے ہیں اور بغیر کسی فرق کے اپنے منہ کے ذریعہ راستہ نشیب وفراز، کانٹوں اور دوسری ایذاء پہنچانے والی چیزوں سے اپنا بچاؤ کریں گے اور اس دن ان کو منہ کے بل چلانا اس امر کا اعلان ہوگا کہ ان لوگوں نے چونکہ دنیا میں سجدہ اطاعت نہیں کیا اور اللہ کی فرمانبرداری میں اپنی گردن کو نہیں جھکایا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو منہ کے بل چلا کر ذلیل وخوار کیا ہے۔

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ○
پس ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ خاطر نہ کریں، بیشک ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔

کفار کے قول نفی رسالت پر غمزدہ نہ ہونے کا بیان

"فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ " لَكَ : لَسْتَ مُرْسَلًا وَغَيْر ذَلِكَ "إِنَّا نَعْلَم مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ " مِنْ ذَلِكَ وَغَيْره فَنُجَازِيهِمْ عَلَيْهِ،

پس ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ خاطر نہ کریں، کیونکہ ان کا یہ قول کہ آپ رسول نہیں ہیں اسی طرح کے قول ان کے اور بھی ہیں بیشک ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اس پر انہیں جزاء دی جائے گی۔

یہ خطاب ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی فرماتا ہے کہ کفار کی تکذیب و انکار سے اور ان کی ایذاؤں اور جفاکاریوں سے آپ غمگین نہ ہوں۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ○
وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ○
اور کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے اسے ایک قطرے سے پیدا کیا تو اچانک وہ کھلا جھگڑنے والا ہے۔ اور اس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کون ہڈیوں کو زندہ کرے گا، جب کہ وہ بوسیدہ ہوں گی؟

ہڈیاں بوسیدہ ہو جانے کے باوجود دوبارہ زندہ ہونے کا بیان

"أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَان " يَعْلَم وَهُوَ الْعَاصِي بْن وَائِل "أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَة " مَنِيّ إِلَى أَنْ صَيَّرْنَاهُ شَدِيدًا قَوِيًّا "فَإِذَا هُوَ خَصِيم" شَدِيد الْخُصُومَة لَنَا "مُبِين" بَيِّنهَا فِي نَفْي الْبَعْث،

"وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا" فِي ذَلِكَ "وَنَسِيَ خَلْقه" مِنْ الْمَنِيّ وَهُوَ أَغْرَب مِنْ مِثْله "قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَام وَهِيَ رَمِيم" أَيْ بَالِيَة وَلَمْ يَقُلْ رَمِيمَة بِالتَّاءِ لِأَنَّهُ اسْم لَا صِفَة وَرُوِيَ أَنَّهُ أَخَذَ عَظْمًا رَمِيمًا فَفَتَّتَهُ وَقَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَتَرَى يُحْيِي اللَّه هَذَا بَعْد مَا بَلِيَ وَرَمَّ ؟ فَقَالَ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "نَعَمْ وَيُدْخِلك النَّار"

اور کیا انسان نے نہیں دیکھا حالانکہ وہ جانتا ہے اور وہ عاصی بن وائل ہے۔ کہ بے شک ہم نے اسے منی کے ایک قطرے سے پیدا کیا تو اچانک وہ کھلا جھگڑنے والا ہے۔ یعنی وہ سخت جھگڑالو بن گیا۔ یعنی اس نے دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کر کے جھگڑا شروع کر رکھا ہے۔ اور اس نے اس میں ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش یعنی منی کو بھول گیا، اور یہ عجیب مثال ہے۔ اس نے کہا کون ہڈیوں کو زندہ کرے گا جب کہ وہ بوسیدہ ہوں گی؟ یہاں لفظ رمیم بہ معنی بالیہ یعنی بوسیدہ ہے۔ اور رمیمۃ تاء کے ساتھ یہ لفظ نہیں آیا کیونکہ یہ اسم ہے صفت نہیں ہے۔ اور روایت کیا گیا ہے۔ عاصی بن وائل نے ایک بوسیدہ ہڈی کو لیا اور اس کو ریزہ ریزہ کر کے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اس طرح بوسیدہ ہو جانے کے بعد اللہ اس کو زندہ کرے گا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں کیوں نہیں اللہ اس کو زندہ کرے گا اور وہ تجھے دوزخ میں داخل کرے گا۔

سورہ یٰسین آیت ۷۷ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت عاص بن وائل یا ابو جہل اور بقولِ مشہور اُبَی بن خلف جُمَحی کے حق میں نازل ہوئی جو انکار بعث میں یعنی مرنے کے بعد اٹھنے کے انکار میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بحث و تکرار کرنے آیا تھا، اس کے ہاتھ میں ایک گلی ہوئی ہڈی تھی اس کو توڑتا جاتا تھا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتا جاتا تھا کہ کیا آپ کا خیال ہے کہ اس ہڈی کو گل جانے اور ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ زندہ کرے گا؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہاں اور تجھے بھی مرنے کے بعد اٹھائے گا اور جہنم میں داخل فرمائے گا۔

اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اس کے جہل کا اظہار فرمایا گیا کہ گلی ہوئی ہڈی کا بکھرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زندگی قبول کرنا اپنی نادانی سے ناممکن سمجھتا ہے، کتنا احمق ہے اپنے آپ کو نہیں دیکھتا کہ ابتدا میں ایک گندہ نطفہ تھا گلی ہوئی ہڈی سے بھی حقیر تر، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ نے اس میں جان ڈالی، انسان بنایا تو ایسا مغرور و متکبّر انسان ہوا کہ اس کی قدرت ہی کا منکر ہو کر جھگڑنے آ گیا، اتنا نہیں دیکھتا کہ جو قادر برحق پانی کی بوند کو قوی اور توانا انسان بنا دیتا ہے اس کی قدرت سے گلی ہوئی ہڈی کو دوبارہ زندگی بخش دینا کیا بعید ہے اور اس کو ناممکن سمجھنا کتنی کھلی ہوئی جہالت ہے۔ (مستدرک، ج ۲، ص ۴۲۹، بیروت)

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ○

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ○

فرمادیجئے: انہیں وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور وہ ہر مخلوق کو خوب جاننے والا ہے۔

وہ جس نے تمھارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کر دی، پھر یکایک تم اس سے آگ جلا لیتے ہو۔

اول تخلیق سے بعث پر دلیل قدرت کا بیان

"قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّل مَرَّة وَهُوَ بِكُلِّ خَلْق" مَخْلُوق "عَلِيم" مُجْمَلًا وَمُفَصَّلًا قَبْل خَلْقه وَبَعْد خَلْقه،

"الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ" فِي جُمْلَة النَّاس "مِنْ الشَّجَر الْأَخْضَر" الْمَرْخ وَالْعَفَار أَوْ كُلّ شَجَر إلَّا الْعُنَّاب "نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ" تَقْدَحُونَ وَهَذَا دَالّ عَلَى الْقُدْرَة عَلَى الْبَعْث فَإِنَّهُ جَمَعَ فِيهِ بَيْن الْمَاء وَالنَّار وَالْخَشَب فَلَا الْمَاء يُطْفِء النَّار وَلَا النَّار تُحْرِق الْخَشَب،

فرمادیجئے: انہیں وہی زندہ فرمائے گا جس نے انہیں پہلی بار مخلوق کو پیدا کیا تھا، اور وہ ہر مخلوق کو خوب جاننے والا ہے۔ یعنی وہ اپنی مخلوق کی تخلیق سے پہلے اور اس کے بعد ہر قسم کے اجمال و تفصیل کو جاننے والا ہے۔ وہ جس نے تمام لوگوں میں تمھارے لیے مرخ، عفار یا ہر سبز درخت کے سوا عناب سے آگ پیدا کر دی، پھر یکایک تم اس سے آگ جلا لیتے ہو۔ یہ بھی دوبارہ زندہ کرنے پر قدرت کی دلیل ہے۔ پس اس نے اس میں پانی اور آگ اور لکڑی کے درمیان جمع کر دیا ہے۔ پس پانی آگ کو نہیں بجھاتا اور نہ ہی آگ لکڑی کو جلاتی ہے۔

دوبارہ زندہ ہونے پر دلائل کا بیان

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی میں تھوکا پھر اس پر انگلی رکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم کیا تو مجھے بھی عاجز کر سکتا ہے؟ میں نے تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا پھر جب ٹھیک ٹھاک درست اور چست کر دیا اور تو ذرا کس بل والا ہو گیا تو تو نے مال جمع کرنا اور مسکینوں کو دینے سے روکنا شروع کر دیا، ہاں جب دم نرخرے میں اٹکا تو کہنے لگا اب میں اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں، بھلا اب صدقے کا وقت کہاں؟ الغرض نطفے سے پیدا کیا ہوا انسان حجت بازیاں کرنے لگا۔ اور اپنا دوبارہ جی اٹھنا محال جاننے لگا اس اللہ کی قدرت سے نظریں ہٹالیں جس نے آسمان وزمین کو اور تمام مخلوق کو پیدا کر دیا۔ یہ اگر غور کرتا تو اس عظیم الشان مخلوق کی پیدائش کے علاوہ خود اپنی پیدائش کو بھی دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت کا ایک نشان عظیم پاتا۔ لیکن اس نے تو عقل کی آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی۔ اس کے جواب میں کہدو کہ اول رتبہ ان ہڈیوں کو جواب گلی سڑی ہیں جس نے پیدا کیا وہی دوبارہ انہیں پیدا کرے گا۔ جہاں جہاں بھی یہ ہڈیاں ہوں وہ خوب جانتا ہے۔

مسند کی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ سے عقبہ بن عمرو نے کہا آپ ہمیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی کوئی حدیث سنایئے تو آپ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص پر جب موت کی حالت طاری ہوئی تو اس نے اپنے وارثوں کو وصیت کی کہ جب میں مرجاؤں تو تم بہت ساری لکڑیاں جمع کر کے میری لاش کو جلا کر خاک کر دینا پھر اسے سمندر میں بہا دینا، چنانچہ انہوں نے یہی کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی راکھ کو جمع کر کے جب اسے دوبارہ زندہ کیا تو اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا ؟اس نے جواب دیا کہ صرف تیرے ڈر سے، اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ چلتے چلتے یہ حدیث بیان فرمائی جسے میں ۔نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اپنے کانوں سے سنی۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی بہت سے الفاظ سے مروی ہے۔

ایک راویت میں ہے کہ اس نے کہا تھا میری راکھ کو ہوا کے رخ اڑا دینا کچھ تو ہوا میں کچھ دریا میں بہا دینا۔سمندر نے بحکم اللہ جو راکھ اس میں تھی اسے جمع کر دیا اسی طرح ہوا نے بھی۔ پھر اللہ کے فرمان سے وہ کھڑا کر دیا گیا۔

پھر اپنی قدرت کے مشاہدے کے لیے اور بات کی دلیل قائم کرنے کے لیے کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے وہ مردوں کو بھی زندہ کر سکتا ہے، ہیت کو وہ منقلب کر سکتا ہے فرمایا کہ تم غور کرو کہ پانی میں درخت اگائے سرسبز شاداب ہرے بھرے پھل والے ہوئے، پھر وہ سوکھ گئے اور ان لکڑیوں سے میں نے آگ نکالی کہاں وہ تری اور ٹھنڈی کہاں یہ خشکی اور گرمی؟ پس مجھے کوئی چیز کرنی بھاری نہیں تر کو خشک کرنا خشک کو تر کرنا زندہ کو مردہ کرنا مردے کو زندگی دینا سب میرے بس کی بات ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ مراد اس سے مرخ اور عفار کے درخت ہیں جو حجاز میں ہوتے ہیں ان کی سبز ٹہنیوں کو آپس میں رگڑنے سے چقماق کی طرح آگ نکلتی ہے۔ چنانچہ عرب میں ایک مشہور مثل ہے لکل شجر نار واستجد المرخ والعفار حکماء کا قول ہے کہ سوائے انگور کے درخت کے ہر درخت میں آگ ہے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ یٰسین، بیروت)

أَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ط بَلٰى ق وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ٥
اور کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے اور پیدا کر دے؟ کیوں نہیں
اور وہی سب کچھ پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

زمین وآسمان کی بڑی تخلیق سے استدلال قدرت کا بیان

"أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَات وَالْأَرْض " مَعَ عِظَمهمَا "بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يَخْلُق مِثْلهمْ " أَيْ الْأَنَاسِيّ فِي الصِّغَر "بَلَى" أَيْ هُوَ قَادِر عَلَى ذَلِكَ أَجَابَ نَفْسه "وَهُوَ الْخَلَّاق" الْكَثِير الْخَلْق "الْعَلِيم" بِكُلِّ شَيْء

اور کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا حالانکہ یہ دونوں اتنے عظیم ہیں۔اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے اور پیدا کر دے؟ یعنی

ایسے چھوٹے انسانوں کو بنا دے۔ کیوں نہیں وہ ضرور اس طرح پیدا کرنے پر قادر ہے۔ خود ہی جواب ارشاد فرمایا دیا ہے۔ اور وہی سب کچھ یعنی کثیر مخلوق پیدا کرنے والا، سب کچھ یعنی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفت خلاق سے دلیل بعث کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنی زبردست قدرت بیان فرما رہا ہے کہ اس نے آسمانوں کو اور ان کی سب چیزوں کو پیدا کیا۔ زمین کو اس کے اندر کی سب چیزوں کو بھی اسی نے بنایا۔ پھر اتنی بڑی قدرتوں والا انسانوں جیسی چھوٹی مخلوق کو پیدا کرنے سے عاجز آ جائے یہ تو عقل کے بھی خلاف ہے، جیسے فرمایا (لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ، غافر: 57) یعنی آسمان و زمین کی پیدائش انسانی پیدائش سے بہت بڑی اور اہم ہے، یہاں بھی فرمایا کہ وہ اللہ جس نے آسمان و زمین کو پیدا کر دیا وہ کیا انسانوں جیسی کمزور مخلوق کو پیدا کرنے سے عاجز آ جائے گا؟ اور جب وہ قادر ہے تو یقیناً انہیں مار ڈالنے کے بعد پھر وہ انہیں جلا دے گا۔ جس نے ابتدا پیدا کیا ہے اس پر اعادہ بہت آسان ہے جیسے اور آیت میں ہے (اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، الأحقاف: 33)، کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے زمین و آسمان کو بنا دیا اور ان کی پیدائش سے عاجز نہ آیا نہ تھکا کیا وہ مردوں کے زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک قادر ہے بلکہ وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی پیدا کرنے والا اور بنانے والا، ایجاد کرنے والا اور خالق ہے۔ ساتھ ہی دانا، بینا اور رتی رتی سے واقف ہے۔ وہ تو جو کرنا چاہتا ہے اس کا صرف حکم دے دینا کافی ہوتا ہے۔

مسند کی حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو، تم سب فقیر ہو مگر جسے میں غنی کر دوں۔ میں جواد ہوں، میں ماجد ہوں، میں واجد ہوں۔ جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ میرا انعام بھی ایک کلام ہے اور میرا عذاب بھی کلام ہے۔ میں جس چیز کو کرنا چاہتا ہوں کہہ دیتا ہوں کہ ہو جا وہ ہو جاتی ہے۔ ہر برائی سے اس حی و قیوم اللہ کی ذات پاک ہے جو زمین و آسمان کا بادشاہ ہے، جس کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمینوں کی کنجیاں ہیں۔ وہ سب کا خالق ہے، وہی اصلی حاکم ہے، اسی کی طرف قیامت کے دن سب لوٹائے جائیں گے وہی عادل و منعم اللہ انہیں سزا دے گا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ یٰسین، بیروت)۔

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۝
فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝
اس کا امر فقط یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو چاہتا ہے تو اسے فرماتا ہے: ہو جا، پس وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ پس وہ ذات پاک ہے
وہ کہ اسی کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کی شان کن فیکون کا بیان

"إِنَّمَا أَمْره" شَأْنه "إِذَا أَرَادَ شَيْئًا" أَيْ خَلْق شَيْء "أَنْ يَقُول لَهُ كُنْ فَيَكُون" أَيْ فَهُوَ يَكُون وَفِي قِرَاءَة

ہٖ بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلٰی یَقُوْلُ،

"فَسُبْحَانَ الَّذِی بِیَدِہٖ مَلَکُوت" مُلْكُ زِیْدَتْ الْوَاو وَالتَّاء لِلْمُبَالَغَةِ أیْ الْقُدْرَة عَلَی "کُلِّ شَیْءٍ وَإِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ" تُرَدُّوْنَ فِی الْآخِرَة۔

اس کا امر (تخلیق) یعنی شان فقط یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو پیدا فرمانا چاہتا ہے تو اسے فرماتا ہے: ہو جا، پس وہ فوراً (موجود یا ظاہر) ہو جاتی ہے۔ یہاں پر لفظ فیکون ایک قرأت کے مطابق یقول پر عطف ہونے کے سبب منصوب آیا ہے۔ پس وہ ذات پاک ہے وہ کہ اسی کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی بادشاہت ہے یہاں پر لفظ ملک میں واؤ اور تاء مبالغہ کی زیادہ کر کے ملکوت بنایا گیا ہے۔ یعنی اس پر قدرت ہر چیز پر ہے۔ اور آخرت میں اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھنے کا بیان

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی رات کو بیدار ہو تو یہ تسبیح پڑھے آیت (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ للّٰه و لا اله الا الله و الله اكبر و لا حول و قوة الا با الله (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اس کے لئے بادشاہت ہے اور اس کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور پاک ہے اللہ، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے اور گناہوں سے بچنے اور عبادت کی قوت اللہ کی مدد سے ہے) اور اس کے بعد یہ کہے رب اغفرلی (اے میرے رب مجھے بخشش دے) یا فرمایا کہ پھر دعا کرے (یعنی راوی کو شک واقع ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر رب اغفرلی پڑھنے کو فرمایا یا یہ فرمایا کہ جو دعا چاہے پڑھے) اس کی دعا قبول کی جائے گی، پھر اگر وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول کی جائے گی۔ (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1187)

تعار" کے معنی بعض نے نیند سے بیدار ہونے اور بعض نے کروٹ لینے کے لکھے ہیں اور ابن مالک نے اس کے معنی آواز کے ساتھ جاگنے کے لکھے ہیں جیسا کہ بیدار ہونے کے وقت منہ سے آواز نکلتی ہے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند اور بہتر فرمایا ہے کہ جاگنے کے بعد جو آواز منہ سے نکلے وہ تسبیح وغیرہ کی آواز ہو چنانچہ اللہ سے تعلق رکھنے والے جب نیند سے بیدار ہوتے ہیں تو ان کے منہ سے کلمہ یا اسی قسم کی تسبیح و دعا کی آواز نکلتی ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس دعا کو جو نیند سے بیدار ہونے کے بعد پڑھی جاتی ہے" درھم الکیس " فرماتے ہیں یعنی جس طرح کوئی آدمی درہم و روپیہ تھیلی میں رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے اس میں سے نکالتا ہے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے اسی طرح یہ دعا ہے جو مومن کے قلب و دماغ میں محفوظ رہتی ہے جب وہ نیند سے بیدار ہوتا ہے اور یہ دعا اس کے منہ سے نکلتی ہے تو وہ بارگاہ رب العزت میں قبولیت کا درجہ پاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کیلئے بادشاہت ہونے کا بیان

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا جو شخص یہ کہتا ہے لا الہ واللہ اکبر (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے) تو اس کا رب اس کو سچا کرتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اسے اس اقرار واعتقاد پر قائم رکھتا ہے اور ان اقوال کو قبول فرماتا ہے) اور اس کے کہنے کے موافق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا الہ الا انا وانا اکبر بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں۔

اور میں بہت بڑا ہوں جب وہ شخص یہ کہتا ہے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ تو اللہ فرماتا ہے لا الہ الا انا لی الملك ولی الحمد ۔ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں میرے ہی لئے بادشاہت اور میرے ہی لئے تعریف اور جب وہ شخص یہ کہتا ہے کہ لا الہ الا اللہ ولا حول ولاقوۃ الا باللہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گناہوں سے بچنا اور طاعت کی قوت پانا اللہ ہی کی مدد سے ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا الہ الا انا ولاقوۃ الا باللہ بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں، گناہوں سے بچنا اور طاعت کی قوت پانا میری ہی مدد سے ہے۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص ان (مذکورہ بالا) کلمات کو اللہ تعالیٰ کے جواب کے علاوہ اپنی بیماری میں کہتا رہے اور پھر مر جائے تو اسے (دوزخ کی) آگ نہیں جلائے گی یعنی وہ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ (ترمذی، وابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 840)

سورہ یٰسین کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ یٰسین کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی ۔

یہ قرآن مجید کی سورت صافات ہے

سورت صافات کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃُ الصَّافَّات (مَكِّيَّة وَ آيَاتها نزَلَتْ بَعْد الْأَنْعَام)

سورہ صافات مکی ہے، اس میں پانچ رکوع، ایک سو بیاسی آیات اور آٹھ سو ساٹھ کلمات اور تین ہزار آٹھ سو چھبیس حروف ہیں اور یہ سورت انعام کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورت صافات کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ صافات آیا ہے جس کا معنی فرشتوں کا صف باندھے کھڑے ہونا ہے۔ فرشتوں کے اسی عمل کے سبب سے یہ سورت صافات کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ہلکی پڑھنے کا حکم فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں سورت صافات کی تلاوت فرماتے تھے۔ (سنن نسائی: جلد اول: حدیث نمبر 830)

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا۝ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا۝ اِنَّ اِلٰـهَكُمْ لَوَاحِدٌ۝
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَ رَبُّ الْمَشَارِقِ۝
قسم ہے ان فرشتوں کی جو صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر بادلوں کو کھینچ کر لے جانے والی یا برائیوں پر سختی سے جھڑکنے
والی جماعتوں کی، پھر ذکرِ الٰہی کی تلاوت کرنے والی جماعتوں کی، بے شک تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ آسمانوں اور زمین کا
اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اس کا رب ہے، اور طلوعِ آفتاب کے تمام مقامات کا رب ہے۔

صف بستہ فرشتوں کی قسم کا بیان

"وَالصَّافَّات صَفًّا" الْمَلَائِكَة تَصُفّ نُفُوسهَا فِي الْعِبَادَة أَوْ أَجْنِحَتهَا فِي الْهَوَاء تَنْتَظِر مَا تُؤْمَر بِهِ

"فَالزَّاجِرَات زَجْرًا" الْمَلَائِكَة تَزْجُر السَّحَاب أَيْ تَسُوقهُ،

"فَالتَّالِيَات" أَيْ قُرَّاء الْقُرْآن يَتْلُونَهُ "ذِكْرًا" مَصْدَر مِنْ مَعْنَى التَّالِيَات "إِنَّ إِلَهكُمْ" يَا أَهْل مَكَّة

"رَبّ السَّمَاوَات وَالْاَرْض وَمَا بَيْنهمَا وَرَبّ الْمَشَارِق" أَیْ وَالْمَغَارِب لِلشَّمْسِ لَهَا كُلّ يَوْم مَشْرِق وَمَغْرِب،

قسم ہے ان فرشتوں کی جو صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔یعنی جو اپنے آپ کو عبادت میں رکھنے کیلئے صف باندھے ہیں۔یا وہ فرشتے جو ہوا میں اپنے بازو پھیلائے ہیں اور انتظار میں ہیں کہ انہیں حکم دیا جائے۔پھر فرشتوں کی بادلوں کو کھینچ کر لے جانے والی یا برائیوں پر سختی سے جھڑکنے والی جماعتوں کی، پھر ذکر الٰہی یعنی قرآن مجید کی تلاوت کرنے والی جماعتوں کی، یہاں پر لفظ ذکرا یہ مصدر ہے جو تالیات کے معنی میں ہے۔اے اہل مکہ! بے شک تمہارا معبود ایک ہی ہے۔جو آسمانوں اور زمین کا اور جو مخلوق ان دونوں کے درمیان ہے اس کا رب ہے، اور طلوع آفتاب کے تمام مقامات کا رب ہے۔اور غروب آفتاب کے تمام مقامات کا رب ہے یعنی ہر دن مشرق ومغرب کا رب ہے۔

صف بستہ گروہ کے مصداق میں تفسیری اقوال کا بیان

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قسم یاد فرمائی چند گروہوں کی یا تو مراد اس سے ملائکہ کے گروہ ہیں جو نمازیوں کی طرح صف بستہ ہو کر اس کے حکم کے منتظر رہتے ہیں یا علماء دین کے گروہ جو تہجد اور تمام نمازوں میں صفیں باندھ کر مصروف عبادت رہتے ہیں یا غازیوں کے گروہ جو راہِ خدا میں صفیں باندھ کر دشمنانِ حق کے مقابل ہوتے ہیں۔(تفسیر مدارک، سورہ صافات، بیروت)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان تینوں قسموں سے مراد فرشتے ہیں۔اور بھی اکثر حضرات کا یہی قول ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فرشتوں کی صفیں آسمانوں پر ہیں۔مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہمیں سب لوگوں پر تین باتوں میں فضیلت دی گئی ہے۔ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی کی گئی ہیں۔ہمارے لیے ساری زمین مسجد بنا دی گئی ہے۔ اور پانی کے نہ ملنے کے وقت زمین کی مٹی ہمارے لیے وضو کے قائم مقام کی گئی ہے۔

مسلم وغیرہ میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ہم سے فرمایا تم اس طرح صفیں نہیں باندھتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ہم نے کہا وہ کس طرح؟ آپ نے فرمایا اگلی صفوں کو وہ پورا کرتے جاتے ہیں اور صفیں بالکل ملا لیا کرتے ہیں۔ڈانٹنے والوں سے مراد سدی رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک ابر اور بادل کو ڈانٹ کر احکام دے کر ادھر سے ادھر لے جانے والے فرشتے ہیں۔ربیع بن انس وغیرہ فرماتے ہیں قرآن جس چیز سے روکتا ہے وہ اسی سے بندش کرتے ہیں۔ذکر اللہ کی تلاوت کرنے والے فرشتے وہ ہیں جو اللہ کا پیغام بندوں کے پاس لاتے ہیں۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ صافات، بیروت)

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِالْكَوَاكِبِ ۝ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝
لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝
بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں اور سیاروں کی زینت سے آراستہ کر دیا اور ہر سرکش شیطان سے محفوظ بنایا۔

وہ عالمِ بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور اُن پر ہر طرف سے پھینکے جاتے ہیں۔

ستاروں کے ساتھ آسمان کی سجاوٹ کا بیان

"إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاء الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِب "أَىْ بِضَوْئِهَا أَوْ بِهَا وَالْإِضَافَة لِلْبَيَانِ كَقِرَاءَةِ تَنْوِين زِينَة الْمُبَيَّنَة بِالْكَوَاكِبِ،

"وَحِفْظًا" مَنْصُوب بِفِعْلٍ مُقَدَّر : أَىْ حَفِظْنَاهَا بِالشُّهُبِ "مِنْ كُلّ" مُتَعَلِّق بِالْمُقَدَّرِ "شَيْطَان مَارِد" عَاتٍ خَارِج عَنْ الطَّاعَة،

"لَا يَسَّمَّعُونَ" أَىْ الشَّيَاطِين مُسْتَأْنَف وَسَمَاعهمْ هُوَ فِي الْمَعْنَى الْمَحْفُوظ عَنْهُ "إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَى" الْمَلَائِكَة فِي السَّمَاء وَعُدِّيَ السَّمَاع بِإِلَى لِتَضَمُّنِهِ مَعْنَى الْإِصْغَاء وَفِي قِرَاءَة بِتَشْدِيدِ الْمِيم وَالسِّين أَصْله يَتَسَمَّعُونَ أُدْغِمَتْ التَّاء فِي السِّين "وَيُقْذَفُونَ" أَىْ الشَّيَاطِين بِالشُّهُبِ "مِنْ كُلّ جَانِب" مِنْ آفَاق السَّمَاء،

بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں اور سیاروں کی زینت سے آراستہ کر دیا یعنی ان کی روشنی کے ساتھ یا ان کے ساتھ مزین کیا ہے یہاں پر اضافت بیانیہ ہے اور زینہ کو تنوین کے ساتھ یہ کواکب کا بیان ہوگا۔ اور انہیں ہر سرکش شیطان سے محفوظ بنایا۔ یہاں پر لفظ حفظنا یہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ فعل حفظناها بالشهب، اور من کل یہ فعل مقدر کے متعلق ہے۔ وہ شیاطین عالمِ بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور لفظ مارد کا معنی عات ہے جس کا مطلب طاعت سے خارج ہونے والا ہے۔

لایسمعون یہ جملہ مستأنفہ ہے اور ان کا سماع معنی میں اس سے محفوظ ہے۔ یعنی جو فرشتے آسمانوں میں ہیں۔ اور یہاں پر سماع کو معنی اصغاء کی الی کے ذریعے متعدی کیا گیا ہے۔ اور ایک قرأت میں یہ لفظ میم اور سین کی تشدید کے ساتھ آیا ہے۔ اور یہ اصل میں یتسمعون ہے اور تاء کو سین میں حذف کیا گیا ہے۔ اور ''وَيُقْذَفُونَ" أَىْ الشَّيَاطِين بِالشُّهُبِ ''یعنی ہر آسمان کی جانب سے ان پر انگارے پھینکے جاتے ہیں۔

ستاروں کی تخلیق کے تین مقاصد کا بیان

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین باتوں کے لئے پیدا کیا ہے ایک تو یہ کہ ان کو آسمانوں کی زینت بنایا اور دوسرے شیاطین و جنات کو مارنے کے لئے اور تیسرے علامات کے لئے کہ لوگ ان کے ذریعہ جنگل و دریا میں اپنا راستہ پا سکیں، لہٰذا جس شخص نے ان ستاروں میں ان تین باتوں کے سوا اور کوئی غرض بیان کی تو اس نے خطا کی، اپنا حصہ ضائع کیا اور پھر اس چیز میں تکلف کیا جس کو وہ نہیں جانتا (یعنی آسمان کی چیزوں کے بارے میں جو حقوق ہیں ان کا علم قرآن وسنت کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے حاصل ہونا ممکن نہیں اور جب قرآن وسنت میں ستاروں کی غرض ان تین باتوں کے علاوہ اور کوئی بیان نہیں کی گئی ہے تو مذکورہ باتوں کے علاوہ کوئی اور غرض بیان کرنا ایسی بات کا بیان کرنا ہے جس کا معلوم ہونا متصور ہی نہیں ہے۔

اس روایت کو بخاریؒ نے بغیر سند کے نقل کیا ہے اور رزین کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس نے اس چیز کا تکلف کیا جو اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی اور اس چیز میں تکلف کیا (یعنی اس چیز کو جاننے کا دعوی کیا) جس کا اس کو علم نہیں ہے اور اس چیز میں تکلف کیا جس کے علم سے انبیاء اور فرشتے عاجز رہے ہیں۔ ربیع نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ قسم ہے اللہ کی! اللہ تعالیٰ نے ستارے میں نہ تو کسی کی زندگی (یعنی پیدائش) مقرر کی ہے نہ کسی کا رزق یعنی مال وجاہ وغیرہ اور نہ کسی کی موت! اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ کاہن اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹی افتراء پردازی کرتے ہیں اور ستاروں کے طوع وغروب ہونے کو کسی واقعہ وحادثہ کی علت قرار دیتے ہیں۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 536)

اپنا حصہ ضائع کیا" کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اس طرح لایعنی باتوں اور بیکار امور میں مبتلا کیا کہ جن کا کوئی فائدہ نہ دنیا میں حاصل ہوتا ہے اور نہ آخرت میں حاصل ہونے والا ہے۔ اس طرح اس نے گویا اپنی عمر عزیز کا قیمتی حصہ گنوایا۔

دور جاہلیت میں کہانت کے ہونے کا بیان

دور جہالت میں میں عرب میں کہانت کا بڑا چرچا تھا اور کاہنوں کو معاشرہ میں ایک معزز مقام حاصل تھا۔ ان کے متعلق مشہور یہ تھا کہ جن اور شیطان کاہنوں کے قبضہ میں ہوتے ہیں جو انہیں غیب کی خبریں مہیا کرتے ہیں۔ اچھے بھلے لوگ ان کے ہاں آتے اور ان کی خدمات حاصل کرتے تھے حتیٰ کہ بعض دفعہ اپنے مقدمات کے فیصلے کے لئے ان کے ہاں آتے تھے۔ ایسے ہی ایک کاہن کا واقعہ احادیث میں بھی مذکور ہے۔ قرآن جب نازل ہوا تو اس میں کچھ سابقہ انبیاء واقوام کے حالات تھے اور کچھ آئندہ کی خبریں بھی تھیں۔ پھر آپ نے لوگوں کو یہ بھی بتایا تھا کہ آپ کے پاس فرشتہ آتا ہے جو آپ پر یہ کلام نازل کرتا ہے۔ ان ساری باتوں سے ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ شاید وہ دوسرے کاہنوں کی طرح آپ کے پاس بھی کوئی جن یا شیطان آتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ بیمار ہوئے تو دو تین راتیں تہجد کی نماز کے لیے اٹھ نہ سکے تو ابولہب کی بیوی آپ کے پاس آکر کہنے لگی۔ میں سمجھتی ہوں کہ تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر۔ تفسیر سورہ والضحیٰ)

دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝
فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝
اُن کو بھگانے کے لئے اور اُن کے لئے دائمی عذاب ہے۔ مگر جو ایک بار جھپٹ کر اُچک لے تو چمکتا ہوا انگارہ
اُس کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ اِن سے پوچھئے کہ کیا یہ لوگ تخلیق کئے جانے میں زیادہ سخت ہیں یا وہ چیزیں
جنہیں ہم نے تخلیق فرمایا ہے، بیشک ہم نے اِن لوگوں کو چپکنے والے گارے سے پیدا کیا ہے۔

شیاطین کے پیچھے شہاب ثاقب کے لگنے کا بیان

"دُحُوْرًا" مَصْدَر دَحَرَهُ : أَيْ طَرَدَهُ وَأَبْعَدَهُ وَهُوَ مَفْعُول لَهُ "وَلَهُمْ" فِي الْآخِرَة "عَذَاب وَاصِب"

دائم

"إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ" مَصْدَر : أَيْ الْمَرَّة وَالِاسْتِثْنَاء مِنْ ضَمِير يَسَّمَّعُونَ : أَيْ لَا يَسْمَع إِلَّا الشَّيْطَان الَّذِي سَمِعَ الْكَلِمَة مِنْ الْمَلَائِكَة فَأَخَذَهَا بِسُرْعَةٍ "فَأَتْبَعَهُ شِهَاب" كَوْكَب مُضِيء "ثَاقِب" يَثْقُبهُ أَوْ يُحْرِقهُ أَوْ يَخْبِلهُ

"فَاسْتَفْتِهِمْ" اسْتَخْبِرْ كُفَّار مَكَّة تَقْرِيرًا أَوْ تَوْبِيخًا "أَهُمْ أَشَدّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا" مِنْ الْمَلَائِكَة وَالسَّمَاوَات وَالْأَرَضِينَ وَمَا فِيهِمَا وَفِي الْإِتْيَان بِمَنْ تَغْلِيب الْعُقَلَاء "إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ" أَيْ أَصْلهمْ آدَم "مِنْ طِين لَازِب" لَازِم يُلْصَق بِالْيَدِ : الْمَعْنَى أَنَّ خَلْقهمْ ضَعِيف فَلَا يَتَكَبَّرُوا بِإِنْكَارِ النَّبِيّ وَالْقُرْآن الْمُؤَدِّي إِلَى هَلَاكهمْ الْيَسِير

یہاں لفظ دحورا یہ دحرہ کی مصدر ہے۔جس کا طردہ اور دور ہو جانا ہے۔اور یہ مفعول لہ ہے۔اُن کو بھگانے کے لئے اور اُن کے لئے آخرت میں دائمی عذاب پہنچنے والا ہے۔مگر جو شیطان ایک بار جھپٹ کر فرشتوں کی کوئی بات اُچک لے تو چمکتا ہوا انگارہ اُس کے پیچھے لگ جاتا ہے۔جس کو شہاب ثاقب کہتے ہیں۔جو اس کو جلا دیتا ہے یا خبط میں ڈال دیتا ہے۔یہ استثناء یسمعون کی ضمیر سے ہے۔اِن یعنی کفار مکہ سے بہ طور تقریر یا توبیخ کے پوچھئے کہ کیا یہ لوگ تخلیق کئے جانے میں فرشتوں، آسمانوں، زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے اس سے زیادہ سخت اور مشکل ہیں یہاں پر لفظ مَن کا استعمال اہل عقل کے طور بیان کیا گیا ہے۔یا وہ چیزیں جنہیں ہم نے تخلیق فرمایا ہے، بیشک ہم نے اِن لوگوں کو چپکنے والے گارے سے پیدا کیا ہے۔یعنی ان کی اصل آدم علیہ السلام سے ہے۔یعنی وہ مٹی جو ہاتھ سے چپک جائے۔ایسے کمزور مادے ان کا بنایا ہے لہٰذا وہ نبی کریم ﷺ اور قرآن کا انکار کر کے تکبر نہ کریں۔جو انہیں آسانی سے ہلاکت کی طرف لے جانے والا ہے۔

شہاب ثاقب کی حقیقت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انصاری صحابہ میں سے ایک صحابی نے مجھ سے بیان کا کہ ایک دن رات کے وقت کچھ صحابہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور اس کی تیز روشنی پھیل گئی یہ دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم زمانہ جاہلیت میں اس طرح ستارہ ٹوٹنے کو کیا کہتے تھے؟ صحابہ نے عرض کیا۔حقیقت حال کو اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں ہم تو یہ کہا کرتے تھے کہ آج کی رات کوئی بڑا آدمی پیدا کیا گیا ہے (یا کبھی یہ کہتے کہ) آج کی رات کوئی بڑا آدمی مر گیا ہے (یعنی ہم اس طرح ستارہ ٹوٹنے کو کسی بڑے اور اہم واقعے کی علامت سمجھا کرتے تھے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ستارہ نہ تو کسی کی موت سے ٹوٹتا ہے اور نہ کسی کے پیدا ہونے سے بلکہ، حقیقت حال یہ ہے کہ ہمارا رب جس کا نام بابرکت ہے جس کو کوئی حکم جاری فرماتا ہے تو عرش الٰہی کو اٹھانے والے فرشتے تسبیح (یعنی سبحان اللہ، سبحان اللہ کا ورد کرنے لگتے ہیں) پھر ان کی تسبیح کی آواز سن کر آسمان کے فرشتے تسبیح کرنے لگتے ہیں، جو عرش

اٹھانے والے فرشتوں کے قریب ہے یہاں تک کہ اس تسبیح کی آواز ایک دوسرے آسمان سے ہوتی ہوئے آسمان دنیا پر رہنے والے فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے، پھر وہ فرشتے جو عرش الٰہی کو اٹھانے والے فرشتوں سے قریب رہتے ہیں عرش کو اٹھانے والے فرشتوں سے پوچھتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟

وہ فرشتے ان کو وہ بات بتاتے ہیں جو پروردگار نے فرمائی ہے، پھر اس بات کو ان سے دوسرے فرشتے دریافت کرتے اور ان سے اور فرشتے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ آسمان دنیا پر رہنے والوں تک پہنچ جاتا ہے پھر اس کی سنی ہوئی بات کو جنات اچک لیتے ہیں یعنی وہ کان لگائے ایسی باتوں کے منتظر رہتے ہیں اور جب وہ چوری چھپے کوئی بات سن لیتے ہیں تو اس کو وہاں سے لے اڑتے ہیں۔ اور اپنے دوستوں یعنی کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں، چنانچہ ان جنات کو مارنے کے لئے ستارے پھینکے جاتے ہیں (لہٰذا ان ستاروں کے پھینکے جانے کا سبب یہ ہے نہ کہ وہ جس کا تم اعتقاد رکھتے ہو، یعنی کسی کی موت یا پیدائش وغیرہ) اس طرح کاہن اگر اس بات کو جو آسمان سے سنی گئی ہے۔ اور جنات کے ذریعہ اس تک پہنچی ہے جوں کی توں (یعنی اس میں کوئی تصرف اور کمی بیشی کے بغیر) بیان کریں تو وہ یقیناً صحیح ثابت ہوگی، (لیکن وہ کاہن ایسا نہیں کرتے بلکہ) اس میں جھوٹی باتیں شامل کر دیتے ہیں اور ایک بات کی بہت سی باتیں بنا لیتے ہیں۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 535)

چپکتے گارے سے انسان کی تخلیق کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ ان منکرین قیامت سے پوچھو کہ تمہارا پیدا کرنا ہم پر مشکل ہے؟ یا آسمان و زمین فرشتے جن وغیرہ کا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت ام من عددنا ہے مطلب یہ ہے کہ اس کا اقرار تو انہیں بھی ہے کہ پھر مر کر جینے کا انکار کیوں کر رہے ہیں؟ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ انسانوں کی پیدائش سے تو بہت بڑی اور بہت بھاری پیدائش آسمان و زمین کی ہے لیکن اکثر لوگ بے علمی برتتے ہیں۔ پھر انسان کی پیدائشی کمزوری بیان فرماتا ہے کہ یہ چکنی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ جس میں لیس تھا جو ہاتھوں پر چپکتی تھی۔ تو چونکہ حقیقت کو پہنچ گیا ہے ان کے انکار پر تعجب کر رہا ہے کیونکہ اللہ کی قدرتیں تیرے سامنے ہیں اور اس کے فرمان بھی۔ لیکن یہ تو اسے سن کر ہنسی اڑاتے ہیں۔ اور جب کبھی کوئی واضح دلیل سامنے آ جاتی ہے تو مسخرا پن کرنے لگتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے۔ ہم کسی طرح اسے نہیں ماننے کے کہ مر کر مٹی ہو کر پھر جی اٹھیں بلکہ ہمارے باپ دادا بھی دوسری زندگی میں آ جائیں ہم تو اس کے قائل نہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم ان سے کہدو کہ ہاں تم یقیناً دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے۔ تم ہو کیا چیز اللہ کی قدرت اور مشیت کے ماتحت ہو، اس کی وہ ذات ہے کہ کسی کی اس کے سامنے کوئی ہستی نہیں۔ فرماتا ہے (کل اتوہ داخرین) ہر شخص اس کے سامنے عاجزی اور لاچاری سے حاضر ہونے والا ہے۔

ایک آیت میں ہے (وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ، غافر:60) میری عبادت سے سرکشی کرنے والے ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ

جسے تم مشکل سمجھتے ہو، وہ مجھ پر تو بالکل ہی آسان ہے صرف ایک آواز لگتے ہی ہر ایک زمین سے نکل کر دہشت ناکی کے ساتھ اہوال واحوال قیامت کو دیکھنے لگے گا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ صافات، بیروت)

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ۝ وَ اِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۝
وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝
بلکہ آپ تعجب فرماتے ہیں اور وہ مذاق اڑاتے ہیں اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت قبول نہیں کرتے۔
اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو تمسخر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو صرف کھلا جادو ہے۔

نبی کریم ﷺ کی تکذیب پر اظہار تعجب کا بیان

"بَلْ" لِلِانْتِقَالِ مِنْ غَرَض إلَى آخر وَهُوَ الْإِخْبَار بِحَالِهِ وَحَالهمْ "عَجِبْت" بِفَتْحِ التَّاء خِطَابًا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ مِنْ تَكْذِيبهمْ إيَّاكَ "وَيَسْخَرُونَ" مِنْ تَعَجُّبك "وَإِذَا ذُكِّرُوا" وُعِظُوا بِالْقُرْآنِ "لَا يَذْكُرُونَ" لَا يَتَّعِظُونَ "وَإِذَا رَأَوْا آيَة" كَانْشِقَاقِ الْقَمَر "يَسْتَسْخِرُونَ" يَسْتَهْزِءُونَ بِهَا "وَقَالُوا" فِيهَا "إنْ" مَا "هَذَا إلَّا سِحر مُبِين" بَيِّن وَقَالُوا مُنْكِرِينَ لِلْبَعْثِ :

یہاں پر لفظ بل یہ ایک مقصد سے دوسرے مقصد کی طرف انتقال کیلئے آیا ہے اور وہ آپ کے احوال اور ان کے احوال کی خبریں ہیں۔ اور عجبت یہ تاء کے فتحہ کے ساتھ آیا ہے جس میں نبی کریم ﷺ سے خطاب ہے۔ بلکہ آپ تعجب فرماتے ہیں کہ وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور وہ مذاق اڑاتے ہیں اور جب انہیں قرآن کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت قبول نہیں کرتے۔ اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں جیسے شق قمر ہے تو تمسخر کرتے ہیں۔ یعنی اس کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو صرف کھلا جادو ہے۔ اور منکرین بعث کہتے ہیں۔

معجزے کے مفہوم کا بیان

'معجزات" معجزۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں وہ خارق عادت جس کو اللہ تعالیٰ کے نبی ورسول کے ہاتھ سے ظاہر کردے اور دوسرے اس سے عاجز ہوں۔ لفظ معجزہ اصل میں عجز سے مشتق ہے جس کے معنی ناتواں ہونا، عاجز ہونا کے ہیں اور جو "حزم" (قادر ہونا) کی ضد ہیں۔ اسی لفظ سے معجزہ بنا ہے جس کے معنی ہیں، عاجز کرنے والا، اعجاز دکھانے والا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کی سچائی ثابت کرنے کے لئے اور ان کے ہاتھ سے معجزہ ظاہر ہوتا ہے اس کی امت اور قوم کے لوگ نہ صرف یہ کہ مقابلہ میں اس معجزہ کی طرح کا کوئی کرشمہ دیکھانے اور پیش کرنے سے عاجز ہوتے ہیں بلکہ اگر کوئی چاہے کہ اس معجزہ کا توڑ کردے تو یہ بھی ممکن نہیں ہوتا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے: "معجزہ کا لفظ "اعجاز" سے لیا گیا ہے جس کے معنی عاجز کرنے

کے ہیں اور معجزہ اس چیز کو کہتے ہیں جو خارق عادت ہو اور جس سے نبوت و رسالت کا دعویٰ ظاہر و ثابت ہوتا ہو اور جو خوارق عادات ظہور نبوت سے پہلے ظاہر ہوتے ہیں ان کو معجزات نہیں کہتے بلکہ ارہاصات کہتے ہیں جو ارہاص کی جمع ہے، ارہاص کے لغوی معنی مکان کو اینٹ مٹی اور پتھر کے ساتھ مضبوط و مستحکم بنانے کے ہیں، لہٰذا ظہور نبوت سے پہلے ظاہر ہونے والے خوارق عادات گویا نبوت و رسالت کی عمارت کو مستحکم و مضبوط بنانے کا ابتدائی ذریعہ ہوتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے معجزات کو دیکھ کر مذاق اڑانے والوں کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مکہ کے کافروں نے (جمع ہو کر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ اگر تم (نبوت کے دعوے میں) سچے ہو تو کوئی نشانی (معجزہ دکھاؤ، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) اپنے دست مبارک کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیئے یہاں تک کہ ان کافروں نے حراء پہاڑ کو چاند کے ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 436)

جب یہ لوگ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو اسکا مذاق اڑاتے ہیں"۔ یعنی کوئی ایسا معجزہ جس سے حق پوری طرح واضح ہو جائے۔ جیسے معجزۂ شق القمر اور شجر و حجر کا کلام کرنا وغیرہ وغیرہ۔ (ابنِ جریر، ابنِ کثیر، روح، قرطبی، خازن، سورہ صافات، بیروت)

پتھر کا نبی کریم ﷺ بارگاہ میں سلام پیش کرنے کا بیان

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مکہ میں ظہور نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا، میں اب بھی اس کو (خوب) پہچانتا ہوں۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 435)

مجھے سلام کیا کرتا تھا۔" یعنی جب بھی میں اس پتھر کے سامنے سے گزرتا تو مجھے اس میں آتی ہوئی یہ آواز سنائی دیتی۔ اسلام علیک یا نبی اللہ۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ اس پتھر سے مراد حجر اسود ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے جو ز قاق الحجر" کے نام سے مشہور ہے اور وہ اب تک مکہ میں موجود ہے، یہ پتھر جس جگہ ہے وہ مسجد حرام اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے درمیان واقع ہے۔ ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے، انہوں نے بیان کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا" جب حضرت جرائیل علیہ السلام میرے پاس رسالت لے کر آئے (اور مجھے نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کر دیا گیا) تو اس کے بعد جب بھی میں کسی درخت یا پتھر کے سامنے سے گزرتا تو وہ کہتا السلام علیک یا رسول اللہ۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ○ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ○ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ○
کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو ہم یقینی طور پر اٹھائے جائیں گے اور کیا
ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔ فرما دیجئے: ہاں اور تم ذلیل و رسوا ہو گے۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا بیان

"أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ " فِي الْهَمْزَتَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيق وَتَسْهِيل الثَّانِيَة وَإِدْخَال أَلِف بَيْنهمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ،

"أَوْ آبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ " بِسُكُونِ الْوَاو عَطْفًا بِأَوْ وَبِفَتْحِهَا وَالْهَمْزَة لِلِاسْتِفْهَامِ وَالْعَطْف بِالْوَاوِ وَالْمَعْطُوف عَلَيْهِ مَحَلّ إنَّ وَاسْمهَا أَوْ الضَّمِير فِي لَمَبْعُوثُونَ وَالْفَاصِل هَمْزَة الِاسْتِفْهَام "قُلْ نَعَمْ" تُبْعَثُونَ "وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ" أَيْ صَاغِرُونَ،

کیا جب ہم مرجائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے، تو ہم یقینی طور پر دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے یہاں پر دونوں ہمزوں کو دونوں مقامات پر تحقیق جبکہ ثانی کی تسہیل جبکہ دونوں صورتوں میں ان کے درمیان الف کو داخل کیا جائے۔اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی اٹھائے جائیں گے۔یہاں پر لفظ اُو یہ واؤ کے سکون کے ساتھ بھی آیا ہے جب اس کا عطف اُو پر ہوا ور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے اور ہمزہ استفہام کیلئے آیا ہے اور عطف بہ واؤ ہے اور یہ معطوف علیہ یہ محل اِن اور اس کے اسم کا محل ہے۔اور لمبعوثون میں ضمیر ہے اور ہمزہ استفہام یہ فاصل کے طور پر ہے۔فرما دیجئے: ہاں اور بلکہ تم ذلیل ورسوا بھی ہو گے۔

بعث سے متعلق کفار کے سوال وجواب کا بیان

بلکہ عجیب باتیں تو یہ لوگ بناتے ہیں جو اللہ کی ان آیات کو کسی طلسماتی دنیا کی باتیں سمجھتے ہیں کہ جب ہم مر جائیں گے تو پھر دوبارہ جی اٹھیں گے۔پھر ہم سب کے سب اللہ کی عدالت میں پیش ہوں گے پھر لوگوں کے اعمال کے فیصلے ہوں گے۔پھر ایک طرف جہنم ہوگی جس کے یہ اور یہ اوصاف ہونگے۔اور ایک طرف جنت ہوگی جس کے یہ اور یہ اوصاف ہوں گے۔ایسی باتیں کسی خیالی دنیا کے متعلق تو کی جاسکتی ہیں۔بھلا ایک بھلا چنگا اور درست عقل والا آدمی ایسی باتیں کیسے کہہ سکتا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے جو یہ یک لخت ایسی تصوراتی اور بہکی بہکی باتیں کرنے لگا ہے۔

انسان کی دوبارہ زندگی کیسے؟ کفار مکہ کے اس اعتراض اور انکار کو قرآن میں بہت سے مقامات پر ذکر کیا گیا ہے اور اس کا جواب بھی کئی طرح سے دیا گیا ہے اس مقام پر بھی مذکور ہے کہ انسان کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے۔پھر وہ زندہ ہو کر مٹی یا زمین سے جدا نہیں ہوا بلکہ اس کی تمام تر ضروریات مٹی یا زمین ہی سے وابستہ ہیں۔مر کر بھی وہ اس مٹی میں دفن ہوگا تو جب گل سڑ کر مٹی بن کر مٹی میں مل جائے گا تو زمین اس کے تحلیل شدہ اجزاء نکال کر باہر نہیں پھینک دے گی۔بلکہ سنبھال کر اپنے اندر محفوظ رکھے گی پھر انہیں تحلیل شدہ اجزاء کو اللہ تعالیٰ پھر سے اکٹھا کر کے ان اجزاء کو اپنی پہلی حالت میں لے آئے گا۔اس کی روح پہلے ہی مرتے وقت قبض کر لی تھی۔اور یہی روح اس کا اصل تشخص ہے جو پہلے ہی اللہ کے قبضہ میں ہے۔یہی روح اس کے جسم میں ڈال کر اسے پھر سے اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔رہی یہ بات کہ ان کے آباء واجداد جو مدتوں پہلے مر چکے ان میں سے کوئی بھی زندہ ہو نہ ان کے پاس واپس آیا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ زمین میں پڑا ہوا بیج پڑا ہی رہتا ہے۔جب اس کے اگنے کا موقع آتا ہے۔اگتا وہ اسی وقت ہے

پہلے نہیں اگتا۔اسی طرح جب تمہارے دوبارہ جی اٹھنے کا وقت یا موسم آئے گا اسی وقت تم بھی اور تمہارے آباء واجداد بھی جی کر زمین سے نکل آؤ گے پہلے نہیں۔اور دوسری بات یہ کہ دوبارہ زندہ ہو کر تمہارے پاس نہیں آئیں گے بلکہ تم بھی اور وہ بھی اللہ کے حضور حاضر ہو جاؤ گے۔

فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَإِذَاهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝
هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝
پس وہ تو محض ایک سخت جھڑک ہوگی سو سب اچانک دیکھنے لگ جائیں گے۔اور کہیں گے: ہائے ہماری شامت!
یہ تو جزا کا دن ہے۔یہ وہی فیصلہ کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

سخت آواز سے سب کے زندہ ہو جانے کا بیان

"فَإِنَّمَا هِيَ" ضَمِيرٌ مُبْهَمٌ يُفَسِّرُهُ : "زَجْرَةٌ" أَيْ صَيْحَةٌ "وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ" أَيْ الْخَلَائِقُ أَحْيَاء "يَنْظُرُونَ" مَا يُفْعَل بِهِمْ،

"وَقَالُوا" أَيْ الْكُفَّار "يَا" "وَيْلَنَا" هَلَاكنَا وَهُوَ مَصْدَر لَا فِعْل لَهُ مِنْ لَفْظه وَتَقُول لَهُمْ الْمَلَائِكَة : "هَذَا يَوْم الدِّين" يَوْم الْحِسَاب وَالْجَزَاء "هَذَا يَوْم الْفَصْل" بَيْن الْخَلَائِق،

پس وہ تو محض ایک زوردار آواز کی سخت جھڑک ہوگی۔یہاں پر ھی ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر زجرۃ نے کی ہے یعنی ایک سخت جھڑک ہے۔پس سب یعنی مخلوق زندہ ہو کر اچانک اٹھ کر دیکھنے لگ جائیں گے۔کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔اور کفار کہیں گے: ہائے ہماری شامت! یہ تو جزا کا دن ہے۔یہاں لفظ ویلنا ایسا مصدر ہے جس کا لفظی کوئی فعل نہیں ہے۔تو ان سے فرشتے کہیں گے ہاں یہ وہی فیصلہ یعنی حساب و جزاء کا دن ہے جسے تم خلائق کے درمیان جھٹلایا کرتے تھے۔

لفظ زجرہ کے مفہوم ومصداق کا بیان

زجرۃ کا لفظ زجر کا اسم مرہ ہے اور اس کے عربی زبان میں کئی معنی آتے ہیں۔ان میں ایک معنی ہیں مویشیوں کو چلنے پر آمادہ کرنے کے لئے ایسی آوازیں نکالنا جنہیں سن کر وہ اٹھ کھڑے ہوں یہاں اس سے مراد وہ دوسرا صور ہے جو حضرت اسرافیل علیہ السلام مردوں کو زندہ کرنے کے لئے پھونکیں گے،اور اسے زجرۃ سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح مویشیوں کو اٹھا کر چلانے کے لئے کچھ آوازیں نکالی جاتی ہیں اسی طرح مردوں کو زندہ کرنے کے لئے یہ صور پھونکا جائے گا۔

اگرچہ باری تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ صور پھونکے بغیر مردوں کو زندہ کر دے،لیکن یہ صور حشر ونشر کے منظر کو پر ہیبت بنانے کے لئے پھونکا جائے گا (تفسیر کبیر) اس صور پھونکنے کا اثر کافروں پر یہ ہوگا کہ (آیت) فاذا هم ينظرون (پس اچانک وہ دیکھنے بھالنے لگیں گے) یعنی جس طرح دنیا میں وہ دیکھنے پر قادر تھے اسی طرح وہاں بھی دیکھ سکیں گے،اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب

یہ بیان کیا ہے کہ وہ حیرانی کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں گے۔(تفسیر قرطبی، سورہ صافات، بیروت)

قیامت کا دن دیکھ کر کفار کی ندامت وافسوس کا بیان

قیامت والے دن کفار کا اپنے تئیں ملامت کرنا اور پچھتانا اور افسوس وحسرت کرنا بیان ہورہا ہے کہ وہ نادم ہوکر قیامت کے دہشت خیز اور وحشت انگیز امور کو دیکھ کر کہیں گے ہائے ہائے یہی تو روز جزا ہے۔ تو مومن اور فرشتے بطور ڈانٹ ڈپٹ اور ندامت بڑھانے کے ان سے کہیں گے ہاں یہی تو وہ فیصلے کا دن ہے جسے تم سچا نہیں مانتے تھے۔ اس دن اللہ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ظالموں کو ان کے جوڑوں کو ان کے بھائی بندوں کو اور ان جیسوں کو ایک جا جمع کرو۔ مثلاً زانی زانیوں کے ساتھ سود خوار سود خواروں کے ساتھ شرابی شرابیوں کے ساتھ وغیرہ ایک قول یہ بھی ہے کہ ظالموں کو اور ان کی عورتوں کو، لیکن یہ غریب ہے۔ ٹھیک مطلب یہی ہے کہ انہی جیسوں کو اور ان کے ساتھ ہی جن بتوں کو اور جن جن کو شریک اللہ یہ مقرر کئے ہوئے تھے سب کو جمع کرو۔ پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ جیسے فرمان ہے۔(وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا، الاسراء:97)، یعنی انہیں ان کے منہ کے بل اندھے بہرے گونگے کرکے ہم جمع کریں گے پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا جس کی آگ جب کبھی ہلکی ہو جائے ہم اسے اور بھڑکا دیں گے۔ انہیں جہنم کے پاس کچھ دیر ٹھہرا دو تاکہ ہم ان سے پوچھ گچھ کرلیں۔ ان سے حساب لے لیں۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص کسی کو کسی چیز کی طرف بلائے۔ وہ قیامت کے دن اس کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا نہ بیوفائی ہوگی نہ جدائی ہوگی گو ایک کو ہی بلایا ہو پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی حضرت عثمان بن زائدہ فرماتے ہیں سب سے پہلے انسان سے اس کے ساتھیوں کی بابت سوال کیا جائے گا۔ پھر ان سے پوچھا جائے گا کہ کیوں آج ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ تم تو دنیا میں کہتے پھرتے تھے کہ ہم سب ایک ساتھ ہیں اور ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ یہ تو کہاں؟ بلکہ آج تو یہ ہتھیار ڈال چکے اللہ کے فرمانبردار بن گئے۔ نہ اللہ کے کسی فرمان کا خلاف کریں نہ کرسکیں نہ اس سے بچ سکیں نہ وہاں سے بھاگ سکیں۔(تفسیر ابن حاتم رازی، سورہ صافات، بیروت)

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ
اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ۝ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ۝
بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ۝ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ۝
اُن لوگوں کو جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا اور ان کے ساتھیوں اور پیروکاروں کو اور اُن کو جنہیں وہ پوجا کرتے تھے۔ اللہ کو چھوڑ کر، پھر
ان سب کو دوزخ کی راہ پر لے چلو۔ اور انہیں روکو، اُن سے پوچھ گچھ ہوگی۔ تمہیں کیا ہوا تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔
بلکہ آج تو وہ خود گردنیں جھکائے کھڑے ہوں گے۔ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر باہم سوال کریں گے۔

قیامت کے دن مشرکین کی باہمی ملامت و جھگڑے کا بیان

وَيُقَالُ لِلْمَلَائِكَةِ : "اُحْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا" أَنْفُسَهُمْ بِالشِّرْكِ "وَأَزْوَاجَهُمْ" قُرَنَاءَهُمْ مِنَ الشَّيَاطِينِ "مِنْ دُونِ اللَّهِ" أَيْ غَيْرِهِ مِنَ الْأَوْثَانِ "فَاهْدُوهُمْ" دُلُّوهُمْ وَسُوقُوهُمْ "إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ" طَرِيقِ النَّارِ "وَقِفُوهُمْ" احْبِسُوهُمْ عِنْدَ الصِّرَاطِ "إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ" عَنْ جَمِيعِ أَقْوَالِهِمْ وَأَفْعَالِهِمْ وَيُقَالُ لَهُمْ تَوْبِيخًا : "مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ" لَا يَنْصُرُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا كَحَالِكُمْ فِي الدُّنْيَا وَيُقَالُ لَهُمْ : "بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ" مُنْقَادُونَ أَذِلَّاءُ "وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ" يَتَلَاوَمُونَ وَيَتَخَاصَمُونَ،

اور فرشتوں سے کہا جائے گا کہ اُن سب لوگوں کو جمع کرو جنہوں نے ظلم یعنی شرک کیا اور ان کے ساتھیوں یعنی جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کے ساتھی ہوئے جو بت وغیرہ ہیں۔اور پیروکاروں کو بھی اور اُن معبودانِ باطلہ کو بھی جنہیں وہ پوجا کرتے تھے۔اللہ کو چھوڑ کر، پھران سب کو دوزخ کی راہ پر لے چلو۔اور انہیں صراط کے پاس روکو، اُن سے سارے اقوال وافعال کے بارے میں بہ طور توبیخ پوچھ گچھ ہوگی۔اُن سے کہا جائے گا تمہیں کیا ہوا تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔یعنی جس طرح دنیا میں تمہارا ایک دوسرے کی مدد کے بارے میں طریقہ تھا۔بلکہ ان سے کہا جائے گا وہ مدد کیا کریں گے بلکہ آج تو وہ خود گردنیں جھکائے کھڑے ہوں گے۔اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر باہم سوال کریں گے۔یعنی باہم ملامت و جھگڑا کریں گے۔

قیامت کے دن ظالموں کو ان کی ازواج سمیت جمع کرنے کا بیان

ان ظالموں کو جنہوں نے شرک کے ظلم عظیم کا ارتکاب کیا اور ان کے ہم مشربوں کو جمع کرلو) یہاں ہم مشربوں کے لئے ازواج کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کے لفظی معنی ہیں جوڑا اور یہ لفظ شوہر اور بیوی کے معنی میں بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے۔اسی لئے بعض مفسرین نے اس کے معنی بیان کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اس سے مشرکین کی وہ بیویاں مراد ہیں جو خود بھی مشرک تھیں۔لیکن اکثر مفسرین کے نزدیک یہاں ازواج سے مراد ہم مشرب ہی ہے، اور اس کی تائید حضرت عمر کے ایک ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔امام بیہقی اور عبدالرزاق وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے، کہ یہاں ازواجہم سے مراد ہیں ان جیسے دوسرے لوگ، چنانچہ سود خور سود خوروں کے ساتھ، زنا کار دوسرے زانیوں کے ساتھ، اور شراب پینے والے دوسرے شراب پینے والوں کے ساتھ جمع کئے جائیں گے۔(تفسیر روح المعانی، سورہ صافات، بیروت)

ظالموں سے مراد کافر ہیں اور ان کے جوڑوں سے مراد ان کے شیاطین جو دنیا میں ان کے جلیس وقرین رہتے تھے ہر ایک کافر اپنے شیطان کے ساتھ ایک ہی زنجیر میں جکڑ دیا جائے گا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جوڑوں سے مراد اشباہ و امثال ہیں یعنی ہر کافر اپنے ہی قسم کے کفار کے ساتھ ہانکا جائے گا، بت پرست بت پرستوں کے ساتھ اور آتش پرست آتش پرستوں کے ساتھ وعلیٰ ہذا القیاس۔

قیامت کے دن کفار کا باہم مدد نہ کر سکنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شرکت یا فجور کی دعوت دینے والا ایسا نہیں کہ قیامت کے دن اسے روکا نہ جائے اور اس پر اس کا وبال نہ پڑے۔ وہ (جسے دعوت دی گئی) کسی قیمت پر اس سے الگ نہیں ہوگا۔ اگرچہ کسی ایک شخص نے دوسرے ایک ہی شخص کو دعوت دی ہو۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت (وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ 24 مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ، اور انہیں کھڑا کرو ان سے دریافت کرنا ہے، تمہیں کیا ہوا کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1176)

قیامت کے دن عمر و مال وغیرہ سے متعلق پوچھا جانے کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کسی شخص کے قدم اللہ رب العزت کے پاس سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے متعلق نہیں پوچھ لیا جائے گا، (۱) اس نے عمر کس چیز میں صرف کی (۲) جوانی کہاں خرچ کی، (۳) مال کہاں سے کمایا، (۴) مال کہاں خرچ کیا، (۵) جو کچھ سیکھا اس پر کتنا عمل کیا۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 312)

قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ۝ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۝ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ۝ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ۝
وہ کہیں گے بے شک تم ہی تو ہمارے پاس دائیں طرف سے آیا کرتے تھے۔ کہیں گے: بلکہ تم خود ہی ایمان لانے والے نہ تھے۔
اور ہمارا تم پر کچھ زور نہ تھا بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے۔ پس ہم پر ہمارے رب کا فرمان ثابت ہو گیا۔ ہم ذائقہ چکھنے والے ہیں۔

قیامت کے دن گمراہ پیشوا و اتباع کرنے والوں کے باہم جھگڑے کا بیان

"قَالُوا" أَيْ الْأَتْبَاع مِنْهُمْ لِلْمَتْبُوعِينَ "إِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِين" عَنْ الْجِهَة الَّتِي كُنَّا نَأْمَنكُمْ مِنْهَا لِحَلِفِكُمْ أَنَّكُمْ عَلَى الْحَقّ فَصَدَّقْنَاكُمْ وَاتَّبَعْنَاكُمْ الْمَعْنَى أَنَّكُمْ أَضْلَلْتُمُونَا

"قَالُوا" أَيْ الْمُتَّبِعُونَ لَهُمْ "بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ" وَإِنَّمَا يَصْدُق الْإِضْلَال مِنَّا أَنْ لَوْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ فَرَجَعْتُمْ عَنْ الْإِيمَان إِلَيْنَا "وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَان" قُوَّة وَقُدْرَة تَقْهَركُمْ عَلَى مُتَابَعَتنَا "بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طَاغِينَ" ضَالِّينَ مِثْلنَا

"فَحَقَّ" وَجَبَ "عَلَيْنَا" جَمِيعًا "قَوْل رَبّنَا" بِالْعَذَابِ: أَيْ قَوْله "لَأَمْلَأَن جَهَنَّم مِنْ الْجِنَّة وَالنَّاس أَجْمَعِينَ" "إِنَّا" جَمِيعًا "لَذَائِقُونَ" الْعَذَاب بِذَلِكَ الْقَوْل وَنَشَأَ عَنْهُ قَوْلهمْ:

اتباع کرنے والے اپنے گمراہ کن پیشواؤں سے کہیں گے بے شک تم ہی تو ہمارے پاس دائیں طرف سے آیا کرتے

تھے۔یعنی ہمارے سرے چڑھ کر قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ تمہیں امن دلائیں گے ہم حق پر ہیں تو ہم نے تمہاری تصدیق کی اور تمہاری اتباع کی لہٰذا تم ہی ہمیں گمراہ کرنے والے ہو۔انہیں گمراہ کرنے والے پیشوا کہیں گے: بلکہ تم خود ہی ایمان لانے والے نہ تھے۔اور ہماری طرف طرف تمہیں گمراہ کرنا تب ہوتا کہ جب تم ایمان لانے کے بعد پھر جاتے۔ہمارا تم پر کچھ زور اور دباؤ نہ تھا کہ ہم تمہیں اپنی اتباع پر مجبور کرتے۔بلکہ تم خود ہماری طرح سرکش لوگ تھے۔پس ہم پر ہمارے رب کا فرمان عذاب کے ساتھ ثابت ہو گیا۔اور وہ فرمان یہ ہے کہ میں جن وانس سے جہنم کو بھر دوں گا۔اب ہم ذائقہ عذاب چکھنے والے ہیں۔لہٰذا کفار کیلئے وعید کا قول ان کے قول نشاء سے ثابت ہو گیا۔

دوزخیوں کا اپنے گمراہ کن رہنماؤں سے شکوہ کرنے کا بیان

کافرلوگ جس طرح جہنم کے طبقوں میں جلتے ہوئے آپس میں جھگڑے کریں گے اسی طرح قیامت کے میدان میں وہ ایک دوسرے پر الزام لگائیں گے کمزور لوگ زور آوروں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع فرمان تھے کیا آج ہمیں تم تھوڑے بہت عذاب سے بچالو گے؟ وہ کہیں گے کہ ہم تو خود تمہارے ساتھ ہی اسی جہنم میں جل رہے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے فرما چکا۔اور جیسے اور جگہ ان کی یہ بات چیت اس طرح منقول ہے کہ ضعیف لوگ متکبروں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار بن جاتے۔وہ جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روک دیا؟ نہیں بلکہ تم تو خود ہی بدکار تھے۔یہ کہیں گے بلکہ دن رات کا مکر جبکہ تم ہمیں حکم کرتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے شریک مقرر کریں۔عذاب کو دیکھتے ہی یہ سب کے سب بے طرح نادام وپشیمان ہوں گے لیکن اپنی ندامت کو چھپائیں گے۔ان تمام کفار کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے جائیں گے ہاں یہ یقینی بات ہے کہ ہر ایک کو صرف اس کی کرنی بھرنی پڑے گی پس یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنے بڑوں اور سرداروں سے کہیں گے تم ہماری دائیں جانب سے آتے تھے یعنی چونکہ ہم کمزور کم حیثیت تھے اور تمہیں ہم پر ترجیح تھی اس لیے تم ہمیں دبا دبو کر حق سے ناحق کی طرف پھیر دیتے تھے، یہ کافروں کا مقولہ ہوگا جو وہ شیطانوں سے کہیں گے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان یہ بات جنات سے کہیں گے کہ تم ہمیں بھلائی سے روک کر برائی پر آمادہ کرتے تھے گناہ کو مزین اور شیریں دکھاتے تھے اور نیکی کو بری اور مشکل جتاتے تھے، حق سے روکتے تھے باطل پر جما دیتے تھے، جب کبھی نیکی کا خیال ہمارے دل میں آتا تھا تم کسی نہ کسی فریب سے اس سے روک دیتے تھے، اسلام، ایمان، خیر وخوبی، نیکی اور سعادت مندی سے تم نے ہمیں محروم کر دیا۔توحید سے دور ڈال دیا۔ہم تمہیں اپنا خیر خواہ سمجھتے رہے، راز دار بنائے رہے، تمہاری باتیں مانتے رہے تمہیں بھلا آدمی سمجھتے رہے۔اس کے جواب میں جنات اور انسان جتنے بھی سردار ذی عزت اور بڑے لوگ تھے ان کمزوروں کو جواب دیں گے کہ اس میں ہمارا تو کوئی قصور نہیں تم تو خود ہی ایسے ہی تھے تمہارے دل ایمان سے بھاگتے تھے اور کفر کی طرف دوڑ کر جاتے تھے۔ہم نے تمہیں جس چیز کی طرف بلایا وہ کوئی حق بات نہ تھی نہ اس کی بھلائی پر کوئی دلیل تھی لیکن چونکہ تم طبعاً برائی کی طرف مائل تھے خود تمہارے دلوں میں سرکشی اور برائی تھی اس لیے تم نے ہمارا کہا مان لیا۔اب تو ہم سب پر اللہ کا قول ثابت ہو گیا کہ ہم یقیناً عذابوں کا مزہ چکھنے والے ہیں۔یہ بڑے لوگ چھوٹوں

سے یہ متبوع لوگ اپنے تابعداروں سے کہیں گے کہ ہم تو خود ہی بہکے ہوئے تھے ہم نے تمہیں بھی اپنی ضلالت کی طرف بلایا تم دوڑے ہوئے آ گئے۔ بتاؤ تم نے ہماری بات مان لی؟ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے پس آج کے دن سب لوگ جہنم کے عذابوں میں شریک ہیں ہر ایک اپنے اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہے۔ مجرموں کے ساتھ ہم اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ یہ مومنوں کی طرح اللہ کی توحید کے قائل نہ تھے بلکہ توحید کی آواز سے تکبر نفرت کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جہاد کروں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں جو اسے کہہ لے اس نے اپنا مال اور اپنی جان بچالی مگر اسلامی فرمان سے۔ اور اس کا باطنی حساب اللہ کے ذمے ہے۔ اللہ کی کتاب میں بھی یہی مضمون ہے۔ اور ایک متکبر قوم کا ذکر ہے کہ وہ اس کلمہ سے روگردانی کرتے تھے۔

ابن ابی حاتم میں ابوالعلاء سے مروی ہے کہ یہودیوں کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور ان سے سوال ہوگا کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے اللہ کی اور عزیر کی۔ ان سے کہا جائے گا اچھا بائیں طرف آ ؤ۔ پھر نصرانیوں سے یہی سوال ہوگا وہ کہیں گے اللہ کی اور مسیح کی تو ان سے بھی یہی کہا جائے گا پھر مشرکین کو لایا جائے گا اور ان سے لا الہ الا اللہ کہا جائے گا وہ تکبر کریں گے تین مرتبہ ایسا ہی ہوگا پھر حکم ہوگا انہیں بھی بائیں طرف لے چلو فرشتے انہیں پرندوں سے بھی جلدی پہنچا دیں گے۔ پھر مسلمانوں کو لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائیگا کہ تم کس کی عبادت کرتے رہے؟ یہ کہیں گے صرف اللہ تعالیٰ کی۔ تو ان سے کہا جائے گا کیا تم اسے دیکھ کر پہچان سکتے ہو؟ یہ کہیں گے ہاں۔ پوچھا جائے گا تم کیسے پہچان لو گے؟ حالانکہ تم نے کبھی اسے دیکھا نہیں یہ جواب دیں گے ہاں یہ تو ٹھیک ہے ہم جانتے ہیں کہ اس کے برابر کا کوئی نہیں پس اللہ تعالیٰ اپنے تئیں انہیں پہنچوائے گا اور ان کو نجات دے گا۔ یہ کلمہ توحید اور رد شرک سن کر جواب دیتے تھے کہ کیا اس شاعر و مجنوں کے کہنے سے ہم اپنی معبودوں سے دست بردار ہو جائیں گے؟ ماننا تو ایک طرف الٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور دیوانہ بتاتے تھے۔

پس اللہ تعالیٰ ان کی تکذیب کرتا ہے اور ان کے رد میں فرماتا ہے کہ یہ تو بالکل سچے ہیں سچ لے کر آئے ہیں ساری شریعت سراسر حق ہے خبریں ہوں تو اور حکم ہوں تو۔ یہ رسولوں کو بھی سچا جانتا ہے ان رسولوں نے جو صفتیں اور پاکیزگیاں آپ کی بیان کی تھیں۔ انکے صحیح مصدق آپ ہی ہیں۔ یہ بھی وہی احکام بیان کرتے ہیں جو اگلے انبیاء نے کئے جیسے اور آیت میں ہے (مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيمٍ ،فصلت:43)، یعنی تجھ سے وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے کے نبیوں سے کہا جاتا رہا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ صافات، بیروت)

فَاَغْوَيْنٰـكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ○ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ○ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ
بِالْمُجْرِمِيْنَ○ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ○
پس ہم نے تمہیں گمراہ کر دیا بے شک ہم خود گمراہ تھے۔ پس اس دن عذاب میں وہ باہم شریک ہوں گے۔ بے شک ہم مُجرموں کے
ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں، بیقیناً وہ ایسے لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں تو وہ تکبّر کرتے تھے۔

گمراہ پیشواؤں اوران کی اتباع والوں کوایک جیساعذاب دینے کا بیان

"فَأَغْوَيْنَاكُمْ" الْمُعَلَّل بِقَوْلِهِمْ "إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ" "فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ" يَوْم الْقِيَامَة "فِي الْعَذَاب مُشْتَرِكُونَ" أَيْ لِاشْتِرَاكِهِمْ فِي الْغَوَايَة،

"إِنَّا كَذَلِكَ" كَمَا نَفْعَل بِهَؤُلَاءِ "نَفْعَل بِالْمُجْرِمِينَ" غَيْر هَؤُلَاءِ: أَيْ نُعَذِّبهُمْ التَّابِع مِنْهُمْ وَالْمَتْبُوع "إِنَّهُمْ" أَيْ هَؤُلَاءِ بِقَرِينَةِ مَا بَعْده،

پس ہم نے تمہیں گمراہ کردیا یہ ان کے آنے والے قول کا معلول ہے اور وہ قول یہ ہے کہ بے شک ہم خود گمراہ تھے۔ پس اس دن یعنی قیامت کے عذاب میں وہ سب باہم شریک ہوں گے۔ کیونکہ وہ گمراہی میں شریک تھے۔ بے شک ہم مُجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں، جیسے ان لوگوں کے ساتھ کیا ہے۔ یعنی ان کی اتباع کرنے والوں کو ایسے عذاب دیتے ہیں جیسے گمراہ پیشواؤں کو عذاب دیں گے۔ اور یہاں پر لفظ انہم یعنی ھؤلاء یہ مابعد کے قرینے کے ساتھ ہے۔ یقیناً وہ ایسے لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں تو وہ تکبر کرتے تھے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اغوینکم ۔ ماضی جمع متکلم کم ضمیر مفعول جمع مذکر حاضر اغواء (افعال) مصدر غوی مادہ۔ گمراہ کرنا۔ ہم نے تم کو گمراہ کیا۔ الغی الرشد کی ضد ہے جیسے کہ قرآن مجید میں ہے قد تبین الرشد من الغی، ہدایت گمراہی سے صاف صاف کھل چکی ہے

انا کنا غوین جملہ مستانفہ ہے اور جملہ ماقبل کی علت ہے۔ تحقیق ہم خود ہی گمراہ تھے مطلب یہ ہے کہ ہم خود بھی گمراہ تھے اس لئے ہم نے تم کو بھی اسی راستے پر چلنے کی دعوت دی۔ ایماندار تم بھی نہ تھے اپنے حق خود ارادیت کا استعمال کرتے ہوئے تم نے بھی ہماری گمراہی کا راستہ اختیار کیا۔ اس طرح ہم دونوں فریق برابر عذاب جہنم کے سزاوار ہوئے۔ غوین الغی سے اسم فاعل کا صیغہ جمع مذکر ہے منصوب بوجہ خبر کنا ہے۔

یہاں پر لفظ مشترکون سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو ناجائز کام کی دعوت دے اور اسے گناہ پر آمادہ کرنے کے لئے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرے تو اسے دعوت گناہ کا عذاب تو بے شک ہوگا، لیکن جس شخص نے اس کو دعوت کو اپنے اختیار سے قبول کرلیا وہ بھی اپنے عمل سے بری نہیں ہوسکتا۔ وہ آخرت میں یہ کہہ کر چھٹکارا نہیں پاسکتا کہ مجھے تو فلاں شخص نے گمراہ کیا تھا، ہاں اگر اس نے گناہ کا ارتکاب اپنے اختیار سے نہ کیا ہو بلکہ جبر واکراہ کی حالت میں اپنی جان بچانے کے لئے کرلیا ہو تو انشاء اللہ اس کی معافی کی امید ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝
اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اور کہتے تھے: کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں۔ بلکہ وہ حق لے کر آئے ہیں
اور انہوں نے پیغمبروں کی تصدیق کی ہے۔ بے شک تم دردناک عذاب کا مزہ چکھنے والے ہو۔ اور تمہیں بدلہ نہیں
دیا جائے گا مگر صرف اسی کا جو تم کیا کرتے تھے۔

شاعرو مجنون کہہ کر پیغام حق کی تکذیب کرنے والوں کا بیان

"وَيَقُولُونَ أَإِنَّا " فِي هَمْزَتَيْهِ مَا تَقَدَّمَ "لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُون " أَيْ لِأَجْلِ مُحَمَّد "بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ " الْجَائِينَ بِهِ وَهُوَ أَنْ لَا إِلَه إِلَّا اللَّه "إِنَّكُمْ" فِيهِ الْتِفَات "وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا " جَزَاء "مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ"

یہاں پر اَئِنَّا دو ہمزوں کے ساتھ آیا اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر (نعوذ باللہ) یعنی حضرت محمد ﷺ کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں۔ بلکہ وہ دینِ حق لے کر آئے ہیں یعنی آپ "لا الہ الا اللہ " اور انہوں نے اللہ کے پیغمبروں کی تصدیق کی ہے۔ بے شک تم دردناک عذاب کا مزہ چکھنے والے ہو۔ اور تمہیں کوئی بدلہ نہیں دیا جائے گا اس میں التفات ہے مگر صرف اسی کا جو تم کیا کرتے تھے۔ یعنی جو تم کام کیا کرتے تھے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ویقولون واؤ عاطفہ ہے یقولون ای کانوا یقولون اور کہا کرتے تھے۔ ائنا میں الف استفہامیہ ہے۔ لتارکوا الھتنا ۔ لام تاکید کا ہے الھتنا مضاف مضاف الیہ ہمارے معبود۔ ہمارے خدا۔ تارکوا اصل میں تارکون تھا۔ الھتنا کی طرف اضافت کی وجہ سے ن گر گیا۔ لشاعر مجنون۔ لام جارہ ہے شاعر مجنون موصوف وصفت۔ دیوانہ شاعر۔ شاعر کو جنون کی صفت سے متصف کرنا تخلیط وہذیان محض ہے کیونکہ ایک اچھا شاعر ایک مکمل صاحب عقل کا مقتضی ہوتا ہے جو دقیق وعمیق مطالب کو شستہ اور موزوں الفاظ کے قالب میں منظم طریقہ سے ڈھال سکے۔ بعض نے مجنون کو معطوف لیا ہے ای لشاعر و مجنون اور ترجمہ کیا ہے: کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے خداؤں کو ایک شاعر اور دیوانے کے کہنے سے۔

یعنی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور مجنون کہا اور آپ کی دعوت کو جنون (دیوانگی) اور قرآن کو شعر سے تعبیر کیا اور کہا کہ ایک دیوانے کی دیوانگی پر ہم اپنے معبودوں کو کیوں چھوڑیں؟ حالانکہ یہ دیوانگی نہیں، دانائی تھی، شاعری نہیں، حقیقت تھی اور اس دعوت کو اپنانے میں ان کی ہلاکت نہیں، نجات تھی۔

بل جاء بالحق وصدق المرسلین ۔ بل حرف اضراب ہے یعنی وہ (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) شاعر یا مجنون نہیں ہے یا دیوانہ شاعر نہیں ہے بلکہ وہ تو ایک دین حق لے کر آیا ہے۔ اور دوسرے سارے پیغمبروں کی تصدیق کرتا ہے صدق تصدیق (تفعیل) مصدر سے ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ وہ تصدیق کرتا ہے۔ المرسلین اسم مفعول جمع مذکر منصوب بوجہ مفعول ہے۔

إِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَأْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝

ہاں البتہ اللہ کے وہ بندے جنہیں رہائی مل چکی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے رزقِ خاص مقرّر ہے۔ میوے ہوں گے، اوران کی تعظیم وتکریم ہوگی۔ نعمتوں اورراحتوں کے باغات میں، تختوں پرمسند لگائے آمنے سامنے، اُن پر چھلکتی ہوئی شراب کے جام کادور چل رہا ہوگا۔ جونہایت سفید ہوگی، پینے والوں کے لئے سراسرلذّت ہوگی۔ نہ اس میں کوئی ضرر یاسَر کا چکرانا ہوگا اورنہ وہ اس سے بہک سکیں گے۔ اوران کے پہلو میں نگاہیں نیچی رکھنے والی، بڑی خوبصورت آنکھوں والی ہوں گی۔ گویا گردوغبار سے محفوظ انڈے ہوں۔

اہل جنت کیلئے نعمتوں کا بیان

"إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ" أَيْ الْمُؤْمِنِينَ اسْتِثْنَاء مُنْقَطِع أَيْ ذَكَرَ جَزَاءَهُمْ فِي الْآيَة التَّالِيَة "أُولَئِكَ لَهُمْ" فِي الْجَنَّة "رِزْق مَعْلُوم" بُكْرَة وَعَشِيًّا "فَوَاكِه" بَدَل أَوْ بَيَان لِلرِّزْقِ وَهُوَ مَا يُؤْكَل تَلَذُّذًا لَا لِحِفْظِ صِحَّة لِأَنَّ أَهْل الْجَنَّة مُسْتَغْنُونَ عَنْ حِفْظهَا بِخَلْقِ أَجْسَامهمْ لِلْأَبَدِ "وَهُمْ مُكْرَمُونَ" بِثَوَابِ اللَّه سُبْحَانه وَتَعَالَى "عَلَى سُرُر مُتَقَابِلِينَ" لَا يَرَى بَعْضهمْ قَفَا بَعْض

"يُطَاف عَلَيْهِمْ" عَلَى كُلّ مِنْهُمْ "بِكَأْسٍ" هُوَ الْإِنَاء بِشَرَابِهِ "مِنْ مَعِين" مِنْ خَمْر يَجْرِي عَلَى وَجْه الْأَرْض كَأَنْهَارِ الْمَاء

"بَيْضَاء" أَشَدّ بَيَاضًا مِنْ اللَّبَن "لَذَّة" لَذِيذَة "لِلشَّارِبِينَ" بِخِلَافِ خَمْر الدُّنْيَا فَإِنَّهَا كَرِيهَة عِنْد الشُّرْب

"لَا فِيهَا غَوْل" مَا يَغْتَال عُقُولهمْ "وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ" بِفَتْحِ الزَّاي وَكَسْرهَا مِنْ نَزَفَ الشَّارِب وَأَنْزَفَ: أَيْ يَسْكَرُونَ بِخِلَافِ خَمْر الدُّنْيَا

"وَعِنْدهمْ قَاصِرَات الطَّرْف" حَابِسَات الْأَعْيُن عَلَى أَزْوَاجهنَّ لَا يَنْظُرْنَ إِلَى غَيْرهمْ لِحُسْنِهِمْ عِنْدهنَّ "عِين" ضِخَام الْأَعْيُن حِسَانهَا

"كَأَنَّهُنَّ" فِي اللَّوْن "بَيْض" لِلنَّعَامِ "مَكْنُون" مَسْتُور بِرِيشِهِ لَا يَصِل إِلَيْهِ غُبَار وَلَوْنه وَهُوَ الْبَيَاض فِي صُفْرَة أَحْسَن أَلْوَان النِّسَاء

ہاں البتہ اللہ کے وہ اہل ایمان بندے جنہیں رہائی مل چکی ہے۔ یہ استثناء منقطع ہے اورآنے والی آیت میں اس کی جزاء کوذکر کیا گیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے صبح وشام جنت میں رزقِ خاص مقرّر ہے۔ ہرقسم کے میوے ہوں گے، یہاں پرلفظ فواکہ

یہ رزق سے بدل ہے یا بیان ہے۔اور وہ اس رزق کو لذت کیلئے کھائیں گے نہ کہ صحت کی حفاظت کیلئے، کیونکہ اہل جنت اجسام کی حفاظت سے بے پراہ ہوں گے۔اور اللہ تعالیٰ کے ثواب سے ان کی تعظیم وتکریم ہوگی۔نعمتوں اور راحتوں کے باغات میں، تختوں پر مسند لگائے آمنے سامنے جلوہ افروز ہوں گے۔یعنی وہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔اُن پر چھلکتی ہوئی شرابِ طہور کے جام کا دور چل رہا ہوگا۔اور کاٗس پینے کے برتن کو کہتے ہیں۔اور شراب طہور زمین پر ایسے چلتی ہوگی جس طرح پانی کی نہریں ہوتی ہیں۔جو نہایت سفید ہوگی، یعنی وہ دودھ سے زیادہ سفید ہوگی۔پینے والوں کے لئے سراسر لذّت ہوگی۔جبکہ دنیاوی شراب پینے کے وقت ناپسند ہوتی ہے۔نہ اس میں کوئی ضرر یعنی ان کی عقلیں زائل نہ ہوں گی یا سَر کا چکرانا ہوگا اور نہ وہ اس کے پینے سے بہک سکیں گے۔ یہاں پر لفظ ینزفون یہ زاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے جو نزف الشارب اُنزف سے ہے یعنی دنیاوی شراب کے خلاف نشہ آور نہ ہوگی۔اوران کے پہلو میں نگاہیں نیچی رکھنے والی، وہ کسی غیر طرف نظر بھی نہ کریں گی کیونکہ ان کے نزدیک ان کے شوہر سے بڑھ کر کوئی حسین نہ ہوگا۔بڑی خوبصورت آنکھوں والی حوریں بیٹھی ہوں گی۔وہ سفید و دلکش رنگت میں ایسے لگیں گی گویا گرد وغبار سے شتر مرغ کے محفوظ انڈے رکھے ہوں۔ان کا رنگ ایسا سفید ہوگا جس میں حسن کی زردی ہوگی جو عورتوں میں سب سے زیادہ حسن پسند کیا جاتا ہے۔

اہل تقویٰ کے لیے نجات اور انعامات کا بیان

اللہ تعالیٰ تمام لوگوں سے خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ تم المناک عذاب چکھنے والے ہو۔اور صرف اسی کا بدلہ دیئے جانے والے ہو جسے تم نے کیا دھرا ہے۔پھر اپنے مخلص بندوں کو اس سے الگ کر لیتا ہے جیسے والعصر میں فرمایا کہ تمام انسان گھاٹے میں ہیں۔مگر ایماندار نیک اعمال۔اور سورہ والتین میں فرمایا ہم نے انسان کو بہت اچھی پیدائش میں پیدا کیا پھر اسے نیچوں کا نیچ کر دیا مگر جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے۔

اور سورہ مریم میں فرمایا(وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا، مریم:71)تم میں سے ہر ایک جہنم پر وارد ہونے والا ہے یہ تو تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے اور یہ ضروری چیز ہے لیکن پھر ہم متقیوں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اسی میں گرے پڑے چھوڑ دیں گے۔سورہ مدثر میں ارشاد ہوا ہے۔(كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ، العنکبوت:57) ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں مشغول ہے مگر وہ جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال آ چکا ہے اسی طرح یہاں پر بھی اپنے خاص بندوں کا استثناء کر لیا کہ وہ المناک عذابوں سے حساب کے پھنساوے سے الگ ہیں بلکہ ان کی برائیوں سے درگذر فرمایا گیا ہے اور ان کی نیکیاں بڑھا چڑھا کر ایک کی دس دس گنی بلکہ سات سات سو گنی کر کے بلکہ اس سے بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر انہیں دی گئی ہیں۔ان کے لیے مقررہ روزی اور وہ قسم قسم کے میوہ جات ہیں۔وہ مخدوم ہیں، ذی عزت ہیں، ذی اکرام ہیں، ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے ہیں، بڑی آؤ بھگت ہوتی ہے، بڑا ادب لحاظ رکھا جاتا ہے۔یہ نعمتوں سے پر جنتوں میں ہیں۔وہاں کے تختوں پر اس طرح بیٹھے ہیں کہ کسی کی پیٹھ کسی کی طرف نہیں۔

ایک مرفوع غریب حدیث میں بھی ہے کہ اس آیت کی تلاوت کر کے آپ نے فرمایا ہر ایک کی نگاہیں دوسرے کے چہرے پر پڑیں گی، آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ اس شراب کے دوران میں چل رہے ہوں گے جو جاری ہے، جس کے ختم ہو جانے کم ہو جانے کا مطلق اندیشہ نہیں۔ جو ظاہر باطن میں آراستہ ہے خوبیاں ہیں برائیاں نہیں۔ رنگ کی سفید مزے کی بہت اچھی لذیذ۔ نہ اس کے پینے سے سر درد ہو نہ بک جھک لگے، دنیا کی شراب میں یہ آفتیں تھیں پیٹ کا درد سر کا درد بیہوشی بدحواسی وغیرہ لیکن جنت کی شراب میں ان میں سے ایک برائی بھی موجود نہیں رہی۔ دیکھنے میں خوش رنگ، پینے میں لذیذ، فوائد میں اعلیٰ، سرور و کیف میں عمدہ لیکن سدھ بدھ دور کر دینے والی بدمست بنا دینے والی نہیں، نہ بدبودار نہ بدنظر نہ قابل نفرت۔ بلکہ خوشبودار خوش رنگ خوش ذائق خوش فائدہ، اس کے پینے سے پیٹ میں درد نہیں ہوتا اور اس کی کثرت ضرر رساں نہیں خلاف طبع نہیں۔ سر بھاری نہیں ہو جاتا چکر نہیں آتے گرانی محسوس نہیں ہوتی۔ ہوش وحواس جاتے نہیں رہتے۔ کوئی ایذاء تکلیف قے متلی نہیں ہوتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دنیا کی شراب میں چار برائیاں ہیں، نشہ، سر درد، قے اور پیشاب۔ جنت کی شراب ان تمام برائیوں سے پاک ہے دیکھ لو سورہ الصافات۔ ان کے پاس نیچی نگاہوں والی شرمیلی نظروں والی پاک دامن عفیفہ حوریں ہیں جن کی نگاہ اپنے خاوندوں کے چہرے کے سوا کبھی کسی کے چہرے پر نہیں پڑتی اور نہ پڑیں گی۔ بڑی بڑی موٹی موٹی رسیلی آنکھیں ہیں حسن صورت حسن سیرت دونوں چیزیں ان میں موجود ہیں۔

جس طرح حضرت زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام میں یہ دونوں خوبیاں دیکھیں۔ عورتوں نے جب انہیں طعنے دینے شروع کئے تو ایک دن سب کو بلا کر بٹھا لیا اور حضرت یوسف کا پورا بناؤ سنگھار کرا کر بلایا عورتوں کی نگاہیں ان کے جمال کو دیکھ کر خیرہ ہو گئیں اور بیساختہ ان کے منہ سے نکل گیا کہ یہ تو فرشتہ ہیں۔ اسی وقت کہا یہی تو ہیں جن کے بارے میں تم سب مجھے ملامت کر رہی تھیں واللہ میں نے ان کو ہر چند اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن یہ پاک دامن ہی رہا۔ یہ باوجود جمال ظاہری کے حسن باطنی بھی رکھتا ہے۔ بڑا پاکباز امین پارسا متقی پرہیز گار ہے اسی طرح حوریں ہیں کہ جمال ظاہری کے ساتھ ہی باطنی خوبی بھی اپنے اندر رکھتی ہیں۔ پھر ان کا مزید حسن بیان ہو رہا ہے کہ ان کا گورا گورا جسم اور بھبو کا سا رنگ ایسا چمکیلا دلکش اور جاذب نظر ہے کہ گویا محفوظ موتی۔ جس تک کسی کا ہاتھ نہ پہنچا ہو، جو سیپ سے نہ نکلا ہو جسے زمانے کی ہوا نہ لگی ہو جو اپنی آبداری میں بے مثل ہو ایسے ہی انکے اچھوتے جسم ہیں یہ بھی کہا گیا کہ گویا وہ انڈے کی طرح ہیں۔ انڈے کے اوپر کے چھلکے کے نیچے چھوٹے چھلکے جیسے ان کے بدن ہیں۔ ایک حدیث میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حورعین سے مراد بہت بڑی آنکھوں والی سیاہ پلکوں والی حوریں ہیں۔ پھر پوچھا بیض مکنون سے کیا مراد ہے؟ فرمایا انڈے کے اندر کی سفید جھلی ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے میں کھڑا کیا جاؤں گا اور جبکہ وہ جناب باری میں پیش ہوں گے تو میں ان کا خطیب بنوں گا اور جب وہ غمگین ہو رہے ہوں گے تو میں انہیں خوشخبریاں سنانے والا ہوں گا اور ان کا سفارشی بنوں گا جب کہ یہ رکے ہوئے ہوں گے۔ حمد کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں

ہوگا۔حضرت آدم کی اولاد میں سے سب سے زیادہ اللہ کے ہاں اکرام وعزت والا میں ہوں یہ میں بطور فخر کے نہیں کہہ رہا۔میرے آگے پیچھے قیام کے دن ایک ہزار خادم گھوم رہے ہوں گے جو مثل چھپے ہوئے انڈوں یا اچھوت موتیوں کے ہوں گے۔واللہ اعلم بالصواب۔(تفسیر ابن کثیر،تفسیر ابن ابی حاتم، جامع البیان،سورہ صافات،بیروت)

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ۝ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ
الْمُصَدِّقِيْنَ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ۝ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ۝
پھر وہ آپس میں متوجہ ہوکر ایک دوسرے سے دریافت کریں گے۔ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ملنے والا تھا
وہ کہتا تھا کیا تم بھی یقین اور تصدیق کرنے والوں میں سے ہو۔کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے
تو کیا ہمیں بدلہ دیا جائے گا۔پھر وہ کہے گا کیا تم جھانک کر دیکھو گے۔

اہل جنت کا اہل دوزخ کی طرف دیکھنا بھی پسند نہ کرنے کا بیان

"فَأَقْبَلَ بَعْضهمْ" بَعْض أَهْل الْجَنَّة "عَلَى بَعْض يَتَسَاءَلُونَ" عَمَّا مَرَّ بِهِمْ فِي الدُّنْيَا "قَالَ قَائِل مِنْهُمْ إنِّي كَانَ لِي قَرِين" صَاحِب يُنْكِر الْبَعْث "يَقُول" لِي تَبْكِيتًا "أَإِنَّك لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ" بِالْبَعْثِ "أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا" فِي الْهَمْزَتَيْنِ فِي الثَّلَاثَة مَوَاضِع مَا تَقَدَّمَ "لَمَدِينُونَ" مَجْزِيُّونَ وَمُحَاسَبُونَ ؟ أَنْكَرَ ذَلِكَ أَيْضًا

"قَالَ" ذَلِكَ الْقَائِل لِإِخْوَانِهِ : "هَلْ أَنْتُمْ مُطَّلِعُونَ" مَعِي إلَى النَّار لِنَنْظُر حَاله ؟ فَيَقُولُونَ : لَا

پھر وہ اہل جنت آپس میں متوجہ ہوکر ایک دوسرے سے حال واحوال دریافت کریں گے۔جو دنیا میں ان پر گزرے ہوں گے ان میں سے ایک کہنے والا دوسرے سے کہے گا کہ میرا ایک ملنے والا تھا جو آخرت کا منکر تھا وہ مجھے کہتا تھا کیا تم بھی بعث پر یقین اور تصدیق کرنے والوں میں سے ہو۔کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہم مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے۔یہاں أئنا میں دونوں ہمزوں کے تینوں احوال گزر چکے ہیں۔تو کیا ہمیں اس حال میں بدلہ دیا جائے گا۔یعنی حساب کیا جائے گا۔پھر وہ جنتی اپنے بھائیوں سے کہے گا کیا تم اُسے جھانک کر دیکھو گے۔یعنی میرے ساتھ جھانک کر دوزخ میں دیکھنا پسند کرو گے تو وہ کہیں گے کہ نہیں۔

دنیا کے منکر بعث سے آخرت میں مکالمہ کرنے کا بیان

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اس شخص کی تعیین کے لئے ایک اور واقعہ نقل کیا ہے،جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو آدمی کاروبار میں شریک تھے،ان کو آٹھ ہزار دینار کی آمدنی ہوئی،اور دونوں نے چار چار ہزار دینار آپس میں بانٹ لئے۔ایک شریک نے اپنی رقم میں سے ایک ہزار دینار خرچ کر کے ایک زمین خریدی۔دوسرا ساتھی بہت نیک تھا،اس نے یہ دعا کی کہ یا اللہ فلاں شخص نے ایک ہزار دینار میں ایک زمین خریدی ہے،میں آپ سے ایک ہزار دینار کے عوض جنت میں زمین خریدتا ہوں۔اور ایک ہزار

دینار کا صدقہ کر دیا۔ پھر اس کے ساتھی نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے ایک گھر بنوایا۔

تو اس شخص نے کہایا اللہ فلاں شخص نے ایک ہزار دینار میں ایک گھر تعمیر کیا ہے، میں ایک ہزار دینار میں آپ سے جنت کا ایک گھر خریدتا ہوں یہ کہہ کر اس نے مزید ایک ہزار دینار صدقہ کر دیئے۔ اس کے بعد اس کے ساتھی نے ایک عورت سے شادی کی اور اس پر ایک ہزار دینار خرچ کر دیئے، تو اس نے کہایا اللہ فلاں نے ایک عورت سے شادی کر کے اس پر ایک ہزار دینار خرچ کر دیئے ہیں اور میں جنت کی عورتوں میں سے کسی کو پیغام دیتا ہوں اور یہ ایک ہزار دینار نذر کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ ایک ہزار بھی صدقہ کر دیئے۔ پھر اس کے ساتھی نے ایک ہزار دینار میں کچھ غلام اور سامان خریدا تو اس نے پھر ایک ہزار صدقہ کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کے عوض جنت کے غلام اور جنت کا سامان طلب کیا۔

اس کے بعد اتفاق سے اس مومن بندے کو کوئی شدید حاجت پیش آئی، اسے خیال ہوا کہ میں اپنے سابق شریک کے پاس جاؤں تو شاید وہ نیکی کا ارادہ کرے۔ چنانچہ اس نے اپنے ساتھی سے اپنی ضرورت کا ذکر کیا، ساتھی نے پوچھا، تمہارا مال کیا ہوا؟ اس کے جواب میں اس نے پورا قصہ سنا دیا۔

اس پر اس نے حیران ہو کر کہا کہ کیا واقعی تم اس بات کو سچا سمجھتے ہو کہ ہم جب مر کر خاک ہو جائیں گے تو ہمیں دوسری زندگی ملے گی، اور وہاں ہم کو ہمارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، جاؤ، میں تمہیں کچھ نہیں دوں گا اس کے بعد دونوں کا انتقال ہو گیا۔ مذکورہ آیات میں جنتی سے مراد وہ بندہ ہے جس نے آخرت کی خاطر اپنا سارا مال صدقہ کر دیا تھا اور اس کا جہنمی ملاقاتی وہی شریک کاروبار ہے جس نے آخرت کی تصدیق کرنے پر اس کا مذاق اڑایا تھا۔ (تفسیر الدر المنثور، سورہ صافات، لاہور)

دنیا کافر کیلئے جنت جبکہ صاحب ایمان کیلئے امتحان ہونے کا بیان

جب جنتی موج مزے اڑاتے ہوئے، بے فکری اور فارغ البالی کے ساتھ جنت کے بلند و بالا خاتون میں عیش و عشرت کے ساتھ آپس میں مل جل کر تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے ہزار ہا پری جمال خدام سلیقہ شعاری سے کمر بستہ خدمت پر مامور ہوں گے حکم احکام دے رہے ہوں گے قسم قسم کے کھانے پینے پہننے اوڑھنے اور طرح طرح کی لذتوں سے فائدہ مندی حاصل کرنے میں مصروف ہوں گے۔ دور شراب طہور چل رہا ہوگا وہاں باتوں ہی باتوں میں یہ ذکر نکل آئے گا کہ دنیا میں کیا کیا گذرے کیسے کیسے دن کٹے۔ اس پر ایک شخص کہے گا میری سنو میرا شیطان میرا ایک مشرک ساتھی تھا جو مجھ سے اکثر کہا کرتا تھا کہ تعجب سا تعجب ہے کہ تو اس بات کو مانتا ہے کہ جب ہم مر کر مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں ہم کھوکھلی بوسیدہ سڑی گلی ہڈی بن جائیں اس کے بعد بھی ہم حساب کتاب جزا سزا کے لیے اٹھائے جائیں گے مجھے وہ شخص جنت میں تو نظر آتا نہیں کیا عجب کہ وہ جہنم میں گیا ہو تو اگر چاہو تو میرے ساتھ چل کر جھانک کر دیکھ لو جہنم میں اس کی کیا درگت ہو رہی ہے۔

اب جو جھانکتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہ شخص سرتاپا جل رہا ہے خود وہ آگ بن رہا ہے جہنم کے درمیان میں کھڑا ہے اور بے بسی کے ساتھ جل بھن رہا ہے اور ایک اسے ہی کیا دیکھے گا کہ تمام بڑے بڑے لوگوں سے جہنم بھرا ہے۔ کعب احبار فرماتے ہیں جنت میں

اسے دیکھتے ہی کہے گا کہ حضرت آپ نے تو وہ پھندا ڈالا تھا کہ مجھے تباہ ہی کر ڈالتے لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہارے پنجے سے چھڑا دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم میرے شامل حال نہ ہوتا تو بڑی بری درگت ہوتی اور میں بھی تیری ساتھ کھنچا یہیں جہنم میں آ جاتا اور جلتا رہتا۔

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تیری تیز کلامی چرب زبانی سے مجھے عافیت میں رکھا اور تیرے اثر سے مجھے محفوظ رکھا۔ تو نے تو فتنے بپا کرنے میں کوئی کمی باقی نہیں رکھی تھی۔ اب مومن اور ایک بات کہتا ہے جس میں اس کی اپنی تسکین اور کامیابی کی خبر ہے کہ وہ پہلی موت تو مر چکا ہے اب ہمیشہ کے گھر میں ہے نہ یہاں اس پر موت ہے نہ خوف ہے نہ عذاب ہے نہ وبال ہے اور یہی بہترین کامیابی فلاح ابدی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ جنتیوں سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کے بدلے اپنی پسند کا جتنا چاہے کھاؤ پیو اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ جنتی جنت میں مریں گے نہیں تو وہ یہ سن کر سوال کریں گے کہ کیا اب ہمیں موت تو نہیں آنے کی۔ کسی وقت عذاب تو نہیں ہوگا؟ تو جواب ملے گا نہیں ہرگز نہیں۔ چونکہ انہیں کھٹکا تھا کہ موت آ کر یہ لذتیں فوت نہ کر دے جب یہ دھڑکا ہی جاتا رہا تو وہ سکون کا سان لے کر کہیں گے شکر ہے یہ تو کھلی کامیابی ہے اور بڑی ہی مقصد یاوری ہے۔ اس کے بعد فرمایا ایسے ہی بدلے کے لیے عاملوں کو عمل کرنا چاہیے قتادہ رضی اللہ عنہ تو فرماتے ہیں یہ اہل جنت کا مقولہ ہے۔

دنیا کے ایک کافر اور مسلمان ساتھی کے واقعہ کا بیان

امام ابن جریر فرماتے ہیں اللہ کا فرمان ہے مطلب یہ ہے کہ ان جیسی نعمتوں اور رحمتوں کے حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو دنیا میں بھرپور رغبت کے ساتھ عمل کرنا چاہیے، تا کہ انجام کار ان نعمتوں کو حاصل کر سکیں۔ اسی آیت کے مضمون سے ملتا جلتا ایک قصہ ہے اسے بھی سن لیجیے۔ دو شخص آپس میں شریک تھے ان کے پاس آٹھ ہزار اشرفیاں جمع ہو گئیں ایک چونکہ پیشے حرفے سے واقف تھا اور دوسرا ناواقف تھا اس لیے اس واقف کار نے ناواقف سے کہا کہ اب ہمارا نباہ مشکل ہے آپ اپنا حق لے کر الگ ہو جائیے کیونکہ آپ کام کاج سے ناواقف ہیں۔ چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے حصے الگ الگ کر لیے اور جدا جدا ہو گئے۔ پھر اس حرفے والے نے بادشاہ کے مر جانے کے بعد اس کا شاہی محل ایک ہزار دینار میں خریدا اور اپنے اس ساتھی کو بلا کر اسے دکھایا اور کہا بتاؤ میں نے کیسی چیز لی؟ اس نے بڑی تعریف کی اور یہاں سے باہر چلا اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور کہا اللہ اس میرے ساتھی نے تو ایک ہزار دینار کا قصر دنیاوی خرید کیا ہے اور میں تجھ سے جنت کا محل چاہتا ہوں میں تیرے نام پر تیرے مسکین بندوں پر ایک ہزار اشرفی خرچ کرتا ہوں۔

چنانچہ اس نے ایک ہزار دینار اللہ کی راہ خرچ کر دیئے۔ پھر اس دنیا دار شخص نے ایک زمانہ کے بعد ایک ہزار دینار خرچ کر کے اپنا نکاح کیا دعوت میں اپنے اس پرانے شریک کو بھی بلایا اور اس سے ذکر کیا کہ میں نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے اس عورت سے شادی کی ہے۔ اس نے اس کی بھی تعریف کی باہر آ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک ہزار دینار دیئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ بارالٰہی میرے ساتھی نے اتنی ہی رقم خرچ کر کے یہاں ایک عورت حاصل کی ہے اور اس رقم سے تجھ سے میں عورعین کا طالب

ہوں اور وہ رقم اللہ کی راہ میں صدقہ کر دی۔

پھر کچھ مدت کے بعد اسنے اسے بلا کر کہا کہ دو ہزار کے دو باغ میں نے خرید کئے ہیں دیکھ لو کیسے ہیں؟ اس نے دیکھ کر بہت تعریف کی اور باہر آ کر اپنی عادت کے مطابق جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ اللہ میرے ساتھی نے دو ہزار کے دو باغ یہاں کے خریدے ہیں میں تجھ سے جنت کے دو باغ چاہتا ہوں اور یہ دو ہزار دینار تیرے نام پر صدقہ ہیں چنانچہ اس رقم کو مستحقین میں تقسیم کر دیا۔ پھر فرشتہ ان دونوں کو فوت کر کے لے گیا اس صدقہ کرنے والے کو جنت کے ایک محل میں پہنچایا گیا جہاں پر ایک بہترین حسین عورت بھی اسے ملی اور اسے دو باغ بھی دیئے گئے اور وہ وہ نعمتیں ملیں جنہیں بجز اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا تو اسے اس وقت اپنا وہ ساتھی یاد آ گیا فرشتے نے بتایا کہ وہ تو جہنم میں ہے۔

تم اگر چاہو تو جھانک کر اسے دیکھ سکتے ہو اس نے جب اسے بیچ جہنم میں جلتا دیکھا تو اس نے کہا کہ قریب تھا کہ تو مجھے بھی چکمہ دے جاتا اور یہ تو رب کی مہربانی ہوئی کہ میں بچ گیا۔ ابن جریر فرماتے ہیں یہ تشدید والی قرأت کی مزید تائید کرتی ہے اور روایت میں ہے کہ تین تین ہزار دینار تھے ایک کافر تھا ایک مومن تھا جب یہ مومن اپنی کل رقم راہ اللہ خرچ کر چکا تو ٹوکری سر پر رکھ کر کدال پھاوڑا لے کر مزدوری کے لیے چلا اسے ایک شخص ملا اور کہا اگر تو میرے جانوروں کی سائیسی کرے اور گوبر اٹھائے تو میں تجھے کھانے پینے کو دے دوں گا اس نے منظور کر لیا اور کام شروع کر دیا۔

لیکن یہ شخص بڑا بے رحم بدگمان تھا جہاں اس نے کسی جانور کو بیمار یا دبلا پتلا دیکھا اس مسکین کی گردن توڑتا خوب مارتا پیٹتا اور کہتا کہ اس کا دانہ تو چرا لیتا ہو گا۔ اس مسلمان سے یہ سختی برداشت نہ کی گئی تو ایک دن اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں اپنے کافر شریک کے ہاں چلا جاؤں اس کی کھیتی ہے باغات ہیں وہاں کام کاج کر دوں گا اور وہ مجھے روٹی ٹکڑا دے دیا کرے گا اور مجھے کیا لینا دینا ہے؟ وہاں جو پہنچا تو شاہی ٹھاٹھ دیکھ کر حیران ہو گیا، ایک بلند بالا محل ہے دربان ڈیوڑھی اور پہرے دار کی چوکی دار غلام لونڈیاں سب موجود ہیں یہ ٹھٹکا اور دربانوں نے اسے روکا۔

اس نے ہر چند کہا کہ تم اپنے مالک سے میرا ذکر تو کرو انہوں نے کہا اب وقت نہیں تم ایک کونے میں پڑے رہو صبح جب وہ نکلیں تو خود سلام کر لینا اگر تم سچے ہو تو وہ تمہیں پہچان ہی لیں گے ورنہ ہمارے ہاتھوں تمہاری پوری مرمت ہو جائے گی، اس مسکین کو یہی کرنا پڑا جو کمبل کا ٹکڑا یہ جسم سے لپیٹے ہوئے تھا اسی کو اس نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور ایک کونے میں دبک کر پڑ گیا صبح کے وقت اس کے راستے پر جا کھڑا ہوا جب وہ نکلا اور اس پر نگاہ پڑی تو تعجب ہو کر پوچھا کہ ہیں؟

یہ کیا حالت ہے مال کا کیا ہوا؟ اس نے کہا وہ کچھ نہ پوچھ اس وقت تو میرا کام جو ہے اسے پورا کر دو یعنی مجھے اجازت دو کہ میں تمہاری کھیتی باڑی کا کام مثل اور نوکروں کے کروں اور آپ مجھے صرف کھانا دے دیا کیجئے اور جب یہ کمبل پھٹ ٹوٹ جائے تو ایک کمبل اور خرید دینا۔ اس نے کہا نہیں نہیں میں اس سے بہتر سلوک تمہارے ساتھ کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن پہلے تم یہ بتاؤ کہ اس رقم کو تم نے کیا کیا؟ کہا میں نے اسے ایک شخص کو قرض دی ہے۔ کہا کسے؟ کہا ایسے کو جو نہ لے کر مکرے نہ دینے سے انکار کرے کہا وہ

کون ہے؟ اس نے جواب دیا وہ اللہ تعالیٰ ہے جو میرا اور تیرا رب ہے۔
یہ سنتے ہی اس کافر نے اس مسلمان کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑا لیا اور اس سے کہا احمق ہوا ہے یہ ہو بھی سکتا ہے کہ ہم مر کر مٹی ہو کر پھر جئیں اور اللہ ہمیں بدلے دے؟ جا جب تو ایسا ہی بودا اور ایسے عقیدوں والا ہے تو مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں۔
پس وہ کافر تو مزے اڑاتا رہا اور یہ مومن سختی سے دن گزارتا رہا یہاں تک کہ دونوں کو موت آ گئی۔ مسلمان کو جنت میں جو جو نعمتیں اور رحمتیں ملیں وہ انداز و شمار سے زیادہ تھیں اس نے جو دیکھا کہ حد نظر سے بلکہ ساری دنیا سے زیادہ تو زمین ہے اور بیشمار درخت اور باغات ہیں اور جا بجا نہریں اور چشمے ہیں تو پوچھا یہ سب کیا ہے؟ جواب ملا یہ سب آپ کا ہے۔ کہا سبحان اللہ! اللہ کی یہ تو بڑی ہی مہربانی ہے۔ اب جو آگے بڑھا تو اس قدر لونڈی غلام دیکھے کہ گنتی نہیں ہو سکتی، پوچھا یہ کس کے ہیں؟ کہا گیا سب آپ کے۔ اسے اور تعجب اور خوشی ہوئی۔
پھر جو آگے بڑھا تو سرخ یاقوت کے محل نظر آئے ایک موتی کا محل، ہر ہر محل میں کئی کئی حورعین، ساتھ ہی اطلاع ہوئی کہ یہ سب بھی آپ کا ہے پھر تو اس کی باچھیں کھل گئیں۔ کہنے لگا اللہ جانے میرا وہ کافر ساتھی کہاں ہوگا؟ اللہ اسے دکھائے گا کہ وہ بیچ جہنم میں جل رہا ہے۔ اب ان میں وہ باتیں ہوں گی جن کا ذکر یہاں ہوا ہے پس مومن پر دنیا میں جو بلائیں آئی تھیں انہیں وہ یاد کرے گا تو موت سے زیادہ بھاری بلا اسے کوئی نظر نہ آئے گی۔ (تفسیر جامع البیان، ابن کثیر، سورہ صافات، بیروت)

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ۝ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ۝ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ
مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ۝ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ۝
پھر وہ جھانکے گا تو اسے دوزخ کے وسط میں پائے گا۔ کہے گا خدا کی قسم! تو اس کے قریب تھا کہ مجھے بھی ہلاک کر ڈالے۔
اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں حاضر کئے جانے والوں میں شامل ہو جاتا۔ سو کیا اب ہم مریں گے تو نہیں۔
اپنی پہلی موت کے سوا اور نہ ہم پر کبھی عذاب کیا جائے گا۔

اہل جنت اور اہل جہنم کیلئے دائمی حیات ہونے کا بیان

"فَاطَّلَعَ" ذَلِكَ الْقَائِل مِنْ بَعْض كُوَى الْجَنَّة "فَرَآهُ" أَيْ رَأَى قَرِينه "فِي سَوَاء الْجَحِيم" فِي وَسَط النَّار، "قَالَ" لَهُ تَشْمِيتًا "تَاللَّهِ إنْ" مُخَفَّفَة مِنْ الثَّقِيلَة "كِدْت" قَارَبْت "لَتُرْدِينِي" لِتُهْلِكنِي بِإِغْوَائِك "وَلَوْلَا نِعْمَة رَبِّي" عَلَيَّ بِالْإِيمَانِ "لَكُنْت مِنْ الْمُحْضَرِينَ" مَعَك فِي النَّار وَتَقُول أَهْل الْجَنَّة: "إلَّا مَوْتَتنَا الْأُولَى" أَيْ الَّتِي فِي الدُّنْيَا "وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ" هُوَ اسْتِفْهَام تَلَذُّذ وَتَحَدُّث بِنِعْمَةِ اللَّه تَعَالَى مِنْ تَأْبِيد الْحَيَاة وَعَدَم التَّعْذِيب،

پھر وہ یعنی ان اہل جنت میں سے جو اپنے ساتھی کی جانب جھانکے گا تو اسے دوزخ کی آگ کے بالکل وسط میں پائے گا۔ اس

اپنے ملاقاتی سے کہے گا خدا کی قسم! تو اس کے قریب تھا کہ مجھے بھی ہلاک کر ڈالے۔ یعنی میں نے بھی تیری گمراہی کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا تھا۔ اور اگر میرے رب کا احسان یعنی ایمان نہ ہوتا تو میں بھی تمہارے ساتھ عذاب میں حاضر کئے جانے والوں میں شامل ہو جاتا۔ سو جنتی خوشی سے پوچھیں گے کیا اب ہم مریں گے تو نہیں۔ اپنی پہلی موت کے سوا جو دنیا میں آئی۔ اور نہ ہم پر کبھی عذاب کیا جائے گا۔ یہ استفہام برائے لذت ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرنے کے طور پر ہے جو ہمیشہ کی زندگی اور عذاب نہ ہونے کے طور پر ہے۔

آخرت میں اہل جنت اور اہل دوزخ کے پاس موت نہ آنے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں "جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں (اپنی اپنی جگہ) جالیں گے تو موت کو لایا جائے گا (اور بعض روایتوں میں یہ ہے کہ موت کو ایک دنبہ کی شکل میں لایا جائے گا) اور اس کو جنت و دوزخ کے درمیان ڈال کر ذبح کر دیا جائے گا، پھر اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ اے جنتیوں! (سن لو) اب موت کا کوئی وجود نہیں رہا (جو بھی شخص جہاں اور جس حالت میں ہے، اس پر کبھی موت کا سایہ نہیں پڑے گا، ہر ایک کو ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی حاصل ہوگئی ہے) اور اے دوزخیو! (تم بھی سن لو) اب موت کا کوئی وجود نہیں رہا۔ (یہ اعلان سن کر) اہل جنت کی فرحت و مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہے گا اور اہل دوزخ رنج وغم کے دریا میں اور زیادہ ڈوب جائیں گے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 159)

حضرت ابوسعید خدری و حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت میں ایک منادی کرنے والا یہ منادی کیا کرے گا (کہ اے جنتیو!) تم صحت وتندرستی کے ساتھ رہو تمہیں کبھی بھی کوئی بیماری لاحق نہیں ہوگی تم ہمیشہ ہمیشہ زندہ سلامت رہو موت کبھی تمہارے پاس بھی نہیں آئے گی، تم سدا جوان رہو بڑھاپا کبھی تمہارے پاس بھی نہیں پھٹکے گا اور تم عیش وعشرت کی زندگی گزارو کسی بھی طرح کے فکر وغم اور رنج والم کا تم تک گزر بھی نہیں ہوگا۔"

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 189)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جنت میں حوران عین کے اجتماع کی ایک جگہ ہوگی (جہاں وہ حوریں سیر وتفریح اور ایک دوسرے سے ملنے کے لئے جمع ہوا کریں گی) اور وہاں بلند آواز سے گیت گائیں گی (ان کی آواز اس قدر دل کش اور حسین ہوگی کہ) مخلوقات میں سے کسی نے ایسی آواز کبھی سنی نہیں ہوگی، وہ حوریں اس طرح کا گیت گائیں گی: ہمیں زندگی میں دوام حاصل ہے، ہم کبھی موت کی آغوش میں نہیں جائیں گی ہم عیش وچین کے ساتھ رہنے والی ہیں ہم کبھی سختی و پریشانی نہیں دیکھیں گی ہم اپنے پروردگار یا اپنے خاوندوں سے راضی وخوش رہنے والی ہیں، ہم کبھی ناخوش نہیں ہوں گی ہر اس شخص کے لئے مبارکبادی ہے جو (جنت میں) ہمارے لئے ہے اور ہم اس کے لئے ہیں۔

(ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 214)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ○ اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا
اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ○ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ○ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ

اَصْلِ الْجَحِیْمِ○ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ○
بیشک یہی تو عظیم کامیابی ہے۔ایسی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔ بھلا یہ مہمانی بہتر ہے یا زقوم کا درخت۔
بیشک ہم نے اس کو ظالموں کے لئے عذاب بنایا ہے۔ بیشک یہ ایک درخت ہے جو دوزخ کے سب سے نچلے
حصہ سے نکلتا ہے۔اس کے خوشے ایسے ہیں گویا شیطانوں کے سر ہوں۔

اہل دوزخ کیلئے درخت زقوم کا بیان

"إِنَّ هَذَا" الَّذِي ذُكِرَتْ لِأَهْلِ الْجَنَّة "لِمِثْلِ هَذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ" قِيلَ لَهُمْ ذَلِكَ وَقِيلَ هُمْ يَقُولُونَهُ "أَذَلِكَ" الْمَذْكُور لَهُمْ "خَيْر نُزُلًا" وَهُوَ مَا يُعَدّ لِلنَّازِلِ مِنْ ضَيْف وَغَيْره "أَمْ شَجَرَة الزَّقُّوم" الْمُعَدَّة لِأَهْلِ النَّار وَهِيَ مِنْ أَخْبَث الشَّجَر الْمُرّ بِتِهَامَة يُنْبِتهَا اللَّه فِي الْجَحِيم كَمَا سَيَأْتِي

"إِنَّا جَعَلْنَاهَا" بِذَلِكَ "فِتْنَة لِلظَّالِمِينَ" أَيْ الْكَافِرِينَ مِنْ أَهْل مَكَّة إِذْ قَالُوا : النَّار تُحْرِق الشَّجَر فَكَيْفَ تُنْبِتهُ "إِنَّهَا شَجَرَة تَخْرُج فِي أَصْل الْجَحِيم" أَيْ قَعْر جَهَنَّم وَأَغْصَانهَا تَرْتَفِع إِلَى دَرَكَاتهَا "طَلْعهَا" الْمُشَبَّه بِطَلْعِ النَّخْل "كَأَنَّهُ رُءُوس الشَّيَاطِين" الْحَيَّات الْقَبِيحَة الْمَنْظَر

بیشک یہی یعنی اہل جنت کی ذکر کردہ کامیابی تو عظیم کامیابی ہے۔ایسی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔کہا گیا ہے کہ یہ بات انہیں کہی گئی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بات اہل جنت آپس میں کہیں گے۔ بھلا یہ مذکورہ مہمانی بہتر ہے یا زقوم کا درخت۔جو جہنمیوں کیلئے تیار کیا گیا ہے۔اور وہ خبیث ترین درخت ہے جو کڑوا ہے جس کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں اگائے گا۔جس طرح عنقریب آرہا ہے۔ بیشک ہم نے اس درخت کو ظالموں یعنی کفار اہل مکہ کے لئے عذاب بنایا ہے۔جب انہوں نے کہا کہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے۔تو وہ دوزخ میں کیسے اگ سکے گا۔ بیشک یہ ایک درخت ہے جو دوزخ یعنی قعر دوزخ کے سب سے نچلے حصہ سے نکلتا ہے۔جبکہ اس کی ٹہنیاں نیچے والے درجوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔اور اس کی ٹہنیاں کھجور کی ٹہنیوں کے مشابہ ہیں۔اس کے خوشے ایسے ہیں گویا بدنما شیطانوں کے سر ہوں۔جو دیکھنے والوں کو برے لگتے ہیں۔

دوزخ کی چوڑائی کا چالیس برس کی مسافت کے برابر ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کے احاطہ کے لئے چار دیواریں ہوں گی جن میں سے ہر دیوار کی چوڑائی چالیس برس کی مسافت کے برابر ہوگی۔

(ترمذی)

حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخیوں کے زخموں سے جو زرد پانی بہے گا (یعنی خراب خون اور پیپ) اگر اس کا ڈول بھر کر دنیا میں انڈیل دیا جائے تو یقیناً تمام دنیا والے سڑ جائیں۔(ترمذی)

جہنمی تھوہر کے درخت کا ایک قطرہ دنیا کو تباہ کیلئے کافی ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ،آل عمران:102) تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا اگر (دوزخ کے) زقوم یعنی تھوہر کے درخت کا ایک قطرہ بھی اس دنیا کے گھر میں ٹپک پڑے تو یقیناً دنیا والوں کے سامان زندگی کو تہس نہس کر دے پھر (سوچو) اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کی خوراک ہی زقوم ہوگی۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 246)

حق تقاتہ (جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے) کا مطلب یہ ہے، واجبات کو بجالانا اور سیأات سے پرہیز کرنا۔ حضرت ابن مسعود نے ان الفاظ کی تفسیر یوں بیان کی ہے کہ۔ ھو ان یطاع فلا یعصی ویشکر فلایکفر ویذکر فلا ینسی ۔ وہ (اللہ سے ڈرنے کا حق) یہ ہے کہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے اور کسی حال میں اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے اور کسی بھی حال میں کفران نعمت نہ کیا جائے، اس کو یاد کیا جائے اور کسی بھی حال میں اس کو بھولا نہ جائے۔ حاکم نے یہ تفسیر ووضاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے۔

اسی طرح ابن مردویہ اور ابن حاتم نے بھی اور محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، بہر حال اگر یہ الفاظ حق تقاتہ کمال تقویٰ کو بیان کرنے کے لئے ہیں (یعنی یہ کہا جائے کہ "حق تقاتہ" سے مراد کمال تقویٰ ہے) تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں ہوگا اور اگر ان الفاظ کو اصل تقویٰ کی تعبیر قرار دیا جائے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ یہ آیت قرآن ہی کی اس دوسری آیت (فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ، التغابن: 16) کے ذریعہ منسوخ ہے کیونکہ اصل تقویٰ یعنی حق تعالیٰ سے اس کے مرتبہ کے لائق حیثیت بھلا کون بشر اختیار کر سکتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کرنے کے بعد جو مضمون ارشاد فرمایا وہ اس آیت کے ساتھ کیا مناسبت رکھتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل تقویٰ، عذاب دوزخ سے سلامت ومحفوظ رکھنے کا سبب ہے اور تقویٰ اختیار نہ کرنا گویا عذاب دوزخ میں گرفتار ہونا ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مناسبت سے دوزخ کے بعض عذاب کا ذکر کرنا مناسب سمجھا۔

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّ
مَرْجِعَهُمْ لَاۡ اِلَى الْجَحِيْمِ ۝ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ۝
پس وہ اسی میں سے کھانے والے ہیں اور اسی سے پیٹ بھرنے والے ہیں۔ پھر یقیناً اُن کے لئے اس پر ملا ہوا
نہایت گرم پانی ہوگا پھر یقیناً ان کا دوزخ ہی کی طرف پلٹنا ہوگا۔ بے شک انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا۔
سو وہ انہی کے نقش قدم پر دوڑائے جا رہے ہیں۔

اہل دوزخ کے بعض احوال کا بیان

"فَإِنَّهُمْ" أَيْ الْكُفَّار "لَآكِلُونَ مِنْهَا " مَعَ قُبْحهَا لِشِدَّةِ جُوعهمْ "ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِنْ حَمِيم" أَيْ مَاء حَارّ يَشْرَبُونَهُ فَيَخْتَلِط بِالْمَأْكُولِ مِنْهَا فَيَصِير شَوْبًا لَهُ

"ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعهمْ لَإِلَى الْجَحِيم " يُفِيد أَنَّهُمْ يَخْرُجُونَ مِنْهَا لِشُرْبِ الْحَمِيم وَأَنَّهُ خَارِجهَا "إِنَّهُمْ أَلْفَوْا" وَجَدُوا "فَهُمْ عَلَى آثَارهمْ يُهْرَعُونَ" يُزْعَجُونَ إِلَى اتِّبَاعهمْ فَيُسْرِعُونَ إِلَيْهِ

پس وہ کفار اسی میں سے کھانے والے ہیں حالانکہ وہ نہایت قبیح ہوگا لیکن بھوک کی شدت کی وجہ سے کھائیں گے۔ اور اسی سے پیٹ بھرنے والے ہیں۔ پھر یقیناً اُن کے لئے اس کھانے پر پیپ کا ملا ہوا نہایت گرم پانی ہوگا۔ یعنی وہ پانی جو انتڑیوں کو کاٹ دے گا وہ ان کے کھانے میں مل جائے گا۔ پس وہ زقوم والے پانی جیسا ہو جائے گا۔

پھر یقیناً ان کا دوزخ ہی کی طرف دوبارہ پلٹنا ہوگا۔ یعنی وہ ایسا پانی پینے کیلئے دوزخ سے باہر نکلیں گے کیونکہ وہ باہر ہے۔ بے شک انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا۔ سو وہ انہی کے نقشِ قدم پر دوڑائے جا رہے ہیں۔ یعنی ان کی اتباع کی جانب جلدی سے چلتے تھے۔

جہنم میں دوزخیوں کے احوال کا بیان

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخیوں پر بھوک اس طرح مسلط کر دی جائے گی کہ اس بھوک کی اذیت اس عذاب کے برابر ہوگی جس میں وہ دوزخی پہلے سے گرفتار ہونگے چنانچہ وہ بھوک کی اذیت سے بے تاب ہو کر فریاد کریں گے اور ان کی فریاد رسی ضریع کے کھانے کے ذریعہ کی جائے گی جو نہ فربہ کرے گی نہ بھوک کو دفع کرے گا پھر وہ پہلے کھانے کو لا حاصل دیکھ کر دوسری مرتبہ فریاد کریں گے اور اس مرتبہ ان کی فریاد رسی گلے میں پھنسی جانے والے کھانے کے ذریعہ کی جائے گی اس وقت ان کو یہ یاد آئے گا کہ جب (دنیا میں) کھاتے وقت ان کے گلے میں پھنس جاتی تھی تو اس کو وہ کسی پینے والی چیز سے نیچے اتارتے تھے چنانچہ وہ اپنے گلے میں پھنسے ہوئے کھانے کو اتارنے کے لئے کسی پینے والی چیز کی التجاء کریں گے تب ان کو تیز گرم پانی دیا جائے گا جس کو زنبوروں کے ذریعہ پکڑ کر اٹھایا جائے گا یعنی جن برتنوں میں وہ تیز گرم پانی ہوگا وہ زنبوروں کے ذریعہ پکڑ کر اٹھائے جائیں گے اور اٹھانے والے یا تو فرشتے ہوں گے یا براہ راست دست قدرت ان کو اٹھا کر دوزخیوں کے منہ کو لگائے گا اور جب گرم پانی کے وہ برتن ان کے مونہوں تک پہنچے گے تو ان کے چہروں (کے گوشت) کو بھون ڈالیں گے اور جب ان برتنوں کے اندر کی چیز (جو ان کو پینے کے لئے دی جائے گی جیسے پیپ پیلا پانی وغیرہ) ان کے پیٹ میں داخل ہوگی تو پیٹ کے اندر کی چیزوں (یعنی آنتوں وغیرہ) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی پس اس صورت حال سے بیتاب ہو کر "وہ دوزخی (جہنم پر) متعین فرشتوں سے کہیں گے اے دوزخ کے سنتریو! اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ کم سے کم ایک ہی دن کے لئے ہمارے اوپر مسلط اس عذاب کو ہلکا کر دے دوزخ کے سنتری جواب دیں گے کہ (اب ہم سے دعا کے لئے کہتے ہو) کیا اللہ کے رسول خدائی معجزے اور واضح دلیلیں

نے کر تمہارے پاس نہیں آئے تھے (اور تم سے یہ نہ کہتے تھے کہ کفر و سرکشی کی راہ چھوڑ کر اللہ کے اطاعت و فرمانبرداری کا راستہ اختیار کر لو تا کہ کل آخرت میں دوزخ کے سخت عذاب سے محفوظ رہ سکو؟) وہ کہیں گے کہ بے شک اللہ کے رسول ہمارے پاس آئے تھے اور ان کی تعلیمات ہم تک پہنچی تھی، لیکن وائے افسوس ہم گمراہی میں پڑے رہے اور ایمان و سلامتی کی راہ اختیار نہ کر سکے دوزخ کے سنتری کہیں گے کہ پھر تو تم خود ہی دعا کرو اور اپنا معاملہ سمجھو ہم تو تمہاری شفاعت کرنے سے رہے اور کافروں کی دعا زبان کاری و بے فائدگی کے علاوہ کچھ نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخی جب جہنم کے سنتریوں سے دعا و شفاعت کرنے میں ناکام ہو جائیں گے اور انہیں سخت مایوسی کا منہ دیکھنا پڑے گا تو وہ یقین کر لیں گے کہ ہمیں عذاب الٰہی سے نجات ملنے والی نہیں ہے پھر کیوں نہ موت ہی مانگی جائے چنانچہ وہ آپس میں کہیں گے کہ مالک یعنی داروغہ جنت سے مدد کی درخواست کرو! اور پھر وہ التجاء کریں گے کہ اے مالک اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ ہمیں موت دے دے تا کہ ہمیں آرام مل جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخیوں کی التجاء سن کر مالک خود اپنی طرف سے یا پروردگار کی طرف جواب دے گا کہ اس دوزخ سے نجات یا موت کا خیال چھوڑ دو تمہیں ہمیشہ ہمیشہ یہیں اور اسی عذاب میں گرفتار رہنا ہے" حضرت اعمش (جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں) کہتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام نے (بطریق مرفوع یا موقوف) مجھ سے بیان کیا کہ مالک سے ان دوزخیوں کی التجاء اور مالک کی طرف سے ان کو جواب دینے کے درمیان ایک ہزار برس کا وقفہ ہوگا یعنی وہ دوزخی مالک سے التجاء کرنے کے بعد ایک ہزار سال تک جواب کا انتظار کرتے رہیں گے اور اس دوران بھی اس عذاب میں مبتلا رہیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر وہ دوزخی (آپس میں) کہیں گے کہ اب ہمیں براہ راست اپنے پروردگار ہی سے نجات کی التجا کرنی چاہئے کیونکہ وہی قادر مطلق رحیم و کریم اور غفار ہے) ہمارے حق میں بھلائی و بہتری کرنے والا اس پروردگار سے بہتر اور کوئی نہیں چنانچہ وہ التجا کریں گے کہ ہمارے پروردگار ہماری بدبختی نے ہمیں گھیر لیا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم (توحید کے راستہ سے) بھٹک گئے تھے اے پروردگار ہمیں دوزخ (اور یہاں کے عذاب) سے رہائی عطا فرما دے اگر ہم اس کے بعد بھی کفر و شرک کی طرف جائیں تو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کو جواب دے گا دور رہو کم بختو کتوں کی طرح ذلیل و خوار رہو) ایسے دوزخ میں پڑے رہو اور رہائی اور نجات کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرو تمہاری گلوخلاصی ہرگز نہیں ہو سکتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر کار وہ دوزخی ہر بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے اور تب وہ حسرت اور نالہ و فریاد کرنے لگے گیں حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن جو اس حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ اس حدیث کو مرفوع قرار نہیں دیا جاتا لیکن ترمذی نے اس حدیث کو مرفوع نقل کیا ہے جیسا کہ روایت کی ابتداء سے معلوم ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 249)

اس بھوک کی اذیت اس عذاب کے برابر ہوگی۔ الخ۔ کا مطلب یہ ہے کہ ان پر جو بھوک مسلط کی جائے گی اس کی دردنا کی دوزخ کے اور تمام عذاب کی دردنا کیوں کے برابر ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ بھوک کی آگ دوزخ کی مانند ہے۔ اور ان کی فریادرسی ضریع کے کھانے کے ذریعہ کی جائے گی۔ جب وہ دوزخی بھوک سے بیتاب ہو کر کچھ کھانے کو مانگیں گے تو ان کو کھانے کے لئے

ضریع دیا جائے گا واضح رہے کہ ضریع ایک خاردار جھاڑ کو کہتے ہیں جو حجاز میں ہوتا ہے، یہ ایک ایسی زہریلی اور کڑوی گھاس ہوتی ہے جس کے پاس کوئی جانور بھی نہیں پھٹکتا اور اگر کوئی جانور اس کو کھالیتا ہے تو مر جاتا ہے۔ بہر حال یہاں حدیث میں ضریع سے مراد آگ کے کانٹے ہیں جو ایلوے سے زیادہ کڑوے مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ بدبودار ہوں گے۔ فربہ کرے گا اور نہ بھوک دفع کرے گا۔ یہ دراصل قرآن کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ (لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِىْ مِنْ جُوْعٍ ، الغاشیۃ، (اور) ان (دوزخیوں) کو ایک خاردار جھاڑ کے سوا اور کوئی کھانا نصیب نہ ہوگا جو نہ تو کھانے والوں کو فربہ کرے گا اور نہ ان کی بھوک کو دفع کرے گا۔ گلے میں پھنس جانے کے ذریعہ فریاد رسی" کا مطلب یہ ہے کہ دوسری مرتبہ ان کو کھانے کے لئے ہڈی یا آگ کے کانٹے وغیرہ کی طرح کی ایسی چیزیں دی جائیں گی۔ جو گلے میں جا کر پھنس جائیں گی کہ نہ حلق سے نیچے اتر سکیں گی اور نہ باہر آسکیں گی۔ پس حدیث کے اس جملہ میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے۔ (اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا 12 وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا، المزمل:12-13)" حقیقت یہ ہے کہ (کفر وشرک کرنے والوں کے لئے) ہمارے یہاں بیڑیاں ہیں اور (دوزخ کی) بھڑکتی آگ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا ہے اور دردناک عذاب ہے۔ حدیث کے یہ الفاظ وما دعا الکافرین الا فی ضلال۔ (اور کافروں کی دعا زیاں کاری و بے قاعدگی کے علاوہ کچھ نہیں) بھی دراصل قرآن ہی کے الفاظ ہیں اور ان کی دعا کو زیاں کاری سے تعبیر اس لئے کیا گیا ہے کہ اس وقت ان کے حق میں کوئی بھی دعا وشفقت کارگر نہیں ہوگی، خواہ وہ خود دعا کریں اور گڑگڑائیں یا کسی اور سے دعا وشفاعت کرائیں لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ کافر ومشرک کی دعا اس دنیا میں بھی قبول نہیں ہوتی جیسا کہ قرآن وحدیث کے ان الفاظ سے بعض حضرات نے نتیجہ اخذ کیا ہے، حقیقت حال تو یہ ہے کہ اس دنیا میں شیطان تک کی درخواست جو اس نے اپنی عمر کی درازی کے لئے کی تھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ہے پھر کافر کی دعا قبول کیوں نہیں ہوسکتی، بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرے۔ غلبت علینا شقوتنا (ہماری بدبختی نے ہمیں گھیر لیا) میں شقوۃ شین کے زبر اور قاف کے جزم کے ساتھ ہے اور یہ لفظ شقاوۃ (شین کے زبر کے ساتھ) بھی پڑھا گیا ہے، دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی "بدبختی" جو سعادت" (نیک بختی) کی ضد ہے مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ہماری تقدیر کہ جس میں ہمارا خاتمہ بدلکھ دیا گیا، پوری ہو کر رہی اور ہم خود اپنی بدبختی کا شکار ہو گئے۔ اگر ہم اس کے بعد بھی کفر وشرک کی طرف جائیں۔۔۔۔ الخ۔ کافر دوزخیوں کا یہ کہنا بھی مکر وکذب پر مبنی ہوگا۔

جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے۔ ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه وانهم لكذبون ۔ اور اگر یہ لوگ پھر (دنیا میں) واپس بھی بھیج دیئے جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ یاخذون فی الزفیر والحسرۃ والویل (حسرت ونالہ وفریاد کرنے لگیں گے) میں لفظ زفیر کے اصل معنی ہیں۔ گدھے کا سانس اندر لے جانا جیسا کہ شہیق کے معنی گدھے کا سانس باہر نکالنا یا یہ کہ جب گدھا رینگنا شروع کرتا ہے تو پہلے اس کی آواز باریک اور چھوٹی نکلتی ہے جس کو زفیر" کہا جاتا ہے اور آخر میں اس کی آواز تیز اور بڑی ہو جاتی ہے کہ اس کو شہیق سے تعبیر کیا جاتا ہے، حدیث

کے ان الفاظ میں قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ لھم فیھا زفیر وشھیق ۔"دوزخ میں گدھے کی چھوٹی اور بڑی آواز کی طرح ان دوزخیوں کی چیخ وپکار پڑی رہے گی۔" بہر حال حدیث کے اس آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ دوزخی جب بارگاہ الٰہی کا جواب سن لیں گے تو وہ بالکل مایوس و ناامید ہو جائیں گے کہ دوزخ کے سنتریوں کو پکارنا کچھ سودمند نہ ہو در وغہ دوزخ سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے موت ہی دلوادے اس کا بھی فائدہ نہ ہوا آخر میں بارگاہ الٰہی میں روئے گڑگڑائے وہاں بھی کوئی بات قبول نہیں ہوئی، اب کہاں جائیں، کس کے سامنے فریاد کریں۔ ایسے میں وہ بے معنی آوازوں اور بے ہنگم صداؤں میں نالہ وفریاد اور چیخ وپکار کرنے لگیں گے۔ جیسا کہ مایوسی کے عالم میں ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ○ اِلَّا عِبَادَاللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ○
اور درحقیقت اُن سے قبل پہلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہو گئے تھے۔ اور یقیناً ہم نے ان میں بھی ڈرسنانے والے بھیجے۔
سو آپ دیکھئے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ڈرائے گئے تھے۔ سوائے اللہ کے چنیدہ و برگزیدہ بندوں کے۔

کفار کے انجام کا بیان

"وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلهمْ أَكْثَر الْأَوَّلِينَ" مِنْ الْأُمَم الْمَاضِيَة "وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ" مِنْ الرُّسُل مُخَوِّفِينَ "فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَة الْمُنْذَرِينَ" الْكَافِرِينَ : أَيْ عَاقِبَتهمْ الْعَذَاب،

"إلَّا عِبَاد اللَّه الْمُخْلَصِينَ" أَيْ الْمُؤْمِنِينَ فَإِنَّهُمْ نَجَوْا مِنْ الْعَذَاب لِإِخْلَاصِهِمْ فِي الْعِبَادَة أَوْ لِأَنَّ اللَّه أَخْلَصَهُمْ لَهَا عَلَى قِرَاءَة فَتْح اللَّام،

اور درحقیقت اُن سے قبل پہلے لوگوں یعنی امم ماضیہ میں بھی اکثر گمراہ ہو گئے تھے۔ اور یقیناً ہم نے ان میں بھی ڈرسنانے والے رسولان گرامی بھیجے۔ سو آپ دیکھئے کہ ان لوگوں یعنی کافروں کا انجام کیسا ہوا جو ڈرائے گئے تھے۔ یعنی ان کا انجام عذاب میں ہوا ہے۔ سوائے اللہ کے چنیدہ و برگزیدہ بندوں کے جو اہل ایمان ہیں۔ پس وہ عبادت میں مخلص ہونے کی وجہ سے عذاب سے نجات پاگئے۔ کیونکہ اللہ نے انہیں نجات دی ہے۔ تب ترجمہ یہ ہے جب مخلصین کے لام پر جب فتحہ پڑھی جائے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

الا حرف استثناء۔ اگر المنذرین سے مراد مخصوص گروہ مراد ہے تو یہ استثنائے منقطع ہے اور اگر اس کا اطلاق عمومی ہے تو یہ استثنائے متصل ہے۔ المخلصین۔ اسم مفعول جمع مذکر۔ اخلاص (افعال) سے۔ خالص کئے گئے، خالص کئے ہوئے۔ اور اخلاص کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو ہر ممکن ملاوٹ سے پاک وصاف کر دینا اصطلاح شرع میں اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ محض خداوند تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے عمل کیا جاوے اور اس کے علاوہ کسی اور جذبہ کی آمیزش نہ ہو۔

گذشتہ امتوں میں بھی اکثر لوگ گم کردہ راہ پر تھے اللہ کے ساتھ شریک کرتے تھے۔ان میں بھی اللہ کے رسول آئے تھے۔ جنہوں نے انہیں ہوشیار کردیا تھا اور ڈرا دھمکا دیا تھا اور بتلا دیا تھا کہ ان کے شرک وکفر اور تکذیب رسول سے بری طرح اللہ تعالیٰ ناراض ہے۔اور اگر وہ باز نہ آئے تو انہیں عذاب ہوں گے۔پھر بھی جب انہوں نے نبیوں کی نہ مانی اپنی برائی سے باز نہ آئے تو دیکھ لو کہ ان کا کیا انجام ہوا؟ تہس نہس کردیئے گئے تباہ برباد کردیئے گئے۔ہاں نیک کار خلوص والے اللہ کے موحد بندے بچا لیے گئے اور عزت کے ساتھ رکھے گئے۔

وَلَقَدْ نَادٰنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ۝ وَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ۝
وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ۝وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ۝
اور بیشک ہمیں نوح (علیہ السلام) نے پکارا تو ہم کتنے اچھے فریاد رس ہیں۔اور ہم نے اُنہیں اور اُن کے گھر والوں کو سخت تکلیف
سے بچالیا۔اور ہم نے فقط اُن ہی کی نسل کو باقی رہنے والا بنایا۔اور پیچھے آنے والوں میں ہم نے ان کا ذکرِ خیر باقی رکھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے مختلف اقوام کے ہونے کا بیان

"وَلَقَدْ نَادَانَا نُوح" بِقَوْلِهِ "رَبّ إِنِّي مَغْلُوب فَانْتَصِرْ" "فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ" لَهُ نَحْنُ : أَيْ دَعَانَا عَلَى قَوْمه فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِالْغَرَقِ "وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْله مِنَ الْكَرْب الْعَظِيم" أَيْ الْغَرَق،

"وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّته هُمُ الْبَاقِينَ" فَالنَّاس كُلّهمْ مِنْ نَسْله عَلَيْهِ السَّلَام وَكَانَ لَهُ ثَلَاثَة أَوْلَاد : سَام وَهُوَ أَبُو الْعَرَب وَالْفُرْس وَالرُّوم وَحَام وَهُوَ أَبُو السُّودَان ويافث وَهُوَ أَبُو التُّرْك وَالْخَزَر وَيَأْجُوج وَمَأْجُوج وَمَا هُنَالِكَ "وَتَرَكْنَا" أَبْقَيْنَا "عَلَيْهِ" ثَنَاء حَسَنًا "فِي الْآخِرِينَ" مِنْ الْأَنْبِيَاء وَالْأُمَم إِلَى يَوْم الْقِيَامَة

اور بیشک ہمیں نوح علیہ السلام نے پکارا "رَبِّ إِنِّي مَغْلُوب فَانْتَصِرْ" تو ہم کتنے اچھے فریاد رس ہیں۔یعنی ان کی دعا کو قبول کیا جس پر ان کی قوم کو غرق کرکے ہلاک کردیا جبکہ ہم نے اُنہیں اور اُن کے گھر والوں کو سخت تکلیف۔یعنی ڈوبنے سے بچالیا۔ اور ہم نے فقط اُن ہی کی نسل کو باقی رہنے والا بنایا۔یعنی اب کے سارے لوگ انہی کی نسل سے ہیں۔آپ کی تین اولادیں تھیں۔ سام بن نوح جو اہل عرب، فارس اور اہل روم کے باپ ہیں۔اور حام بن نوح جو اہل سوڈان کے باپ ہیں اور یافث بن نوح جو اہل ترک، خزر اور یاجوج ماجوج کے اور جو وہاں رہتے ہیں ان کے باپ ہیں۔اور پیچھے آنے والوں یعنی انبیاء و اُمم میں ہم نے قیامت تک کیلئے ان کا ذکرِ خیر باقی رکھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں کے ذکر کا بیان

حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس قول (وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ اور ہم نے اس کی اولاد کو باقی رہنے والی کردیا)۔کی تفسیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نوح علیہ السلام کے تین بیٹے سام،

سام اور یافث تھے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یافت بھی کہا جاتا ہے۔ یافث بھی اور یفث بھی۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف سعید بن بشیر کی روایت سے جانتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1178)

حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ سام عرب کا باپ، حام حبشیوں کا باپ اور یافث رومیوں کا باپ ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1179)

نیک لوگوں کے نام زندہ رہتے ہیں

اوپر کی آیتوں میں پہلے لوگوں کی گمراہی کا اجمالاً ذکر تھا۔ ان آیتوں میں تفصیلی بیان ہے۔ حضرت نوح نبی علیہ السلام اپنی قوم میں ساڑھے نوسو سال تک رہے اور ہر وقت انہیں سمجھاتے بجھاتے رہے لیکن تاہم قوم گمراہی پر جمی رہی سوائے چند پاک باز لوگوں کے کوئی ایمان نہ لایا۔ بلکہ ستاتے اور تکلیفیں دیتے رہے، آخر کار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ آ کر رب سے دعا کی کہ اللہ میں عاجز آ گیا تو میری مدد کر۔ اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا اور تمام کفار کو تہ آب اور غرق کر دیا۔ تو فرماتا ہے کہ نوح نے تنگ آ کر ہمارے جناب میں دعا کی۔ ہم تو ہیں ہی بہترین طور پر دعاؤں کے قبول کرنے والے فوراً ان کی دعا قبول فرمالی۔ اور اس تکذیب وایذاء سے جو انہیں کفار سے روزمرہ پہنچ رہی تھی ہم نے بچالیا۔ اور انہی کی اولاد سے پھر دنیا بسی، کیونکہ وہی باقی بچے تھے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمام لوگ حضرت نوح کی اولاد میں سے ہیں۔

ترمذی کی مرفوع حدیث میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ سام حام اور یافث کی پھر اولاد پھیلی اور باقی رہی۔ مسند میں یہ بھی ہے کہ سام سارے عرب کے باپ ہیں اور حام تمام حبش کے اور یافث تمام روم کے۔ اس حدیث میں رومیوں سے مراد روم اول یعنی یونانی ہیں۔ جو رومی بن لیطی بن یوناں بن یافث بن نوح کی طرف منسوب ہیں۔

حضرت سعید بن میسب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ حضرت نوح کے ایک لڑکے سام کی اولاد عرب، فارس اور رومی ہیں اور یافث کی اولاد ترک، صقالبہ اور یاجوج ماجوج ہیں اور حام کی اولاد قبطی، سوڈانی اور بربری ہیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت نوح کی بھلائی اور ان کا ذکر خیر ان کے بعد کے لوگوں میں اللہ کی طرف سے زندہ رہا۔ تمام انبیاء کی حق گوئی کا نتیجہ یہی ہوتا ہے ہمیشہ ان پر لوگ سلام بھیجتے رہیں گے اور ان کی تعریفیں بیان کرتے رہیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ صافات، بیروت)

سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعٰلَمِيْنَ ○ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ○
سلام ہو نوح پر سب جہانوں میں بیشک ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے (کامل)
ایمان والے بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔

تمام جہانوں میں حضرت نوح علیہ السلام پر سلام ہونے کا بیان

"سَلَام" مِنَّا"إنَّا كَذَلِكَ" كَمَا جَزَيْنَاهُمْ "ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ" كُفَّار قَوْمه،

سلام ہو نوح پر سب جہانوں میں بیشک ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے کامل ایمان والے بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے دوسروں یعنی کفار قوموں کو غرق کر دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام پر سلام ہو۔ یہ گویا اگلے جملے کی تفسیر ہے یعنی ان کا ذکر بھلائی سے باقی رہنے کے معنی یہ ہیں کہ ہر امت ان پر سلام بھیجتی رہتی ہے۔ ہماری یہ عادت ہے کہ جو شخص خلوص کے ساتھ ہماری عبادت واطاعت پر جم جائے ہم بھی اس کا ذکر جمیل بعد والوں میں ہمیشہ کے لیے باقی رکھتے ہیں۔ حضرت نوح یقین وایمان رکھنے والوں توحید پر جم جانے والوں میں سے تھے۔ نوح اور نوح والوں کا تو یہ واقعہ ہوا۔ لیکن نوح کے مخالفین غارت اور غرق کر دیئے گئے۔ ایک آنکھ جھپکنے والی ان میں باقی نہ بچی، ایک خبر رساں زندہ نہ رہا، نشان تک باقی نہ بچا۔ ہاں ان کی ہڈیاں اور برائیاں رہ گئیں جن کی وجہ سے مخلوق کی زبان پر ان کے یہ بدترین افسانے چڑھ گئے۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ○ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ○ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا
تَعْبُدُوْنَ○ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ○ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○
بے شک اُن کے گروہ میں سے ابراہیم (علیہ السلام) تھے۔ جب وہ اپنے رب کی بارگاہ میں قلبِ سلیم کے ساتھ حاضر ہوئے۔ جبکہ انہوں
نے اپنے باپ (جو حقیقت میں چچا تھا، آپ بوجہ پرورش اسے باپ کہتے تھے) اور اپنی قوم سے کہا: تم کن چیزوں کی پرستش
کرتے ہو۔ کیا تم بہتان باندھ کر اللہ کے سوا معبودوں کا ارادہ کرتے ہو۔ بھلا تمام جہانوں کے رب کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ستارہ و بت پرستوں کی طرف بعثت کا بیان

"وَإِنَّ مِنْ شِيعَته " أَيْ مِـمَّـنْ تَابَعَهُ فِي أَصْل الدِّين "لِإِبْرَاهِيم" وَإِنْ طَـالَ الـزَّمَان بينهمَا وَهُوَ أَلْفَانِ وَسِتّـمِـائَةِ وَأَرْبَعُونَ سَنَة وَكَانَ بَيْنهمَا هُود وَصَالِح "إِذْ جَاءَ رَبّه " أَيْ تَـابَعَهُ وَقْت مَجِيئِهِ "بِقَلْبٍ سَلِيم" مِنْ الشَّكّ وَغَيْره،

"إِذْ قَالَ " فِـي هَـذِهِ الْـحَـالَة الْمُسْتَمِرَّة لَهُ "لِأَبِيـهِ وَقَـوْمه" قَـالَ مُـوَبِّـخًـا لِأَبِيهِ وَقَوْمه "مَاذَا" مَا الَّذِي "أَإِفْكًا" فِـي هَـمْزَتَيْهِ مَا تَقَدَّمَ "آلِهَة دُون الـلَّـه تُرِيدُونَ" وَإِفْـكًـا مَفْعُول لَهُ وَآلِهَة مَفْعُول بِهِ لِتُرِيدُونَ وَالْإِفْك : أَسْوَأ الْكَذِب أَيْ أَتَعْبُدُونَ غَيْر اللَّه؟

"فَـمَا ظَنّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ" إِذْ عَبَـدْتُـمْ غَيْره أَنَّهُ يَتْرُككُمْ بِلَا عِقَاب ؟ لَا وَكَانُوا نَجَّامِينَ فَخَرَجُوا إِلَـى عِيـد لَهُمْ وَتَرَكُوا طَعَامهمْ عِنْد أَصْنَامهمْ زَعَمُوا التَّبَرُّك عَلَيْهِ فَإِذَا رَجَعُوا أَكَلُوهُ وَقَالُوا لِلسَّيِّدِ

اِبْرَاهِیم : اُخْرُجْ مَعَنَا،

بے شک اُن کے گروہ یعنی ان لوگوں میں جنہوں نے اصل دین میں ان ہی اتباع کی تھی۔ان میں سے ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔حالانکہ ان دونوں ہستیوں کے درمیان طویل مدت کا فرق ہے اور دو ہزار چھ سو چالیس سال کی مدت ہے اور ان دونوں کے درمیانی مدت میں حضرت ہود اور صالح علیہما السلام کی بعثت بھی ہوئی ہے۔

جب وہ اپنے رب کی بارگاہ میں قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوئے۔یعنی وہ شک وغیرہ جیسے عیب سے خالی ہو کر توجہ کے ساتھ متوجہ ہوئے۔اور اسی یقینی حالت میں انہوں نے چچا کو بہ طور توبیخ کہا۔جبکہ انہوں نے اپنے باپ (جو حقیقت میں چچا تھا، آپ بوجہ پرورش اسے باپ کہتے تھے) اور اپنی قوم سے کہا: تم کن چیزوں کی پرستش کرتے ہو۔کیا تم بہتان باندھ کر اللہ کے سوا جھوٹے معبودوں کا ارادہ کرتے ہو۔یہاں پر لفظ أ أفکا میں دو ہمزے ہیں جن کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔اور افک یہ مفعول لہ ہے جبکہ الہہ یہ مفعول بہ ہے۔یعنی تم جھوٹ کا رادہ کرتے ہو جو بدترین جھوٹ ہے۔یعنی کیا تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔بھلا تمام جہانوں کے رب کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔یعنی جب تم اس کے غیر کی عبادت کرو گے تو کیا وہ تمہیں بغیر کسی عذاب کے چھوڑ دے گا ؟ہرگز نہیں۔اور وہ لوگ نجومی تھے۔تو وہ عید کے دن نکلے اور انہوں نے اپنے تبوں کے سامنے کھانے چھوڑے اس غرض سے وہ برکت والے ہو جائیں گے۔پس جب وہ لوٹے تو انہوں نے کھایا اور انہوں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے کہا تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار چالیس سال کی مدت کا بیان

حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے دین وملت اور انہیں کے طریق وسنت پر ہیں، حضرت نوح علیہ السلام و حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس برس کا زمانی فرق ہے اور دونوں حضرات کے درمیان جو عہد گذرا اس میں صرف دو نبی ہوئے حضرت ہود و حضرت صالح علیہما السلام۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پیش رو نبی حضرت نوح علیہ السلام کے طریقے پر تھے، اور بنیادی اصول دین میں دونوں کا مکمل اتفاق تھا۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں کی شریعتیں بھی یکساں یا ملتی جلتی ہوں۔واضح رہے کہ بعض تاریخی روایات کے مطابق حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے درمیان دو ہزار چھ سو چالیس سال کا وقفہ ہے، اور دونوں کے درمیان حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے سوا کوئی اور نبی نہیں ہوا۔(تفسیر کشاف، ص ۲۹ ج ۴، بیروت)

قلب سلیم کے مفہوم کا بیان

" قلب سلیم" اس دل کو کہتے ہیں جو برے عقائد، کمزور خیالات اور غلط اعتقادات ونظریات سے پاک وصاف ہو اور خواہشات نفسانی کی طرف اس کا میلان نہ ہو نیز یہ کہ وہ ماسوی اللہ سے خالی ہو۔دعا کے جملے وَاَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ میں لفظ ما موصولہ ہے یا موصوفہ اور عائد محذوف ہے۔اسی طرح اس جملہ میں لفظ من زائد ہے یا بیانیہ اور مبین محذوف ہے۔گویا اصل

میں یہ عبارت اس طرح ہے اسالك شيئا هو خير ما تعلم یعنی میں تجھ سے اس اچھی چیز کی درخواست کرتا ہوں جس کے بارے میں تو جانتا ہے کہ وہ اچھی ہے یعنی میں ایسی چیز کی درخواست نہیں کرتا جس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ وہ اچھی چیز ہے کیونکہ بندہ تو کسی چیز کو اچھی سمجھ لیتا ہے حالانکہ حقیقت میں وہ اچھی نہیں ہوتی۔ اس لئے میں وہی چیز مانگتا ہوں جو تیرے نزدیک اچھی ہے۔ اسی طرح (واعوذبك من شر ما تعلم) کا مطلب بھی یہی ہے کہ میں اس بری چیز سے پناہ مانگتا ہوں جو تیرے نزدیک بری اور جس کے بارے میں تیرا فیصلہ ہے کہ یہ بندے کے حق میں برائی کا باعث ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قوم کو بتوں کی پوجا سے منع کرنے کا بیان

یہ آخر پتھر کی مورتیاں چیز کیا ہیں جنہیں تم اس قدر چاہتے ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کے پیچھے ہو لیے۔ کیا سچ مچ ان کے ہاتھ میں جہان کی حکومت ہے؟ یا کسی چھوٹے بڑے نقصان کے مالک ہیں؟ آخر سچے مالک کو چھوڑ کر ان جھوٹے حاکموں کی اتنی خوشامد اور حمایت کیوں ہے؟ کہ جب تم اس کے سوا دوسرے کو پُوجو گے تو کیا وہ تمہیں بیعذاب چھوڑ دے گا باوجود یہ کہ تم جانتے ہو کہ وہی منعمِ حقیقی، مستحقِ عبادت ہے۔ قوم نے کہا کہ کل کو ہماری عید ہے، جنگل میں میلہ لگے گا، ہم نفیس کھانے پکا کر بتوں کے پاس رکھ جائیں گے اور میلہ سے واپس ہو کر تبرّک کے طور پر ان کو کھائیں گے، آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں اور مجمع اور میلہ کی رونق دیکھیں، وہاں سے واپس ہو کر بتوں کی زینت اور سجاوٹ اور ان کا بناؤ سنگار دیکھیں، یہ تماشا دیکھنے کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ آپ بت پرستی پر ہمیں ملامت نہ کریں گے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ صافات، لاہور)

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۝ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ۝ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ
فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًاۢ بِالْيَمِيْنِ ۝
پھر ایک نظر ستاروں کی طرف کی۔ اور کہا: میری طبیعت مضمحل ہے سو وہ اُن سے پیٹھ پھیر کر لوٹ گئے۔ پھر (ابراہیم علیہ السلام)
ان کے معبودوں کے پاس خاموشی سے گئے اور اُن سے کہا کیا تم کھاتے نہیں ہو۔ تمہیں کیا ہے کہ تم بولتے نہیں ہو پھر
(ابراہیم علیہ السلام) پوری قوّت کے ساتھ انہیں مارنے لگے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا بیان

"فَنَظَرَ نَظْرَة فِي النُّجُوم" إيهَامًا لَهُمْ أَنَّهُ يَعْتَمِد عَلَيْهَا لِيَعْتَمِدُوهُ "فَقَالَ إِنِّي سَقِيم" عَلِيل أَيْ سَأَسْقَمُ "فَتَوَلَّوْا عَنْهُ" إلَى عِيدهمْ "فَرَاغَ" مَالَ فِي خُفْيَة "إلَى آلِهَتهمْ" وَهِيَ الْأَصْنَام وَعِنْدهَا الطَّعَام "فَقَالَ" اسْتِهْزَاء "أَلَا تَأْكُلُونَ" فَلَمْ يَنْطِقُوا فَقَالَ "مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ" فَلَمْ يُجَبْ "فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ" بِالْقُوَّةِ فَكَسَرَهَا فَبَلَغَ قَوْمه مِمَّنْ رَآهُ

پھر ابراہیم علیہ السلام نے اُنہیں وہم میں ڈالنے کے لئے ایک نظر ستاروں کی طرف کی۔ کیونکہ وہ ستاروں پر اعتماد رکھتے تھے۔

اور کہا: میری طبیعت ناساز ہے (تمہارے ساتھ میلے پر نہیں جاسکتا) سو وہ اُن سے پیٹھ پھیر کر لوٹ گئے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام ان کے معبودوں یعنی بتوں اور جوان کے پاس کھانا رکھا ہوا تھا اس کے پاس خاموشی سے گئے اور اُن سے بہ طور استہزاء کہا کیا تم کھاتے نہیں ہو۔ تو وہ نہ بولے فرمایا تمہیں کیا ہے کہ تم بولتے نہیں ہو تو بھی انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام پوری قوت کے ساتھ انہیں مارنے اور توڑنے لگے۔ یعنی ان کو توڑ دیا تو آپ کی قوم کو پتہ چلا جب انہوں نے اسے دیکھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تین مواقع پر کلام میں توریہ استعمال کرنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا علاوہ تین جھوٹ کے اور ان میں سے بھی وہ جھوٹ اللہ کے لئے بولے تھے۔ ان میں ایک تو ان کا یہ کہنا تھا کہ میں آج علیل سا ہوں۔ دوسرا یہ کہنا تھا کہ " بلکہ یہ کام بڑے بت نے کیا ہے" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے جو تیسرا جھوٹ نکلا تھا وہ ان کا یہ کہنا تھا کہ " یہ میری بہن ہے " اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی سارہ (ہجرت کر کے ملک شام کی طرف جار ہے تھے کہ ان کا گزر ایک بڑے ظالم وجابر حاکم کے شہر سے ہوا چنانچہ اس حاکم کو بتایا گیا کہ یہاں (اس شہر میں) ایک شخص آیا ہوا ہے جس کے ساتھ ایک حسین وجمیل عورت ہے، اس حاکم نے یہ سنتے ہی ایک گماشتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلانے کے لئے بھیجا۔

اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون عورت ہے اور تمہاری کیا لگتی ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میری بہن ہے۔ پھر انہوں نے سارہ کے پاس واپس آ کر ان کو اس جابر حاکم کے برے ارادے سے نجات پانے کی تدبیر بتائی اور کہا کہ اگر اس ظالم کو معلوم ہو گیا کہ تم میری بیوی ہو تو تمہیں زبردستی مجھ سے چھین لے گا پس اگر وہ تمہارے اور میرے تعلق کے بارے میں پوچھے تو اس کو بتانا کہ تم میری بہن ہو اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں کہ تم دین کے رشتہ سے میری بہن ہو لہٰذا خود کو میری بہن بتاتے وقت دینی اخوت کی نیت کر لینا اور یہ نیت اس لئے بھی صحیح ہوگی کہ اس سرزمین پر سوائے میرے اور تمہارے کوئی دوسرا مؤمن نہیں ہے۔

لہٰذا اس ظالم نے ایک گماشتہ بھیج کر حضرت سارہ کو طلب کیا اور ادھر تو حضرت سارہ اس کے پاس لے جائی گئیں ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام (اپنی قیام گاہ پر) نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے سارہ جب اس ظالم کے پاس پہنچیں تو وہ اس کا حسن و جمال دیکھ کر از خود رفتہ ہو گیا اور یا تو ان سے پوچھے اور تحقیق کئے بغیر کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا رشتہ رکھتی ہیں، یا پوچھنے اور سارہ کے یہ کہنے کے باوجود یکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی بہن ہیں اس نے ان پر ہاتھ ڈالنا اور ان کی عفت وعصمت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے سارہ کی مدد کی اور وہ ظالم پکڑا گیا۔ ایک روایت میں یا تو فاخذ کی بجائے یا اس لفظ کے ساتھ مزید غط کا لفظ بھی نقل کیا گیا ہے بہر حال وہ عتاب الٰہی کی گرفت میں آنے کے بعد زمین پر پیر مارنے لگا یعنی جس طرح کوئی آسیب زدہ یا مرگی میں مبتلا شخص زمین پر زور زور سے پاؤں پٹختا ہے اسی طرح وہ بھی اپنے پیر پٹخنے لگا پھر اس نے سارہ سے کہا کہ میں اپنے ارادہ بد سے باز آیا

تم اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا یعنی تمہارے ساتھ کوئی تعرض نہیں کروں گا۔

چنانچہ حضرت سارہ نے دعا کی اور اس ظالم کی خلاصی ہوگئی لیکن اس نے دوبارہ دست درازی کرنی چاہی اور پھر پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت عتاب الٰہی میں پکڑا گیا اس نے پھر حضرت سارہ سے کہا کہ اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے اور میں اب صدق دل کے ساتھ یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا حضرت سارہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس ظالم کی گلوخلاصی ہوگئی۔اس کے بعد اس ظالم اپنے دربانوں میں کسی کو بلایا اور کہا کہ تو میرے پاس انسان کو نہیں لایا ہے (کہ جس پر قابو پا سکتا) بلکہ تو کسی جن کو میرے پاس لے آیا ہے کہ اس پر قابو پانے کے بجائے خود الٹا مصیبت میں پھنس جاتا ہوں یہ تو تو نے میرے لئے موت کا سامان فراہم کر دیا ہے پھر اس نے سارہ کی خدمت کے لئے ہاجرہ نامی ایک لونڈی دی اور ان کو واپس بھیج دیا۔سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس پہنچیں تو وہ نماز پڑھنے میں مشغول تھے کیونکہ اس وقت تک ان کو اس ظالم کے پنجہ سے سارہ کی رہائی کی خبر نہیں ہوئی تھی، وہ بدستور نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے اور سارہ کی باعفت وعافیت واپسی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو دیکھا تو نماز ہی میں اپنے ہی میں اپنے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کا حال ہے اور تم پر کیا بیتی ؟ حضرت سارہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کافر کی بدنیتی کو اس کے سینے میں ہی لوٹا دیا (یعنی اس نے مجھے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے لئے جس بدنیتی کا اظہار کیا وہ الٹے اس کے گلے پڑ گئی، مجھے تو وہ کوئی نقصان پہنچا نہیں سکا خود عذاب الٰہی میں ضرور پھنس گیا تھا اور اس نے خدمت کے لئے ہاجرہ کو میرے ساتھ کر دیا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (یہ حدیث بیان کرنے کے بعد) کہا کہ اے آسمان کے پانی کے بیٹو! وہی ہاجرہ تم سب کی ماں ہیں۔(بخاری ومسلم،مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 269)

کلام توریہ کی مفہومی تصریحات کا بیان

اور وہ دنیا میں تین مرتبہ جھوٹ بولنے کا ذکر کریں گے " حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی جن باتوں کو " جھوٹ " سے تعبیر کریں گے حقیقت میں ان پر " جھوٹ " کا اطلاق نہیں ہو سکتا، گو ظاہری حیثیت کے اعتبار سے وہ جھوٹ کی سی صورت رکھتی ہوں، لیکن انبیاء جس عالی مرتبہ کے ہوتے ہیں اور ان کا جو اونچا مقام ہوتا ہے اس کے پیش نظر ان کی اس طرح کی باتوں کو بھی جو ان کے مقام سے فروتر ہوں، بارگاہ رب العزت میں نظر انداز نہیں کیا جاتا اسی لئے یہ کہا گیا ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین (بعض باتیں نیکوں کے حق میں تو نیکیاں ہوتی ہیں لیکن مقربین کے حق میں برائیاں ہوتی ہیں۔" رہی یہ بات کہ وہ تین باتیں کیا تھیں جن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام " جھوٹ " کے طور پر اپنی لغزش بتائیں گے، تو ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اپنے کسی میلہ میں تماشہ دیکھنے آبادی سے باہر جانے لگی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گا اور جب یہ سب لوگ چلے جائیں گے تو ان کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر ان کے بت توڑ دوں گا جن کو یہ پوجتے

ہیں اور میری بار بار کی تلقین و تنبیہ کے باوجود بت پرستی سے باز نہیں آتے۔

چنانچہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگوں کو جانا ہو تو جاؤ میں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا کیونکہ میں بیمار ہوں، ظاہر ہے کہ وہ دیکھنے میں جسمانی طور پر بیمار نہیں تھے اور ان کا یہ کہنا کہ "میں بیمار ہوں" بظاہر جھوٹ سمجھا جا سکتا ہے، لیکن اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو ان کی یہ بات "جھوٹ" میں شمار نہیں کی جا سکتی کیونکہ جب انہوں نے یہ بات کہی تھی تو یہ مراد رکھ کر کہی تھی کہ تمہارے کفر و شرک اور تمہاری غلط حرکتوں نے میرے دل کو دکھی کر دیا ہے اور میں تمہارے غم میں اندرونی طور پر بیمار ہوں۔

دوسری بات یہ تھی کہ قوم کے لوگوں کے میلے میں چلے جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا اور جب ان لوگوں نے واپس آ کر دیکھا کہ آپ نے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔ ان کا یہ جواب بھی اپنی ظاہری حیثیت میں ایک جھوٹ نظر آتا ہے، لیکن یہاں بھی وہی صورت حال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات اس مراد کے ساتھ کہی تھی کہ یہ جو بڑا بت ہے یہ تمہاری عبادات و تعظیم کے لئے ایک ممتاز و منفرد حیثیت رکھتا ہے لہٰذا اس کا وجود اس بات کا باعث بنا کہ میں دوسرے چھوٹے چھوٹے بتوں کو توڑ دوں یا اس بات سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد ان لوگوں کا مذاق اڑانا اور ان کو شرمندہ کرنا تھا کہ جس بت کو تم سب سے بڑا مانتے ہو اور سب سے زیادہ اس کی عبادت کرتے ہو، اس کی لاچاری اور بے وقعتی کا یہ عالم ہے کہ اس کے ساتھی بتوں کو توڑ پھوڑ ڈالا گیا مگر وہ کسی بت کو بچا نہیں سکا ایسی صورت میں کیا یہ بت تمہاری پرستش کا مستحق ہو سکتا ہے۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسا کہ ایک شخص تو بہت زیادہ خوشخط ہو اور اس کے مقابلہ میں ایک دوسرا شخص بہت زیادہ بدخط ہو اور وہ بدخط شخص خوشخط شخص کی کسی لکھی ہوئی تحریر کو دیکھ کر کہے کہ کیا یہ تحریر تم نے لکھی ہے اور خوشخط شخص اس کے جواب میں کہے کہ جی نہیں، یہ تو تم نے لکھی ہے، ظاہر ہے کہ اس جواب کے ذریعہ وہ یہی واضح کرتا ہے کہ تم تو اتنی اچھی تحریر ہرگز نہیں لکھ سکتے، پھر یہاں میرے علاوہ اور کون لکھنے والا ہو سکتا ہے۔

تیسری بات یہ تھی کہ انہوں نے اپنی بیوی یعنی حضرت سارہ کو ایک بدکار کافر کے ہاتھوں سے بچانے کے لئے کہا تھا کہ یہ عورت میری بہن ہے یہ بات بھی بظاہر "جھوٹ" کے دائرہ میں آتی ہے، لیکن اگر اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے کہ ایک مؤمن کی مؤمنہ بیوی بہر حال اس کی دینی بہن ہوتی ہے اور یہ بات کہنے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد بھی یہی تھی کہ یہ عورت میری دینی بہن ہے، تو اس پر جھوٹ کا اطلاق کیسے ہو سکتا ہے، ویسے یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چچازاد بہن بھی تھیں، اس اعتبار سے بھی ان کا سارہ کو بہن کہنا کوئی جھوٹ نہیں تھا۔

علم نجوم کی شرعی حیثیت کا بیان

یہ تو ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج اور ستاروں میں کچھ ایسی خاصیتیں رکھی ہیں جو انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں، ان میں سے بعض خاصیات ایسی ہیں جن کا ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے، مثلاً سورج کے قرب و بعد سے گرمی اور سردی کا پیدا ہونا، چاند کے اتار چڑھاؤ سے سمندر میں مد و جزر وغیرہ، اب بعض حضرات کا کہنا تو یہ ہے کہ ان ستاروں کی خصوصیات صرف اتنی

ہی ہیں جتنی عام مشاہدہ سے معلوم ہوتی ہیں اور بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ان کے علاوہ بھی ستاروں کی گردش کے کچھ ایسے خواص ہوتے ہیں جو انسان کی زندگی کے اکثر معاملات پر اثر ڈالتے ہیں۔

ایک انسان کے لئے کسی ستارے کا کسی خاص برج میں چلے جانا مسرتوں اور کامیابیوں کا سبب بنتا ہے، اور کسی کے لئے غموں اور ناکامیوں کا، پھر بعض لوگ تو ان ستاروں ہی کو کامیابیوں اور ناکامیوں کے معاملہ میں موثر حقیقی مانتے ہیں، اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ موثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، مگر اس نے ستاروں کو ایسے خواص عطا کر دیئے ہیں، اس لئے دنیا کے دوسرے اسباب کی طرح وہ بھی انسان کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا ایک سبب ہوتے ہیں۔ جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو ستاروں کو موثر حقیقی مانتے ہیں، یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے انقلابات اور واقعات ستاروں ہی کے مرہون منت ہیں، ستارے ہی دنیا کے تمام واقعات کے فیصلے کرتے ہیں، تو بلاشبہ ان کا خیال غلط اور باطل ہے، اور یہ عقیدہ انسان کو شرک کی حد تک پہنچا دیتا ہے۔ اہل عرب بارش کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ ایک خاص ستارہ (جسے نور کہا جاتا تھا) بارش لے کر آتا ہے اور وہ بارش کے لئے موثر حقیقی کی حیثیت رکھتا ہے، آنحضرت محمد نے اس عقیدے کی سخت تردید فرمائی ہے، جس کی تصریح احادیث میں موجود ہے۔

رہے وہ لوگ جو دنیوی واقعات میں موثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ نے ستاروں کو ایسے خواص عطا فرمائے ہیں جو سبب کے درجہ میں انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں، جس طرح بارش برسانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن اس کا ظاہری سبب بادل ہیں، اسی طرح تمام کامیابیوں اور ناکامیوں کا اصل سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی ہے، لیکن یہ ستارے ان کامیابیوں اور ناکامیوں کا سبب بن جاتے ہیں، سو یہ خیال شرک نہیں ہے، اور قرآن وحدیث سے اس خیال کی نہ تصدیق ہوتی ہے نہ تردید۔ لہٰذا یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی گردش اور ان کے طلوع وغروب میں کچھ ایسے اثرات رکھے ہوں، لیکن ان اثرات کی جستجو کرنے کے لئے علم نجوم کی تحصیل، اس علم پر اعتماد اور اس کی بنا پر مستقبل کے بارے میں فیصلے کرنا بہر حال ممنوع اور ناجائز ہے، اور احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا: جب تقدیر کا ذکر چھڑے تو رک جاؤ، (یعنی اس میں زیادہ غور وخوض اور بحث ومباحثہ نہ کرو) اور جب ستاروں کا ذکر چھڑے تو رک جاؤ اور جب میرے صحابہ کا (یعنی ان کے باہمی اختلافات وغیرہ کا) ذکر چھڑے تو رک جاؤ۔

اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے: ستاروں کے علم سے اتنا علم حاصل کرو جس کے ذریعہ تم خشکی اور سمندر میں راستے جان سکو اس کے بعد رک جاؤ۔ اس ممانعت سے ستاروں کے خواص وآثار کا انکار لازم نہیں آتا، لیکن ان خواص وآثار کے پیچھے پڑنے اور ان کی جستجو میں قیمتی اوقات برباد کرنے کو منع کیا گیا ہے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اس پر مفصل بحث کرتے ہوئے اس ممانعت کی متعدد حکمتیں بتائی ہیں۔

علم نجوم کے ممنوع ومذموم ہونے کی پہلی حکمت تو یہ ہے کہ جب اس علم میں انسان کا انہماک بڑھتا ہے تو تجربہ یہ ہے کہ وہ رفتہ

رفتہ ستاروں ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے، اور یہ چیز اسے کشاں کشاں ستاروں کے موثر حقیقی ہونے کا مشرکانہ عقیدے کی طرف لے جاتی ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ اگر ستاروں میں اللہ تعالیٰ نے کچھ خواص و آثار رکھے بھی ہوں تو ان کے یقینی علم کا ہمارے سوائے وحی کے کوئی راستہ نہیں ہے، حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کا کوئی علم عطا فرمایا تھا لیکن اب وہ علم جس کی بنیاد وحی الٰہی پر تھی، دنیا سے مٹ چکا ہے، اب علم نجوم کے ماہرین کے پاس جو کچھ ہے وہ محض قیاسات، اندازے اور تخمینے ہیں، جن سے کوئی یقینی علم حاصل نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ نجومیوں کی بے شمار پیشن گوئیاں آئے دن غلط ثابت ہوتی رہتی ہیں، کسی نے اس علم کے بارے میں بہترین تبصرہ کیا ہے کہ یعنی اس علم کا جتنا حصہ مفید ہوسکتا ہے وہ کسی کو معلوم نہیں اور جتنا لوگوں کو معلوم ہے وہ فائدہ مند نہیں۔

علامہ آلوسی نے روح المعانی میں تاریخی واقعات کی ایسی متعدد مثالیں پیش کی ہیں جن میں علم نجوم کے مسلمہ قواعد کے تحت ایک واقعہ جس طرح پیش آنا چاہئے تھا حقیقت میں اس کے بالکل برعکس پیش آیا، چنانچہ جن بڑے بڑے لوگوں نے اس علم کی تحصیل میں اپنی عمریں کھپائی ہیں وہ آخر میں یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ اس علم کا انجام قیاس و تخمین سے آگے کچھ نہیں۔ ایک مشہور منجم کوشیار دیلمی نے علم نجوم پر اپنی کتاب المجمل فی الاحکام میں لکھا ہے۔ علم نجوم ایک غیر مدلل علم ہے، اور اس میں انسان کے وسوسوں اور گمانوں کے لئے بڑی گنجائش ہے۔ (روح المعانی، سورہ صافات، بیروت)

علامہ آلوسی نے اور بھی متعدد علماء نجوم کے اسی قسم کے اقوال نقل فرمائے ہیں، بہر حال یہ بات طے شدہ ہے کہ علم نجوم کوئی یقینی علم نہیں ہے، اور اس میں غلطیوں کے بے حساب احتمالات ہوتے ہیں، لیکن ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ اس علم کی تحصیل میں لگتے ہیں وہ اسے بالکل قطعی اور یقینی علم کا درجہ دے بیٹھتے ہیں، اسی کی بنا پر مستقبل کے فیصلے کرتے ہیں، اسی کی وجہ سے دوسروں کے بارے میں اچھی بری رائیں قائم کر لیتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس علم کا جھوٹا پندار بعض اوقات انسان کو علم غیب کے دعوؤں تک پہنچا دیتا ہے، اور ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر چیز بے شمار مفاسد پیدا کرنے والی ہے۔

علم نجوم کی ممانعت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ عمر عزیز کو ایک بے فائدہ کام میں صرف کرنے کے مترادف ہے، جب اس سے کوئی نتیجہ یقینی طور پر حاصل نہیں کیا جا سکتا تو ظاہر ہے کہ دنیا کے کاموں میں یہ علم چنداں مددگار نہیں ہوسکتا۔ اب خواہ مخواہ ایک بے فائدہ چیز کے پیچھے پڑنا اسلامی شریعت کی روح اور مزاج کے بالکل خلاف ہے، اس لئے اس کو ممنوع کر دیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیماری کے مفہوم کا بیان

اس آیت سے متعلق تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی دعوت کے جواب میں جوانی سقیم (میں بیمار ہوں) فرمایا تو کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت واقعی بیمار تھے؟ قرآن کریم میں اس کے متعلق کوئی صراحت نہیں ہے، لیکن صحیح بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس وقت ایسے بیمار نہیں تھے کہ قوم کے ساتھ نہ جاسکیں، اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا

ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات کیسے ارشاد فرمائی؟

اس کا جواب جمہور مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ درحقیقت ان الفاظ کے ذریعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توریہ کیا تھا، توریہ کا مطلب ہے کوئی ایسی بات کہنا جو بظاہر واقعہ کے خلاف ہو، لیکن کہنے والے نے اس سے کوئی ایسے دور کے معنی مراد لئے ہوں جو واقعہ کے مطابق ہوں یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو جملہ ارشاد فرمایا اس کا ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ میں اس وقت بیمار ہوں لیکن آپ کی اصل مراد یہ نہیں تھی۔ اب اصل مراد کیا تھی؟ اس کے بارے میں مفسرین نے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں، بعض نے فرمایا کہ اس سے آپ کا مقصود وہ طبعی انقباض تھا جو آپ کو اپنی قوم کی مشرکانہ حرکات دیکھ دیکھ کر پیدا ہو رہا تھا، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ یہاں سقیم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو مریض کے مقابلہ میں بہت ہلکا لفظ ہے، اور اس کا مفہوم اردو میں اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے کہ میری طبیعت ناساز ہے ظاہر ہے کہ اس جملہ میں طبعی انقباض کے مفہوم کی بھی پوری گنجائش پائی جاتی ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ انی سقیم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں اس لئے کہ عربی زبان میں اسم فاعل کا صیغہ بکثرت زمانہ مستقبل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے: انک میت وانھم میتون اس کے ظاہری الفاظ کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ تم بھی مردہ ہو اور وہ بھی مردہ ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہاں مراد یہ معنی ہیں کہ تم بھی مرنے والے ہو اور وہ بھی مرنے والے ہیں اسی طرح انی سقیم کے معنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ مراد لئے تھے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ اور یہ اس لئے فرمایا کہ موت سے پہلے پہلے ہر انسان کا بیمار ہونا یقینی امر ہے۔ اگر کسی کو ظاہری بیماری نہ ہو تب بھی موت سے ذرا پہلے انسان کے مزاج میں خلل کا واقع ہونا ناگزیر ہے۔

اور اگر کسی کا دل ان تاویلات پر مطمئن نہ ہو تو سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طبیعت اس وقت واقعتاً تھوڑی بہت ناساز تھی، لیکن بیماری ایسی تھی جو جشن میں شرکت سے مانع ہوتی، آپ نے اپنی معمولی ناسازی طبع کا ذکر ایسے ماحول میں کیا جس سے سننے والے یہ سمجھے کہ آپ کو کوئی بڑی بیماری لاحق ہے، جس کی وجہ سے آپ واقعی ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توریہ کی یہ تشریح سب سے زیادہ معقول اور اطمینان بخش تھی۔

اس تشریح سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارشاد انی سقیم کے لئے جو کذبہ (جھوٹ) کے الفاظ استعمال کئے ہیں ان سے مراد توریہ ہے، جس کی ظاہری شکل جھوٹ ہوتی ہے، لیکن متکلم کی مراد کے لحاظ سے وہ جھوٹ نہیں ہوتا، خود اسی حدیث کی بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ان میں سے کوئی جھوٹ ایسا نہیں ہے جو اللہ کے دین کی مدافعت اور حمایت میں نہ بولا گیا ہو ان الفاظ نے خود یہ واضح کر دیا ہے کہ یہاں کذب اپنے عام معنی سے جدا مفہوم رکھتا ہے، اس حدیث سے متعلق قدرے تفصیلی بحث سورہ انبیاء میں آیت (آیت) قال بل فعلہ کبیرھم کے تحت گزر چکی ہے۔

توریہ کا شرعی حکم کا بیان

اچھے مقاصد کیلئے توریہ اور تعریض کو استعمال کرنا جائز ہے۔

توریہ کی تعریف کا بیان

علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں۔توریہ ابہام کو کہتے ہیں اسکی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کا اطلاق دو معانی پر ہو۔۱۔قریبی معنی ۲،بعیدی معنی۔اگر کلام کرنے والا کسی قرینہ پوشیدہ کی بناء پر بعیدی مراد لے جبکہ سننے والا قریبی معنی سمجھے۔

تعریض کی تعریف کا بیان

کلام کو ایک ایسی جانب پھیرنا جو مقصود پر دلالت کرے یعنی جب اشارہ ایک جانب کیا جائے اور مراد دوسری جانب ہو تو یہ تعریض ہے۔(مختصر المعانی، ص ۱۳۵، مکتبہ اکرمیہ پشاور)

انہی آیات سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ ضرورت کے مواقع پر توریہ کرنا جائز ہے توریہ ایک تو قولی ہوتا ہے، یعنی ایسی بات کہنا جس کا ظاہری مفہوم خلاف واقعہ ہو، اور باطنی مراد مطابق واقعہ۔اور ایک توریہ عملی ہوتا ہے، یعنی ایسا عمل کرنا جس کا مقصد دیکھنے والا کچھ سمجھے اور درحقیقت اس کا مقصد کچھ اور ہو۔اسے ایہام بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کو دیکھنا (اکثر مفسرین کے قول کے مطابق) ایہام تھا، اور اپنے آپ کو بیمار کہنا توریہ۔ضرورت کے مواقع پر توریہ کی یہ دونوں قسمیں خود سرکار عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہیں، جس وقت آپ ہجرت کے لئے تشریف لے جارہے تھے، اور مشرکین آپ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے، تو راستے میں ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ حضرت صدیق اکبر نے جواب دیا: ھوھادتھدینی (وہ میرے رہنما ہیں، مجھے راستہ دکھاتے ہیں) سننے والا یہ سمجھا کہ عام راستہ بتانے والے رہنما مراد ہیں، اس لئے چھوڑ کر چل دیا، حالانکہ حضرت ابوبکر کا مقصد یہ تھا کہ آپ دینی اور روحانی رہنما ہیں۔(تفسیر روح المعانی، سورہ صافات، بیروت)

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ○ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ○ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ○
قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ○
پھر لوگ دوڑتے ہوئے ان کی طرف آئے۔ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کیا تم اِن کو پوجتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو۔حالانکہ اللہ نے تمہیں اور تمہارے کاموں کو خلق فرمایا ہے۔وہ کہنے لگے ان کے لئے ایک عمارت بناؤ پھر ان کو سخت بھڑکتی آگ میں ڈال دو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کے منصوبہ کا بیان

"فَاَقْبَلُوا اِلَيْهِ يَزِفُّونَ" أَيْ يُسْرِعُونَ الْمَشْيَ فَقَالُوا لَهُ : نَحْنُ نَعْبُدهَا وَأَنْت تَكْسِرهَا "قَالَ" لَهُمْ مُوَبِّخًا "أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ" مِنْ الْحِجَارَة وَغَيْرهَا أَصْنَامًا، "وَاللّٰه خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ" مِنْ نَحْتكُمْ وَمَنْحُوتكُمْ فَاعْبُدُوهُ وَحْده وَمَا مَصْدَرِيَّة وَقِيلَ مَوْصُولَة وَقِيلَ مَوْصُوفَة، "قَالُوا" بَيْنهمْ "ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا" فَامْلَئُوهُ حَطَبًا وَأَضْرِمُوهُ بِالنَّارِ فَإِذَا الْتَهَبَ "فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيم" النَّار الشَّدِيدَة

پھر لوگ میلے سے واپسی پر دوڑتے ہوئے ان کی طرف آئے۔ تو انہوں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ ہم ان کی عبادت کرتے ہیں اور تم ان کو توڑتے ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے اُن سے بہ طور توبیخ کہا کیا تم اِن ہی بے جان پتھروں کے بتوں وغیرہ کو پوجتے ہو جنہیں خود تراشتے ہو۔ حالانکہ اللہ نے تمہیں اور تمہارے سارے کاموں کو خلق فرمایا ہے۔ یعنی اس نے تمہارے تراشنے اور تراشیدہ کی تخلیق کی ہے۔ لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو اور اس کی توحید کو اپناؤ۔ اور یہاں لفظ ما، یہ مصدریہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے ہے کہ موصولہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ موصوفہ ہے۔ وہ کہنے لگے ان کے جلانے کے لئے ایک عمارت بناؤ جس کو لکڑیوں سے بھر لو اور پھر ان کو آگ میں ڈال دو جب آگ کے شعلے بلند ہو جائیں۔ پھر ان کو اس کے اندر سخت بھڑکتی آگ میں ڈال دو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عمل بت شکنی کا بیان

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے ان تینوں کلمات میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس سے حکمت عملی کے ساتھ دین اللہ کی بھلائی مقصود نہ ہو۔

حضرت سفیان فرماتے ہیں میں بیمار ہوں سے مطلب مجھے طاعون ہو گیا ہے۔ اور وہ لوگ ایسے مریض سے بھاگتے تھے۔ حضرت سعید کا بیان ہے کہ اللہ کے دین کی تبلیغ ان کے جھوٹے معبودوں کی تردید کے لیے خلیل اللہ کی یہ ایک حکمت عملی تھی کہ ایک ستارے کو طلوع ہوتے دیکھ کر فرما دیا کہ میں مقیم ہوں۔ اوروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں یعنی یقیناً ایک مرتبہ مرض الموت آنے والا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مریض ہوں یعنی میرا دل تمہارے ان بتوں کی عبادت سے بیمار ہے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں جب آپ کی قوم میلے میں جانے لگی تو آپ کو بھی مجبور کرنے لگی آپ ہٹ گئے اور فرما دیا کہ میں مقیم ہوں اور آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ جب وہ انہیں تنہا چھوڑ کر چل دیئے تو آپ نے بہ فراغت ان کے معبودوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ وہ تو سب اپنی عید میں گئے آپ چپکے چپکے اور جلدی جلدی ان کے بتوں کے پاس آئے۔ پہلے تو فرمایا کیوں جی تم کھاتے کیوں نہیں؟ یہاں آ کر خلیل اللہ نے دیکھا کہ جو چڑھاوے ان لوگوں نے ان بتوں پر چڑھا رکھے تھے وہ سب رکھے ہوئے تھے ان لوگوں نے تبرک کی نیت سے جو قربانیاں یہاں کی تھیں وہ سب یونہی پڑی ہوئی تھیں یہ بت خانہ بڑا وسیع اور مزین تھا دروازے کے متصل ایک بہت بڑا بت تھا۔

اور اس کے اردگرد اس سے چھوٹے پھر ان سے چھوٹے یونہی تمام بت خانہ بھرا ہوا تھا۔ ان کے پاس مختلف قسم کے کھانے رکھے ہوئے تھے جو اس اعتقاد سے رکھے گئے تھے کہ یہاں رہنے سے متبرک ہو جائیں گے پھر ہم کھالیں گے۔ ابراہیم نے اپنی بات کا جواب نہ پا کر پھر فرمایا یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ بولتے کیوں نہیں۔ اب تو پوری قوت سے دائیں ہاتھ سے مار کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ ہاں بڑے بت کو چھوڑ دیا تا کہ اس پر بدگمانی کی جا سکے۔

بت پرست جب اپنے میلے سے واپس ہوئے بت خانے میں گھسے تو دیکھا کہ ان کے سب خدا اڑنگ بڑنگ پڑے ہوئے ہیں کسی کا ہاتھ نہیں کسی کا پاؤں نہیں کسی کا سر نہیں کسی کا دھڑ نہیں حیران ہو گئے کہ یہ کیا ہوا؟ آخر سوچ سمجھ کر بحث مباحثے کے بعد معلوم

کرلیا کہ ہونہ ہو یہ کام ابراہیم کا ہے (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اب سارے کے سارے مل جل کر خلیل علیہ السلام کے پاس دوڑے، بھاگے، دانت پیستے، تلملائے کوستے گئے۔ خلیل اللہ کو تبلیغ کا اور انہیں قائل معقول کرنے کا اور سمجھانے کا اچھا موقعہ ملا فرمانے لگے کیوں ان چیزوں کی پرستش کرتے ہو جنہیں خود تم بناتے ہو؟ اپنے ہاتھوں گھڑتے اور تراشتے ہو؟ حالانکہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق اللہ ہی ہے۔

ممکن ہے کہ اس آیت میں ما مصدریہ ہو اور ممکن ہے کہ الذی کے معنی میں ہو، لیکن دونوں معنی میں تلازم ہے۔ گو اول زیادہ ظاہر ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب افعال العباد میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صانع اور اس کی صنعت کو پیدا کرتا ہے۔ پھر بعض نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ چونکہ اس پاک صاف بات کا کوئی جواب ان کے پاس نہ تھا تو تنگ آکر دشمنی پر اور سفلہ پن پر اتر آئے اور کہنے لگے ایک بنیان بناؤ اس میں آگ جلاؤ اور اسے اس میں ڈال دو۔

چنانچہ یہی انہوں نے کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو اس سے نجات دی۔ انہی کو غلبہ دیا اور انہی کی مدد فرمائی۔ گو انہوں نے انہیں برائی پہنچانی چاہی لیکن اللہ نے خود انہیں ذلیل کر دیا۔ اس کا پورا بیان اور کامل تفسیر سورہ انبیاء میں گذر چکی ہے وہیں دیکھ لی جائے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ صافات، بیروت)

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ۝ وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ۝
رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝
غرض انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ ایک چال چلنا چاہی سو ہم نے اُن ہی کو نیچا دکھا دیا پھر ابراہیم (علیہ السلام) نے
کہا: میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ مجھے ضرور راستہ دکھائے گا اے میرے رب! صالحین میں سے مجھے ایک عطا فرما۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ سے سلامتی کے ساتھ باہر آ جانے کا بیان

"فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا" بِإِلْقَائِهِ فِي النَّار لِتُهْلِكهُ "فَجَعَلْنَاهُمْ الْأَسْفَلِينَ" الْمَقْهُورِينَ فَخَرَجَ مِنْ النَّار سَالِمًا "وَقَالَ إنِّي ذَاهِب إلَى رَبِّي" مُهَاجِر إلَيْهِ مِنْ دَار الْكُفْر "سَيَهْدِينِي" إلَى حَيْثُ أَمَرَنِي رَبِّي بِالْمَصِيرِ إلَيْهِ وَهُوَ الشَّام فَلَمَّا وَصَلَ إلَى الْأَرْض الْمُقَدَّسَة قَالَ: "رَبّ هَبْ لِي" وَلَدًا "مِنَ الصَّالِحِينَ"

پس انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال کر ایک چال چلنا چاہی۔ تاکہ وہ آپ کو جلا دیں۔ سو ہم نے اُن ہی کو نیچا دکھا دیا یعنی آپ آگ سے سلامتی کے ساتھ باہر آ گئے۔ پھر ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں دارالکفر سے ہجرت کر کے اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ مجھے ضرور راستہ دکھائے گا۔ وہ ملک شام کی طرف ہجرت فرما گئے۔ پھر ارضِ مقدس میں پہنچ کر دعا کی، اے میرے رب! صالحین میں سے مجھے ایک فرزند عطا فرما۔

آگ کے گلستان بن جانے کا عجیب واقعہ

یہ قاعدہ ہے کہ جب انسان دلیل سے لاجواب ہو جاتا ہے تو یا نیکی اسے گھسیٹ لیتی ہے یا بدی غالب آ جاتی ہے۔ یہاں ان لوگوں کی بدبختی نے گھیر لیا اور دلیل سے عاجز آ کر قائل معقول ہو کر لگے اپنے دباؤ کا مظاہرہ کرنے آپس میں مشورہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال کر اس کی جان لے لو تا کہ ہمارے ان معبودوں کی عزت رہے۔ اس بات پر سب نے اتفاق کر لیا اور لکڑیاں جمع کرنی شروع کر دیں یہاں تک کہ بیمار عورتیں بھی نذر مانتی تھیں تو یہی کہ اگر انہیں شفا ہو جائے تو ابراہیم علیہ السلام کے جلانے کو لکڑیاں لائیں گی۔ زمین میں ایک بہت بڑا اور بہت گہرا گڑھا کھود الکڑیوں سے پر کیا اور انبار کھڑا کر کے اس میں آگ لگائی روئے زمین پر کبھی اتنی بڑی آگ دیکھی نہیں گئی۔ جب اُگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اس کے پاس جانا محال ہو گیا اب گھبرائے کہ خلیل اللہ علیہ السلام کو آگ میں ڈالیں کیسے؟ آخر ایک کردی فارسی اعرابی کے مشورے سے جس کا نام ہیزن تھا ایک منجنیق تیار کرائی گئی کہ اس میں بیٹھا کر جھولا کر پھینک دو۔

مروی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت زمین میں دھنسا دیا اور قیامت تک وہ اندر اترتا جاتا ہے۔ جب آپکو آگ میں ڈالا گیا آپ نے فرمایا حسبی اللہ ونعم الوکیل، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے پاس بھی جب یہ خبر پہنچی کہ تمام عرب لشکر جرار لے کر آپ کے مقابلے کے لئے آ رہے ہیں تو آپ نے بھی یہی پڑھا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب آپ کو آگ میں ڈالنے لگے تو آپ نے فرمایا الٰہی تو آسمانوں میں اکیلا معبود ہے اور توحید کے ساتھ تیرا عابد زمین پر صرف میں ہی ہوں۔

مروی ہے کہ جب کافر آپ کو باندھنے لگے تو آپ نے فرمایا الٰہی تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں تیری ذات پاک ہے تمام حمد و ثنا تیرے ہی لئے سزاوار ہے۔ سارے ملک کا تو اکیلا ہی مالک ہے کوئی بھی تیرا شریک و ساجھی نہیں۔ حضرت شعیب جبائی فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر صرف سولہ سال کی تھی۔

بعض سلف سے منقول ہے کہ اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے سامنے آسمان و زمین کے درمیان ظاہر ہوئے اور فرمایا کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ آپ نے جواب دیا تم سے تو کوئی حاجت نہیں البتہ اللہ تعالیٰ سے حاجت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بارش کا داروغہ فرشتہ کان لگائے ہوئے تیار تھا کہ کب اللہ کا حکم ہو اور میں اس آگ پر بارش برسا کر اسے ٹھنڈی کر دوں لیکن براہ راست حکم الٰہی آگ کو ہی پہنچا کہ میرے خلیل پر سلامتی اور ٹھنڈک بن جا۔ فرماتے ہیں کہ اس حکم کے ساتھ ہی روئے زمین کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔

دنیا بھر میں آگ کے فائدہ ہونے کے دن کا بیان

حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس دن دنیا بھر میں آگ سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جوتیاں تو آگ نے جلا دیں لیکن آپ کے ایک رونگٹے کو بھی آگ نہ لگی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اگر آگ کو صرف ٹھنڈا ہونے کا ہی حکم ہوتا تو پھر ٹھنڈک بھی آپ کو ضرر پہنچاتی اس لئے ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ ٹھنڈک کے ساتھ ہی

سلامتی بن جا۔

ضحاک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑا گڑھا بہت ہی گہرا کھودا تھا اور اسے آگ سے پر کیا تھا ہر طرف آگ کے شعلے نکل رہے تھے اس میں خلیل اللہ کو ڈال دیا لیکن آگ نے آپ کو چھوا تک نہیں یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اسے بالکل ٹھنڈا کر دیا۔ ۔ ور ہے کہ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے آپ کے منہ پر سے پسینہ پونچھ رہے تھے بس اس کے سوا آپ وآگ نے کوئی تکلیف نہیں دی۔

سدی فرماتے ہیں سایہ یا فرشتہ اس وقت آپ کے ساتھ تھا۔ مروی ہے کہ آپ اس میں چالیس یا پچاس دن رہے فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس زمانے میں جو راحت وسرور حاصل تھا ویسا اس سے نکلنے کے بعد حاصل نہیں ہوا کیا اچھا ہوتا کہ میری ساری زندگی اسی میں گزرتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے سب سے اچھا کلمہ جو کہا ہے وہ یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام آگ سے زندہ صحیح سالم نکلے اس وقت آپ کو پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے دیکھ کر آپ کے والد نے کہا ابراہیم تیرا رب بہت ہی بزرگ اور بڑا ہے۔

مقام نبوت کے دشمن گرگٹ کی بدبختی کا بیان

قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس دن جو جانور نکلا وہ آپ کی آگ کو بجھانے کی کوشش کرتا رہا سوائے گرگٹ کے۔ حضرت زہری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا ہے اور فاسق کہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ایک نیزہ دیکھ کر ایک عورت نے سوال کیا کہ یہ کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ آپ نے فرمایا گرگٹوں کو مار ڈالنے کے لئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے اس وقت تمام جانور اس آگ کو بجھا رہے تھے سوائے گرگٹ کے۔ یہ پھونک رہا تھا پس آپ نے اس کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ان کا مکر ہم نے ان پر الٹ دیا۔ کافروں نے اللہ کے نبی علیہ السلام کو نیچا کرنا چاہا اللہ نے انہیں نیچا دکھایا۔

حضرت عطیہ عوفی کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں جلائے جانے کا تماشا دیکھنے کے لئے ان کافروں کا بادشاہ بھی آیا تھا۔ ادھر خلیل اللہ کو آگ میں ڈالا جاتا ہے ادھر آگ میں سے ایک چنگاری اڑتی ہے اور اس کافر بادشاہ کے انگوٹھے پر آ پڑتی ہے اور وہیں کھڑے کھڑے سب کے سامنے اس طرح اسے جلا دیتی ہے جیسے روئی جل جائے۔ (تفسیر ابن کثیر، الانبیاء)

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ○
پس ہم نے انہیں بڑے بُردبار بیٹے (اسماعیل علیہ السلام) کی بشارت دی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی آمد کی بشارت کا بیان

"فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ" أَيْ ذِي حِلْمٍ كَثِيرٍ،

پس ہم نے انہیں بڑے بردبار بیٹے (اسماعیل علیہ السلام) کی بشارت دی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کو دعا سے طلب کرنے کا بیان

خلیل اللہ جب اپنی قوم کی ہدایت سے مایوس ہو گئے۔ بڑی بڑی قدرتی نشانیاں دیکھ کر بھی جب انہیں ایمان نصیب نہ ہوا تو آپ نے ان سے ہٹ جانا پسند فرمایا اور اعلان کر دیا کہ میں اب تم میں سے ہجرت کر جاؤں گا میرا رہنما میرا رب ہے۔ ساتھ ہی اپنے رب سے اپنے ہاں اولاد ہونے کی دعا مانگی تا کہ وہ بھی توحید میں آپ کا ساتھ دے۔ اسی وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایک بردبار بچے کی بشارت دی جاتی۔ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے یہی آپ کے لیے صاحبزادے تھے اور حضرت اسحاق سے بڑے تھے۔ اسے تو اہل کتاب بھی مانتے ہیں بلکہ ان کی کتب میں موجود ہے کہ حضرت اسماعیل کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی سال کی تھی۔

اور جس وقت حضرت اسحاق علیہ السلام تولد ہوتے ہیں اس وقت آپ کی عمر ننانوے برس کی تھی۔ بلکہ ان کی اپنی کتاب میں تو یہ بھی ہے کہ جناب ابراہیم کو اپنے اکلوتے فرزند کو ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔ لیکن صرف اس لیے کہ یہ لوگ خود تو نبی اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور نبی اللہ و ذبیح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے عرب ہیں۔ انہیں نے واقعہ کی اصلیت بدل دی اور اس فضیلت کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ہٹا کر حضرت اسحاق کو دے دیا اور بیجا تاویلیں کرتے اللہ کے کلام کو بدل ڈالا۔ اور کہا ہماری کتاب میں لفظ وحید ک ہے اس سے مراد اکلوتا نہیں بلکہ جو تیرے پاس اس وقت اکیلا ہے وہ ہے۔ یہ اس لیے کہ حضرت اسماعیل تو اپنی والدہ کے ساتھ مکے میں تھے یہاں خلیل اللہ کے ساتھ صرف حضرت اسحاق تھے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ وحید اسی کو کہا جاتا ہے جو اکلوتا ہو اس کا اور کوئی بھائی نہ ہو۔ پھر یہاں ایک بات اور بھی ہے کہ اکلوتے اور پہلوٹھی کے بچے کے ساتھ جو محبت ہوتی اور اس کے جو لاڈ پیار ہوتے ہیں عموماً دوسری اولاد کے ہونے پر پھر وہ باقی نہیں رہتے۔ اس لیے اس کے ذبیحہ کا حکم امتحان اور آزمائش کی زبردست کڑی ہے۔

ہم اسے مانتے ہیں کہ بعض سلف بھی اس کے قائل ہوئے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق تھے یہاں تک کہ بعض صحابہ سے بھی یہ مروی ہے لیکن یہ چیز کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ خیال یہ ہے کہ بنو اسرائیل کی ایک شہرت دی ہوئی بات کو ان حضرات نے بھی بیدلیل اپنے ہاں لے لیا دور کیوں جائیں کتاب اللہ کے الفاظ میں ہی غور کر لیجیے کہ حضرت اسمٰعیل کی بشارت کا غلام حلیم کہہ کر ذکر ہوا اور پھر اللہ کی راہ میں ذبح کے لیے تیار ہونے کا ذکر ہوا۔ اس تمام بیان کو ختم کر کے پھر نبی صالح حضرت اسحاق کے تولد کی بشارت کا بیان ہوا۔ اور فرشتوں نے بشارت اسحاق کے موقع پر غلام علیم فرمایا تھا۔ اسی طرح قرآن میں ہے بشارت اسحاق کے ساتھ ہی ہے (وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ، ھود: 71) یعنی حضرت ابراہیم کی حیات میں ہی حضرت اسحاق کے ہاں حضرت یعقوب پیدا ہوں گے یعنی ان کی تو نسل جاری رہنے کا پہلے ہی علم کرایا جا چکا تھا اب انہیں ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا؟ اسے ہم پہلے بھی بیان کر چکے۔ البتہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا وصف یہاں پر بردباری کا بیان کیا گیا ہے۔ جو ذبح کے لیے نہایت مناسب

ہے۔اب حضرت اسماعیل بڑے ہو گئے اپنے والد کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔(تفسیر ابن کثیر، صافات، بیروت)

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

پھر جب وہ (اسماعیل علیہ السلام) ان کے ساتھ دوڑ کر چل سکنے کو پہنچ گیا تو (ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں سو غور کرو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔(اسماعیل علیہ السلام نے) کہا: ابا جان! وہ کام کر ڈالیے جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے۔ اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ذبح پر مشورہ کرنے کا بیان

"فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ" أَيْ أَنْ يَسْعَى مَعَهُ وَيُعِينهُ قِيلَ بَلَغَ سَبْع سِنِينَ وَقِيلَ ثَلَاث عَشْرَة سَنَة "قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى" أَيْ رَأَيْت "فِي الْمَنَام أَنِّي أَذْبَحك" وَرُؤْيَا الْأَنْبِيَاء حَقّ وَأَفْعَالهمْ بِأَمْرِ اللَّه تَعَالَى "فَانْظُرْ مَاذَا تَرَى" مِنْ الرَّأْي شَاوَرَهُ لِيَأْنَس بِالذَّبْحِ وَيَنْقَاد لِلْأَمْرِ بِهِ "قَالَ يَا أَبَتِ" التَّاء عِوَض عَنْ يَاء الْإِضَافَة "افْعَلْ مَا تُؤْمَر" بِهِ "سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّه مِنَ الصَّابِرِينَ" عَلَى ذَلِكَ،

پھر جب وہ اسماعیل علیہ السلام ان کے ساتھ دوڑ کر چل سکنے کی عمر کو پہنچ گئے۔اور کاموں میں آپ کا ہاتھ بٹاتے اور کہا گیا ہے اس وقت آپ کی عمر سات تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی عمر مبارک تیرہ سال تھی۔تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب حق ہوتے ہیں۔کیونکہ ان کے افعال اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ ہوتے ہیں۔پس غور کرو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔یعنی آپ نے اس لئے مشورہ کیا تا کہ بیٹے ذبح ہونے کی طرف مانوس ہو جائے۔اور حکم ذبح کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا ابا جان! وہ کام فوراً کر ڈالیے جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے۔۔یہاں پر تاء یہ یائے اضافت کے بدلے میں آئی ہے۔اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔یعنی اس کام پر آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

قال یابت ای قال اسمعیل: یا حرف ندا ابت مضاف مضاف الیہ مل کر منادی اب باپ۔اصل میں ابو تھا۔بروزن فعل۔ ندا کی حالت میں تاء زیادہ کر کے یا ابت (اے میرے باپ) کہا جاتا ہے۔

ستجدنی ۔س تاکید کے لئے اور فعل کے مستقبل میں وقوع پذیر ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔تجد۔مضارع واحد مذکر حاضر۔وجود (باب ضرب) سے مصدر۔ن وقایہ ی ضمیر واحد متکلم۔تو ضرور مجھے پائے گا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذبح ہونے پر صبر و رضامندی اختیار کرنے کا بیان

آپ اس وقت مع اپنی والدہ محترمہ کے فاران میں تھے حضرت ابراہیم عموماً وہاں جاتے آتے رہتے تھے یہ مذکور ہے کہ براق پر جاتے تھے اور اس جملے کے یہ معنی بھی ہیں کہ جوانی کے لگ بھگ ہو گئے لڑکپن کا زمانہ نکل گیا اور باپ کی طرح چلنے پھرنے کام کاج کرنے کے قابل بن گئے تو حضرت ابراہیم نے خواب دیکھا کہ گویا آپ اپنے پیارے بچے کو ذبح کر رہے ہیں انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں اور اس کی دلیل یہی آیت ہے۔

ایک مرفوع روایت میں بھی یہ ہے۔ پس اللہ کے رسول نے اپنے لخت جگر کی آزمائش کے لیے کہ اچانک وہ گھبرانہ اٹھے، اپنا ارادہ ان کے سامنے ظاہر کیا۔ وہاں کیا تھا۔ وہ بھی اسی درخت کے پھل تھے نبی ابن نبی تھے جواب دیتے ہیں اب پھر دیر کیوں لگا رہے ہو یہ باتیں بھی پوچھنے کی ہوتی ہیں جو حکم ہوا ہے اسے فوراً کر ڈالیے اور اگر میری نسبت کھٹکا ہو تو زبانی اطمینانی کیا کروں چھری رکھیے خود معلوم ہو جائے گا کہ میں کیسا کچھ صابر ہوں۔ انشاء اللہ میرا صبر آپ کا جی خوش کر دے گا۔ سبحان اللہ جو کہا تھا وہی کر کے دکھایا اور صادق الوعد ہونے کا سرٹیفکیٹ اللہ کی طرف سے حاصل کر ہی لیا۔ آخر باپ بیٹا دونوں حکم اللہ کی اطاعت کے لیے جان بکف تیار ہو جاتے ہیں باپ بچے کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اور باپ اپنے نور چشم لخت جگر کو منہ کے بل زمین پر گراتے ہیں تاکہ ذبح کے وقت منہ دیکھ کر محبت نہ آ جائے اور ہاتھ سست نہ پڑ جائے۔

جمروں پر شیطان کو سات کنکریاں مارنے کا بیان

مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی نور نظر کو ذبح کرنے کے لیے بحکم اللہ لے چلے تو سعی کے وقت شیطان سامنے آیا لیکن حضرت ابراہیم اس سے آگے بڑھ گئے، پھر حضرت جبرائیل کے ساتھ آپ جمرہ عقبہ پر پہنچے تو پھر شیطان سامنے آیا آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں۔ پھر جمرہ وسطی پاس آیا پھر وہاں سات کنکریاں ماریں۔ پھر آگے بڑھ کر اپنے پیارے بچے کو اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے لیے نیچے پچھاڑا، ذبیح اللہ کے پاک جسم پر اس وقت سفید چادر تھی کہنے لگے ابا جی اسے اتار لیجیے تاکہ اس میں آپ مجھے کفنا سکیں۔ اس وقت بیٹے کو بے لباس کرتے وقت باپ کا عجب حال تھا کہ آواز آئی بس ابراہیم خواب کو سچا کر چکے۔ مڑ کر دیکھا تو ایک مینڈھا سفید رنگ کا بڑے بڑے سینگوں اور صاف آنکھوں والا نظر پڑا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی لیے ہم اس قسم کے مینڈھے (چھترے) چن چن کر قربانی کے لیے لیتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے دوسری روایت میں حضرت اسحاق کا نام مروی ہے۔ تو گو دونوں نام آپ سے مروی ہیں لیکن اول ہی اولیٰ ہے اور اسکی دلیلیں آ رہی ہیں۔

اس کے بدلے بڑا ذبیحہ اللہ نے عطا فرمایا اس کی بابت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ جنتی چھترا تھا جو وہاں چالیس سال سے کھا پی رہا تھا۔ اسے دیکھ کر آپ اپنے بچے کو چھوڑ کر اس کے پیچھے ہو لیے۔ جمرہ اولیٰ پر آ کر سات کنکریاں پھینکیں پھر

وہ بھاگ کر جمرہ وسطی پر آ گیا۔ سات کنکریاں ماریں اور وہاں سے ملحر میں لا کر ذبح کیا اس کے سینگ سر سمیت ابتداء اسلام کے زمانہ تک کعبے کے پرنالے کے پاس لٹکتے رہے تھے پھر سوکھ گئے۔ ایک مرتبہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

ابلیس کا مختلف بہانوں سے لغزش دلانے کی کوشش کرنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو حدیثیں بیان کر رہے تھے اور حضرت کعب کتاب کے قصے بیان کر رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہر نبی کے لیے ایک دعا قبول شدہ ہے اور میں نے اپنی اس مقبول دعا کو پوشیدہ کر کے رکھ چھوڑا ہے اپنی امت کی شفاعت کے۔ اور فرمانے لگے تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں یا فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ صدقے جائیں پھر حضرت کعب نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا قصہ سنایا کہ جب آپ اپنے لڑکے حضرت اسمٰعیل کو ذبح کرنے کے لیے مستعد ہو گئے تو شیطان نے کہا اگر میں اس وقت انہیں نہ بہکا سکا تو مجھے ان سے عمر بھر کے لیے مایوس ہو جانا چاہیے۔ پہلے تو یہ حضرت سارہ کے پاس آیا اور پوچھا کہ ابراہیم تمہارے لڑکے کو کہاں لے گئے ہیں؟ مائی صاحبہ نے جواب دیا اپنے کسی کام پر لے گئے ہیں اس نے کہا نہیں بلکہ وہ ذبح کرنے کے لیے لے گئے ہیں مائی صاحبہ نے فرمایا وہ اسے کیوں ذبح کرنے لگے؟ لعین نے کہا وہ کہتے ہیں اللہ کی طرف سے یہی حکم ہے جواب ملا پھر تو یہی بہتر ہے کہ وہ جلدی سے اللہ کے حکم کی بجا آوری سے فارغ ہو لیں۔ یہاں سے نامراد ہو کر بچے کے پاس آیا اور کہا تمہارے ابا تمہیں کہاں لے جاتے ہیں۔؟ فرمایا اپنے کام کے لیے کہا نہیں بلکہ وہ تجھے ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں، فرمایا یہ کیوں؟ کہا اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں اللہ کا انہیں حکم ہے۔ کہا پھر تو واللہ انہیں اس کام میں بہت جلدی کرنی چاہیے۔ ان سے بھی مایوس ہو کر یہ ملعون خلیل اللہ کے پاس پہنچا۔ ان سے کہا بچے کو کہاں لے جا رہے ہو؟ جواب دیا اپنے کام کے لیے ملعون نے کہا نہیں بلکہ تم تو اسے ذبح کرنے کے لیے جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا یہ کیوں؟ بولا اس لیے کہ تمہارا خیال ہے کہ اللہ کا حکم تمہیں یونہی ہے، آپ نے فرمایا اللہ کی قسم پھر تو میں ضرور ہی اسے ذبح کر ڈالوں گا۔ اب ابلیس مایوس ہو گیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ صافات، بیروت)

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝
پھر جب دونوں جھک گئے اور ابراہیم (علیہ السلام) نے اسے پیشانی کے بل لٹا دیا اور ہم نے اسے ندا دی کہ اے ابراہیم!
واقعی تم نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ بے شک ہم محسنوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے حکم ذبح کے سامنے جھک جانے کا بیان

"فَلَمَّآ اَسْلَمَا" خَضَعَا وَانْقَادَا لِاَمْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى "وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ" صَرَعَهٗ عَلَيْهِ وَلِكُلِّ اِنْسَانٍ جَبِيْنَانِ

بَيْنَهُمَا الْجَبْهَةَ وَكَانَ ذٰلِكَ بِمِنًى وَأَمَرَّ السِّكِّينَ عَلٰى حَلْقِهِ فَلَمْ تَعْمَلْ شَيْئًا بِمَانِعٍ مِنَ الْقُدْرَةِ الْإِلٰهِيَّةِ

"قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا" بِمَا أَتَيْتَ بِهِ مِمَّا أَمْكَنَكَ مِنْ أَمْرِ الذَّبْحِ : أَيْ يَكْفِيكَ ذٰلِكَ فَجُمْلَةُ نَادَيْنَاهُ جَوَابُ لِمَا بِزِيَادَةِ الْوَاوِ "إِنَّا كَذٰلِكَ" كَمَا جَزَيْنَاكَ "نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ" لِأَنْفُسِهِمْ بِامْتِثَالِ الْأَمْرِ بِإِفْرَاجِ الشِّدَّةِ عَنْهُمْ

پھر جب دونوں رضائے الٰہی کے سامنے اس کے حکم کی اطاعت کی خاطر جھک گئے یعنی دونوں نے مولا کے حکم کو تسلیم کرلیا۔اورابراہیم علیہ السلام نے اسے پیشانی کے بل لِٹا دیا۔ہر انسان کی دو کنپٹیاں ہوا کرتی ہیں اوران کے درمیان پیشانی ہوتی ہے۔اور یہ واقعہ منیٰ میں پیش آیا۔اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چھری کو آپ کے گلے پر چلا دیا لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ چھری نے چلنے والا کوئی کام نہ کیا۔اور ہم نے اسے ندا دی کہ اے ابراہیم !واقعی تم نے اپنا خواب سچا کردکھایا۔یعنی جو کام آپ نے کیا وہ آپ کیلئے کافی ہے۔اور یہاں پر جملہ نادیناہ یہ حرف واؤ کی زیادتی کے ساتھ لما کا جواب ہے۔بے شک ہم محسنوں کوایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔یعنی تمہارے اپنے لئے یہ امتثال امر ہے جبکہ تم سے اس شدت کودور کردیا گیا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا محل منیٰ میں ذبح ہونے کا بیان

یہ حدیث ابن ابی حاتم میں ہے ذبیح اللہ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں،محل ذبح منیٰ ہے اور وہ مکے میں ہے اور حضرت اسماعیل یہیں تھے نہ کہ حضرت اسحاق وہ تو شہر کنعان میں تھے جو شام ہے۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے پیارے بچے کو ذبح کرنے کے لیے لٹا دیتے ہیں جناب باری سے ندا آتی ہے کہ بس ابراہیم تم اپنے خواب کو پورا کر چکے۔سدی سے روایت ہے کہ جب خلیل اللہ نے ذبیح اللہ کے حلق پر چھری پھیری تو گردن تانبے کی ہوگئے اور نہ کٹی اور یہ آواز آئی۔ہم اسی طرح نیک کاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔یعنی سختیوں سے بچالیتے ہیں اور چھٹکارا کردیتے ہیں۔

جیسے فرمایا اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ چھٹکارے کی صورت نکال ہی دیتا ہے اور اسے ایسی طرح روزی پہنچاتا ہے کہ اس کے گمان ووہم میں بھی نہ ہو۔اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی کافی ہے اللہ اپنے کاموں کو مکمل کرکے چھوڑتا ہے ہر چیز کا اس نے ایک اندازہ مقرر کررکھا ہے۔اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ فعل پر قدرت پانے سے پہلے ہی حکم منسوخ ہوسکتا ہے ہاں معتزلہ اسے نہیں مانتے۔وجہ استدلال بہت ظاہر ہے اس لیے کہ خلیل اللہ کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم ہوتا ہے اور پھر ذبح سے پہلے ہی فدیئے کے ساتھ منسوخ کردیا جاتا ہے۔مقصود اس سے یہ تھا کہ صبر کا اور بجا آوری حکم پر مستعدی کا ثواب مرحمت فرمادیا جائے۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی،سورہ صافات،بیروت)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ○ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ○

بے شک یہ بہت بڑی کھلی آزمائش تھی۔اور ہم نے ایک بہت بڑی قربانی کے ساتھ اِس کا فدیہ کر دیا۔

ذبح کے ذریعے بڑا امتحان ہونے کا بیان

"اِنَّ هَذَا" الذَّبح الْمَأْمُور بِهِ "لَهُوَ الْبَلَاء الْمُبِين" أَيْ الِاخْتِبَار الظَّاهِر "وَفَدَيْنَاهُ" أَيْ الْمَأْمُور بِذَبْحِهِ وَهُوَ إِسْمَاعِيل أَوْ إِسْحَاق قَوْلَانِ "بِذِبْحٍ" بِكَبْشٍ "عَظِيم" مِنْ الْجَنَّة وَهُوَ الَّذِي قَرَّبَهُ هَابِيل جَاءَ بِهِ جِبْرِيل عَلَيْهِ السَّلَام فَذَبَحَهُ السَّيِّد إِبْرَاهِيم مُكَبِّرًا،

بے شک یہ یعنی ذبح کا حکم دیا جانا بہت بڑی کھلی آزمائش تھی۔یعنی ظاہر امتحان تھا۔اور ہم نے ایک بہت بڑی قربانی کے ساتھ اِس کا فدیہ کر دیا۔یعنی جب ہم نے ذبح کا حکم دیا تھا۔اور حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے یا اسحاق علیہ السلام تھے۔یہ دونوں اقوال ہیں۔اور فدیہ سے مراد کہ آپ کے بدلے میں جنت سے مینڈھا بھیج دیا گیا۔اور یہ وہی مینڈھا تھا جس کو ہابیل نے قربان کیا تھا تو جرائیل امین اسی کو لے آئے۔تو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تکبیر کہتے ہوئے اسی کو ذبح کر دیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ اللہ کی طرف سے آنے کا بیان

اسی لیے ارشاد ہوا یہ تو صرف ایک آزمائش تھی کھلا امتحان تھا کہ ادھر حکم ہوا ادھر تیاری ہوئی۔اسی لیے جناب خلیل اللہ علیہ السلام کی تعریف میں قرآن میں ہے ابراہیم بڑا ہی وفادار تھا۔بڑے ذبیح کے ساتھ ان کا فدیہ ہم نے دیا۔سفید رنگ بڑی آنکھوں اور بڑے سینگوں والا عمدہ خوراک سے پلا ہوا مینڈھا فدیئے میں دیا گیا جو ثبیر پہ ببول کے درخت سے بندھا ہوا ملا۔جو جنت میں چالیس سال چرتا رہا۔منیٰ میں ثبیر کے پاس جو چٹان ہے اس پر یہ جانور ذبح کیا گیا یہ چیختا ہوا اوپر سے اترا تھا۔یہی وہ مینڈھا ہے جسے ہابیل نے اللہ کی راہ میں قربان کیا تھا۔اس کی اون قدرے سرخی مائل تھی اسکا نام جریر تھا۔بعض کہتے ہیں مقام ابراہیم پر اسے ذبح کیا۔کوئی کہتا ہے منیٰ میں نحر پر۔ایک شخص نے اپنے تئیں راہ اللہ میں ذبح کرنے کی منت مانی تھی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے ایک سو اونٹ ذبح کرنے کا فتویٰ دیا تھا لیکن پھر فرماتے تھے کہ اگر میں اسے ایک بھیڑ ذبح کرنے کو کہتا تب بھی کافی تھا کیونکہ کتاب اللہ میں ہے کہ حضرت ذبیح اللہ کا فدیہ اسی سے دیا گیا تھا۔اکثر لوگوں کا یہی قول ہے بعض کہتے ہیں یہ پہاڑی بکرا تھا۔کوئی کہتا ہے نر ہرن تھا۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بھیڑ کے سینگ بیت اللہ شریف میں داخلے کے وقت اندر دیکھے تھے اور مجھے یاد نہ رہا کہ میں تجھے ان کے ڈھانک دینے کا حکم دوں جاؤ اسے ڈھک دو بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہ ہونی چاہیئے جو نمازی کو اپنی طرف متوجہ کر لے۔حضرت سفیان فرماتے ہیں اس بھیڑ کے سینگ بیت اللہ میں ہی رہے یہاں تک کہ ایک مرتبہ بیت اللہ میں آگ لگی؛ اس میں وہ جل گئے، یہ واقعہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل

تھے اسی وجہ سے ان کی اولاد قریش تک یہ سینگ برابر اور مسلسل چلے آئے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے مبعوث فرمایا۔ ان آثار کا بیان، جن میں ذبیح اللہ کا نام ہے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ صافات، بیروت)

ذبیح اللہ سے متعلق روایات کا بیان

ابو میسرہ فرماتے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے فرمایا کیا تو میرے ساتھ کھانا چاہتا ہے میں یوسف بن یعقوب نبی اللہ بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ ہوں (عبید بن عمیر) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کی کہ اے اللہ کیا وجہ ہے جو لوگوں کی زبانوں پر یہ چڑھا ہوا ہے کہ ابراہیم اسمٰعیل اور یعقوب کے اللہ کی قسم، تو جواب ملا اس لئے ابراہیم نے تو ہر چیز پر مجھی کو ترجیح دی اور اسحاق علیہ السلام نے اپنے تئیں میری راہ میں ذبح ہونے کے لئے سپرد کر دیا پھر بھلا اور چیزیں اسے پیش کر دینا کیا مشکل تھیں اور یعقوب کو میں جوں جوں بلاؤں میں ڈالتا گیا اس کے حسن ظنی میرے ساتھ بڑھتی ہی رہی۔ ابن مسعود کے سامنے ایک مرتبہ کسی نے فخراً اپنے باپ دادوں کا نام لیا تو آپ نے فرمایا قابل فخر باپ دادا تو حضرت یوسف کے تھے جو یعقوب بن اسحاق اور ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ تھے۔ عکرمہ، ابن عباس، خود عباس، علی سعید بن جبیر، مجاہد، شعبی، عبید بن عمر، ابو میسرہ، زید بن اسلم، عبداللہ بن شفیق، زہری، قاسم بن ابو برزہ، مکحول، عثمان بن ابی عاص، سدی، حسن، قتادہ، ابو الہذیل، ابن سابط، کعب احبار رحمہم اللہ اجمعین، ان سب کا یہی قول ہے۔

اور ابن جریر بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق علیہ السلام تھے۔ صحیح علم تو اللہ کو ہی ہے مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سب بزرگوں کے استاد حضرت کعب احبار ہیں۔ یہ خلافت فاروقی میں مسلمان ہوئے تھے اور کبھی کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قدیمی کتابوں کی باتیں سناتے تھے، لوگوں نے اسے رخصت سمجھ کر پھر ان سے ہر ایک بات بیان کرنی شروع کر دی اور صحیح غلط کی تمیز اٹھ گئی حق تو یہ ہے کہ اس امت کو اگلی کتابوں کی ایک بات کی بھی حاجت نہیں۔ بغوی نے کچھ اور نام بھی صحابہ تابعین کے بتلائے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے اگر وہ حدیث صحیح ہوتی تو جھگڑے کا فیصلہ تھا مگر وہ حدیث صحیح نہیں اس میں دو راوی ضعیف ہیں۔ حسن بن دینار متروک ہیں اور علی بن زید بن جدعان منکر الحدیث ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ہے یہ بھی موقف، چنانچہ ایک سند سے یہ مقولہ حضرت ابن عباس کا مروی ہے اور یہی زیادہ ٹھیک ہے۔ واللہ اعلم۔

اب ان آثار کو سنئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل ہی تھے اور یہی ٹھیک اور بالکل درست بھی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ یہی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہودی حضرت اسحاق کا نام جھوٹ موٹ لیتے ہیں ابن عمر مجاہد شعبی حسن بصری محمد بن کعب قرظی، خلیفۃ المسلمین حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کے سامنے جب محمد بن قرظی نے یہ فرمایا اور ساتھ ہی اس کی دلیل بھی دی کہ ذبح کے ذکر کے بعد قرآن میں خلیل اللہ کو حضرت اسحاق کے پیدا ہونے کی بشارت کا ذکر ہے اور ساتھ ہی بیان ہے کہ ان کے ہاں بھی لڑکا ہوگا یعقوب نامی جب ان کے ہاں لڑکا ہونے کی بشارت دی گئی تھی پھر باوجود ان کے ہاں لڑکا نہ ہوں کے اس سے

پہلے ہی ان کے ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ بہت صاف دلیل ہے میرا ذہن یہاں نہیں پہنچا تھا گویہ میں بھی جانتا تھا کہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل ہی ہیں پھر شاہ اسلام نے شام کے ایک یہودی عالم سے پوچھا جو مسلمان ہو گئے تھے کہ تم اس بارے میں کیا علم رکھتے ہو انہوں نے فرمایا امیر المسلمین سچ تو یہی ہے کہ جن کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا وہ حضرت اسماعیل ہی تھے لیکن چونکہ عرب ان کی اولاد میں سے ہیں تو یہ بزرگی ان کی طرف لوٹتی ہے اس حسد کے بارے میں یہودیوں نے اسے بدل دیا اور حضرت اسحاق کا نام لے دیا۔ حقیقی علم اللہ ہی کو ہے ہمارا ایمان ہے کہ حضرت اسماعیل حضرت اسحاق دونوں ہی طاہر وطیب اور اللہ کے سچے فرمانبردار تھے۔

کتاب الزہد میں ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے اپنے والد سے جب یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ ذبح ہونے والے حضرت اسماعیل ہی تھے۔ حضرت علی حضرت ابن عمر ابوالطفیل، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، حسن، مجاہد، شعبی، محمد بن کعب، ابوجعفر محمد بن علی ابوصالح رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔

امام بغوی نے اور بھی صحابہ اور تابعین کے نام گنوائے ہیں۔ ایک غریب حدیث بھی اسی کی تائید میں مروی ہے اس میں ہے کہ شام میں امیر معاویہ کے سامنے یہ بحث چھڑی کہ ذبیح اللہ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا خوب ہوا جو یہ معاملہ مجھ جیسے باخبر شخص کے پاس آیا سنو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے جب ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے اللہ کی راہ میں دو ذبح ہونے والوں کی نسل کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی مال غنیمت میں سے کچھ دلوائیے اس پر آپ ہنس دیئے۔ ایک تو ذبیح اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ تھے دوسرے حضرت اسمٰعیل جن کی نسل میں سے آپ ہیں۔ عبداللہ کے ذبیح اللہ ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کھودا تو نذر مانی تھی کی اگر یہ کام آسانی سے پورا ہو گیا تو اپنے ایک لڑکے کو راہ اللہ میں ذبح کروں گا جب کام ہو گیا اور قرعہ اندازی کی گئی کہ کس بیٹے کو اللہ کے نام پر ذبح کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کا نام نکلا۔ ان کے ننھیال والوں نے کہا آپ ان کی طرف سے ایک سو اونٹ راہ اللہ ذبح کر دیں چنانچہ وہ ذبح کر دیئے گئے اور اسماعیل کے ذبیح اللہ ہونے کا واقعہ تو مشہور ہی ہے ابن جریر میں یہ روایت موجود ہے۔

اور مغازی اموبیہ میں بھی امام ابن جریر نے حضرت اسحاق کے ذبیح اللہ ہونے کی ایک دلیل تو یہ پیش کی یہ کہ جس علیم بچے کی بشارت کا ذکر ہے اس سے مراد حضرت اسحاق ہیں قرآن میں اور جگہ ہے وبشرو بغلام علیم اور حضرت یعقوب کی بشارت کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچ گئے تھے اور ممکن ہے کہ یعقوب کے ساتھ ہی کوئی اور اولاد بھی ہوئی ہو اور کعبۃ اللہ میں سینگوں کی موجودگی کے بارے میں فرماتے ہیں بہت ممکن ہے کہ یہ بلاد کنعان سے لا کر یہاں رکھے گئے ہوں اور بعض لوگوں سے حضرت اسحاق کے نام کی صراحت بھی آئی ہے، لیکن یہ سب باتیں حقیقت سے بہت دور ہیں۔ ہاں حضرت اسماعیل کے ذبیح اللہ ہونے پر محمد بن کعب قرظی کا استدلال بہت صاف اور قوی ہے۔ واللہ اعلم۔ پہلے ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے تولد ہونے کی بشارت دی گئی تھی یہاں اس کے بعد ان کے بھائی حضرت اسحاق کی بشارت دی جا رہی ہے۔ سورہ ہود اور سورہ حجر میں بھی

اس کا ذکر گذر چکا ہے۔ نبیاً حال مقدرہ ہے یعنی وہ نبی صالح ہوگا۔ ابن عباس فرماتے ہیں ذبیح اللہ اسحاق تھے اور یہاں نبوت حضرت اسحاق کو بشارت ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ کے بارے میں فرمان ہے کہ ہم نے انہیں اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا دیا۔ حالانکہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے بڑے تھے تو یہاں بھی ان کی نبوت کی بشارت ہے۔ پس یہ بشارت اس وقت دی گئی جبکہ امتحان ذبح میں وہ صابر ثابت ہوئے۔

یہ بھی مروی ہے کہ یہ بشارت دو مرتبہ دی گئی پیدائش سے کچھ قبل اور نبوت سے کچھ قبل۔ حضرت قتادہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ان پر اور اسحاق پر ہماری برکتیں ہم نے نازل فرمائیں، ان کی اولاد میں ہر قسم کے لوگ ہیں نیک بھی بد بھی۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمان ہوا تھا کہ اے نوح ہماری سلام اور برکت کے ساتھ تو اتر۔ تو بھی اور تیرے ساتھ والے بھی اور ایسے بھی لوگ ہیں جنہیں ہم فائدے پہنچائیں گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ صافات، بیروت)

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں اس کا ذکرِ خیر برقرار رکھا۔ سلام ہو ابراہیم پر۔ ہم اسی طرح محسنوں کو صلہ دیا کرتے ہیں۔
بے شک وہ ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اچھی تعریف کے باقی رہنے کا بیان

"وَتَرَكْنَا" أَبْقَيْنَا "عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ" ثَنَاء حَسَنًا "سَلَام" مِنَّا "كَذٰلِكَ" كَمَا جَزَيْنَاهُ "نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ" لِأَنْفُسِهِمْ،

اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں اس کا ذکرِ خیر برقرار رکھا۔ سلام ہو ابراہیم پر۔ ہم اسی طرح محسنوں کو صلہ دیا کرتے ہیں۔

بے شک وہ ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکرِ خیر کا ہر نماز میں ہونے کا بیان

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ حضرت کعب ابن عجرہ (صحابی) سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ چیز بطور ہدیہ پیش نہ کروں جس کو میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ میں نے عرض کیا" جی ہاں! مجھے وہ ہدیہ ضرور عنایت فرمائیے" انہوں نے فرمایا کہ " ہم چند صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہل بیت نبوت پر ہم درود کس طرح بھیجیں؟ اللہ نے ہمیں یہ تو بتا دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کس طرح بھیجا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح کہو! اللهم صل على محمد وعلى ال محمد كما صليت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم انك حميد مجيد اللهم بارك على

محمد وعلى ال محمد كما باركت على ابراهيم وعلى ال ابراهيم انك حميد مجيد، اے اللہ! محمد پر آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل کر جیسا کہ تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔ اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر برکت نازل کر جیسا کہ تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر برکت نازل کی بیشک تو بزرگ و برتر ہے۔ (صحیح البخاری و صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 884)

صحابہ کے سوال کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو حکم دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجیں تو سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا۔ کہ التحیات میں ہم " السلام عليك ايها النبى " کہا کریں۔ اب یہ بھی بتا دیجئے کہ درود کس طرح بھیجیں؟ صحابہ کے قول "اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتا دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کس طرح بھیجیں" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان اقدس کے ذریعے ہمیں سلام بھیجنے کی تعلیم دی۔ اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تعلیم اس لئے کہا گیا ہے کہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے جو بھی احکام بیان فرمائے ہیں وہ از خود اور اپنے ذہن و فکر سے نہیں بیان فرمائے ہیں بلکہ وہ احکام بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لسان اقدس کے ذریعہ نافذ فرمایا۔

آل کی تعریف کا بیان

اہل و عیال کو کہتے ہیں اس کے معنی " تابعدار " بھی مراد لئے جاتے ہیں چنانچہ "وعلی ال محمد " میں آل کے تعین کے سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "ال محمد " سے مراد صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال ہیں۔ کچھ حضرات نے کہا ہے کہ آل سے مراد تابعدار مراد ہیں بعض علماء کی رائے ہے کہ ہر مومن آل محمد میں سے ہے کسی نے کہا کہ ہر متقی مومن آل محمد میں شامل ہے یہ سب علماء کے اقوال ہیں لیکن بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں آل سے مراد تابعدار ہیں۔ گو بعض علماء نے "آل" کی تفسیر "اہل بیت" سے کی ہے یعنی ان حضرات کے نزدیک "آل محمد " سے اہل بیت یعنی وہ لوگ مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور " جنہیں بنی ہاشم " کہا جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ "اہل بیت" میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اولاد شامل ہیں اور چونکہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ربط بھی ان سب سے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ سے بہت زیادہ تھا اس لئے وہ بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔ "كما صليت على ابراهيم" میں صرف حضرت ابراہیم کی تخصیص کی گئی ہے اور کسی نبی کا ذکر نہیں کیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو حضرت ابراہیم علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں، نیز یہ کہ اصول دین میں شریعت محمدی ان کے تابع ہے۔ "" اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر برکت نازل کر " کا مطلب یہ ہے کہ "رب قدوس! تو نے ہمارے سرکار و سردار رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شرف و فضیلت عطا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بزرگی و بڑائی دی ہے اس کو ہمیشہ اور باقی رکھ! روایت کے آخری الفاظ الا ان مسلما لم یذکر الخ کا مطلب یہ ہے کہ مسلم نے جو روایت نقل کی ہے اس کے پہلے

اور دوسرے دونوں ہی درود میں "علی ابراہیم" کے الفاظ نہیں ہیں یعنی اس کے الفاظ اس طرح ہیں "کما صلیت علی آل ابراھیم" اور "کما بارکت علی آل ابراھیم"

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ○ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ
وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ○
اور ہم نے انہیں اِسحاق (علیہ السلام) کی بشارت دی، صالحین میں سے نبی تھے۔ اور ہم نے اُن پر اور اسحاق (علیہ السلام)
پر برکتیں نازل فرمائیں، اور ان دونوں کی نسل میں نیکوکار بھی ہیں اور اپنی جان پر کھلے ظلم شِعار بھی۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی آمد کی بشارت کا بیان

"وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ" اُسْتُدِلَّ بِذَلِكَ عَلَى أَنَّ الذَّبِيح غَيْره "نَبِيًّا" حَال مُقَدَّرَة : أَيْ يُوجَد مُقَدَّرًا نُبُوَّته، "وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ" بِتَكْثِيرِ ذُرِّيَّته "وَعَلَى إِسْحَاق" وَلَده بِجَعْلِنَا أَكْثَر الْأَنْبِيَاء مِنْ نَسْله "وَمِنْ ذُرِّيَّتهمَا مُحْسِن" مُؤْمِن "وَظَالِم لِنَفْسِهِ" كَافِر "مُبِين" بَيِّن الْكُفْر،

اور ہم نے اِسماعیل علیہ السلام کے بعد انہیں اِسحاق علیہ السلام کی بشارت دی۔ اسی سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ وہ ذبیح اللہ حضرت اسحاق کے سوا تھے اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ وہ بھی صالحین میں سے نبی تھے۔ لفظ نبی یہ حال مقدرہ ہے یعنی ان کیلئے نبوت مقدر ہو چکی ہے۔ اور ہم نے اُن پر اور اسحاق علیہ السلام پر برکتیں نازل فرمائیں، کیونکہ ان کو کثیر اولاد عطا کی ہے کیونکہ اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے کثیر انبیائے کرام کی بعثت ہوئی۔ اور ان دونوں کی نسل میں نیکوکار یعنی مؤمن بھی ہیں۔ اور اپنی جان پر کھلے ظلم شِعار بھی۔ یعنی جن کا کفر واضح تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ واقعے کے بعد اب ایک بیٹے اسحاق علیہ السلام کی اور اس کے نبی ہونے کی خوشخبری دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ جو اس وقت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے اسحاق علیہ السلام کی ولادت ان کے بعد ہوئی ہے۔ مفسرین کے درمیان اس کی بابت اختلاف۔ ہے کہ ذبیح کون ہے، اسماعیل علیہ السلام یا اسحاق علیہ السلام؟ امام ابن جریر نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو اور ابن کثیر اور اکثر مفسرین نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح قرار دیا ہے اور یہی بات صحیح ہے۔

ان دونوں کی اولاد کو بہت پھیلایا اور انبیاء و رسل کی زیادہ تعداد انہی کی نسل سے ہوئی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام ہوئے، جن کے بارہ بیٹوں سے بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلے بنے اور ان سے بنی اسرائیل کی قوم بڑھی اور پھیلی اور اکثر انبیاء ان ہی میں سے ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے عربوں کی نسل چلی اور ان میں آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی بعثت ہوئی۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝
اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر بھی احسان کئے اور ہم نے خود ان دونوں کو اور دونوں
کی قوم کو سخت تکلیف سے نجات بخشی۔

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی بعثت کا بیان

"وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَى مُوسَى وَهَارُونَ" بِالنُّبُوَّةِ "وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمهمَا" بَنِي إِسْرَائِيل "مِنَ الْكَرْب الْعَظِيم" أَيْ اسْتِعْبَاد فِرْعَوْن إِيَّاهُمْ،

اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر بھی نبوت کے ساتھ احسان کئے اور ہم نے خود ان دونوں کو اور دونوں کی قوم بنی اسرائیل کو سخت تکلیف سے نجات بخشی۔ کیونکہ فرعون نے انہیں غلام بنا رکھا تھا۔

حضرت موسیٰ پر انعامات الٰہی کا بیان

اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ اور ہارون پر اپنی نعمتیں جتا رہا ہے کہ انہیں نبوت دی انہیں مع ان کی قوم کے فرعون جیسے طاقتور دشمن سے نجات دی جس نے انہیں بیطرح پست و ذلیل کر رکھا تھا ان کے بچوں کو کاٹ دیتا تھا ان کی لڑکیوں کو رہنے دیتا تھا ان سے ذلیل مزدوریاں کراتا تھا اور بے حیثیت بنا رکھا تھا۔ ایسے بدترین دشمن کو ان کے دیکھتے ہلاک کیا، انہیں اس پر غالب کر دیا ان کی زمین وزر کے یہ مالک بن گئے۔ پھر حضرت موسیٰ کو واضح جلی روشن اور بین کتاب عنایت فرمائی جو حق و باطل میں فرق و فیصلہ کرنے والی اور نور و ہدایت والی تھی، ان کے اقوال و افعال میں انہیں استقامت عطا فرمائی اور ان کے بعد والوں میں بھی ان کا ذکر خیر اور ثناء وصفت باقی رکھی کہ ہر زبان ان پر سلام ہی پڑھتی ہے۔ ہم نیک کاروں کو یہی اور ایسے ہی بدلے دیتے ہیں۔ وہ ہمارے مومن بندے تھے۔

وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝
وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝
اور ہم نے اُن کی مدد فرمائی تو وہی غالب ہو گئے۔ اور ہم نے ان دونوں کو واضح اور بیّن کتاب عطا فرمائی۔ اور ہم نے
ان دونوں کو سیدھی راہ پر چلایا اور ہم نے ان دونوں کے حق میں پیچھے آنے والوں میں ذکرِ خیر باقی رکھا۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے ذکر خیر کے باقی رہنے کا بیان

"وَنَصَرْنَاهُمْ" عَلَى الْقِبْط "وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَاب الْمُسْتَبِين" الْبَلِيغ الْبَيَان فِيمَا أَتَى بِهِ مِنْ الْحُدُود وَالْأَحْكَام وَغَيْرهَا وَهُوَ التَّوْرَاة "وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاط" الطَّرِيق "وَتَرَكْنَا" أَبْقَيْنَا "عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ" ثَنَاء حَسَنًا،

اور ہم نے قبطیوں کے خلاف اُن کی مدد فرمائی تو وہی غالب ہو گئے۔اور ہم نے ان دونوں کو واضح اور بین کتاب تورات عطا فرمائی۔جس میں واضح بیان یعنی احکام وحدود کو بیان کیا گیا ہے۔اور ہم نے ان دونوں کو سیدھی راہ پر چلایا اور ہم نے ان دونوں کے حق میں بھی پیچھے آنے والوں میں ذکرِ خیر یعنی ان دونوں کی اچھی تعریف کو باقی رکھا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اتینھما ہم نے ان کو دی ہما ضمیر تثنیہ مذکر غائب کا مرجع حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام ہیں۔الکتب المستبین ۔ موصوف وصفت۔ واضح کتاب،توراۃ۔ اسم فاعل واحد مذکر۔ استبانۃ (استفعال) مصدر سے۔ بین مادہ ہے۔البین کے معنی دو چیزوں کا درمیان اور وسط کے ہیں۔قرآن مجید میں ہے:۔وجعلنا بینھما زرعا،اور ہم نے ان کے درمیان کھیتی پیدا کر دی تھی۔محاورہ ہے بان کذا۔کسی چیز کا الگ ہو جانا۔اور جو کچھ اس کے تحت پوشیدہ ہے۔اس کا ظاہر ہو جانا۔چونکہ اس میں ظہور اور انفصال کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے کبھی ظہور اور کبھی انفصال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

یہاں اس آیت میں ظہور کے معنی میں آیا ہے۔بان یبین (باب ضرب) بین یبین (باب تفعیل) تبین یتبین (باب تفعل) استبان یستبین (باب استفعال) سے بمعنی واضح ہونا۔ظاہر ہونا ہے۔مستبین۔ظاہر کرنے والا۔واضح کرنے والا۔الکتب المستبین (احکام الٰہی کو) واضح کر دینے والی کتاب۔اور جگہ قرآن مجید میں ہے:۔وکذلک نفصل الایت ولتستبین سبیل المجرمین،اور اس طرح ہم کھول کو بیان کرتے رہتے ہیں نشانیوں کو تاکہ مجرموں کا طریقہ واضح ہو کر رہے۔

سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ○ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ○
اِنَّھُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ○ وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ○ اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ○
سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر۔بے شک ہم نیکوکاروں کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں بے شک وہ دونوں ہمارے ایمان والے بندوں
میں سے تھے اور یقیناً الیاس (علیہ السلام بھی) رسولوں میں سے تھے۔جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے ہو۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی بعثت کا بیان

"سَلَام" مِنَّا "إنَّا كَذَلِكَ" كَمَا جَزَيْنَاهُمَا "وَإِنَّ إلْيَاس" بِالْهَمْزَةِ أَوَّله وَتَرْكه "لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ" قِيلَ هُوَ ابْن أَخِي هَارُونَ أَخِي مُوسَى وَقِيلَ غَيْره أُرْسِلَ إلَى قَوْم بِبَعْلَبَكّ وَنَوَاحِيهَا "إذْ" مَنْصُوب بِاذْكُرْ مُقَدَّرًا "قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ" اللّٰه،

سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر،بے شک ہم نیکوکاروں کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں۔بے شک وہ دونوں ہمارے کامل ایمان والے بندوں میں سے تھے اور یقیناً الیاس علیہ السلام بھی رسولوں میں سے تھے۔یہاں ہمزہ اول کے ہونے یا ترک دونوں طرح آیا ہے۔اور کہا گیا ہے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس کے سوا تھے

انہیں بعل بک کی قوم اور اس کے گردونواح کی جانب بھیجا گیا تھا۔ یہاں پر لفظ اذ، اذکر کے مقدر ہونے کے سبب منصوب ہے۔
جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے ہو۔

حضرت الیاس علیہ السلام کے نسب وسیرت کا بیان

بعض کہتے ہیں الیاس نام تھا حضرت ادریس علیہ السلام کا۔ وہب کہتے ہیں ان کا سلسلہ نسب یوں ہے الیاس بن نسی بن فخاص بن عیزار بن ہارون بن عمران علیہ السلام۔ خرقیل علیہ السلام کے بعد یہ نبی اسرائیل میں بھیجے گئے تھے وہ لوگ بعل نامی بت کے پجاری بن گئے تھے۔ انہوں نے دعوت اسلام دی ان کے بادشاہ نے ان سے قبول بھی کر لی لیکن پھر مرتد ہو گیا اور لوگ بھی سرکشی پر تلے رہے اور ایمان سے انکار کر دیا آپ نے ان پر دعائے ضرر کی تین سال تک بارش نہ برسی۔ اب تو یہ سب تنگ آ گئے اور قسمیں کھا کھا کر اقرار کیا کہ آپ دعا کیجئے بارش برستے ہی ہم سب آپ کی نبوت پر ایمان لائیں گے۔ چنانچہ آپ کی دعا سے مینہ برسا۔ لیکن یہ کفار اپنے وعدے سے ٹل گئے اور اپنے کفر پر اڑ گئے۔ آپ نے یہ حالت دیکھ کر اللہ سے دعا کی کہ اللہ انہیں اپنی طرف لے لے۔ ان کے ہاتھوں تلے حضرت یسع بن اخطوب پلے تھے۔ حضرت الیاس کی اس دعا کے بعد انہیں حکم ملا کہ وہ ایک جگہ جائیں اور وہاں انہیں جو سواری ملے اس پر سوار ہو جائیں وہاں آپ گئے ایک نوری گھوڑا دکھائی دیا جس پر سوار ہو گئے اللہ نے انہیں بھی نورانی کر دیا اور اپنے پروں سے فرشتوں کے ساتھ اڑنے لگے اور ایک انسانی فرشتہ زمینی اور آسمانی بن گئے۔ اس کی صحت کا علم اللہ ہی کو ہے۔ ہے یہ بات اہل کتاب کی روایت سے حضرت الیاس نے اپنی قوم سے فرمایا کہ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟ کہ اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہو؟ اہل یمن اور قبیلہ از دشنوہ رب کو بعل کہتے تھے۔ بعل نامی جس بت کی یہ پوجا کرتے تھے وہ ایک عورت تھی۔ ان کے شہر کا نام بعلبک تھا تو اللہ کے نبی حضرت الیاس علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جو خالق کل ہے اور بہترین خلاق ہے ایک بت کو پوج رہے ہو؟ اور اس کو پکارتے رہتے ہو؟ اللہ تعالیٰ تم سب کا اور تم سے اگلے تمہارے باپ دادوں کا رب ہے وہی مستحق عبادت ہے اس کے سوا کسی قسم کی عبادت کسی کے لائق نہیں۔ لیکن ان لوگوں نے اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صاف اور خیر خواہانہ نصیحت کو نہ مانا تو اللہ نے بھی انہیں عذاب پر حاضر کر دیا، کہ قیامت کے دن ان سے زبردست باز پرس اور ان پر سخت عذاب ہوں گے۔ ہاں ان میں سے جو توحید پر قائم تھے وہ بچ رہیں گے۔

ہم نے حضرت الیاس علیہ السلام کی ثنا جمیل اور ذکر خیر پچھلے لوگوں میں بھی باقی ہی رکھا کہ ہر مسلم کی زبان سے ان پر درود و سلام بھیجا جاتا ہے۔ الیاس میں دوسری لغت الیاسین ہے جیسے اسماعیل میں اسماعین بنو اسد میں اسی طرح یہ لغت ہے۔ ایک تمیمی کے شعر میں یہ لغت اس طرح لایا گیا ہے۔ میکائیل کو میکال اور میکائین بھی کہا جاتا ہے۔ ابراہیم کو ابراہام، اسرائیل کو سرائیں، طور سینا کو طور سینین۔ غرض یہ لغت عرب میں مشہور و رائج ہے۔

ابن مسعود کی قرأت میں سلام علی ال یاسین ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہم اسی طرح نیک کاروں کو نیک بدلہ دیتے ہیں۔ یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ صافات، بیروت)

اَتَدْعُوْنَ بَعْلاً وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِیْنَ○ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ○

کیا تم بَعل کو پوجتے ہو اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو۔ اللہ جو تمہارا رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا رب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر بعل بت کی پوجا کرنے والوں کا بیان

"اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا" اسْمُ صَنَمٍ لَهُمْ مِنْ ذَهَبٍ وَبِهِ سُمِّيَ الْبَلَدُ أَيْضًا مُضَافًا إِلَى بَكّ : أَيْ أَتَعْبُدُوْنَهُ "وَتَذَرُوْنَ" تَتْرُكُوْنَ "أَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ" فَلَا تَعْبُدُوْنَهُ "اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِيْنَ" بِرَفْعِ الثَّلَاثَة عَلَى إِضْمَار هُوَ وَبِنَصْبِهَا عَلَى الْبَدَل مِنْ أَحْسَن،

کیا تم بَعل نامی بُت کو پوجتے ہو جو سونے کا بنا ہوا تھا۔ اسی وجہ ان کے شہر کا نام بعل رکھا گیا ہے۔ جو بک کی جانب مضاف ہے یعنی تم اس بات کی پوجا کرتے ہو جبکہ سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو۔ کیونکہ تم اس کی عبادت نہیں کرتے۔ یعنی اللہ جو تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا بھی رب ہے۔ یہاں پر تینوں اسماء ھو محذوف کو مقدر ماننے کی صورت میں مرفوع ہیں جبکہ احسن سے بدل ہونے کے سبب منصوب ہوں گے۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ کا بیان اور بے شک الیاس پیغمبروں میں سے ہیں (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم خدا کا خوف کیوں نہیں کرتے کیا تم (عبادت کر کے) پکارتے ہو بعل (جو بت ہے) کو اور چھوڑ دیتے ہو اس اللہ کو جو سب سے اچھا پیدا کرنے والا ہے جو تمہارا اور تمہارے تمام پچھلے باپ دادوں کا پروردگار ہے تو انہوں نے الیاس کو جھٹلایا بے شک وہ جہنم میں لائے جائیں گے مگر اللہ کے نیک اور خالص بندے وتر کنا علیہ فی الآخرین کا مطلب ابن عباس نے یہ فرمایا کہ ان کا تذکرہ اچھائی اور بھلائی سے ہو گا سلام ہو ال یاسین پر ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے ابن مسعود اور ابن عباس نے فرمایا کہ الیاس حضرت ادریس ہی کا نام ہے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 598)

بعض مفسرین نے یہاں اس کشمکش کے مفصل حالات بیان فرمائے ہیں، مروجہ تفاسیر میں حضرت الیاس علیہ السلام کا سب سے مبسوط تذکرہ تفسیر مظہری میں علامہ بغوی کے حوالہ سے کیا گیا ہے، اس میں جو واقعات مذکور ہیں وہ تقریباً تمام تر بائبل سے ماخوذ ہیں، دوسری تفسیروں میں بھی ان واقعات کے بعض اجزاء حضرت وہب بن منبہ اور کعب الاحبار وغیرہ کے حوالہ سے بیان ہوئے ہیں جو اکثر اسرائیلی روایات نقل کرتے ہیں۔

حضرت الیاس کی قربانی کے مقبول ہونے کا بیان

ان تمام روایات کے خلاصہ کے طور پر جو قدر مشترک نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام نے اسرائیل کے بادشاہ اخی اب اور اس کی رعایا کو بعل نامی بت کی پرستش سے روک کر توحید کی طرف دعوت دی، مگر دو ایک حق پسند افراد کے سوا کسی نے آپ کی بات نہیں مانی، بلکہ آپ کو طرح طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ اخی اب اور اس کی بیوی ایزبل نے

آپ کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے۔آپ نے ایک دور افتادہ غار میں پناہ لی، اور عرصہ دراز تک وہیں مقیم رہے، اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی، کہ اسرائیل کے لوگ قحط سالی کا شکار ہو جائیں تا کہ اس قحط سالی کو دور کرنے کے لئے آپ ان کو معجزات دکھائیں تو شاید وہ ایمان لے آئیں، چنانچہ انہیں شدید قحط میں مبتلا کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اخی اب سے ملے، اور اس سے کہا کہ یہ عذاب اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے ہے، اور اگر تم اب بھی باز آ جاؤ تو یہ عذاب دور ہو سکتا ہے۔میری سچائی کے امتحان کا بھی یہ بہترین موقع ہے، تم کہتے ہو کہ اسرائیل میں تمہارے معبود بعل کے ساڑھے چار سو نبی ہیں، تم ایک دن ان سب کو میرے سامنے جمع کر لو، وہ بعل کے نام پر قربانی پیش کریں گے اور میں اللہ کے نام پر قربانی کروں گا، جس کی قربانی کو آسمانی آگ بھسم کر دے گی اس کا دین سچا ہوگا، سب نے اس تجویز کو خوشی سے مان لیا۔

چنانچہ کوہ کرمل کے مقام پر یہ اجتماع ہوا۔بعل کے جھوٹے نبیوں نے اپنی قربانی پیش کی، اور صبح سے دوپہر تک بعل سے التجائیں کرتے رہے، مگر کوئی جواب نہ آیا۔اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنی قربانی پیش کی، اس پر آسمان سے آگ نازل ہوئی اور اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کو بھسم کر دیا، یہ دیکھ کر بہت سے لوگ سجدے میں گر گئے، اور ان پر حق واضح ہو گیا لیکن بعل کے جھوٹے نبی اب بھی نہ مانے، اس لئے حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کو وادی قیشون میں قتل کرا دیا۔

اس واقعہ کے بعد موسلا دھار بارش بھی ہوئی، اور پورا خطہ پانی سے نہال ہو گیا، لیکن اخی اب کی بیوی ایزبل کی اب بھی آنکھ نہ کھلی، وہ حضرت الیاس علیہ السلام پر ایمان لانے کے بجائے الٹی ان کی دشمن ہو گئی، اور اس نے آپ کو قتل کرانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔حضرت الیاس علیہ السلام یہ سن کر پھر سامریہ سے روپوش ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد بنی اسرائیل کے دوسرے ملک یہودیہ میں تبلیغ شروع کر دی، کیونکہ رفتہ رفتہ بعل پرستی کی وباء وہاں بھی پھیل چکی تھی۔وہاں کے بادشاہ یہورام نے بھی آپ کی بات نہ سنی، یہاں تک کہ وہ حضرت الیاس علیہ السلام کی پیشنگوئی کے متعلق تباہ و برباد ہوا چند سال بعد آپ دوبارہ اسرائیل تشریف لائے اور یہاں پھر اخی اب اور اس کے بیٹے اخزیاہ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی، مگر وہ بدستور اپنی بداعمالیوں میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ انہیں بیرونی حملوں اور مہلک بیماریوں کا شکار بنا دیا گیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو واپس بلا لیا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی ظاہری حیات کا بیان

مورخین اور مفسرین کے درمیان یہاں یہ مسئلہ بھی زیر بحث آیا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے؟ تفسیر مظہری میں علامہ بغوی کے حوالہ سے جو طویل روایت بیان کی گئی ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کو ایک آتشیں گھوڑے پر سوار کر کے آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تھا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح زندہ ہیں۔(مظہری ص ۹۰ ج)

علامہ سیوطی نے بھی ابن عساکر اور حاکم وغیرہ کے حوالے سے کئی روایات ایسی نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔کعب الاحبار سے منقول ہے کہ چار انبیاء علیہم السلام اب تک زندہ ہیں، دو زمین میں، حضرت خضر اور حضرت الیاس اور دو

آسمان میں حضرت عیسیٰ اور حضرت ادریس علیہم السلام۔ (درمنثور،ص،۶،ج)
یہاں تک کہ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام ہر سال رمضان کے مہینہ میں بیت المقدس میں جمع ہوتے ہیں، اور روزے رکھتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ صافات، بیروت)

فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ○ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ○ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○
توان لوگوں نے الیاس (علیہ السلام) کو جھٹلایا پس وہ حاضر کردیے جائیں گے۔ سوائے اللہ کے چُنے ہوئے بندوں
کے اور ہم نے ان کا ذکرِ خیر پیچھے آنے والوں میں برقرار رکھا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کے ذکر خیر کے باقی رہ جانے کا بیان

"فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ" فِي النَّار "اِلَّا عِبَاد اللّٰه الْمُخْلَصِيْنَ" أَيْ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُمْ فَاِنَّهُمْ نَجَوْا مِنْهَا "وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِيْنَ" ثَنَاء حَسَنًا،

توان لوگوں نے یعنی قوم بعلبک نے الیاس علیہ السلام کو جھٹلایا پس وہ بھی عذاب جہنم میں حاضر کردیے جائیں گے۔ سوائے اللہ کے چُنے مؤمن ہوئے بندوں کے کیونکہ ہم نے انہیں نجات دے دی ہے۔ اور ہم نے ان کا ذکرِ خیر یعنی اچھی تعریف بھی پیچھے آنے والوں میں برقرار رکھا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

الا عباد اللہ المخلصین ۔ بجز اللہ کے مخلص بندوں کے کذبوہ کی ضمیر فاعل سے استثناء متصل ہے یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی قوم میں مخلص بندے بھی تھے جنہوں نے اپنے رسول کی تکذیب نہ کی۔ لہٰذا یہ لمحضرون کی ضمیر سے استثناء متصل نہیں ہے کیونکہ محضرون مکذبین کے لئے ہے اور مکذبین میں سے کسی کو مستثنیٰ کرنا بعید از مکان ہے۔

یعنی سیدنا الیاس نے ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ یہ بعل دیوتا کا بت تو تم نے خود گھڑا ہے۔ یہ پتھر کا بے جان بت ہے جس کے خالق تم خود ہو۔ اس کی حفاظت بھی تم ہی کرتے ہو۔ پھر اسی کی عبادت بھی کرنے لگتے ہو۔ تمہیں چاہئے تو یہ تھا کہ اس کی عبادت کرتے جس نے تم کو بنایا ہے۔ پھر تمہیں صرف بنا ہی نہیں دیا بلکہ تمہاری پرورش بھی کرتا ہے۔ تمہارے آباء واجداد کا بھی وہی خالق اور رازق ہے۔ ایسے بہترین خالق کو چھوڑ کر اپنے گھڑے ہوئے پتھر کے سامنے سربجود ہوتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔

سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ○ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ○
وَ اِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ○
سلام ہو الیاس پر، بے شک ہم نیکوکاروں کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھے۔
اور بے شک لوط (علیہ السلام) رسولوں میں سے تھے۔ جب ہم نے اُن کو اور ان کے سب گھر والوں کو نجات بخشی۔

آل یٰسین کیلئے دعائے سلامتی کا بیان

"سَلَام" مِنَّا "عَلَى إِلْ يَاسِين " قِيلَ هُوَ إِلْيَاس الْمُتَقَدِّم ذِكْره وَقِيلَ هُوَ وَمَنْ آمَنَ مَعَهُ فَجَمَعُوا مَعَهُ تَغْلِيبًا كَقَوْلِهِمْ لِلْمُهَلَّبِ وَقَوْمه الْمُهَلَّبُونَ وَعَلَى قِرَاءَة آل يَاسِين بِالْمَدِّ أَيْ أَهْله الْمُرَاد بِهِ إِلْيَاس أَيْضًا "إِنَّا كَذَلِكَ" كَمَا جَزَيْنَاهُ

سلام ہوالیاس پر، کہا گیا ہے کہ وہ الیاس علیہ السلام ہیں جن کا ذکر پہلے ہوا ہے۔اور بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو آپ پر ایمان لائے تھے۔اور غلبہ کے سبب جمع لائی گئی ہے۔جس طرح مہلب کہ اس کی جمع مہلبون لائی جاتی ہے۔اور ایک قرأت میں آل یسٰین مد کے ساتھ بھی آیا ہے اور اس سے مراد حضرت الیاس علیہ السلام کے اہل مراد ہیں۔بے شک ہم نیکوکاروں کو اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں۔بے شک وہ ہمارے (کامل) ایمان والے بندوں میں سے تھے۔اور بے شک لوط (علیہ السلام بھی) رسولوں میں سے تھے۔جب ہم نے اُن کو اور ان کے سب گھر والوں کو نجات بخشی۔

"الیاس" کو "الیاسین" بھی کہتے ہیں کہ جیسے "طورسینا" کو "طورسینین" کہہ دیا جاتا ہے یا "الیاسین" سے حضرت الیاس کے متبعین مراد ہوں۔اور بعض نے "آل یاسین" بھی پڑھا ہے۔تو "یاسین" ان کے باپ کا نام ہوگا۔یا ان ہی کا نام "یاسین" اور لفظ "آل" مقحم ہو جیسے "کما صلیت علی ال ابراہیم" میں۔یا "اللھم صل علی ال ابی اوفی" میں ہے۔

قوم لوط علیہ السلام ایک عبرت کا مقام

اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول حضرت لوط علیہ السلام کا بیان ہو رہا ہے کہ انہیں بھی ان کی قوم نے جھٹلایا۔جس پر اللہ کے عذاب ان پر برس پڑے اور اللہ نے اپنے پیارے حضرت لوط علیہ السلام کو مع ان کے گھر والوں کے نجات دے دی۔لیکن ان کی بیوی غارت ہوئی قوم کے ساتھ ہی ہلاک ہوئی اور ساری قوم بھی تباہ ہوئی۔

قسم قسم کے عذاب ان پر آئے اور جس جگہ وہ رہتے تھے وہاں ایک بدبودار اور جھیل بن گئی جس کا پانی بدمزہ بدبو بدرنگ ہے جو آنے جانے والوں کے راستے میں ہی پڑی ہے۔تم تو دن رات وہاں سے آتے جاتے رہتے ہو اور اس خوفناک منظر اور بھیانک مقام کو صبح شام دیکھتے رہتے ہو۔کیا اس معائنہ کے بعد بھی عبرت حاصل نہیں کرتے اور سوچتے سمجھتے نہیں ہو؟ کس طرح یہ برباد کر دیئے گئے؟ ایسا نہ ہو کہ یہی عذاب تم پر بھی آ جائیں۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ صافات، بیروت)

إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ○ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ○ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ
عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ○ وَبِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○
سوائے اس بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر ڈالا۔اور بے شک تم لوگ اُن پر
صبح کے وقت بھی گزرتے ہو۔اور رات کو بھی، کیا پھر بھی تم عقل نہیں رکھتے۔

قوم لوط کی ہلاکتوں سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دینے کا بیان

"إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ" أَيْ الْبَاقِينَ فِي الْعَذَاب "ثُمَّ دَمَّرْنَا" أَهْلَكْنَا "الْآخَرِينَ" كُفَّار قَوْمه "وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِمْ" عَلَى آثَارهمْ وَمَنَازِلهمْ فِي أَسْفَاركُمْ "مُصْبِحِينَ" أَيْ وَقْت الصَّبَاح يَعْنِي بِالنَّهَارِ، "وَبِاللَّيْلِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ" يَا أَهْل مَكَّة مَا حَلَّ بِهِمْ فَتَعْتَبِرُونَ بِهِ،

سوائے اس بڑھیا کے جو عذاب میں پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے دوسروں یعنی کفار اقوام کو ہلاک کر ڈالا۔ اور بے شک تم لوگ اُن کی اُجڑی بستیوں پر جو مکہ سے ملکِ شام کی طرف جاتے ہوئے صبح کے وقت بھی گزرتے ہو۔ یعنی دن کے وقت وہاں سے گزرتے ہو۔ اے اہل مکہ اور رات کو بھی، کیا پھر بھی تم عقل نہیں رکھتے۔ جو ان کے ساتھ گزرا ہے تا کہ تم اس کے ساتھ عبرت حاصل کرو۔

یہ اہل مکہ سے خطاب ہے جو تجارتی سفر میں ان تباہ شدہ علاقوں سے آتے جاتے، گزرتے تھے ان کو کہا جا رہا ہے کہ تم صبح کے وقت بھی اور رات کے وقت بھی ان بستیوں سے گزرتے ہو، جہاں اب مردار بحیرہ ہے، جو دیکھنے میں بھی نہایت کریہ ہے اور سخت متعفن اور بدبودار۔ کیا تم انہیں دیکھ کر یہ بات نہیں سمجھتے کہ رسولوں کے جھٹلانے کی وجہ سے ان کا یہ بد انجام ہوا، تو تمہاری اس روش کا انجام بھی اس سے مختلف کیوں کر ہوگا؟ جب تم بھی وہی کام کر رہے ہو، جو انہوں نے کیا تو پھر اللہ کے عذاب سے کیوں کر محفوظ رہو گے۔

وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ۝
اور یونس (علیہ السلام بھی) واقعی رسولوں میں سے تھے۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف دوڑے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا قوم سے ناراض ہو کر کشتی پر سوار ہونے کا بیان

"إِذْ أَبَقَ" هَرَبَ "إِلَى الْفُلْك الْمَشْحُون" السَّفِينَة الْمَمْلُوءَة حِين غَاضَبَ قَوْمه لَمَّا لَمْ يَنْزِل بِهِمْ الْعَذَاب الَّذِي وَعَدَهُمْ بِهِ فَرَكِبَ السَّفِينَة فَوَقَفَتْ فِي لُجَّة الْبَحْر فَقَالَ الْمَلَّاحُونَ : هُنَا عَبْد أَبَقَ مِنْ سَيِّده تُظْهِرهُ الْقُرْعَة،

اور یونس علیہ السلام بھی واقعی رسولوں میں سے تھے۔ جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف دوڑے۔ جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو گئے۔ اور ان کی قوم پر عذاب نازل نہ ہوا جس کا ان سے دنیا میں بہ طور عہد کہہ دیا گیا تھا۔ تو آپ کشتی پر سوار ہوئے۔ تو کشتی دریا کے بھنور میں آ گئی۔ تو ملاحوں نے کہا کہ یہاں کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگ کر آیا ہے۔ جس کا اظہار قرعہ اندازی کے ساتھ ہوگا۔

حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ کا بیان

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ سورہ یونس میں بیان ہو چکا ہے۔ بخاری مسلم میں حدیث ہے کہ کسی بندے کو یہ لائق نہیں کہ وہ

کہے میں یونس بن متی سے افضل ہوں۔ یہ نام ممکن ہے آپ کی والدہ کا ہو اور ممکن ہے والد کا ہو۔ یہ بھاگ کر مال واسباب سے لدی ہوئی کشتی پر سوار ہو گئے۔ وہاں قرعہ اندازی ہوئی اور یہ مغلوب ہو گئے کشتی کے چلتے ہی چاروں طرف سے موجیں اٹھیں اور سخت طوفان آیا۔ یہاں تک کہ سب کو اپنی موت کا اور کشتی کے ڈوب جانے کا یقین ہو گیا۔ سب آپس میں کہنے لگے کہ قرعہ ڈالو جس کے نام کا قرعہ نکلے اسے سمندر میں ڈال دو تا کہ سب بچ جائیں اور کشتی اس طوفان سے چھوٹ جائے۔ تین دفعہ قرعہ اندازی ہوئی اور تینوں مرتبہ اللہ کے پیارے پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام کا ہی نام نکلا۔

اہل کشتی آپ کو پانی میں بہانا نہیں چاہتے تھے لیکن کیا کرتے بار بار کی قرعہ اندازی پر بھی آپ کا نام نکلتا رہا اور خود آپ کپڑے اتار کر باوجود ان لوگں کے روکنے کے سمندر میں کود پڑے۔ اس وقت بحر اخضر کی ایک بہت بڑی مچھلی کو جناب باری کا فرمان سرزد ہوا کہ وہ دریاؤں کو چیرتی پھاڑتی جائے اور حضرت یونس کو نگل لے لیکن نہ تو ان کا جسم زخمی ہو نہ کوئی ہڈی ٹوٹے۔ چنانچہ اس مچھلی نے پیغمبر اللہ کو نگل لیا اور سمندروں میں چلنے پھرنے لگی۔

جب حضرت یونس پوری طرح مچھلی کے پیٹ میں جا چکے تو آپ کو خیال گذرا کہ میں فوت ہو چکا ہوں لیکن جب ہاتھ پیروں کو حرکت دی اور ہلے جلے تو زندگی کا یقین کر کے وہیں کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے پروردگار میں نے تیرے لئے اس جگہ مسجد بنائی ہے جہاں کوئی نہ پہنچا ہو گا۔ تین دن یا سات دن یا چالیس دن ایک ایک دن سے بھی کم یا صرف ایک رات تک مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ اگر یہ ہماری پاکیزگی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے، یعنی جبکہ فراخی اور کشادگی اور امن و امان کی حالت میں تھے اس وقت ان کی نیکیاں اگر نہ ہوتیں ایک حدیث بھی اس قسم کی ہے جو عنقریب بیان ہو گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابن عباس کی حدیث میں ہے آرام اور راحت کے وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تو وہ سختی اور بچینی کے وقت تمہاری مدد کرے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر یہ پابند نماز نہ ہوتے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر مچھلی کے پیٹ میں نماز نہ پڑھتے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر یہ (لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰـنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ، الأنبياء:87) کے ساتھ ہماری تسبیح نہ کرتے چنانچہ قرآن کریم کی اور آیتوں میں ہے کہ اس نے اندھیروں میں یہی کلمات کہے اور ہم نے اس کی دعا قبول فرما کر اسے غم سے نجات دی اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ صافات، بیروت)

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝
پھر انہوں نے قرعہ ڈالا تو وہ مغلوب ہو گئے۔ پھر مچھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ نادم رہنے والے تھے۔
پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں پہنچ جانے کا بیان

"فَسَاهَمَ" قَارَعَ أَهْلَ السَّفِينَةِ "فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ" الْمَغْلُوبِينَ بِالْقُرْعَةِ فَأَلْقَوْهُ فِي الْبَحْرِ "فَالْتَقَمَهُ

الْحُوت " ابْتَلَعَهُ "وَهُوَ مُلِيم" أَيْ آتٍ بِمَا يُلَام عَلَيْهِ مِنْ ذَهَابه إِلَى الْبَحْر وَرُكُوبه السَّفِينَة بِلَا إِذْن مِنْ رَبّه،

"فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ" الذَّاكِرِينَ بِقَوْلِهِ كَثِيرًا فِي بَطْن الْحُوت "لَا إِلَه إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانك إِنِّي كُنْت مِنَ الظَّالِمِينَ"

پھر کشتی بھنور میں پھنس گئی تو انہوں نے قرعہ ڈالا تو وہ قرعہ میں مغلوب ہو گئے یعنی ان کا نام نکل آیا اور کشتی والوں نے انہیں دریا میں ڈال دیا۔ پھر مچھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ اپنے آپ پر نادم رہنے والے تھے۔ یعنی اس بات پر ملامت کہ وہ دریا کی جانب آئے اور ان کا کشتی پر سوار ہونا اپنے رب کی اجازت کے بغیر تھا۔ پھر اگر وہ اللہ کی تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے۔ یعنی آپ مچھلی کے پیٹ میں اکثر اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ اور وہ تسبیح یہ ہے۔ "لَا إِلَه إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانك إِنِّي كُنْت مِنَ الظَّالِمِينَ"

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کا بیان

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مچھلی والے یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی وہ دعا جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں اپنے پروردگار سے مانگی تھی یہ ہے آیت (لا الہ الا انت سبحانك انی كنت من الظالمین) ۔ (تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بلاشک میں ظالموں میں سے تھا) جو مسلمان شخص اس دعا کے ذریعہ اللہ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا سوال پورا کرتا ہے۔ (احمد، ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 821)

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ مختصر طور پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شہر نینویٰ کے رہنے والوں کی طرف ان کی ہدایت کے لئے بھیجا تھا انہوں نے ان کو ایمان کی دعوت دی جسے انہوں نے ٹھکرا دیا اور ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کے پاس یہ وحی بھیجی کہ تم اپنی قوم کو آگاہ کر دو کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب نازل ہوگا، حضرت یونس علیہ والسلام نے ان کو آگاہ کر دیا اور خود اس شہر سے نکل گئے وقت مقررہ پر ایک سیاہ ابر ظاہر ہوا اور قریب ہوتے ہوتے اس شہر پر آ کر رک گیا اور اس میں سے ایک قسم کا دھواں نکلنے لگا۔

جب شہر والوں نے دیکھا کہ اب عذاب نازل ہوا چاہتا ہے تو سب اپنی بیویوں، اپنی اولاد اپنے جانوروں کو لے کر جنگل کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور وہاں آدمیوں اور جانوروں کے بچوں کو ان ماؤں سے الگ کر کے گریہ وزاری کے ساتھ اپنی آوازیں بلند کیں اور اپنے کفر وگناہوں سے توبہ کر کے ایمان لائے اور یہ پکار اٹھے کہ لاحی حین لا الہ الا انت (اے زندہ اس وقت سے کہ کوئی زندہ نہ تھا تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ عذاب جو ان پر مسلط تھا ٹال دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت یونس علیہ السلام اس شہر کی طرف آئے تا کہ دیکھیں اس شہر اور شہر والوں کا کیا حال ہوا انہوں نے دور سے دیکھا کہ شہر اسی طرح آباد ہے جس طرح کہ پہلے تھا اور شہر والے زندہ وسلامت ہیں۔ یہ دیکھ کر محسوس کیا کہ میں نے تو ان سے کہا تھا کہ تین دن کے بعد تمہارے اوپر عذاب نازل ہوگا مگر عذاب کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے انہیں اس بات کی خبر نہیں تھی کہ عذاب تو نازل ہوا تھا مگر ٹال دیا گیا۔

بہر کیف وہ یہ سوچ کر کہ ایسی صورت میں شہر جانا مناسب نہیں ہے وہاں سے واپس ہوئے اور دریا پر پہنچ کرتا کہ اس پار چلے جائیں کشتی تیار تھی وہ کشتی میں بیٹھ گئے۔ان کے بیٹھتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسا کشتی اپنی جگہ پر جم گئی ہو بہت ہی کوشش کی گئی مگر کشتی نے ہلنے کا نام بھی نہ لیا۔ملاحوں نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کشتی میں کوئی ایسا غلام بیٹھا ہوا ہے جو اپنے مالک سے بھاگ کھڑا ہوا ہے اسی لئے یہ کشتی نہیں چل رہی اور یہ کہہ کر انہوں نے کشتی میں بیٹھے ہوئے تمام مسافروں میں قرعہ ڈالا اور قرعہ میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔

حضرت یونس علیہ السلام نے کہا کہ بے شک میں ہی بھاگا ہوا غلام ہوں۔اس کے بعد خود ہی وہ دریا میں کود گئے اور ایک مچھلی نے اللہ کے حکم سے انہیں نگل لیا۔اللہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ انہیں اپنے پیٹ میں محفوظ رکھا جائے چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں پڑے رہے اور مچھلی انہیں لئے دریائے نیل دریائے فارس دریائے دجلہ میں پھرتی رہی اور حضرت یونس علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں یہ عرض کرتے رہے آیت (لا الہ الا انت سبحانك انی كنت من الظالمین) ۔(اے اللہ تو معبود حاکم اور مطلق ہے تیری ذات پاک ہے میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے بایں طور کہ میں تیری اجازت کے بغیر اپنی قوم سے نکل بھاگا۔چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور مچھلی کو حکم دیا کہ انہیں نصیبین کے ساحل پر کہ جو شام کا ایک شہر ہے اپنے پیٹ سے نکال دے۔

لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِہٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۝ فَنَبَذْنٰہُ بِالْعَرَآءِ وَھُوَ سَقِیْمٌ۝ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْہِ شَجَرَۃً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ۝
تو اس کے پیٹ میں اُس دن تک رہتے جب لوگ اٹھائے جائیں گے۔پھر ہم نے انہیں کھلے میدان میں ڈال دیا
حالانکہ وہ بیمار تھے۔اور ہم نے ان پر بیل دار درخت اُگا دیا۔

حضرت یونس علیہ السلام پر کدو شریف کی بیل کے سایہ کرنے کا بیان

"لَلَبِثَ فِی بَطْنه إلَی یَوْم یُبْعَثُونَ" لَصَارَ بَطْن الْحُوت قَبْرًا لَهُ إلَی یَوْم الْقِیَامَة "فَنَبَذْنَاهُ" أَیْ أَلْقَیْنَاهُ مِنْ بَطْن الْحُوت "بِالْعَرَاءِ" بِوَجْهِ الْأَرْض : أَیْ بِالسَّاحِلِ مِنْ یَوْمه أَوْ بَعْد ثَلَاثَة أَوْ سَبْعَة أَیَّام أَوْ عِشْرِینَ أَوْ أَرْبَعِینَ یَوْمًا "وَهُوَ سَقِیم" عَلِیل كَالْفَرْخِ الْمُمَعَّط،

"وَأَنْبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَة مِنْ یَقْطِین" وَهِیَ الْقَرْع تُظِلّهُ بِسَاقٍ عَلَی خِلَاف الْعَادَة فِی الْقَرْع مُعْجِزَة لَهُ وَكَانَتْ تَأْتِیه وَعِلَّة صَبَاحًا وَمَسَاء یَشْرَب مِنْ لَبَنهَا حَتَّی قَوِیَ،

تو اس مچھلی کے پیٹ میں اُس دن تک رہتے جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔یعنی وہ مچھلی کا پیٹ آپ کیلئے قیامت کے دن تک کیلئے بہ طور قبر بن جاتا۔پھر ہم نے انہیں مچھلی کے پیٹ سے ساحلِ دریا پر کھلے میدان میں ڈال دیا یعنی اسی دن یا تین دن بعد یا سات دن بعد یا بیس دن بعد یا چالیس دن بعد۔حالانکہ وہ بیمار تھے۔یعنی جس طرح بال و پروں کے بغیر چوزہ ہوتا ہے۔اور ہم نے ان پر کدو کا بیل دار درخت اُگا دیا۔وہ بیل پر آپ پر سایہ کرنے والی تھی۔جو حسب عادت دوسری بیلوں کی بہ نسبت

زیادہ طاقت ور پتوں والی تھی۔ یہ آپ کیلئے بہ طور معجزہ تھا۔ اور آپ کے پاس ایک پہاڑی بکری آیا کرتی تھی۔ جس کا دودھ آپ دوہ کر نوش فرماتے حتیٰ کہ آپ طاقتور ہو گئے۔

کدّو کی بیل ہوتی ہے جو زمین پر پھیلتی ہے۔ مگر یہ آپ کا معجزہ تھا کہ یہ کدّو کا درخت قد والے درختوں کی طرح شاخ رکھتا تھا اور اس کے بڑے بڑے پتوں کے سایہ میں آپ آرام کرتے تھے۔ اور بحکم الٰہی روزانہ ایک بکری آتی اور اپنا تھن حضرت کے دہانِ مبارک میں دے کر آپ کو صبح وشام دودھ پلا جاتی یہاں تک کہ جسمِ مبارک کی جلد شریف یعنی کھال مضبوط ہوئی اور اپنے موقع سے بال جمے اور جسم میں توانائی آئی۔

حضرت یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنے کا بیان

ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت یونس نے جب مچھلی کے پیٹ میں ان کلمات کو کہا تو یہ دعا عرش اللہ کے اردگرد منڈلانے لگی اور فرشتوں نے کہا اللہ یہ آواز تو کہیں بہت ہی دور کی ہے لیکن اس آواز سے ہمارے کان آشنا ضرور ہیں۔ اللہ نے فرمایا اب بھی پہچان لیا یہ کس کی آواز ہے؟ انہوں نے کہا نہیں پہچانا فرمایا یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے فرشتوں نے کہا وہی یونس جس کے نیک اعمال اور مقبول دعائیں ہمیشہ آسمان پر چڑھتی رہتی تھیں؟ اللہ اس پر تو ضرور رحم فرما اس کی دعا قبول کر وہ تو آسانیوں میں بھی تیرا نام لیا کرتا تھا۔ اسے بلا سے نجات دے۔ اللہ نے فرمایا ہاں میں اسے نجات دوں گا۔ چنانچہ مچھلی کو حکم ہوا کہ میدان میں حضرت یونس کو اگل دے اور اس نے اگل دیا اور وہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کی نحیفی کمزوری اور بیماری کی وجہ سے چھاؤں کے لئے کدو کی بیل اگا دی اور ایک جنگلی بکری کو مقرر کر دیا جو صبح شام ان کے پاس آ جاتی تھی اور یہ اس کا دودھ پی لیا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے یہ واقعات مرفوع احادیث سے سورہ انبیاء کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں۔ ہم نے انہیں اس زمین میں ڈال دیا جہاں سبزہ روئیدگی گھاس کچھ نہ تھا۔ دجلہ کے کنارے یا یمن کی سرزمین پر یہ لا دے گئے تھے۔ وہ اس وقت کمزور تھے جیسے پرندوں کے بچے ہوتے ہیں۔ یا بچہ جس وقت پیدا ہوتا ہے۔ یعنی صرف سانس چل رہا تھا اور طاقت ہلنے جلنے کی بھی نہ تھی۔ یقطین کدو کے درخت کو بھی کہتے ہیں اور ہر اس درخت کو جس کا تنہ نہ ہو یعنی بیل ہو اور اس درخت کو بھی جس کی عمر ایک سال سے زیادہ نہیں ہوتی۔ کدو میں بہت سے فوائد ہیں یہ بہت جلد اگتا اور بڑھتا ہے اس کے پتوں کا سایہ گھنا اور فرحت بخش ہوتا ہے کیونکہ وہ بڑے بڑے ہوتے ہیں اور اس کے پاس مکھیاں نہیں آتیں۔ یہ غذا کا کام دے جاتا ہے اور چھلکے اور گودے سمیت کھایا جاتا ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو یعنی گھیا بہت پسند تھا اور برتن میں سے چن چن کر اسے کھاتے تھے۔ پھر انہیں ایک لاکھ بلکہ زیادہ آدمیوں کی طرف رسالت کے ساتھ بھیجا گیا۔ ابن عباس فرماتے ہیں اس سے پہلے آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے ہی آپ اس قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ دونوں قولوں سے اس طرح تضاد اٹھ سکتا ہے کہ پہلے بھی ان کی طرف بھیجے گئے تھے اب دوبارہ بھی ان ہی کی طرف بھیجے گئے اور وہ سب ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ صافات، بیروت)

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝
فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ۝

اورہم نے انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ افراد کی طرف بھیجا تھا۔سو وہ لوگ ایمان لائے تو ہم نے انہیں ایک وقت تک فائدہ پہنچایا۔پس آپ اِن سے پوچھئے کیا آپ کے رب کے لئے بیٹیاں ہیں اوران کے لئے بیٹے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کی موصل کی جانب بعثت کا بیان

"وَأَرْسَلْنَاهُ" بَعْد ذَلِكَ كَقَبْلِهِ إلَى قَوْم بِنِينَوَى مِنْ أَرْض الْمُوصِل "إلَى مِائَة أَلْف أَوْ" بَلْ "يَزِيدُونَ" عِشْرِينَ أَوْ ثَلَاثِينَ أَوْ سَبْعِينَ أَلْفًا،

"فَآمَنُوا" عِنْد مُعَايَنَة الْعَذَاب الْمَوْعُودِينَ بِهِ "فَمَتَّعْنَاهُمْ" أَبْقَيْنَاهُمْ مُمَتَّعِينَ بِمَالِهِمْ "إلَى حِين" أَيْ حَتَّى تَنْقَضِي آجَالهمْ فِيهِ،

"فَاسْتَفْتِهِمْ" اسْتَخْبِرْ كُفَّار مَكَّة تَوْبِيخًا لَهُمْ "أَلِرَبِّك الْبَنَات" بِزَعْمِهِمْ أَنَّ الْمَلَائِكَة بَنَات اللَّه "وَلَهُمْ الْبَنُونَ" فَيَخْتَصُّونَ بِالْأَسْنَى،

اورہم نے انہیں اَرضِ موصل میں قوم نینویٰ کے ایک لاکھ یا ایک لاکھ بیس ہزار یا تیس ہزار یا ستر ہزار افراد کی طرف بھیجا تھا۔سو آثارِ عذاب کو دیکھ کروہ لوگ ایمان لائے تو ہم نے انہیں ایک وقت تک یعنی ان اموات تک فائدہ پہنچایا۔پس آپ اِن کفارِ مکّہ سے بہ طور توبیخ پوچھئے کیا آپ کے رب کے لئے بیٹیاں ہیں جس طرح کہ ان کا گمان ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔اوران کے لئے بیٹے ہیں۔یعنی ان کیلئے بیٹے خاص ہوگئے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے اس قول (وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ، اورہم نے اس کو (یعنی یونس علیہ السلام کو) ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کے پاس بھیجا)۔کی تفسیر پوچھی کہ زیادہ سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیس ہزار۔یہ حدیث غریب ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1177)

بغوی کہتے ہیں مچھلی کے پیٹ سے نجات پانے کے بعد دوسری قوم کی طرف بھیجے گئے تھے۔یہاں او معنی میں بلکہ کے ہے اور وہ ایک لاکھ تیس ہزار یا اس سے بھی کچھ اوپر۔یا ایک لاکھ چالیس ہزار سے بھی زیادہ یا ستر ہزار سے بھی زیادہ یا ایک لاکھ دس ہزار اور ایک غریب مرفوع حدیث کی رو سے ایک لاکھ بیس ہزار تھے۔یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسانی اندازہ ایک لاکھ سے زیادہ ہی کا تھا۔

اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝
وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ۝

کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنا کر پیدا کیا تو وہ اس وقت حاضر تھے۔ سن لو! وہ لوگ یقیناً اپنی بہتان تراشی سے بات کرتے ہیں۔
کہ اللہ نے اولاد جنی، اور بیشک یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ کیا اس نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیوں کو پسند فرمایا۔

اللہ کی جانب اولاد منسوب کرنے میں مشرکین کے باطل نظریات کا بیان

"أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَة إنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ" وَهُمْ مُشَاهِدُونَ لِخَلْقِنَا فَيَقُولُونَ ذَلِكَ "أَلا إنَّهُمْ مِنْ إفْكهمْ" كَذِبهمْ "وَلَدَ اللَّه" بِقَوْلِهِمْ الْمَلَائِكَة بَنَات اللَّه "وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ" فِيهِ "أَصْطَفَى" بِفَتْحِ الْهَمْزَة لِلاسْتِفْهَامِ وَاسْتُغْنِيَ بِهَا عَنْ هَمْزَة الْوَصْل فَحُذِفَتْ أَيْ أَخْتَار "الْبَنَات عَلَى الْبَنِينَ"

کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنا کر پیدا کیا تو وہ اس وقت موقع پر حاضر تھے۔ یعنی وہ ہماری تخلیق کے وقت دیکھ رہے تھے جو اس طرح کہہ رہے ہیں؟ سن لو! وہ لوگ یقیناً اپنی بہتان تراشی سے یہ بات کرتے ہیں۔ کہ اللہ نے اولاد جنی، اور بیشک یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ یعنی وہ اپنے قول اللہ کی اولاد، فرشتوں کا بیٹیاں ہونا یہ سب جھوٹ ہے۔ یہاں پر لفظ اصطفی ہمزہ کی فتحہ کے ساتھ آیا ہے اور استفہام کیلئے آیا ہے۔ جو ہمزہ وصلی سے بے پرواہ ہے۔ لہٰذا اس کو حذف کر دیا گیا ہے۔ کیا اس نے بیٹوں کے مقابلہ میں بیٹیوں کو پسند فرمایا۔

مشرکین کا اللہ تعالیٰ کے لئے دوہرا معیار اختیار کرنے کا بیان

اللہ تعالیٰ مشرکوں کی بیوقوفی بیان فرما رہا ہے کہ اپنے لئے تو لڑکے پسند کرتے ہیں اور اللہ کے لئے لڑکیاں مقرر کرتے ہیں۔ اگر لڑکی ہونے کی خبر یہ پائیں تو چہرے سیاہ پڑ جاتے ہیں اور اللہ کی لڑکیاں ثابت کرتے ہیں۔ پس فرماتا ہے ان سے پوچھ تو سہی کہ یہ تقسیم کیسی ہے؟ کہ تمہارے تو لڑکے ہوں اور اللہ کے لئے لڑکیاں ہوں؟ پھر فرماتا ہے کہ یہ فرشتوں کو لڑکیاں کس ثبوت پر کہتے ہیں؟ کیا ان کی پیدائش کے وقت وہ موجود تھے۔ قرآن کی اور آیت (وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ، الزخرف:19)، میں بھی یہی بیان ہے۔ دراصل یہ قول ان کا محض جھوٹ ہے۔ کہ اللہ کے ہاں اولاد ہے۔ وہ اولاد سے پاک ہے۔ پس ان لوگوں کے تین جھوٹ اور تین کفر ہوئے اول تو یہ کہ فرشتے اللہ کی اولاد ہیں دوسرے یہ کہ اولاد بھی لڑکیاں تیسرے یہ کہ خود فرشتوں کی عبادت شروع کر دی۔ پھر فرماتا ہے کہ آخر کس چیز نے اللہ کو مجبور کیا کہ اس نے لڑکے تو لئے نہیں اور لڑکیاں اپنی ذات کے لئے پسند فرمائیں؟ جیسے اور آیت میں ہے کہ تمہیں تو لڑکوں سے نوازے اور فرشتوں کو اپنی لڑکیاں بنائے یہ تو تمہاری نہایت درجہ کی لغویات ہے۔

یہاں فرمایا کیا تمہیں عقل نہیں جو ایسی دور از قیاس باتیں بناتے ہو تم سمجھتے نہیں ہو ڈرو کہ اللہ پر جھوٹ باندھنا کیسا برا ہے؟ اچھا گر کوئی دلیل تمہارے پاس ہو تو لاؤ اسی کو پیش کرو۔ یا اگر کسی آسمانی کتاب سے تمہارے اس قول کی سند ہو اور تم سچے ہو تو لاؤ اسی کو

سامنے لے آؤ۔ یہ تو ایسی لچر اور فضول بات ہے جس کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل ہو ہی نہیں سکتی۔ اتنے ہی پر بس نہ کی، جنات میں اور اللہ میں بھی رشتے داری قائم کی۔

مشرکوں کے اس قول پر کہ فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ پھر ان کی مائیں کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا جن سرداروں کی لڑکیاں۔ حالانکہ خود جنات کو اس کا یقین وعلم ہے کہ اس قول کے قائل قیامت کے دن عذابوں میں مبتلا کئے جائیں گے۔ ان میں بعض دشمنان اللہ تو یہاں تک کم عقلی کرتے تھے کہ شیطان بھی اللہ کا بھائی ہے۔ نعوذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت پاک منزہ اور بالکل دور ہے جو یہ مشرک اس کی ذات پر الزام لگاتے ہیں اور جھوٹے بہتان باندھتے ہیں۔ اس کے بعد استثناء منقطع ہے اور یہ مثبت مگر اس صورت میں کہ یصفون کی ضمیر کا مرجع تمام لوگ قرار دیئے جائیں۔ پس ان میں سے ان لوگوں کو الگ کر لیا جو حق کے ماتحت ہیں اور تمام نبیوں رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ استثناء (انھم لمحضرون) سے ہے یعنی سب کے سب عذاب میں پھانس لئے جائیں گے مگر وہ بندگان جو اخلاص والے تھے۔ یہ قول ذرا تامل طلب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ صافات، بیروت)

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ۝ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ۝
فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝
تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم کیسا انصاف کرتے ہو۔ کیا تم غور نہیں کرتے۔ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے۔
تم اپنی کتاب پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

مشرکین کے باطل نظریات پر کوئی دلیل نہ ہونے کا بیان

"مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ " هَذَا الْحُكْم الْفَاسِد "أَفَلَا تَذَكَّرُونَ" بِإِدْغَامِ التَّاء فِي الذَّال أَنَّهُ سُبْحَانه وَتَعَالَى مُنَزَّه عَنْ الْوَلَد "أَمْ لَكُمْ سُلْطَان مُبِين " حُجَّة وَاضِحَة أَنَّ لِلَّهِ وَلَدًا "فَأْتُوا بِكِتَابِكُمْ " التَّوْرَاة فَأَرُونِي ذَلِكَ فِيهِ "إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" فِي قَوْلكُمْ ذَلِكَ،

تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم کیسا انصاف کرتے ہو۔ کہ یہ حکم فاسد ہے۔ کیا تم غور نہیں کرتے۔ یہاں پر تذکرون میں تاء کا ذال میں ادغام ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ولد سے پاک ہے۔ کیا تمہارے پاس اپنے فکر ونظریہ پر کوئی واضح دلیل وحجت ہے۔ کہ اللہ نے اولاد بنائی ہے۔ تم اپنی کتاب یعنی تورات کو پیش کرو اور مجھے دیکھاؤ اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو۔

کسی دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے دو طرح کے دلائل ہی کام دے سکتے ہیں۔ ایک عینی شہادت جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مشرکین عرب سے پوچھا کہ جب ہم نے فرشتوں کو پیدا کیا تھا تو اس وقت تم موجود تھے اور یہ دیکھا تھا کہ انہیں عورتیں بنا کر پیدا کیا گیا ہے؟ ظاہر ہے کہ مشرکین عرب کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا اور حقیقت یہ ہے کہ فرشتوں میں نر و مادہ کی تمیز ہے ہی نہیں اور

دوسری دلیل کوئی نقلی دلیل بھی ہوسکتی ہے۔یعنی کسی آسمانی کتاب میں یہ لکھا ہو کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے عورتیں بنا کر پیدا کیا ہے اور وہ اس کی بیٹیاں ہیں۔ اگر مشرکین عرب کوئی ایسی تحریر بھی نہ دکھا سکیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کے عقائد من گھڑت لغو اور باطل ہیں۔

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝
اور انہوں نے اللہ اور جنّات کے درمیان نسبی رشتہ مقرر کر رکھا ہے، حالانکہ جنّات کو معلوم ہے کہ وہ یقیناً پیش کیے جائیں گے۔
اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

مشرکین کا اللہ اور جنات کے درمیان نسب ٹھہرانے کا بیان

"وَجَعَلُوا" أَيْ الْمُشْرِكُونَ "بَيْنه" تَعَالَى "وَبَيْن الْجِنَّة" أَيْ الْمَلَائِكَة لِاجْتِنَانِهِمْ عَنْ الْأَبْصَار "نَسَبًا" بِقَوْلِهِمْ إنَّهَا بَنَات اللَّه "وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّة إنَّهُمْ" أَيْ قَائِلِي ذَلِكَ "لَمُحْضَرُونَ" لِلنَّارِ يُعَذَّبُونَ فِيهَا "سُبْحَان اللَّه" تَنْزِيهًا لَهُ "عَمَّا يَصِفُونَ" بِأَنَّ لِلَّهِ وَلَدًا،

اور انہوں یعنی مشرکین نے اللہ اور جنّات کے درمیان بھی نسبی رشتہ مقرر کر رکھا ہے، یعنی فرشتے کو جنات اس لئے کہا ہے کیونکہ وہ ان کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ اور ان کا قول وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ حالانکہ جنّات کو معلوم ہے کہ وہ یعنی کہنے والے بھی اللہ کے حضور یقیناً پیش کیے جائیں گے۔ اور انہیں دوزخ کا عذاب دیا جائے گا۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کے لئے اولاد منسوب کرتے ہیں۔

مشرکین کے باطل نظریات کی تردید کا بیان

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان نسبی تعلق قرار دیا ہے) اس جملے کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ یہ مشرکین عرب کے اس فاسد عقیدے کا بیان ہے کہ جنات کی سردار زادیاں فرشتوں کی مائیں ہیں۔ گویا معاذ اللہ جنات کی سردار زادیوں سے اللہ تعالیٰ کا زوجیت کا تعلق ہے، اور اسی تعلق کے نتیجے میں فرشتے وجود میں آئے ہیں۔ چنانچہ ایک تفسیری روایت میں ہے کہ جب مشرکین عرب نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا تو حضرت ابوبکر نے پوچھا کہ ان کی ماں کون ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا کہ جنات کی سردار زادیاں ہیں۔

لیکن اس تفسیر پر یہ اشکال رہتا ہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ اور جنات کے درمیان نسبی تعلق کا ذکر ہے اور زوجیت کا تعلق نسبی نہیں ہوتا۔ اس لئے ایک دوسری تفسیر یہاں زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے جو حضرت ابن عباس، حسن بصری اور ضحاک سے منقول ہے، اور وہ یہ کہ بعض اہل عرب کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ معاذ اللہ ابلیس اللہ تعالیٰ کا بھائی ہے، اللہ تعالیٰ خالق خیر ہے اور وہ خالق شر، یہاں اسی

باطل عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ (تفسیر کبیر، سورہ صافات، بیروت)

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ○ فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ○ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ بِفٰتِنِیْنَ○
اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِیْمِ○ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ○
مگر اللہ کے برگزیدہ بندے (ان باتوں سے مستثنیٰ ہیں)۔ پس تم اور جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ تم سب اللہ کے خلاف کسی کو
گمراہ نہیں کر سکتے۔ سوائے اس شخص کے جو دوزخ میں جا گرنے والا ہے۔ اور ہم میں سے بھی ہر ایک کا مقام مقرر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کا شرک سے بچنے کا بیان

"اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِینَ" أَیْ الْمُؤْمِنِینَ اسْتِثْنَاء مُنْقَطِع أَیْ فَإِنَّهُمْ یُنَزِّهُونَ اللّٰه تَعَالَی عَمَّا یَصِفهُ هَؤُلَاءِ "فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ" مِنْ الْأَصْنَام "مَا أَنْتُمْ عَلَیْهِ" أَیْ عَلَی مَعْبُودكُمْ وَعَلَیْهِ مُتَعَلِّق بِقَوْلِهِ "بِفَاتِنِینَ" أَیْ أَحَدًا "إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِیم" إِلَّا مَنْ سَبَقَ لَهُ ذَلِكَ فِی عِلْم اللّٰه تَعَالَی
قَالَ جِبْرِیل لِلنَّبِیِّ "وَمَا مِنَّا" مَعْشَر الْمَلَائِكَة أَحَد "إِلَّا لَهُ مَقَام مَعْلُوم" فِی السَّمَاوَات یَعْبُد اللّٰه فِیهِ لَا یَتَجَاوَزهُ،

مگر اللہ کے چنیدہ و برگزیدہ مومن بندے ان باتوں سے مستثنیٰ ہیں۔ اور یہ استثناء منقطع ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے جن سے تم اس کو متصف کرتے ہو۔ پس تم اور جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو۔ ان کا یہ قول فاتنین کے متعلق ہے۔ تم سب اللہ کے خلاف کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے۔ سوائے اس شخص کے جو دوزخ میں جا گرنے والا ہے۔ یعنی جو اللہ کے علم کے مطابق جہنم میں جانے والا ہے۔ اور جبرائیل نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ہم میں سے یعنی جماعت ملائکہ میں سے بھی ہر ایک کا مقام مقرر ہے۔ یعنی آسمانوں میں وہ عبادت کرتے ہیں اور وہاں سے تجاوز نہیں کرتے۔

یعنی بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ جنوں کے ہاتھ میں بدی کی اور فرشتوں کے ہاتھ میں نیکی کی باگ ہے۔ یہ جس کو چاہیں بھلائی پہنچائیں اور خدا کا مقرب بنا دیں اور وہ جسے چاہیں برائی اور تکلیف میں ڈال دیں یا گمراہ کر دیں شاید ان ہی مفروضہ اختیارات کی بناء پر انہیں اولاد یا سسرال بنایا ہوگا۔ اس کا جواب دیا کہ تمہارے اور ان کے ہاتھ میں کوئی مستقل اختیار نہیں۔ تم اور جن شیاطین کو تم پوجتے ہو سب مل کر ایک قدرت نہیں رکھتے کہ بدون مشیت ایزدی ایک متنفس کو بھی زبردستی گمراہ کر سکو۔ گمراہ وہی ہوگا جسے اللہ نے اس کی سوئے استعداد کی بناء پر دوزخی لکھ دیا اور اپنی بدکاری کی وجہ سے از خود دوزخ میں پہنچ گیا۔

فرشتوں کی عبادت کیلئے مقام مقرر ہونے کا بیان

جس میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آسمانوں میں بالشت بھر بھی جگہ ایسی نہیں ہے جس میں کوئی فرشتہ نماز نہ پڑھتا ہو یا تسبیح نہ کرتا ہو۔ (تفسیر خازن، سورہ صافات، بیروت)

وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ○ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ○ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ○
لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ○ لَكُنَّا عِبَادَاللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ○
اور یقیناً ہم تو خود صف بستہ رہنے والے ہیں۔اور یقیناً ہم تو خود تسبیح کرنے والے ہیں۔اور یہ لوگ یقیناً کہا کرتے تھے
کہ اگر ہمارے پاس پہلے لوگوں کی کوئی نصیحت ہوتی۔تو ہم ضرور اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے۔

فرشتوں کا صف بہ صف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا بیان

"وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ " أَقْدَامنَا فِي الصَّلَاة "وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ " الْمُنَزِّهُونَ اللَّه عَمَّا لَا يَلِيق بِهِ "وَإِنْ" مُخَفَّفَة مِنْ الثَّقِيلَة "كَانُوا" أَيْ كُفَّار مَكَّة "لَوْ أَنَّ عِنْدنَا ذِكْرًا " كِتَابًا "مِنَ الْأَوَّلِينَ" أَيْ مِنْ كُتُب الْأُمَم الْمَاضِيَة "لَكُنَّا عِبَاد اللَّه الْمُخْلَصِينَ" الْعِبَادَة لَهُ.

اور یقیناً ہم تو خود صف بستہ رہنے والے ہیں۔یعنی نماز میں قدم بہ قدم ملا کر کھڑے ہوتے ہیں۔اور یقیناً ہم تو خود اللہ کی تسبیح کرنے والے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے جو مشرکین اس کی جانب منسوب کرتے ہیں۔یہاں پر لفظ اِنْ یہ ثقیل سے مخفف ہے۔اور یہ لوگ یعنی کفار مکہ یقیناً کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس بھی پہلے لوگوں کی کوئی کتابِ نصیحت ہوتی۔یعنی جس طرح گذشتہ امتوں کے پاس کتابیں تھیں۔تو ہم بھی ضرور اللہ کے برگزیدہ بندے ہوتے۔یعنی اسی کی عبادت کرنے والے ہوتے۔

فرشتوں کی سجدہ ریزی کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ باتیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان چرچراتا ہے اور اس کا چرچرانا حق ہے اس میں چار انگلی کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں ہے کہ وہاں کوئی فرشتہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیشانی رکھ کر سجدہ ریز نہ ہو اللہ کی قسم اگر تم لوگ وہ کچھ جاننے لگو جو میں جانتا ہوں تو کم ہنستے اور زیادہ روتے اور بستروں پر عورتوں سے لذت نہ حاصل کرتے جنگلوں کی طرف نکل جاتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے تمنا کی کہ کاش میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا اس باب میں حضرت عائشہ ابوہریرہ ابن عباس اور انس سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے کہ کاش میں ایک درخت ہوتا اور لوگ مجھے کاٹ ڈالتے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 198)

فرشتوں کے اوصاف عبادت کا بیان

فرشتوں کی اطاعت کا ذکر فرمایا کہ وہ خود کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک مقرر جگہ اور ایک مقام عبادت مخصوص ہے جس سے نہ ہم ہٹ سکتے ہیں نہ اس میں کمی بیشی کر سکتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ آسمان چرچرا رہا ہے اور واقع میں اسے چرچرانا بھی چاہئے اس میں ایک قدم رکھنے جتنی جگہ بھی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ رکوع سجدے میں پڑا ہوا نہ ہو۔پھر

آپ نے ان تینوں آیتوں کی تلاوت کی۔ایک روایت میں آسمان دنیا کا لفظ ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک بالشت بھر جگہ آسمانوں میں ایسی نہیں جہاں پر کسی نہ کسی فرشتے کے قدم یا پیشانی نہ ہو۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پہلے تو مرد عورت ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے لیکن اس آیت کے نزول کے بعد مردوں کو آگے بڑھا دیا گیا اور عورتوں کو پیچھے کر دیا گیا اور ہم سب فرشتے صف بستہ عبادت اللہ کی کیا کرتے ہیں۔

ولید بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے تک نماز کی صفیں نہیں تھیں پھر صفیں مقرر ہو گئیں۔حضرت عمر اقامت کے بعد لوگوں کی طرف منہ کر کے فرماتے تھے صفیں ٹھیک درست کر لو سیدھے کھڑے ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تم سے بھی فرشتوں کی طرف صف بندی چاہتا ہے۔جیسے وہ فرماتے ہیں (وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ، الصافات:165) اے فلاں آگے بڑھ اے فلاں پیچھے ہٹ۔پھر آپ آگے بڑھ کر نماز شروع کرتے۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورت صافات، بیروت)

امت مسلمہ کی صفوں کا فرشتوں جیسی ہونے کا بیان

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" ہم لوگ (پہلی امتوں کے) لوگوں پر تین چیزوں سے فضیلت دیئے گئے ہیں (۱) ہماری صفیں (نماز میں یا جہاد میں) فرشتوں کی صفوں جیسی (شمار) کی گئی ہیں۔(۲) ہمارے واسطے تمام زمین مسجد بنا دی گئی ہے (کہ جہاں چاہیں نماز پڑھ لیں)۔(۳) جس وقت ہمیں پانی نہ ملے تو زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک کر دینے والی ہے۔(صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 494)

چنانچہ پہلی چیز تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ (نماز یا جہاد میں) اس امت کی صفیں فرشتوں کی صفیں جیسی (شمار) کی گئی ہیں یعنی جس طرح فرشتے صف بندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں کہ جس کی بناء پر انہیں مقام قرب میسر ہے اور بے انتہا بزرگی وسعادت حاصل ہوتی ہے اسی طرح اس امت کو بھی جہاد یا نماز میں صف بندی اور جماعت کی بناء پر اللہ تعالیٰ کا مقام قرب حاصل ہوتا ہے اور اس وجہ سے یہ امت سابقہ امتوں کے مقابلے میں افضل ہے کیونکہ سابقہ امتوں میں صف بندی اور جماعت نہیں تھی وہ لوگ جس طرح چاہتے نماز پڑھ لیتے مگر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو جماعت کا حکم دے کر گویا سعادت و نیک بختی کے اس عظیم راستہ پر لگا دیا کہ جماعت اور صف بندی کی جتنی زیادہ پابندی کی جائے گی سعادت و نیک بختی اور مقام قرب کے دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔

فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○ وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ○
اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ○ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○
پھر وہ اس کے منکر ہو گئے سو وہ عنقریب جان لیں گے۔اور بے شک ہمارا فرمان ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے حق میں پہلے صادر ہو چکا ہے کہ بے شک وہی مدد یافتہ لوگ ہیں۔اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہونے والا ہے۔

قرآن مجید کے نزول کے بعد کفار کا اس سے اعراض کر جانے کا بیان

"فَكَفَرُوا بِهِ " بِالْكِتَابِ الَّذِي جَاءَهُمْ وَهُوَ الْقُرْآن الْأَشْرَف مِنْ تِلْكَ الْكُتُب "فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ " عَاقِبَة كُفْرهمْ "وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتنَا " بِالنَّصْرِ "لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ " وَهِيَ "لَأَغْلِبَن أَنَا وَرُسُلِي " أَوْ هِيَ قَوْله "إِنَّهُمْ لَهُمْ الْمَنْصُورُونَ"

"وَإِنَّ جُنْدنَا " أَيْ الْمُؤْمِنِينَ "لَهُمْ الْغَالِبُونَ " الْكُفَّار بِالْحُجَّةِ وَالنُّصْرَة عَلَيْهِمْ فِي الدُّنْيَا وَإِنْ لَمْ يَنْتَصِر بَعْض مِنْهُمْ فِي الدُّنْيَا فَفِي الْآخِرَة،

پھراب وہ اس قرآن کے منکر ہو گئے جو قرآن ان کے پاس آیا ہے۔ جوان ساری کتابوں سے افضل ہے۔ سو وہ عنقریب اپنے کفر کا انجام جان لیں گے۔ اور بے شک ہمارا فرمان ہمارے بھیجے ہوئے بندوں یعنی رسولوں کے حق میں بہ طور مدد پہلے صادر ہو چکا ہے کہ بے شک وہی مدد یافتہ لوگ ہیں۔ یعنی وہی دنیا میں غالب آئیں گے اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہونے والا ہے۔ اور اگر ہمارا یہ قول نصرت و مدد میں ان کفار کیلئے حجت ہے کہ دنیا میں انہیں غلبہ حاصل ہوگا اور اگر دنیا میں ظاہری طور پر ان میں بعض کو کوئی غلبہ حاصل نہ بھی ہوا تو آخرت میں وہ ضرور غالب ہوں گے۔

خیبر والوں کی جانب لشکر اسلام کے خروج کا بیان

حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب آپ ہمارے ساتھ کسی قوم سے جہاد کرتے تو ہم سے لوٹ مار نہ کرواتے تھے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی اور آپ انتظار کرتے اگر اذان سن لیتے تو ان لوگوں کے قتل سے رک جاتے اور اگر اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کرتے انس کہتے ہیں ہم خیبر کی طرف جہاد کو نکلے تو ہم رات کو ان کے قریب پہنچے جب صبح ہو گئی اور آپ نے اذان نہ سنی تو سوار ہو گئے اور میں ابوطلحہ کے پیچھے سوار ہو گیا میرا پیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیر کو چھوتا رہا تھا انس کہتے ہیں کہ خیبر کے لوگ اپنے تھیلے اور پھاوڑے لئے ہوئے ہماری طرف آئے۔

اور جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو کہنے لگے کہ محمد اللہ کی قسم اور اس کا لشکر آ گئے انس کہتے ہیں کہ جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ اکبر اللہ اکبر! خیبر برباد ہو گیا بے شک ہم کسی قوم کے میدان میں بقصد جنگ اترتے ہیں تو ان ڈرائے ہوؤں کی صبح خراب ہو جاتی ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 588)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خیبر کے دن) فرمایا کل میں یہ جھنڈا ایک شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں سے خداوند تعالیٰ (قلعہ خیبر کو) فتح کرائے گا رات کو تمام لوگ سوچتے رہے دیکھئے جھنڈا کس کو ملتا ہے جب صبح ہوئی تو تمام لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں یہ امید لے کر حاضر ہوئے کہ جھنڈا انہیں کو ملے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کی آنکھیں دکھتی ہیں آپ نے فرمایا کوئی جا کر ان کو بلا لائے چنانچہ انہیں بلا کر لایا گیا۔

جب وہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دونوں آنکھوں پر لعاب دہن لگا دیا اور ان کے لئے دعا کی۔ وہ اچھی ہو گئیں گویا دکھتی ہی نہ تھیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا حضرت علی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ان لوگوں (یعنی دشمنوں) سے اس وقت تک لڑوں گا جب تک وہ ہماری مانند مسلمان نہ ہو جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہرو، جب تم میدان جنگ میں پہنچ جاؤ تو پہلے ان کو اسلام کی دعوت دینا (یعنی اسلام کی طرف بلانا) پھر اللہ کا حق جو ان پر واجب ہے اس سے ان کو مطلع کرنا اس لئے کہ بخدا! اگر تمہاری تحریک و تبلیغ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دی تو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بدرجہا بہتر ہے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 945)

یعنی یہ بات علم الٰہی میں ٹھہر چکی ہے کہ منکرین کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو مدد پہنچاتا ہے اور آخر کار خدائی لشکر ہی غالب ہو کر رہتا ہے خواہ درمیان میں حالات کتنے ہی پلٹے کھائیں۔ مگر آخری فتح اور کامیابی مخلص بندوں ہی کے لیے ہے۔ باعتبار حجت و برہان کے بھی اور باعتبار ظاہری تسلط و غلبہ کے بھی۔ ہاں شرط یہ ہے کہ "جند" فی الواقع "جند اللہ" ہو۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۝ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝
پس ایک وقت تک آپ ان سے توجہ ہٹا لیجئے۔ اور انہیں دیکھتے رہئے سو وہ عنقریب دیکھ لیں گے۔
اور کیا یہ ہمارے عذاب میں جلدی کے خواہش مند ہیں۔

کفار مکہ کا جلد عذاب کا مطالبہ کرنے کا بیان

"فَتَوَلَّ عَنْهُمْ" أَيْ أَعْرِضْ عَنْ كُفَّار مَكَّة "حَتّٰى حِين" تُؤْمَر فِيهِ بِقِتَالِهِمْ "وَأَبْصِرْهُمْ" إِذْ نَزَلَ بِهِمْ الْعَذَاب "فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ" عَاقِبَة كُفْرهمْ فَقَالُوا اسْتِهْزَاء: مَتَى نُزُول هَذَا الْعَذَاب؟ قَالَ تَعَالَى تَهْدِيدًا لَهُمْ: "أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ"

پس ایک وقت تک آپ ان سے یعنی کفار مکہ سے توجہ ہٹا لیجئے۔ حتیٰ کہ ان کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا جائے۔ اور آپ انہیں برابر دیکھتے رہئے سو وہ عنقریب اپنا انجام کفر دیکھ لیں گے۔ جب ہمارا عذاب ان پر نازل ہوگا۔ تو انہوں نے بہ طور مذاق کہا کہ یہ عذاب کب نازل ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں بہ طور تہدید فرمایا اور کیا یہ ہمارے عذاب میں جلدی کے خواہش مند ہیں۔

سورہ صافات آیت ۱۷۶ کے شان نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگوں نے کہا اے محمد ﷺ ہمیں وہ عذاب دکھا دیں کہ جس سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں۔ اور اسے ہم پر جلدی لے آ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۔ کیا یہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔ (سیوطی 241، طبری 23-173)

فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۝
پھر جب وہ ان کے سامنے اترے گا تو ان کی صبح کیا ہی بُری ہوگی جنہیں ڈرایا گیا تھا۔ پس آپ اُن سے تھوڑی مدت تک
توجہ ہٹائے رکھئے۔ اور انہیں دیکھتے رہئے، سو وہ عنقریب دیکھ لیں گے۔

کفار کیلئے عذاب میں اپنے انجام کو دیکھنے کا بیان

"فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ" بِفِنَائِهِمْ قَالَ الْفَرَّاء : الْعَرَب تَكْتَفِي بِذِكْرِ السَّاحَة عَنْ الْقَوْم "فَسَاء" بِئْسَ صَبَاحًا "صَبَاح الْمُنْذَرِينَ" فِيهِ إقَامَة الظَّاهِر مَقَام الْمُضْمَر، "وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ، "وَأَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ" كُرِّرَ تَأْكِيدًا لِتَهْدِيدِهِمْ وَتَسْلِيَة لَهُ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

پھر جب وہ عذاب ان کے سامنے یعنی ان کے صحن میں اترے گا امام فراء نحوی نے کہا ہے کہ اہل عرب قوم کی بہ جائے ساحہ کے لفظ پر اکتفاء کرتے ہیں۔ تو ان کی صبح کیا ہی بُری ہوگی جنہیں ڈرایا گیا تھا۔ یہاں پر مضمر کی جگہ پر اسم ضمیر کو لایا گیا ہے۔ پس آپ اُن سے تھوڑی مدت تک توجہ ہٹائے رکھئے۔ اور انہیں برابر دیکھتے رہئے، سو وہ عنقریب اپنا انجام دیکھ لیں گے۔ اس کو تاکید کیلئے مکرر لایا گیا ہے۔ تاکہ کفار کیلئے تہدید ہو۔ اور نبی کریم ﷺ کیلئے تسلی ہو۔

ساحۃ کے لفظی معنی صحن کے ہیں اور نزل بساحۃ (اس کے صحن میں اترا) عربی محاورہ ہے، جس کا مفہوم کسی آفت کا سامنے آ جانا ہے اور صبح کے وقت کی تخصیص یہ ہے کہ اہل عرب میں دشمن کا حملہ عموماً اس وقت ہوا کرتا تھا۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول بھی یہی تھا کہ اگر کسی دشمن کے خطے میں رات کے وقت پہنچتے تو حملے کے لئے صبح کے وقت تک انتظار فرماتے تھے (مظہری)

روایات میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قلعہ خیبر پر صبح کے وقت حملہ کیا تو ارشاد فرمایا اللہ اکبر! خیبر ویران ہوگیا، بلاشبہ جب ہم کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو جن لوگوں کو پہلے ڈرایا جا چکا تھا ان کی وہ صبح بہت بری ہوتی ہے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
آپ کا رب، جو عزت کا مالک ہے اُن سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ اور رسولان گرامی پر سلام ہو اور
سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور انبیائے کرام علیہم السلام پر سلام کا بیان

"سُبْحَان رَبّك رَبّ الْعِزَّة" الْغَلَبَة "عَمَّا يَصِفُونَ" بِأَنَّ لَهُ وَلَدًا "وَسَلَام عَلَى الْمُرْسَلِينَ" الْمُبَلِّغِينَ عَنْ اللّٰه التَّوْحِيد وَالشَّرَائِع "وَالْحَمْد لِلّٰهِ رَبّ الْعَالَمِينَ" عَلَى نَصْرهمْ وَهَلَاك الْكَافِرِينَ،

آپ کا رب، جو عزت و غلبے کا مالک ہے اُن سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ اس کیلئے اولاد ہے۔ اور رسولان گرامی پر سلام ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کا پیغام توحید اور احکام شریعت پہنچانے والے ہیں۔ اور سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا

رب ہے۔ کیونکہ اہل ایمان کی مدد کرنے والا ہے۔ اور کفار کو ہلاک کرنے والا ہے۔

اللہ کی حمد اور اس کی برکت کا بیان

اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے اپنی برات بیان فرماتا ہے جو مشرکین اس کی طرف منسوب کرتے تھے۔ جیسے اولاد شریک وغیرہ۔ وہ بہت بڑی اور لازوال عزت والا ہے۔ ان جھوٹے اور مفتری لوگوں کے بہتان سے وہ پاک اور منزہ ہے۔ اللہ کے رسولوں پر سلام ہے اس لئے کہ ان کی تمام باتیں ان عیوب سے مبرا ہیں جو مشرکوں کی باتوں میں موجود ہیں بلکہ نبیوں کی باتیں اور اوصاف جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بیان کرتے ہیں سب صحیح اور برحق ہیں۔ اسی کی ذات کے لئے تمام حمد وثناء ہے دنیا اور آخرت میں ابتدا اور انتہاء کا وہی سزاوار تعریف ہے۔ ہر حال میں قابل حمد وہی ہے۔ تسبیح سے ہر طرح کے نقصان سے اس کی ذات پاک سے دوری ثابت ہوتی ہے، تو ثابت ہوتا ہے کہ ہر طرح کے کمالات کی مالک اس کی ذات واحد ہے۔ اسی کو صاف لفظوں میں حمد ثابت کیا۔ تاکہ نقصانات کی نفی اور کمالات کا اثبات ہو جائے۔ ایسے ہی قران کریم کی بہت سی آیتوں میں تسبیح اور حمد کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جب مجھ پر سلام بھیجو اور نبیوں پر بھی سلام بھیجو کیونکہ میں بھی منجملہ اور نبیوں میں سے ایک نبی ہی ہوں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ صافات، بیروت)

جنہوں نے اللہ عزّ وجلّ کی طرف سے توحید اور احکام شرع پہنچائے انسانی مراتب میں سب سے اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ خود کامل ہو اور دوسروں کی تکمیل کرے یہ شان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے تو ہر ایک پر ان حضرات کا اتباع اور ان کی اقتدا لازم ہے۔

یہ حدیث مسند میں بھی مروی ہے۔ کہ جب حضور سلام کا ارادہ کرتے تو ان تینوں آیتوں کو پڑھ کر سلام کرتے۔ ابن ابی حاتم میں ہے جو شخص یہ چاہے کہ بھرپور پیمانے سے ناپ کر اجر پائے تو وہ جس کسی مجلس میں ہو وہاں سے اٹھتے ہوئے یہ تینوں آیتیں پڑھ لے اور سند سے یہ روایت حضرت علی سے موقوفاً مروی ہے۔ طبرانی کی حدیث میں ہے جو شخص ہر فرض نماز کے بعد تین مرتبہ ان تینوں آیتوں کی تلاوت کرے اسے بھرپور اجر پورے پیمانے سے ناپ کر ملے گا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ صافات، بیروت)

سورہ صافات کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ صافات کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت ص ہے

سورت ص کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

(مَكِّيَّة وَآيَاتهَا 86 أَوْ 88 آيَة نَزَلَتْ بَعْد الْقَمَر)

سورہ ص اس کا نام سورہ داؤد بھی ہے، یہ سورت مکی ہے، اس میں پانچ رکوع، اٹھاسی آیات اور سات سو بتیس کلمات اور تین ہزار سرسٹھ حروف ہیں۔ اور یہ سورت قمر کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورت ص کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی اول آیت میں لفظ ص آیا ہے جس کے سبب یہ اسی نام سے معروف ہوئی ہے۔ اور اس سورت کا نام داؤد بھی آیا ہے۔

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ۝ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّ شِقَاقٍ۝
ص (حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں)، ذکر والے قرآن کی قسم۔ بلکہ وہ
لوگ جنھوں نے کفر کیا تکبر اور مخالفت میں ہیں۔

کفار کا عداوت ومخالفت حق میں پڑے رہنے کا بیان

"ص" اللَّه أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِهِ "وَالْقُرْآن ذِي الذِّكْر" أَيْ الْبَيَان أَوْ الشَّرَف وَجَوَاب هَذَا الْقَسَم مَحْذُوف : أَيْ مَا الْأَمْر كَمَا قَالَ كُفَّار مَكَّة مِنْ تَعَدُّد الْآلِهَة "بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا" مِنْ أَهْل مَكَّة "فِي عِزَّة" حَمِيَّة وَتَكَبُّر عَنْ الْإِيمَان "وَشِقَاق" خِلَاف وَعَدَاوَة لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ص حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں، ذکر والے قرآن کی قسم۔ یعنی جو بیان والا یا شرف والا ہے اور اس کا جواب قسم محذوف ہے۔ یعنی معاملہ ایسا نہیں ہے جس طرح کفار مکہ نے تعدد الٰہہ کے بارے میں کہا ہے۔ بلکہ وہ لوگ یعنی کفار مکہ جنھوں نے اپنی حمیت کی وجہ کفر کیا اور ایمان لانے سے تکبر اور مخالفت یعنی نبی کریم ﷺ سے عداوت میں پڑے ہوئے ہیں۔

سورہ ص آیت ۲،۱، کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب ابوطالب بیمار ہوئے تو قریش اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے۔ابوطالب کے پاس ایک ہی آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ابوجہل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں بیٹھنے سے منع کرنے کے لئے اٹھا اور لوگوں نے ابوطالب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کی،انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا بھتیجے! اپنی قوم سے کیا چاہتے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ یہ لوگ ایک کلمہ کہنے لگیں اگر یہ لوگ میری اس دعوت کو قبول کرلیں گے تو عرب پر حاکم ہو جائیں گے اور عجمیوں سے جزیہ وصول کریں گے۔ابوطالب نے پوچھا ایک ہی کلمہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ایک ہی کلمہ۔چچا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لیجئے۔وہ سب کہنے لگے کیا ہم ایک ہی اللہ کی عبادت کرنے لگیں ہم نے تو کسی پچھلے دین میں یہ بات نہیں سنی (بس یہ من گھڑت ہے) راوی کہتے ہیں کہ پھر ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں (ص وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ، قرآن کی قسم! جو سراسر نصیحت ہے بلکہ جو لوگ منکر ہیں وہ محض تکبر اور مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔ہم نے ان سے پہلے کتنی قومیں ہلاک کر دیں ہیں،سو انہوں نے بڑی ہائے پکار کی اور وہ وقت خلاصی کا نہ تھا اور انہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس انہی میں سے ڈرانے ولاء آیا اور منکروں نے کہا کہ یہ تو ایک بڑا جادوگر ہے،کیا اس نے کئی معبودوں کو صرف ایک معبود بنا دیا۔بے شک یہ بڑی عجیب بات ہے اور ان میں سے سردار یہ کہتے ہوئے چل پڑے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو۔بے شک اس میں کچھ غرض ہے۔ہم نے یہ بات اپنے پچھلے دین میں نہیں سنی۔یہ تو ایک بنائی ہوئی بات ہے)۔۔یہ حدیث حسن ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1180)

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝
ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا تو انھوں نے پکارا اور وہ بچ نکلنے کا وقت نہیں تھا۔

سابقہ اقوام کفار کی ہلاکتوں سے دعوت عبرت کا بیان

"كَمْ" أَىْ كَثِيرًا "أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْن " أَىْ أُمَّة مِنَ الْأُمَم الْمَاضِيَة "فَنَادَوْا" حِين نُزُول الْعَذَاب بِهِمْ "وَلَاتَ حِين مَنَاص " أَىْ لَيْسَ الْحِين حِين فِرَار وَالتَّاء زَائِدَة وَالْجُمْلَة حَال مِنْ فَاعِل نَادَوْا أَىْ اسْتَغَاثُوا وَالْحَال أَنْ لَا مَهْرَب وَلَا مَنْجَى وَمَا اعْتَبَرَ بِهِمْ كُفَّار مَكَّة.

ان سے پہلے ہم نے کتنی یعنی کثیر ہی قوموں کو ہلاک کر دیا قرن کا معنی امت ہے جو امم ماضیہ سے ہے۔تو انھوں نے پکارا جب ان پر عذاب نازل ہو چکا۔اور وہ بچ نکلنے کا وقت نہیں تھا۔یعنی اس وقت ان کیلئے وہاں سے فرار ممکن نہ تھا۔یہاں پر تاء زائدہ ہے۔اور یہ جملہ نادوا کے فاعل سے حال ہے۔یعنی انہوں نے مدد طلب اس حال میں کہ ان کا بچ نکلنا اور نجات پانا ممکن نہ تھا۔لہٰذا ان کے اس واقعہ سے کفار مکہ عبرت حاصل کریں۔

سورت ص کی ابتدائی آیات کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ابوطالب بیمار ہوئے اور قریش ان کے پاس آئے تو نبی کریم بھی ان کے پاس تشریف لے آئے ابوطالب کے سر کے قریب ایک شخص کے بیٹھنے کی جگہ تھی ابو جہل کھڑا ہوا تا کہ آپ کو اس جگہ بیٹھنے سے روکے ان لوگوں نے ابوطالب سے حضور کی شکایت کی ابوطالب نے کہا اے بھتیجے تو اپنی قوم سے کیا چاہتا ہے آپ نے فرمایا چچا جان میں ان سے ایک ایسا کلمہ چاہتا ہوں کہ جس سے عرب ان کے تابع ہو جائیں اور عجم ان کو جزیہ ادا کریں گے ابوطالب نے کہا ایک ہی کلمہ۔ وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا لا الہ الا اللہ۔ انہوں نے کہا کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی بنا دیا آپ فرماتے ہیں کہ ان کے بارے میں قرآن پاک (کا یہ حصہ) نازل ہوا۔ ص وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ، ص۔ قسم ہے اس قرآن کی جو نصیحت دینے والا ہے (کہ تم حق پر ہو) مگر جو لوگ کافر ہیں اور غرور اور مخالفت میں ہیں۔ یہ پچھلے مذہب میں ہم نے کبھی سنی ہی نہیں یہ بالکل بنائی ہوئی بات ہے۔ (سنن ترمذی 3232، مستدرک 2۔632، درمنثور 5۔(295)

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ کہ جب عمر بن خطاب نے اسلام قبول کیا تو قریش کو یہ بہت ناگوار گزرا اور مسلمانوں کو اس پر بہت خوشی ہوئی ولید بن مغیرہ نے قریش کے سرداروں اور شرفاء سے کہا ابوطالب کی طرف چلو چنانچہ وہ سب گئے اور اس سے کہا تم ہمارے بزرگ اور بڑے ہو تم جانتے ہو کہ ان احمقوں نے کیا کیا اور ہم تمہارے پاس اغراض سے آئے ہیں کہ تم ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان فیصلہ کر دو ابوطالب نے آپ کو پیغام بھیج دیا جب آپ تشریف لائے تو کہا اے بھتیجے یہ تمہاری قوم تم سے کچھ مطالبہ کرتی ہے پس تم اپنی قوم پر پوری طرح نہ جھک جانا۔

آپ نے پوچھا کہ کیا مطالبہ کرتی ہے انہوں نے کہا ہمیں اور ہمارے معبودوں کا تذکرہ چھوڑ دو ہم تمہیں اور تمہارے معبودوں کو چھوڑ دیں گے تو نبی نے فرمایا کیا تم مجھے ایسا کلمہ نہیں دیتے جس کے ذریعے تم عرب پر حکومت کرو اور عجم تمہارے سامنے ذلیل ہو جائیں ابوجہل نے کہا اللہ تیرے باپ کا بھلا کرے ہم تجھے وہ اس جیسے دس اور کلمے دینے کو تیار ہیں نبی نے فرمایا لا الہ الا اللہ پڑھ لو۔ وہ سب یہ سن کر بھاگ کھڑے ہوئے اور کہا کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی بنا ڈالا بھلا تمام مخلوق کو ایک معبود کیسے سنبھال سکتا ہے۔ اس موقع پر اللہ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (کذبت قبلھم قوم نوح)

ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد میخوں والا فرعون (اور اس کی قوم کے لوگ) بھی جھٹلا چکے ہیں اور ثمود اور لوط کی قوم اور بن کے رہنے والے بھی۔ (نیسابوری 304، ابن کثیر 4۔27)

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ○
اور انہوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈر سنانے والا آ گیا ہے۔
اور کفار کہنے لگے: یہ جادوگر ہے، بہت جھوٹا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا کفار کو عذاب دوزخ سے ڈرانے کا بیان

"وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِر مِنْهُمْ" رَسُول مِنْ أَنْفُسهمْ يُنْذِرهُمْ وَيُخَوِّفهُمْ النَّار بَعْد الْبَعْث وَهُوَ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَقَالَ الْكَافِرُونَ" وُضِعَ الظَّاهِر مَوْضِع الْمُضْمَر،

اور انہوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈرسنانے والا آ گیا ہے۔ یعنی انہیں دوبارہ زندہ کرنے کے بعد دوزخ سے ڈراتا ہے۔ اور وہ نبی کریم ﷺ ہیں۔ اور کفار کہنے لگے یہ جادوگر ہے، بہت جھوٹا ہے۔ یہاں پر اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ رکھا گیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

منذر: اسم فاعل واحد مذکر۔ انذار (افعال) سے ڈرانے والا۔ ہم ضمیر جمع مذکر غائب جاء ہم اور منھم میں کفار مکہ کی طرف راجع ہو سکتی ہے کیونکہ عجبوا میں ضمیر فاعل بھی کفار کے لئے ہے لیکن یہ جنس بشر کے لئے بھی ہو سکتی ہے کیونکہ کسی نبی کا جنس بشر سے ہونا ان کے نزدیک بعید از فہم تھا۔ اس لئے ان کو حیرت تھی کہ یہ ڈرانیوالا ان میں سے یا جنس بشر میں سے کیسے ہو سکتا ہے؟ ساحر کذاب: معطوف علیہ و معطوف واو عطف محذوف، ساحر ہے اور بڑا جھوٹا ہے۔ کذاب مبالغہ کا صیغہ ہے۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ○ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ
اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤی اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ○
کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنا ڈالا؟ بلاشبہ یہ یقیناً بہت عجیب بات ہے۔ اور ان کے سردار چل کھڑے ہوئے یہ
کہتے ہوئے کہ تم بھی چل پڑو، اور اپنے معبودوں پر ثابت قدم رہو، یہ ضرور ایسی بات ہے جس میں کوئی غرض ہے۔

نبی کریم ﷺ کا کفار کو دعوت توحید دینے کا بیان

"أَجَعَلَ الْآلِهَة إِلَهًا وَاحِدًا" حَيْثُ قَالَ لَهُمْ قُولُوا : لَا إِلَه إِلَّا اللَّه أَيْ كَيْفَ يَسَع الْخَلْق كُلّهمْ إِلَه وَاحِد "إِنَّ هَذَا لَشَيْء عُجَاب" أَيْ عَجِيب

"وَانْطَلَقَ الْمَلَأ مِنْهُمْ" مِنْ مَجْلِس اجْتِمَاعهمْ عِنْد أَبِي طَالِب وَسَمَاعهمْ فِيهِ مِنْ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُولُوا : لَا إِلَه إِلَّا اللَّه "أَنِ امْشُوا" يَقُول بَعْضهمْ لِبَعْضٍ امْشُوا "وَاصْبِرُوا عَلَى آلِهَتكُمْ" اُثْبُتُوا عَلَى عِبَادَتهَا "إِنَّ هَذَا" الْمَذْكُور مِنْ التَّوْحِيد "لَشَيْء يُرَاد" مِنَّا

کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنا ڈالا؟ کیونکہ آپ نے ان سے کہا کہ تم کہو "لا الہ الا اللہ" جبکہ ایک معبود کیسے ساری مخلوق کو بنا سکتا ہے۔ بلاشبہ یہ یقیناً بہت عجیب بات ہے۔

اور ان کے سردار ابوطالب کے گھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر چل کھڑے ہوئے کیونکہ انہوں نے

نبی کریم ﷺ سے اس میں یہی سنا تھا کہ تم کہو"لا الہ الا اللہ" باقی لوگوں سے یہ کہتے ہوئے کہ تم بھی چل پڑو، اور اپنے معبودوں کی پرستش پر ثابت قدم رہو، یعنی ان کی عبادت پر رہو۔ یہ ضرور ایسی بات ہے یعنی جس میں توحید کو ذکر کیا گیا ہے۔ جس میں کوئی غرض ہمارے لئے ہے۔

کفار مکہ کا جہالت اور اظہار تعجب کرتے ہوئے بت پرستی پر قائم رہنے کا بیان

کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ان میں سے ایک انسان کی طرف ہم نے وحی کی تا کہ وہ لوگوں کو ہوشیار کر دے اور ایمانداروں کو اس بات کی خوش خبری سنا دے کہ اس کے پاس ان کے لئے بہترین لائحہ عمل ہے۔ کافر تو ہمارے رسول کو کھلا جادوگر کہنے لگے۔ یہیں پر یہ ذکر ہے کہ انہی میں سے انہی جیسے ایک انسان کے رسول بن کر آنے پر انہیں تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر اور کذاب ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر تعجب کے ساتھ ہی اللہ کی وحدانیت پر بھی انہیں تعجب معلوم ہوا اور کہنے لگے کہ اور سنو اتنے سارے معبودوں کے بدلے یہ تو کہتا ہے کہ اللہ ایک ہی ہے اور اس کا کوئی کسی طرح کا شریک ہی نہیں ان بیوقوفوں کو اپنے بڑوں کی دیکھا دیکھی جس شرک وکفر کی عادت تھی اس کے خلاف آواز سن کر ان کے دل دکھنے اور رکنے لگے اور وہ توحید کو ایک انوکھی اور انجان چیز سمجھنے لگے۔ ان کے بڑوں اور سرداروں نے تکبر کے ساتھ منہ موڑتے ہوئے اعلان کیا کہ اپنے قدیمی مذہب پر جمے رہو۔ اس کی بات نہ مانو اور اپنے معبودوں کی عبادت کرتے رہو۔ یہ تو صرف اپنے مطلب کی باتیں کہتا ہے۔ یہ اس بہانے اپنی جمار ہا ہے کہ یہ تمہارا سب کا بڑا بن جائے اور تم اس کے تابع فرمان ہو جاؤ۔

ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار قریشیوں کے شریف اور سردار رؤسا ایک مرتبہ جمع ہوئے ان میں ابو جہل بن ہشام عاص بن وائل اسود بن المطلب اسود بن عبد یغوث وغیرہ بھی تھے اور سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ چل کر آج ابوطالب سے آخری فیصلہ کرلیں وہ انصاف کے ساتھ ایک بات ہمارے ذمہ ڈال دے اور ایک اپنے بھتیجے کے ذمے۔ کیونکہ یہ اب انتہائی عمر کو پہنچ چکے ہیں چراغ سحری ہو رہے ہیں اگر مر گئے اور ان کے بعد ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مصیبت پہنچائی تو عرب میں طعنہ دیں گے کہ بڈھے کی موجودگی تک تو کچھ نہ چلی اور ان کی موت کے بعد بہادری آ گئی۔ چنانچہ ایک آدمی بھیج کر ابوطالب سے اجازت مانگی ان کی اجازت پر سب گھر میں گئے اور کہا سنئے جناب! آپ ہمارے سردار ہیں بزرگ ہیں بڑے ہیں۔ ہم آپ کے بھتیجے سے اب بہت تنگ آ گئے ہیں آپ انصاف کے ساتھ ہم میں اور اس میں فیصلہ کر دیجئے۔

دیکھئے ہم آپ سے انصاف چاہتے ہیں وہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں اور نہ ہم انہیں ستائیں وہ مختار ہیں جس کی چاہیں عبادت کریں لیکن ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں۔ ابوطالب نے آدمی بھیج کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا اور کہا جان پدر دیکھتے ہو آپ کی قوم کے سردار اور بزرگ سب جمع ہوئے ہیں اور آپ سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے معبودوں کی توہین اور برائی کرنے سے باز آ جائیں اور یہ آپ کو آپ کے دین پر چلنے میں آزادی دے رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چچا جان کیا میں انہیں بہترین اور بڑی بھلائی کی طرف نہ بلاؤں؟ ابوطالب نے کہا وہ کیا ہے؟ فرمایا یہ ایک کلمہ کہہ دیں صرف اس کے

کہنے کی وجہ سے سارا عرب ان کے ماتحت ہو جائے گا اور سارے عجم پر ان کی حکومت ہو جائے گی۔ابو جہل ملعون نے سوال کیا کہ اچھا بتاؤ وہ ایسا کونسا کلمہ ہے؟ ایک نہیں ہم دس کہنے کو تیار ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو لا الہ الا اللہ بس یہ سننا تھا کہ شور وغل کر دیا اور کہنے لگے اس کے سوا جو تو مانگے ہم دینے کو تیار ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم سورج کو بھی لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دو تو بھی تو تم سے اس کلمے کے سوا اور کچھ نہیں مانگوں گا۔سارے کے سارے مارے غصے اور غضب کے بھنا کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے واللہ ہم تجھے اور تیرے اللہ کو گالیاں دیں گے جس نے تجھے یہ حکم دیا ہے۔اب یہ چلے اور ان کے سردار یہ کہتے رہے کہ جاؤ اپنے دین پر اور اپنے معبودوں کی عبادت پر جمے رہو۔معلوم ہو گیا کہ اس شخص کا تو ارادہ ہی اور ہے یہ تو بڑا بننا چاہتا ہے۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی،سورہ ص،بیروت)

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ○ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ
مِنْۢ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ○
ہم نے اس کو آخری ملّتِ میں بھی نہیں سنا، یہ صرف خود ساختہ جھوٹ ہے۔کیا ہم سب میں سے اسی پر یہ ذکر اتارا گیا ہے؟
بلکہ وہ میرے ذکر کی نسبت شک میں ہیں، بلکہ انہوں نے ابھی میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔

کفار مکہ کا نبی کریم ﷺ پر آنے والی وحی کی تکذیب کرنے کا بیان

"مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَة" أَيْ مِلَّة عِيسَى "إِنْ" مَا "هٰذَا إِلَّا اخْتِلَاق" كَذِب "أَأُنْزِلَ" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيل الثَّانِيَة وَإِدْخَال أَلِف بَيْنهمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ وَتَرْكه "عَلَيْهِ" عَلَى مُحَمَّد "الذِّكْر" أَيْ الْقُرْآن "مِنْ بَيْننَا" وَلَيْسَ بِأَكْبَرِنَا وَلَا أَشْرَفنَا : أَيْ لَمْ يَنْزِل عَلَيْهِ "بَلْ هُمْ فِي شَكّ مِنْ ذِكْرِي" وَحْيِي أَيْ الْقُرْآن حَيْثُ كَذَّبُوا الْجَائِي بِهِ "بَلْ لَمَّا" لَمْ "يَذُوقُوا عَذَاب" وَلَوْ ذَاقُوهُ لَصَدَّقُوا النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا جَاءَ بِهِ وَلَا يَنْفَعهُمْ التَّصْدِيق حِينَئِذٍ،

ہم نے اس عقیدہ توحید کو آخری ملّتِ نصرانی میں بھی نہیں سنا، یہ صرف خود ساختہ جھوٹ ہے۔یہاں پر اُ اُنزل یہ دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ جبکہ دونوں کے درمیان دونوں صورتوں میں الف داخل کیا جائے۔اور ترک کے ساتھ بھی آیا ہے۔کیا ہم سب میں سے اسی یعنی حضرت محمد ﷺ پر یہ ذکر یعنی قرآن اتارا گیا ہے؟ جو ہم سے بڑے یا شرف والے نہیں ہیں۔لہٰذا ان پر نازل ہوا ہی نہیں، بلکہ وہ میرے ذکر یعنی وحی قرآن کی نسبت شک میں گرفتار ہیں، کیونکہ انہوں نے وحی کے آنے میں میری تکذیب کی۔بلکہ انہوں نے ابھی میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا۔کیونکہ اگر وہ میرے عذاب کو چکھ لیتے تو نبی کریم ﷺ جو ان کے پاس لائے ہیں وہ اس کی تصدیق کرتے۔لیکن اس وقت ان کو یہ تصدیق کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا۔

اہل مکہ کا نزول قرآن پر حسد کرنے کا بیان

اہل مکہ کو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب نبوت پر حسد آیا اور انہوں نے یہ کہا کہ ہم میں صاحب شرف و عزت آدمی موجود تھے ان میں سے کسی پر قرآن نہ اترا خاص حضرت سید انبیاء محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اترا۔

اگر میرا عذاب چکھ لیتے تو یہ شک و تکذیب و حسد کچھ باقی نہ رہتا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرتے لیکن اس وقت کی تصدیق مفید نہ ہوتی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ ص، لاہور)

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ○ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ○
کیا ان کے پاس آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو غالب ہے بہت عطا فرمانے والا ہے؟۔ یا ان کے پاس آسمانوں
اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اس کی بادشاہت ہے؟ تو انہیں چاہئے کہ رسّیاں باندھ کر چڑھ جائیں۔

ہمت ہے تو کفار آسمانوں پر چڑھ کر وحی لے آئیں

"أَمْ عِنْدهمْ خَزَائِن رَحْمَة رَبّك الْعَزِيز" الْغَالِب "الْوَهَّاب" الْوَهَّاب مِنْ النُّبُوَّة وَغَيْرهَا فَيُعْطُونَهَا مَنْ شَاءُوا،

"أَمْ لَهُمْ مُلْك السَّمَاوَات وَالْأَرْض وَمَا بَيْنهمَا" إنْ زَعَمُوا ذَلِكَ "فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَاب" الْمُوَصِّلَة إلَى السَّمَاء فَيَأْتُوا بِالْوَحْيِ فَيَخُصُّوا بِهِ مَنْ شَاءُوا وَأَمْ فِي الْمَوْضِعَيْنِ بِمَعْنَى هَمْزَة الْإِنْكَار،

کیا ان کے پاس آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو غالب ہے بہت عطا فرمانے والا ہے؟۔ جو نبوت وغیرہ عطا کرنے والا ہے جسے چاہتا ہے وہ عطا کرتا ہے۔ یا ان کے پاس آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اس کی بادشاہت ہے؟ جس طرح ان کا گمان ہے۔ اگر ہے تو انہیں چاہئے کہ رسّیاں باندھ کر آسمان پر چڑھ جائیں۔ یعنی جو آسمان تک انہیں پہنچا دے تا کہ وہ وحی لے آئیں۔ حالانکہ ہم وحی کیلئے جسے چاہتے ہیں خاص کر لیتے ہیں۔ اور یہاں پر لفظ اَم دونوں مقامات پر ہمزہ انکاری کے معنی میں ہے۔

کفار کی بے بسی کو چیلنج کرنے کا بیان

اور کیا نبوت کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں ہیں جسے چاہیں دیں اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کی مالکیت کو نہیں جانتے۔ حسب اقتضائے حکمت جسے جو چاہے عطا فرمائے اس نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت عطا فرمائی تو کسی کو اس میں دخل دینے اور چون چرا کی کیا مجال۔

اور ایسا اختیار ہو تو جسے چاہیں وحی کے ساتھ خاص کریں اور عالم کی تدبیر اپنے ہاتھ میں لیں اور جب یہ کچھ نہیں ہے تو امور ربانیہ وتدابیر الٰہیہ میں دخل کیوں دیتے ہیں انہیں اس کا کیا حق ہے، کفار کو یہ جواب دینے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نصرت ومدد کا وعدہ فرمایا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ ص، لاہور)

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ○ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُوالْاَوْتَادِ ○
ایک حقیر سا لشکر ہے، لشکروں میں سے، جو اس جگہ شکست کھانے والا ہے۔ اِن سے پہلے قوم نوح نے اور عاد نے
اور بڑی مضبوط حکومت والے فرعون نے جھٹلایا تھا۔

سابقہ اقوام کفر کی طرح آئندہ اقوام کفر کی ہلاکتوں کا بیان

"جُنْد مَا" أَيْ هُمْ جُنْد حَقِير "هُنَالِكَ" فِي تَكْذِيبهمْ لَك "مَهْزُوم" صِفَة جُنْد "مِنْ الْأَحْزَاب" صِفَة جُنْد أَيْضًا : أَيْ كَالْأَجْنَادِ مِنْ جِنْس الْأَحْزَاب الْمُتَحَزِّبِينَ عَلَى الْأَنْبِيَاء قَبْلك وَأُولَئِكَ قَدْ قُهِرُوا وَأُهْلِكُوا فَكَذَا نُهْلِك هَؤُلَاءِ

"كَذَّبَتْ قَبْلهمْ قَوْم نُوح" تَأْنِيث قَوْم بِاعْتِبَارِ الْمَعْنَى "وَعَادٍ وَفِرْعَوْن ذُو الْأَوْتَاد" كَانَ يَتِدُ لِكُلِّ مَنْ يَغْضَب عَلَيْهِ أَرْبَعَة أَوْتَاد يُشَدّ إلَيْهَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ وَيُعَذِّبهُ،

یہ ایک حقیر سا لشکر ہے، لشکروں میں سے، جو آپ کی تکذیب کر کے اس جگہ شکست کھانے والا ہے۔ یہاں پر لفظ مہزوم یہ جند کی صفت ہے اور من الاحزاب بھی جند کی صفت ہے۔ یعنی لشکروں کی جنس میں سے لشکر ہے۔ جو آپ سے پہلے انبیائے کرام پر جمع ہوئے اور مغلوب ہوئے اور انہیں ہلاک کر دیا گیا تو پس اسی طرح ہم ان کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ اِن سے پہلے قوم، یہاں لفظ قوم معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے۔ یعنی قوم نوح نے اور عاد نے اور بڑی مضبوط حکومت والے یا میخوں سے اذیت دینے والے فرعون نے بھی جھٹلایا تھا۔ جس شخص پر فرعون ناراض ہوتا اس کو چار میخوں سے باندھ دیتا تھا اور ان سے اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں باندھ دیتا تھا۔ اور اس کو سزا دیتا ہے۔

یعنی ان قریش کی جماعت انہیں لشکروں میں سے ایک ہے جو آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے مقابل گروہ باندھ باندھ کر آیا کرتے تھے اور زیادتیاں کیا کرتے تھے اس سبب سے ہلاک کر دیئے گئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی کے یہی حال ان کا ہے کہ انھیں بھی ہزیمت ہوگی چنانچہ بدر میں ایسا واقع ہوا اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسکینِ خاطر کے لئے پچھلے انبیاء علیہم السلام اور ان قوموں کا ذکر فرمایا۔

ان سب کے واقعات کئی مرتبہ بیان ہو چکے ہیں کہ کس طرح ان پر ان کے گناہوں کی وجہ سے اللہ کے عذاب ٹوٹ پڑے۔ یہی وہ جماعتیں ہیں جو مال اولاد میں قوۃ و طاقت میں زور زور میں تمہارے زمانہ کے ان کٹر کافروں سے بہت بڑھی ہوئی تھیں لیکن

امر الٰہی کے آ چکنے کے بعد انہیں کوئی چیز کام نہ آئی۔ پھر ان کی تباہی کی وجہ بھی بیان ہوئی کہ یہ رسولوں کے دشمن تھے انہیں جھوٹا کہتے تھے۔

وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ٥
اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ٥
اور ثمود نے اور قوم لوط علیہ السلام نے اور اصحاب ایکہ نے تکذیب کی تھی وہ گروہ یہی لوگ ہیں۔
ان سب نے صرف رسولوں کو جھٹلایا تھا پس میرا عذاب واقع ہو گیا۔

قوم ثمود ولوط وغیرہ سے کفار کیلئے عبرت ہونے کا بیان

"وَثَمُود وَقَوْم لُوط وَأَصْحَاب الْأَيْكَة" أَيْ الْغَيْضَة وَهُمْ قَوْم شُعَيْب عَلَيْهِ السَّلَام "إِنْ" مَا "كُلّ" مِنْ الْأَحْزَاب "إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُل" لِأَنَّهُمْ إِذَا كَذَّبُوا وَاحِدًا مِنْهُمْ فَقَدْ كَذَّبُوا جَمِيعهمْ لِأَنَّ دَعْوَتهمْ وَاحِدَة وَهِيَ دَعْوَة التَّوْحِيد "فَحَقَّ" وَجَبَ،

اور ثمود نے اور قوم لوط علیہ السلام نے اور اصحاب ایکہ نے تکذیب کی تھی یعنی جو جھاڑی والے تھے اور وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی۔ اور وہ گروہ یہی لوگ ہیں۔ ان سب نے صرف رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ کیونکہ جب ان میں سے کسی ایک تکذیب کی گویا سب نے تکذیب کی کیونکہ آپ کی دعوت ان سب کیلئے ایک تھی اور وہ دعوت توحید ہے۔ پس میرا عذاب ان پر واقع ہو گیا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اصحب الایکۃ۔ جنگل کے رہنے والے۔ ایکہ کے لوگ، وہ قوم جس کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام بھیجے گئے۔ اولئک الاحزاب۔ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ الاحزاب میں الف لام عہدی ہے یعنی وہی احزاب جن کا ذکر آیت جند ماھنا لک میں کر دیا گیا ہے۔ یہ سب پیغمبروں کے خلاف اپنے اپنے زمانہ میں جتھ بند ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی مشرکین مکہ نے اپنا ایک جتھ بنا لیا تھا۔

ان کافروں سے پہلے قوم نوح علیہ السلام نے اور عاد نے اور فرعون نے اور ثمود نے اور قوم لوط نے اور مدین والوں نے ان سب گروہوں نے تکذیب کی۔ تو اس صورت میں اولئک الاحزاب مبتدا خبر کا جملہ نہ ہو گا بلکہ اشارہ مشار الیہ کا ہو گا۔ اور مختلف اقوام مذکورہ سے بدل قرار پائے گا۔

اصل طاقت وقوت کی مالک قوم نوح اور عاد وثمود وغیرہ کی قومیں تھیں۔ مشرکین مکہ کی ان کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں، جب وہ لوگ عذاب الٰہی سے نہ بچ سکے تو ان کی ہستی کیا ہے؟ (تفسیر قرطبی، سورہ ص، بیروت)

وَمَا يَنظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ○ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ○

اور یہ لوگ کسی چیز کا انتظار نہیں کر رہے سوائے ایک سخت چیخ کے، جس میں کوئی وقفہ نہ ہوگا۔ اور انھوں نے کہا

اے ہمارے رب! ہمیں ہمارا حصہ یوم حساب سے پہلے جلدی دے دے۔

کفار مکہ کا عذاب کا انتظار کرنے کا بیان

"وَمَا يَنظُر" يَنتَظِر "هٰؤُلَاءِ" أَيْ كُفَّار مَكَّة "إِلَّا صَيْحَة وَاحِدَة" هِيَ نَفْخَة الْقِيَامَة تَحِلّ بِهِمْ الْعَذَاب "مَا لَهَا مِنْ فَوَاق" بِفَتْحِ الْفَاء وَضَمّهَا : رُجُوع،

"وَقَالُوا" لَمَّا نَزَلَ "فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابه بِيَمِينِهِ" إلَخْ "رَبّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطّنَا" أَيْ كِتَاب أَعْمَالنَا "قَبْل يَوْم الْحِسَاب" قَالُوا ذٰلِكَ اسْتِهْزَاء،

اور یہ لوگ یعنی کفار مکہ کسی چیز کا انتظار نہیں کر رہے سوائے ایک سخت چیخ کے، اور وہ نفخہ قیامت ہے جو ان پر عذاب لائے گا جس میں کوئی وقفہ نہ ہوگا۔ یہاں پر لفظ فواق یہ فاء کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ جس کا معنی رجوع ہے۔ اور انھوں نے کہا یعنی جب ''فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابه بِيَمِينِهِ " إلَخْ '' یہ حکم نازل ہوا تو انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں ہمارا حصہ یعنی ہمارے اعمال کی کتاب یوم حساب سے پہلے جلدی دے دے۔ جبکہ یہ انہوں نے بہ طور مذاق کہا تھا۔

انہیں صرف صور کا انتظار ہے اور اس میں بھی کوئی دیر نہیں بس وہ ایک آواز ہوگی کہ جس کے کان میں پڑی بیہوش و بیجان ہو گیا۔ سوائے ان کے جنہیں رب نے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ قط کے معنی کتاب اور حصے کے ہیں۔ مشرکین کی بیوقوفی اور ان کا عذابوں کو محال سمجھ کر نڈر ہو کر عذابوں کے طلب کرنے کا ذکر ہو رہا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ انہوں نے کہا اللہ اگر یہ صحیح ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا اور کوئی دردناک عذاب آسمانی ہمیں پہنچا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنا جنت کا حصہ یہاں طلب کیا اور یہ جو کچھ کہا یہ بہ وجہ اسے جھوٹا سمجھنے اور محال جاننے کے تھا۔ ابن جریر کا فرمان ہے کہ جس خیر و شر کے وہ دنیا میں مستحق تھے اسے انہوں نے جلد طلب کیا۔ یہی بات ٹھیک ہے ضحاک اور اسماعیل کی تفسیر کا ماحصل بھی یہی ہے۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ○

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ○

جو کچھ وہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر جاری رکھیئے اور ہمارے بندے داؤد (علیہ السلام) کا ذکر کریں جو بڑی قوت والے تھے،

بیشک وہ بہت رجوع کرنے والے تھے۔ بے شک ہم نے پہاڑوں کو اس کے ہمراہ مسخر کر دیا، وہ دن کے پچھلے پہر اور سورج چڑھنے کے وقت تسبیح کرتے تھے۔

کفار کی تکالیف کے باوجود صبر کرنے کا بیان

"اصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ" أَيْ الْقُوَّة فِي الْعِبَادَة كَانَ يَصُوم يَوْمًا وَيُفْطِر يَوْمًا وَيَقُوم نِصْف اللَّيْل وَيَنَام ثُلُثه وَيَقُوم سُدُسه "إِنَّهُ أَوَّاب" رَجَّاع إِلَى مَرْضَاة اللّٰه،

"إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَال مَعَهُ يُسَبِّحْنَ" بِتَسْبِيحِهِ "بِالْعَشِيِّ" وَقْت صَلَاة الْعِشَاء "وَالْإِشْرَاق" وَقْت صَلَاة الضُّحَى وَهُوَ أَنْ تُشْرِق الشَّمْس وَيَتَنَاهَى ضَوْءُهَا،

(اے حبیب مکرم ﷺ) جو کچھ وہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر جاری رکھیئے اور ہمارے بندے داؤد علیہ السلام کا ذکر کریں جو بڑی قوت والے تھے، یعنی وہ عبادت میں ایک دن روزہ رکھتے اور ایک افطار کرتے تھے۔اور وہ نصف رات قیام کرتے تھے اور نصف رات آرام کرتے۔یعنی وہ تہائی یا سدس رات محو استراحت ہوتے۔بیشک وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والے یعنی اللہ کی رضا طلب کرنے والے تھے۔بے شک ہم نے پہاڑوں کو اس کے ہمراہ مسخر کر دیا، یعنی وہ بھی آپ کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔وہ دن کے پچھلے پہر یعنی عشاء کے وقت اور سورج چڑھنے کے وقت یعنی اشراق کے وقت تسبیح کرتے تھے۔اور اشراق یہ ہے کہ جب سورج کی روشنی پھیل کو انتہائی مقامات پر پہنچ جائے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کی اس تکذیب اور ہنسی کے مقابلے میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تعلیم دی اور برداشت کی تلقین کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی فراست کا بیان

ذالاید سے مراد علمی اور عملی قوت والا ہے اور صرف قوۃ والے کے معنی بھی ہوتے ہیں جیسے فرمان ہے (وَالسَّمَاءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ، الذاریات:47)، مجاہد فرماتے ہیں مراد اطاعت کی طاقت ہے۔حضرت داؤد علیہ السلام کو عبادت کی قدرت اور اسلام کی فقہ عطا فرمائی گی تھی۔یہ مذکور ہے کہ آپ ہر رات تہائی رات تک تہجد میں کھڑے رہتے تھے اور ایک دن بعد ایک دن ہمیشہ روزے سے رہتے تھے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ کو سب سے زیادہ پسند حضرت داؤد کی رات کی نماز اور انہی کے روزے تھے۔آپ آدھی رات سوتے اور تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ رات کا پھر سو جاتے، اور ایک دن روزہ رکھتے ایک دن نہ رکھتے اور دشمنان دین سے جہاد کرنے میں پیٹھ نہ دکھاتے اور اپنے ہر حال میں اللہ کی طرف رغبت و رجوع رکھتے۔پہاڑوں کو ان کے ساتھ مسخر کر دیا تھا۔وہ آپ کے ساتھ سورج کے ڈھلنے کے وقت اور دن کے آخری وقت تسبیح بیان کرتے۔جیسے فرمان ہے (يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ، سبا:10) یعنی اللہ نے پہاڑوں کو ان کے ساتھ رجوع کرنے کا حکم دیا تھا۔اسی طرح پرندے بھی آپ کی آواز سن کر آپ کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان کرنے لگ جاتے اڑتے ہوئے پرند پاس سے گذرتے اور آپ توراۃ پڑھتے ہوتے تو آپ کے ساتھ وہ بھی تلاوت میں مشغول ہو جاتے اور اڑنا بھول جاتے بلکہ ٹھہر

جاتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن ضحیٰ کے وقت حضرت ام ہانی کے گھر میں آٹھ رکعت نماز ادا کی۔ابن عباس فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ یہ بھی وقت نماز ہے جیسے فرمان ہے (اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ، ص:18)۔

عبداللہ بن حارث بن نوفل کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ضحیٰ کی نماز نہیں پڑھتے تھے ایک دن میں انہیں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے ہاں لے گیا اور کہا کہ آپ ان سے وہ حدیث بیان کیجئے جو آپ نے مجھ سے بیان فرمائی تھی۔تو مائی صاحبہ نے فرمایا فتح مکہ والے دن میرے گھر میں میرے پاس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔پھر ایک برتن میں پانی بھروایا اور ایک کپڑا تان کر نہانے بیٹھ گئے پھر گھر کے ایک کونے میں پانی چھڑک کر آٹھ رکعت صلوۃ ضحیٰ کی ادا کیں، ان کا قیام رکوع سجدہ اور جلوس سب قریب قریب برابر تھے۔

حضرت ابن عباس جب یہ سن کر وہاں سے نکلے تو فرمانے لگے پورے قرآن کو میں نے پڑھ لیا میں نہیں جانتا کہ ضحیٰ کی نماز کیا ہے آج مجھے معلوم ہوا کہ (يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ، -ص:18) والی آیت میں بھی اشراق سے مراد یہی ضحیٰ ہے۔چنانچہ اس کے بعد انہوں نے اپنے اگلے قول سے رجوع کر لیا۔جب حضرت داؤد اللہ کی پاکیزگی اور بزرگی بیان فرماتے تو پرندے بھی ہواؤں میں رک جاتے تھے اور حضرت داؤد کی ماتحتی میں ان کی تسبیح کا ساتھ دیتے تھے۔اور اس کی سلطنت ہم نے مضبوط کر دی اور بادشاہوں کو جن جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے ہم نے اسے سب دے دیں۔چار ہزار تو ان کی محافظ سپاہ تھی۔اس قدر فوج تھی کہ ہر رات تینتیس ہزار فوجی پہرے پر چڑھتے تھے لیکن جو آج کی رات آتے پھر سال بھر تک ان کی باری نہ آتی۔چالیس ہزار آدمی ہر وقت ان کی خدمت میں مسلح تیار رہتے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ ص، بیروت)

نماز اشراق کے استدلال کا بیان

اس آیت سے حضرت عبداللہ بن عباس نے صلوٰۃ الضحیٰ کے شروع ہونے پر استدلال فرمایا ہے۔صلوٰۃ الضحیٰ کو صلوٰۃ الاوابین اور بعض حضرات صلوٰۃ الاشراق بھی کہتے ہیں۔اگرچہ بعد میں صلوٰۃ الاوابین کا نام مغرب کے بعد کی چھ نفلوں کے لئے اور صلوٰۃ الاشراق طلوع آفتاب کے متصل والی دو چار نفلوں کے لئے زیادہ مشہور ہو گیا۔صلوٰۃ الضحیٰ میں سے دو سے لے کر بارہ تک جتنی رکعتیں چاہیں پڑھی جا سکتی ہیں۔حدیث میں اس کے بہت سے فوائد وارد ہوئے ہیں۔جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا، جو شخص صلوٰۃ الضحیٰ کی دو رکعتوں کی پابندی کر لے اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، خواہ وہ سمندری جھاگ جتنے ہوں اور حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:۔جو شخص صلوٰۃ الضحیٰ کی بارہ رکعتیں پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل بنا دے گا۔(تفسیر قرطبی، سورہ ص، بیروت)

وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ۖ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ○ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ○

اور پرندوں کو بھی، جب کہ وہ اکٹھے کیے ہوتے، سب اس کے لیے رجوع کرنے والے تھے۔ اور ہم نے اس کی سلطنت مضبوط کر دی اور اسے حکمت اور فیصلہ کن گفتگو عطا فرمائی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے تابع پرندوں و پہاڑوں کر دینے کا بیان

"وَ" سَخَّرْنَا "الطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً" الطَّيْر مَجْمُوعَة إلَيْهِ تُسَبِّح مَعَهُ "كُلّ" مِنْ الْجِبَال وَالطَّيْر "لَهُ أَوَّاب" رَجَّاعٌ إلَى طَاعَته بِالتَّسْبِيحِ،

"وَشَدَدْنَا مُلْكه" قَوَّيْنَاهُ بِالْحَرَسِ وَالْجُنُود وَكَانَ يَحْرُس مِحْرَابه فِي كُلّ لَيْلَة ثَلَاثُونَ أَلْف رَجُل "وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَة" النُّبُوَّة وَالْإِصَابَة فِي الْأُمُور "وَفَصْل الْخِطَاب" الْبَيَان الشَّافِي فِي كُلّ قَصْد

اور پرندوں کو بھی تابع کر دیا۔ جب کہ وہ اکٹھے کیے ہوتے یعنی وہ سب جمع ہو جاتے اور آپ کے ساتھ تسبیح کرتے اور تسبیح میں پہاڑ اور پرندے سب اکٹھے ہو جاتے تھے۔ لہٰذا وہ سب اس کے لیے رجوع کرنے والے یعنی تسبیح میں آپ کے تابع تھے۔ اور ہم نے اس کی سلطنت مضبوط کر دی یعنی محافظ حکومت اور لشکروں کے ساتھ قوت دی کیونکہ ہر رات آپ کی محراب میں تیس ہزار محافظ پہرہ دیتے تھے۔ اور اسے حکمت یعنی نبوت اور فیصلہ کرنے میں اصابت عطا فرمائی۔ یہاں پر خطاب فیصل یہ ہر مقصد کے بیان میں کافی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح کرتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ تسبیح کرتے اور پرندے آپ کے پاس جمع ہو کر تسبیح کرتے۔ فوج و لشکر کی کثرت عطا فرما کر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ روئے زمین کے بادشاہوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کی سلطنت بڑی مضبوط اور قوی سلطنت تھی چھتیس ہزار مرد آپ کے محراب کے پہرے پر مقرر تھے۔ (تفسیر جمل، سورہ ص، لاہور)

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ○

اور کیا آپ کے پاس جھگڑنے والوں کی خبر پہنچی؟ جب وہ دیوار پھاند کر (داؤد علیہ السلام کی) عبادت گاہ میں داخل ہو گئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس محراب میں آنے والوں کا بیان

"وَهَلْ" مَعْنَى الِاسْتِفْهَام هُنَا التَّعْجِيب وَالتَّشْوِيق إلَى اسْتِمَاع مَا بَعْده "أَتَاك" يَا مُحَمَّد "نَبَأ الْخَصْم إذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَاب" مِحْرَاب دَاوُدَ: أَيْ مَسْجِده حَيْثُ مَنَعُوا الدُّخُول عَلَيْهِ مِنْ الْبَاب لِشُغْلِهِ بِالْعِبَادَةِ أَيْ خَبَرهمْ وَقِصَّتهمْ

یہاں پر لفظ ھل یہ استفہام کیلئے آیا ہے۔ جو تعجب اور آنے والے کلام کو غور سے سننے کی رغبت دلانے والا ہے۔ یا محمد ﷺ اور کیا آپ کے پاس جھگڑنے والوں کی خبر پہنچی؟ جب وہ دیوار پھاند کر داؤد علیہ السلام کی عبادت گاہ میں داخل ہو گئے۔ یعنی جب ان کو

دروازوں سے آنے سے منع کر دیا گیا تو وہ اس طرح آئے۔ کیونکہ آپ اس وقت عبادت میں مشغول تھے۔ لہٰذا آپ انہیں اس قصہ کی خبر دیجئے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ہل۔ استفہامیہ ہے۔ تعجب تشویق الی السماع کے لئے ہے۔ جب کسی واقعہ کی اہمیت پر مخاطب کو متوجہ کرنا ہو تو اس کا آغاز اس قسم کے استفہام سے کیا جاتا ہے تاکہ سننے والا ہمہ تن گوش متوجہ ہو کر واقعہ کو سنے اور عبرت حاصل کرے۔ اتک: اتی ماضی۔ واحد مذکر غائب ک ضمیر واحد مذکر حاضر۔ تیرے پاس آئی (خبر)

نبوا الخصم ۔ مضاف مضاف الیہ ۔ نبا خبر ۔ الخصم مصدر ہے اسی لئے اس کا اطلاق ایک، دو، اور زیادہ پر بھی ہوتا ہے یہاں مراد دو جھگڑنے والے ہیں۔ اس کے جمع کی ضمیر خصم کی طرف راجع کی گئی ہے۔ دو کیطرف جمع کی ضمیر راجع کرنا عربی زبان میں درست ہے جیسے قرآن مجید میں اور جگہ آیا ہے ان تتوبا الی اللّٰہ فقد صغت قلوبکما اگر تم دونوں خدا کے آگے توبہ کرو (تو بہتر ہے کیونکہ) تم دونوں کے دل کج ہو گئے ہیں۔ اس میں جمع کی (قلوب کی) اضافت تثنیہ کی طرف کی گئی ہے۔

جملہ وھل اتٰک نبوا الخصم کا عطف انا سخرنا پر ہے اور یہ عطف القصۃ علی القصۃ کے قبیل سے ہے بعض کے نزدیک اس کا عطف اذ کر پر ہے۔

اذ: جب۔ اس کا تعلق الخصم کے مضاف سے ہے جو اس سے قبل محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی: ۔ وہل اتک نبا تحاکم الخصم اور کیا آپ کو دو مخالف فریق کا باہمی جھگڑے کا فیصلے کے لئے حاکم کے پاس لے جانے کا قصہ معلوم ہے؟ تسوروا۔ ماضی جمع مذکر غائب تسور (تفعل) مصدر سے جس کے معنی دیوار یا شہر کے اردگرد بلند حفاظت کے لئے بنائی جائے شہر پناہ۔ فصیل، یہاں مراد وہ دیوار جو محروب کے اردگرد حفاظت کے لئے بنائی ہوئی تھی۔ المحر اب اسم مفرد۔ محاریب جمع۔ بالا خانہ۔ کمرہ۔ یہاں مراد عبادت خانہ۔ کمرہ۔ (انوار البیان، سورہ ص)

اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ
فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ۝
جب وہ داؤد (علیہ السلام) کے پاس اندر آ گئے تو وہ ان سے گھبرائے، انہوں نے کہا گھبرائیے نہیں، ہم مقدمہ میں
دو فریق ہیں، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ آپ ہمارے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ
کر دیں اور حد سے تجاوز نہ کریں اور ہمیں سیدھی راہ کی طرف رہبری کر دیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس دو فرشتوں کا بہ طور فیصلہ کروانے آنے کا بیان

"اِذْ دَخَلُوا عَلَى دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ " نَحْنُ "خَصْمَانِ" نَحْنُ خَصْمَانِ قِيلَ فَرِيقَانِ

لِيُطَابِق مَا قَبْلَه مِنْ ضَمِير الْجَمْع وَقِيلَ اثْنَانِ وَالضَّمِير بِمَعْنَاهُمَا وَالْخَصْم يُطْلَق عَلَى الْوَاحِد وَأَكْثَر وَهُمَا مَلَكَانِ جَاءَا فِي صُورَة خَصْمَيْنِ وَقَعَ لَهُمَا مَا ذُكِرَ عَلَى سَبِيل الْفَرْض لِتَنْبِيهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَام عَلَى مَا وَقَعَ مِنْهُ وَكَانَ لَهُ تِسْع وَتِسْعُونَ امْرَأَة وَطَلَبَ امْرَأَة شَخْص لَيْسَ لَهُ غَيْرهَا وَتَزَوَّجَهَا وَدَخَلَ بِهَا "بَغَى بَعْضنَا عَلَى بَعْض فَاحْكُمْ بَيْننَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ" تَجُرْ "وَاهْدِنَا" أَرْشِدْنَا "إلَى سَوَاء الصِّرَاط" وَسَط الطَّرِيق الصَّوَاب،

جب وہ داؤد علیہ السلام کے پاس اندر آ گئے تو حضرت داؤد علیہ السلام ان سے گھبرائے، انہوں نے کہا گھبرایئے نہیں، ہم ایک مقدمہ میں دو فریق ہیں، کہا گیا ہے خصمان سے مراد فریقان ہیں اور یہاں ماقبل جمع کی ضمیر سے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تثنیہ کی ضمیر سے ہے۔ اور یہاں ضمیر تثنیہ کے معنی میں ہے اور خصم کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے اور اس سے زیادہ پر بھی ہوتا ہے۔ اور وہ دونوں فرشتے تھے جو خصمین کی صورت میں بہ سبیل فرض آئے تا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے کام کیا ہے اس پر ان کو انتباہ کیا جائے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔ اور آپ نے ایک شخص سے عورت کو طلب کیا حالانکہ اس کے سوا اس کی کوئی بیوی نہ تھی۔ تو آپ نے اس سے نکاح کیا اور اس کے ساتھ دخول بھی کیا۔ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ آپ ہمارے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیں اور حد سے تجاوز نہ کریں اور ہمیں سیدھی راہ کی طرف رہبری کر دیں۔ وسط طریق سے مراد صحیح راستہ ہے۔

حضرت داؤد کا انہیں دیکھ کر گھبرانا اس وجہ سے تھا کہ وہ اپنے تنہائی کے خاص خلوت خانے میں تھے اور پہرہ داروں کو منع کیا تھا کہ کوئی بھی آج اندر نہ آئے اور یکایک ان دونوں کو جو دیکھا تو گھبرا گئے۔ عزنی الخ، سے مطلب بات چیت میں غالب آ جانا دوسرے پر چھا جانا ہے۔ حضرت داؤد سمجھ گئے کہ یہ اللہ کی آزمائش ہے پس وہ رکوع سجدہ کرتے ہوئے اللہ کی طرف جھک پڑے۔ مذکور ہے کہ چالیس دن تک سجدہ سے سر نہ اٹھایا پس ہم نے اسے بخش دیا۔ یہ یاد رہے کہ جو کام عوام کے لئے نیکیوں کے ہوتے ہیں وہی کام خواص کے لئے بعض مرتبہ بدیوں کے بن جاتے ہیں۔

اِنَّ هٰذَآ اَخِیْ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ
فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَعَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ٥
بے شک یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے، تو اس نے کہا کہ
یہ میرے سپرد کر دے اور اس نے بات کرنے میں مجھ پر بہت سختی کی۔

ننانوے دنبیوں کی مثال کے ذریعے انتباہ کا بیان

"إنَّ هَذَا أَخِي" أَيْ عَلَى دِينِي "لَهُ تِسْع وَتِسْعُونَ نَعْجَة" يُعَبَّر بِهَا عَنْ الْمَرْأَة "وَلِيَ نَعْجَة

وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا " أَيْ اجْعَلْنِي كَافِلَهَا "وَعَزَّنِي" غَلَبَنِي "فِي الْخِطَابِ" أَيْ الْجِدَال وَأَقَرَّهُ الْآخَر عَلَى ذَلِكَ،

بے شک یہ میرا دینی بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے، یہاں عورت کو دنبی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تو اس نے کہا کہ یہ میرے سپرد کردے یعنی وہ میری کفالت میں دیدے اور اس نے بات کرنے میں مجھ پر بہت سختی کی۔ یعنی کلام وخطاب میں مجھ پر غالب آ گیا ہے۔

یعنی جھگڑا یہ ہے کہ میرے اس بھائی کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے ہاں صرف ایک دنبی ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ وہ ایک بھی کسی طرح مجھ سے چھین کر اپنی سو پوری کرلے۔ اور مشکل یہ آن پڑی ہے کہ جیسے مال میں یہ مجھ سے زیادہ ہے بات کرنے میں بھی مجھ سے تیز ہے۔ جب بولتا ہے تو مجھ کو دبا لیتا ہے اور لوگ بھی اسی کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں۔ غرض میرا حق چھیننے کے لیے زبردستی کی باتیں کرتا ہے۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ
لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ
وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۝
داؤد (علیہ السلام) نے کہا تمہاری دُنبی کو اپنی دُنبیوں سے ملانے کا سوال کر کے اس نے تم سے زیادتی کی ہے اور بیشک اکثر شریک ایک
دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ اور داؤد (علیہ
السلام) نے خیال کیا کہ ہم نے ان کی آزمائش کی ہے، سو انہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور سجدہ میں گر پڑے اور توبہ کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف فیصلہ اور آداب نبوت کا بیان

"قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتك " لِيَضُمّهَا "إِلَى نِعَاجه وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاء " الشُّرَكَاء "لَيَبْغِي بَعْضهمْ عَلَى بَعْض إلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات وَقَلِيل مَا هُمْ " مَا لِتَأْكِيدِ الْقِلَّة فَقَالَ الْمَلَكَانِ صَاعِدَيْنِ فِي صُورَتَيْهِمَا إلَى السَّمَاء : قَضَى الرَّجُل عَلَى نَفْسه فَتَنَبَّهَ دَاوُد "وَظَنَّ" أَيْ أَيْقَنَ "دَاوُد أَنَّمَا فَتَنَّاهُ" أَوْقَعْنَاهُ فِي فِتْنَة أَيْ بَلِيَّة بِمَحَبَّتِهِ تِلْكَ الْمَرْأَة "فَاسْتَغْفَرَ رَبّه وَخَرَّ رَاكِعًا" أَيْ سَاجِدًا

حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا تمہاری دُنبی کو اپنی دُنبیوں سے ملانے کا سوال کر کے اس نے تم سے زیادتی کی ہے اور بیشک اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں یہاں پر لفظ ما یہ تاکید قلت کیلئے آیا ہے۔ تو ان دونوں فرشتوں نے اپنی اصلی صورت میں آسمان کی طرف چڑھتے ہوئے کہا کہ اس

شخص نے خود ہی اپنے خلاف فیصلہ کرلیا ہے۔ تو اس سے حضرت داؤد علیہ السلام کا انتباہ ہوئی۔ اور داؤد علیہ السلام نے خیال یعنی یقین کرلیا کیا کہ ہم نے اس مقدمہ کے ذریعہ ان کی آزمائش کی ہے، کہ اس عورت کو پسند کرنے کے فتنہ میں مبتلاء کردیا۔ سوانہوں نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور سجدہ میں گر پڑے اور توبہ کی۔

سورہ ص کی آیت سجدہ کا بیان

یہ آیت سجدے کی ہے یا نہیں؟ اس کی بات امام شافعی کا جدید مذہب تو یہ ہے کہ یہاں سجدہ ضروری نہیں یہ تو سجدہ شکر ہے۔ ابن عباس کا قول ہے کہ ص ضروری سجدوں میں سے نہیں ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (بخاری وغیرہ)

نسائی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سجدہ کر کے فرمایا یہ سجدہ حضرت داؤد کا تو توبہ کے لئے تھا اور ہمارا شکر کے لئے ہے۔ ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے خواب میں دیکھا گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں اور نماز میں میں نے سجدے کی آیت تلاوت کی اور سجدہ کیا تو میرے ساتھ اس درخت نے بھی سجدہ کیا اور میں نے سنا کہ وہ یہ دعا مانگ رہا تھا یعنی اے اللہ! میرے اس سجدے کو تو میرے لئے اپنے پاس اجر اور خزانے کا سبب بنا اور اس سے تو میرا بوجھ ہلکا کردے اور اسے مجھ سے قبول فرما جیسے کہ تو نے اپنے بندے داؤد کے سجدے کو قبول فرمایا۔

ابن عباس فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی اور سجدے کی آیت کو پڑھ کر سجدہ کیا اور اس سجدے میں وہی دعا پڑھی جو اس شخص نے درخت کی دعا نقل کی تھی۔

ابن عباس اس آیت کے سجدے پر یہ دلیل وارد کرتے تھے کہ قرآن نے فرمایا ہے اس کی اولاد میں سے داؤد سلیمان ہیں جنہیں ہم نے ہدایت کی تھی پس تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ہدایت کی پیروی کر پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اقتداء کے مامور تھے اور یہ صاف ثابت ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ سجدہ کیا۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا گویا میں سورہ ص لکھ رہا ہوں جب آیت سجدہ تک پہنچا تو میں نے دیکھا کہ قلم اور دوات اور میرے آس پاس کی تمام چیزوں نے سجدہ کیا۔ انہوں نے اپنا یہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا پھر آپ اس آیت کی تلاوت کے وقت برابر سجدہ کرتے رہے (احمد)

ابوداؤد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سورہ ص پڑھی اور سجدے کی آیت تک پہنچ کر منبر سے اتر کر آپ سجدہ تک پہنچے تو لوگوں نے سجدے کی تیاری کی آپ نے فرمایا یہ تو ایک نبی کی توبہ کا سجدہ تھا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم سجدہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہو چنانچہ آپ اترے اور سجدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے اسے بخش دیا۔ قیامت کے دن اس کی بڑی منزلت اور قدر ہوگی نبیوں اور عادلوں کا درجہ وہ پائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ص، بیروت)

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝

تو ہم نے اسے یہ بخش دیا اور بلاشبہ اس کے لیے ہمارے پاس یقیناً بڑا قرب اور اچھا ٹھکانا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے مقام قرب کا بیان

"فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى" أَیْ زِیَادَۃَ خَیْرٍ فِی الدُّنْیَا "وَحُسْنَ مَآبٍ" مَرْجِعٍ فِی الْآخِرَۃ

تو ہم نے اسے یہ بخش دیا اور بلاشبہ اس کے لیے ہمارے پاس یقیناً دنیا میں آپ کیلئے بڑا قرب اور آخرت میں اچھا ٹھکانا ہے۔

حدیث میں ہے عادل لوگ نور کے ممبروں پر رحمٰن کے دائیں جانب ہوں گے۔ اللہ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ یہ عادل وہ ہیں جو اپنی اہل وعیال میں اور جن کے وہ مالک ہوں عدل وانصاف کرتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے سب سے زیادہ اللہ کے دوست اور سب سے زیادہ اس کے مقرب وہ بادشاہ ہوں گے جو عادل ہوں اور سب سے زیادہ دشمن اور سب سے سخت عذاب والے وہ ہوں گے جو ظالم بادشاہ ہوں۔ (ترمذی وغیرہ)

حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں قیامت کے دن حضرت داؤد علیہ السلام کو عرش کے پائے کے پاس کھڑا کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ حکم دے گا کہ اے داؤد جس پیاری دردناک میٹھی اور جاذب آواز سے تم میری تعریفیں دنیا میں کرتے تھے اب بھی کرو۔ آپ فرمائیں گے باری تعالیٰ اب وہ آواز کہاں رہی؟ اللہ فرمائے گا میں نے وہی آواز آج تمہیں پھر عطا فرمائی۔ اب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی دلکش اور دلربا آواز نکال کر نہایت وجد کی حالت میں اللہ کی حمد وثناء بیان کریں گے جسے سن کر جنتی اور نعمتوں کو بھی بھول جائیں گے اور یہ سریلی آواز اور نورانی گلا انہیں سب نعمتوں سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کرے گا۔ (تفسیر ابن کثیر، ص، بیروت)

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ ۝

اے داؤد! بیشک ہم نے آپ کو زمین میں نائب بنایا سو تم لوگوں کے درمیان حق وانصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا ورنہ تمہیں راہِ خدا سے بھٹکا دے گی، بیشک جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ یوم حساب کو بھول گئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی زمین پر خلافت کا بیان

"یَا دَاوُد إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِیفَۃً فِی الْأَرْض" تُدَبِّرُ أَمْرَ النَّاس "فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاس بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِع الْهَوَى" أَیْ هَوَى النَّفْس "فَیُضِلّك عَنْ سَبِیل اللّٰه" أَیْ عَنْ الدَّلَائِل الدَّالَّۃ عَلَى تَوْحِیدہ "إِنَّ الَّذِینَ

يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ " أَيْ عَنِ الْإِيمَانِ بِاللّٰهِ "لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا " بِنِسْيَانِهِمْ "يَوْمَ الْحِسَابِ" الْمُرَتَّبِ عَلَيْهِ تَرْكُهُمُ الْإِيمَانَ وَلَوْ أَيْقَنُوا بِيَوْمِ الْحِسَابِ لَآمَنُوا فِي الدُّنْيَا،

اے داؤد علیہ السلام! بیشک ہم نے آپ کو زمین میں اپنا نائب بنایا تا کہ آپ لوگوں کے معاملات کی تدبیر فرمائیں۔ سوتم لوگوں کے درمیان حق وانصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا ورنہ یہ پیروی تمہیں راہ خدا سے بھٹکا دے گی، یعنی ان دلائل سے نہ بھٹکادے جو اللہ کی توحید پر ہیں۔ بیشک جو لوگ اللہ کی راہ یعنی ایمان سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ یوم حساب کو بھول گئے۔ جو ان پر عذاب چھوڑنے کی وجہ سے آئے گا۔ اور اگر انہیں یوم حساب کا یقین ہوتا تو وہ دنیا میں ہی ایمان لے آتے۔

صاحب اختیار لوگوں کے لئے انصاف کے حکم کا بیان

اس آیت میں بادشاہ اور ذی اختیار لوگوں کو حکم ہو رہا ہے کہ وہ عدل وانصاف کے ساتھ قرآن وحدیث کے مطابق فیصلے کریں ورنہ اللہ کی راہ سے بھٹک جائیں گے اور جو بھٹک کر اپنے حساب کے دن کو بھول جائے وہ سخت عذابوں میں مبتلا ہوگا۔ حضرت ابو زرعہ رحمۃ اللہ علیہ سے بادشاہ وقت ولید بن عبدالملک نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ کیا خلیفہ وقت سے بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں حساب لیا جائے گا آپ نے فرمایا سچ بتا دوں خلیفہ نے کہا ضرور سچ ہی بتاؤ اور آپ کو ہر طرح امن ہے۔ فرمایا اے امیر المومنین اللہ کے نزدیک آپ سے بہت بڑا درجہ حضرت داؤد علیہ السلام کا تھا انہیں خلافت کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے نبوت بھی دے رکھی تھی لیکن اس کے باوجود کتاب اللہ ان سے کہتی ہے (يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ، ص:26) عکرمہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے یوم الحساب کو سخت عذاب ہیں اس کے بھول جانے کے باعث سدی کہتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے یوم الحساب کے لئے اعمال جمع نہیں کئے۔ آیت کے لفظوں سے اسی قول کو زیادہ مناسبت ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ ص، بیروت)

حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ قصاص کا بیان

ایک روایت میں ہے کہ ان کے زمانے میں بنی اسرائیل کے دو آدمیوں میں ایک مقدمہ ہوا۔ ایک نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے میری گائے غصب کر لی ہے۔ دوسرے نے اس جرم سے انکار کیا حضرت داؤد علیہ السلام نے مدعی سے دلیل طلب کی وہ کوئی گواہ پیش نہ کر سکا آپ نے فرمایا اچھا تمہیں کل فیصلہ سنایا جائے گا۔ رات کو حضرت داؤد کو خواب میں حکم ہوا کہ دعویدار کو قتل کر دو۔ صبح آپ نے دونوں بلوایا اور حکم دیا کہ اس مدعی کو قتل کر دیا جائے اس نے کہا اے اللہ کے نبی آپ میرے ہی قتل کا حکم دے رہے ہیں حالانکہ اس نے میری گائے چرالی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ میرا حکم نہیں یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور ناممکن ہے کہ یہ ٹل جائے تو تیار ہو جا۔ تب اس نے کہا اے اللہ کے رسول میں اپنے دعوے میں تو سچا ہوں اس نے میری گائے غصب کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو

میرے قتل کا حکم میرے اس مقدمے کی وجہ سے نہیں کیا۔اس کی وجہ اور ہے اور اسے صرف میں ہی جانتا ہوں۔بات یہ ہے کہ آج میں نے اسے فریب سے قتل کر دیا ہے،جس کا کسی کو علم نہیں۔

پس اس کے بدلے میں اللہ نے آپ کو قصاص کا حکم دیا ہے۔چنانچہ وہ قتل کر دیا گیا۔اب تو حضرت داؤد کی ہیبت ہر شخص کے دل میں بیٹھ گئی ہم نے اسے حکمت دی تھی یعنی فہم وعقل،زیرکی اور دانائی،عدل وفراست کتاب اللہ اور اس کی اتباع نبوت ورسالت وغیرہ اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کا صحیح طریقہ۔یعنی گواہ لینا قسم کھلوانا،مدعی کے ذمہ بار ثبوت ڈالنا مدعی علیہ سے قسم لینا۔یہی طریقہ فیصلوں کا انبیاء کا اور نیک لوگوں کا رہا اور یہی طریقہ اس امت میں رائج ہے۔غرض حضرت داؤد معاملے کی تہ کو پہنچ جاتے تھے اور حق و باطل سچ جھوٹ میں صحیح اور کھرے کا امتیاز کر لیتے تھے۔کلام بھی آپ کا صاف ہوتا تھا اور حکم بھی عدل پر مبنی ہوتا تھا۔آپ ہی نے اما بعد کا کہنا ایجاد کیا ہے اور فصل الخطاب سے اس کی طرف بھی اشارہ ہے۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ ص،بیروت)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ
فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۝
اور ہم نے آسمان وزمین کو اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو بیکار پیدا نہیں کیا۔یہ ان لوگوں کا گمان ہے
جنھوں نے کفر کیا،سو ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا آگ کی صورت میں بڑی ہلاکت ہے۔

کفار کیلئے جہنم میں وادی ویل ہونے کا بیان

"وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا" عَبَثًا "ذٰلِكَ" أَيْ خَلَقَ مَا ذُكِرَ لَا لِشَيْءٍ "ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ "فَوَيْلٌ" وَادٍ،

اور ہم نے آسمان وزمین کو اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو بیکار پیدا نہیں کیا۔یعنی ذکر کردہ چیزوں کو بیکار پیدا کرنے کا خیال یہ ان لوگوں یعنی کفار مکہ ہے،جنھوں نے کفر کیا،سو ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا آگ کی صورت یعنی آگ کی وادی میں بڑی ہلاکت ہے۔

زمین وآسمان اور ان کے درمیان کوئی چیز بیکار نہ ہونے کا بیان

ارشاد ہے کہ مخلوق کی پیدائش عبث اور بیکار نہیں یہ سب عبادت خالق کے لئے پیدا کی گئی ہے پھر ایک وقت آنے والا ہے کہ ماننے والے کی سر بلندی کی جائے اور نہ ماننے والوں کو سخت سزا دی جائے۔کافروں کا خیال ہے کہ ہم نے انہیں یونہی پیدا کر دیا ہے؟ اور آخرت اور دوسری زندگی کوئی چیز نہیں یہ غلط ہے۔ان کافروں کو قیامت کے دن بڑی خرابی ہوگی کیونکہ اس آگ میں انہیں جلنا پڑے گا جو ان کے لئے اللہ کے فرشتوں نے جلا رکھی ہے۔یہ ناممکن ہے اور ان ہونی بات ہے کہ مومن ومفسد کو اور پرہیزگار اور بدکار کو ایک جیسا کر دیں۔اگر قیامت آنے والی ہی نہ ہو تو یہ دونوں انجام کے لحاظ سے یکساں ہی رہے۔حالانکہ یہ خلاف انصاف

ہے قیامت ضرور آئے گی نیک کار جنت میں اور گنہگار جہنم میں جائیں گے۔

پس عقلی اقتضا بھی دار آخرت کے ثبوت کو ہی چاہتا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ظالم پاپی اللہ کی درگاہ سے راندہ ہوا دنیا میں خوش وقت ہے مال اولاد فراغت تندرستی سب کچھ اس کے پاس ہے اور ایک مومن متقی پاک دامن ایک ایک پیسے سے تنگ ایک ایک راحت سے دور رہے تو حکمت علیم و حکیم و عادل کا اقتضاء یہ تھا کہ کوئی ایسا وقت بھی آئے کہ اس نمک حرام سے اس کی نمک حرامی کا بدلہ لیا جائے اور اس صابر و شاکر فرمانبردار کی نیکیوں کا اسے بدلہ دیا جائے اور یہی دار آخرت میں ہونا ہے۔پس ثابت ہوا کہ اس جہان کے بعد ایک جہان یقیناً ہے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ ص، بیروت)

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ کَالْفُجَّارِ ۝
کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کر دیں گے؟
یا کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟

کفار کا نظریہ اہل ایمان جیسے فجار کو بدلہ ملنے کا بیان

"أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْض أَمْ نَجْعَل الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ " نَزَلَ لَمَّا قَالَ كُفَّار مَكَّة لِلْمُؤْمِنِينَ إنَّا نُعْطِي فِي الْآخِرَة مِثْل مَا تُعْطُونَ وَأَمْ بِمَعْنَى هَمْزَة الْإِنْكَار،

کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کر دیں گے؟ یا کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی ہے جب کفار مکہ نے اہل ایمان سے کہا ہمیں آخرت میں ویسا ثواب ملے گا جس طرح تمہیں دیا جائے گا اور یہاں پر اَم بہ معنی ہمزہ انکاری ہے۔

سورہ ص آیت ۲۸ کے شان نزول کا بیان

کفار قریش نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ آخرت میں جو نعمتیں تمہیں ملیں گی وہی ہمیں بھی ملیں گی اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ارشاد فرمایا گیا کہ نیک و بد مومن و کافر کو برابر کر دینا مقتضائے حکمت نہیں کفار کا خیال باطل ہے۔

یہ بات بالکل حکمت کے خلاف ہے اور جو شخص جزا کا قائل نہیں وہ ضرور مفسد و مصلح اور فاجر و متقی کو برابر قرار دے گا اور ان میں فرق نہ کرے گا کفار اس جہل میں گرفتار ہیں۔(تفسیر خازن، سورہ ص، بیروت)

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝
یہ کتاب برکت والی ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے تاکہ دانش مند لوگ اس کی آیتوں میں
غور و فکر کریں اور نصیحت حاصل کریں۔

قرآن مجید کا بہ برکت کتاب ہونے کا بیان

"كِتَاب" خَبَر مُبْتَدَأ مَحْذُوف أَيْ هَذَا "أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْك مُبَارَك لِيَدَّبَّرُوا" أَصْله يَتَدَبَّرُوا أُدْغِمَتْ التَّاء فِي الدَّال "آيَاته" لِيَدَّبَّرُوا آيَاته يَنْظُرُوا فِي مَعَانِيهَا فَيُؤْمِنُوا "وَلِيَتَذَكَّر" يَتَّعِظ "أُولُو الْأَلْبَاب" أَصْحَاب الْعُقُول،

یہ کتاب برکت والی ہے یہاں پر لفظ کتاب یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ جو ھذا ہے۔ جسے ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے تاکہ دانش مند لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں یہاں پر لفظ ید بروا اصل میں یتد بروا تھا۔ تاء کا دال میں ادغام کیا گیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کے معانی میں غور وفکر کریں تاکہ وہ ایمان لے آئیں۔ اور اصحاب عقل نصیحت حاصل کریں۔

چونکہ یہ پاک تعلیم قرآن سے ہی حاصل ہوئی ہے اور اس نیکی کا رہبر یہی ہے اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ یہ مبارک کتاب ہم نے تیری طرف نازل فرمائی ہے تاکہ لوگ اسے سمجھیں اور ذی عقل لوگ اس سے نصیحت حاصل کرسکیں۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں جس نے قرآن کے الفاظ حفظ کر لئے اور قرآن پر عمل نہیں کیا اس نے قرآن میں تدبر وغور بھی نہیں کیا لوگ کہتے ہیں ہم نے پورا قرآن پڑھ لیا لیکن قرآن کی ایک نصیحت یا قرآن کے ایک حکم کا نمونہ میں نظر نہیں آتا ایسا نہ چاہئے۔ اصل غور وخوض اور نصیحت وعبرت عمل ہے۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝
اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو سلیمان (علیہ السلام) بخشا، وہ کیا خوب بندہ تھا، بیشک وہ بڑی کثرت سے توبہ
کرنے والا ہے۔ جب اس کے سامنے دن کے پچھلے پہر اصیل تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں جہادی گھوڑوں کو پیش کیے جانے کا بیان

"وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَان" ابْنه "نِعْمَ الْعَبْد" أَيْ سُلَيْمَان "إِنَّهُ أَوَّاب" رَجَّاع فِي التَّسْبِيح وَالذِّكْر فِي جَمِيع الْأَوْقَات،

"إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ" هُوَ مَا بَعْد الزَّوَال "الصَّافِنَات" الْخَيْل جَمْع صَافِنَة وَهِيَ الْقَائِمَة عَلَى ثَلَاث وَإِقَامَة الْأُخْرَى عَلَى طَرَف الْحَافِر وَهُوَ مِنْ صَفَنَ يَصْفِن صُفُونًا "الْجِيَاد" جَمْع جَوَاد وَهُوَ السَّابِق الْمَعْنَى أَنَّهَا إِذَا اُسْتُوْقِفَتْ سَكَنَتْ وَإِنْ رَكَضَتْ سَبَقَتْ وَكَانَتْ أَلْف فَرَس عُرِضَتْ عَلَيْهِ بَعْد أَنْ صَلَّى الظُّهْر لِإِرَادَتِهِ الْجِهَاد عَلَيْهَا لِعَدُوٍّ فَعِنْد بُلُوغ الْعَرْض مِنْهَا تِسْعمِائَةِ غَرَبَتْ الشَّمْس وَلَمْ يَكُنْ صَلَّى الْعَصْر فَاغْتَمَّ،

اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو فرزند سلیمان علیہ السلام بخشا، وہ سلیمان علیہ السلام کیا خوب بندہ تھا، بیشک وہ بڑی کثرت سے

توبہ کرنے والا ہے۔یعنی وہ سارا وقت تسبیح اور ذکر میں بسر کرتے تھے۔جب اس کے سامنے دن کے پچھلے پہر یعنی زوال کے بعد اصیل تیز رفتار گھوڑے پیش کیے گئے۔یہاں پر لفظ صافنات یہ صافنہ کی جمع ہے۔اور وہ ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جو تین پاؤں اور چوتھے کے سم پر کھڑا ہو جاتا ہو۔اور یہ صفن یصفن صفونا سے مشتق ہے۔اور جیاد یہ جواد کی جمع ہے۔جس کا معنی روکنا کے ہیں۔یعنی اس گھوڑے کو روکا جائے تو رک جائے اور اگر اس کو دوڑایا جائے تو تیز دوڑے۔اور نماز ظہر کے بعد دشمنان سے جہاد کیلئے آپ کو ایک ہزار گھوڑے پیش کیے گئے۔تو آپ نے غروب آفتاب تک ان میں نوسو ننانوے گھوڑوں کا معائنہ کیا تو آپ نے نماز عصر نہیں پڑھی جس کی وجہ سے آپ غمزدہ ہوئے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی وراثت سلیمان علیہ السلام کیلئے ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے جو ایک بڑی نعمت حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی اس کا ذکر فرما رہا ہے کہ ان کی نبوت کا وارث ان کے لڑکے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بنا دیا۔اسی لئے صرف حضرت سلیمان کا ذکر کیا ورنہ ان کے اور بچے بھی تھے۔ایک سو عورتیں آپ کی لونڈیوں کے علاوہ تھیں۔چنانچہ اور آیت میں ہے (وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ،النمل:16) یعنی حضرت داود کے وارث حضرت سلیمان ہوئے یعنی نبوت آپ کے بعد انہیں ملی۔یہ بھی بڑے اچھے بندے تھے یعنی خوب عبادت گذار تھے اور اللہ کی طرف جھکنے والے تھے۔مکحول کہتے ہیں کہ جناب داؤد نبی نے ایک مرتبہ آپ سے چند سوالات کئے اور ان کے معقول جوابات پا کر فرمایا کہ آپ نبی اللہ ہیں۔پوچھا کہ سب سے اچھی چیز کیا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ کی طرف سکینت اور ایمان پوچھا کہ سب سے زیادہ میٹھی چیز کیا ہے؟ جواب ملا اللہ کی رحمت پوچھا سب سے زیادہ ٹھنڈک والی چیز کیا ہے؟ جواب دیا اللہ کا لوگوں سے درگذر کرنا اور لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کو معاف کر دینا۔(ابن ابی حاتم رازی، سورہ ص، بیروت)

فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ○
رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ○
تو اس نے کہا بے شک میں نے اس مال کی محبت کو اپنے رب کی یاد کی وجہ سے دوست رکھا ہے۔یہاں تک کہ وہ پردے میں
چھپ گئے۔انھیں میرے پاس واپس لاؤ، پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو گھوڑوں کے بدلے ہوا مسخر ہو کر ملنے کا بیان

"فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْت" أَيْ أَرَدْت "حُبّ الْخَيْر" أَيْ الْخَيْل "عَنْ ذِكْر رَبِّي" أَيْ صَلَاة الْعَصْر "حَتَّى تَوَارَتْ" أَيْ الشَّمْس "بِالْحِجَابِ" أَيْ اسْتَتَرَتْ بِمَا يَحْجُبهَا عَنْ الْأَبْصَار،

"رُدُّوهَا عَلَيَّ" أَيْ الْخَيْل الْمَعْرُوضَة فَرَدُّوهَا "فَطَفِقَ مَسْحًا" بِالسَّيْفِ "بِالسُّوقِ" جَمْع سَاق

"وَالْاَعْنَاقِ" أَیْ ذَبْحِهَا وَقَطَعَ أَرْجُلَهَا تَقَرُّبًا إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى حَيْثُ اشْتَغَلَ بِهَا عَنِ الصَّلَاةِ وَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا فَعَوَّضَهُ اللّٰهُ خَيْرًا مِنْهَا وَأَسْرَعَ وَهِيَ الرِّيحُ تَجْرِي بِأَمْرِهِ كَيْفَ شَاءَ ،

تو اس نے کہا بے شک میں نے اس مال کی محبت یعنی گھوڑوں کو اپنے رب کی یاد کی وجہ سے دوست رکھنے کا ارادہ ہے۔ اور نماز عصر نہ پڑھی تھی یہاں تک کہ سورج پردے میں چھپ گئے۔ یعنی اس پروہ پردہ آ گیا جو آنکھوں سے پوشیدہ کر دے۔ ان پیش کردہ گھوڑوں کو میرے پاس واپس لاؤ، پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ یعنی تلوار پھیرنے لگے۔ یہاں پر لفظ سوق یہ ساق کی جمع ہے۔ یعنی آپ نے انہیں ذبح کیا اور اللہ کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کیلئے ان کے پاؤں کاٹ دیئے کیونکہ ان کے سبب سے نماز قضاء ہوئی تھی۔ اور آپ نے ان کے گوشت کو صدقہ کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے میں بہتر چیز عطاء کی جو ان سے زیادہ تیز تھی۔ اور وہ ہوا تھی کہ جو آپ کے حکم کے مطابق چلتی تھی جس طرح آپ اس کو حکم ارشاد فرماتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے گھوڑوں کا بیان

حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے ان کی بادشاہت کے زمانے میں ان کے گھوڑے پیش کئے گئے۔ یہ بہت تیز رفتار تھے جو تین ٹانگوں پر کھڑے رہتے تھے اور ایک پیر یونہی سا زمین پر ٹکتا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ پردار گھوڑے تھے تعداد میں بیس تھے۔ ابراہیم تیمی نے گھوڑوں کی تعداد بیس ہزار بتلائی ہے۔

ابوداؤد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک یا خیبر کے سفر سے واپس آئے تھے گھر میں تشریف فرما تھے جب تیز ہوا کے جھونکے سے گھر کے کونے کا پردہ ہٹ گیا وہاں حضرت عائشہ کی کھیلنے کی گڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بھی پڑ گئی۔ دریافت کیا یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا میری گڑیاں ہیں آپ نے دیکھا کہ بیچ میں ایک گھوڑا سا بنا ہوا ہے جس کے دو پر بھی کپڑے کے لگے ہوئے ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا گھوڑا ہے فرمایا اور یہ اس کے اوپر دونوں طرف کپڑے کے کیا بنے ہوئے ہیں؟ کہا یہ دونوں اس کے پر ہیں۔ فرمایا اچھا گھوڑا اور اس کے پر بھی؟ صدیقہ نے عرض کیا کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان کے پردار گھوڑے تھے، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے یہاں تک کہ آپ کے آخری دانت دکھائی دینے لگے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے دیکھنے بھالنے میں اس قدر مشغول ہو گئے کہ عصر کی نماز کا خیال ہی نہ رہا بالکل بھول گئے۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام جنگ خندق والے دن لڑائی کی مشغولیت کی وجہ سے عصر کی نماز نہ پڑھ سکے تھے اور مغرب کے بعد ادا کی۔

چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ سورج ڈوبنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کفار قریش کو برا کہتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو عصر کی نماز بھی نہ پڑھ سکا۔ آپ نے فرمایا میں بھی اب تک ادا نہیں کر سکا۔ چنانچہ ہم بطحان میں گئے وہاں وضو کیا اور سورج کے غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز ادا کی اور پھر مغرب پڑھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دین سلیمان میں جنگی صالح کی وجہ سے تاخیر نماز جائز ہو اور یہ جنگی گھوڑے تھے جنہیں اسی مقصد سے رکھا تھا۔

چنانچہ بعض علماء نے یہ کہا بھی ہے کہ صلوۃ خوف کے جاری ہونے سے پہلے یہی حال تھا۔ بعض کہتے ہیں جب تلواریں تنی ہوئی

ہوں لشکر بھڑ گئے ہوں اور نماز کے لئے رکوع و سجود کا امکان ہی نہ ہو تب یہ حکم ہے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تیستر کی فتح کے بعد موقعہ پر کیا تھا لیکن ہمارا پہلا قول ہی ٹھیک ہے اس لئے کہ اس کے بعد ہی حضرت سلیمان کا ان گھوڑوں کو دوبارہ طلب کرنا وغیرہ بیان ہوا ہے۔ انہیں واپس منگوا کر ان کے کاٹ ڈالنے کا حکم دیا اور فرمایا میرے رب کی عبادت سے مجھے اس چیز نے غافل کر دیا میں ایسی چیز ہی نہیں رکھنے کا۔ چنانچہ ان کی کوچیں کاٹ دی گئیں اور ان کی گردنیں ماری گئیں۔ لیکن حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ آپ نے گھوڑوں کے پیشانی کے بالوں وغیرہ پر ہاتھ پھیرا۔

امام ابن جریر بھی اسی قول کو اختیار کرتے ہیں کہ بلاوجہ جانوروں کو ایذاء پہنچانی ممنوع ہے ان جانوروں کا کوئی قصور نہ تھا جو انہیں کٹوا دیتے لیکن میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے یہ بات ان کی شرع میں جائز ہو خصوصاً ایسے وقت جبکہ وہ یاد اللہ میں حارج ہوئے اور وقت نماز نکل گیا تو دراصل یہ غصہ بھی اللہ کے لئے تھا۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان گھوڑوں سے بھی تیز اور ہلکی چیز اللہ نے اپنے نبی کو عطا فرمائی یعنی ہوا ان کے تابع کر دی۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابودھما اکثر حج کیا کرتے تھے ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک گاؤں میں ہماری ایک بدوی سے ملاقات ہوئی اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ تھام کر مجھے بہت کچھ دینی تعلیم دی اس میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ سے ڈر کر تو جس چیز کو چھوڑے گا اللہ تجھے اس سے بہتر عطا فرمائیگا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ص، بیروت)

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ○
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور اس کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا، پھر اس نے رجوع کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر انگوٹھی لیکر جن کے بیٹھ جانے کا بیان

"وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَان" ابْتَلَيْنَاهُ بِسَلْبِ مُلْكه وَذَلِكَ لِتَزَوُّجِهِ بِامْرَأَةٍ هَوَاهَا وَكَانَتْ تَعْبُد الصَّنَم فِي دَاره مِنْ غَيْر عِلْمه وَكَانَ مُلْكه فِي خَاتَمه فَنَزَعَهُ مَرَّة عِنْد إرَادَة الْخَلَاء وَوَضَعَهُ عِنْد امْرَأَته الْمُسَمَّاة بِالْأَمِينَةِ عَلَى عَادَته فَجَاءَهَا جِنِّيّ فِي صُورَة سُلَيْمَان فَأَخَذَهُ مِنْهَا "وَأَلْقَيْنَا عَلَى كُرْسِيّه جَسَدًا" هُوَ ذَلِكَ الْجِنِّيّ وَهُوَ صَخْر أَوْ غَيْره جَلَسَ عَلَى كُرْسِيّ سُلَيْمَان وَعَكَفَتْ عَلَيْهِ الطَّيْر وَغَيْرهَا فَخَرَجَ سُلَيْمَان فِي غَيْر هَيْئَته فَرَآهُ عَلَى كُرْسِيّه وَقَالَ لِلنَّاسِ أَنَا سُلَيْمَان فَأَنْكَرُوهُ "ثُمَّ أَنَابَ" رَجَعَ سُلَيْمَان إلَى مُلْكه بَعْد أَيَّام بِأَنْ وَصَلَ إلَى الْخَاتَم فَلَبِسَهُ وَجَلَسَ عَلَى كُرْسِيّه،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے سلیمان کی آزمائش کی یعنی جب ان سے مملکت ایک بیوی سے شادی کرنے کے سبب لے لی تھی۔ اور وہ خاتون آپ کے گھر میں رہنے کے باوجود بت پرستی کرتی تھی۔ اور آپ کی حکومت کا راز اس انگوٹھی میں تھا جس کو ایک مرتبہ تو آپ بیت الخلاء میں جانے کی غرض اتار کر اپنی زوجہ امینہ کو حسب عادت دے دیا۔ تو ان کے پاس ایک جنی حضرت سلیمان علیہ السلام کی

صورت میں آیا تو اس نے آپ سے وہ انگوٹھی لے لی۔ اور اس کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا، جس اس جن کا تھا اور وہ صخر نامی جن تھا یا کوئی اور تھا۔ جو سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر بیٹھا۔ اور پرندوں نے اس پر سایہ کرلیا۔ اور جب سلیمان علیہ السلام بغیر ہیئت کے تشریف لائے۔ تو آپ نے اس کو اپنی کرسی پر دیکھا۔ تو اس نے لوگوں سے کہا کہ میں سلیمان ہوں جبکہ لوگوں نے اس کا انکار کیا پھر اس نے رجوع کیا۔ یعنی چند دنوں کے بعد سلیمان علیہ السلام کو مملکت لوٹا دی۔ یعنی کہ آپ کو انگوٹھی واپس مل گئی۔ تو آپ نے اس کو پہن لیا اور آپ کرسی پر جلوہ فرما ہوئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی سے متعلق تفصیلی واقعات کا بیان

ہم نے حضرت سلیمان کا امتحان لیا اور ان کی کرسی پر ایک جسم ڈال دیا، یعنی شیطان پھر وہ اپنے تخت و تاج کی طرف لوٹ آئے اس شیطان کا نام صخر تھا یا آصف تھا یا صرو تھا یا حقیق تھا۔ یہ واقعہ اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے کسی نے تفصیل کے ساتھ، کسی نے اختصار کے ساتھ۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان کو بیت المقدس کی تعمیر کا اس طرح حکم ہوا کہ لوہے کی آواز بھی نہ سنی جائے۔ آپ نے ہر چند تدبیریں کیں، لیکن کارگر نہ ہوئیں۔ پھر آپ نے سنا کہ سمندر میں ایک شیطان ہے جس کا نام صخر ہے وہ البتہ ایسی ترکیب بتا سکتا ہے آپ نے حکم دیا کہ اسے کسی طرح لاؤ۔ ایک دریا سمندر میں ملتا تھا ہر ساتویں دن اس میں لبالب پانی آجاتا تھا اور یہی پانی یہ شیطان پیتا تھا۔ اس کا پانی نکال دیا گیا اور بالکل خالی کر کے پانی کو بند کر کے اس کے آنے والے دن اسے شراب سے پر کر دیا گیا جب شیطان آیا اور یہ حال دیکھا تو کہنے لگا یہ تو مزے کی چیز ہے لیکن عقل کی دشمن جہالت کو ترقی دینے والی چیز ہے۔ چنانچہ وہ پیاسا ہی چلا گیا۔ جب پیاس کی شدت ہوئی تو مجبوراً یہ سب کچھ کہتے ہوئے پینا ہی پڑا۔ اب عقل جاتی رہی اور اسے حضرت سلیمان کی انگوٹھی دکھائی گئی یا مونڈھوں کے درمیان سے مہر لگا دی گئی۔ یہ بے بس ہو گیا حضرت سلیمان کی حکومت اسی انگوٹھی کی وجہ سے تھی۔

جب یہ حضرت سلیمان کے پاس پہنچا تو آپ نے اسے یہ کام سرانجام دینے کا حکم دیا یہ ہدہد کے انڈے لے آیا اور انہیں جمع کر کے ان پر شیشہ رکھ دیا۔ ہدہد آیا اس نے اپنے انڈے دیکھے چاروں طرف گھوما لیکن دیکھا کہ ہاتھ نہیں آسکتے اڑ کر واپس چلا گیا اور الماس لے آیا اور اسے اس شیشے پر رکھ کر شیشے کو کاٹنا شروع کر دیا آخر وہ کٹ گیا اور ہدہد اپنے انڈے لے گیا اور اس الماس کو بھی لے لیا گیا اور اسی سے پتھر کاٹ کاٹ کر عمارت شروع ہوئی حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت الخلاء میں یا حمام میں جاتے تو انگوٹھی اتار جاتے ایک دن حمام میں جانا تھا اور یہ شیطان آپ کے ساتھ تھا آپ اس وقت فرضی غسل کے لئے جا رہے تھے انگوٹھی اسی کو سونپ دی اور چلے گئے اس نے انگوٹھی سمندر میں پھینک دی۔

اور شیطان پر حضرت سلیمان کی شکل ڈال دی گئی اور آپ سے تخت و تاج چھن گیا۔ سب چیزوں پر شیطان نے قبضہ کرلیا سوائے آپ کی بیویوں کے۔ اب اس سے بہت سی غیر معروف باتیں ظہور میں آنے لگیں اس زمانہ میں ایک صاحب تھے جو ایسے ہی تھے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ۔ اس نے کہا آزمائش کرنی چاہئے مجھے تو یہ شخص سلیمان معلوم

نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک روز اس نے کہا کیوں جناب اگر کوئی شخص رات کو جنبی ہو جائے اور موسم ذرا ٹھنڈا ہوا اور وہ سورج طلوع ہونے تک غسل نہ کرے تو کوئی حرج تو نہیں؟ اس نے کہا ہرگز نہیں۔

چالیس دن تک یہ تخت سلیمان پر رہا پھر آپ کی مچھلی کے پیٹ سے انگوٹھی مل گئی ہاتھ میں ڈالتے ہی پھر تمام چیزیں آپ کی مطیع ہوگئیں۔ اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ سدی فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک سو بیویاں تھیں آپ کو سب سے زیادہ اعتبار ان میں سے ایک بیوی پر تھا جن کا نام جراوہ تھا۔ جب جنبی ہونے یا پاخانے جاتے تو اپنی انگوٹھی انہی کو سونپ جاتے۔ ایک مرتبہ آپ پاخانے گئے پیچھے سے ایک شیطان آپ ہی کی صورت بنا کر آیا اور بیوی صاحبہ سے انگوٹھی طلب کی آپ نے دے دی یہ آتے ہی تخت پر بیٹھ گیا جب حضرت سلیمان آئے اور انگوٹھی طلب کی تو بیوی صاحبہ نے فرمایا آپ انگوٹھی تو لے گئے۔

آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ کی آزمائش ہے نہایت پریشان حال سے محل سے نکل گئے اس شیطان نے چالیس دن تک حکومت کی لیکن احکام کی تبدیلی کو دیکھ کر علماء نے سمجھ لیا کہ یہ سلیمان نہیں۔ چنانچہ ان کی جماعت آپ کی بیویوں کے پاس آئی اور ان سے کہا یہ کیا معاملہ ہے ہمیں سلیمان کی ذات میں شک پڑ گیا۔ اگر یہ سچ مچ سلیمان ہے تو اس کی عقل جاتی رہی ہے یا یہ کہ یہ سلیمان ہی نہیں۔ ورنہ ایسے خلاف شرع احکام نہ دیتا۔ عورتیں یہ سن کر رونے لگیں۔ یہ یہاں سے واپس آ گئے اور تخت کے اردگرد اسے گھیر کر بیٹھ گئے اور تورات کھول کر اس کی تلاوت شروع کر دی۔ یہ خبیث شیطان کلام اللہ سے بھاگا اور انگوٹھی سمندر میں پھینک دی جسے ایک مچھلی نگل گئی۔

حضرت سلیمان یونہی اپنے دن گذارتے تھے ایک مرتبہ سمندر کے کنارے نکل گئے بھوک بہت لگی ہوئی تھی ماہی گیروں کو مچھلیاں پکڑتے ہوئے دیکھ کر ان کے پاس آ کر ان سے ایک مچھلی مانگی اور اپنا نام بھی بتایا، اس پر بعض لوگوں کو بڑا طیش آیا کہ دیکھو بھیک منگنے والا اپنے تئیں سلیمان بتاتا ہے انہوں نے آپ کو مارنا پیٹنا شروع کیا آپ زخمی ہو کر کنارے جا کر اپنے زخم کا خون دھونے لگے۔ بعض ماہی گیروں کو رحم آ گیا کہ ایک سائل کو خواہ مخواہ مارا۔ جاؤ بھئی اسے دو مچھلیاں دے آؤ بھوکا ہے بھون کھائے گا۔ چنانچہ دو مچھلیاں آپ کو دے آئے بھوک کی وجہ سے آپ اپنے زخم کو اور خون کو تو بھول گئے اور جلدی سے مچھلی کا پیٹ چاک کرنے بیٹھ گئے۔ قدرت اللہ سے اس کے پیٹ سے وہ انگوٹھی نکلی آپ نے اللہ کی تعریف بیان کی اور انگوٹھی انگلی میں ڈالی اس وقت پرندوں نے آ کر آپ پر سایہ کر لیا اور لوگوں نے آپ کو پہچان لیا اور آپ سے معذرت کرنے لگے آپ نے فرمایا یہ سب امر اللہ تھا اللہ کی طرف سے ایک امتحان تھا۔

آپ آئے اپنے تخت پر بیٹھ گئے اور حکم دیا کہ اس شیطان کو جہاں بھی وہ ہو گرفتار کر لاؤ چنانچہ اسے قید کر لیا گیا آپ نے اسے ایک لوہے کے صندوق میں بند کیا اور قفل لگا کر اس پر اپنی مہر لگا دی اور سمندر میں پھنکوا دیا جو قیامت تک وہیں قید رہے گا۔ اس کا نام حقیق تھا۔ آپ کی یہ دعا کہ مجھے ایسا ملک عطا فرمایا جائے جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو یہ بھی پوری ہوئی اور آپ کے تابع ہوائیں کر دی گئیں۔ مجاہد سے مروی ہے کہ ایک شیطان سے جس کا نام آصف تھا ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ تم لوگوں

کو کس طرح فتنے میں ڈالتے ہو؟ اس نے کہا ذرا مجھے انگوٹھی دکھاؤ میں ابھی آپ کو دکھا دیتا ہوں آپ نے انگوٹھی دے دی اس نے اسے سمندر میں پھینک دیا تخت و تاج کا مالک بن بیٹھا اور آپ کے لباس میں لوگوں کو راہ اللہ سے ہٹانے لگا۔" یاد رہے کہ یہ سب واقعات بنی اسرائیل کے بیان کردہ ہیں۔

اور ان سب سے زیادہ منکر واقعہ وہ ہے۔ جو ابن ابی حاتم میں ہے جس کا اوپر بیان ہوا۔ جس میں آپ کی بیوی صاحبہ حضرت جرادہ کا ذکر ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ آخر نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ لڑکے آپ کو پتھر مارتے تھے۔ آپ کی بیویوں سے جب علماء نے معاملہ کی تفتیش کی تو انہوں نے کہا کہ ہاں ہمیں بھی اس کے سلیمان ہونے سے انکار ہے کیونکہ وہ حالت حیض میں ہمارے پاس آتا ہے۔ شیطان کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ راز کھل گیا ہے تو اس نے جادو اور کفر کی کتابیں لکھوا کر کرسی تلے دفن کر دیا اور پھر لوگوں کے سامنے انہیں نکلوا کر ان سے کہا دیکھو ان کتابوں کی بدولت سلیمان تم پر حکومت کر رہا تھا چنانچہ لوگوں نے آپ کو کافر کہنا شروع کر دیا۔ حضرت سلیمان سمندر کے کنارے مزدوری کرتے تھے ایک مرتبہ ایک شخص نے بہت سی مچھلیاں خریدیں مزدور کو بلایا آپ پہنچے اس نے کہا یہ اٹھالو پوچھا مزدوری کیا دو گے؟ اس نے کہا اس میں سے ایک مچھلی تمہیں دے دوں گا آپ نے ٹوکرا سر پر رکھا اس کے ہاں پہنچایا اس نے ایک مچھلی دے دی آپ نے اس کا پیٹ چاک کیا پیٹ چاک کرتے ہی وہ انگوٹھی نکل پڑی پہنتے ہی کل شیاطین جن انسان پھر تابع ہو گئے اور جھرمٹ باندھ کر حاضر ہو گئے آپ نے ملک پر قبضہ کیا اور اس شیطان کو سخت سزا دی۔ پس ثم اناب سے مراد شیطان جو مسلط کیا گیا تھا اس کا لوٹنا ہے۔

اس کی اسناد حضرت ابن عباس تک ہے۔ ہے تو قوی لیکن یہ ظاہر ہے کہ اسے حضرت ابن عباس نے اہل کتاب سے لیا ہے، یہ بھی اس وقت جبکہ اسے ابن عباس کا قول مان لیں۔ اہل کتاب کی ایک جماعت حضرت سلیمان کو نبی نہیں مانتی تھی تو عجب نہیں کہ یہ بیہودہ قصہ اسی خبیث جماعت کا گھڑا ہوا ہو۔ اس میں تو وہ چیزیں بھی ہیں جو بالکل ہی منکر ہیں خصوصاً اس شیطان کا آپ کی عورتوں کے پاس جانا اور آئمہ نے بھی ایسے ہی قصے بیان تو کئے ہیں۔

لیکن اس بات کا سب نے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ جن ان کے پاس نہیں جا سکا اور نبی کے گھرانے کی عورتوں کی عصمت و شرافت کا تقاضا بھی یہی ہے اور بھی بہت سے لوگوں نے ان واقعات کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن سب کی اصل یہی ہے کہ وہ بنی اسرائیل اور اہل کتاب سے لئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ شیبانی فرماتے ہیں آپ نے اپنی انگوٹھی عسقلان میں پائی تھی اور بیت المقدس تک تواضعاً آپ پیدل چلے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ص، بیروت)

قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَہَبۡ لِیۡ مُلۡکًا لَّا یَنۡۢبَغِیۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَہَّابُ ○
عرض کیا اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے، اور مجھے ایسی حکومت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو،
بیشک تو ہی بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا منفرد بادشاہت طلب کرنے کا بیان

"قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي " لَا يَكُون "لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي " أَيْ سِوَايَ نَحْو "فَمَنْ يَهْدِيه مِنْ بَعْد اللَّه" أَيْ سِوَى اللَّه،

عرض کیا اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے، اور مجھے ایسی حکومت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو، یہاں پر لفظ بعدی کا معنی سوای ہے جس طرح یہد یہ من بعد اللہ میں بعد اللہ کا معنی سوی اللہ ہے۔ بیشک تو ہی بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

مفسرین کے نزدیک دعا کا مفہوم یہ ہے کہ میرے بعد بھی کسی کو ایسی عظیم الشان حکومت حاصل نہ ہو، چنانچہ واقعہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جیسی حکومت عطا فرمائی، ویسی بعد میں بھی کسی کو نصیب نہ ہو سکی۔ کیونکہ ہواؤں کا مسخر ہونا اور جنات کا ایسا تابع ہونا بعد میں کسی کو میسر نہ آ سکا۔ بعض لوگ عملیات وغیرہ کے ذریعہ بعض جنات کو جو مسخر کر لیتے ہیں وہ اس کے منافی نہیں۔ کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تسخیر جنات سے اس کو کوئی نسبت نہیں، عملیات کے ماہرین دو ایک یا چند جنات کو تابع بنا لیتے ہیں۔ لیکن جس طرح کی ہمہ گیر حکومت حضرت سلیمان علیہ السلام کو حاصل تھی ویسی کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۝ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝
وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝
وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝
پھر ہم نے اُن کے لئے ہوا کو تابع کر دیا، وہ اُن کے حکم سے نرم نرم چلتی تھی جہاں کہیں وہ پہنچنا چاہتے۔ اور کل جنات اور ہر
معمار اور غوطہ زن اور دوسرے بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ یہ ہماری عطا ہے احسان کر دیا۔ رو کے رکھو کوئی
حساب نہیں۔ اور بیشک اس کے لیے ہماری بارگاہ میں ضرور قرب اور اچھا ٹھکانا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا تک کی تسخیر کا بیان

"فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيح تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاء " لَيِّنَة "حَيْثُ أَصَابَ " أَرَادَ "وَالشَّيَاطِين كُلّ بَنَّاء " يَبْنِي الْأَبْنِيَة الْعَجِيبَة "وَغَوَّاص " فِي الْبَحْر يَسْتَخْرِج اللُّؤْلُؤ،

"وَآخَرِينَ" مِنْهُمْ "مُقَرَّنِينَ" مَشْدُودِينَ "فِي الْأَصْفَاد" الْقُيُود بِجَمْعِ أَيْدِيهمْ إِلَى أَعْنَاقهمْ "هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ " أَعْطِ مِنْهُ مَنْ شِئْت "أَوْ أَمْسِكْ" عَنْ الْإِعْطَاء "بِغَيْرِ حِسَاب " أَيْ لَا حِسَاب عَلَيْك فِي ذَلِكَ، "وَإِنَّ لَهُ عِنْدنَا لَزُلْفَى وَحُسْن مَآب" تَقَدَّمَ مِثْلُهُ،

پھر ہم نے اُن کے لئے ہوا کو تابع کر دیا، وہ اُن کے حکم سے نرم نرم چلتی تھی جہاں کہیں بھی وہ پہنچنا چاہتے۔ اور کل جنات و شیاطین بھی ان کے تابع کر دیئے۔ اور ہر معمار کو جو عجیب و غریب عمارتیں بناتے ہیں۔ اور سمندر میں غوطہ زن بھی تا کہ وہ موتیوں کو

باہر نکالیں۔اور دوسرے جنّات بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ یہاں پر لفظ اصفاد جمع اس لئے لایا گیا ہے کیونکہ ان کے سب کے ہاتھ ان کی گردنوں کے ساتھ باندھے ہوئے ہوں گے۔ارشاد ہوا یہ ہماری عطا ہے خواہ دوسروں پر احسان کر و یا اپنے تک روکے رکھو دونوں حالتوں میں کوئی حساب نہیں۔یعنی آپ پر کوئی حساب نہیں ہے۔اور بیشک اس کے لیے ہماری بارگاہ میں ضرور قرب اور اچھا ٹھکانا ہے۔جس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

ہم نے زور آور ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا جو انہیں ان کے فرمان کے مطابق برکت والی زمین یعنی ملک شام میں پہنچا دیتی تھی۔ ہمیں ہر چیز کا علم ہے۔آپ اپنے تخت پر مع اپنے لاؤ لشکر اور سامان اسباب کے بیٹھ جاتے تھے۔پھر جہاں جانا چاہتے ہوا آپ کو آپ کے فرمان کے مطابق گھڑی بھر میں وہاں پہنچا دیتی۔تخت کے اوپر سے پرند پر کھولے آپ پر سایہ ڈالتے جیسے فرمان ہے آیت (فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ، ص:36) یعنی ہم نے ہوا کو ان کا تابع کر دیا کہ جہاں پہنچنا چاہتے ان کے حکم کے مطابق اسی طرف نرمی سے لے چلتی۔صبح شام مہینہ مہینہ بھر کی راہ کو طے کر لیتی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کا بیان

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چھ ہزار کرسی لگائی جاتی۔آپ کے قریب مومن انسان بیٹھتے ان کے پیچھے مومن جن ہوتے۔پھر آپ کے حکم سے سب پر پرند سایہ کرتے پھر حکم کرتے تو ہوا آپ کو لے چلتی۔عبداللہ بن عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکم دیتے وہ مثل بڑے تودے کے جمع ہو جاتی گویا پہاڑ ہے پھر اس کے سب سے بلند مکان پر فرش افروز ہونے کا حکم دیتے پھر پہردار گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے فرش پر چڑھ جاتے پھر ہوا کو حکم دیتے وہ آپ کو بلندی پر لے جاتی آپ اس وقت سر نیچا کر لیتے دائیں بائیں بالکل نہ دیکھتے اس میں آپ کی تواضع اور اللہ کی شکر گزاری مقصود ہوتی تھی۔کیونکہ آپ کو اپنی فروتنی کا علم تھا۔پھر جہاں آپ حکم دیتے وہیں ہوا آپ کو اتار دیتی۔(تفسیر ابن کثیر، سورت الانبیاء، بیروت)

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ ۘ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ۝ ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ ۗ إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝

اور ہمارے بندے ایوب (علیہ السلام) کا ذکر کیجیے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے بڑی اذیت اور تکلیف پہنچائی ہے۔تم اپنا پاؤں زمین پر مارو، یہ ٹھنڈا چشمہ ہے نہانے کے لئے اور پینے کے لئے۔اور ہم نے اُن کو اُن کے اہل و عیال اور اُن کے ساتھ اُن کے برابر عطا کر دیئے، ہماری طرف سے خصوصی رحمت کے طور پر، اور دانش مندوں کے لئے نصیحت کے طور پر، تم اپنے ہاتھ میں (سو) تنکوں کی جھاڑو پکڑ لو اور اس سے مار دو اور قسم نہ توڑو، بے شک ہم نے

اسے ثابت قدم پایا، کیا خوب بندہ تھا، بے شک وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا بیان

"وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوب إِذْ نَادَى رَبّه أَنِّي" أَيْ بِأَنِّي "مَسَّنِيَ الشَّيْطَان بِنُصْبٍ" ضُرّ "وَعَذَاب" أَلَمْ وَنَسَبَ ذَلِكَ إِلَى الشَّيْطَان وَإِنْ كَانَتْ الْأَشْيَاء كُلّهَا مِنْ اللَّه تَأَدُّبًا مَعَهُ تَعَالَى،

"ارْكُضْ" اضْرِبْ "بِرِجْلِك" اضْرِبْ بِرِجْلِك الْأَرْض فَضَرَبَ فَنَبَعَتْ عَيْن مَاء فَقِيلَ: "هَذَا مُغْتَسَل" مَاء تَغْتَسِل بِهِ "بَارِد وَشَرَاب" تَشْرَب مِنْهُ فَاغْتَسَلَ وَشَرِبَ فَذَهَبَ عَنْهُ كُلّ دَاء كَانَ بِبَاطِنِهِ وَظَاهِره، "وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْله وَمِثْلهمْ مَعَهُمْ" أَيْ أَحْيَا اللَّه لَهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أَوْلَاده وَرَزَقَهُ مِثْلهمْ "رَحْمَة" نِعْمَة "مِنَّا وَذِكْرَى" عِظَة "لِأُولِي الْأَلْبَاب" لِأَصْحَابِ الْعُقُول،

"وَخُذْ بِيَدِك ضِغْثًا" هُوَ حُزْمَة مِنْ حَشِيش أَوْ قُضْبَان "فَاضْرِبْ بِهِ" زَوْجَتك وَكَانَ قَدْ حَلَفَ لِيَضْرِبهَا مِائَة ضَرْبَة لِإِبْطَائِهَا عَلَيْهِ يَوْمًا "وَلَا تَحْنَث" بِتَرْكِ ضَرْبهَا فَأَخَذَ مِائَة عُود مِنْ الْإِذْخِر أَوْ غَيْره فَضَرَبَهَا بِهِ ضَرْبَة وَاحِدَة "إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْد" أَيُّوب "إِنَّهُ أَوَّاب" رَجَّاع إِلَى اللَّه تَعَالَى،

اور ہمارے بندے ایوّب علیہ السلام کا ذکر کیجئے جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے بڑی اذیت اور تکلیف پہنچائی ہے۔یہاں پر اَنِّی اصل میں بِاَنِّی ہے۔یہاں پر تکلیف کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے۔حالانکہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے۔لہٰذا بہ طور ادب ایسا کیا گیا ہے۔تم اپنا پاؤں زمین پر مارو، پس آپ کے زمین پر پاؤں مارنے سے چشمہ جاری ہوا یعنی ایسا پانی جو غسل کیلئے ہے۔یہ پانی کا ٹھنڈا چشمہ ہے نہانے کے لئے اور پینے کے لئے۔تو آپ نے اس سے پیا اور غسل کیا تو آپ کی وہ ساری مرض چلی گئی۔یعنی آپ کی باطنی اور ظاہری طور پر سے ختم ہوگئی۔اور ہم نے اُن کو اُن کے اہل وعیال اور اُن کے ساتھ اُن کے برابر مزید اہل وعیال عطا کر دیئے،یعنی ان کی فوت ہونے والی اولاد کو زندہ کر دیا اور اتنی ہی اولاد اور دے دے، ہماری طرف سے خصوصی رحمت کے طور پر، اور دانش مندوں کے لئے نصیحت کے طور پر ہے،(اے ایوب ﷺ) تم اپنے ہاتھ میں (سو) تنکوں کی جھاڑو پکڑ لو یعنی جو گھاس اور سینکوں کے مٹھے کو کہتے ہیں۔اور اپنی قسم پوری کرنے کے لئے اس سے ایک بار اپنی زوجہ کو مارو اور قسم نہ توڑو، یعنی جو آپ ایک دن بیوی کے دیر سے آنے پر انہیں مارنے کی قسم اٹھا بیٹھے تھے۔بے شک ہم نے اسے ثابت قدم پایا، ایوب علیہ السلام کیا خوب بندہ تھا، بے شک وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے امتحان وآزمائش کا بیان

حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ہورہا ہے اور ان کے صبر اور امتحان میں پاس ہونے کی تعریف بیان ہورہی ہے کہ مال برباد ہو گیا اولادیں مر گئیں جسم مریض ہوگیا یہاں تک کہ سوئی کے ناکے کے برابر سارے جسم میں ایسی جگہ نہ تھی جہاں بیماری نہ ہو صرف دل

سلامت رہ گیا اور پھر فقیری اور مفلسی کا یہ حال تھا کہ ایک وقت کا کھانا پاس نہ تھا کوئی نہ تھا جو خبر گیر ہوتا سوائے ایک بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے جن کے دل میں خوف اللہ تھا اور اپنے خاوند اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی۔ لوگوں کا کام کاج کر کے اپنا اور اپنے میاں کا پیٹ پالتی تھیں آٹھ سال تک یہی حال رہا حالانکہ اس سے پہلے ان سے بڑھ کر مالدار کوئی نہ تھا۔ اولاد بھی بکثرت تھی اور دنیا کی ہر راحت موجود تھی۔

اب ہر چیز چھین لی گئی تھی اور شہر کا کوڑا کرکٹ جہاں ڈالا جاتا تھا وہاں آپ کو لا بٹھایا تھا۔ اسی حال میں ایک دو دن نہیں سال دو سال نہیں آٹھ سال کامل گذارے اپنے اور غیر سب نے منہ پھیر لیا تھا۔ خیریت پوچھنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ صرف آپ کی یہی ایک بیوی صاحبہ تھیں جو ہر وقت دن اور رات آپ کی خدمت میں کمر بستہ تھیں۔ ہاں پیٹ پالنے کے لئے محنت مزدوری کے وقت آپ کے پاس سے چلی جاتی تھیں یہاں تک کہ دن پھرے اور اچھا وقت آ گیا تو رب العالمین الہ المرسلین کی طرف تضرع وزاری کی اور کپکپاتے ہوئے کلیجے سے دل سے دعا کی کہ اے میرے پالنہار اللہ مجھے دکھ نے تڑپا دیا ہے اور تو ارحم الراحمین ہے یہاں جو دعا ہے اس میں جسمانی تکلیف اور مال واولاد کے دکھ درد کا ذکر کیا۔ اسی وقت رحیم وکریم اللہ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور حکم ہوا کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو۔ پاؤں کے لگتے ہی وہاں ایک چشمہ ابلنے لگا حکم ہوا کہ اس پانی سے غسل کر لو۔ غسل کرتے ہی بدن کی تمام بیماری اس طرح جاتی رہی گویا تھی ہی نہیں۔

پھر حکم ہوا کہ اور جگہ ایڑی لگاؤ وہاں پاؤں مارتے ہی دوسرا چشمہ جاری ہو گیا حکم ہوا کہ اس کا پانی پی لو اس پانی کے پیتے ہی اندرونی بیماریاں بھی جاتی رہیں اور ظاہر وباطن کی عافیت اور کامل تندرستی حاصل ہو گئی۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اٹھارہ سال تک اللہ کے یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دکھ درد میں مبتلا رہے اپنے اور غیر سب نے چھوڑ دیا ہاں آپ کے مخلص دوست صبح شام خیریت خبر کے لئے آ جایا کرتے تھے ایک مرتبہ ایک نے دوسرے سے کہا میرا خیال یہ ہے کہ ایوب نے اللہ کی کوئی بڑی نافرمانی کی ہے کہ اٹھارہ سال سے اس بلا میں پڑا ہوا ہے اور اللہ اس پر رحم کرے اس دوسرے شخص نے شام کو حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کی یہ بات ذکر کر دی۔ آپ کو سخت رنج ہوا اور فرمایا میں نہیں جانتا کہ وہ ایسا کیوں کہتے ہیں۔

اللہ خوب جانتا ہے میری یہ حالت تھی کہ جب دو شخصوں کو آپس میں جھگڑتے دیکھا اور دونوں اللہ کو بیچ میں لاتے تو مجھ سے یہ نہ دیکھا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے عزیز نام کی اس طرح یاد کی جائے کیونکہ دو میں سے ایک تو ضرور مجرم ہوگا اور دونوں اللہ کا نام لے رہے ہیں تو میں اپنے پاس سے دے دلا کر ان کے جھگڑے کو ختم کر دیتا کہ نام اللہ کی بے ادبی نہ ہو۔ آپ سے اس وقت چلا پھرا بلکہ اٹھا بیٹھا بھی نہیں جاتا تھا پاخانے کے بعد آپ کی بیوی صاحبہ آپ کو اٹھا کر لاتی تھیں۔ ایک مرتبہ وہ نہیں تھیں آپ کو بہت تکلیف ہوئی اور دعا کی اور اللہ کی طرف سے وحی ہوئی کہ زمین پر لات مار دو۔ بہت دیر کے بعد جب آپ کی بیوی صاحبہ آئیں تو دیکھا کہ مریض تو ہے نہیں کوئی اور شخص تندرست نورانی چہرے والا بیٹھا ہوا ہے پہچان نہ سکیں اور دریافت کرنے لگیں کہ اے اللہ کے نیک بندے

یہاں اللہ کے ایک نبی جو درد دکھ میں مبتلا تھے انہیں دیکھا ہے؟ واللہ کہ جب وہ تندرست تھے تو قریب قریب تم جیسے ہی تھے، تب آپ نے فرمایا وہ میں ہی ہوں۔ راوی کہتا ہے آپ کی دو کوٹھیاں تھیں ایک گیہوں کیلئے اور ایک جو کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے دو ابر بھیجے ایک میں سونا برسا اور ایک کوٹھی اناج کی اس سے بھر گئی دوسرے میں سے بھی سونا برسا اور دوسری کوٹھی اس سے بھر گئی۔ (ابن جریر)

صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حضرت ایوب علیہ السلام ننگے ہوکر نہا رہے تھے جو آسمان سے سونے کی ٹلڑیاں برسنے لگیں آپ نے جلدی جلدی انہیں اپنے کپڑے میں سمیٹنی شروع کیں تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ اے ایوب کیا میں نے تمہیں غنی اور بے پرواہ نہیں کر رکھا؟ آپ نے جواب دیا ہاں الٰہی بیشک تو نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے میں سب سے غنی اور بے نیاز ہوں لیکن تیری رحمت سے بے نیاز نہیں ہوں بلکہ اس کا تو پورا محتاج ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس صابر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نیک بدلہ اور بہتر جزائیں عطا فرمائیں۔ اولاد بھی دی اور اسی کے مثل اور بھی دی۔

بلکہ حضرت حسن اور قتادہ سے منقول ہے کہ مردہ اولاد اللہ نے زندہ کردی اور اتنی ہی اور نئی دی۔ یہ تھا اللہ کا رحم جو ان کے صبر و استقلال رجوع الی اللہ تواضع اور انکساری کے بدلے اللہ نے انہیں دیا اور عقلمندوں کے لئے نصیحت و عبرت ہے وہ جان لیتے ہیں کہ صبر کا انجام کشادگی ہے اور رحمت و راحت ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی بیوی کے کسی کام کی وجہ سے ان پر ناراض ہو گئے تھے بعض کہتے ہیں وہ اپنے بالوں کی ایک لٹ بیچ کر ان کے لئے کھانا لائی تھیں اس پر آپ ناراض ہوئے تھے اور قسم کھائی تھی کہ شفا کے بعد سو کوڑے ماریں گے دوسروں نے وجہ ناراضگی اور بیان کی ہے۔ جبکہ آپ تندرست اور صحیح سالم ہو گئے تو ارادہ کیا کہ اپنی قسم کو پورا کریں لیکن ایسی نیک صفت عورت اس سزا کے لائق نہ تھیں جو حضرت ایوب نے طے کر رکھی تھی جس عورت نے اس وقت خدمت کی جبکہ کوئی ساتھ نہ تھا اسی لئے رب العالمین ارحم الراحمین نے ان پر رحم کیا اور اپنے نبی علیہ السلام کو حکم دیا کہ قسم پوری کرنے کے لئے کھجور کا ایک خوشہ لے لو جس میں ایک سو سیخیں ہوں اور ایک انہیں مار دو اس صورت میں قسم کا خلاف نہ ہوگا اور ایک ایسی صابرہ شاکرہ نیک بیوی پر سزا بھی نہ ہوگی۔ یہی دستور الٰہی ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کو جو اس سے ڈرتے رہتے ہیں برائیوں اور بدیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ حضرت ایوب کی ثناء و صفت بیان فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں بڑا صابر و ضابط پایا وہ بڑا نیک اور اچھا بندہ ثابت ہوا۔ اس کے دل میں ہماری سچی محبت تھی وہ ہماری ہی طرف جھکتا رہا اور ہمیں سے لو لگائے رہا، اسی لئے فرمان اللہ ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ اس کے لئے چھٹکارے کی صورت نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جو اس کے خیال میں بھی نہ ہو۔ اللہ پر توکل رکھنے والوں کو اللہ کافی ہے۔ اللہ اپنے کام میں پورا اترتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ سمجھدار علماء کرام نے اس آیت سے بہت سے ایمانی مسائل اخذ کئے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ص، بیروت)

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝

اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا ذکر کیجئے جو بڑی قوت والے اور نظر والے تھے۔ بے شک ہم نے اُن کو آخرت کے گھر کی یاد کی خاص خصلت کی وجہ سے چن لیا تھا۔ اور بے شک وہ ہمارے حضور بڑے منتخب و برگزیدہ پسندیدہ بندوں میں سے تھے۔

حضرت ابراہیم، اسحاق و یعقوب علیہم السلام کے ذکر کا بیان

"وَاذْكُرْ عِبَادَنَا اِبْرَاهِيم وَاِسْحَاق وَيَعْقُوب أُولِي الْأَيْدِي" أَصْحَاب الْقُوَى فِي الْعِبَادَة "وَالْأَبْصَار" الْبَصَائِر فِي الدِّين وَفِي قِرَاءَة عَبْدنَا وَاِبْرَاهِيم بَيَان لَهُ وَمَا بَعْده عُطِفَ عَلَى عَبْدنَا،
"إِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ" هِيَ "ذِكْرَى الدَّار" الْآخِرَة أَيْ ذِكْرهَا وَالْعَمَل لَهَا وَفِي قِرَاءَة، بِالْإِضَافَةِ وَهِيَ لِلْبَيَانِ "وَإِنَّهُمْ عِنْدنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ" الْمُخْتَارِينَ "الْأَخْيَار" جَمْع خَيِّر بِالتَّشْدِيدِ،

اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا ذکر کیجئے جو عبادت میں بڑی قوت والے اور دین میں بڑی نظر والے تھے۔ ایک قرأت کے مطابق عبدنا اور ابراہیم اس کا بیان ہے۔ اور اس کے مابعد کا عبدنا پر عطف کیا گیا ہے۔ بے شک ہم نے اُن کو آخرت کے گھر کی یاد کی خاص خصلت کی وجہ سے چن لیا تھا۔ یعنی آخرت کیلئے یاد کرنا اور اس کیلئے عمل کرنا اور ایک قرأت میں اضافت بیانیہ ہے۔ اور یہ اس کا بیان ہے۔ اور بے شک وہ ہمارے حضور بڑے منتخب و برگزیدہ اور پسندیدہ بندوں میں سے تھے۔ یہاں پر لفظ اخیار یہ خیر کی جمع ہے جو تشدید کے ساتھ آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے عابد بندوں اور رسولوں کی فضیلتوں کو بیان فرما رہا ہے اور ان کے نام گنوا رہا ہے ابراہیم اسحاق اور یعقوب صلواۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اور فرماتا ہے کہ ان کے اعمال بہت بہتر تھے اور صحیح علم بھی ان میں تھا۔ ساتھ ہی عبادت الٰہی میں قوی تھے اور قدرت کی طرف سے انہیں بصیرت عطا فرمائی گئی تھی۔ دین میں سمجھدار تھے اطاعت اللہ میں قوی تھے حق کے دیکھنے والے تھے۔ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی اہمیت نہ تھی صرف آخرت کا ہی ہر وقت خیال بندھا رہتا تھا۔ ہر عمل آخرت کے لئے ہی ہوتا تھا۔ دنیا کی محبت سے وہ الگ تھے، آخرت کے ذکر میں ہر وقت مشغول رہتے تھے۔ وہ اعمال کرتے تھے جو جنت دلوائیں، لوگوں کو بھی نیک اعمال کی ترغیب دیتے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن بہترین بدلے اور افضل مقامات عطا فرمائے گا۔ یہ بزرگان دین اللہ کے چیدہ مخلص اور خاص الخاص بندے ہیں۔ اسماعیل اور ذوالکفل صلوات وسلامہ علیہم اجمعین بھی پسندیدہ اور خاص بندوں میں تھے۔ ان کے بیانات سورہ انبیاء میں گذر چکے ہیں اس لئے ہم نے یہاں بیان نہیں کئے۔ ان فضائل کے بیان میں ان کے لئے نصیحت ہے جو پند و نصیحت حاصل کرنے کے لئے عادی ہیں اور یہ مطلب بھی ہے کہ یہ قرآن عظیم ذکر یعنی نصیحت ہے۔

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ۞ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ
مَاٰبٍ ۞ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۞ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّ شَرَابٍ ۞
اور آپ اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل (علیہم السلام) کا ذکر کیجئے ،اور وہ سارے کے سارے چنے ہوئے لوگوں میں سے تھے۔ یہ ذکر
ہے،اور بے شک پرہیز گاروں کے لئے عمدہ ٹھکانا ہے۔دائمی اِقامت کے لئے باغاتِ عدن ہیں جن کے دروازے اُن کے لئے کھلے
ہوں گے۔وہ اس میں تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اس میں بہت سے عمدہ پھل اور میوے اور شربت طلب کرتے رہیں گے۔

حضرت اسماعیل ،الیسع اور ذوالکفل علیہم السلام کے ذکر کا بیان

"وَاذْكُرْ إِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَع " وَهُوَ نَبِيّ وَاللَّام زَائِدَة "وَذَا الْكِفْل " اُخْتُلِفَ فِي نُبُوَّته قِيلَ كَفَلَ مِائَة نَبِيّ فَرُّوا إِلَيْهِ مِنْ الْقَتْل "وَكُلّ" أَيْ كُلّهمْ "مِنْ الْأَخْيَار" جَمْع خَيْر بِالتَّثْقِيلِ،

"هٰذَا ذِكْر" أَيْ هٰذَا ذِكْر لَهُمْ بِالثَّنَاءِ الْجَمِيل هُنَا "وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ" الشَّامِلِينَ لَهُمْ "لَحُسْن مَآب" مَرْجِع فِي الْآخِرَة "جَنَّات عَدْن" بَدَل أَوْ عَطْف بَيَان لِحُسْن مَآب "مُفَتَّحَة لَهُمْ الْأَبْوَاب" مِنْهَا "مُتَّكِئِينَ فِيهَا" عَلَى الْأَرَائِك،

اور آپ اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل علیہم السلام کا بھی ذکر کیجئے ،حضرت الیسع علیہ السلام نبی تھے۔اور یہاں پر لام زائدہ ہے جبکہ ذوالکفل کی نبوت میں اختلاف ہے۔کہا گیا ہے کہ انہوں نے سو انبیائے کرام کی کفالت کی تھی جو قتل سے بچنے کیلئے ان کے پاس گئے تھے۔اور وہ سارے کے سارے چنے ہوئے لوگوں میں سے تھے۔یہاں پر لفظ اخیار یہ خیر کی جمع ہے جو ثقل کے ساتھ آیا ہے۔یہ وہ ذکر ہے یعنی یہاں خوبصورت تعریف کے ساتھ ان کا ذکر ہے،اور بے شک پرہیز گاروں کے لئے آخرت میں عمدہ ٹھکانا ہے۔جو دائمی اِقامت کے لئے باغاتِ عدن ہیں یہاں پر لفظ جنات عدن یہ حسن مآب سے بدل ہے یا عطف بیان ہے۔جن کے دروازے اُن کے لئے کھلے ہوں گے۔وہ اس میں مَسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اس میں وقفے وقفے سے بہت سے عمدہ پھل اور میوے اور لذیذ شربت طلب کرتے رہیں گے۔

حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا ذکر معروف ہے اور ان کا ذکر قرآن میں بہت جگہ آیا ہے۔الیسع سیدنا الیاس کے نائب اور خلیفہ تھے ان کا سلسلہ نسب چوتھی پشت پر جا کر سیدنا یوسف سے جاملتا ہے۔بعد میں آپ کو نبوت بھی عطا ہوئی تھی۔آپ کا حلقہ تبلیغ شام کا علاقہ تھا۔اور ذوالکفل ان کے خلیفہ کا لقب ہے نام نہیں۔اور ذوالکفل کا معنی صاحب نصیب ہے۔آپ کا نام بشیر ہے اور سیدنا ایوب کے بیٹے تھے۔آپ الیسع کے خلیفہ تھے بعد میں نبی ہوئے شام کا علاقہ ہی آپ کی تبلیغ کا مرکز رہا۔عمالقہ شاہ وقت بنی اسرائیل کا سخت دشمن تھا۔آپ نے اس سے بنی اسرائیل کو آزاد کرایا پھر وہ بادشاہ بھی مسلمان ہو گیا اور حکومت آپ کے سپرد کی جس کے نتیجہ میں شام کے علاقہ میں پھر ایک دفعہ اسلام خوب پھیلا۔

وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ۝
اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ۝ هٰذَا ؕ وَ اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ۝
اور اُن کے پاس نیچی نگاہوں والی ہم عمر ہوں گی۔ یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا روزِ حساب کے لئے تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔
بیشک یہ ہماری بخشش ہے اسے کبھی بھی ختم نہیں ہونا۔ یہ، اور بے شک سرکشوں کے لئے بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

اہل جنت کیلئے جنت میں حوریں ملنے کا بیان

"وَعِنْدهمْ قَاصِرَات الطَّرْف" حَابِسَات الْعَيْن عَلَى أَزْوَاجهنَّ "أَتْرَاب" أَسْنَانهنَّ وَاحِدَة وَهُنَّ بَنَات ثَلَاث وَثَلَاثِينَ سَنَة جَمْع تَرْب "هَذَا" الْمَذْكُور "مَا تُوعَدُونَ" بِالْغَيْبَةِ وَبِالْخِطَابِ اِلْتِفَاتًا "لِيَوْمِ الْحِسَاب" أَيْ لِأَجْلِهِ، "إنَّ هَذَا لَرِزْقنَا مَا لَهُ مِنْ نَفَاد" أَيْ انْقِطَاع وَالْجُمْلَة حَال مِنْ رِزْقنَا أَوْ خَبَر ثَانٍ لِإِنَّ أَيْ دَائِمًا أَوْ دَائِم "هَذَا" الْمَذْكُور لِلْمُؤْمِنِينَ،

اور اُن کے پاس نیچی نگاہوں والی باحیا ہم عمر حوریں ہوں گی۔ یعنی اپنی نظروں کو اپنے شوہروں پر محصور رکھنے والی ہوں اور وہ ۳۳ سال کی عمر کی ہوں گی۔ یہاں پر لفظ اَتراب یہ ترب کی جمع ہے۔ یہ یعنی ذکر کردہ وہ نعمتیں ہیں جن کا روزِ حساب کے لئے تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ یہاں پر غائب وخطاب کی جانب التفات ہے۔ بیشک یہ ہماری بخشش ہے اسے کبھی بھی ختم نہیں ہونا۔ یعنی کبھی ختم نہ ہوگا یہ جملہ رزقنا سے حال ہے یا خبر ثانی ہے۔ یعنی وہ دائما یا دائم ہے یہ تو مومنوں کے لئے ہے، اور بے شک سرکشوں کے لئے بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

صالحین کے لئے جنت میں اجر وثواب کا بیان

نیکو کار تقوے والوں کے لئے دار آخرت میں کتنا پاک بدلہ اور کیسی پیاری جگہ ہے؟ ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن کے دروازے ان کے لئے بند نہیں بلکہ کھلے ہوئے ہیں۔ کھلوانے کی بھی زحمت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنت میں ایک محل عدن ہے جس کے آس پاس برج ہیں جس کے پانچ ہزار دروازے ہیں اور ہر دروازے پر پانچ ہزار چادریں ہیں ان میں صرف نبی یا صدیق یا شہید یا عادل بادشاہ رہیں گے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ ص، بیروت)

اور یہ تو بہت سی بالکل صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ اپنے تختوں پر تکیے لگائے بےفکری سے چار زانو با آرام بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ اور جس قوم کو جس میوے شراب کا جی چاہے حکم کے ساتھ خدام باسلیقہ حاضر کردیں گے۔ ان کے پاس ان کی بیویاں ہوں گی جو عفیفہ، پاک دامن، نیچی نگاہوں والی اور ان سے محبت رکھنے والی ہوں گی جن کی نگاہیں کبھی دوسرے کی طرف نہ اٹھی ہیں نہ اٹھیں نہ اٹھ سکیں۔ ان کی ہم عمر ہوں گی ان کی عمروں کے لائق ہوں گی۔ ان صفات والی جنت کا وعدہ اللہ سے ڈرتے رہنے والے بندوں سے ہے، قیامت کے دن یہ اس کے وارث ومالک ہوں گے جبکہ قبروں سے اٹھ کر آگ سے

نجات پا کر حساب سے فارغ ہو کر یہاں آ کر بہ آرام بسیں گے۔ یہ ہے ہمارے انعام جس میں نہ کبھی کمی آئے گی نہ یہ منقطع ہو گا۔ جیسے فرمایا (مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ، ۔النحل:96) تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور اللہ کے پاس جو ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور آیت میں نہ ہے اور جگہ غیر ممنون بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ اس میں کبھی کمی ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور آیت میں غیر جذوذ ہے اور جگہ غیر ممنون بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ اس میں کبھی کمی اور گھاٹا آئے نہ کبھی وہ ختم اور فنا ہو۔ جیسے ارشاد ہے) اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ، الرعد:35)۔ اس کے میوے اور کھانے پینے اور اس کے سائے دائمی ہیں۔ پرہیزگاروں کا انجام یہی ہے اور کافروں کا انجام جہنم ہے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر، سورہ ص، بیروت)

جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ۝ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ۝
دوزخ ہے، اس میں وہ داخل ہوں گے، سو بہت ہی بُرا بچھونا ہے۔ یہ پس انہیں یہ چکھنا چاہئے کھولتا ہوا پانی ہے
اور پیپ ہے۔ اور اسی شکل میں اور بھی طرح طرح کا ہے۔

اہل دوزخ کے عذاب کی مختلف اقسام کا بیان

"جَهَنَّم يَصْلَوْنَهَا" يَدْخُلُونَهَا "فَبِئْسَ الْمِهَاد" الْفِرَاش "هٰذَا" أَيْ الْعَذَاب الْمَفْهُوم مِمَّا بَعْده "فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيم" أَيْ مَاء حَارّ مُحْرِق "وَغَسَّاق" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد: مَا يَسِيل مِنْ صَدِيد أَهْل النَّار،

"وَآخَر" بِالْجَمْعِ وَالْإِفْرَاد "مِنْ شَكْله" أَيْ مِثْل الْمَذْكُور مِنَ الْحَمِيم وَالْغَسَّاق "أَزْوَاج" أَصْنَاف أَيْ عَذَابهمْ مِنْ أَنْوَاع مُخْتَلِفَة،

وہ دوزخ ہے، اس میں وہ داخل ہوں گے، سو بہت ہی بُرا بچھونا ہے۔ یہ عذاب ہے، جو مابعد سے مفہوم ہے۔ پس انہیں یہ چکھنا چاہئے کھولتا ہوا پانی ہے اور پیپ ہے۔ یعنی جو پانی جلا دینے والا ہے۔ اور لفظ غساق یہ تخفیف وتشدید دونوں طرح آیا ہے۔ جو اہل جہنم کے زخموں کے سے پیپ بہے گا، اور یہاں پر لفظ آخر یہ جمع اور افراد دونوں کیلئے آتا ہے۔ اور اسی شکل میں یعنی ذکر کردہ کی طرح اور بھی طرح طرح کا عذاب ہے۔ یعنی ان کے عذاب کی مختلف اقسام ہیں۔

دوزخیوں کے سروں پر گرم پانی ڈالا جانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دوزخیوں کے سر پر گرم پانی ڈالا جائے گا تو وہ گرم پانی اندر کو اترتا ہوا پیٹ تک پہنچ جائے گا اور ان چیزوں کو کاٹ ڈالے گا جو پیٹ کے اندر ہیں (یعنی آنتیں وغیرہ) یہاں تک کہ وہ گرم پانی پیٹ کے اندر کی چیزوں کو کاٹتا اور گلاتا ہوا پیروں کے راستہ سے باہر نکل

جائے گا اور صہر کے یہی معنی ہیں پھر وہ دوزخی کہ جس کے ساتھ گرم پانی کا یہ عمل ہوگا ویسا کا ویسا ہو جائے گا۔

(ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 244)

صہر کے معنی گلنے اور پگھلنے کے ہیں اور یہ لفظ جس کی وضاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی قرآن کریم کی اس آیت میں آیا ہے۔(یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ 19 يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ، الحج:19)(اور)ان کے سر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑ دیا جائے گا جس سے پیٹ کی چیزیں (یعنی انتڑیاں) اور ان کی کھالیں سب گل جاویں گی پھر وہ ویسا کا ویسا ہی ہو جائے گا کا مطلب یہ ہے کہ دوزخیوں کے ساتھ گرم پانی کا یہ عمل عذاب کے طور پر مسلسل باقی رکھا جائے گا، یعنی اس عذاب کے بعد وہ اپنی سابق حالت پر واپس آ جائیں گے ان کی کھال جوں کی توں ہو جائے گی اور ان کی آنتیں پیٹ میں اپنی اپنی جگہ صحیح سالم ہو جائیں گی، تب پھر ان کے سر پر وہی گرم پانی ڈالا جائے گا جو اندر تک تاثیر کرتا ہوا پیٹ تک پہنچے گا اور آنتیں وغیرہ کو کاٹتا گلاتا ہوا دونوں پیروں کے راستہ باہر نکل جائے گا، اسی طرح یہ سلسلہ برابر جاری رہے گا اس کا ثبوت قرآن کریم کے ان الفاظ سے ملتا ہے۔(كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا، النساء)

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ج لَا مَرْحَبًاۢ بِهِمْ ط اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ○ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ قف
لَا مَرْحَبًاۢ بِكُمْ ط اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ج فَبِئْسَ الْقَرَارُ ○
یہ ایک فوج ہے جو تمہارے ساتھ گھستی چلی آ رہی ہے، انہیں کوئی خوش آمدید نہیں، بیشک وہ دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں۔
وہ کہیں گے بلکہ تم ہو، تمہارے لیے کوئی خوش آمدید نہیں، تم ہی اسے ہمارے آگے لائے ہو۔ سو یہ برا ٹھکانا ہے۔

اہل دوزخ کیلئے کوئی خوش آمدید نہ ہونے کا بیان

وَيُقَالُ لَهُمْ عِنْدَ دُخُولِهِمُ النَّارَ بِأَتْبَاعِهِمْ "هٰذَا فَوْجٌ" جَمْعٌ "مُّقْتَحِمٌ" دَاخِلٌ "مَّعَكُمْ" أَيْ دَاخِلٌ مَعَكُمُ النَّارَ بِشِدَّةٍ فَيَقُولُ الْمُتَّبِعُونَ : "لَا مَرْحَبًا بِهِمْ" أَيْ لَا سِعَةَ عَلَيْهِمْ،
"قَالُوا" أَيْ الْأَتْبَاعُ "بَلْ أَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ أَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ" أَيْ الْكُفْرَ "لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ" لَنَا وَلَكُمْ النَّارُ،

دوزخ کے داروغے یا پہلے سے موجود جہنمی کہیں گے یہ ایک اور فوج ہے جو تمہارے ساتھ جہنم میں گھستی چلی آ رہی ہے، یعنی تمہارے ساتھ جہنم میں داخل ہو رہی ہے۔ تو سختی کے ساتھ انہیں کہا جائے گا کہ انہیں کوئی خوش آمدید نہیں، یعنی ان کیلئے کوئی آسانی نہیں ہے۔ بیشک وہ دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں۔ وہ کہیں گے بلکہ تم ہو، تمہارے لیے کوئی خوش آمدید نہیں، تم ہی اسے ہمارے آگے کفر لائے ہو۔ پس یہ جہنم ہمارے لئے اور تمہارے لئے کتنا برا ٹھکانا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب کافروں کے سردار جہنم میں داخل ہوں گے اور ان کے پیچھے پیچھے ان کی

اتباع کرنے والے تو جہنم کے خازن ان سرداروں سے کہیں گے یہ تمہارے متبعین کی فوج ہے جو تمہاری طرح تمہارے ساتھ جہنم میں دھنسی پڑتی ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ ص، لاہور)

یہ گفتگو دوزخیوں کی آپس میں ہوگی، جس وقت فرشتے ان کو یکے بعد دیگرے لا لا کر دوزخ کے کنارے پر جمع کریں گے۔ پہلا گروہ سرداروں کا ہوگا بعدہ ان کے مقلدین واتباع کی جماعت آئے گی۔ اس کو دور سے آتے ہوئے دیکھ کر پہلے لوگ کہیں گے کہ لو! یہ ایک اور فوج دھنستی اور کھپتی ہوئی تمہارے ساتھ دوزخ میں گرنے کے لیے چلی آ رہی ہے۔ خدا کی مار ان پر۔ یہ بھی یہیں آ کر مرنے کو تھے۔ خدا کرے ان کو کہیں کشادہ جگہ نہ ملے۔ اس پر وہ جواب دیں گے کہ کم بختو! تمہی پر خدا کی مار ہو خدا تم کو ہی کہیں آرام کی جگہ نہ دے، تم ہی تھے جن کے اغواء واضلال کی بدولت آج ہم کو یہ مصیبت پیش آئی۔ اب بتاؤ کہاں جائیں۔ جو کچھ ہے یہی جگہ ٹھہرنے کی ہے جس طرح ہو یہاں ہی سب مرو کھپو۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝
وَقَالُوْا مَالَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝
وہ کہیں گے اے ہمارے رب! جو اس کو ہمارے آگے لایا ہے پس تو اسے آگ میں دگنا عذاب زیادہ کر۔ اور وہ کہیں گے
ہمیں کیا ہے کہ ہم ان آدمیوں کو نہیں دیکھ رہے جنھیں ہم بدترین لوگوں میں شمار کرتے تھے۔

کفار کیلئے دوزخ میں دوگنا عذاب ہونے کا بیان

"قَالُوا" أَيْضًا "رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا" أَيْ مِثْل عَذَابه عَلَى كُفْره "وَقَالُوا" أَيْ كُفَّار مَكَّة وَهُمْ فِي النَّار "مَا لَنَا لَا نَرَى رِجَالًا كُنَّا نَعُدّهُمْ" فِي الدُّنْيَا

وہ اسی طرح کہیں گے اے ہمارے رب! جو اس کو ہمارے آگے لایا ہے پس تو اسے آگ میں دگنا عذاب زیادہ کر۔ یعنی اس کے کفر کے برابر اور عذاب زیادہ کر، اور وہ یعنی کفار مکہ کہیں گے حالانکہ وہ دوزخ میں ہوں گے ہمیں کیا ہے کہ ہم ان آدمیوں کو نہیں دیکھ رہے جنھیں ہم دنیا میں بدترین لوگوں میں شمار کرتے تھے۔

پھر یہ پیروی کرنے والا گروہ اپنے پیشواؤں سے توجہ ہٹا کر اپنے پروردگار سے درخواست کرے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ہماری گمراہی اور ہمیں یہاں جہنم میں لانے کا باعث بنے تھے۔ لہٰذا اے پروردگار! "انہیں ہم سے دگنا عذاب دے" لیکن ان کی یہ التجا محض ایک طفل تسلی اور دل کی حسرت مٹانے کے طور پر ہوگی۔ جس کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

کفار مکہ کا غریب کے نظر نہ آنے پر تعجب کرنے کا بیان

یہاں برے لوگوں سے مراد وہ کمزور مسلمان ہیں جنہیں سرداران قریش حقیر اور کمتر درجہ کے لوگ سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے کہ اگر لوگوں کو اپنے ہاں سے اٹھا دو۔ تو ہم آپ کی بات توجہ سے سنیں

گے۔اور وہ تھے سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ،صہیب رومی رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ،عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور اسی طرح کے دوسرے مخلص مسلمان ہیں۔جبکہ وہ اعلیٰ جنت کے درجوں میں ہوں گے۔

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ○اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ○

کیا ہم ان کا مذاق اڑاتے تھے یا ہماری آنکھیں انہیں سے چوک گئی تھیں بلاشبہ یہ آگ والوں کا آپس میں جھگڑنا یقیناً حق ہے۔

اہل دوزخ کے باہمی جھگڑے کا بیان

"اَتَّخَذْنَاهُمْ سُخْرِيًّا" بِضَمِّ السِّينِ وَكَسْرِهَا : كُنَّا نَسْخَرُ بِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَالْيَاءُ لِلنَّسَبِ : أَيْ أَمَفْقُودُونَ هُمْ "أَمْ زَاغَتْ" مَالَتْ "عَنْهُمُ الْأَبْصَار" فَلَمْ نَرَهُمْ وَهُمْ فُقَرَاءُ الْمُسْلِمِينَ كَعَمَّارٍ وَبِلَال وَصُهَيْب وَسَلْمَان "إِنَّ ذَلِكَ لَحَقّ" وَاجِب وُقُوعه وَهُوَ تَخَاصُم أَهْل النَّار "تَخَاصُم أَهْل النَّار" كَمَا تَقَدَّمَ،

کیا ہم ان کا ناحق مذاق اڑاتے تھے یہاں پر لفظ سخر یا یہ سین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔یا ہماری آنکھیں انہیں دنیا میں پہچاننے سے چوک گئی تھیں جس کی وجہ سے ہم انہیں دیکھ نہیں رہے۔یہ حضرت عمار، خباب، صُہیب، بلال اور سلمان رضی اللہ عنہم جیسے فقراء اور درویش تھے۔بلاشبہ یہ آگ والوں کا آپس میں جھگڑنا یقیناً حق ہے۔اور اہل جہنم میں جھگڑا ضرور ہوگا جس طرح پہلے ان کے جھگڑے کو بیان کر دیا گیا ہے۔

اور درحقیقت وہ ایسے نہ تھے دوزخ میں آئے ہی نہیں ہمارا ان کے ساتھ استہزاء کرنا اور ان کی ہنسی بنانا باطل تھا۔اس لئے وہ ہمیں نظر نہ آئے۔یا یہ معنی ہیں کہ ان کی طرف سے آنکھیں پھر گئیں اور دنیا میں ہم ان کے مرتبے اور بزرگی کو نہ دیکھ سکے۔

یعنی دوزخیوں کے جس باہمی جھگڑے اور تو تکار کا ذکر اوپر ہوا ہے اس کو یونہی کوئی فرضی اور خیالی بات نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ایک قطعی امر ہے جس نے اپنے وقت پر بہرحال واقع ہو کر رہنا ہے۔جس سے کسی مفر اور انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی پس جو لوگ آج حق کی مخالفت میں ایک دوسرے کے معاون ومددگار، اور باہم لیڈر اور پیرو بنے ہوئے ہیں وہ جو کچھ کریں اس نتیجہ وانجام کو سامنے رکھ کر کریں کہ اس سے ان کو بہرحال دوچار ہونا ہے،تاکہ ایسے لوگ پھر نہ کہیں کہ ہمیں خبر نہ ہوئی تھی۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ○رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ○قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ○

فرما دیجئے: میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں،اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا سب پر غالب ہے۔آسمانوں اور زمین کا اور جو کائنات اِن دونوں کے درمیان ہے۔رب ہے بڑی عزت والا، بڑا بخشنے والا ہے۔فرما دیجئے: وہ بہت بڑی خبر ہے۔

نبی کریم ﷺ کا لوگوں کو جہنم کی آگ سے ڈرانے کا بیان

"قُلْ" يَا مُحَمَّدَ لِكُفَّارِ مَكَّةَ "إِنَّمَا أَنَا مُنْذِر" مُخَوِّف بِالنَّارِ "وَمَا مِنْ إِلَه إِلَّا اللّٰه الْوَاحِد الْقَهَّار" لِخَلْقِهِ "رَبّ السَّمٰوَات وَالْأَرْض وَمَا بَيْنهمَا الْعَزِيز" الْغَالِب عَلَى أَمْره "الْغَفَّار" لِأَوْلِيَائِهِ "قُلْ" لَهُمْ،

یا محمد ﷺ آپ کفار مکہ سے فرما دیجئے میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں، یعنی جہنم سے ڈرانے والا ہوں اور اس سے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا اپنی مخلوق پر غالب ہے۔ آسمانوں اور زمین کا اور جو کائنات اِن دونوں کے درمیان ہے سب کا رب ہے بڑی عزت والا، یعنی اپنے حکم پر غالب، اپنے اولیاء کو بڑا بخشنے والا ہے۔ آپ ان کیلئے فرما دیجئے وہ قیامت بہت بڑی خبر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری مثال اس آدمی کی مانند ہے جس نے آگ روشن کی چنانچہ جب آگ نے چاروں طرف روشنی پھیلا دی تو پروانے اور دوسرے وہ جانور جو آگ میں گرتے ہیں آ کر آگ میں گرنے لگے آگ روشن کرنے والے آدمی نے ان کو روکنا شروع کیا لیکن وہ (نہیں رکتے بلکہ اس کی کوششوں پر) غالب رہتے ہیں اور آگ میں گر پڑتے ہیں اسی طرح میں تمہاری کمریں پکڑ کر تمہیں آگ میں گرنے سے روکتا ہوں اور تم آگ میں گرتے ہو۔ یہ روایت صحیح البخاری کی ہے اور مسلم میں بھی ایسی ہی روایت ہے البتہ مسلم کی روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بالکل ایسی ہی مثال میری اور تمہاری ہے میں تمہاری کمریں پکڑے ہوں کہ تمہیں آگ سے بچاؤں اور یہ کہتا ہوں کہ دوزخ سے بچو میری طرف آؤ، دوزخ سے بچو میری طرف آؤ لیکن مجھ پر تم غالب آتے ہو اور آگ میں گر پڑتے ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 146)

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں نے حرام اور ممنوع چیزوں کو تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے لیکن جس طرح کوئی آدمی آگ جلائے اور اس آدمی کے روکنے کے باوجود پروانے آگ میں گرتے ہیں وغیرہ۔ اسی طرح باوجودیکہ میں تمہیں برے راستہ سے ہٹاتا ہوں اور برے کام سے روکتا ہوں لیکن تم اس ممنوع اور غیر پسندیدہ چیزوں کو کرتے ہو! اسی طرح دوزخ کی آگ میں گرنے کی کوشش کرتے ہو۔

أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝
اِنْ يُّوْحٰى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝
تم اس سے منہ پھیرے ہوئے ہو۔ مجھے تو عالمِ بالا کی جماعت کی کوئی خبر نہ تھی جب وہ بحث و تمحیص کر رہے تھے۔
مجھے تو وحی کی جاتی ہے مگر یہ کہ میں صاف صاف ڈر سنانے والا ہوں۔

قرآن مجید سے اعراض کرنے والوں کا بیان

"أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ" أَيْ مُعْرِضُونَ عَنْ الْقُرْآن الَّذِي أَنْبَأْتُكُمْ بِهِ وَجِئْتُكُمْ فِيهِ بِمَا لَا يُعْلَم إِلَّا بِوَحْيٍ "مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْم بِالْمَلَإِ الْأَعْلَى" أَيْ الْمَلَائِكَة "إِذْ يَخْتَصِمُونَ" فِي شَأْن آدَم حِين قَالَ تَعَالَى: "إِنِّي جَاعِل فِي الْأَرْض خَلِيفَة" إِلَخْ "إِنْ" مَا "يُوحَى إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا" أَيْ أَنِّي "نَذِير مُبِين" بَيِّن الْإِنْذَار،

تم اس سے یعنی قرآن سے منہ پھیرے ہوئے ہو۔ جو تمہارے پاس میں اس کے ساتھ خبریں لایا ہوں۔ مجھے تو از خود عالم بالا کی جماعتِ ملائکہ کی کوئی خبر نہ تھی جب وہ تخلیقِ آدم کے بارے میں بحث و تمحیص کر رہے تھے۔ کہ جب اللہ نے فرمایا میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔ الخ۔ مجھے تو اللہ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے مگر یہ کہ میں صاف صاف ڈر سنانے والا ہوں۔

آپ ﷺ پر کائنات کی ہر چیز منکشف ہوگئی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھانے کیلئے آنے میں دیر کر دی حتی کہ سورج کے نکلنے کا وقت قریب آگیا، پھر آپ نے جلدی جلدی نماز پڑھائی، پھر سلام پھیرنے کے بعد آپ نے بہ آواز بلند فرمایا: تم جس طرح بیٹھے ہوا اپنی اپنی صفوں پر بیٹھے رہو، پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں عنقریب تم سے بیان کروں گا کہ مجھے صبح آنے میں تاخیر کیوں ہوگئی، آپ نے فرمایا: میں رات کو اٹھا اور میں نے وضو کر کے اتنی نماز پڑھی جتنی میرے لئے مقدر کر دی گئی تھی، پھر مجھے نماز میں نیند آگئی اچانک میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو نہایت حسین صورت میں دیکھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا محمد (ﷺ)! میں نے کہا یا میرے رب، لبیک! فرمایا: فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا اے میرے رب! مجھے از خود علم نہیں، یہ مکالمہ تین بار ہوا، پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا اور میں نے اس کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی۔ پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی اور میں نے جان لیا۔ (الحدیث) امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن، صحیح ہے اور میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث حسن، صحیح ہے۔

(جامع ترمذی، رقم الحدیث، ۳۲۴۶) مسند احمد، رقم الحدیث، ۲۲۷۰)

جامع ترمذی کی دوسری سند کے مطابق یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے جان لیا جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے۔ اور آپ نے پوروں کی ٹھنڈک اور علم حاصل ہونے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں جواب دیا کہ مقرب فرشتے کفارات کے بارے میں بحث کر رہے ہیں۔ (ترمذی)

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ ○ فَإِذَا سَوَّيْتُهٗ
وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهٗ سٰجِدِينَ ○

جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے ایک پیکرِ بشریت پیدا فرمانے والا ہوں۔ پھر جب میں اس کو
درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑنا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو بہ طور تعظیم سجدہ کرنے کے حکم کا بیان

"إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ طِينٍ " هُوَ آدَم "فَإِذَا سَوَّيْتُه" أَتْمَمْته "وَنَفَخْت" أَجْرَيْت "فِيهِ مِنْ رُوحِي " فَصَارَ حَيًّا وَإِضَافَة الرُّوح إِلَيْهِ تَشْرِيف لِآدَم وَالرُّوح جِسْم لَطِيف يَحْيَا بِهِ الْإِنْسَان بِنُفُوذِهِ فِيهِ "فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ" سُجُود تَحِيَّة بِالِانْحِنَاءِ،

وہ وقت یاد کیجئے جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں گیلی مٹی سے ایک پیکرِ بشریت پیدا فرمانے والا ہوں۔ جو حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ پھر جب میں اس کے ظاہر کو درست کرلوں یعنی اس کو مکمل کیا۔ اور اس کے باطن میں اپنی نورانی روح پھونک دوں پس وہ زندہ ہوئے۔ یہاں پر روح کی اضافت حضرت آدم علیہ السلام کی طرف ان کے شرف کی وجہ سے ہے۔ اور روح وہ جسم لطیف ہے جس کے ساتھ انسان زندہ ہے۔ کیونکہ وہ اس کے اندر نافذ ہے۔ تو تم اس کی تعظیم کے لئے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑنا۔ یعنی جھک کر انہیں سجدہ تعظیمی کرنا۔

یہاں تخلیقِ آدم کا جو واقعہ ذکر کیا گیا ہے اس سے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی مذکورہ بالا گفتگو کی طرف اشارہ کے ساتھ ساتھ اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ جس طرح ابلیس نے محض حسد اور تکبر کی وجہ سے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا تھا، اسی طرح مشرکین عرب بھی حسد اور تکبر کی وجہ سے آپ کی بات نہیں مان رہے، اور جو انجام ابلیس کا ہوا وہی ان کا بھی ہونا ہے۔

(تفسیر کبیر، سورہ ص، بیروت)

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ
مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝
پس سب کے سب فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے، اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہوگیا۔ ارشاد فرمایا: اے
ابلیس! تجھے کس نے اس کو سجدہ کرنے سے روکا ہے جسے میں نے خود اپنے دستِ سے بنایا ہے، کیا تو نے تکبر کیا یا تو بلند رتبہ تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں کے سجدہ کرنے کا بیان

"فَسَجَدَ الْمَلَائِكَة كُلّهمْ أَجْمَعُونَ " فِيهِ تَأْكِيدَانِ "إِلَّا إِبْلِيس " هُوَ أَبُو الْجِنّ كَانَ بَيْنَ الْمَلَائِكَة "اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنْ الْكَافِرِينَ" فِي عِلْم اللَّه تَعَالَى،

"قَالَ يَا إِبْلِيس مَا مَنَعَك أَنْ تَسْجُد لِمَا خَلَقْت بِيَدَيَّ" أَيْ تَوَلَّيْت خَلْقه وَهَذَا تَشْرِيف لِآدَم فَإِنَّ كُلّ مَخْلُوق تَوَلَّى اللَّه خَلْقه "أَسْتَكْبَرْت" الْآن عَنْ السُّجُود اِسْتِفْهَام لِلتَّوْبِيخِ "أَمْ كُنْت مِنْ الْعَالِينَ "

الْمُتَكَبِّرِينَ فَتَكَبَّرْتَ عَنِ السُّجُودِ لِكَوْنِكَ مِنْهُمْ،

پس سب کے سب فرشتوں نے اکٹھے سجدہ کیا، اس میں دو تاکیدیں ہیں۔سوائے ابلیس کے، کیونکہ ابوالجن تھا جو فرشتوں کے درمیان تھا۔اس نے (شانِ نبوت کے سامنے) تکبر کیا اور اللہ کے علم میں کافروں میں سے ہو گیا۔اللہ نے ارشاد فرمایا: اے ابلیس! تجھے کس نے اس ہستی کو سجدہ کرنے سے روکا ہے جسے میں نے خود اپنے دستِ کرم سے بنایا ہے، یعنی میں نے خود خلق کیا ہے اور اس میں بھی حضرت آدم علیہ السلام کی شان ہے۔حالانکہ ہر مخلوق کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔کیا تو نے سجدہ کرنے میں اس سے تکبر کیا یہ استفہام بہ طور توبیخ ہے۔یا تو بلند رتبہ بنا ہوا تھا۔یعنی تو نے تکبر کرتے ہوئے آپ کو سجدہ نہ کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا بیان

یہاں حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے انہیں پیدا کیا۔ جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ ہاتھوں سے مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے ہی ہاتھ ہیں جیسے انسانوں کے ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اعضاء و جوارح کی احتیاج سے منزہ ہے۔لہٰذا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے، اور عربی زبان میں لفظ ید بکثرت قدرت کے معنی میں مستعمل ہے، مثلاً ارشاد ہے: (آیت) بیدہ عقدۃ النکاح۔لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے آدم کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔اور یوں تو کائنات کی ساری چیزیں قدرت خداوندی ہی سے پیدا ہوئی ہیں، لیکن جب باری تعالیٰ کسی چیز کا خصوصی شرف ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو اسے خاص طور سے اپنی طرف منسوب فرما دیتے ہیں۔جیسے کعبہ کو بیت اللہ۔حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقۃ اللہ، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ یا روح اللہ کہا گیا ہے۔یہاں بھی یہ نسبت حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے کی گئی ہے۔(تفسیر قرطبی، سورہ ص، بیروت)

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝

اس نے (نبی کے ساتھ اپنا موازنہ کرتے ہوئے) کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور تو نے اسے مٹی سے بنایا ہے۔ارشاد ہوا: سو تو (اس گستاخ نبوت کے جرم میں) یہاں سے نکل جا، بے شک تو مردود ہے۔اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت رہے گی۔فرمایا پس بے شک تو ان لوگوں سے ہے جنھیں مہلت دی گئی۔مقرر وقت کے دن تک ہے۔

شیطان کو لعنت کے ساتھ نکال دینے کا بیان

"قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا" أَيْ مِنَ الْجَنَّةِ وَقِيلَ مِنَ السَّمَاوَاتِ "فَإِنَّكَ رَجِيم" مَطْرُود "وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي

إِلَى يَوْمِ الدِّينِ" الْجَزَاء "قَالَ رَبِّي فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ" أَيْ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُ النَّاس "إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ" وَقْتِ النَّفْخَةِ الْأُولَى،

اس نے (نبی کے ساتھ اپنا موازنہ کرتے ہوئے) کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور تو نے اسے مٹی سے بنایا ہے۔ ارشاد ہوا: سو تو (اس گستاخ ء نبوّت کے جرم میں) یہاں سے یعنی جنت سے نکل جا، کہا گیا ہے کہ اسے آسمانوں سے نکالا گیا ہے۔ بے شک تو مردود ہے۔ یعنی رد کر دیا گیا ہے۔ اور بے شک تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت رہے گی۔ تو اس نے کہا کہ اے میرے رب مجھے قیامت کے دن تک کی مہلت دیدے۔ یعنی جس دن لوگوں کو اٹھایا جائے۔ فرمایا پس بے شک تو ان لوگوں سے ہے جنھیں مہلت دی گئی۔ مقرر وقت کے دن تک ہے۔ جو پہلی بار صور پھونکنے کا وقت ہے۔

یعنی قیامت تک تو اللہ، اس کے فرشتے، تمام انسان حتیٰ کہ ابلیس کی پیروی کرنے والے بھی اس پر لعنت پھٹکار کرتے رہیں گے پھر اس کے بعد ابد الآباد ابلیس اور اس کی آل اولاد کو عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ○ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○
کہا تو قسم ہے تیری عزت کی! کہ میں ضرور بالضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا۔ مگر ان میں سے تیرے وہ بندے جو چنے ہوئے ہیں۔ فرمایا پھر حق یہ ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں۔ کہ میں ضرور بالضرور جہنم کو تجھ سے اور ان سب لوگوں سے بھر دوں گا، جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے۔

جہنم کو شیاطین اور ان کی اتباع والوں سے بھرنے کا بیان

"إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ" أَيْ الْمُؤْمِنِينَ "قَالَ فَالْحَقّ وَالْحَقّ أَقُول" بِنَصْبِهِمَا وَرَفْعِ الْأَوَّل وَنَصْبِ الثَّانِي فَنَصْبُهُ بِالْفِعْلِ بَعْده وَنَصْب الْأَوَّل قِيلَ بِالْفِعْلِ الْمَذْكُور وَقِيلَ عَلَى الْمَصْدَر : أَيْ أُحِقّ الْحَقّ وَقِيلَ عَلَى نَزْع حَرْف الْقَسَم وَرَفْعه عَلَى أَنَّهُ مُبْتَدَأ مَحْذُوف الْخَبَر : أَيْ فَالْحَقّ مِنِّي وَقِيلَ فَالْحَقّ قَسَمِي وَجَوَاب الْقَسَم "لَأَمْلَأَنّ جَهَنَّم مِنْك" أَيْ بِذُرِّيَّتِك "وَمِمَّنْ تَبِعَك مِنْهُمْ" أَيْ النَّاس،

کہا تو قسم ہے تیری عزت کی! کہ میں ضرور بالضرور ان سب کو گمراہ کر دوں گا۔ مگر ان میں سے تیرے وہ بندے جو چنے ہوئے اہل ایمان ہیں۔ فرمایا پھر حق یہ ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں۔ یہاں پر لفظ حق یہ دونوں مقامات پر مصوب ہے اور پہلے مرفوع اور دوسرے کے نصب کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور اس کا نصب بعد والے فعل کے ساتھ ہے۔ اور پہلے کے نصب کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ وہ فعل مذکور کے سبب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مصدر ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعنی احق الحق ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

حرف قسم کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور مرفوع مبتداء ہونے کی وجہ سے ہے جس کی خبر محذوف ہے۔ یعنی الحق منی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فلحق قسمی اور جواب قسم یہ ہے۔ کہ میں ضرور بالضرور جہنم کو تجھ سے یعنی تیری اولاد سے اور ان سب لوگوں سے بھر دوں گا، جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے۔

"تجھ سے" مراد ابلیس، اس کی اولاد اور اس کا پورا لاؤ لشکر ہے جو بنی آدم کو مختلف طرح کی گمراہیوں میں مبتلا کرنے میں مصروف ہے۔ انہیں صرف اپنے گناہوں کا ہی عذاب نہیں دیا جائے گا بلکہ بنی آدم سے جن لوگوں نے ان کی پیروی کی اور گناہ کرتے رہے ان کے گناہوں کا حصہ رسدی بھی انہیں بھگتنا ہوگا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ قصہ آدم و ابلیس اس لئے سنایا کہ وہ سوچ لیں کہ اللہ کی نافرمانی کرنے پر ابلیس کا کیا حشر ہوا اور اب جو وہ اللہ کے رسول کی نافرمانی کر رہے ہیں تو وہ بھی اپنے لئے ایسے ہی انجام کی امید رکھیں۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ○ اِنْ هُوَ اِلَّا
ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ○ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ○
فرما دیجئے: میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔
یہ تو سارے جہان والوں کے لئے نصیحت ہی ہے۔ اور ضرور ایک وقت کے بعد تم اس کی خبر جانو گے۔

قیامت کے دن قرآن کی سچائی کا کفار پر ظاہر ہو جانے کا بیان

"قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ" عَلَى تَبْلِيغ الرِّسَالَة "مِنْ أَجْر" جُعْل "وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ" الْمُتَقَوِّلِينَ الْقُرْآن مِنْ تِلْقَاء نَفْسِي "إِنْ هُوَ" أَيْ مَا الْقُرْآن "إِلَّا ذِكْر" عِظَة "لِلْعَالَمِينَ" لِلْإِنْسِ وَالْجِنّ وَالْعُقَلَاء دُون الْمَلَائِكَة "وَلَتَعْلَمُنَّ" يَا كُفَّار مَكَّة "نَبَأَهُ" خَبَر صِدْقه "بَعْد حِين" أَيْ يَوْم الْقِيَامَة وَعَلِمَ بِمَعْنَى: عَرَفَ وَاللَّام قَبْلهَا لَام قَسَم مُقَدَّر: أَيْ وَاَللّٰه،

فرما دیجئے، میں تم سے اس حق کی تبلیغ پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔ یعنی اس قرآن میں اپنی طرف سے کسی بات کا افتراء کرنے والا نہیں ہوں۔ یہ قرآن تو سارے جہان والوں یعنی عالم جن وانس اور اہل عقل سوائے ملائکہ کے لئے نصیحت ہی ہے۔ اور اے کفار مکہ! ضرور ایک وقت کے بعد یعنی قیامت کے دن تم اس کی خبر کی سچائی کو جانو گے یہاں پر علم بہ معنی عرف ہے اس سے پہلے لام قسم مقدر ہے یعنی واللہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ میں تکلف اور تصنع کو اپنی نبوت و رسالت اور علم وحکمت کا اظہار نہیں کر رہا بلکہ اللہ کے احکام کو ٹھیک ٹھیک پہنچا رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکلف اور تصنع شرعاً مذموم ہے۔ چنانچہ اس کی مذمت میں بعض احادیث وارد ہوئی ہیں۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا ارشاد منقول ہے کہ اے لوگو، تم میں سے جس شخص کو کسی بات کا علم ہو تو وہ لوگوں سے کہہ دے، لیکن جس کا

علم نہ ہوتو وہ اللہ اعلم کہنے پر اکتفا کرلے، (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے۔
(آیت) قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۔(تفسیر روح المعانی، سورہ ص، بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ بعد ازاں جاننا چاہیے کہ بے شک سب سے بہتر بات اللہ کی کتاب ہے، سب سے بہترین راستہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا راستہ ہے اور سب سے بدترین چیز وہ ہے جس کو نیا نکالا گیا ہو اور ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 138)

سورہ ص کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ ص کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ **یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے** ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت زمر ہے

سورت الزمر کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃُ الزُّمَر (مَکِّیَّة إِلَّا الْآيَات 52 و53 و54 فَمَدَنِيَّة وَآيَاتهَا 75 نَزَلَتْ بَعْد سَبَأ)

سورہ زُمر مکی ہے سوا آیت(قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ،الزمر:53)اور آیت(اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا، الزمر:23) کے،اس سورت میں آٹھ رکوع اور پچھتّر آیات اور ایک ہزار ایک سو بہتّر کلمات اور چار ہزار نو سو آٹھ حروف ہیں۔اور یہ سورت سبأ کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورت الزمر کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی آیت ا۷ میں اہل جہنم کے گروہ در گروہ دوزخ میں داخل کرنے کا بیان ہے کیونکہ لفظ زمر کا معنی گروہ ہے اوران کفار کی بیان کردہ اس حالت کے سبب یہ سورت لفظ زمر سے معروف ہوئی ہے۔

تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ○اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ○
اس کتاب کا اتارنا اللہ کی طرف سے ہے جو سب پر غالب، حکمت والا ہے۔بے شک ہم نے آپ کی طرف کتاب حق
کے ساتھ نازل کی ہے تو آپ اللہ کی عبادت اس کے لئے طاعت وبندگی کو خالص رکھتے ہوئے کیا کریں۔

نبی کریم ﷺ کی جانب قرآن مجید کا حق کے ساتھ نازل ہونے کا بیان

"تَنْزِيل الْكِتَاب" الْقُرْآن مُبْتَدَأ "مِنْ اللَّه" خَبَره "الْعَزِيز" فِي مُلْكه "الْحَكِيم" فِي صُنْعه "إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْك" يَا مُحَمَّد "الْكِتَاب بِالْحَقِّ" مُتَعَلِّق بِأَنْزَل "فَاعْبُدِ اللَّه مُخْلِصًا لَهُ الدِّين" مِنْ الشِّرْك: أَيْ مُوَحِّدًا لَهُ.

اس کتاب کا اتارنا اللہ کی طرف سے ہے۔ یہاں پر لفظ کتاب یہ مبتداء ہے اور من اللہ اس کی خبر ہے۔ جو اپنے ملک میں غالب، اپنی صنعت میں حکمت والا ہے۔ یا محمد ﷺ بے شک ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے۔ یہاں پر لفظ بالحق یہ انزلنا کے متعلق ہے۔ تو آپ اللہ کی عبادت اس کے لئے طاعت و بندگی کو شرک سے بچا کر توحید میں خالص رکھتے ہوئے کیا کریں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

تنزیل الکتب۔ مضاف مضاف الیہ۔ کتاب نازل کرنا۔ الکتاب سے مراد یہ سورۃ یا قرآن مجید ہے یہ مبتداء ہے اور من اللہ خبر ہے۔ اس کتاب کا نازل کرنا اللہ کی طرف سے ہے۔ العزیز۔ (اپنی حکومت میں سب پر غالب) الحکیم۔ (اپنی صناعی میں حکمت والا)۔ اللہ کی صفات ہیں۔

بالحق۔ حق کے ساتھ، یعنی حال حق کتاب یا ب سبیہ ہے۔ یعنی حق کو ثابت کرنے۔ ظاہر کرنے اور تفصیل سے بیان کرنے کے لئے یہ کتاب ہم نے آپ کے پاس بھیجی ہے۔

بظاہر جملہ انا انزلنا الیك الكتاب بالحق ۔ مفہوم کے لحاظ سے پہلے جملہ کی تکرار معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ تکرار نہیں ہے اول جملہ میں تنزیل الکتاب تو عنوان کے طور پر فرمایا تھا اور اس جملہ میں انا انزلنا الیك الكتاب اس مضمون کو بیان کرنے کے لئے فرمایا:۔ هذا ليس بتكرار لان الاول كالعنوان لكتاب والثاني لبيان ما في الكتاب ۔

فاعبد الله مخلصا له الدين ،الفاء للترتيب ۔ اعبد فعل امر واحد مذکر حاضر عبادۃ مصدر (باب نصر) سے مخلصا اسم فاعل واحد مذکر بحالت نصب اخلاص (افعال) مصدر سے۔

اخلاص کے لغوی معانی کا بیان

اخلاص کے لغوی معنی ہیں۔ کسی چیز کو ملاوٹ سے ہر ممکن پاک وصاف کر دینا۔ یہ خلوص کا متعدی ہے، جس کے معنی آمیزش سے صاف اور خالی ہونا ہے۔ اصطلاح شرع میں یہ ہیں کہ محض خداوند تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے عمل کیا جاوے اور اس کے علاوہ کسی اور جذبہ کی آمیزش نہ ہو۔

اخلاص جان عبادت ہے اخلاص کے بغیر عبادت میں عبادت کا مفہوم ہی پیدا نہیں ہوتا۔ الدین أی اطاعت و عبادت۔ الدین ای الطاعة وقيل العبادة (تفسیر قرطبی، سورہ غافر، بیروت)

دین کے لغوی معانی کا بیان

دین اصل لغت کے اعتبار سے اطاعت اور جزاء کے معنی میں ہے پھر بطور استعارہ شریعت کے لئے استعمال ہوا۔ کیونکہ شریعت کی روح اطاعت خداوندی ہی ہے۔ قرآن میں مختلف مواقع پر مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔

ان الـديـن عـنـد الـلّـه الاسلام، درحقیقت دین جواللہ کے نزدیک مقبول ہے اسلام ہے۔ یہاں دین سے مراد شریعت ہے۔ اخلصوا دینھم لله ۔ اورانہوں نے اپنی اطاعت اللہ تعالیٰ کیلئے خالص کر دیا۔ یہاں دین سے اطاعت مراد ہے۔

مـلك يـوم الـديـن ۔ مالک ہے روز جزاء کا یہاں دین بمعنی جزاء آیا ہے۔ جزاء۔ اطاعت۔ عبادت۔ شریعت کوئی بھی معنی دین کے لئے جاویں شریعت کی پابندی کو ان سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور شریعت زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے خواہ وہ اخلاقی ہو، معاشرتی ہو، معاشی ہو، روحانی ہو۔ گویا زندگی کو شریعت کے جملہ احکام کے مطابق مطیع کر دینا دین پر چلنا ہے۔

لہ میں لام استحقاق کے لئے ہے ہ ضمیر کا مرجع اللہ ہے الذین کا نصب مخلصا سے ہے۔ مخلصا له الدين یہ جملہ ضمیر اعبد سے حال ہے۔ تو اللہ کی عبادت کر درآں حالیکہ تیری اطاعت وعبادت خالصۃ اسی کے لئے ہو (اس میں کسی قسم کے شرک، ریا یا شک وشبہ کا دخل نہ ہو۔

نبی کریم ﷺ پر قرآن کے نزول کے برحق ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تھے مجھ سے فرمایا کہ میرے سامنے قرآن کریم پڑھو، میں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے میں قرآن کریم پڑھوں؟ حالانکہ قرآن کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر اتارا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسے پسند کرتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی دوسرے سے قرآن سنوں! حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ چنانچہ میں نے سورت نساء پڑھنی شروع کی یہاں تک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا آیت (فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا، النسآء:41) بھلا اس (قیامت کے) دن یہود وغیرہ کا کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ بلائیں گے (یعنی ہر امت کا نبی اس دن اپنی امت کے فعال واحوال کی گواہی دے گا) اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس امت کا گواہ بنا کر بلائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بس اب رک جاؤ (کیونکہ میں اس آیت میں مستغرق ہوتا ہوں) پھر جب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدار میں آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 711)

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝

سُن لو! طاعت وبندگی خالصۃً اللہ ہی کے لئے ہے، اور جن نے اللہ کے سوا دوست بنا رکھا ہے، وہ ہم ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں، بیشک اللہ ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں، یقیناً اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں فرماتا جو جھوٹا ہے، بڑا ناشکر گزار ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہ ہونے کا بیان

"أَلَا لِلَّهِ الدِّين الْخَالِص " لَا يَسْتَحِقّهُ غَيْره "وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونه" عِبَادَة الْأَصْنَام "أَوْلِيَاء " وَهُمْ كُفَّار مَكَّة قَالُوا : "مَا نَعْبُدهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّه زُلْفَى " قُرْبَى مَصْدَر بِمَعْنَى تَقْرِيبًا "إِنَّ اللَّه يَحْكُم بَيْنهمْ " وَبَيْن الْمُسْلِمِينَ "فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ " مِنْ أَمْر الدِّين فَيُدْخِل الْمُؤْمِنِينَ الْجَنَّة وَالْكَافِرِينَ النَّار "إِنَّ اللَّه لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِب" فِي نِسْبَة الْوَلَد إِلَيْهِ "كُفَّار " بِعِبَادَتِهِ غَيْر اللَّه،

سُن لو! اطاعت و بندگی خالصۃً اللہ ہی کے لئے ہے، اس کے کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور جن کفار مکہ نے اللہ کے سوا بتوں کو دوست بنا رکھا ہے، وہ اپنی بت پرستی کے جھوٹے جواز کے لئے یہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں، یہاں پر لفظ زلفی بہ معنی قربی جو مصدر بہ معنی تقریبا ہے۔ بیشک اللہ ان کے درمیان اور مسلمانوں کے درمیان اس چیز کا فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ دین کے معاملے میں اختلاف کرتے ہیں، یعنی وہ اہل ایمان کو جنت میں داخل کرے گا اور کفار دوزخ میں داخل کرے گا۔ یقیناً اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں فرماتا جو اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کر کے جھوٹا ہے، جو غیر اللہ کی عبادت کی وجہ سے بڑا ناشکر گزار ہے۔

سورہ زمر آیت ۳ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس سے اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت یہ تین قبائل عامر، کنانہ، اور بنو سلمہ کے بارے میں نازل ہوئی جو بتوں کی پرستش کرتے اور کہتے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں چنانچہ انہی کا قول ہے ۔مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۔ حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ یہ کہا کرتے تھے ہم ان کی عبادت صرف اس واسطے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں اور اللہ کے حضور ہماری سفارش کریں۔ (طبری 23-122)

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ سُبْحٰنَهٗ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝
اگر اللہ چاہتا کہ اولاد بنائے تو ان میں سے جنہیں وہ پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ضرور چن لیتا، وہ پاک ہے۔
وہ تو اللہ ہے، جو اکیلا ہے، بہت غلبے والا ہے۔

مشرکین کا اللہ کی طرف شرک کی نسبت کرنے کا بیان

"لَوْ أَرَادَ اللَّه أَنْ يَتَّخِذ وَلَدًا" كَمَا قَالُوا : "اتَّخَذَ الرَّحْمَن وَلَدًا " "لَاصْطَفَى مِمَّا يَخْلُق مَا يَشَاء " وَاتَّخَذَهُ وَلَدًا غَيْر مَنْ قَالُوا مِنْ الْمَلَائِكَة بَنَات اللَّه وَعُزَيْر ابْن اللَّه وَالْمَسِيح ابْن اللَّه "سُبْحَانه" تَنْزِيهًا لَهُ عَنْ اتِّخَاذ الْوَلَد "هُوَ اللَّه الْوَاحِد الْقَهَّار " لِخَلْقِهِ،

اگر اللہ چاہتا کہ کسی کو اولاد بنائے جس طرح انہوں نے کہا کہ رحمن نے بیٹا بنایا ہے۔ تو ان میں سے جنہیں وہ پیدا کرتا ہے جسے

چاہتا ضرور چن لیتا، اور اس نے اس کو بیٹا بنایا ہے جو انہوں نے کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ حالانکہ وہ بیٹا بنانے سے پاک ہے۔ وہ تو اللہ ہے، جو اکیلا ہے، جو اپنی مخلوق پر غلبے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اولاد سے پاک ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم (انسان مجھ کو جھٹلاتا ہے اور یہ بات اس کے شایان نہیں اور میرے بارے میں بدگوئی کرتا ہے حالانکہ یہ اس کے مناسب نہیں ہے، اس کا مجھ کو جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اللہ نے مجھ کو (اس دنیا میں) پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اسی طرح وہ (آخرت میں) مجھ کو دوبارہ ہرگز پیدا نہیں کر سکتا حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں مشکل نہیں ہے۔ اور اس کا میرے بارے میں بدگوئی کرنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے، اللہ نے اپنا بیٹا بنایا ہے حالانکہ میں تنہا اور بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ مجھ کو کسی نے جنا اور نہ کوئی میرا برابری کرنے والا ہے اور عبداللہ ابن عباس کی روایت میں اس طرح ہے۔ اور اس (انسان) کا مجھے برا بھلا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کا بیٹا ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو بیوی یا بیٹا بناؤں۔ (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 19)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ○
اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے سورج
اور چاند کو تابع کر رکھا ہے، ہر ایک ایک مقرر وقت کے لیے چل رہا ہے۔ سن لو! وہی سب پر غالب، نہایت بخشنے والا ہے۔

زمین و آسمان کی تخلیق و نظام سے دلائل قدرت کا بیان

"خَلَقَ السَّمَوَات وَالْأَرْض بِالْحَقِّ" مُتَعَلِّق بِخَلَقَ "يُكَوِّر" يُدْخِل "اللَّيْل عَلَى النَّهَار" فَيَزِيد "وَيُكَوِّر النَّهَار" يُدْخِلهُ "عَلَى اللَّيْل" فَيَزِيد "وَسَخَّرَ الشَّمْس وَالْقَمَر كُلّ يَجْرِي" فِي فُلْكه "لِأَجَلٍ مُسَمًّى" لِيَوْمِ الْقِيَامَة "أَلَا هُوَ الْعَزِيز" الْغَالِب عَلَى أَمْره الْمُنْتَقِم مِنْ أَعْدَائِهِ "الْغَفَّار" لِأَوْلِيَائِهِ،

اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، یہاں پر لفظ بالحق یہ خلق کے متعلق ہے۔ وہ رات کو دن پر لپیٹتا یعنی داخل کرتا ہے تو وہ زیادہ کر دیتا ہے۔ اور دن کو رات پر لپیٹتا یعنی داخل کرتا ہے تو اس کو زیادہ کر دیتا ہے۔ اور اس نے سورج اور چاند کو تابع کر رکھا ہے، ہر ایک ایک آسمان میں مقرر وقت یعنی قیامت تک کے لیے چل رہا ہے۔ سن لو! وہی اپنے حکم پر پر غالب، جو دشمنوں سے انتقام لینے والا ہے۔ اپنے اولیاء کو نہایت بخشنے والا ہے۔

حضرت عمران بن حصین کہتے ہیں کہ ایک دن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ (مشہور اور عظیم قبیلہ)

بنو تمیم کے کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ بنو تمیم کے لوگوں بشارت حاصل کرو، انہوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دین کی تعلیمات کی صورت میں) بشارت تو ہمیں عطا فرمادی، اب کچھ اور بھی عنایت فرمادیجئے۔ پھر کچھ دیر بعد یمن کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ (یمن کے لوگوں تم بشارت حاصل کرلو، بنو تمیم کے لوگوں نے تو بشارت حاصل نہیں کی، یمن والوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے بشارت حاصل کی اور ہم اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذہبی معلومات اور دینی شعور و فہم حاصل کریں، چنانچہ ہم آپ سے ابتدائے آفرینش اور مبداء عالم کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس (کائنات کے وجود میں آنے اور مخلوقات کی پیدائش) سے پہلے کیا چیز موجود تھی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

صرف اللہ کی ذات موجود تھی (ازل الازال میں) اس کے ساتھ اور اس کے پہلے کسی چیز کا وجود نہیں تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور لوح محفوظ میں ہر چیز کو لکھا۔ (حدیث کے راوی حضرت عمران ابن حصین کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یہیں تک سن پایا تھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہا کہ عمران جاؤ اپنی اونٹنی کو تلاش کرو وہ بھاگ گئی ہے (یہ سنتے ہی میں اپنی اونٹنی کو تلاش کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا اور اب میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ کاش میں اس وقت مجلس نبوی سے اٹھ کر نہ جاتا بھلے ہی میری اونٹنی جاتی رہتی۔

(بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 263)

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ
اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ○
اس نے تم سب کو ایک حیاتیاتی خلیہ سے پیدا فرمایا پھر اس سے اسی جیسا جوڑ بنایا پھر اس نے تمہارے لئے آٹھ جاندار
جانور مہیا کئے، وہ تمہاری ماؤں کے رحموں میں ایک تخلیقی مرحلہ سے اگلے تخلیقی مرحلہ میں ترتیب کے ساتھ تمہاری تشکیل
کرتا ہے تین قسم کے تاریک پردوں میں، یہی تمہارا پروردگار ہے جو سب قدرت و سلطنت کا مالک ہے،
اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں بہکے پھرتے ہو۔

انسان کی تخلیق سے حق عبادت پر استدلال کا بیان

"خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْس وَاحِدَة" أَيْ آدَم "ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجهَا" حَوَّاء "وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَام" الْإِبِل وَالْبَقَر وَالْغَنَم الضَّأْن وَالْمَعْز "ثَمَانِيَة أَزْوَاج" مِنْ كُلّ زَوْجَانِ ذَكَر وَأُنْثَى كَمَا بَيَّنَ فِي سُورَة

الْأَنْعَام "يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِنْ بَعْدِ خَلْقٍ" أَيْ نُطَفًا ثُمَّ عُلَقًا ثُمَّ مُضَغًا "فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ" هِيَ ظُلْمَةُ الْبَطْنِ وَظُلْمَةُ الرَّحِمِ وَظُلْمَةُ الْمَشِيمَةِ "ذَلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ" عَنْ عِبَادَتِهِ إِلَى عِبَادَةِ غَيْرِهِ،

اس نے تم سب کو ایک حیاتیاتی خلیہ سے پیدا فرمایا یعنی آدم علیہ السلام کو بنایا اس کے بعد ان کی زوجہ حضرت حواء علیہا السلام کو بنایا۔ پھر اس سے اسی جیسا جوڑ بنایا پھر اس نے تمہارے لئے آٹھ جاندار جانور یعنی اونٹ، گائے اور بکرا اور چھترا مہیا کئے، یعنی ہر ایک جوڑے میں مذکر و مؤنث کو بنایا جس طرح سورہ انعام میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ وہ تمہاری ماؤں کے رحموں میں ایک تخلیقی مرحلہ یعنی مرحلہ نطفہ سے اگلے تخلیقی مرحلہ یعنی علقہ میں ترتیب کے ساتھ لوتھڑے میں تمہاری تشکیل کرتا ہے اس عمل کو تین قسم کے تاریک پردوں میں مکمل فرماتا ہے، وہ پیٹ کی تاریکی اور رحم کی تاریکی اور جھلی کی تاریکی ہے۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے جو سب قدرت وسلطنت کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم اس کی عبادت سے اعراض کر کے غیروں کی عبادت میں کہاں بھٹکے پھرتے ہو۔

انسانی تخلیق میں عجائب کا بیان

تم سب کو اس نے ایک ہی شخص یعنی حضرت آدم سے پیدا کیا ہے پھر دیکھو کہ تمہارے آپس میں کس قدر اختلاف ہے۔ رنگ صورت آواز بول چال زبان و بیان ہر ایک الگ الگ ہے۔ حضرت آدم سے ہی ان کی بیوی صاحبہ حضرت حوا کو پیدا کیا۔ جیسے اور جگہ ہے کہ لوگو اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے جس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کیا پھر بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے اس نے تمہارے لئے آٹھ نر و مادہ چوپائے پیدا کئے جن کا بیان سورہ مائدہ کی آیت (مِنَ الضَّانِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ، الانعام: 143)، میں ہے۔ یعنی بھیڑ، بکری، اونٹ گائے۔ وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے جہاں تمہاری مختلف پیدائشیں ہوتی رہتی ہیں پہلے نطفہ، پھر خون بستہ، پھر لوتھڑا، پھر گوشت پوست، ہڈی، رگ، پٹھے، پھر روح، غور کرو کہ وہ کتنا اچھا خالق ہے، تین تین اندھیرے مرحلوں میں تمہاری یہ طرح طرح کی تبدیلیوں کی پیدائش کا ہیر پھیر ہوتا رہتا ہے رحم کی اندھیری اس کے اوپر کی جھلی کی اندھیری اور پیٹ کا اندھیرا یہ جس نے آسمان و زمین کو اور خود تم کو اور تمہارے اگلوں پچھلوں کو پیدا کیا ہے۔ وہی رب ہے اسی کا مالک ہے۔ وہی سب میں متصرف ہے وہی لائق عبادت ہے اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ افسوس نہ جانے تمہاری عقلیں کہاں گئیں کہ تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے لگے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ زمر، بیروت)

إِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۖ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۖ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ
وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝
اگر تم ناشکری کرو تو یقیناً اللہ تم سے بہت بے پرواہ ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے ناشکری پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے
تمہارے لیے پسند کرے گا اور کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی، پھر تمہارا لوٹنا تمہارے رب ہی کی

طرف ہے تو وہ تمھیں بتلائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ یقیناً وہ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ شکر کرنے والے بندوں کو پسند کرتا ہے

"اِنْ تَكْفُرُوا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ وَلَا یَرْضَى لِعِبَادِهِ الْكُفْر" وَاِنْ اَرَادَهُ مِنْ بَعْضِهِمْ "وَاِنْ تَشْكُرُوا" اللّٰه فَتُؤْمِنُوا "یَرْضَهُ" بِسُكُونِ الْهَاء وَضَمِّهَا مَعَ اِشْبَاع وَدُونه : اَیْ الشُّكْر "لَكُمْ وَلَا تَزِر" نَفْس "وَازِرَة وِزْر" نَفْس "اُخْرَى" اَیْ لَا تَحْمِلهُ "ثُمَّ اِلَى رَبِّكُمْ مَرْجِعكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ اِنَّهُ عَلِیم بِذَاتِ الصُّدُور" بِمَا فِی الْقُلُوب

اگر تم ناشکری کرو تو یقیناً اللہ تم سے بہت بے پرواہ ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے ناشکری پسند نہیں کرتا اگر چہ ان میں سے بعض اس کا ناشکری کا ارادہ کریں۔ اور اگر تم اللہ کا شکر کرو تو تم ایمان لے آؤ تو وہ اسے تمھارے لیے پسند کرے گا، یہاں پہ لفظ یرضہ یہ ھاء کے سکون اور مع اشباع ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے اور بغیر اشباع کے ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی تمہارے شکر کو پسند کرتا ہے۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی، پھر تمھارا لوٹنا تمھارے رب ہی کی طرف ہے تو وہ تمھیں بتلائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ یقیناً وہ سینوں والی یعنی دلوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔

یعنی تمہارے کفر سے اس کی خدائی ذرا برابر بھی کمی نہیں آسکتی۔ تم مانو گے تب بھی وہ خدا ہے، اور نہ مانو گے تب بھی وہ خدا ہے اور رہے گا۔ اس کی فرمانروائی اپنے زور پر چل رہی ہے، تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا عبادی لو ان اولکم و اٰخرکم و انسکم و جنکم کانوا علیٰ افجر قلب رجل منکم ما نقص من ملکی شیئاً۔ اے میرے بندو، اگر تم سب کے سب اگلے اور پچھلے انسان اور جن اپنے میں سے کسی فاجر سے فاجر شخص کے دل کی طرح ہو جاؤ تب بھی میری بادشاہی میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔ (صحیح مسلم)

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیْبًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِیَ مَا كَانَ یَدْعُوْۤا اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ وَ جَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِیْلًا ۖۗ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو اسی کی طرف رجوع کرتے ہوئے پکارتا ہے، پھر جب اسے اپنی جانب سے کوئی نعمت بخش دیتا ہے تو وہ اس کو بھول جاتا ہے جس کے لئے وہ پہلے دعا کیا کرتا تھا اور اللہ کے لئے شریک ٹھہرانے لگتا ہے تاکہ اس کی راہ سے بھٹکا دے، فرما دیجئے: تو اپنے کفر کے ساتھ تھوڑا سا فائدہ اٹھا لے، تو بیشک دوزخیوں میں سے ہے۔

تکلیف سے راحت ملنے پر کافر کے بھول جانے کا بیان

"وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ" اَیْ الْكَافِر "ضُرٌّ دَعَا رَبّه" تَضَرَّعَ "مُنِیبًا" رَاجِعًا "اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَة" اَعْطَاهُ اِنْعَامًا "مِنْهُ نَسِیَ" تَرَكَ "مَا كَانَ یَدْعُو" مَا فِی مَوْضِع مَنْ یَتَضَرَّع "اِلَیْهِ مِنْ قَبْل" وَهُوَ اللّٰه

"وَجَعَلَ لِلّٰهِ أَنْدَادًا" شُرَكَاء "لِيُضِلَّ" بِفَتْحِ الْيَاء وَضَمِّهَا "عَنْ سَبِيله" دِين الْإِسْلَام "قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِك قَلِيلًا" بَقِيَّة أَجَلك،

اور جب انسان یعنی کافر کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو اسی کی طرف رجوع یعنی خشوع کے ساتھ دعا کرتے ہوئے پکارتا ہے، پھر جب اللہ اسے اپنی جانب سے کوئی نعمت بخش دیتا ہے تو وہ اس تکلیف کو بھول جاتا ہے جس کے لئے وہ پہلے دعا کیا کرتا تھا اور پھر اللہ کے لئے بتوں کو شریک ٹھہرانے لگتا ہے تا کہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کی راہ یعنی دین اسلام سے بھٹکا دے، یہاں پر لفظ لیضل یاء کی فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ فرما دیجئے، (اے کافر!) تو اپنے کفر کے ساتھ تھوڑا سا ظاہری فائدہ اٹھالے، تو بیشک بقیہ زندگی میں دوزخیوں میں سے ہے۔

یعنی انسان کی حالت عجیب ہے۔ مصیبت پڑنے پر تو ہمیں یاد کرتا ہے کیونکہ دیکھتا ہے کوئی مصیبت کو ہٹانے والا نہیں۔ پھر جہاں اللہ کی مہربانی سے ذرا آرام واطمینان نصیب ہوا معاً وہ پہلی حالت بھول جاتا ہے جس کے لیے ابھی ابھی ہم کو پکار رہا تھا۔ عیش وتنعم کے نشہ میں ایسا مست و غافل ہو جاتا ہے گویا کبھی ہم سے واسطہ ہی نہ تھا۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسرے جھوٹے اور من گھڑت خداؤں کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو خدائے واحد کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔ اس طرح خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور اپنے قول وفعل سے دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

یعنی اچھا کافر رہ کہ چند روز یہاں اور عیش اڑا لے۔ اور خدا نے جب تک مہلت دے رکھی ہے دنیا کی نعمتوں سے تمتع کرتا رہ۔ اس کے بعد تجھے دوزخ میں رہنا ہے جہاں سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ
هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ۠
بھلا وہ جو رات کی گھڑیوں میں سجود اور قیام کی حالت میں عبادت کرنے والا ہے، آخرت سے ڈرتا رہتا ہے
اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے، فرما دیجئے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے، برابر ہو سکتے
ہیں؟ بس نصیحت تو عقلمند لوگ ہی قبول کرتے ہیں۔

مؤمن اور کافر کے برابر نہ ہونے کا بیان

"أَمَّنْ" بِتَخْفِيفِ الْمِيم وَفِي قِرَاءَة أَمْ مَنْ فَأَمْ بِمَعْنَى بَلْ وَالْهَمْزَة "هُوَ قَانِت" قَائِم بِوَظَائِف الطَّاعَات "آنَاء اللَّيْل" سَاعَاته "سَاجِدًا وَقَائِمًا" فِي الصَّلَاة "يَحْذَر الْآخِرَة" أَيْ يَخَاف عَذَابهَا "وَيَرْجُو رَحْمَة" جَنَّة "رَبّه" كَمَنْ هُوَ عَاصٍ بِالْكُفْرِ أَوْ غَيْره "قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ" أَيْ لَا يَسْتَوِيَانِ كَمَا لَا يَسْتَوِي الْعَالِم وَالْجَاهِل "إِنَّمَا يَتَذَكَّر" يَتَّعِظ "أُولُو

الْأَلْبَاب" أَصْحَاب الْعُقُول،

یہاں پر لفظ اَمن یہ تخفیف کے ساتھ بھی آیا ہے اور ایک قرأت میں اَم من آیا ہے یعنی اَم بہ معنی بل آیا ہے اور ہمزہ بھی آیا ہے بھلا وہ مومن جو رات کی گھڑیوں میں نماز میں سجود اور قیام کی حالت میں عبادت کرنے والا ہے، آخرت کے عذاب سے سے ڈرتا رہتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی یعنی جنت امید رکھتا ہے، یہ اس شخص کی طرح کیسے ہوسکتا ہے جو کفر وغیرہ کرکے نافرمانی کرتا ہے فرمادیجئے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے سب برابر ہوسکتے ہیں؟ یعنی جس طرح عالم اور جاہل برابر نہیں ہوسکتے اسی طرح یہ بھی برابر نہیں ہیں۔ بس نصیحت تو عقل مند لوگ ہی قبول کرتے ہیں۔

سورت زمر آیت ۹ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں نازل ہوئی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔

یہ آیت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت عمار اور حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں نازل ہوئی۔ (تفسیر در منثور، سورہ زمر، بیروت)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ رات کے نوافل و عبادت دن کے نوافل سے افضل ہیں اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ رات کا عمل پوشیدہ ہوتا ہے اس لئے وہ ریا سے بہت دور ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ دنیا کے کاروبار بند ہوتے ہیں اس لئے قلب بہ نسبت دن کے بہت فارغ ہوتا ہے اور توجہ الی اللہ اور خشوع دن سے زیادہ رات میں میسر آتا ہے۔ تیسرے رات چونکہ راحت و خواب کا وقت ہوتا ہے اس لئے اس میں بیدار رہنا نفس کو بہت مشقت و تعب میں ڈالتا ہے تو ثواب بھی اس کا زیادہ ہوگا۔

رات کے وقت عبادت وقیام کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کو تمام نمازوں میں سے حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز زیادہ پسند اور تمام روزوں میں سے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے زیادہ پسند ہیں اور ان کی نماز کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ وہ آدھی رات سوتے اور تہائی رات قیام کرتے (یعنی نماز پڑھتے) اور پھر رات کے چھٹے حصے میں سوتے اور وہ (روزہ اس طرح رکھتے تھے) ایک دن تو روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1200)

انتہائی رات کے وقت نزول رحمت کے اعلان کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر رات کو آخر انتہائی رات کے وقت ہمارا بزرگ و برتر پروردگار دنیا کے آسمان (یعنی نیچے کے آسمان) پر نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اسے قبولیت بخشوں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت کا طلبگار ہو اور میں اسے بخشوں؟ (صحیح البخاری وصحیح مسلم) اور مسلم کی ایک روایت

میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر اللہ جل شانہ اپنے (لطف ورحمت کے) دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور کہتا ہے کہ کون ہے جو ایسے کو قرض دے جو نہ فقیر ہے اور نہ ظلم کرنے والا ہے اور صبح تک یہی فرماتا رہتا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1198)

(ہمارا رب نزول فرماتا ہے) کا مطلب ظاہر ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ جل شانہ خود آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے کیونکہ وہ جسم کی ثقالت وکثافت سے پاک وصاف ہے اور ایسا نور ہے جو ہمہ وقت کائنات کے ذرے ذرے پر محیط وحاوی ہے اور کسی خاص مقام وکسی وقت کا پابند نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ ابن حجر اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ علیہما نے اس کی تاویل کرتے ہوئے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ "اللہ جل شانہ کا فرمان، اس کی رحمت یا اس کی ملائکہ اس وقت آسمان دنیا پر اترتے ہیں (االلہ تعالیٰ کی طرف سے مذکورہ اعلان کرتے ہیں) چنانچہ اس کی تائید ایک حدیث صحیح سے بھی ہوتی ہے جو مرقات میں مذکور ہے، یا پھر یہ کہا جائے کہ یہ ارشاد متشابہات میں سے ہے جس کے حقیقی معنی ومطلب اللہ جل شانہ ہی جانتے ہیں۔ مَنْ یَدْعُوْنِی دعا کے معنی ہیں پکارنا جیسا کہ بندہ کہے "یارب" اس کے مقابلے پر اجابت اور قبولیت ہوتی ہے جیسے کہ پروردگار بندے کے اس پکارنے کے جواب میں کہے "لبیک عبدی" مَنْ یَّسْاَلُنِی سوال کے معنی" کسی کا مانگنا اور اس کا طلب کرنا" اور اس کے مقابلے میں سوال کا پورا کرنا ہے یعنی جو چیز طلب کی جائے اور مانگی جائے اس کا دینا۔ یہ حدیث اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں منقول ہے کہ "اللہ جل شانہ (آسمان دنیا پر) اس وقت نزول فرماتا ہے جب اول تہائی رات گذر جاتی ہے۔

نیز اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں منقول ہے کہ "اس وقت نزول فرماتا ہے جب آدھی رات یا دو تہائی رات گذرتی ہے" کیونکہ احتمال ہے کہ بعض صورتوں میں تو نزول آخری تہائی رات کے وقت، بعض راتوں کو اول تہائی رات کے گذرنے کے بعد اور بعض راتوں کو آدھی یا دو تہائی رات گزرنے کے بعد ہوتا ہے۔ مَنْ یُّقْرِضُ کون ہے جو قرض دے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کون ہے جو بطریق قرض اور جزا لینے کے لئے بدنی اور مالی عبادت اللہ جل شانہ کو دے جو نہ تو فقیر ہے اور نہ عطا وبخشش سے عاجز ہے نیز یہ کہ نہ ظلم کرنے والا ہے کہ اپنے عہد کو پورا نہ کرے یا ناقص ثواب دے۔ یعنی اس پیرائے سے مسلمانوں کو دنیا میں نیک وصالح عمل کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ کون خوش نصیب اور باسعادت مسلمان ہے جو آخرت کی سعادتوں وراحتوں اور وہاں کے ثواب کی امید میں اس غنی پروردگار کے لئے دنیا میں نیک عمل کرے جو اس کے حق یعنی آخرت میں دنیا کے نیک عمل کا ثواب دینے سے عاجز نہیں ہے اور کون خوش نصیب وسعادت مند مومن ہے جو اس عادل اللہ کے لئے دنیا میں نیک عمل کرتا ہے تو اللہ جل شانہ اس کا ثواب اس کے عمل سے بھی کئی گنا زیادہ کرکے دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بطور خاص قابل غور ہے کہ یہاں اللہ جل شانہ کی تعریف بایں طور کی گئی ہے اس کی پاک ذات سے ان دونوں صفات یعنی فقر اور ظلم کی نفی کی گئی ہے کیونکہ قرض کی واپسی کے سلسلے میں یہی دونوں صفتیں حائل ہوتی ہے۔ اگر کوئی عاجز وفقیر ہوتا ہے تو وہ قرض کی واپسی سے معذور رہوتا ہے۔ اگر کوئی آدمی ظالم ہوتا ہے تو اپنے ظلم کی بنا پر قرض کی پوری ادائیگی نہیں کرتا بلکہ اس

میں کمی ونقصان کر کے واپس کر دیتا ہے اور اللہ جل شانہ کی ذات ان دونوں صفتوں سے پاک ہے۔ نہ تو وہ ظالم ہے اور نہ عاجز فقیر ہے بلکہ عادل ہے اور غنی ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو آدمی دنیا میں بھلائی کرے گا اور نیک عمل کرے گا وہ اللہ جل شانہ کے پاس عقبیٰ میں کامل جزاء اور ثواب پائے گا۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ
وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○
فرمادیجئے: اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے جو اس دنیا میں
صاحبان احسان ہوئے، بہترین صلہ ہے، اور اللہ کی سرزمین کشادہ ہے، بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر
بے حساب انداز سے پورا کیا جائے گا۔

ایمان وتقویٰ کے حکم کا بیان

"قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ" أَيْ عَذَابَه بِأَنْ تُطِيعُوهُ "لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا" بِالطَّاعَةِ "حَسَنَةٌ" هِيَ الْجَنَّة "وَأَرْض اللَّه وَاسِعَة" فَهَاجِرُوا إِلَيْهَا مِنْ بَيْن الْكُفَّار وَمُشَاهَدَة الْمُنْكَرَات "إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ" عَلَى الطَّاعَة وَمَا يُبْتَلَوْنَ بِهِ "أَجْرهمْ بِغَيْرِ حِسَاب" بِغَيْرِ مِكْيَال وَلَا مِيزَان

فرمادیجئے: اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ یعنی اس کے عذاب سے ڈرو اور اس کی اطاعت اختیار کرو۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے جو اس دنیا میں طاعت کے سبب صاحبان احسان ہوئے، بہترین صلہ ہے، یعنی جنت ہے۔ اور اللہ کی سرزمین کشادہ ہے، پس تم کفار اور برائی کو دیکھنے سے بچنے کیلئے ایسی جگہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ (جہاں ایسا نہ ہو) بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب انداز سے پورا کیا جائے گا۔ یعنی جنہوں نے طاعت کی اور جو امتحان پر کامیاب رہے۔ اور بغیر حساب سے مراد میزان اور تولنے کے بغیر ثواب دیا جائے گا۔

سورہ زمر آیت ۱۰ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت مہاجرین حبشہ کے حق میں نازل ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے ہمراہیوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے مصیبتوں اور بلاؤں پر صبر کیا اور ہجرت کی اور اپنے دین پر قائم رہے اس کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہر نیکی کرنے والے کی نیکیوں کا وزن کیا جائے گا سوائے صبر کرنے والوں کے کہ انہیں بے اندازہ اور بے حساب دیا جائے گا۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ اصحاب مصیبت وبلا حاضر کئے جائیں گے نہ ان کے لئے میزان قائم کی جائے، نہ ان کے لئے دفتر کھولے جائیں ان پر اجر وثواب کی بے حساب بارش ہوگی یہاں تک کہ دنیا میں عافیت کی

زندگی بسر کرنے والے انہیں دیکھ کر آرزو کریں گے کہ کاش وہ اہل مصیبت میں سے ہوتے اور ان کے جسم قینچیوں سے کاٹے گئے ہوتے کہ آج یہ صبر کا اجر پاتے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ زمر، لاہور)

حضرت امام مالک نے اس آیت میں صابرین سے مراد وہ لوگ لئے ہیں جو دنیا کے مصائب اور رنج وغم پر صبر کرنیوالے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صابرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو معاصی سے اپنے نفس کو روکیں۔ قرطبی فرماتے ہیں کہ لفظ صابر جب بغیر کسی دوسرے لفظ کے بولا جاتا ہے اس سے مراد یہی ہوتا ہے جو اپنے نفس کو گناہوں سے باز رکھنے کی مشقت پر صبر کرے اور مصیبت پر صبر کرنیوالے کے لئے لفظ صابر بولا جاتا ہے۔ تو صابر علی کذا کے الفاظ بولے جاتے ہیں۔ یعنی فلاں مصیبت پر صبر کرنے والا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ زمر، بیروت)

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۝

فرمادیجئے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت، اپنی طاعت وبندگی کو اس کے لئے خالص رکھتے ہوئے سرانجام دوں۔ اور مجھے یہ حکم دیا گیا تھا کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔ فرمادیجئے: اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں زبردست دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ فرمادیجئے: میں صرف اللہ کی عبادت کرتا ہوں، اپنے دین کو اسی کے لئے خالص رکھتے ہوئے۔

عبادت میں مقام اخلاص کا بیان

"قُلْ إِنِّي أُمِرْت أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّين" مِنَ الشِّرْك "وَأُمِرْت لِأَنْ" أَيْ بِأَنْ "أَكُونَ أَوَّل الْمُسْلِمِينَ" مِنْ هَذِهِ الْأُمَّة "قُلِ اللَّهَ أَعْبُد مُخْلِصًا لَهُ دِينِي" مِنَ الشِّرْك،

فرمادیجئے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت، اپنی طاعت وبندگی کو اس کے لئے خالص رکھتے ہوئے یعنی شرک سے بچتے ہوئے سرانجام دوں۔ اور مجھے یہ حکم دیا گیا تھا کہ میں اس امت میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔ فرمادیجئے: اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں زبردست دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ فرمادیجئے: میں صرف اللہ کی عبادت کرتا ہوں، اپنے دین کو اسی کے لئے خالص رکھتے ہوئے۔ یعنی اس کو شرک سے بچاتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال ومتاع کو نہیں دیکھتا (یعنی اس کی نظر رحمت وعنایت میں تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس کے نزدیک نہ تو اچھی یا بری صورت کی کوئی حیثیت ہے اور نہ مال ومتاع کی کمی یا بیشی کی کوئی اہمیت ہے) بلکہ وہ تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے (یعنی اس کے ہاں تو بس اس چیز کو دیکھا جاتا ہے کہ تمہارے دل میں یقین وصدق اور اخلاص وغیرہ، یا نفاق اور ریاء وسمعہ وغیرہ، اسی طرح اس کے نزدیک اچھے اور برے اعمال کا اعتبار جس کے مطابق وہ تمہیں جزاوسزا دیتا

ہے۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1244)

عبادت میں اخلاص کے اوصاف کا بیان

حضرت عیاض بن حمار مجاشعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا سنو میرے رب نے مجھے یہ حکم فرمایا ہے کہ میں تم لوگوں کو وہ باتیں سکھادوں کہ جن باتوں سے تم لاعلم ہو میرے رب نے آج کے دن مجھے وہ باتیں سکھا دیں ہیں میں نے اپنے بندے کو جو مال دے دیا ہے وہ اس کے لئے حلال ہے اور میں نے اپنے سب بندوں کو حق کی طرف رجوع کرنے والا پیدا کیا ہے لیکن شیطان میرے ان بندوں کے پاس آ کر انہیں ان کے دین سے بہکاتے ہیں اور میں نے اپنے بندوں کے لئے جن چیزوں کو حلال کیا ہے وہ ان کے لئے حرام قرار دیتے ہیں اور وہ ان کو ایسی چیزوں کو میرے ساتھ شریک کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ جس کی کوئی محبت میں نے نازل نہیں کی اور بے شک اللہ تعالٰی نے زمین والوں کی طرف نظر فرمائی اور عرب وعجم سے نفرت فرمائی سوائے اہل کتاب میں سے کچھ باقی لوگوں کے اور اللہ تعالٰی نے فرمایا میں نے تمہیں اس لئے بھیجا ہے تا کہ میں تم کو آزماؤں اور ان کو بھی آزماؤں کہ جن کے پاس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھیجا ہے اور میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے کہ جسے پانی نہیں دھو سکے گا اور تم اس کتاب کو سونے اور بیداری کی حالت میں بھی پڑھو گے اور بلاشبہ اللہ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں قریش کو جلا ڈالوں تو میں نے عرض کیا اے پروردگار وہ لوگ تو میرا سر پھاڑ ڈالیں گے اللہ نے فرمایا تم ان کو نکال دینا جس طرح کہ انہوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نکالا ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی خرچ کیا جائے گا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) لشکر روانہ فرمائیں میں اس کے پانچ گنا لشکر بھیجوں گا اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے تابعداروں کو لے کر ان سے لڑیں کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمان ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی لوگ تین قسم کے ہیں (۱) حکومت کے ساتھ انصاف کرنے والے صدقہ وخیرات کرنے والے توفیق عطا کئے ہوئے (۲) وہ آدمی کہ جو اپنے تمام رشتہ داروں اور مسلمانوں کے لئے نرم دل ہو (۳) وہ آدمی کہ جو پاکدامن پاکیزہ خلق والا ہو اور عیالدار بھی ہو لیکن کسی کے سامنے اپنا ہاتھ نہ پھیلاتا ہو آپ نے فرمایا دوزخی پانچ طرح کے ہیں۔ وہ کمزور آدمی کہ جس کے پاس مال نہ ہو اور دوسروں کا تابع ہو اہل و مال کا طلبگار نہ ہو، خیانت کرنے والا آدمی کہ جس کی حرص چھپی نہیں رہ سکتی اگرچہ اسے تھوڑی سی چیز ملے اور اس میں بھی خیانت کرے۔

وہ آدمی جو صبح شام تم کو تمہارے گھر اور مال کے بارے میں دھوکہ دیتا ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخیل یا جھوٹے اور بدخو اور بیہودہ گالیاں بکنے والے آدمی کا بھی ذکر فرمایا اور ابوغسان نے اپنی روایت میں یہ ذکر نہیں کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی خرچ کیا جائے گا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2706)

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ○

پس تم اللہ کے سوا جس کی چاہو پوجا کرو، فرما دیجئے: بے شک نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو خسارہ میں ڈالا۔ یاد رکھو یہی کھلا نقصان ہے۔

جنت سے محروم رہنے والوں کے نقصان کا بیان

"فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُونه" غَيْره فِيهِ تَهْدِيد لَهُمْ وَإِيذَان بِأَنَّهُمْ لَا يَعْبُدُونَ اللّٰه تَعَالَى "قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسهمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْم الْقِيَامَة " بِتَخْلِيدِ الْأَنْفُس فِي النَّار وَبِعَدَمِ وُصُولهمْ إِلَى الْحُور الْمُعَدَّة لَهُمْ فِي الْجَنَّة لَوْ آمَنُوا "أَلَا ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَان الْمُبِين" الْبَيِّن،

پس تم اللہ کے سوا جس کی چاہو پوجا کرو، اس میں ان کیلئے تہدید ہے۔ اور اس بات کا اظہار ہے کہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے فرما دیجئے: بے شک نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو خسارہ میں ڈالا۔ یعنی خود کو جہنم میں ڈال کر اور اگر وہ ایمان لاتے تو ان کیلئے جنت میں ہونے والی حور ملتی اس سے بھی رہ کر نقصان اٹھانے والے ہیں۔ یاد رکھو یہی کھلا نقصان ہے۔

عبادت میں شرک کے سبب نقصان اٹھانے والوں کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شرک کے تئیں تمام شرکاء سے نہایت زیادہ بے نیاز ہوں، یعنی دنیا کا دستور ہے کہ لوگ اپنے معاملات اور کاروبار میں ایک دوسرے کے اشتراک وتعاون کے محتاج ہوتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے شریک بنتے ہیں، نیز وہ اس شرکت وتعاون پر راضی ومطمئن بھی ہوتے ہیں اور اس سلسلے میں ان کے درمیان اس درجہ کی مفاہمت ہوتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک شریک متعلقہ معاملات وکاروبار میں اپنا پورا عمل دخل رکھتا ہے، لیکن میرا معاملہ بالکل جداگانہ ہے کہ میں علی الاطلاق خالق وحاکم ہوں اپنے احکام وفیصلے اور اپنے نظام قدرت میں نہ تو مجھے کسی کے تعاون واشتراک کی حاجت وضرورت ہے۔ اور نہ مجھے یہ گوارا ہے کہ میرے بندے کسی کو میرا شریک قرار دیں اور میرے لئے کئے جانے والے کسی بھی عمل میں میرے علاوہ کسی اور کو مدنظر رکھیں۔ یہاں تک کہ میرے نزدیک ان کے صرف اسی عمل کا اعتبار ہے جو وہ خالص طور پر میرے لئے کریں۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ذکر شرکاء کے ضمن میں کرنا یعنی اللہ اپنے کو ایک شریک کے ذریعہ تعبیر کرنا محض ان بندوں کے اعتبار سے ہے جو اپنے جہل اور اپنی نادانی کی وجہ سے اس کی ذات وصفات اور اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کرتے اور اس طرح وہ اللہ کو بھی ایک "شریک" کا درجہ دیتے ہیں نعوذ باللہ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات سے اپنی بے نیازی اور ناخوشی کا اعلان فرمایا کہ کسی کو اس کا شریک قرار دیا جائے، چنانچہ ارشاد ہوا

کہ جو شخص میری طاعت وعبادت کے طور پر کوئی ایسا عمل کرے کہ جس میں وہ میرے ساتھ کسی دوسرے کو بھی شریک کرے تو میں اس شخص کو شرک کے ساتھ ٹھکرا دیتا ہوں۔اور ایک روایت میں ترکتہ وشرکہ کے بجائے یہ الفاظ ہیں فانا منه بری هو للذی عمله یعنی جو شخص میری عبادت میں کسی دوسرے کو شریک کرتا ہے تو میں اس سے اپنی بے نیازی وبیزاری ظاہر کرتا ہوں، وہ شخص یا اس کا وہ عمل اسی کے لئے ہے جس کے لئے اس نے وہ عمل کیا ہے۔(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1245)

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝
ان کے لئے اُن کے اوپر آگ کے بادل ہوں گے اور ان کے نیچے بھی آگ کے فرش ہوں گے، یہ وہ ہے
جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، اے میرے بندو! بس مجھ سے ڈرتے رہو۔

اہل جہنم کیلئے اوپر نیچے سے عذاب آنے کا بیان

"لَهُمْ مِنْ فَوْقهمْ ظُلَل" طِبَاق "مِنَ النَّار وَمِنْ تَحْتهمْ ظُلَل" مِنَ النَّار "ذٰلِكَ يُخَوِّف اللّٰه بِهِ عِبَاده" أَيْ الْمُؤْمِنِينَ لِيَتَّقُوهُ يَدُلّ عَلَيْهِ،

ان کے لئے اُن کے اوپر بھی آگ کے بادل سائبان بنے ہوں گے اور ان کے نیچے بھی آگ کے فرش ہوں گے، یہ وہ عذاب ہے جس سے اللہ اپنے مؤمن بندوں کو ڈراتا ہے، تا کہ وہ اس سے ڈریں جس پر فاتقون کی دلالت ہے۔اے میرے بندو! بس مجھ سے ڈرتے رہو۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" حقیقت یہ ہے کہ دوزخیوں میں سے جو شخص سب سے ہلکے عذاب میں مبتلا ہوگا اس کو آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن کے اوپر آگ کے دو تسمے ہوں گے (یعنی ان جوتیوں کے تلوے بھی آگ کے ہوں گے جو پیروں کے نیچے کے حصے میں ہوں گے اور ان کے تسمے بھی آگ کے ہوں گے جو پیروں کے اوپر کے حصے پر ہوں گے) اور ان دونوں (یعنی جوتیوں کے تلوؤں اور تسموں کی تپش وحرارت سے ان کا دماغ اس طرح جوش مارے گا جس طرح دیگ جوش کھاتی ہے۔وہ شخص چونکہ دوسرے دوزخیوں کی حالت وکیفیت سے بے خبر ہوگا اس لئے) یہ خیال کرے گا کہ اس سے زیادہ سخت عذاب میں کوئی مبتلا نہیں ہے حالانکہ وہ سب سے ہلکے عذاب میں مبتلا ہوگا۔

(مشکوۃ شریف: جلد پنجم حدیث نمبر 232)

اس حدیث سے صراحتہ معلوم ہوتا ہے کہ عذاب کے اعتبار سے اہل دوزخ متفاوت ہوں گے کہ کوئی سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوگا اور کوئی ہلکے عذاب میں،

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ
يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

اور جو لوگ بتوں کی پرستش کرنے سے بچے رہے اور اللہ کی طرف جھکے رہے، ان کے لئے خوشخبری ہے، پس آپ میرے
بندوں کو بشارت دے دیجئے۔ وہ جو کان لگا کر بات سنتے ہیں، پھر اس میں سب سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔
یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور یہی عقلوں والے ہیں۔

بتوں کی پوجا سے بچنے والوں کیلئے جنت کی بشارت کا بیان

"وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوت " الْأَوْثَان "أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا" أَقْبَلُوا "إِلَى اللَّه لَهُمُ الْبُشْرَى" بِالْجَنَّةِ، "الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْل فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ" وَهُوَ مَا فِيهِ صَلَاحهمْ "أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّه وَأُولَئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَاب" أَصْحَاب الْعُقُول،

اور جو لوگ بتوں کی پرستش کرنے سے بچے رہے یہ کہ وہ ان کی عبادت سے بچتے رہے اور اللہ کی طرف جھکے رہے، ان کے لئے جنت کی خوشخبری ہے، پس آپ میرے بندوں کو بشارت دے دیجئے۔

وہ جو کان لگا کر بات سنتے ہیں، پھر اس میں سب سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔ اور وہ بات جس میں ان کی اصلاح یعنی کامیابی ہے۔ یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور یہی عقلوں والے ہیں۔

سورہ زمر آیت ۱۷، ۱۸ کے شان نزول کا بیان

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی (لھا سبعۃ ابواب) (سورہ حجر (44) اس کے سات دروازے ہیں ہر ایک دروازے کے لیے ان میں سے جماعتیں تقسیم کردی گئی ہیں تو ایک انصاری صحابی آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے سات غلام ہیں اور میں ہر دروازے کے لیے ایک غلام آزاد کرتا ہوں تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ فَبَشِّرْ عِبَادِ، الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَه، تو میرے بندوں کو بشارت سنا دو۔ جو بات کو سنتے اور اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں۔

زید بن اسلم سے روایت ہے کہ یہ آیت تین افراد کے متعلق نازل ہوئی جو زمانہ جاہلیت میں لا الہ الا اللہ کہا کرتے تھے، عمرو بن نفیل، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (سیوطی 243، طبری 13۔123، زاد المسیر 7۔170)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی تو آپ کے پاس عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ زبیر، سعید بن زید اور سعد بن ابی وقاص آئے اور آپ سے دریافت کیا آپ نے انہیں اپنے ایمان کی خبر دی تو یہ سب بھی ایمان لے آئے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ فَبَشِّرْ عِبَادِ، الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَه۔ (قرطبی 15۔244، ابن کثیر 4۔48)

مروی ہے کہ یہ آیت زید بن عمر بن نفیل، ابوذر اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کے بارے میں اتری ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ

آیت جس طرح ان بزرگوں پر مشتمل ہے اسی طرح ہر اس شخص کو شامل کرتی ہے جس میں یہ پاک اوصاف ہوں یعنی بتوں سے بیزاری اور اللہ کی فرمانبرداری۔ یہ ہیں جن کے لئے دونوں جہان میں خوشیاں ہیں۔ بات سمجھ کر سن کر جب وہ اچھی ہو تو اس پر عمل کرنے والے مستحق مبارک باد ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تورات کے عطا فرمانے کے وقت فرمایا تھا اسے مضبوطی سے تھامو اور اپنی قوم کو حکم کرو کہ اس کی اچھائی کو مضبوط تھام لیں۔ عقلمند اور نیک راہ لوگوں میں بھلی باتوں کے قبول کرنے کا صحیح مادہ ضرور ہوتا ہے۔ (قرطبی 15۔244، ابن کثیر 4۔48)

أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ اَفَاَنْتَ تُنقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۝
تو کیا وہ شخص جس پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی، پھر کیا تو اسے بچالے گا جو آگ میں ہے۔

اہل ہدایت اور گمراہ لوگوں کا آپس میں برابر نہ ہونے کا بیان

"أَفَـمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَة الْعَذَاب " أَيْ : "لَأَمْلَأَن جَهَنَّم" الْآيَة "أَفَأَنْتَ تُنْقِذ " تُخْرِج "مَنْ فِي النَّار " جَوَاب الشَّرْط وَأُقِيمَ فِيهِ الظَّاهِر مَقَام الْمُضْمَر وَالْهَمْزَة لِلْإِنْكَارِ وَالْمَعْنَى لَا تَقْدِر عَلَى هِدَايَته فَتُنْقِذهُ مِنْ النَّار ،

تو کیا وہ شخص جس پر عذاب کی بات ثابت ہو چکی، یعنی جس طرح آیت میں آیا ہے کہ میں ان سے جہنم کو بھر دوں گا۔ پھر کیا تو اسے بچالے گا یعنی اس کو جہنم سے نکال لے گا۔ جو آگ میں ہے۔ یہ جواب شرط ہے۔ اور یہاں پر اسم ضمیر کا مضمر کی جگہ لایا گیا ہے اور ہمزہ انکاری ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ آپ ہدایت پر قادر نہیں کہ اس کو آگ سے بچا سکیں۔

جنت اور دوزخ کو بھر دیئے جانے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت و دوزخ نے آپس میں بحث و تکرار کی چنانچہ دوزخ نے تو یہ کہا کہ مجھے سرکش و متکبر اور ظالموں کے لئے چھانٹا گیا ہے اور جنت نے یہ کہا کہ میں اپنے بارے میں کیا کہوں میرے اندر بھی تو وہی لوگ داخل ہوں گے جو ضعیف و کمزور ہیں۔ لوگوں کی نظروں میں گرے ہوئے ہیں اور جو بھولے بھالے اور فریب میں آ جانے والے ہیں۔ (یہ سن کر) اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: تو میری رحمت کے اظہار کا ذریعہ اور میرے کرم کی آماجگاہ کے علاوہ اپنے بندوں سے جس کو اپنی رحمت سے نوازنا چاہتا ہوں اس کے لئے تجھے ہی ذریعہ بناتا ہوں۔ اور دوزخ سے فرمایا تو میرے عذاب کا محل و مظہر ہونے کے علاوہ کچھ نہیں میں اپنے بندوں میں سے جس کو عذاب دینا چاہتا ہوں اس لئے تجھے ہی ذریعہ بناتا ہوں اور میں تم دونوں ہی کو لوگوں سے بھر دوں گا البتہ دوزخ کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوگا کہ وہ اس وقت تک نہیں بھرے گی جب تک کہ اس پر اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں نہ رکھ دے گا، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ رکھ دے گا تو دوزخ پکار اٹھے گی کہ بس، بس، بس، اس وقت دوزخ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بھر جائے گی اور اس کے حصوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا جائے گا (پس وہ سمٹ جائے گی)۔

الخ کا مطلب یہ ہے کہ جنتیوں میں یہ فرق مراتب ہوگا کہ بعض اعلیٰ مرتبہ کے ہوں گے، بعض درمیانی مرتبہ کے اور بعض ادنیٰ مرتبہ کے اور اسی کے اعتبار سے سب کو محلات و مکانات اور منازل و مراتب بھی اعلیٰ، درمیانی اور ادنیٰ عطا ہوں گے، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ جنت میں منزلیں ہوں گی، اعلیٰ منزل تو سابقین کے لئے درمیانی مقصدین کے لئے اور نیچے کی منزل مخلطین کے لئے ہوگی۔

جو اللہ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی" یعنی وہ اولیاء و اتقیاء جو ایمان باللہ اور اتباع رسول میں کامل ہیں اور جو اللہ تعالیٰ اور رسولوں کے احکام و اوامر کو ماننے والے اور ان کی طرف سے ممنوع قرار دی جانے والی چیزوں سے اجتناب کرنے والے ہیں اور جن کی تعریف قرآن کریم کی ان آیات: وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا الایۃ۔" اور رحمٰن (اللہ تعالیٰ) کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں الخ میں یہ بات فرمائی گئی ہے اور پھر ان کی مختلف اعلیٰ صفات بیان کرنے کے بعد ان کے حق میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ اولئك یجزون الغرفة بما صبروا (الایۃ) " ایسے لوگوں کو (جنت میں رہنے کے لئے) بالا خانے ملیں گے بوجہ ان کے ثابت قدم رہنے کے انہیں انعام دیا گیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا
اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝
(اے انسان!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر زمین میں اس کے چشمے رواں کیے،
پھر اس کے ذریعے کھیتی پیدا کرتا ہے جس کے رنگ جداگانہ ہوتے ہیں، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے، پھر تو اسے زرد
دیکھتا ہے، پھر وہ اسے چورا چورا کر دیتا ہے، بیشک اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے۔

زمینی زراعت اور چشموں سے دلائل قدرت کا بیان

"اَلَمْ تَرَ" تَعْلَم "اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاء فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ" أَدْخَلَهُ أَمْكِنَةَ نَبْع "فِي الْأَرْض ثُمَّ يُخْرِج بِهِ زَرْعًا مُخْتَلِفًا أَلْوَانه ثُمَّ يَهِيج" يَيْبَس "فَتَرَاهُ" بَعْدَ الْخُضْرَة مَثَلًا "مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلهُ حُطَامًا" فُتَاتًا "إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَى" تَذْكِيرًا "لِأُولِي الْأَلْبَاب" يَتَذَكَّرُونَ بِهِ لِدَلَالَتِهِ عَلَى وَحْدَانِيَّة اللّٰه تَعَالَى وَقُدْرَته،

(اے انسان!) کیا تو نے نہیں دیکھا یعنی نہیں جانا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، پھر زمین میں اس کے چشمے رواں کیے، یعنی اس کو زمین کی سوتوں میں داخل کیا۔ پھر اس کے ذریعے کھیتی پیدا کرتا ہے جس کے رنگ جداگانہ ہوتے ہیں، پھر وہ تیار ہو کر خشک ہو جاتی ہے، پھر اسے سبز ہونے کے بعد تو اسے زرد دیکھتا ہے، پھر وہ اسے چورا چورا کر دیتا ہے، بیشک اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے۔ یعنی وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں کیونکہ ان چیزوں کی دلالت اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرت پر ہے۔

زندگی کی بہترین مثال کا بیان

زمین میں جو پانی ہے وہ در حقیقت آسمان سے اترا ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ ہم آسمان سے پانی اتارتے ہیں یہ پانی زمین پی لیتی ہے اور اندر ہی اندر وہ پھیل جاتا ہے۔ پھر حسب حاجت کسی چشمہ سے اللہ تعالیٰ اسے نکالتا ہے اور چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔ جو پانی زمین کے میل سے کھارہ ہو جاتا ہے وہ کھارہ ہی رہتا ہے۔ اسی طرح آسمانی پانی برف کی شکل میں پہاڑوں پر جم جاتا ہے۔ جسے پہاڑ چوس لیتے ہیں اور پھر ان میں سے جھرنے بہ نکلتے ہیں۔ ان چشموں اور آبشاروں کا پانی کھیتوں میں پہنچتا ہے۔ جس سے کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں جو مختلف قسم کے رنگ و بو کی اور طرح طرح کے مزے اور شکل وصورت کی ہوتی ہیں۔ پھر آخری وقت میں ان کی جوانی بڑھاپے سے اور سبزی زردے سے بدل جاتی ہے۔

پھر خشک ہو جاتی ہے اور کاٹ لی جاتی ہے۔ کیا اس میں عقل مندوں کے لئے بصیرت ونصیحت نہیں؟ کیا وہ اتنا نہیں دیکھتے کہ اسی طرح دنیا ہے۔ آج ایک جوان اور خوبصورت نظر آتی ہے کل بڑھیا اور بدصورت ہو جاتی ہے۔ آج ایک شخص نوجوان طاقت مند ہے کل وہی بوڑھا کھوسٹ اور کمزور نظر آتا ہے۔ پھر آخر موت کے پنجے میں پھنستا ہے۔ پس عقلمند انجام پر نظر رکھیں بہتر وہ ہے جس کا انجام بہتر ہو۔ اکثر جگہ دنیا کی زندگی کی مثال بارش سے پیدا شدہ کھیتی کے ساتھ دے گئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ زمر، بیروت)

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ
قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○
تو کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، سو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر ہے۔
پس ان کے لیے ہلاکت ہے جن کے دل اللہ کی یاد کی طرف سے سخت ہیں، یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

اسلام کیلئے شرح صدر ہونے والے کی فضیلت کا بیان

"أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّه صَدْره لِلْإِسْلَامِ" فَاهْتَدَى "فَهُوَ عَلَى نُور مِنْ رَبّه" كَمَنْ طُبِعَ عَلَى قَلْبه دَلَّ عَلَى هَذَا "فَوَيْل" كَلِمَة عَذَاب "لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبهمْ مِنْ ذِكْر اللَّه" أَيْ عَنْ قَبُول الْقُرْآن "أُولَئِكَ فِي ضَلَال مُبِين" بَيِّن،

تو کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے، یعنی اس نے ہدایت پائی ہے۔ پس وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر ہے۔ تو کیا وہ شخص اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کے دل پر مہر لگا دی گئی ہو۔ جس کی دلیل یہ ویل ہے۔ جو کلمہ عذاب ہے۔ پس ان کے لیے ہلاکت ہے جن کے دل اللہ کی یاد کی طرف سے سخت ہیں، یعنی وہ قرآن کو قبول نہیں کرتے۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

دل میں نور ایمان کے داخل ہونے کا بیان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سینہ کا کھلنا کس طرح ہوتا ہے؟ فرمایا کہ جب نور قلب میں داخل ہوتا ہے تو وہ کھلتا ہے اور اس میں وسعت ہوتی ہے صحابہ نے عرض کیا اس کی کیا علامت ہے؟ فرمایا دار الخلود کی طرف متوجہ ہونا اور دار الغرور (دنیا) سے دور رہنا اور موت کے لئے اس کے آنے سے قبل آمادہ ہونا۔

نفس جب خبیث ہوتا ہے تو قبول حق سے اس کو بہت دوری ہو جاتی ہے اور ذکر اللہ کے سننے سے اس کی سختی اور کدورت بڑھتی ہے جیسے کہ آفتاب کی گرمی سے موم نرم ہوتا ہے اور نمک سخت ہوتا ہے ایسے ہی ذکر اللہ سے مومنین کے قلوب نرم ہوتے ہیں اور کافروں کے دلوں کی سختی اور بڑھتی ہے۔ اس آیت سے ان لوگوں کو عبرت پکڑنا چاہئے جنہوں نے ذکر اللہ کو روکنا اپنا شعار بنالیا ہے وہ صوفیوں کے ذکر کو بھی منع کرتے ہیں، نمازوں کے بعد ذکر اللہ کرنے والوں کو بھی روکتے اور منع کرتے ہیں، ایصال ثواب کے لئے قرآن کریم اور کلمہ پڑھنے والوں کو بھی بدعتی بتاتے ہیں، اور ان ذکر کی محفلوں سے نہایت گھبراتے اور بھاگتے ہیں اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ زمر، لاہور)

اللہ کے ذکر کرنے والوں کے زندہ دل ہونے کا بیان

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص اپنے پروردگار کو یاد کرتا ہے اور جو شخص اپنے پروردگار کو یاد نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ شخص اور مردہ شخص کی سی ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ حدیث، 784)

مطلب یہ ہے کہ ذکر اللہ ذاکر کے قلب کی حیات ہے اور اس سے غفلت قلب کی موت ہے اور جس طرح کہ زندہ شخص اپنی زندگی سے بہرہ ور ہوتا ہے اسی طرح ذکر کرنے والا اپنے عمل سے بہرہ ور ہوتا ہے اور جس طرح مرنے کے بعد کے مردہ کو اپنی زندگی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اسی طرح ذکر اللہ سے غافل رہنے والا اپنے عمل سے بہرہ مند نہیں ہوتا۔

شرح صدر کی کیفیت کا بیان

حضرت حنظلہ بن ربیع اسیدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات ہوئی تو وہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ کہو حنظلہ! تمہارا کیا حال ہے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ وعظ ونصیحت فرماتے ہیں اس پر تمہاری استقامت کیسی ہے؟ میں نے کہا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا (یعنی حال کے اعتبار سے ایمان کے اعتبار سے نہیں) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ سبحان اللہ حنظلہ یہ تم کیا کہتے ہو! (یعنی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے تعجب سے پوچھا کہ کیا بات کہہ رہے ہو اس کا مطلب تو بیان کرو) میں نے کہا کہ (اس میں تعجب کی بات نہیں حقیقت یہ ہے کہ (جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں اور جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں دوزخ کے عذاب سے ڈراتے ہیں اور یا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں جنت کی نعمتوں کی بشارت سناتے ہیں تو اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم جنت اور دوزخ کو

اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے جدا ہوتے ہیں اور اپنی بیویوں، اپنی اولادوں، اپنی زمینوں اور اپنے باغات میں مشغول ہوتے ہیں تو بہت کچھ بھول جاتے ہیں (یعنی اپنے دنیاوی مشاغل میں پھنس کر ان باتوں کا بہت سا حصہ بھول جاتے ہیں۔

جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے سامنے بطور تذکیر ونصیحت فرماتے ہیں اور ہم پر وہ کیفیت باقی نہیں رہتی جو آپ کی صحبت میں ہوتی ہے) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اب جب کہ تم نے اپنی یہ حالت بیان کی ہے تو سنو کہ اللہ کی قسم ہم بھی اسی کو پہنچے ہوئے ہیں۔ یعنی ہمارا بھی یہی حال ہے کہ حاضر غائب میں تفاوت ہے اس کے بعد میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں چلے یہاں تک کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے عرض کیا کہ حضرت جب ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور تذکیر ونصیحت جنت ودوزخ کے بارہ میں بتاتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر جاتے ہیں اور اپنی بیویوں، اپنی اولاد، اپنی زمینوں اور باغات میں مشغولت ہوتے ہیں تو ہم نصیحت کی بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم پر ہمیشہ وہی کیفیت طاری رہے جو میری صحبت اور حالت ذکر میں تم پر ہوتی ہے (یعنی تم ہر وقت صاف دل اور اللہ سے ڈرنے والے رہو تو یقیناً فرشتے تم سے تمہارے بچھونوں پر اور تمہاری راہوں میں مصافحہ کریں لیکن اے حنظہ! یہ ایک ساعت اور وہ ایک ساعت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (یعنی حنظلہ ساعۃ وساعۃ (تین مرتبہ فرمایا۔ (مسلم، مشکوۃ شریف۔ جلد دوم: حدیث نمبر 789)

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ
يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ
هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝
اللہ ہی نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے، جو ایک کتاب ہے جس کی باتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں، بار بار
دہرائی گئی ہیں، جس سے ان لوگوں کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں،
پھر ان کی جلدیں اور دل نرم ہو جاتے ہیں اللہ کے ذکر کی طرف۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کے
ذریعے رہنمائی فرماتا ہے۔ اور اللہ جسے گمراہ کر دیتا ہے تو اس کے لئے کوئی ہادی نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کے بعض اوصاف کمال کا بیان

"اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا" بَدَل مِنْ أَحْسَن أَيْ قُرْآنًا "مُتَشَابِهًا" أَيْ يُشْبِه بَعْضه بَعْضًا فِي النَّظْم وَغَيْره "مَثَانِيَ" ثُنِيَ فِيهِ الْوَعْد وَالْوَعِيد وَغَيْرهمَا "تَقْشَعِرّ مِنْهُ" تَرْتَعِد عِنْد ذِكْر وَعِيده

"جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ " يَخَافُونَ "رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينَ " تَطْمَئِنَّ "جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ " أَيْ عِنْدَ ذِكْرِ وَعْدِهِ "ذَٰلِكَ" أَيِ الْكِتَابُ،

اللہ ہی نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے، یہاں پر لفظ کتاب یہ اَحسن سے بدل ہے یعنی قرآن جو ایک کتاب ہے جس کی باتیں نظم اور معانی میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ جس میں وعدہ وعید وغیرہ کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ جس سے ان لوگوں کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی جب اس میں بیان کردہ وعید کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کی جلدیں اور دل نرم ہو جاتے ہیں اور رِقّت کے ساتھ اللہ کے ذکر کی طرف محو ہو جاتے ہیں۔ یعنی ان کے جسم و دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔ جب ان کے پاس وعدے کو ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ کتاب اللہ کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کے ذریعے رہنمائی فرماتا ہے۔ اور اللہ جسے گمراہ کر دیتا (یعنی گمراہ چھوڑ دیتا) ہے تو اس کے لئے کوئی ہادی نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ اپنی اس کتاب قرآن کریم کی تعریف میں فرماتا ہے کہ اس بہترین کتاب کو اس نے نازل فرمایا ہے جو سب کی سب متشابہ ہیں اور جس کی آیتیں مکرر ہیں تا کہ فہم سے قریب تر ہو جائے۔ ایک آیت دوسری کے مشابہ اور ایک حرف دوسرے سے ملتا جلتا اس سورت کی آیتیں اس سورت سے اور اس کی اس سے ملی جلی۔ ایک ایک ذکر کئی کئی جگہ اور پھر بے اختلاف بعض آیتیں ایک ہی بیان میں بعض میں جو مذکور ہے اس کی ضد کا ذکر بھی انہیں کے ساتھ ہے مثلاً مومنوں کے ذکر کے ساتھ ہی کافروں کا ذکر جنت کے ساتھ ہی دوزخ کا بیان وغیرہ۔ دیکھئے ابرار کے ذکر کے ساتھ ہی فجار کا بیان ہے۔ سجین کے ساتھ ہی علیین کا بیان ہے۔ متقین کے ساتھ ہی طاغین کا بیان ہے۔ ذکر جنت کے ساتھ ہی تذکرہ جہنم ہے۔

قرآن مجید کے اثر سے خوف الٰہی کی کیفیت کا بیان

اللہ کی عظمت سے متاثر ہو کر ڈرنے والوں کا قرآن پڑھ کر خشیت و ہیبت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کے بدن پر بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یعنی تلاوت قرآن کا اثر کبھی عذاب کی وعید سن کر یہ ہوتا ہے کہ بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں اور کبھی رحمت و مغفرت کی آیات سن کر یہ حال ہوتا ہے کہ بدن اور قلب سب اللہ کی یاد میں نرم ہو جاتے ہیں۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر فرماتی ہیں کہ صحابہ کرام کا عام حال یہی تھا کہ جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے اور بدن پر بال کھڑے ہو جاتے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ زمر، بیروت)

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص سورت کہف پڑھ رہا تھا اس کے قریب ہی اس کا گھوڑا دو رسوں سے بندھا تھا کہ اسے ایک ابر کے ٹکڑے نے ڈھان لیا وہ قریب سے قریب ہونے لگا یہاں تک کہ گھوڑے نے اچھل کود شروع کی جب صبح ہوئی تو وہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پورا ماجرا کہہ سنایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سکینہ تھی جو قرآن پڑھے جانے کی وجہ سے اتری تھی۔

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 629)

سکینہ کہتے ہیں خاطر جمعی تسکین قلب اور رحمت کو جس کے سبب دل پاکیزہ اور نورانی ہوتا ہے، نفس کی ظلمت ختم ہو جاتی ہے اور حضور ذوق پیدا ہوتا ہے سکینہ اگرچہ غیر مشاہد چیز ہے مگر کبھی کبھی ابر وغیرہ کی صورت میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝
تو کیا وہ شخص جو قیامت کے دن اپنے چہرے کے ساتھ بدترین عذاب سے بچے گا (وہ جنتی جیسا ہو سکتا ہے؟)
اور ظالموں سے کہا جائے گا چکھو جو تم کمایا کرتے تھے۔

اہل جنت اور اہل دوزخ کے برابر نہ ہونے کا بیان

"اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ" يَلْقَى "بِوَجْهِهٖ سُوْءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" أَيْ أَشَدَّهُ بِأَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ مَغْلُوْلَةً يَدَاهُ إِلَى عُنُقِهِ كَمَنْ أَمِنَ مِنْهُ بِدُخُوْلِ الْجَنَّةِ "وَقِيْلَ لِلظَّالِمِيْنَ" أَيْ كُفَّارِ مَكَّةَ "ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ" أَيْ جَزَاءَهُ،

تو کیا وہ شخص جو قیامت کے دن اپنے چہرے کے ساتھ بدترین عذاب سے بچے گا یعنی کہ اس کے ہاتھوں کو گردن کے ساتھ باندھ جہنم میں ڈال دیا جائے۔ تو وہ اس جنتی جیسا ہو سکتا ہے؟ جو ایمان لے آیا ہے اور اس کی وجہ سے جنت میں داخل ہوگا۔ اور ظالموں یعنی کفار مکہ سے کہا جائے گا چکھو جو تم کمایا کرتے تھے۔ یہ اسی کا بدلہ ہے۔

قیامت کے دن عذاب وثواب والے کا بیان

ایک وہ جسے اس ہنگامہ خیز دن میں امن وامان حاصل ہو اور ایک وہ جسے اپنے منہ پر عذاب کے تھپڑ کھانے پڑتے ہوں برابر ہو سکتے ہیں؟ جیسے فرمایا اوندھے منہ، منہ کے بل چلنے والا اور راست قامت اپنے پیروں سیدھی راہ چلنے والا برابر نہیں۔ ان کفار کو تو قیامت کے دن اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا اور کہا جائے گا کہ آگ کا مزہ چکھو۔ ایک اور آیت میں ہے جہنم میں داخل کیا جانے والا بدنصیب اچھا یا امن وامان سے قیامت کا دن گذارنے والا اچھا؟ یہاں اس آیت کا مطلب یہی ہے لیکن ایک قسم کا ذکر کر کے دوسری قسم کے بیان کو چھوڑ دیا کیونکہ اسی سے وہ بھی سمجھ لیا جاتا ہے یہ بات شعراء کے کلام میں برابر پائی جاتی ہے۔ اگلے لوگوں نے بھی اللہ کی باتوں کو نہ مانا تھا اور رسولوں کو جھوٹا کہا تھا پھر دیکھو کہ ان پر کس طرح ان کی بیخبری میں مار پڑی؟ عذاب اللہ نے انہیں دنیا میں بھی ذلیل وخوار کیا اور آخرت کے سخت عذاب بھی ان کے لئے باقی ہیں۔ پس تمہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ اشرف رسل کے ستانے اور نہ ماننے کی وجہ سے تم پر کہیں ان سے بھی بدتر عذاب برس نہ پڑیں۔ تم اگر ذی علم ہو تو ان کے حالات اور تذکرے تمہاری نصیحت کے لئے کافی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ زمر، بیروت)

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ
الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

ایسے لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے جھٹلایا تھا سو ان پر ایسی جگہ سے عذاب آ پہنچا کہ انہیں کچھ شعور ہی نہ تھا۔
پس اللہ نے انھیں دنیا کی زندگی میں رسوائی چکھائی اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ بڑا ہے۔ کاش! وہ جانتے ہوتے۔

کفار کیلئے وہم وگمان میں بھی نہ آنے والی جگہ سے عذاب آنے کا بیان

"كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلهمْ" رُسُلهمْ فِي إتْيَان الْعَذَاب "فَأَتَاهُمْ الْعَذَاب مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ" مِنْ جِهَة لَا تَخْطِر بِبَالِهِمْ،

"فَأَذَاقَهُمْ اللَّه الْخِزْي" الذُّلّ وَالْهَوَان مِنْ الْمَسْخ وَالْقَتْل وَغَيْره "فِي الْحَيَاة الدُّنْيَا وَلَعَذَاب الْآخِرَة أَكْبَر لَوْ كَانُوا" أَيْ الْمُكَذِّبُونَ "يَعْلَمُونَ" عَذَابهَا مَا كَذَّبُوا،

ایسے لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے رسولوں کو جھٹلایا تھا جنہوں نے ان کو عذاب آنے سے ڈرایا تھا۔ پس ان پر ایسی جگہ سے عذاب آ پہنچا کہ انہیں کچھ شعور ہی نہ تھا۔ یعنی ایسی جگہ سے آیا جہاں کا خیال ان کے دل میں بھی نہ تھا۔ پس اللہ نے انھیں دنیا کی زندگی میں رسوائی چکھائی جو قتل و مسخ وغیرہ ہے۔ اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ بڑا ہے۔ کاش! وہ جھوٹے اس کو جانتے ہوتے۔ تو کبھی اس کو نہ جھٹلاتے۔

وہ اللہ کی آیات یا اس کی وعید کا مذاق اڑانے میں لگے رہے اور پیغمبروں سے یہی کہتے رہے کہ وہ عذاب کب آئے گا جس کی دھمکی دے رہے ہو۔ اسے لے کیوں نہیں آتے۔ وہ اپنے اس شغل میں ہی مگن تھے کہ انہیں اللہ کے عذاب نے آ لیا اور یہ عذاب کوئی ان کے جرائم کی سزا نہیں تھی بلکہ اس طرح انہیں مزید ظلم اور زیادتیوں سے روک دیا گیا اور اصل سزا تو انہیں اس وقت دی جائے گی جب وہ میدان محشر میں پیش کئے جائیں گے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ٥
قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ٥
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کی ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔
قرآن عربی زبان میں ہے۔ جس میں ذرا بھی کجی نہیں ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔

قرآن مجید میں ہر قسم کی مثال کو بیان کرنے کا بیان

"وَلَقَدْ ضَرَبْنَا" جَعَلْنَا "لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآن مِنْ كُلّ مَثَل لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ" يَتَّعِظُونَ "قُرْآنًا عَرَبِيًّا" حَال مُؤَكِّدَة "غَيْر ذِي عِوَج" أَيْ لَبْس وَاخْتِلَاف "لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ" الْكُفْر،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کی ہے، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ یعنی وعظ حاصل کریں۔ قرآن عربی زبان میں ہے۔ یہ حال تاکیدی ہے۔ (جو سب زبانوں سے زیادہ صاف اور بلیغ ہے) جس میں ذرا بھی

کجی یعنی ملاوٹ واختلاف نہیں ہے تاکہ وہ کفر سے اپنے آپ کو بچائیں۔

قرآن مجید کا زبان عربی میں ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " تین اسباب کی بناء پر تمہیں عرب سے محبت رکھنی چاہئے ایک تو اس وجہ سے کہ میں عرب میں سے ہوں (اور ظاہر ہے کہ جو چیز حبیب کی طرف سے منسوب ہوتی ہے اس کو محبوب ہونا چاہئے) دوسرے اس وجہ سے کہ قرآن عربی زبان میں ہے (یعنی قرآن کریم اس زبان مین اترا ہے جو عرب کی زبان ہے اوران کی زبان ولغت ہی کے ذریعہ اس کی فصاحت وبلاغت جانی جاتی ہے) اور تیسرے اس وجہ سے کہ جنتیوں کی زبان عربی ہے۔اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔(مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 605)

اہل جنت کی زبان عربی ہونے کا بیان

جنتیوں کی زبان عربی ہے" سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ دوزخیوں کی زبان عربی نہیں ہوگی، بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عرب اور اہل عرب کو دنیا اور آخرت دونوں جگہ فضیلت و برتری حاصل ہے نیز اس حدیث میں محبت کرنے کے صرف وہ تین اسباب بیان کئے گئے ہیں جو اس بارے میں نہایت اعلی ہیں ورنہ ان کے علاوہ اور بھی اسباب ووجوہ ہیں جن کے بناء پر عرب اور اہل عرب سے محبت کرنا یا محبت ہونا لازمی چیز ہے مثلا یہ کہ اہل عرب ہی نے شارع علیہ السلام سے براہ راست دین وشریعت کا علم حاصل کیا اور پھر اس علم کو ہم تک پہنچایا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، عادات اور معجزات کو منضبط ومحفوظ کیا اور اس سرمایہ کو ہم تک منتقل کیا، عرب اور اہل عرب دراصل اسلام کے مدد گار اور ہماری ملی زندگی کی جوہری توانائی ہیں انہوں نے اسلام کی خاطر دنیا بھر سے لوہا لیا بڑی بڑی طاقتوں سے جنگیں کیں، جان ومال کی قربانیاں دے کر بڑے بڑے علاقے فتح کئے شہر شہر، قریہ قریہ، اسلام پھیلایا، اطراف عالم میں دین کا جھنڈا بلند کیا اور مسلمانوں کو جو عزت، برتری اور شان وشوکت حاصل ہوئی وہ انہی کی جدو جہد اور کوششوں کا نتیجہ ہے ہماری ملی تاریخ کی تمام تر عظمت وسر بلندی انہی کی مرہون منت ہے، اہل عرب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، ان کی نسلی وانسانی خصوصیات اور خوبیوں کے امین ہیں اور نہ صرف یہ کہ ان کی زبان اہل جنت کی زبان ہوگی، بلکہ قبر میں منکر نکیر کا سوال بھی انہی کی زبان میں ہوگا اور انہی اسباب کی بناء پر کہا گیا ہے۔ من اسلم فھو عربی ۔" جو بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوا وہ عربی ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ
هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے ایسے شخص کی جس کی ملکیت میں کئی ایسے لوگ شریک ہوں جو بد اخلاق بھی ہوں
اور باہم جھگڑالو بھی۔اور ایک ایسا شخص ہو جو صرف ایک ہی فرد کا غلام ہو، کیا یہ دونوں حالات کے لحاظ سے

یکساں ہو سکتے ہیں؟ (ہرگز نہیں) ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

مشرک اور موحد کی مثال کا بیان

"ضَرَبَ اللّٰهُ" لِلْمُشْرِكِ وَالْمُوَحِّد "مَثَلًا رَجُلًا" بَدَل مِنْ مَثَلًا "فِيهِ شُرَكَاء مُتَشَاكِسُونَ" مُتَنَازِعُونَ سَيِّئَة أَخْلَاقهمْ "وَرَجُلًا سَلَمًا" خَالِصًا "لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا" تَمْيِيز : أَيْ لَا يَسْتَوِي الْعَبْد لِجَمَاعَةٍ وَالْعَبْد لِوَاحِدٍ فَإِنَّ الْأَوَّل إِذَا طَلَبَ مِنْهُ كُلّ مِنْ مَالِكِيهِ خِدْمَته فِي وَقْت وَاحِد تَحَيَّرَ فِيمَنْ يَخْدُمهُ مِنْهُمْ وَهَذَا مَثَل لِلْمُشْرِكِ وَالثَّانِي مَثَل لِلْمُوَحِّدِ "الْحَمْد لِلّٰهِ" وَحْده "بَلْ أَكْثَرهمْ" أَيْ أَهْل مَكَّة "لَا يَعْلَمُونَ" مَا يَصِيرُونَ إِلَيْهِ مِنْ الْعَذَاب فَيُشْرِكُونَ،

اللہ نے مشرک اور موحد کی ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ یہاں پر رجلا یہ مثلا سے بدل ہے۔ ایسے غلام شخص کی جس کی ملکیت میں کئی ایسے لوگ شریک ہوں جو بداخلاق بھی ہوں اور باہم جھگڑالو بھی۔ اور دوسری طرف ایک ایسا شخص ہو جو صرف ایک ہی فرد کا غلام ہو، کیا یہ دونوں اپنے حالات کے لحاظ سے یکساں ہو سکتے ہیں؟ (ہرگز نہیں)۔ یہاں مثلا تمیز ہے یعنی ایک شخص کا غلام اور ایک جماعت کا غلام یہ آپس میں برابر نہیں ہیں۔ پہلی مثال والا اس لئے کیونکہ جب سارے مالک ایک ہی وقت میں غلام سے خدمت طلب کریں گے تو وہ غلام حیران ہو جائے گا کہ کسی کی خدمت کرے۔ یہ مثال مشرک کی ہے۔ اور دوسری مثال موحد کی ہے۔ ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جو وحدہ ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ یعنی اہل مکہ میں نہیں جانتے۔ یعنی وہ اس عذاب کو جانتے ہی نہیں جس کی طرف وہ جا رہے ہیں۔

ایک غلام کے کئی آقا ہونے سے مثال سمجھانے کا بیان

ایک جماعت کا غلام نہایت پریشان ہوتا ہے کہ ہر ایک آقا اسے اپنی طرف کھینچتا ہے اور اپنے اپنے کام بتاتا ہے وہ حیران ہے کہ کس کا حکم بجالائے اور کس طرح تمام آقاؤں کو راضی کرے اور خود اس غلام کو جب کوئی حاجت وضرورت پیش ہو تو کس آقا سے کہے بخلاف اس غلام کے جس کا ایک ہی آقا ہو وہ اس کی خدمت کر کے اسے راضی کر سکتا ہے اور جب کوئی حاجت پیش آئے تو اسی سے عرض کر سکتا ہے اس کو کوئی پریشانی پیش نہیں آتی یہ حال مومن کا ہے جو ایک مالک کا بندہ ہے اسی کی عبادت کرتا ہے اور مشرک جماعت کے غلام کی طرح ہے کہ اس نے بہت سے معبود قرار دے دیئے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ زمر، لاہور)

اس کے بعد جناب باری عزاسمہ موحد اور مشرک کی مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک تو وہ غلام جس کے مالک بہت سارے ہوں اور وہ بھی آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہوں اور دوسرا وہ غلام جو خالص صرف ایک ہی شخص کی ملکیت کا ہو اس کے سوا اس پر دوسرے کسی کا کوئی اختیار نہ ہو۔ کیا یہ دونوں تمہارے نزدیک یکساں ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح موحد جو صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ہی عبادت کرتا ہے۔ اور مشرک جس نے اپنے معبود بہت سے بنا رکھے ہیں۔ ان دونوں میں بھی کوئی نسبت نہیں۔ کہاں یہ مخلص موحد؟ کہاں یہ دربدر بھٹکنے والا مشرک؟

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ○

(اے حبیب مکرّم ﷺ) بیشک آپ کو موت (صرف ذائقہ چکھنے کے لئے) آنی ہے اور وہ یقیناً (دائمی ہلاکت کے لئے) مردہ ہو جائیں گے (پھر دونوں موتوں کا فرق دیکھنے والا ہوگا)۔

انبیائے کرام کے وصال اور دوسروں کی موت میں فرق ہونے کا بیان

"إِنَّكَ" خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ" سَتَمُوتُ وَيَمُوتُونَ فَلَا شَمَاتَةَ بِالْمَوْتِ نَزَلَتْ لَمَّا اسْتَبْطَئُوا مَوْته صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

یہاں پر نبی کریم ﷺ سے خطاب ہے کہ اے حبیب مکرّم ﷺ، بیشک آپ کو تو موت صرف ذائقہ چکھنے کے لئے آنی ہے اور وہ یقیناً دائمی ہلاکت کے لئے مردہ ہو جائیں گے۔ (پھر دونوں موتوں کا فرق دیکھنے والا ہوگا)۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار آپ ﷺ کے وصال کا انتظار کرنے تو فرمایا کہ کسی کے وصال پر خوش ہونے والی کوئی بات نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کے وصال اور دوسروں کی موت میں کوئی مماثلت نہ ہونے کا بیان

جس طرح آیت:29 میں دی گئی مثال کے مطابق دو افراد کے اَحوال قطعاً برابر نہیں ہوں گے اسی طرح ارشاد فرمایا گیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور دوسروں کی موت بھی ہرگز برابر یا مماثل نہیں ہوں گی۔ دونوں کی ماہیت اور حالت میں عظیم فرق ہوگا۔ یہ مثال اسی مقصد کے لئے بیان کی گئی تھی کہ شانِ نبوّت کے باب میں ہمسری اور برابری کا گمان کلیتہً ردّ ہو جائے۔ جیسے ایک مالک کا غلام صحیح اور سالم رہا اور بہت سے بدخو مالکوں کا غلام تباہ حال ہوا اسی طرح اے حبیبِ مکرّم! آپ تو ایک ہی مالک کے برگزیدہ بندے اور محبوب و مقرب رسول ہیں سو وہ آپ کو ہر حال میں سلامت رکھے گا اور یہ کفار بہت سے بتوں اور شریکوں کی غلامی میں ہیں سو وہ انہیں بھی اپنی طرح دائمی ہلاکت کا شکار کر دیں گے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام صحیح وسلامت رہتے ہیں

عن شداد بن اوس قال قال رسول الله ﷺ ان من افضل ایامکم یوم الجمعة،فيه خلق اٰدم و فیه النفخة وفيه الصعقة فاكثروا علی من الصلوٰة فيه فان صلوٰتكم معروضة علی فقال رجل یا رسول الله ﷺ كيف تعرض صلوٰتنا علیك وقد ارمت يعني بليتفقال ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء (سنن ابن ماجہ، ج۱ص۷۶، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ ہے اسی دن آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا گیا اسی دن میں ان کی روح قبض کی گئی اس دن صور پھونکا جائے گا اسی دن لوگ بے ہوش ہوں گے، لہٰذا تم اس دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو۔ کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ

آپ کا جسم (اقدس تو قبر میں) بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔ پھر ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا: بے شک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔ جبکہ صاحب مشکوٰۃ کی روایت کے مطابق یہ ہے "فنبی اللہ حی یرزق" پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اسے رزق دیا جاتا ہے۔

انہیں مردہ نہ کہا جائے

قرآن کے فیصلے کے مطابق جب شہداء کو مردہ کہنے سے منع کیا گیا تو پھر انبیاء کرام علیہم السلام کو مردہ کہنا اس سے بھی زیادہ سخت منع ہے کیونکہ شہداء کو جن کے صدقے یہ مقام شہادت حاصل ہوا ہے۔ انہیں کیسے مردہ کہنا جائز ہو سکتا ہے۔

بعد از وصال قبر انور سے اذان کی آواز آنے کا بیان

عن سعید بن عبدالعزیز قال لما کان ایام الحرة لم یوذن فی مسجد النبی ﷺ ثلاثا ولم یقم ولم یبرح سعید بن مسیب من المسجد وکان لایعرف وقت الصلوٰة الا بھمھمة یسمعھا من قبر النبی ﷺ (سنن دارمی ج ۱، ص ۴۴، نشر السنہ ملتان)

سعید بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ ایام حرہ میں تین دن مسجد نبوی ﷺ میں نہ اذان دی گئی اور نہ اقامت کہی گئی، حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ ان دنوں مسجد سے نہیں نکلے انہیں نماز کے وقت کا علم اس پست آواز سے ہوتا تھا جس کو وہ نبی کریم ﷺ کی قبر انور سے سنتے تھے۔

بارگاہ نبوت ﷺ میں اعمال کا پیش ہونے کا بیان

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ حیاتی خیر لکم منزل علی الوحی عن السماء فاخبرکم بما یحل لکم وما یحرم علیکم وموتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم کل خمس فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من ذنب استوھب اللہ ذنوبکم۔

(الوفاء باحوال المصطفیٰ ص ۸۱۰، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری زندگی بھی تمہارے لئے خیر ہے کیونکہ مجھ پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے اور میں تم کو حلال وحرام کی خبر دیتا ہوں۔ اور میری وفات میں بھی تمہارے لئے خیر ہے کیونکہ ہر جمعرات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں نیک اعمال پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور جو تمہارے گناہ ہوتے ہیں ان کیلئے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی التجاء کرتا ہوں۔

نبی (علیہ السلام) کا قبر میں نماز پڑھنے کا بیان

عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ قال مررت علی موسی لیلة اسری بی عند الکثیب الاحمر

و هو قائم يصلى فى قبره ۔ (صحیح مسلم، ج ۲،ص ۲۶۸، نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس رات مجھے معراج کرائی گئی، میں کثیب احمر کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، تو وہ کھڑے ہو کر اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی قبر سے سلام کا جواب ملنے کا بیان

عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال مامن احد يسلم على الا رد الله على روحى حتى ارد عليه السلام ۔ (سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۷۹، مجتبائی لاہور پاکستان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بھی مجھ سلام بھیجتا ہے تو وہ اس حال میں سلام بھیجتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری روح میری طرف لوٹائی ہوئی ہوتی ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

دنیاوی کھانے، پینے سے بے نیاز، زندگی کا بیان

عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما ان النبى ﷺ نهى عن الوصال قالوا انك تواصل قال انى لست كهيئتكم انى اطعم واسقى ۔ (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۵۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے وصال (بغیر افطار کے روزے پر روزہ رکھنا) سے منع فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ آپ تو وصال کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں تمہاری مثل نہیں ہوں، مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

دنیا میں ہر انسان بلکہ ہر ذی روح کی زندگی کھانے پینے کی محتاج ہے لیکن حیات مصطفےٰ ﷺ کا کیا اونچا مقام ہے کہ دنیا کی تمام غذائیں آپ کی محتاج ہیں جبکہ آپ ان کے محتاج نہیں۔ دیکھیے ہماری زندگی اشیاء خورد و نوش کی محتاج اور ان کی زندگی کی محتاج خود اشیاء خورد و نوش ہیں۔

ہوا سے بے نیاز، زندگی کا بیان

ہر انسان کی زندگی کے لوازمات میں سے اگر آپ دیکھیں تو آپ کہیں گے کہ دنیا کا کوئی انسان بلکہ کوئی ذی روح چیز ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی جبکہ نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی ہوا کی بھی محتاج نہیں ہے۔ جدید سائنسی تحقیق کے مطابق زمین سے آسمان کی طرف صرف دو سو میل کے فاصلے تک ہوا ہے اس کے بعد ہوا نہیں ہے۔ جب آپ ﷺ نے شب معراج کو سیر فرمائی تو آپ نے وہ تمام مقامات دیکھے جہاں کسی قسم کی آکسیجن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی مبارک زندگی ہوا سے بھی بے نیاز ہے۔

دل سے بے پرواہ زندگی کا بیان

امام طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے

فـا قبـل الـى يـمشيـان حتـى اخـذ كل واحد منهما بعضدى لااجد لاخذهما مسا فقال احدهما لصاحبه اضجعه فاضجعانى بلا قصر ولاهصر، فقال احدهما لصاحبه افلق صدره فهوى احدهما الى صدرى ففلقها فيما ارى بلادم ولا وجع ۔ (مجمع الزوائد، ج۸،ص۲۲۳،بیروت)

آپ ﷺ نے فرمایا: دو شخص میرے پاس آئے، ان میں سے ہر ایک نے مجھے بازو سے پکڑ لیا۔ مجھے ان کے پکڑنے سے کوئی درد نہیں ہوا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ان کو لٹاؤ، انہوں نے مجھے جھکائے بغیر لٹا دیا۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا ان کا سینہ چاک کرو، پھر ان میں سے ایک نے میرا سینہ چاک کیا۔ میں یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ میرا خون نکلا اور نہ ہی مجھے کوئی درد ہوا

اس روایت اور اسی مضمون کی متعدد روایات سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا قلب مبارک سینہ چاک کر کے نکالا، اور اس کے باوجود آپ ﷺ کی حیات باقی رہی کیونکہ وہ ان تمام چیزوں کی محتاج نہیں۔

زمان ومکاں سے بے پرواہ زندگی کا بیان

ہر چیز اپنے وجود میں اور ہر ذی روح چیز اپنی حیات میں زمان ومکاں، ہوا، کھانے پینے کی محتاج ہوتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ شب معراج وہاں پر تشریف لے گئے جہاں نہ کوئی زماں تھا اور نہ ہی مکاں تھا یعنی آپ ﷺ جب لامکاں پر جلوہ فرما ہوئے تو تب بھی آپ ﷺ تو باحیات تھے حالانکہ وہاں بشری حیات کے بنیادی لوازمات بالکل ناپید تھے۔ ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ بشری زندگی جن تمام بنیادی لوازمات کی محتاج ہوتی ہے۔ آپ ﷺ ان کے محتاج نہیں ہیں۔

آپ ﷺ کا کائنات کو ملاحظہ فرمانے کا بیان

عن عمر قال قال رسول الله ﷺ ان الله عزوجل قد رفع لی الدنيا فانا انظر اليها والى ماهو كـائن فيها الى يوم القيمة كانما انظر الى كفى هذه جليان جلاه الله لنبيه ﷺ كما جلاه لنبيين من قبله ۔رواه الطبرانی ۔ (مجمع الزوائد، ج۸، ص۲۸۷، بیروت)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے تمام دنیا کو میرے لئے مرتفع کر دیا ہے میں دنیا کی طرف اور جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے اس کی طرف اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے میں اپنی اس ہتھیلی کی طرف دیکھ رہا ہوں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کیلئے اس کو اس طرح منکشف کر دیا ہے جس طرح آپ سے پہلے نبیوں کیلئے منکشف کر دیا تھا۔

بعد از وصال زیارت کی حالت کا بیان

عـن ابـى هريرة قال سمعت رسول الله ﷺ يقـول من رانى فى المنام فسيرانى فى اليقظة ولا يمثل الشيطان بى ۔ (صحیح بخاری، ج۲، ص۱۰۳۵، نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جس نے مجھے نیند میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا اور شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔

اسی طرح قرآن وسنت کے کثیر دلائل کے بعد یہ عقیدہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی امت کیلئے جس طرح قبل از ظاہری وصال موجب خیر و برکت تھے۔ اب بھی اپنے حال وشان کے مطابق اپنی امت کیلئے خیر و برکت کے موجب ہیں۔ اور جہاں تک آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا موضوع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ اصل الموجودات ہیں اور کائنات کی ہر مخلوق کا وجود اور زندگی فیض محمدی ﷺ کی وجہ سے قائم ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ۝
پھر بلاشبہ تم لوگ قیامت کے دن اپنے رب کے حضور باہم جھگڑا کرو گے۔

قیامت کے دن باہمی حقوق سے متعلق جھگڑا کرتے ہوئے آنے کا بیان

"ثُمَّ اِنَّكُمْ" اَيُّهَا النَّاس فِيمَا بَيْنَكُمْ مِنَ الْمَظَالِم

پھر بلاشبہ تم لوگ قیامت کے دن اپنے رب کے حضور باہم حقوق کے بارے میں جھگڑا کرو گے۔

(ایک گروہ دوسرے کو کہے گا کہ ہمیں مقامِ نبوت اور شانِ رسالت کو سمجھنے سے تم نے روکا تھا، وہ کہیں گے: نہیں تم خود ہی بد بخت اور گمراہ تھے)

وہاں اللہ تعالیٰ مشرکوں اور موحدوں میں صاف فیصلہ کر دے گا اور حق ظاہر ہو جائے گا۔ اس سے اچھے فیصلے والا اور اس سے زیادہ علم والا کون ہے؟ ایمان اخلاص اور توحید وسنت والے نجات پائیں گے۔ شرک و کفر انکار و تکذیب والے سخت سزائیں اٹھائیں گے۔ اسی طرح جن دو شخصوں میں جو جھگڑا اور اختلاف دنیا میں تھا روز قیامت وہ اللہ عادل کے سامنے پیش ہو کر فیصل ہوگا اس آیت کے نازل ہونے پر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ قیامت کے دن پھر سے جھگڑے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں یقیناً تو حضرت عبداللہ نے کہا پھر تو سخت مشکل ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ زمر، بیروت)

قیامت کے دن کے جھگڑوں سے متعلق احادیث وآثار کا بیان

مسند احمد کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آیت (ثُمَّ لَتُسْـئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ، التکاثر:8)۔ یعنی پھر اس دن تم سے اللہ کی نعمتوں کا سوال کیا جائے گا، کے نازل ہونے پر آپ ہی نے سوال کیا کہ وہ کون سی نعمتیں ہیں جن کی بابت ہم سے حساب لیا جائے گا؟ ہم تو کھجوریں کھا کر اور پانی پی کر گذارہ کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب نہیں ہیں تو عنقریب بہت سی نعمتیں ہو جائیں گی۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن بتاتے ہیں۔

مسند کی اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت (اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ،

الزمر:30) کے نازل ہونے پر پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جو جھگڑے ہمارے دنیا میں تھے وہ دوبارہ وہاں قیامت میں دوہرائے جائیں گے؟ ساتھ ہی گناہوں کی بھی پرستش ہوگی۔ آپ نے فرمایا ہاں وہ ضرور دوہرائے جائیں گے۔ اور ہر شخص کو اس کا حق پورا پورا دلوایا جائے گا تو آپ نے کہا پھر تو سخت مشکل کام ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے پہلے پڑوسیوں کے آپس میں جھگڑے پیش ہوں گے اور حدیث میں ہے اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سب جھگڑوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ یہاں تک کہ دو بکریاں جو لڑی ہوں گی اور ایک نے دوسری کو سینگ مارے ہوں گے ان کا بدلہ بھی دلوایا جائے گا۔ (مسند احمد)

مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے کہ دو بکریوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیوں لڑ رہی ہیں؟ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کیا خبر؟ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور وہ قیامت کے دن ان میں بھی انصاف کرے گا۔

بزار میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ظالم اور خائن بادشاہ سے اس کی رعیت قیامت کے دن جھگڑا کرے گا۔

بزار میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ظالم اور خائن بادشاہ سے اس کی رعایت قیامت کے دن جھگڑا کرے گی اور اس پر وہ غالب آ جائے گی اور اللہ کا فرمان ضرور ہوگا کہ جاؤ اسے جہنم کا ایک رکن بنا دو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ہر سچا جھوٹے سے، ہر مظلوم ظالم سے، ہر ہدایت والا گمراہی والے سے، ہر کمزور زور آور سے اس روز جھگڑے گا۔

ابن منذر اپنی کتاب مظلوم ظالم سے، ہر ہدایت والا گمراہی والے سے، ہر کمزور زور آور سے اس روز جھگڑے گا۔ ابن مندہ رحمتہ اللہ اپنی کتاب الروح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت لاتے ہیں کہ لوگ قیامت کے دن جھگڑیں گے یہاں تک کہ روح اور جسم کے درمیان بھی جھگڑا ہوگا۔ روح تو جسم کو الزام دے گی کہ تو نے یہ سب برائیاں کیں اور جسم روح سے کہے گا ساری چاہت اور شرارت تیری ہی تھی۔ ایک فرشتہ ان میں فیصلہ کرے گا کہے گا سنو ایک آنکھوں والا انسان ہے لیکن اپاہج بالکل لولا لنگڑا چلنے پھرنے سے معذور ہے۔ دوسرا آدمی اندھا ہے لیکن اس کے پیر سلامت ہیں چلتا پھرتا ہے دونوں ایک باغ میں ہیں۔ لنگڑا اندھے سے کہتا ہے بھائی یہ باغ تو میووں اور پھلوں سے لدا ہوا ہے لیکن میرے تو پاؤں نہیں جو میں جا کر یہ پھل توڑ لوں۔ اندھا کہتا ہے آ میرے پاؤں ہیں تجھے اپنی پیٹھ پر چڑھا لیتا ہوں اور لے چلتا ہوں۔ چنانچہ یہ دونوں اس طرح پہنچے اور جی کھول کر پھل توڑے بتاؤ ان دونوں میں مجرم کون ہے؟ جسم و روح دونوں جواب دیتے ہیں کہ جرم دونوں کا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے بس اب تو تم نے اپنا فیصلہ آپ کر دیا۔ یعنی جسم گویا سواری ہے اور روح اس پر سوار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ زمر، بیروت)

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے پر ہم تعجب میں تھے کہ ہم میں اور اہل کتاب میں تو جھگڑا ہے ہی نہیں پھر آخر روز قیامت میں کس سے جھگڑے ہوں گے؟ اس کے بعد جب آپس کے فتنے

شروع ہو گئے تو ہم نے سمجھ لیا کہ یہی آپس کے جھگڑے ہیں جو اللہ کے ہاں پیش ہوں گے۔

ابو العالیہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اہل قبلہ غیر اہل قبلہ سے جھگڑیں گے اور ابن زید رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مراد اہل اسلام اور اہل کفر کا جھگڑا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ زمر، بیروت)

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ
اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ○
پس اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور سچ کو جھٹلائے جبکہ وہ اس کے پاس آ چکا ہو،
کیا کافروں کا ٹھکانا دوزخ میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے ظالم کا بیان

"فَمَنْ" أَيْ لَا أَحَد "أَظْلَم مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰه" بِنِسْبَةِ الشَّرِيك وَالْوَلَد إِلَيْهِ "وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ" بِالْقُرْآن "إِذْ جَاءَهُ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّم مَثْوًى" مَأْوًى "لِلْكَافِرِينَ" بَلَى

پس اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یعنی اس کی جانب شریک اور اولاد کی نسبت کرے۔ اور سچ یعنی قرآن کو جھٹلائے جبکہ وہ اس کے پاس آ چکا ہو، کیا کافروں کا ٹھکانا دوزخ میں نہیں ہے۔ کیوں نہیں، ہاں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم (انسان مجھ کو جھٹلاتا ہے اور یہ بات اس کے شایان نہیں اور میرے بارے میں بدگوئی کرتا ہے حالانکہ یہ اس کے مناسب نہیں ہے، اس کا مجھ کو جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اللہ نے مجھ کو (اس دنیا میں) پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اسی طرح وہ (آخرت میں) مجھ کو دوبارہ ہرگز پیدا نہیں کر سکتا حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں مشکل نہیں ہے۔ اور اس کا میرے بارے میں بدگوئی کرنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے، اللہ نے اپنا بیٹا بنایا ہے حالانکہ میں تنہا اور بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ مجھ کو کسی نے جنا اور نہ کوئی میرا برابری کرنے والا ہے اور عبداللہ ابن عباس کی روایت میں اس طرح ہے۔ اور اس (انسان) کا مجھے برا بھلا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کا بیٹا ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو بیوی یا بیٹا بناؤں۔ (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 19)

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○
لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ○
اور جو شخص سچ لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ ہی تو متقی ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس
وہ کچھ ہے جو وہ چاہیں گے، یہی نیکی کرنے والوں کی جزا ہے۔

حق کولانے والے اور تصدیق کرنے والوں کی شان کا بیان

"وَالَّذِی جَاءَ بِالصِّدْقِ" هُوَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَصَدَّقَ بِهِ" هُمُ الْمُؤْمِنُونَ فَالَّذِی بِمَعْنَى الَّذِينَ "أُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ" الشِّرْكَ "لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ" لِأَنْفُسِهِمْ بِإِيمَانِهِمْ،

اور جو شخص سچ لے کر آیا جو نبی کریم ﷺ ہیں۔ اور جس نے اس کی تصدیق کی۔ وہ اہل ایمان ہیں اور یہاں پر الذی بہ معنی الذین ہے۔ وہی لوگ ہی تو متقی ہیں۔ یعنی شرک سے بچنے والے ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس وہ کچھ ہے جو وہ چاہیں گے، یہی نیکی کرنے والوں کی جزا ہے۔ یہ ان کے ایمان کی وجہ سے ہوگا۔

بعض اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد لیتے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے۔ بعض نے اسے بھی عام رکھا ہے، جس میں سب مومن شامل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کو سچا مانتے ہیں۔

مومنوں کی نیک خو اور ان کی جزا کا ذکر فرماتا ہے کہ جو سچائی کو لایا اور اسے سچا مانا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اور ہر وہ شخص جو کلمہ توحید کا اقراری ہو۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی ماننے والی ان کی مسلمان امت۔ یہ قیامت کے دن یہی کہیں گے کہ جو تم نے ہمیں دیا اور جو فرمایا ہم اسی پر عمل کرتے رہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس آیت میں داخل ہیں۔ آپ بھی سچائی کے لانے والے، اگلے رسولوں کی تصدیق کرنے والے اور آپ پر جو کچھ نازل ہوا تھا اسے ماننے والے تھے اور ساتھ ہی یہی وصف تمام ایمان داروں کا تھا کہ وہ اللہ پر فرشتوں پر کتابوں پر اور رسولوں پر ایمان رکھنے والے تھے۔

ربیع بن انس کی قرأت میں (وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ، الزمر:33) ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں سچائی کو لانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اسے سچ ماننے والے مسلمان ہیں یہی متقی پرہیزگار اور پارسا ہیں۔ جو اللہ سے ڈرتے رہے اور شرک کفر سے بچتے رہے۔ ان کے لئے جنت میں جو وہ چاہیں سب کچھ ہے۔ جب طلب کریں گے پائیں گے۔

اعلان نبوت سے پہلے نبوت کی تصدیق والوں کے ایمان کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ ابن نوفل کے بارے میں پوچھا گیا (کہ وہ مؤمن تھے یا نہیں؟) اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا کہ وہ ورقہ بن نوفل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ظاہر ہونے سے پہلے مر گئے تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو خواب میں ورقہ بن نوفل کو اس حالت میں دکھلایا گیا ہے کہ اس پر سفید کپڑے تھے اور وہ دوزخی ہوتے تو ان کے جسم پر اور طرح کے کپڑے ہوتے۔ (الترمذی، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 555)

ورقہ ابن نوفل ابن اسد ابن عبد العزی۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچازاد بھائی تھے انہوں نے زمانہ جاہلیت میں عیسائی مذہب کی تعلیم حاصل کر کے اس میں کافی ورک پیدا کیا تھا اور انجیل کو عربی زبان میں منتقل کیا تھا ان کے بارے میں ثابت ہے کہ بت پرستی سے سخت بیزار تھے اور اپنے طریقے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے، کافی معمر تھے اور عمر کے آخری حصے میں بنیائی سے بالکل محروم ہو گئے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔ اور پہلے پہل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ان کے پاس گئیں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کا تذکرہ آسمانی کتب میں کیا گیا ہے یہ واقعہ بہت مشہور ہے اور سیرت و تاریخ کی ہر کتاب میں موجود ہے۔

مشہور کتاب اسد الغابہ کے مصنف نے ورقہ ابن نوفل کا تذکرہ صحابہ کے زمرے میں کیا ہے اور ان کے اسلام کے بارے میں علماء کے جو اختلافی اقوال ہیں ان کو ذکر کرتے ہوئے مذکورہ بالا حدیث کو بعینہ نقل کیا ہے! حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیات میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہیں تھیں اس لئے انہوں نے اس روایت کو صحابہ سے بطریق سماع نقل کیا ہوگا۔ "اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا الخ" یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ ابن نوفل کے بارے میں سوال کیا گیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب دینے سے پہلے اپنے چچازاد بھائی کی حالت کو بیان کیا لیکن اسلوب کلام ایسا اختیار کیا کہ ورقہ ابن نوفل کی حقیقت بھی واضح ہو جائے اور مرتبہ نبوت کا ادب بھی ملحوظ رہے۔

چنانچہ انہوں نے کہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے تھے یعنی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہوئے کہا تھا کہ جس فرشتہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے وہ اللہ کی طرف سے انبیاء کے پاس وحی لانے والا ہی فرشتہ ہے جو آپ پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی نازل ہوتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغمبر ہیں اور اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور و غلبہ کے وقت زندہ رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کروں گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طاقت پہنچاؤں گا۔ گویا ایک طرف تو اس بات سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے ایمان کو ثابت کرنا چاہا اور دوسری طرف انہوں نے یہ بھی کہا کہ لیکن وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ظاہر ہونے سے پہلے مر گئے تھے اس سے انہوں نے ان کے ایمان کے بارے میں شک کو بھی ظاہر کر دیا۔

اور پھر اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ ارشاد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا کہ وہ مؤمن تھے لہٰذا یہ حدیث ورقہ ابن نوفل کے ایمان پر دلالت کرتی ہے اور ظاہر بھی ہے کہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تو پھر ان کے ایمان کے سلسلہ میں اختلاف کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر ان کا

تصدیق کرنا نبوت سے پہلے ہوتا تو بے شک اختلاف کی گنجائش تھی۔

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝
تا کہ اللہ ان کی خطاؤں کو جو انہوں نے کیں ان سے دور کر دے اور انہیں ان کا ثواب ان نیکیوں کے بدلہ میں
عطا فرمائے جو وہ کیا کرتے تھے۔

نیک لوگوں کی خطاؤں کے معاف ہو جانے کا بیان

"لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِى عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِى كَانُوا يَعْمَلُونَ" أَسْوَأ وَأَحْسَن بِمَعْنَى السَّيِّءِ وَالْحَسَن

تا کہ اللہ ان کی خطاؤں کو جو انہوں نے کیں ان سے دور کر دے اور انہیں ان کا ثواب ان نیکیوں کے بدلہ میں عطا فرمائے جو وہ کیا کرتے تھے۔ یہاں پر لفظ اسواء اور احسن یہ بہ معنی السئی اور الحسن ہیں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لیکفر اللہ ۔ لام تعلیل کا ہے۔ یکفر مضارع منصوب (بوجہ عمل لام تعلیل) واحد مذکر غائب۔ کفر یکفر تکفیر (تفعیل) مصدر سے۔ تا کہ وہ دور کر دے۔ الکفر کے اصل معنی کسی چیز کو چھپانے کے ہیں۔ اور رات کو کافر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ تمام چیزوں کا چھپا لیتی ہے۔ لسان العرب میں ہے اصل الکفر تغطية الشی تغطية تستهلكه یعنی کفر کا اصل معنی یہ ہے کہ کسی چیز کو اس طرح ڈھانپ دینا کہ اس چیز کا نام ونشان بھی دکھائی نہ دے۔ اسے سے کفر بمعنی انکار وحدانیت یا شریعت حقہ یا نبوت یا انکار نعمت ہے۔

اسوا۔ سب سے بڑا۔ سوء سے جس کے معنی برا ہونے کے ہیں۔ افعل التفضیل کا صیغہ ہے یہاں کسی دوسرے گناہ کے مقابلہ میں زیادہ برا ظاہر کرنا مراد نہیں ہے بلکہ فی نفسہ عمل کا برا ہونا مراد ہے تفضیل اضافی مراد نہیں بلکہ تفضیل ذاتی مراد ہے۔

احسن۔ بہت اچھا۔ سب سے اچھا۔ افعل التفضیل کا صیغہ۔ یہاں بھی اسوا کی طرف اضافی فضیلت مراد نہیں۔ بلکہ فضیلت ذاتی مراد ہے۔ یعنی اللہ ان کے اچھے اعمال کا (خواہ وہ سب سے اچھے نہ ہوں) بدلہ اتنا عطا فرمائے گا جو سب سے بہتر عمل کا مقرر ہے۔

گناہوں کا کفارہ کے سبب مٹ جانے کا بیان

حضرت عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ میں (جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی روشنی سے میرے قلب ودماغ کو منور کیا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا "یا رسول اللہ! لائیے اپنا ہاتھ آگے بڑھائیے میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اسلام کی بیعت کرتا ہوں، آپ نے (یہ سن کر) اپنا ہاتھ (جب) بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حیرت سے) فرمایا عمرو یہ کیا؟ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں کچھ شرط لگانی چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا (میں چاہتا ہوں) کہ میرے (ان) تمام گناہوں کو مٹا دیا جائے (جو میں نے اسلام سے پہلے کئے تھے) آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام ان تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو قبول اسلام سے پہلے کئے گئے ہوں، ہجرت ان تمام گناہوں کو دور کر دیتی ہے جو اس (ہجرت) سے پہلے کئے گئے ہوں اور حج ان تمام گناہوں کو مٹا دیا جائے جو اس حج سے پہلے کئے گئے ہوں۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 26)

ایک شخص اگر اپنی زندگی کا ایک اچھا خاصہ کفر و شرک میں گزار کر بعد میں اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوتا ہے، تو کیا اس کے زمانہ اسلام سے پہل کے اعمال پر مواخذہ ہوگا؟ یعنی کفر و شرک اور گناہ و معصیت جو اس سے پہلے صادر ہوتے رہے ہیں ان پر عذاب ہوگا یا نہیں؟ اس حدیث نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ اسلام کی روشنی پہلی تمام تاریکی کو خواہ وہ کفر و شرک کا اندھیرا ہو یا گناہ و معصیت کی ظلمت، آن واحد میں ختم کر ڈالتی ہے اور صرف ایک کلمہ کی بدولت جو خلوص دل سے نکلا ہو، انسان کا قلب و دماغ بالکل مجلی ہو جاتا ہے، نہ وہاں شرک کی ظلمتوں کا کوئی نشان رہ جاتا ہے اور نہ گناہ معصیت پر عذاب کا کوئی خدشہ، لیکن اتنی بات جان لینی چاہیے کہ بخشش اور مغفرت کا تعلق ذنوب اور گناہوں سے ہے، ان حقوق کے ساتھ نہیں ہے جو قرض، امانت، عاریت اور خرید و فروخت کے سلسلے میں اس کے ذمہ ابھی باقی ہیں کیونکہ اسلام ان مطالبات کی ادائیگی کو معطل نہیں کرتا جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے بلکہ اسلام لانے کے بعد بھی اس پر لازم رہے گا کہ وہ ان مطالبات کی ادائیگی کرے جو اس پر اسلام لانے سے پہلے واجب تھے، البتہ اس حدیث تحت ایسے حقوق العباد آسکتے ہیں جو زنا، چوری اور قتل و غارت گری کی صورت میں زمانہ اسلام سے قبل ناحق ضائع کر دیئے گئے تھے، اسلام کے بعد ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

اسلام کی دولت سے مستفیض ہونے کے بعد بھی چونکہ ایک مسلمان سے بتقاضائے بشریت گناہ سرزد ہو سکتے ہیں اس لئے ان کے کفارہ کے لئے اس حدیث نے حج اور ہجرت دو ایسے عمل بتا دیئے کہ اگر یہ دونوں کام اپنی تمام شرائط کے ساتھ پورے کئے جائیں تو یہ حقوق اللہ کے لئے کفارہ بن جائیں گے بلکہ حج کے بارے میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے یہ حقوق العباد کے لئے بھی کفارہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنے خزانہ قدرت سے صاحب حقوق کو اس کے حقوق دے کر اس بندہ کو ان حقوق سے دستبرداری دلا دے اور اسے معاف کر دے۔ (ترجمان السنۃ)

نماز کا گناہوں کا کفارہ بن جانے کا بیان

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جو مسلمان فرض نماز کا وقت آنے پر اچھی طرح وضو کرے اور نماز میں خشوع و خضوع کرے تو (اس کی یہ نماز) ان گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے جو اس نے نماز سے پہلے کئے تھے، بشرطیکہ وہ گناہ کبیرہ نہ ہوں اور ایسا ہمیشہ ہوتا رہتا ہے (یعنی وہ نماز جو گناہوں کا کفارہ ہے کسی زمانہ میں مخصوص نہیں ہے بیہ فضیلت ہر زمانہ میں قائم رہتی ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 272)

یہی بدلہ ہے ان پاک باز لوگوں کا، رب ان کی برائیاں تو معاف فرما دیتا ہے۔ اور نیکیاں قبول کر لیتا ہے۔ جیسے دوسری آیت

میں (اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ، الاحقاف:16) یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی نیکیاں ہم قبول کر لیتے ہیں اور برائیوں سے درگزر فرمالیتے ہیں یہ جنتوں میں رہیں گے۔ انہیں بالکل سچا اور صحیح صحیح وعدہ دیا جاتا ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَ يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ
مِنْ هَادٍ ۝ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ۝
کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں ہے؟ اور یہ آپ کو اللہ کے سوا ان بتوں سے ڈراتے ہیں، اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دے تو اسے کوئی ہدایت
دینے والا نہیں۔ اور جسے اللہ ہدایت سے نواز دے تو اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا اللہ بڑا غالب، انتقام لینے والا نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اللہ کی مدد کے کافی ہونے کا بیان

"أَلَيْسَ اللّٰه بِكَافٍ عَبْده" أَيْ النَّبِيّ, بَلَى "وَيُخَوِّفُونَك" الْخِطَاب لَهُ "بِالَّذِينَ مِنْ دُونه" أَيْ الْأَصْنَام أَنْ تَقْتُلهُ أَوْ تَخْبِلهُ

"وَمَنْ يَهْدِ اللّٰه فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلّ أَلَيْسَ اللّٰه بِعَزِيزٍ" غَالِب عَلَى أَمْره "ذِي انْتِقَام" مِنْ أَعْدَائِهِ ؟ بَلَى

کیا اللہ اپنے بندہ مقرب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافی نہیں ہے؟ اور یہ کفار آپ کو اللہ کے سوا ان بتوں سے جن کی یہ پوجا کرتے ہیں ڈراتے ہیں، کہ وہ آپ کو قتل کر دیں گے یا پاگل کر دیں گے۔ اور جسے اللہ (اس کے قبولِ حق سے انکار کے باعث) گمراہ ٹھہرا دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور جسے اللہ ہدایت سے نواز دے تو اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا اللہ بڑا غالب، یعنی اپنے حکم پر غالب، اپنے دشمنوں سے انتقام لینے والا نہیں ہے کیوں نہیں وہ ضرور انتقام لینے والا ہے۔

سورہ زمر آیت ۳۶ کے سبب نزول کا بیان

سیدِ عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اور ایک قرأت میں عِبَادَہٗ بھی آیا ہے اس صورت میں انبیاء علیہم السلام مراد ہیں جن کے ساتھ ان کی قوموں نے ایذا رسانی کے ارادے کئے اللہ تعالیٰ نے انہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھا اور ان کی کفایت فرمائی۔ یعنی بتوں سے۔ واقعہ یہ تھا کہ کفارِ عرب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈرانا چاہا اور آپ سے کہا کہ آپ ہمارے معبودوں یعنی بتوں کی برائی بیان کرنے سے باز آیئے ورنہ وہ آپ کو نقصان پہنچائیں گے ہلاک کر دیں گے یا عقل کو فاسد کر دیں گے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ زمر، لاہور)

اس آیت کا شانِ نزول ایک واقعہ ہے کہ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کو اس سے ڈرایا تھا کہ اگر آپ نے ہمارے بتوں کی بے ادبی کی تو ان بتوں کا اثر بہت سخت ہے اس سے آپ بچ نہ سکیں گے۔ ان کے جواب میں کہا گیا کہ کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں؟ اس لئے بعض مفسرین نے یہاں بندے سے مخصوص بندہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مراد لیا ہے۔

خلاصہ تفسیر میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔اور دوسرے مفسرین نے بندہ سے مراد عام لی ہے اور آیت کی دوسری قرات جو عبادہ آئی ہے وہ اس کی موید ہے۔اور مضمون بہر حال عام ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کے لئے کافی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات کو تہجد کے لئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے۔اے اللہ تو ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے،تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں۔تو ہی آسمانوں اور زمین کا قائم کرنے والا ہے،تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں،تو ہی آسمان زمین اور ان میں موجود چیزیں کا رب ہے۔تو سچا ہے تیرا وعدہ سچا ہے،تیرے ملاقات حق ہے،اے اللہ میں تیرے ہی لئے اسلام لایا،تجھ ہی پر ایمان لایا،تجھ ہی پر بھروسہ کیا،تیری ہی طرف رجوع کیا،تیرے ہی لئے لڑا اور تجھ ہی حاکم تسلیم کیا تو میری بخشش فرما دے،میرے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دے،میرے ظاہری اور پوشیدہ تمام گناہ معاف فرما دے،تو ہی میرا معبود ہے تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں) یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے واسطے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1371)

ہدایت کی توفیق کا اللہ کی جانب سے ہونے کا بیان

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں،میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنگ احزاب کے دن مٹی اٹھاتے دیکھا اور مٹی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ کا رنگ چھپ گیا،تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جاتے تھے،اے اللہ اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے اور ہم نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے،پس تو ہم پر اطمینان نازل فرما اور جب ہم دشمن سے مقابلہ کریں،تو ہمیں ثابت قدم رکھ،بے شک ان لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے،جب یہ کوئی فساد کرنا چاہتے ہیں تو ہم ان کی بات میں نہیں آتے۔(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 110)

وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ‌ؕ قُلۡ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ اَرَادَنِىَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلۡ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوۡ اَرَادَنِىۡ بِرَحۡمَةٍ هَلۡ هُنَّ مُمۡسِكٰتُ رَحۡمَتِهٖ‌ؕ قُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ‌ؕ عَلَيۡهِ يَتَوَكَّلُ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ○
اور اگر آپ ان سے دریافت فرمائیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے، آپ فرما دیجئے: بھلا یہ بتاؤ کہ جن بتوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس کی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا وہ مجھے رحمت سے نوازنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں، فرما دیجئے: مجھے اللہ کافی ہے، اسی پر توکل کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طاقت کے سامنے بتوں کے عجز کا بیان

"وَلَئِنْ" لَام قَسَم "سَأَلْتهمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَات وَالْأَرْض لَيَقُولُنَّ اللَّه قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ" تَعْبُدُونَ "مِنْ دُون اللَّه" أَيْ الْأَصْنَام "إنْ أَرَادَنِي اللَّه بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَات ضُرّه" لَا "أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ

هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ " لَا وَفِي قِرَاءَةٍ بِالْإِضَافَةِ فِيهِمَا "قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ" يَثِقُ الْوَاثِقُونَ،

یہاں پر لفظ لئن میں لام قسمیہ ہے۔اور اگر آپ ان سے دریافت فرمائیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے، آپ فرما دیجئے: بھلا یہ بتاؤ کہ جن بتوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے یعنی تکلیف دینے کا ارادہ کرے تو کیا وہ بُت اس کی بھیجی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں ہر گز نہیں۔یا وہ مجھے رحمت سے نوازنا چاہے تو کیا وہ بُت اس کی بھیجی ہوئی رحمت کو روک سکتے ہیں، ہر گز نہیں۔اور ایک قرأت میں یہاں دونوں یعنی کاشفات اور ممسکات میں اضافت ہے۔فرما دیجئے: مجھے اللہ کافی ہے، اسی پر توکل کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔یعنی وہ بھروسہ کرنے والوں کیلئے کافی ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین سے یہ سوال فرمایا تو وہ لا جواب ہوئے اور ساکت رہ گئے اب حجت تمام ہوگئی اور ان کے سکوتی اقرار سے ثابت ہو گیا کہ بت محض بے قدرت ہیں نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ کچھ ضرر ان کی عبادت کرنا نہایت ہی جہالت ہے اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرمایا۔

بھلا یہ بتاؤ کہ جن بتوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس کی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا وہ مجھے رحمت سے نوازنا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں، فرما دیجئے: مجھے اللہ کافی ہے، اسی پر توکل کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات بھروسہ رکھنے کا بیان

ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص چاہتا ہو کہ سب انسانوں سے زیادہ طاقتور ہو جائے اسے چاہیے کہ اللہ پر توکل کرے۔اور جو شخص چاہتا ہو کہ سب سے بڑھ کر غنی ہو جائے اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس پر زیادہ بھروسہ رکھے بہ نسبت اس چیز کے جو اس کے اپنے ہاتھ میں ہے، اور جو شخص چاہتا ہو کہ سب سے زیادہ عزت والا ہو جائے اسے چاہیے کہ اللہ عزوجل سے ڈرے۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ زمر، بیروت)

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝
مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝
فرما دیجئے: اے قوم! تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں عمل کر رہا ہوں، پھر عنقریب تم جان لوگے۔کہ کون ہے
جس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کس پر ہمیشہ رہنے والا عذاب اترتا ہے۔

کفار کے انجام میں عذاب ورسوائی ہونے کا بیان

"قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ" حَالَتِكُمْ "إِنِّي عَامِلٌ" عَلَى حَالَتِي "مَنْ" مَوْصُولَةٌ مَفْعُولُ الْعِلْمِ

"یَأْتِیهِ عَذَاب یُخْزِیه وَیَحِلّ" یَنْزِل "عَلَیْهِ عَذَاب مُقِیم" دَائِم هُوَ عَذَاب النَّار وَقَدْ أَخْزَاهُمْ اللّٰه بِبَدْرٍ

فرما دیجئے: اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں اپنی حالت پر عمل کر رہا ہوں، یہاں پر لفظ من موصولہ ہے۔ جو تعلمون کا مفعول ہے۔ پھر عنقریب تم انجام کو جان لوگے۔ کہ کون ہے جس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کردے گا اور کس پر ہمیشہ رہنے والا عذاب اترتا ہے۔ پس اللہ نے انہیں غزوہ بدر میں رسوا کر دیا۔

جس سے واضح ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا کافروں کے ستر آدمی قتل اور ستر ہی آدمی قید ہوئے حتی کہ فتح مکہ کے بعد غلبہ وتمکن بھی مسلمانوں کو حاصل ہو گیا جس کے بعد کافروں کے لئے سوائے ذلت ورسوائی کے کچھ باقی نہ رہا۔ جبکہ مراد عذاب جہنم ہے جس میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ
فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ۝
بیشک ہم نے آپ پر لوگوں کے لئے حق کے ساتھ کتاب اتاری، سو جس نے ہدایت پائی تو اپنے ہی فائدے کے لئے
اور جو گمراہ ہوا تو اپنے ہی نقصان کے لئے گمراہ ہوا اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

ہدایت یافتہ لوگوں کیلئے ثواب ہدایت کا بیان

"إِنَّـا أَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتَاب لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ" مُتَعَلِّق بِأَنْزَلَ "فَمَنِ اهْتَدَى فَلِنَفْسِهِ" اهْتِدَاؤُهُ "وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا یَضِلّ عَلَیْهَا وَمَا أَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیلٍ" فَتُجْبِرهُمْ عَلَى الْهُدَى،

بیشک ہم نے آپ پر لوگوں کے لئے حق کے ساتھ کتاب اتاری، یہاں پر بالحق یہ انزلنا کے متعلق ہے۔ پس جس نے ہدایت پائی تو اپنے ہی فائدے کے لئے یعنی اس کی ہدایت کا فائدہ بھی اسی کو ہے۔ اور جو گمراہ ہوا تو اپنے ہی نقصان کے لئے گمراہ ہوا اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ یعنی آپ ان کو ہدایت پر مجبور کرنے والے نہیں ہیں۔

نبی کریم ﷺ کو اہل مکہ کا کفر پر اصرار بڑا گراں گزرتا تھا، اس میں آپ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ کا کام صرف اس کتاب کو بیان کر دینا ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے، ان کی ہدایت کے آپ مکلّف نہیں ہیں۔ اگر وہ ہدایت کا راستہ اپنالیں گے تو اس میں انہیں کا فائدہ ہے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو خود ہی نقصان اٹھائیں گے۔ وکیل کے معنی مکلّف اور ذمے دار کے ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ہدایت کے ذمے دار نہیں ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی ہدایت کی مثال کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری مثال اس آدمی کی مانند ہے جس نے آگ روشن کی چنانچہ جب آگ نے چاروں طرف روشنی پھیلا دی تو پروانے اور دوسرے وہ جانور جو آگ میں گرتے

ہیں آ کر آگ میں گرنے لگے آگ روشن کرنے والے آدمی نے ان کو روکنا شروع کیا لیکن وہ (نہیں رکتے بلکہ اس کی کوششوں پر) غالب رہتے ہیں اور آگ میں گر پڑتے ہیں اسی طرح میں تمہاری کمریں پکڑ کر تمہیں آگ میں گرنے سے روکتا ہوں اور تم آگ میں گرتے ہو۔ یہ روایت صحیح البخاری کی ہے اور مسلم میں بھی ایسی ہی روایت ہے البتہ مسلم کی روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بالکل ایسی ہی مثال میری اور تمہاری ہے میں تمہاری کمریں پکڑے ہوں کہ تمہیں آگ سے بچاؤں اور یہ کہتا ہوں کہ دوزخ سے بچو میری طرف آؤ، دوزخ سے بچو میری طرف آؤ لیکن مجھ پر تم غالب آتے ہو اور آگ میں گر پڑتے ہو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 146)

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں نے حرام اور ممنوع چیزوں کو تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے لیکن جس طرح کوئی آدمی آگ جلائے اور اس آدمی کے روکنے کے باوجود پروانے آگ میں گرتے ہیں وغیرہ۔ اسی طرح باوجودیکہ میں تمہیں برے راستہ سے ہٹاتا ہوں اور برے کام سے روکتا ہوں لیکن تم اس ممنوع اور غیر پسندیدہ چیزوں کو کرتے ہو! اسی طرح دوزخ کی آگ میں گرنے کی کوشش کرتے ہو۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ الَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا
الْمَوْتَ وَ يُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝
اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور ان کو بھی جو نہیں مریں ان کی نیند میں، پھر اسے روک لیتا ہے
جس پر اس نے موت کا فیصلہ کیا اور دوسری کو ایک مقرر وقت تک بھیج دیتا ہے۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے
یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔

اللہ کے حکم سے ارواح کے قبض ہونے کا بیان

يَتَوَفَّى "الَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامهَا" أَيْ يَتَوَفَّاهَا وَقْت النَّوْم "فَيُمْسِك الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْت وَيُرْسِل الْأُخْرَى إلَى أَجَلٍ مُسَمًّى" أَيْ وَقْت مَوْتهَا وَالْمُرْسَلَة نَفْس التَّمْيِيز تَبْقَى بِدُونِهَا نَفْس الْحَيَاة بِخِلَافِ الْعَكْس "إنَّ فِي ذَلِكَ" الْمَذْكُور "لَآيَات" دَلَالَات "لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ" فَيَعْلَمُونَ أَنَّ الْقَادِر عَلَى ذَلِكَ قَادِر عَلَى الْبَعْث وَقُرَيْش لَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي ذَلِكَ،

اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے یعنی جن کو نیند میں موت نہیں آئی۔ اور ان کو بھی جو نہیں مریں ان کی نیند میں، یعنی جن کو نیند کی حالت میں موت آئی ہے۔ پھر اسے روک لیتا ہے جس پر اس نے موت کا فیصلہ کیا اور دوسری کو ایک مقرر وقت یعنی اس کی موت کے وقت تک بھیج دیتا ہے۔ یہاں پر چھوڑی ہوئی روح یہ تمیز ہے جس کے بغیر روح حیات باقی رہ سکتی ہے جبکہ اس کا عکس ممکن نہیں ہے۔ بلاشبہ اس میں یعنی جو ذکر کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں یعنی دلائل ہیں جو غور وفکر کرتے

ہیں۔لہٰذا جو اس پر قادر ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔جبکہ قریش اس میں غور وفکر نہیں کرتے۔

نینداور موت کے وقت ارواح کا قبض ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ رب العزت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرما رہا ہے کہ ہم نے تجھ پر اس قرآن کو سچائی اور راستی کے ساتھ تمام جن وانس کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے۔اس کے فرمان کو مان کر راہ راست حاصل کرنے والے اپنا ہی نفع کریں گے اور اس کے ہوتے ہوئے بھی دوسری غلط راہوں پر چلنے والے اپنا ہی بگاڑیں گے تو اس امر کا ذمے دار نہیں کہ خواہ مخواہ ہر شخص اسے مان ہی لے۔ تیرے ذمے صرف اس کا پہنچا دینا ہے۔حساب لینے والے ہم ہیں، ہم ہر موجود میں جو چاہیں تصرف کرتے رہتے ہیں،وفات کبریٰ جس میں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے انسان کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وفات صغریٰ جو نیند کے وقت ہوتی ہے ہمارے ہی قبضے میں ہے۔جیسے اور آیت میں ہے الخ ،یعنی وہ اللہ جو تمہیں رات کو فوت کر دیتا ہے اور دن میں جو کچھ تم کرتے ہو جانتا ہے پھر تمہیں دن میں اٹھا بٹھاتا ہے تاکہ مقرر کیا ہوا وقت پورا کر دیا جائے پھر تم سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے اور وہ تمہیں تمہارے اعمال کی خبر دے گا۔وہی اپنے سب بندوں پر غالب ہے وہی تم پر نگہبان فرشتے بھیجتا ہے۔تاوقتیکہ تم میں سے کسی کی موت آجائے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ تقصیر اور کمی نہیں کرتے۔پس ان دونوں آیتوں میں بھی یہی ذکر ہوا ہے پہلے چھوٹی موت کو پھر بڑی موت کو بیان فرمایا۔یہاں پہلے بڑی وفات کو پھر چھوٹی وفات کو ذکر کیا۔اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ملاء اعلیٰ میں یہ روحیں جمع ہوتی ہیں۔

صحیح بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی بستر پر سونے کو جائے تو اپنے تہ بند کے اندرونی حصے سے اسے جھاڑ لے،نہ جانے اس پر کیا کچھ ہو۔پھر یہ دعا پڑھے۔یعنی اے میرے پالنے والے رب تیرے ہی پاک نام کی برکت سے میں لیٹتا ہوں اور تیری ہی رحمت میں جاگوں گا۔اگر تو میری روح کو روک لے تو اس پر رحم فرما اور اگر تو اسے بھیج دے تو اس کی ایسی ہی حفاظت کرنا جیسی تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔

بعض سلف کا قول ہے کہ مردوں کی روحیں جب وہ مریں اور زندوں کی روحیں جب وہ سوئیں قبض کر لی جاتی ہیں اور ان میں آپس میں تعارف ہوتا ہے۔جب تک اللہ چاہے پھر مردوں کی روحیں تو روک لی جاتی ہیں اور دوسری روحیں مقررہ وقت تک کے لئے چھوڑ دی جاتی ہیں۔یعنی مرنے کے وقت تک۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔مردوں کی روحیں اللہ تعالیٰ روک لیتا ہے اور زندوں کی روحیں واپس بھیج دیتا ہے اور اس میں کبھی غلطی نہیں ہوتی غور وفکر کے جو عادی ہیں وہ اسی ایک بات میں قدرت الٰہی کے بہت سے دلائل پالیتے ہیں۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ زمر،بیروت)

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَ لَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝
کیا انہوں نے اللہ کے اِذن کے خلاف سفارشی بنا رکھا ہے؟ فرما دیجئے: اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک بھی

نہ ہوں اور ذی عقل بھی نہ ہوں۔

اپنے عابدین کی عبادت سے بے خبر معبودان باطلہ کا بیان

"أَمْ" بَلْ "اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰه" أَيْ الْأَصْنَام آلِهَة "شُفَعَاء " عِنْد اللّٰهِ بِزَعْمِهِمْ "قُلْ" لَهُمْ "أَوَلَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا" يَشْفَعُونَ مِنَ الشَّفَاعَة وَغَيْرهَا "وَلَا يَعْقِلُونَ " أَنَّكُمْ تَعْبُدُونَهُمْ وَلَا غَيْر ذَٰلِكَ؟ لَا،

یہاں پر لفظ اَم یہ بہ معنی بل ہے۔کیا انہوں نے اللہ کے اِذن کے خلاف بتوں کو سفارش کیلئے معبود بنا رکھا ہے؟ یعنی ان کے خیال کے مطابق وہ اللہ کی بارگاہ میں سفارش کریں گے۔فرمادیجئے: اگرچہ وہ کسی چیز کے مالک بھی نہ ہوں یعنی خواہ سفارش وغیرہ میں کسی چیز کے بھی مالک نہیں ہیں۔اور ذی عقل بھی نہ ہوں۔جبکہ حالت یہ ہے ان بتوں کو تمہاری اس عبادت کا یا اس کے سوا کوئی تمہاری عبادت ہو تو اس کا بھی انہیں کوئی پتہ نہیں ہے۔

مشرکین کی مذمت کا بیان

اللہ تعالیٰ مشرکوں کی مذمت بیان فرماتا ہے کہ وہ بتوں اور معبودان باطلہ کو اپنا سفارشی اور شفیع سمجھتے ہیں، اس کی نہ کوئی دلیل ہے نہ حجت اور دراصل انہیں نہ کچھ اختیار ہے نہ عقل وشعور۔نہ ان کی آنکھیں نہ ان کے کان، وہ تو پتھر اور جمادات ہیں جو حیوانوں میں درجہا بدتر ہیں۔اس لئے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان سے کہہ دو، کوئی نہیں جو اللہ کے سامنے لب ہلا سکے آواز اٹھا سکے جب تک کہ اس کی مرضی نہ پالے اور اجازت حاصل نہ کرلے، ساری شفاعتوں کا مالک وہی ہے۔زمین وآسمان کا بادشاہ تنہا وہی ہے۔قیامت کے دن تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اس شفاعتوں کا مالک وہی ہے۔زمین وآسمان کا بادشاہ تنہا وہی ہے، قیامت کے دن تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اس وقت وہ عدل کے ساتھ تم سب میں سچے فیصلے کرے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ان کافروں کی یہ حالت ہے کہ توحید کا کلمہ سننا انہیں ناپسند ہے۔اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر سن کر ان کے دل تنگ ہو جاتے ہیں۔اس کا سننا بھی انہیں پسند نہیں۔ان کا جی اس میں نہیں لگتا۔کفر وتکبر انہیں روک دیتا ہے۔جیسے اور آیت میں ہے یعنی ان سے جب کہا جاتا تھا کہ اللہ ایک کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں تو یہ تکبر کرتے تھے اور ماننے سے جی چراتے تھے۔چونکہ ان کے دل حق کے منکر ہیں اس لئے باطل کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔جہاں بتوں کا اور دوسرے اللہ کا ذکر آیا، ان کی باچھیں کھل گئیں۔

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

فرمادیجئے، سب شفاعت اللہ ہی کے اختیار میں ہے، آسمانوں اور زمین کی سلطنت بھی اسی کی ہے، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفارش ہونے کا بیان

"قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَة جَمِيعًا" أَيْ هُوَ مُخْتَصّ بِهَا فَلَا يَشْفَع أَحَد إِلَّا بِإِذْنِهِ،

فرما دیجئے، سب شفاعت کا اذن اللہ ہی کے اختیار میں ہے جو اس نے اپنے مقربین کے لئے مخصوص کر رکھا ہے، لہٰذا صرف اس کی اجازت سے سفارش کی جاسکے گی۔ آسمانوں اور زمین کی سلطنت بھی اسی کی ہے، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

درود شریف پڑھنے کے سبب نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا بیان

حضرت رویفع رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو آدمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور (درود بھیجنے کے بعد یہ بھی کہے) اَللّٰھُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، اے پروردگار! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مقام پر جگہ دے جو تیرے نزدیک مقرب ہے قیامت کے دن تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے۔"

(مسند احمد بن حنبل، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 901)

مقام مقرب" سے مراد مقام محمود ہے جہاں قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اللہ جل شانہ، کی ثناء و تعریف بیان فرمائیں گے اور بندوں کے حق میں شفاعت کریں گے۔ یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت تمام مسلمانوں کے لئے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر امتی کے لئے شفاعت فرمائیں گے یہ نہیں ہوگا کہ کسی امتی کے لئے شفاعت فرمائیں اور کسی کے لئے نہیں پھر بھی اس آدمی کو (جو درود کے بعد مذکورہ دعا پڑھتا ہے) ایک خاص درجہ حاصل ہوگا کہ اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت واجب ہوگی۔ یا اس کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس ارشاد سے درحقیقت ایسے آدمی کے خاتمہ بالخیر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ آدمی حسن خاتمہ کی دولت سے نوازا جائے گا۔

نبی کریم ﷺ کی سفارش کے سبب امت کی بخشش کا بیان

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ کے ارادہ سے مکہ سے روانہ ہوئے، جب ہم عزوازا کے قریب (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان میں ایک مقام ہے) پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اونٹنی سے) اترے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر تھوڑی دیر تک اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے (دعا مانگتے) رہے، پھر سجدہ میں گر پڑے۔ اور دیر تک سجدہ میں رہے پھر کھڑے ہوئے اور تھوڑی دیر تک اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگتے رہے۔ پھر سجدہ میں گر پڑے۔ پھر اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" میں نے اپنے پروردگار سے دعا کی اور اپنی امت (کے گناہوں کی بخشش، عیوب کی پردہ پوشی اور بلندی درجات) کے لئے شفاعت کی، چنانچہ مجھے تہائی امت (کی مغفرت) عطا فرمادی گئی، میں اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑا۔ پھر میں نے اپنا سر اٹھایا اور اپنے پروردگار سے اپنی امت کے لئے (اس کی رضا اور مغفرت کی) درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اور تہائی امت (کی مغفرت) عطا فرمادی میں اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑا، پھر میں نے اپنا سر اٹھایا اور اپنے پروردگار سے اپنی امت کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے باقی تہائی امت (کی بھی مغفرت) عطا فرمادی، چنانچہ میں اپنے پروردگار کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑا۔ (احمد بن حنبل، ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1470)

پہلی مرتبہ میں سابقین یعنی ان لوگوں کی مغفرت عطا فرمائی گئی جو بھلائی کرنے میں سبقت اور پیش روی کرتے ہیں اعمال میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کرتے، دوسری مرتبہ میں مقتصدین یعنی اوسط درجہ والوں کی مغفرت عطا فرمائی گئی۔ اور تیسری مرتبہ میں ان لوگوں کی بھی مغفرت عطا فرمادی گئی جو اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں یعنی معصیت وگناہ میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس موقع پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کتنی آیات اور احادیث سے تو یہ ثابت ہو چکا ہے جو لوگ گناہ کبیرہ میں مبتلا رہتے ہیں انہیں آخرت میں عذاب دیا جائے گا لیکن یہاں اس حدیث سے یہ معلوم ہورہا ہے کہ ان لوگوں کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ تمام ہی امت کی مغفرت عطا فرمادی گئی ہے۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دعا، شفاعت اور حق تعالیٰ کی جانب سے مغفرت سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا وسفارش سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو خسف ومسخ اور ان جیسے دوسرے عذابوں سے پروانہ امن دے دیا ہے کہ جس طرح پہلی امتوں کے لوگ اپنی بدکرداری اور بداعمالی کی وجہ سے ان جیسے ہولناک عذاب میں اس دنیا میں مبتلا کردیئے جاتے تھے امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں ان عذاب سے دوچار نہیں کیا جائے گا لہٰذا۔ یہاں مغفرت کا تعلق آخرت کے اس عذاب سے نہیں ہے جو ہر گنہگار کو اس کی بدعملی وبدکرداری کی مناسبت سے دیا جائے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "یہاں مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور سفارش سے امت مرحومہ کو دائمی عذاب سے پروانہ امن دے دیا گیا ہے کہ امت کے گناہگار و بدکردار لوگ دائمی طور پر دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ بلکہ اپنے اپنے جرم کی مناسبت سے سزا پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے دوزخ سے نکال لئے جائیں گے اور پھر دائمی طور پر جنت میں داخل کردیئے جائیں گے۔

وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ٥
اور جب تنہا اللہ ہی کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل گھٹن اور کراہت کا شکار ہو جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے،
اور جب اللہ کے سوا ان بتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تو وہ اچانک خوش ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کی وجہ سے مشرکین کے دلوں میں نفرت پیدا ہونے کا بیان

"وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰه وَحده" اَىْ دُون آلِهَتِهِمْ "اشْمَاَزَّتْ" نَفَرَتْ وَانْقَبَضَتْ "قُلُوب الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنه" اَىْ الْاَصْنَام،

اور جب ان کے معبودان باطلہ کو چھوڑ کر تنہا اللہ ہی کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل گھٹن اور کراہت اور نفرت کا شکار ہو جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اور جب اللہ کے سوا ان بتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جنہیں وہ پوجتے ہیں، تو وہ اچانک خوش ہو جاتے ہیں۔

بتوں کا نام سن کر مشرکین کا خوشی سے سجدے میں گر جانے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت نجم میں سجدہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں جنوں اور سب آدمیوں نے (بھی) سجدہ کیا۔

(صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 988)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورت نجم کی تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ آیت ("فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا"، النجم: 62) سجدہ کرو اللہ کا اور عبادت کرو۔" پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی فرمانبرداری کی غرض سے سجدہ کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو تمام مسلمانوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں سجدہ کیا، اسی طرح مشرکین نے بھی جب بتوں یعنی لات ومنات اور عزی کے نام سنے تو انہوں نے بھی سجدہ کیا، یا پھر مشرکوں کے سجدہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مسجد الحرام کے اندر جب سورت نجم کی ان آیتوں۔

آیت(اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى 19 وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى 20 اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى، النجم: 19)"یعنی بھلا تم لوگوں نے لات وعزی کو دیکھا اور تیسرے منات کو (کہ یہ بت کہیں اللہ ہو سکتے ہیں مشرکو!) کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لئے بیٹیاں۔" کو پڑھنے لگے تو شیطان ملعون نے اپنی آواز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے مشابہ بنا کر یہ پڑھا تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى۔ "یعنی: یہ بت بلند مرغابیاں ہیں اور بیشک ان کی شفاعت امید بخش ہے۔" مشرکین یہ سمجھے کہ (نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بتوں کی تعریف کی ہے اس سے وہ بہت زیادہ خوش ہوئے چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو انہوں نے بھی سجدہ کر ڈالا۔" بعض مفسرین نے اس موقع پر یہ تفسیر کی ہے کہ یہ الفاظ شیطان نے ادا نہیں کئے تھے بلکہ نعوذ باللہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سہوا نکل گئے تھے۔ یہ قول بالکل غلط اور محض ذہنی اختراع ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ شیطان ملعون نے اپنی آواز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے مشابہ بنا کر یہ الفاظ ادا کر دیئے جس سے مشرکین یہ سمجھ بیٹھے کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ الفاظ ادا کر رہے ہیں۔ حدیث میں "مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور سب آدمیوں" سے مراد وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت موجود تھے۔ لفظ "اِنْسٌ" تعمیم بعد تخصیص ہے۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ
بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝
آپ عرض کیجئے، اے اللہ! آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والے! غیب اور ظاہر کا علم رکھنے والے!
تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اوصاف الٰہی کو ذکر کر کے دعا مانگنے کا بیان

"قُلِ اللّٰهُمَّ" بِمَعْنَى يَا اللّٰه "فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" مُبْدِعهمَا "عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَة" مَا غَابَ وَمَا شُوهِدَ "أَنْتَ تَحْكُم بَيْن عِبَادك فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ" مِنْ أَمْر الدِّين اهْدِنِي لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنْ الْحَقّ

آپ عرض کیجئے، اے اللہ! یہاں پر لفظ اللھم یہ بہ معنی یااللہ ہے۔ آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والے! غیب اور ظاہر کا علم رکھنے والے! یعنی جو غائب ہے اور جو موجود ہے۔ تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان دینی امور کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ لہٰذا جس میں انہوں نے اختلاف کیا ہے تو اس میں حق کی جانب میری رہنمائی فرما۔

صبح وشام کے بعض وظائف اور دعاؤں کا بیان

مشرکین کو جو نفرت توحید سے ہے اور جو محبت شرک سے ہے اسے بیان فرما کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ فرماتا ہے کہ تو صرف اللہ تعالیٰ واحد کو ہی پکار جو آسمان وزمین کا خالق ہے اور اس وقت اس نے انہیں پیدا کیا ہے جبکہ نہ یہ کچھ تھے نہ ان کا کوئی نمونہ تھا۔ وہ ظاہر وباطن چھپے کھلے کا عالم ہے۔ یہ لوگ جو جو اختلافات اپنے آپس میں کرتے تھے سب کا فیصلہ اس دن ہوگا جب یہ قبروں سے نکلیں اور میدان قیامت میں آئیں گے۔

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز کو کس دعا سے شروع کرتے تھے؟ آپ فرماتے ہیں اس دعا سے (ترجمہ) یعنی اللہ اے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب اے آسمان وزمین کو بے نمونے کے پیدا کرنے والے اے حاضر وغائب کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کے اختلاف کا فیصلہ کرنے والا ہے جس جس چیز میں اختلاف کیا گیا ہے تو مجھے ان سب میں اپنے فضل سے حق راہ دکھا تو جسے چاہے سیدھی راہ کی رہنمائی کرتا ہے۔ (مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو بندہ اس دعا کو پڑھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے اس بندے نے مجھ سے عہد لیا ہے اس عہد کو پورا کرو۔ چنانچہ اسے جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔ وہ دعا یہ ہے (ترجمہ) یعنی اے اللہ اے آسمان وزمین کو بے نمونے کے پیدا کرنے والے اے غائب وحاضر کے جاننے والے میں اس دنیا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میری گواہی ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں اور میری یہ بھی شہادت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔ تو اگر مجھے میری ہی طرف سونپ دے گا تو میں برائی سے قریب اور بھلائی سے دور پڑ جاؤں گا۔ اللہ مجھے صرف تیری رحمت ہی کا سہارا اور بھروسہ ہے پس تو بھی مجھ سے عہد کر جسے تو قیامت کے دن پورا کرے یقیناً تو عہد شکن نہیں۔ اس حدیث کے راوی سہیل فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم بن عبدالرحمٰن سے جب کہا کہ عون اس طرح یہ حدیث بیان کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ ہماری تو پردہ نشین بچیوں کو بھی یہ حدیث یاد ہے۔ (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمرو نے ایک کاغذ نکالا اور فرمایا کہ یہ دعا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے (ترجمہ) یعنی اے اللہ اے آسمان وزمین کو بےنمونہ پیدا کرنے والے چھپی کھلی کے جاننے والے تو ہر چیز کا رب ہے اور ہر چیز کا معبود ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں اور فرشتے بھی یہی گواہی دیتے ہیں۔ میں شیطان سے اور اس کے شرک سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ میں تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اپنی جان پر کوئی گناہ کروں یا کسی اور مسلمان کی طرف کسی گناہ کو لے جاؤں۔ حضرت ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس دعا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو کو سکھایا تھا اسے سونے کے وقت پڑھا کرتے تھے۔ (مسند امام احمد)

اور روایت میں ہے کہ ابوراشد حمرانی نے کوئی حدیث سننے کی خواہش حضرت عبداللہ بن عمرو سے کی تو حضرت عبداللہ نے ایک کتاب نکال کر ان کے سامنے رکھ دی اور فرمایا یہ ہے جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوائی ہے میں نے دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صبح وشام کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا یہ پڑھو۔ (اللھم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ لا الہ الاانت رب کل شئی وملیکہ اعوذبک من شر نفسی وشر الشیطان وشرکہ او اقترف علی نفسی سوء اور اجرہ الی مسلم) (ترمذی وغیرہ) مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے اس دعا کے پڑھنے کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح شام اور سوتے وقت حکم دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ زمر، بیروت)

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ
سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝
اور اگر واقعی ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم کیا، وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا اور بھی ہو تو
قیامت کے دن برے عذاب سے وہ ضرور اسے فدیے میں دے دیں، اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے
وہ کچھ سامنے آجائے گا جس کا وہ گمان نہیں کیا کرتے تھے۔

روئے زمین اور اس کی مثل خزانوں سے بھی عذاب سے نجات نہ ہونے کا بیان

"وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَه مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ مِنْ سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَة وَبَدَا" ظَهَرَ "لَهُمْ مِنَ اللّٰه مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ" يَظُنُّونَ

اور اگر واقعی ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم کیا، وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا اور بھی ہو تو قیامت کے دن برے عذاب سے بچنے کے لیے وہ ضرور اسے فدیے میں دے دیں، اور ان کے لیے اللہ کی طرف سے وہ کچھ سامنے آجائے گا جس کا وہ گمان نہیں کیا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دوزخیوں میں سے اس شخص سے جو سب سے ہلکے عذاب میں ہوگا فرمائے گا کہ اگر تیرے پاس روئے زمین کی چیزوں میں سے کوئی ایسی چیز ہوتی جس کا بدلہ میں دے سکتا اور اس کے عوض دوزخ کا عذاب سے خواہ (وہ کتنا ہی ہلکا ہو چھٹکارا پا سکتا، تو کیا تو ایسا کرتا وہ دوزخی کہے گا کہ ہاں میں دنیا کی حاصل شدہ بڑی سے بڑی چیز بدلہ میں دے کر دوزخ کے عذاب سے چھٹکارا پانا چاہوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ بدنصیب انسان میں نے تو اسی وقت جب تو آدم کی پشت میں تھا، اس (بدلہ میں کوئی چیز دینے) سے بھی آسان وسہل چیز تیرے لئے طے کر دی تھی۔

اور وہ یہ کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا، مگر تو اس سے مکر گیا اور میرے احکام کی کوئی پابندی نہیں کی یہاں تک کہ بتوں وغیرہ کی پرستش کے ذریعہ میرا شریک ٹھہرا کر رہا، پس اب میں اس عذاب دوزخ کے بدلہ میں کوئی چیز قبول نہیں کروں گا خواہ تو دنیا کی تمام چیزیں ہی کیوں نہ لے آئے۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 235)

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○
اور ان کے لیے ان کی برائیاں ظاہر ہو جائینگی جو انھوں نے کمائے اور انھیں وہ چیز گھیر لے گی جسے وہ مذاق کیا کرتے تھے۔

حق کے ساتھ مذاق کرنے والوں کو عذاب کے گھیر لینے کا بیان

"وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَات مَا كَسَبُوا وَحَاقَ" نَزَلَ "بِهِمْ مَا كَانُوا به يَسْتَهْزِئُونَ" أَيْ الْعَذَاب،

اور ان کے لیے ان اعمال کی برائیاں ظاہر ہو جائیں گی۔ جو انھوں نے کمائے اور انھیں وہ چیز یعنی عذاب گھیر لے گا جسے وہ مذاق کیا کرتے تھے۔

حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ نے اس آیت کو پڑھ کر فرمایا کہ ہلاکت ہے ریا کاروں کے لئے، ہلاکت ہے ریا کاروں کے لئے۔ یہ آیت انہیں سے متعلق ہے جو دنیا میں نیک کام لوگوں کو دکھانے کے لئے کرتے تھے۔ اور لوگ بھی ان کو نیک سمجھتے تھے وہ خود بھی اس دھوکہ میں تھے کہ یہ اعمال ان کے لئے نجات آخرت کا ذریعہ بنیں گے۔ مگر چونکہ ان میں اخلاص نہیں تھا اس لئے اللہ کے نزدیک ایسے نیک اعمال کا کوئی اجر وثواب نہیں، اس لئے وہاں اچانک ان کے گمان کے خلاف عذاب وعتاب ہونے لگے گا۔

(تفسیر قرطبی، سورہ زمر، بیروت)

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ
عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○
پھر جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے
یہ مجھے ایک علم کی بنیاد ہی پر دی گئی ہے۔ بلکہ وہ ایک آزمائش ہے اور لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

انسانوں کی نعمتوں کے ذریعے آزمائش کا بیان

"فَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ" الْجِنْس "ضُرٌّ" دَعَانَا ثُمَّ خَوَّلْنَاهُ" أَعْطَيْنَاهُ "نِعْمَةً" إِنْعَامًا "مِنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُه عَلَى عِلْم" مِنْ اللَّه بِأَنِّي لَهُ أَهْل "بَلْ هِيَ" أَيْ الْقَوْلَة "فِتْنَة" بَلِيَّة يُبْتَلَى بِهَا الْعَبْد "وَلَكِنَّ أَكْثَرهمْ لَا يَعْلَمُونَ" أَنَّ التَّخْوِيل اسْتِدْرَاج وَامْتِحَان،

پھر جب انسان یعنی جنس انسانیت کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو کہتا ہے یہ مجھے ایک علم کی بنیاد ہی پر اللہ کی طرف سے دی گئی ہے۔ کیونکہ میں ہی اس کا اہل ہوں، بلکہ وہ قول ایک آزمائش ہے تا کہ اس کے ساتھ انسان کو آزمایا جائے۔ اور لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ کہ یہ عطاء کا ہونا، مہلت اور امتحان ہے۔

انسان کا نعمتوں کی عطاء کو اپنا کارنامہ سمجھ بیٹھنے کا بیان

اللہ تعالیٰ انسان کی حالت کو بیان فرماتا ہے کہ مشکل کے وقت تو وہ آہ وزاری شروع کر دیتا ہے، اللہ کی طرف پوری طرح راجع اور راغب ہو جاتا ہے، لیکن جہاں مشکل ہوگئی جہاں راحت ونعمت حاصل ہوئی یہ سرکش ومتکبر بنا۔ اور اکڑتا ہوا کہنے لگا کہ یہ تو اللہ کے ذمے میرا حق تھا۔ میں اللہ کے نزدیک اس کا مستحق تھا ہی۔ میری اپنی عقل مندی اور خوش تدبیری کی وجہ سے اس نعمت کو میں نے حاصل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بات یوں نہیں بلکہ دراصل عقل مندی اور خوش تدبیری کی وجہ سے اس نعمت کو میں نے حاصل کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بات یوں نہیں بلکہ دراصل یہ ہماری طرف کی آزمائش ہے گو ہمیں ازل سے علم حاصل ہے لیکن تاہم ہم اسے ظہور میں لانا چاہتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس نعمت کا یہ شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری؟ لیکن یہ لوگ بے علم ہیں۔ دعوے کرتے ہیں منہ سے بات نکال دیتے ہیں لیکن اصلیت سے بیخبر ہیں، یہی دعویٰ اور یہی قول ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی کیا اور کہا، لیکن ان کا قول صحیح ثابت نہ ہوا اور ان نعمتوں نے، کسی اور چیز نے اور ان کے اعمال نے انہیں کوئی نفع نہ دیا، جس طرح ان پر وبال ٹوٹ پڑا اسی طرح ان پر بھی ایک دن ان کی بداعمالیوں کا وبال آپڑے گا۔

اور یہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ نہ تھکا اور ہرا سکتے ہیں۔ جیسے کہ قارون سے اس کی قوم نے کہا تھا کہ اس قدر اکڑ نہیں اللہ تعالیٰ خود پسندوں کو محبوب نہیں رکھتا۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو خرچ کر کے آخرت کی تیاری کر اور وہاں کا سامان مہیا کر۔ اس دنیا میں بھی فائدہ اٹھاتا رہ اور جیسے اللہ نے تیرے ساتھ سلوک کیا ہے، تو بھی لوگوں کے ساتھ احسان کرتا رہ۔ زمین میں فساد کرنے والا مت بن اللہ تعالیٰ مفسدوں سے محبت نہیں کرتا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ زمر، بیروت)

قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○
بلاشبہ یہی بات ان لوگوں نے کہی جو ان سے پہلے تھے تو ان کے کام نہ آیا جو وہ کمایا کرتے تھے۔

مال ودولت کی وجہ سے غرور تکبر کرنے کا بیان

"قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ" مِنَ الْأُمَمِ كَقَارُون وَقَوْمِه الرَّاضِينَ بِهَا،

بلاشبہ یہی بات ان لوگوں یعنی امتوں میں سے لوگوں نے کہی جس طرح قارون اور اس کے ساتھ راضی ہونے والی اس کی قوم ہے۔ جوان سے پہلے تھے تو ان کے کام نہ آیا جو وہ کمایا کرتے تھے۔

اس پر قارون نے جواب دیا کہ ان تمام نعمتوں اور جاہ ودولت کو میں نے اپنی دانائی اور علم وہنر سے حاصل کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ اس سے پہلے اس سے زیادہ قوت اور اس سے زیادہ جمع جتھا والوں کو میں نے ہلاک و برباد کر دیا ہے، مجرم اپنے گناہوں کے بارے میں پوچھے نہ جائیں گے۔

الغرض مال واولاد پر پھول کر اللہ کو بھول جانا یہ شیوہ کفر ہے۔ کفار کا قول تھا کہ ہم مال واولاد میں زیادہ ہیں ہمیں عذاب نہیں ہوگا، کیا انہیں اب تک یہ معلوم نہیں کہ رزق کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جس کیلئے چاہے کشادگی کرے اور جس پر چاہے تنگی کرے۔ اس میں ایمان والوں کیلئے طرح طرح کی عبرتیں اور دلیلیں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ زمر، بیروت)

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ
سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○
تو انہیں وہ برائیاں آ پہنچیں جو انہوں نے کما رکھی تھیں، اور ان لوگوں میں سے جو ظلم کر رہے ہیں انہیں،
عنقریب وہ برائیاں آ پہنچیں گی جو انہوں نے کما رکھی ہیں، اور وہ عاجز نہیں کر سکتے۔

برے کاموں کی وجہ سے سخت سزا ہونے کا بیان

"فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَات مَا كَسَبُوا " أَيْ جَزَاؤُهَا "وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَؤُلَاءِ " أَيْ قُرَيْش "سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَات مَا كَسَبُوا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ" بِفَائِتِينَ عَذَابنَا فَقُحِطُوا سَبْع سِنِينَ ثُمَّ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ،

تو انہیں وہ برائیاں آ پہنچیں جو انہوں نے کما رکھی تھیں، یعنی ان کا بدلہ آ پہنچا۔ اور ان لوگوں میں سے جو ظلم کر رہے ہیں انہیں بھی عنقریب وہ برائیاں آ پہنچیں گی اور وہ قریش ہیں جو انہوں نے کما رکھی ہیں، اور وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ یعنی ہمارے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ لہذا سات سال کیلئے انہیں قحط میں مبتلاء کر دیا گیا۔ پھر اس کے بعد ان پر وسعت ہوئی۔

قریش پر سات سال کیلئے قحط سالی آنے کا بیان

مسروق روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ عبداللہ بن مسعود کے پاس تھے تو انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب لوگوں (کفار قریش) کی بدبختی اور روگردانی کو دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اے اللہ ان کو یوسف کے سات سال کے قحط کی طرح قحط میں مبتلا کر دے چنانچہ وہ قحط میں گرفتار ہو گئے، تمام چیزیں تباہ ہو گئیں یہاں تک کہ کھال اور مردار تک کھا گئے اور کوئی آسمان کی

طرف دیکھتا تو بھوک کے سبب سے انہیں دھواں نظر آتا ابوسفیان آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم اللہ کی اطاعت اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہو اور تمہاری قوم ہلاک ہو گئی اس لئے اللہ سے ان کیلئے دعا کرو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا انتظار کرو اس دن کا جب آسمان کھلا اور ظاہر دھواں لائے گا۔ آیت یَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ، الدخان: 16) تک جس دن ہم بہت سخت گرفت کریں گے بطشہ سے مراد یوم بدر ہے دخان، بطشہ اور لزام، دھواں، گرفت، قید اور آیت روم سب وقوع میں چکے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 968)

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝
اور کیا انھوں نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ رزق فراخ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے۔
بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔

رزق میں وسعت و تنگی کا بہ طور امتحان ہونے کا بیان

"أَوَ لَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّه يَبْسُط الرِّزْق" يُوَسِّعهُ "لِمَنْ يَشَاء" امْتِحَانًا "وَيَقْدِر" يُضَيِّقهُ لِمَنْ يَشَاء ابْتِلَاء "إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَات لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ" بِهِ،

اور کیا انھوں نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ بہ طور امتحان رزق فراخ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور بہ طور آزمائش تنگ کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔

یعنی رزق کی کشادگی اور تنگی میں بھی اللہ کی توحید کے دلائل ہیں یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں صرف اسی کا حکم و تصرف چلتا ہے اسی کی تدبیر موثر اور کارگر ہے اسی لیے وہ جس کو چاہتا ہے رزق فراواں سے نواز دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقر و تنگ دستی میں مبتلا کر دیتا ہے اس کے ان فیصلوں میں جو اس کی حکمت و مشیت پر مبنی ہوتے ہیں کوئی دخل انداز ہو سکتا ہے نہ ان میں رد و بدل کر سکتا ہے تاہم یہ نشانیاں صرف اہل ایمان ہی کے لیے ہیں کیونکہ وہی ان پر غور و فکر کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے اور اللہ کی مغفرت حاصل کرتے ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝
آپ فرما دیجئے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر لی ہے! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا،
بیشک اللہ سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے، وہ یقیناً بڑا بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے کے سبب بخشش کا بیان

"قُلْ يَا عِبَادِي الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسهمْ لَا تَقْنَطُوا" بِكَسْرِ النُّون وَفَتْحهَا وَقُرِئَ بِضَمِّهَا تَيْأَسُوا

"مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا" لِمَنْ تَابَ مِنَ الشِّرْكِ،

آپ فرما دیجئے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر لی ہے! یہاں پر لفظ تقنطوا یہ نون کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور اس کو ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ کہ تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بیشک اللہ سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے، وہ یقیناً بڑا بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے۔ جس نے شرک سے توبہ کی ہو۔

سورہ زمر آیت ۵۳ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا (قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا، فرمادیں اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ بے شک اللہ سب کو بخش دے گا، بے شک وہ بخشنے والا رحم واا ہے)۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1185)

سورہ زمر آیت ۵۳ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ یہ آیت عیاش بن ربیعہ، ولید بن ولید اور مسلمانوں کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اسلام قبول کیا لیکن آزمائش میں مبتلا ہوئے اور انہیں تکالیف دی گئی تو وہ فتنے میں مبتلا ہو گئے ہم کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان سے قطعا بدل یا عوض قبول نہیں کرے گا یہ لوگ پہلے اسلام لے آئے اور پھر تکلیف میں مبتلا کیے جانے کی وجہ سے اپنے دین کو چھوڑ بیٹھے ان کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی۔

حضرت عمر کاتب تھے چنانچہ انہوں نے عیاش بن ابی ربیعہ اور ولید بن ولید اور اس جماعت کو یہ آیت لکھ بھیجی ان سب نے دوبارہ اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ (نیسابوری 3056، قرطبی 15-(227)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ کچھ مشرکین نے بہت زیادہ قتل کیے تھے اور کثرت سے زنا کیا کرتے تھے یہ لوگ محمد کے پاس آئے اور کہا بے شک جس چیز کی آپ دعوت دیتے ہیں وہ اچھی ہے آپ بتلائیں کہ ہمارے اعمال کا کفارہ ہو سکتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عمر سے روایت ہے کہ جب ہم نے ہجرت کرنے پر اتفاق کر لیا تو میں عیاش اور ہشام بن وائل ہجرت کے لیے چلے ہم نے کہا وعدے کی جگہ بنو غفار کا میقات، مناصف ہے ہم میں سے جو بھی ان جھنڈوں کے قریب روک لیا گیا سو روک لیا گیا اس کے ساتھی کو چاہیے کہ وہ چلتا رہے اور عیاش صبح وہاں پہنچ گئے جبکہ ہشام کو روک کر تکالیف دی گئیں جس کی وجہ سے وہ فتنے میں پڑ گیا بالآخر ہم مدینہ پہنچے ہم کہا کرتے تھے اللہ ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں کرے گا ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کو پہچان لیا لیکن پھر دنیا کی سختی اور آزمائش کی وجہ سے پھر گئے ان کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے یہ آیت لکھی اور اسے بھیج دیا ہشام کہتے ہیں کہ یہ آیت میرے پاس آئی تو میں اسے لے کر ذی طور مقام پر گیا اور اللہ سے دعا کی

اے اللہ مجھے اس کی فہم عطا فرما چنانچہ میں نے (اللہ کی توفیق سے) پہچان لیا کہ یہ ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے میں واپس لوٹ آیا اور اپنے اونٹ پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ (نیسابوری 308، سنن کبریٰ 9-13)

اعلان رحمت والی آیت پر نبی کریم ﷺ کے خوش ہونے کا بیان

مسند احمد کی حدیث میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں مجھے ساری دنیا اور اس کی ہر چیز کے ملنے سے اتنی خوشی نہ ہوئی جتنی اس آیت کے نازل ہونے سے ہوئی ہے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ جس نے شرک کیا ہو؟ آپ نے تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد فرمایا خبردار رہو جس نے شرک بھی کیا ہو تین مرتبہ یہی فرمایا۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک بوڑھا بڈا شخص لکڑی ٹکاتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میرے چھوٹے موٹے گناہ بہت سارے ہیں کیا مجھے بھی بخشا جائے گا؟ آپ نے فرمایا کیا تو اللہ کی توحید کی گواہی نہیں دیتا؟ اس نے کہا ہاں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی بھی دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے چھوٹے موٹے گناہ معاف ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل)

وسیع رحمت کے سبب قاتل کی بخشش ہو جانے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے پہلے لوگوں میں ایک آدمی نے ننانوے جانوں کو قتل کیا پھر اس نے اہل زمین میں سے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا پس اس کی ایک راہب کی طرف راہنمائی کی گئی وہ اس کے پاس آیا تو کہنے لگا اس نے ننانوے جانوں کو قتل کیا ہے کیا اس کے لئے توبہ کا کوئی راستہ ہے اس نے کہا نہیں پس اس نے اس راہب کو قتل کر کے سو پورے کر دیئے پھر زمین والوں سے سب سے بڑے عالم کے بارے میں پوچھا تو ایک عالم کی طرف اس کی راہنمائی کی گئی اس نے کہا میں نے سو آدمیوں کو قتل کیا ہے میرے لئے توبہ کا کوئی راستہ ہے تو اس نے کہا جی ہاں اس کے اور توبہ کے درمیان کیا چیز رکاوٹ بن سکتی ہے تم اس اس جگہ کی طرف جاؤ وہاں پر موجود کچھ لوگ اللہ کی عبادت کر رہے ہیں تو بھی ان کے ساتھ عبادت الٰہی میں مصروف ہو جا اور اپنے علاقے کی طرف لوٹ کر نہ آنا کیونکہ وہ بری جگہ ہے پس وہ چل دیا یہاں تک کہ جب آدھے راستے پر پہنچا تو اس کی موت واقع ہوگئی پس اس کے بارے میں رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے جھگڑ پڑے رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ توبہ کرتا ہوا اور اپنے دل کو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہوا آیا اور عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے کوئی بھی نیک عمل نہیں کیا پس پھر ان کے پاس ایک فرشتہ آدمی کی صورت میں آیا اسے انہوں نے اپنے درمیان ثالث (فیصلہ کرنے والا) مقرر کر لیا تو اس نے کہا دونوں زمینوں کی پیمائش کر لو پس وہ دونوں میں سے جس زمین سے زیادہ قریب ہو وہی اس کا حکم ہوگا پس انہوں نے زمین کو ناپا تو اسی زمین کو کم پایا جس کا اس نے ارادہ کیا تھا پس پھر رحمت کے فرشتوں نے اس پر قبضہ کر لیا حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہمیں ذکر کیا گیا کہ جب اس کی موت واقع ہوئی تو اس نے اپنا سینہ اس زمین سے دور کر لیا تھا (جہاں سے وہ چلا تھا)۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2507)

وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَہٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۝

اورتم اپنے رب کی طرف توبہ وانابت اختیار کرو اوراس کے اطاعت گزار بن جاؤ قبل اس کے کہ تم پرعذاب آ جائے پھرتمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔

توبہ کے سبب عذاب سے بچ جانے کا بیان

"وَاَنِیْبُوا" ارْجِعُوا "اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوا" اَخْلِصُوا الْعَمَل "لَہُ مِنْ قَبْل اَنْ یَّاْتِیکُمْ الْعَذَاب ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ" بِمَنْعِهِ اِنْ لَمْ تَتُوبُوا،

اورتم اپنے رب کی طرف توبہ وانابت اختیار کرواوراس کے اطاعت گزار بن جاؤ یعنی عمل میں مخلص ہو جاؤ قبل اس کے کہ تم پر عذاب آ جائے پھرتمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ یعنی اگر تم نے توبہ نہ کی تو تم سے عذاب دور نہ کیا جائے گا۔

حضرت صفوان بن محرز سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کے بارے میں کیا سنا ہے انہوں نے کہا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوفرماتے ہوئے سنا قیامت کے دن ایک مومن اپنے رب کے قریب کیا جائے گا۔

یہاں تک کہ اللہ اس پر اپنی رحمت کا پردہ ڈال دے گا پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کروایا جائے گا پھر اللہ فرمائے گا کیا تو جانتا ہے وہ عرض کرے گا اے رب میں جانتا ہوں اللہ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرے گناہوں پر پردہ ڈلا ہے اور آج کے دن تیرے گناہوں کو معاف کرتا ہوں پھر اسے اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دیا جائے گا اور کفار ومنافقین کو علی الاعلان لوگوں کے سامنے بلایا جائے گا اور کہا جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2514)

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝

اوراس بہترین کی پیروی کرو جوتمہارے رب کی طرف سے تمہاری جانب اتاری گئی ہے قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

قرآن مجید کی اتباع کے حکم کا بیان

"وَاتَّبِعُوا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِنْ رَبِّکُمْ" هُوَ الْقُرْآن "مِنْ قَبْل اَنْ یَّاْتِیکُمْ الْعَذَاب بَغْتَة وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ" قَبْل اِتْیَانه بِوَقْتِهِ،

اوراس بہترین کی پیروی کرو جوتمہارے رب کی طرف سے تمہاری جانب اتاری گئی ہے اور وہ قرآن ہے۔ قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں اس کے آنے کے وقت خبر بھی نہ ہو۔

اتباع احسن سے کیا مراد ہے؟ اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ قرآن کریم سارے کا سارا ہی احسن الحدیث ہے۔ لہٰذا اس میں جو اوامر ہیں ان کی تعمیل کرے، نواہی سے اجتناب کرے' امثال اور قصوں میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اس سے عبرت اور نصیحت حاصل کرے۔ اس کے برعکس جو شخص جو نہ اوامر کی تعمیل کرے نہ نواہی سے اجتناب کرے اور نہ وعظ و نصیحت سے کوئی اثر قبول کرے۔ ایسا شخص وہ پہلو اختیار کرتا ہے جسے کتاب اللہ بدترین پہلو قرار دیتی ہے۔ اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کے اوامر کو اچھی سے اچھی شکل میں بجالائے۔ نواہی سے پوری طرح اجتناب کرے بلکہ جس بات میں شک ہو اسے بھی چھوڑ دے اور پند و نصیحت سے بھی وہ مطلب لے اور اثر قبول کرے جو ایک قلب سلیم کا تقاضا ہوتا ہے۔ اپنے نظریات اور خواہشات کو قرآن سے کشید کرنے کی کوشش نہ کرے۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝
کہ کوئی شخص کہے ہائے افسوس! اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کی جناب میں کی اور بے شک میں تو مذاق کرنے والوں سے تھا

عذاب کے بعد حسرت کرنے والوں کا بیان

فَبَادِرُوا قَبْلَ "أَنْ تَقُولَ نَفْس يَا حَسْرَتَى" أَصْله يَا حَسْرَتِي أَيْ نَدَامَتِي "عَلَى مَا فَرَّطْت فِي جَنْب اللّٰه" أَيْ طَاعَته "وَإِنْ" مُخَفَّفَة مِنْ الثَّقِيلَة أَيْ وَإِنِّي "كُنْت لَمِنْ السَّاخِرِينَ" بِدِينِهِ وَكِتَابه،

ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص کہے ہائے افسوس! یعنی یا حسرتی، جس کا معنی ندامتی ہے۔ اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ کی جناب یعنی اس کی اطاعت میں کی اور یہاں پر لفظ اِن مخففہ از ثقل ہے۔ یعنی بے شک میں تو مذاق کرنے والوں سے تھا۔ یعنی آپ کی کتاب اور آپ کے دین سے مذاق کرتا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کوئی بھی شخص (کہ جنت کا مستحق قرار پا چکا ہوگا) اس وقت تک جنت میں داخل نہیں کیا جائے گا جب تک اس کو دوزخ میں وہ جگہ نہ دکھادی جائے گی جو اس کا ٹھکانا ہوتا، اگر وہ برے کام کرتا (یعنی اس کو وہ جگہ دکھا کر بتایا جائے گا کہ اگر تم دنیا میں برے کام کرتے تو دوزخ میں اس جگہ تمہارا ٹھکانا ہوتا) اور یہ اس لئے ہوگا تا کہ وہ دنیا میں برے کام سے بچنے کی توفیق ملنے اور دوزخ میں جانے کے بجائے جنت میں داخل کئے جانے پر) زیادہ سے زیادہ شکر ادا کر سکے اور کوئی بھی شخص (کہ جو عذاب دوزخ کا مستوجب قرار دیا جا چکا ہوگا) اس وقت تک دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا۔

جب تک کہ اس کو جنت میں وہ جگہ نہ دکھاوی جائے گی جو اس کے لئے مخصوص تھی اگر وہ نیک کام کرتا (یعنی اس کو وہ جگہ دکھا کر بتایا جائے گا کہ اگر تم دنیا میں برائی کے راستے پر نہ لگے رہتے اور نیک کام کرتے تو جنت میں تمہیں یہ مقام عطا ہوتا) اور یہ اس لئے ہوگا تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ حسرت و ندامت میں مبتلا رہے۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 158)

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِیْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِیْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۝

یا کہے کہ اگر واقعی اللہ مجھے ہدایت دیتا تو میں ضرور پرہیزگاروں میں سے ہوتا۔ یا کہے جب وہ عذاب دیکھے کاش! واقعی میرے لیے ایک بار لوٹنا ہوتو میں نیک عمل کرنے والوں میں شامل ہوجاؤں۔ کیوں نہیں، بے شک تیرے پاس میری آیات آئیں تو تو نے انھیں جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو انکار کرنے والوں میں سے تھا۔

آخرت میں کفار کا دنیا میں لوٹ کر ایمان لانے کی حسرت کا بیان

"أَوْ تَقُول لَوْ أَنَّ اللّٰه هَدَانِي" بِالطَّاعَةِ فَاهْتَدَيْت "لَكُنْت مِنَ الْمُتَّقِينَ" عَذَابه "أَوْ تَقُول حِين تَرَى الْعَذَاب لَوْ أَنَّ لِي كَرَّة" رَجْعَة إِلَى الدُّنْيَا "فَأَكُون مِنَ الْمُحْسِنِينَ" الْمُؤْمِنِينَ فَيُقَال لَهُ مِنْ قِبَل اللّٰه: "بَلَى قَدْ جَاءَتْك آيَاتِي" الْقُرْآن وَهُوَ سَبَب الْهِدَايَة "فَكَذَّبْت بِهَا وَاسْتَكْبَرْت" تَكَبَّرْت عَنْ الْإِيمَان بِهَا،

یا کہے کہ اگر واقعی اللہ مجھے اطاعت کے ساتھ ہدایت دیتا تو میں ہدایت یافتہ ہو جاتا، تو میں ضرور پرہیزگاروں میں سے ہوتا۔ یعنی اس کے عذاب سے بچنے والے لوگوں سے ہوتا۔ یا کہے جب وہ عذاب دیکھے کاش! واقعی میرے لیے ایک بار دنیا میں لوٹنا ہوتو میں نیک عمل کرنے والوں یعنی اہل ایمان میں شامل ہوجاؤں۔ تو اس سے کہا جائے گا کیوں نہیں، بے شک اس سے پہلے اللہ کی طرف سے تیرے پاس آیات آئیں یعنی قرآن آیا اور وہی ہدایت کا سبب تھا، تو تو نے انھیں جھٹلایا اور ایمان لانے سے تکبر کیا اور تو انکار کرنے والوں میں سے تھا۔

بعض کفار فجار قیامت کے روز مختلف تمنائیں کریں گے۔ کوئی تو اظہار حسرت کرے گا کہ افسوس میں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوتاہی کی تھی۔ کوئی وہاں بھی اپنا الزام تقدیر پر ڈال کر بچنا چاہے گا وہ کہے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت کر دیتا تو میں بھی متقیوں میں داخل ہوتا، مگر خدا نے ہی ہدایت نہ کی تو میں کیا کروں۔ کوئی یہ تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو میں سچا پکا مسلمان بنوں، اور اللہ کے احکام کی پوری اطاعت کروں۔ مگر اس وقت کی یہ حسرتیں اور تمنائیں کسی کے کام نہ آئیں گی۔

یہ تین قسم کی تمنائیں ہوسکتا ہے کہ مختلف لوگوں کی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تینوں تمنائیں یکے بعد دیگرے ایک ہی جماعت کے کفار کی طرف سے ہوں، کیونکہ آخری قول جس میں دوبارہ دنیا میں آنے کی تمنا ہے اس کے ساتھ آیت میں مذکور ہے کہ وہ عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد ہوگا۔

وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ تَرَى الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ ۝

اور قیامت کے دن تو دیکھے گا کہ وہ لوگ جنھوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے،

کیا جہنم میں ان متکبروں کے لیے کوئی ٹھکانا نہیں؟

مشرکین کے چہروں کا قیامت کے دن سیاہ ہونے کا بیان

"وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ" بِنِسْبَةِ الشَّرِيكِ وَالْوَلَدِ إِلَيْهِ "وُجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى" مَأْوًى "لِلْمُتَكَبِّرِينَ" عَنِ الْإِيمَانِ؟ بَلَى،

اور قیامت کے دن تو دیکھے گا کہ وہ لوگ جنھوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا یعنی اس کی طرف شریک اور اولاد کی نسبت کی۔ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے، کیا جہنم میں ان متکبروں کے لیے کوئی ٹھکانا نہیں؟ یعنی جنہوں نے ایمان لانے سے تکبر کیا۔ ہاں ان کیلئے ضرور دوزخ میں جگہ ہے۔

قیامت کے دن مشرکین کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے

قیامت کے دن دو طرح کے لوگ ہوں گے۔ کالے منہ والے اور نورانی چہرے والے۔ تفرقہ اور اختلاف والوں کے چہرے تو سیاہ پڑ جائیں گے اور اہل سنت و جماعت کی خوبصورت شکلیں نورانی ہو جائیں گی۔ اللہ کے شریک ٹھہرانے والوں اس کی اولاد مقرر کرنے والوں کو دیکھے گا کہ ان کے جھوٹ اور بہتان کی وجہ سے منہ کالے ہوں گے۔ اور حق کو قبول نہ کرنے اور تکبر و خودنمائی کرنے کے وبال میں یہ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ جہاں بڑی ذلت کے ساتھ سخت تر اور بدترین سزائیں بھگتیں گے۔ ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث میں ہے کہ " تکبر کرنے والوں کا حشر قیامت کے دن چیونٹیوں کی صورت میں ہوگا ہر چھوٹی سے چھوٹی مخلوق بھی انہیں روندتی جائے گی یہاں تک کہ جہنم کے جیل خانے میں بند کر دیئے جائیں گے جس کا نام بولس ہے۔ جس کی آگ بہت تیز اور نہایت ہی مصیبت والی ہے۔ دوزخیوں کو لہو اور پیپ اور گندگی پلائی جائے گی، ہاں اللہ کا ڈر رکھنے والے اپنی کامیابی اور سعادت مندی کی وجہ سے اس عذاب سے اور اس ذلت اور مار پیٹ سے بالکل بچے ہوئے ہوں گے اور کوئی برائی ان کے پاس بھی نہ پھٹکے گی۔ گھبراہٹ اور غم جو قیامت کے دن عام ہوگا وہ ان سے الگ ہوگا۔ ہر غم سے بے غم اور ہر ڈر سے بیڈر اور ہر سزا اور ہر دکھ سے بے پروا ہوں گے۔ کسی قسم کی ڈانٹ جھڑکی انہیں نہ دی جائے گی امن و امان کے ساتھ راحت و چین کے ساتھ اللہ کی تمام نعمتیں حاصل کئے ہوئے ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ زمر، بیروت)

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۚ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○
اور اللہ ایسے لوگوں کو جنہوں نے پرہیزگاری اختیار کی ہے ان کی کامیابی کے ساتھ نجات دے گا نہ انہیں
کوئی برائی پہنچے گی اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

اہل جنت کا تکلیف و غم سے بری ہونے کا بیان

"وَيُنَجِّي اللَّهُ" مِنْ جَهَنَّمَ "الَّذِينَ اتَّقَوْا" الشِّرْكَ "بِمَفَازَتِهِمْ" أَيْ بِمَكَانِ فَوْزِهِمْ مِنَ الْجَنَّةِ بِأَنْ

يُجْعَلُوا فِيهِ،

اور اللہ ایسے لوگوں کو جنھوں نے پرہیزگاری اختیار کی ہے یعنی جو شرک سے بچ گئے۔ان کی کامیابی کے ساتھ نجات دے گا اور ان کی کامیابی کا مکان جنت ہے۔ کیونکہ وہ ان کے رہنے کیلئے بنایا گیا ہے۔نہ انہیں کوئی برائی پہنچے گی اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نیکوکار لوگوں کو اتنے بلند مقام پر پہنچادے گا۔ جہاں انہیں روز محشر کی لو اور تپش نہ پہنچ سکے گی۔ وہاں وہ ہر طرح کی تکلیف سے محفوظ ہوں گے۔ جو اعمال انہوں نے دنیا میں کیے ہوں گے ان پر وہ مطمئن ہوں گے اور انہیں کسی قسم کا غم لاحق نہ ہوگا۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝
اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔اسی کے پاس آسمانوں کی اور زمین کی کنجیاں ہیں
اور وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا وہی خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

زمین وآسمان وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے تصرف کا بیان

"اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيل " مُتَصَرِّف فِيهِ كَيْفَ يَشَاء "لَهُ مَقَالِيد السَّمَاوَات وَالْأَرْض " أَيْ مَفَاتِيح خَزَائِنهمَا مِنْ الْمَطَر وَالنَّبَات وَغَيْرهمَا "وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّه " الْقُرْآن "أُولَئِكَ هُمْ الْخَاسِرُونَ" مُتَّصِل بِقَوْلِهِ : "وَيُنَجِّي اللَّه الَّذِينَ اتَّقَوْا" إلَخْ وَمَا بَيْنهمَا اعْتِرَاض،

اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔یعنی وہ تصرف کرنے والا ہے جیسے وہ چاہے۔اسی کے پاس آسمانوں کی اور زمین کی کنجیاں ہیں یعنی ان دونوں کے خزانے جو اس میں بارش اور نباتات وغیرہ ہیں۔اور وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی آیات یعنی قرآن کا انکار کیا وہی خسارہ اٹھانے والے ہیں۔اور یہ فرمان اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ساتھ متصل طور بیان ہوا ہے ۔وَيُنَجِّي اللَّه الَّذِينَ اتَّقَوْا"، جبکہ ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

امام ابن ابی حاتم نے یہاں ایک حدیث وارد کی ہے اس میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا اے عثمان تم سے پہلے کسی نے مجھ سے اس آیت کا مطلب دریافت نہیں کیا۔ اس کی تفسیر یہ کلمات ہیں (لا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ ولا قوۃ الا باللہ الاول والاخر والظاہر والباطن بیدہ الخیر یحیی و یمیت وھو علی کل شئی قدیر ۔) اے عثمان جو شخص اسے صبح کو دس بار پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اسے چھ فضائل عطا فرماتا ہے اول تو وہ شیطان اور اس کے لشکر سے بچ جاتا ہے، دوم اسے ایک قنطار اجر ملتا ہے، تیسرے اس کا ایک درجہ جنت میں بلند ہوتا ہے، چوتھی اسکا حور عین سے نکاح کرادیا جاتا ہے۔

پانچویں اس کے پاس بارہ فرشتے آتے ہیں، چھٹے اسے اتنا ثواب دیا جاتا ہے جیسے کسی نے قرآن اور توراۃ اور انجیل وزبور

پڑھی۔ پھر اس ساتھ ہی اسے ایک قبول شدہ حج اور ایک مقبول عمرے کا ثواب ملتا ہے اور اگر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو شہادت کا درجہ ملتا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ زمر، بیروت)

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝
فرمادیجئے: اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی پرستش کرنے کا کہتے ہو۔

غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کی جہالت کا بیان

"قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّه تَأْمُرُونِّي أَعْبُد أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ" غَيْر مَنْصُوب بِأَعْبُد الْمَعْمُول لِتَأْمُرُونِّي بِتَقْدِيرِ أَنْ بِنُونٍ وَاحِدَة وَبِنُونَيْنِ بِإِدْغَامٍ وَفَكّ،

فرمادیجئے: اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی پرستش کرنے کا کہتے ہو۔ یہاں پر لفظ غیر یہ منصوب ہے کیونکہ اس کا معمول لفظ اُعبد ہے۔ یعنی تم مجھے حکم دیتے ہو۔ اور یہ لفظ اَن کی تقدیر کے ساتھ جو ایک نون اور دونوں نونوں کے ادغام کے بغیر ادغام کے بھی آیا ہے۔

اے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کفار قریش سے جو آپ کو اپنے دین یعنی بت پرستی کی طرف بلاتے ہیں۔ فرمادیجئے: اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کی پرستش کرنے کا کہتے ہو۔

جاہل اس واسطے فرمایا کہ انہیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مستحق عبادت نہیں باوجود یہ کہ اس پر قطعی دلیلیں قائم ہیں۔

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝
اور بلاشبہ یقیناً تیری طرف وحی کی گئی اور ان لوگوں کی طرف بھی جو تجھ سے پہلے تھے کہ بلاشبہ اگر تو نے شریک ٹھہرایا تو
یقیناً تیرا عمل ضرور ضائع ہو جائے گا اور تو ضرور بالضرور خسارہ اٹھانے والوں سے ہو جائے گا۔

شرک کے کبیرہ گناہ ہونے میں سختی کا بیان

"وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْك وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلك" وَاَللّٰه "لَئِنْ أَشْرَكْت" يَا مُحَمَّد فَرْضًا

اور بلاشبہ یقیناً تیری طرف وحی کی گئی اور ان لوگوں کی طرف بھی جو تجھ سے پہلے تھے۔ یا محمد ﷺ اگر بہ فرض محال آپ نے شریک ٹھہرایا تو یقیناً آپ کا عمل ضرور ضائع ہو جائے گا اور آپ ضرور بالضرور خسارہ اٹھانے والوں سے ہو جائے گا۔

واضح رہے کہ انبیاء سے شرک کا صدور محال ہے۔ کیونکہ وہ جن مقاصد کے لئے مبعوث کئے جاتے ہیں ان میں اولین مقصد شرک کی بیخ کنی اور توحید کی ترویج ہوتا ہے۔ اسی بات پر وہ خود قائم رہتے اور دوسروں کو دعوت دیتے ہیں۔ یہاں جو آپ کو مخاطب کر کے یہ بات کہی گئی ہے۔ تو اس سے شرک کی انتہائی مذمت مقصود ہے۔

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ○

بلکہ اللہ ہی کی پھر عبادت کر اور شکر کرنے والوں سے ہو جا۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے حکم کا بیان

" بَلِ اللّٰه" وَحْده "فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ" إنْعَامه عَلَيْك

بلکہ اللہ وحدہ کی پھر عبادت کر اور شکر کرنے والوں سے ہو جا۔ یعنی جو آپ پر انعام ہیں ان کو شکریہ ادا کریں۔

بل اللّٰہ فاعبد: بل حرف اضراب ہے۔ جس کی عبادت (ماسوی اللہ) کافرین چاہتے تھے اس کی تردید میں ارشاد ہوتا ہے۔ بل اللّٰہ فاعبد: کانہ قال لاتعبد ما امروك بعبادته بل ان عبدت فاعبد اللّٰه ۔ یعنی جو وہ چاہتے ہیں اس کی عبادت نہ کرو بلکہ اگر عبادت کرنا ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ شرط کو حذف کر کے اس کے عوض مفعول کو لایا گیا ہے۔ کرین۔ اسم فاعل جمع مذکر شکر مصدر سے۔ شکر گزار۔ احسان ماننے والا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ○

اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جو اس کی قدر کا حق ہے، حالانکہ زمین ساری قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک بنا رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت وشان کو پہچاننے کا بیان

"وَمَا قَدَرُوا اللّٰه حَقّ قَدْره " مَا عَرَفُوهُ حَقّ مَعْرِفَته أَوْ مَا عَظَّمُوهُ حَقّ عَظَمَته حِين أَشْرَكُوا بِهِ غَيْره "وَالْأَرْض جَمِيعًا" حَال : أَيْ السَّبْع "قَبْضَته" أَيْ مَقْبُوضَة لَهُ : أَيْ فِي مُلْكه وَتَصَرُّفه "يَوْم الْقِيَامَة وَالسَّمَوَات مَطْوِيَّات" مَجْمُوعَات "بِيَمِينِهِ" بِقُدْرَتِهِ "سُبْحَانه وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ" مَعَهُ،

اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جو اس کی قدر کا حق ہے، یعنی جو اس کی معرفت کا حق تھا یا جو اس کی عظمت کا حق تھا۔ جبکہ انہوں نے اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا۔ حالانکہ زمین ساری قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی، یہاں پر لفظ جمیعا یہ السبع سے حال ہے۔ یعنی اس کے قبضہ میں ہیں۔ جو اس کی ملکیت وتصرف میں ہیں۔ اور قیامت کے بھی اسی کا تصرف ہوگا۔ اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔ یعنی اس کی قدرت سے جمع ہوں گے۔ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک بنا رہے ہیں۔

سورہ زمر آیت ۶۷ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے محمد! اللہ

تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر اور زمینوں کو ایک انگلی پر اور پہاڑوں کو ایک انگلی پر اٹھانے کے بعد کہتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ اس بات پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دانت ظاہر ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ، اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1186)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ جانتے ہو جہنم کتنی وسیع ہے؟ مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے کہا نہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اللہ کی قسم! تم نہیں جانتے مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وَالْاَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ الأية کے بارے میں پوچھا کہ یا رسول اللہ! اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم کے پل پر ہوں گے۔ اس حدیث میں ایک قصہ ہے اور یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1193)

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ
ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ○
اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو لوگ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہوں گے، مر کر گر جائیں گے مگر جسے اللہ نے چاہا،
پھر اس میں دوسری دفعہ پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔

صور پھونکنے کے سبب مرنے جینے کا بیان

"وَنُفِخَ فِي الصُّور " النَّفْخَة الْأُولَى "فَصَعِقَ" مَاتَ "مَنْ فِي السَّمٰوَات وَالْأَرْض إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰه" مِنْ الْحُور وَالْوِلْدَان وَغَيْرهمَا "ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُمْ" أَيْ جَمِيع الْخَلَائِق الْمَوْتَى "قِيَام يَنْظُرُونَ" يَنْتَظِرُونَ مَا يُفْعَل بِهِمْ،

اور جب پہلی بار صور میں پھونکا جائے گا تو جو لوگ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہوں گے، اس صور کے سبب مر کر گر جائیں گے مگر جسے اللہ نے چاہا، یعنی جو حور اور بچے وغیرہ ہیں۔ پھر اس میں دوسری دفعہ پھونکا جائے گا تو اچانک وہ یعنی تمام فوت ہونے والی مخلوقات کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔ انتظار کر رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

صور پھونکے جانے وقت میں دعائیہ کلمات کو پڑھنے کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کس طرح آرام کروں جب کہ صور پھونکنے والے نے صور کو منہ لگایا ہے۔ وہ اپنی پیشانی جھکائے اور کان لگائے انتظار کر رہا ہے کہ کب اسے پھونکنے کا حکم دیا جائے اور وہ پھونکے۔ مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم کیا کہیں (اس وقت)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ تَوَكَّلْنَا عَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا یعنی ہمیں اللہ کافی ہے وہ بہترین وکیل ہے، ہم اپنے رب اللہ پر ہی توکل کرتے ہیں)۔ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1189)

نفخہ اولی اور نفخہ ثانیہ کا بیان

یہ پہلے نفخہ کا بیان ہے اس نفخہ سے جو بیہوشی طاری ہوگی اس کا یہ اثر ہوگا کہ ملائکہ اور زمین والوں سے اس وقت جو لوگ زندہ ہوں گے جن پر موت نہ آئی ہوگی وہ اس سے مرجائیں گے۔ اور جن پر موت وارد ہو چکی پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حیات عنایت کی وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسے کہ انبیاء وشہداء ان پر اس نفخہ سے بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہوگی اور جو لوگ قبروں میں مرے پڑے ہیں انہیں اس نفخہ کا شعور بھی نہ ہوگا۔ (تفسیر جمل علی الجلالین)

اس استثناء میں کون کون داخل ہے اس میں مفسرین کے بہت اقوال ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ نفخہ صعق سے تمام آسمان اور زمین والے مرجائیں گے سوائے جبرئیل ومیکائیل واسرافیل وملک الموت کے پھر اللہ تعالیٰ دونوں نفخوں کے درمیان جو چالیس برس کی مدت ہے اس میں ان فرشتوں کو بھی موت دے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مستثنیٰ شہداء ہیں جن کے لئے قران مجید میں (بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ، البقرۃ:154) آیا ہے۔ حدیث شریف میں بھی ہے کہ وہ شہداء ہیں جو تلواریں حمائل کئے گرد عرش حاضر ہوں گے۔ تیسرا قول حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مستثنیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں چونکہ آپ طور پر بیہوش ہو چکے ہیں اس لئے اس نفخہ سے آپ بیہوش نہ ہوں گے بلکہ آپ متیقظ وہوشیار رہیں گے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ مستثنیٰ جنت کی حوریں اور عرش وکرسی کے رہنے والے ہیں۔ ضحاک کا قول ہے کہ مستثنیٰ رضوان اور حوریں اور وہ فرشتے جو جہنم پر مامور ہیں وہ اور جہنم کے سانپ بچھو ہیں۔ (تفسیر کبیر، سورہ زمر، بیروت)

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ
وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○
اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی اور کتاب رکھ دی جائے گی اور انبیاء کو اور گواہوں کو لایا جائے گا
اور لوگوں کے درمیان حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

قیامت کے دن حساب کی کتاب رکھ دیئے جانے کا بیان

"وَأَشْرَقَتِ الْاَرْض" أَضَاءَتْ "بِنُورِ رَبِّهَا" حِينَ يَتَجَلَّى اللّٰه لِفَصْلِ الْقَضَاء "وَوُضِعَ الْكِتَاب" كِتَاب الْأَعْمَال لِلْحِسَابِ "وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاء" أَيْ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُمَّته يَشْهَدُونَ لِلرُّسُلِ بِالْبَلَاغِ "وَقُضِيَ بَيْنهمْ بِالْحَقِّ" أَيْ الْعَدْل "وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ" شَيْئًا،

اور زمین محشر اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی اور ہر ایک کے اعمال کے حساب کی کتاب رکھ دی جائے گی اور انبیاء کو اور گواہوں کو لایا جائے گا یعنی امام الانبیاء حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کی تشریف آوری ہوگی جس سابقہ رسولان گرامی کے حق میں گواہی دیں گے۔ اور لوگوں کے درمیان حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

قیامت کے دن جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے فیصلے کیلئے آئے گا اس وقت اس کے نور سے ساری زمین روشن ہو جائے گی۔ نامہ اعمال لائے جائیں گے۔ نبیوں کو پیش کیا جائے گا جو گواہی دیں گے کہ انہوں نے اپنی امتوں کو تبلیغ کر دی تھی۔ اور بندوں کے نیک وبد اعمال کے محافظ فرشتے لائے جائیں گے۔ اور عدل وانصاف کے ساتھ مخلوق کے فیصلے کئے جائیں گے۔ اور کسی پر کسی قسم کا ظلم وستم نہ کیا جائے گا۔ جیسے فرمایا (وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْــــًٔا، الأنبياء:47)۔ یعنی قیامت کے دن ہم میزان عدل قائم کریں گے اور کسی پر بالکل ظلم نہ ہوگا گو رائی کے دانے کے برابر عمل ہو ہم اسے بھی موجود کر دیں گے۔ اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ زمر، بیروت)

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝
اور ہر شخص کو پورا پورا دیا جائے گا جو اس نے کیا اور وہ زیادہ جاننے والا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔

قیامت کے دن اعمال کا بدلہ پورا پورا دیئے جانے کا بیان

"وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ" أَيْ جَزَاءَهُ "وَهُوَ أَعْلَمُ" عَالِمٌ "بِمَا يَفْعَلُونَ" فَلَا يَحْتَاجُ إِلَى شَاهِدٍ

اور ہر شخص کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کیا اور وہ زیادہ جاننے والا ہے، یہاں پر لفظ اعلم یہ عالم کے معنی میں ہے۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ پس اس کو گواہی کی ضرورت نہیں ہے۔

اور آیت میں ہے اللہ تعالیٰ بہ قدر ذرے کے بھی ظلم نہیں کرتا وہ نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتا ہے۔ اسی لئے یہاں بھی ارشاد ہو رہا ہے ہر شخص کو اس کے بھلے برے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ وہ ہر شخص کے اعمال سے باخبر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ زمر، بیروت)

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ
خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ
قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝
اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے
تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے نگران ان سے کہیں گے کیا تمھارے پاس تم میں سے کچھ رسول نہیں

آ ئے جوتم پر تمھارے رب کی آیات پڑھتے ہوں اور تمھیں تمھارے اس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوں؟
کہیں گے کیوں نہیں، اور لیکن عذاب کی بات کافروں پر ثابت ہوگئی۔

کفار کے گروہ در گروہوں کا جہنم میں ڈالے جانے کا بیان

"وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا " بِعُنْفٍ "إِلَى جَهَنَّمَ زُمَرًا " جَمَاعَات مُتَفَرِّقَة "حَتَّى إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابهَا" جَوَاب إِذَا "وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُل مِنْكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَات رَبّكُمْ " الْقُرْآن وَغَيْره "وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمكُمْ هَذَا قَالُوا بَلَى وَلَكِنْ حَقَّتْ كَلِمَة الْعَذَاب" أَيْ : "لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّم" الْآيَة،

اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، یعنی مختلف جماعتوں کی صورت میں جہنم میں ڈالا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو اس کے دروازے کھولے جائیں گے، یہ لفظ اذا کا جواب ہے۔ اور اس کے نگران ان سے کہیں گے کیا تمھارے پاس تم میں سے کچھ رسول نہیں آئے جوتم پر تمھارے رب کی آیات یعنی قرآن وغیرہ پڑھتے ہوں اور تمھیں تمھارے اس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوں؟ کہیں گے کیوں نہیں، اور لیکن عذاب کی بات کافروں پر ثابت ہو گئی۔ یعنی کہ میں ان سے جہنم کو بھر دوں گا۔

حالت زمر میں کفار کو جہنم میں ڈال دیئے جانے کا بیان

بدنصیب منکرین حق، کفار کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ وہ جانوروں کی طرح رسوائی، ذلت ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑکی سے جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے۔ جیسے اور آیت میں یدعون کا لفظ ہے یعنی دھکے دیئے جائیں گے اور سخت پیاسے ہوں گے، جیسے اللہ جل و علا نے فرمایا (یوم نحشر المتقین) الخ، جس روز ہم پرہیزگاروں کو رحمان کے مہمان بنا کر جمع کریں گے اور گنہگاروں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔ اس کے علاوہ وہ بہرے گونگے اور اندھے ہوں گے اور منہ کے بل گھسیٹ کر لائیں گے یہ اندھے گونگے اور بہرے ہوں گے ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا جب اس کی آتش دھیمی ہونے لگے ہم اسے اور تیز کر دیں گے۔ یہ قریب پہنچیں گے دروازے کھل جائیں گے تاکہ فوراً ہی عذاب نار شروع ہو جائے۔ پھر انہیں وہاں کے محافظ فرشتے شرمندہ کرنے کیلئے اور ندامت بڑھانے کیلئے ڈانٹ کر اور گھرک کر کہیں گے کیونکہ ان میں رحم کا تو مادہ ہی نہیں سراسر سختی کرنے والے سخت غصے والے اور بڑی بری طرح مار مارنے والے ہیں کہ کیا تمہارے پاس تمہاری ہی جنس کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں آئے تھے؟ جن سے تم سوال جواب کر سکتے تھے اپنا اطمینان اور تسلی کر سکتے تھے ان کی باتوں کو سمجھ سکتے تھے ان کی صحبت میں بیٹھ سکتے تھے، انہوں نے اللہ کی آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائیں اپنے لائے ہوئے سچے دین پر دلیلیں قائم کر دیں۔

تمہیں اس دن کی برائیوں سے آگاہ کر دیا۔ آج کے عذابوں سے ڈرایا۔ کافر اقرار کریں گے کہ ہاں یہ سچ ہے بیشک اللہ کے پیغمبر ہم میں آئے۔ انہوں نے دلیلیں بھی قائم کیں ہمیں بہت کچھ کہا سنا بھی۔ ڈرایا دھمکایا بھی۔ لیکن ہم نے ان کی ایک نہ مانی بلکہ

ان کے خلاف کیا مقابلہ کیا کیونکہ ہماری قسمت میں ہی شقاوت تھی۔ ازلی بدنصیب ہم تھے۔ حق سے ہٹ گئے اور باطل کے طرفدار بن گئے۔ جیسے سورۃ تبارک کی آیت میں ہے جب جہنم میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا۔ اس سے وہاں کے محافظ پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہاں آیا تو تھا لیکن ہم نے اس کی تکذیب کی اور کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا تم بڑی بھاری غلطی میں ہو۔ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو آج دوزخیوں میں نہ ہوتے۔ یعنی اپنے آپ کو آپ ملامت کرنے لگیں گے اپنے گناہ کا خود اقرار کریں گے۔ اللہ فرمائے گا دوری اور خسارہ ہو۔ لعنت و پھٹکار ہو اہل دوزخ پر، کہا جائے گا یعنی ہر وہ شخص جو انہیں دیکھے گا اور ان کی حالت کو معلوم کرے گا وہ صاف کہہ اٹھے گا کہ بیشک یہ اسی لائق ہیں۔ اسی لئے کہنے والے کا نام نہیں لیا گیا بلکہ اسے مطلق چھوڑا گیا تا کہ اس کا عموم باقی رہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے عدل کی گواہی کامل ہو جائے ان سے کہہ دیا جائے گا کہ اب جاؤ جہنم میں یہیں ہمیشہ جلتے بھلستے رہنا نہ یہاں سے کسی طرح کسی وقت چھٹکارا ملے نہ تمہیں موت آئے آہ! یہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے جس میں دن رات جلنا ہی جلنا ہے۔ یہ ہے تمہارے تکبر کا اور حق کو نہ ماننے کا بدلہ۔ جس نے تمہیں ایسی بری جگہ پہنچایا اور یہیں کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ زمر، بیروت)

قِيۡلَ ادۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ ۚ فَبِئۡسَ مَثۡوَى الۡمُتَكَبِّرِيۡنَ ۝
کہا جائے گا جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہنے والے، پس وہ تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے۔

جہنمیوں کو دوزخ کے دروازوں سے داخل کرنے کا بیان

"قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَاب جَهَنَّم خَالِدِينَ فِيهَا " مُقَدَّرِينَ الْخُلُود "فَبِئْسَ مَثْوَى" مَأْوَى "الْمُتَكَبِّرِينَ" جَهَنَّم،

کہا جائے گا جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، یعنی ان کیلئے خلود مقدر ہو چکا ہے۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے، پس وہ تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا جہنم ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

بئس۔ برا ہے۔ فعل ذم ہے۔ اس کی گردن نہیں آتی۔ بئس اصل میں بئس تھا۔ (بروزن فعل باب سمع) عین کلمہ کی اتباع میں اس کے فاء کلمہ کو کسرہ دیا گیا۔ پھر تخفیف کیلئے عین کلمہ کو ساکن کر دیا بئس ہو گیا۔

مثوی المتکبرین ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر فاعل ہے بئس کا۔ مثوی۔ ظرف مکان۔ فرودگاہ۔ المتکبرین۔ میں الف لام جنس کا ہے۔ تکبر کرنے والے۔ حق کو حقیر سمجھ کر قبول نہ کرنے والے۔ فبئس مثوی المتکبرین۔ پس تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ بہت برا ہے۔

وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ اِلَى الۡجَـنَّةِ زُمَرًا‌ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوۡهَا وَفُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا
وَقَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡهَا خٰلِدِيۡنَ ۝

اور وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈر گئے، گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اس
کے پاس آئیں گے، اس حال میں کہ اس کے دروازے کھول دیے گئے ہوں گے اور اس کے نگران ان سے کہیں گے
تم پر سلام ہو، تم پاکیزہ رہے، پس اس میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ رہنے والے ہو۔

اہل جنت کے اعزاز کے سبب جنت کے دروازوں کو کھول دیئے جانے کا بیان

"وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهِمْ" بِلُطْفٍ "إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّى إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا" الْوَاو فِيهِ لِلْحَالِ بِتَقْدِيرِ قَدْ "وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ" حَال "فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ" مُقَدَّرِينَ الْخُلُود فِيهَا وَجَوَاب إِذَا مُقَدَّر أَيْ دُخُولهَا وَسَوْقهمْ وَفَتْح الْأَبْوَاب قَبْل مَجِيئِهِمْ تَكْرِمَة لَهُمْ وَسَوْق الْكُفَّار وَفَتْح أَبْوَاب جَهَنَّم عِنْد مَجِيئِهِمْ لِيَبْقَى حَرّهَا إِلَيْهِمْ إِهَانَة لَهُمْ،

اور وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈر گئے، گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے، اس حال میں کہ اس کے دروازے کھول دیے گئے ہوں گے۔ یہاں پر واؤ حالیہ ہے۔ جس میں مقدر لفظ قد ہے۔ اور اس کے نگران ان سے کہیں گے تم پر سلام ہو، تم پاکیزہ رہے، یہاں پر لفظ طبتم یہ فادخلوہا سے حال ہے۔ جس میں ان کا خلود مقدر ہو چکا ہے۔ اور یہ اذا مقدرہ کا جواب ہے۔ یعنی ان کے دخول اور ان کے چلائے جانے، اور ان کی عزت و تکریم کے پیش نظر دروازوں کو کھول دیا جائے گا۔ پس اس میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ رہنے والے ہو۔ جبکہ کفار کو جہنم کی جانب ہنکایا جائے گا اور ان کے وہاں پہنچ جانے پر دروازوں کو کھولا جائے گا۔ تا کہ اس کی گرمی باقی رہے۔ یہ ان کی توہین کیلئے کیا جائے گا۔

اہل جنت کا منازل جنت میں پہنچ جانے کا بیان

یہاں سعادت مندوں کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ بہترین خوبصورت اونٹنیوں پر سوار ہو کر جنت کی طرف پہنچائے جائیں گے۔ ان کی بھی جماعتیں ہوں گی مقربین خاص کی جماعت، پھر ابرار کی، پھر ان سے کم درجے والوں کی، پھر ان سے کم درجے والوں کی، ہر جماعت اپنے مناسب لوگوں کے ساتھ ہوگی، انبیاء انبیاء کے ہمراہ، صدیق اپنے جیسوں کے ساتھ، شہید لوگ اپنے والوں کے ہمراہ، علماء اپنے جیسوں کے ساتھ، غرض ہر ہم جنس اپنے میل کے لوگوں کے ساتھ ہوں گے جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے پل صراط سے پار ہو چکے ہوں گے، وہاں ایک پل پر ٹھہرائے جائیں گے۔

اور ان میں آپس میں جو مظالم ہوں گے ان کا قصاص اور بدلہ ہو جائے گا۔ جب پاک صاف ہو جائیں گے تو جنت میں جانے کی اجازت پائیں گے۔ صور کی مطول حدیث میں ہے کہ جنت کے دروازوں پر پہنچ کر یہ آپس میں مشورہ کریں گے کہ دیکھو سب سے پہلے کسے اجازت دی جاتی ہے، پھر وہ حضرت آدم کا قصد کریں گے۔ پھر حضرت نوح کا پھر حضرت ابراہیم کا پھر حضرت موسیٰ کا پھر حضرت عیسیٰ کا پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہم کا۔ جیسے میدان محشر میں شفاعت کے موقعہ پر بھی کیا تھا۔ اس سے بڑا مقصد جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا موقعہ بموقعہ اظہار کرنا ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے میں جنت میں پہلا سفارشی ہوں۔ ایک اور روایت میں ہے میں پہلا وہ شخص ہوں جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔ مسند احمد میں ہے میں قیامت کے دن جنت کا دروازہ کھلوانا چاہوں گا تو وہاں کا دروازہ مجھ سے پوچھے گا کہ آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کہے گا مجھے یہی حکم تھا کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے جنت کا دروازہ کسی کیلئے نہ کھولوں۔ مسند احمد میں ہے کہ پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند جیسے ہوں گے تھوک رینٹ پیشاب پاخانہ وہاں کچھ نہ ہوگا ان کے برتن اور سامان آرائش سونے چاندی کا ہوگا۔ ان کی انگیٹھیوں میں بہترین اگر خوشبو دے رہا ہوگا ان کا پسینہ مشک ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی جن کی پنڈلی کا گودا بوجہ حسن ونزاکت صفائی اور نفاست کے گوشت کے پیچھے سے نظر آ رہا ہوگا۔ کسی دو میں کوئی اختلاف اور حسد وبغض نہ ہوگا۔ سب گھل مل کر ایسے ہوں گے جیسے ایک شخص کا دل، جو جنت میں جائے گا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے۔ ان کے بعد والی جماعت کے چہرے ایسے ہوں گے جیسے بہترین چمکتا ستارہ پھر قریب قریب اوپر والی حدیث کے بیان ہے اور یہ بھی ہے کہ ان کے قد ساٹھ ہاتھ کے ہوں گے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا قد تھا۔

اور حدیث میں ہے کہ میری امت کی ایک جماعت جو ستر ہزار کی تعداد میں ہوگی پہلے پہل جنت میں داخل ہوگی ان کے چہرے چودھریں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درخواست کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے بھی انہی میں سے کر دے آپ نے دعا کی کہ اللہ انہیں بھی انہی میں سے کر دے۔ پھر ایک انصاری نے بھی یہی عرض کی آپ نے فرمایا عکاشہ تجھ پر سبقت لے گیا۔ ان ستر ہزار کا بےحساب جنت میں داخل ہونا بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے بہت سے صحابہ سے مروی ہے۔ بخاری مسلم میں ہے کہ سب ایک ساتھ ہی جنت میں قدم رکھیں گے ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند جیسے ہوں گے۔

ابن ابی شیبہ میں ہے مجھ سے میرے رب کا وعدہ ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار شخص جنت میں جائیں گے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے ان سے نہ حساب ہوگا نہ انہیں عذاب ہوگا۔ ان کے علاوہ اور تین لپیں بھر کر، جو اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھوں سے لپ بھر کر جنت میں پہنچائے گا۔

طبرانی اس روایت میں ہے پھر ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔ اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں۔ جب یہ سعید بخت بزرگ جنت کے پاس پہنچ جائیں گے۔ ان کیلئے دروازے کھل جائیں گے ان کی وہاں عزت وتعظیم ہوگی وہاں کے محافظ فرشتے انہیں بشارت سنائیں گے ان کی تعریفیں کریں گے انہیں سلام کریں گے۔ اس کے بعد کا جواب قرآن میں محذوف رکھا گیا ہے تاکہ عمومیت باقی رہے مطلب یہ ہے کہ اس وقت یہ پورے خوش وقت ہو جائیں گے بے انداز سرور راحت آرام وچین انہیں ملے گا۔ ہر طرح کی آس اور بھلائی کی امید بندھ جائے گی۔ ہاں یہاں یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ بعض لوگوں نے جو کہا ہے کہ وفتحت میں واؤ آٹھویں ہے اور اس سے استدلال کیا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں انہوں نے بڑا تکلف کیا ہے اور بیکار مشقت اٹھائی

ہے۔ جنت کے آٹھ دروازوں کا ثبوت تو صحیح احادیث میں صاف موجود ہے۔

مسند احمد میں ہے جو شخص اپنے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرلے وہ جنت کے سب دروازوں سے بلایا جائے گا۔ جنت کے کئی ایک دروازے ہیں نمازی باب الصلوۃ سے سخی باب الصدقہ سے مجاہد باب جہاد سے روزے دار باب الریان سے بلائے جائیں گے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گو اس کی ضرورت تو نہیں کہ ہر دروازے سے پکارا جائے جس سے بھی پکارا جائے مقصد تو جنت میں جانے سے ہے، لیکن کیا کوئی ایسا بھی ہے جو جنت کے کل دروازوں سے بلایا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم انہی میں سے ہوگے۔ یہ حدیث بخاری مسلم وغیرہ میں بھی ہے۔

بخاری مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے جنت میں آٹھ دروازے ہیں۔ جن میں سے ایک کا نام باب الریان ہے اس میں سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے۔ صحیح مسلم میں ہے تم میں سے جو شخص کامل مکمل بہت اچھی طرح مل مل کر وضو کرے پھر اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ پڑھے اس کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے چلا جائے۔ اور حدیث میں ہے جنت کی کنجی لا الٰہ الا اللہ ہے۔ "جنت کے دروازوں کی کشادگی کا بیان" اللہ ہمیں بھی جنت نصیب کرے۔ شفاعت کی مطول حدیث میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت میں سے جن پر حساب نہیں انہیں داہنی طرف کے دروازے سے جنت میں لے جاؤ لیکن اور دروازوں میں بھی یہ دوسروں کے ساتھ شریک ہیں۔ اس قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ جنت کی چوکھٹ اتنی بڑی وسعت والی ہے جتنا فاصلہ مکہ اور ہجر میں ہے۔ یا فرمایا ہجر اور مکہ میں ہے۔ ایک روایت میں ہے مکہ اور بصریٰ میں ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عتبہ بن غزوان نے اپنے خطبے میں بیان فرمایا کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جنت کے دروازے کی وسعت چالیس سال کی راہ ہے۔ ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے جب کہ جنت میں جانے والوں کی بھیڑ بھاڑ سے یہ وسیع دروازے کھچا کھچ بھرے ہوئے ہوں گے۔ (مسلم، تفسیر ابن کثیر، سورہ زمر، بیروت)

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ
حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝
اور وہ کہیں گے سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنا دیا کہ
ہم جنت میں سے جہاں چاہیں جگہ بنالیں۔ پس عمل کرنے والوں کا یہ کتنا اچھا اجر ہے۔

اہل جنت کا جنت میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے کا بیان

"وَقَالُوا" عُطِفَ عَلَی دُخُولِهَا الْمُقَدَّر "الْحَمْد لِلّٰهِ الَّذِی صَدَقَنَا وَعْده" بِالْجَنَّةِ "وَأَوْرَثَنَا الْأَرْض"

أَیْ أَرْض الْجَنَّة "نَتَبَوَّأ" نَنْزِل "مِنْ الْجَنَّة حَيْثُ نَشَاء "لِأَنَّهَا كُلّهَا لَا يُخْتَار فِيهَا مَكَان عَلَى مَكَان "فَنِعْمَ أَجْر الْعَامِلِينَ" الْجَنَّة،

اوروہ کہیں گے۔اس کا عطف دخول پر ہے جو مقدر ہے۔سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ جنت سچا کیا اور ہمیں اس زمین جنت کا وارث بنا دیا کہ ہم جنت میں سے جہاں چاہیں جگہ بنالیں۔یعنی جہاں چاہیں گے ان جنت میں اتاریں گے۔کیونکہ جنتی ایک مکان کو دوسرے مکان پر ترجیح نہ دے گا۔پس عمل کرنے والوں کا یہ کتنا اچھا اجر ہے۔جو جنت ہے۔

مسند میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنت کی چوکھٹ چالیس سال کی راہ کی ہے، یہ جب جنت کے پاس پہنچیں گے انہیں فرشتے سلام کریں گے اور مبارکباد دیں گے کہ تمہارے اعمال تمہارے اقوال تمہاری کوشش اور تمہارا بدلہ ہر چیز خوشی والی اور عمدگی والی ہے۔جیسے کہ حضور علیہ السلام نے کسی غزوے کے موقعہ پر اپنے منادی سے فرمایا تھا جاؤ ندا کردو کہ جنت میں صرف مسلمان لوگ ہی جائیں گے یا فرمایا تھا صرف مومن ہی، فرشتے ان سے کہیں گے کہ تم اب یہاں سے نکالے نہ جاؤ گے بلکہ یہاں تمہارے لئے دوام ہے، اپنا یہ حال دیکھ کر خوش ہو کر جنتی اللہ کا شکرادا کریں گی اور کہیں گے کہ الحمدللہ جو وعدہ ہم سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبانی کیا تھا اسے پورا کیا۔یہی دعا ان کی دنیا میں تھی (رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ، آل عمران:194) یعنی اے ہمارے پروردگار ہمیں وہ دے جس کا وعدہ تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر یقیناً تیری ذات وعدہ خلافی سے پاک ہے۔اور آیت میں ہے کہ اس موقعہ پر اہل جنت یہ بھی کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس کی ہدایت کی اگر وہ ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاسکتے۔یقیناً اللہ کے رسول ہمارے پاس حق لائے تھے۔وہ یہ بھی کہیں گے کہ اللہ ہی کیلئے سب تعریف ہے، جس نے ہم سے غم دور کر دیا یقیناً ہمارا رب بخشنے والا اور قدر کرنے والا ہے۔جس نے اپنے فضل وکرم سے یہ پاک جگہ ہمیں نصیب فرمائی جہاں ہمیں نہ کوئی دکھ درد ہے نہ رنج و تکلیف، یہاں ہے کہ یہ کہیں گے اس سے ہمیں جنت کی زمین کا وارث کیا۔(تفسیر جامع البیان، سورہ زمر، بیروت)

وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ
وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
اور آپ فرشتوں کو عرش کے ارد گرد حلقہ باندھے ہوئے دیکھیں گے جو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہوں گے، اور لوگوں کے
درمیان حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ کُل حمد اللہ ہی کے لائق ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

قیامت کے دن عرش کے ارد گرد تسبیح کرنے والے فرشتوں کا بیان

"وَتَرَى الْمَلَائِكَة حَافِّينَ" حَال "مِنْ حَوْل الْعَرْش" مِنْ كُلّ جَانِب مِنْهُ "يُسَبِّحُونَ" حَال مِنْ ضَمِير حَافِّينَ "بِحَمْدِ رَبّهمْ" مُلَابِسِينَ لِلْحَمْدِ : أَيْ يَقُولُونَ : سُبْحَان اللّٰه وَبِحَمْدِهِ "وَقُضِيَ بَيْنهمْ" بَيْن

جَمِيعِ الْخَلَائِقِ "بِالْحَقِّ" أَيْ الْعَدْلِ فَيَدْخُلِ الْمُؤْمِنُونَ الْجَنَّةَ وَالْكَافِرُونَ النَّار "وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ" خَتْمِ اسْتِقْرَار الْفَرِيقَيْنِ بِالْحَمْدِ مِنْ الْمَلَائِكَة،

اور آپ فرشتوں کو عرش کے ارد گرد حلقہ باندھے ہوئے یعنی اس کی جانب سے دیکھیں گے۔ جو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہوں گے، یسبحون یہ حافین کی ضمیر سے حال ہے۔ یعنی وہ اللہ کی حمد و تسبیح اس طرح کرتے ہوں گے "سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ" اور سب لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا یعنی اہل ایمان جنت میں داخل ہو جائیں گے جبکہ کفار دوزخ میں داخل ہو جائیں گے۔ اور کہا جائے گا کہ کُل حمد اللہ ہی کے لائق ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ دونوں فریقوں کا استقرار فرشتوں کی کی ہوئی حمد کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔

تو اس آیت میں فرمایا کہ قیامت کے روز اس وقت تو دیکھے گا کہ فرشتے اللہ کے عرش کے چاروں طرف کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح بزرگی اور بڑائی بیان کر رہے ہوں گے۔ ساری مخلوق میں عدل و حق کے ساتھ فیصلے ہو چکے ہوں گے۔ اس سراسر عدل اور بالکل رحم والے فیصلوں پر کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی ثنا خوانی کرنے لگے گا اور جاندار چیز سے آواز آئے گی کہ الحمد للہ رب العالمین چونکہ اس وقت ہر اک تر و خشک چیز اللہ کی حمد بیان کرے گی اس لئے یہاں مجہول کا صیغہ لا کر فاعل کو عام کر دیا گیا۔ حضرت قتادہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں خلق کی پیدائش کی ابتداء بھی حمد سے ہے فرماتا ہے الحمدللہ الذی خلق السموات والارض اور مخلوق کی انتہا بھی حمد سے ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ زمر، بیروت)

سورہ الزمر کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ الزمر کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ و شرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت مؤمن ہے

سورت مؤمن کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃ غَافِرٍ أَوْ الْمُؤْمِن (مَكِّيَّة إِلَّا آيَتَيْ 56 و 57 فَمَدَنِيَّتَانِ وَآيَاتهَا 85) نَزَلَتْ بَعْد الزُّمَر

سورہ مومن اس کا نام سورہ غافر بھی ہے، یہ سورت مکیہ ہے سوائے دو آیتوں کے جو (اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ، غافر:35) سے شروع ہوتی ہیں، اس سورت میں نو رکوع اور پچاسی آیات اور ایک ہزار ایک سو ننانوے کلمات اور چار ہزار نو سو ساٹھ حروف ہیں اور یہ سورت الزمر کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورت غافر کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کے دو نام معروف ہوئے ہیں۔ ایک نام غافر ہے جو آیت نمبر ۳ میں استعمال ہوا ہے۔ اور دوسرا نام مؤمن ہے۔ جو آیت نمبر ۲۸ میں آل فرعون میں سے جو شخص ایمان لایا ہے اس مناسبت سے ہے۔ لہٰذا اس میں غافر الذنب ہونا بھی منفرد ہے اور آل فرعون میں سے کسی ایک شخص کا ایمان لانا یہ بھی اس کیلئے منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ پس یہ سورت انہی ناموں سے معروف ہوئی ہے۔

لفظ حم سے شروع ہونے والی سورتوں کی فضیلت کا بیان

بعض سلف کا قول ہے کہ جن سورتوں کی ابتداء حم سے ہے انہیں حوامیم کہنا مکروہ ہے۔ ال حم کہا جائے۔ حضرت محمد بن سیرین بھی یہی کہتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں ال حم قرآن کا دیباچہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے اور قرآن کریم کا دروازہ آل حم ہے یا فرمایا حوامیم ہیں۔

حضرت مسعر بن کدام فرماتے ہیں ان سورتوں کو عرائس کہا جاتا تھا۔ عروس دلہن کو کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اپنے گھر والوں کیلئے کسی اچھی منزل کی تلاش میں نکلا تو ایک جگہ ایسی ہے جہاں گویا ابھی ابھی بارش برس چکی ہے یہ ذرا ہی کچھ آگے بڑھا ہوگا کہ دیکھتا ہے کہ ترو تازہ لہلہاتے ہوئے چند چمن ہیں۔ یہ پہلے تر زمین کو دیکھ کر جی

تعجب میں تھا اب تو اس کا تعجب اور بڑھ گیا۔اس سے کہا گیا کہ پہلے کی مثال تو قرآن کریم کی عظمت کی مثال ہے اوران باغیچوں کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن میں حم والی سورتیں ہیں۔(تفسیر بغوی،سورہ مؤمن،بیروت)

دشمن کے حملہ سے بچنے کیلئے حم سورتوں کو پڑھنے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے اور قرآن کا دروازہ یہی حم والی سورتیں ہیں۔حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں جب میں تلاوت کرتا ہوا حم والی سورتوں پر پہنچتا ہوں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا میں ہرے بھرے پھلے پھولے باغوں کی سیر کررہا ہوں ایک شخص نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد بناتے ہوئے دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ میں اسے حم والی سورتوں کیلئے بنا رہا ہوں ممکن ہے یہ مسجد وہ ہو جو دمشق کے قلعہ کے اندر ہے اور آپ ہی کے نام سے منسوب ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی حفاظت حضرت ابوالدرداء کی نیک نیتی کی اور جس وجہ سے یہ مسجد بنائی گئی تھی اس کی برکت کے باعث ہو۔اس کلام میں دشمنوں پر فتح وظفر کی دلیل بھی ہے۔جیسے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے بعض جہادوں میں اپنے لشکروں سے فرمادیا تھا کہ اگر رات کو تم اچانک حملہ کردو تو تمہاری پہچان کے خاص الفاظ حم لاینصرون ہیں ایک روایت میں تنصرون ہے۔مسند بزار میں ہے جس نے آیت الکرسی اور سورۃ حم المومن کا ابتدائی حصہ پڑھا وہ سارے دن کی برائی سے محفوظ رہتا ہے۔یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور اس کے ایک راوی پر کچھ جرح بھی ہے۔(تفسیر جامع البیان،سورہ مؤمن،بیروت)

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ
شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِي الطَّوْلِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝
حا،میم،حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔اس کتاب کا اتارنا اللہ کی طرف سے ہے،
جو سب پر غالب،ہر چیز کو جاننے والا ہے۔گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا،بہت سخت سزا والا،بڑے فضل والا،
اس کے سوا کوئی معبود نہیں،اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

نزول قرآن کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کا بیان

"حم" اللّٰه أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِهِ "تَنْزِيل الْكِتَاب" الْقُرْآن مُبْتَدَأ "مِنَ اللّٰه" خَبَره "الْعَزِيز" فِي مُلْكه "الْعَلِيم" بِخَلْقِهِ، "غَافِر الذَّنْب" لِلْمُؤْمِنِينَ "وَقَابِل التَّوْب" لَهُمْ مَصْدَر "شَدِيد الْعِقَاب" لِلْكَافِرِينَ أَيْ مُشَدَّدَة "ذِي الطَّوْل" الْإِنْعَام الْوَاسِع وَهُوَ مَوْصُوف عَلَى الدَّوَام بِكُلِّ هٰذِهِ الصِّفَات فَإِضَافَة الْمُشْتَقّ مِنْهَا لِلتَّعْرِيفِ كَالْأَخِيرَةِ "لَا إِلٰه إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِير" الْمَرْجِع،

حا،میم،حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔اس کتاب یعنی قرآن کا اتارنا اللہ کی طرف سے ہے، یہاں پر لفظ کتاب مبتداء ہے اور من اللہ اس کی خبر ہے۔جو اپنے ملک میں غالب،اپنی مخلوق کو جاننے والا ہے۔اہل ایمان کے گناہ

بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا، یہاں پر لفظ توب یہ مصدر ہے۔کفار کو بہت سخت سزا دینے والا ہے۔بڑے فضل والا یعنی وسیع انعام والا ہے۔اللہ تعالیٰ ان صفات کے ساتھ دائمی طور پر موصوف ہے۔اور یہاں پر ان اضافت تعریف کیلئے ہے۔جس طرح آخری صفت میں ہوئی ہے۔،اس کے سوا کوئی معبود نہیں،اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

غافر الذنب سن کر توبہ کرنے والے کا بیان

حضرت عمر کے پاس ایک شامی کبھی کبھی آیا کرتا تھا اور تھا ذرا ایسا ہی آدمی ایک مرتبہ لمبی مدت تک وہ آیا ہی نہیں تو امیر المومنین نے لوگوں سے اس کا حال پوچھا انہوں نے کہا کہ اس نے بہ کثرت شراب پینا شروع کر دیا ہے۔حضرت عمر نے اپنے کاتب کو بلوا کر کہا لکھو یہ خط ہے عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں بن فلاں کی طرف بعد از سلام علیک میں تمہارے سامنے اس اللہ کی تعریفیں کرتا ہوں جس کے ساتھ کوئی معبود نہیں جو گناہوں کو بخشنے والا توبہ کو قبول کرنے والا سخت عذاب والا بڑے احسان والا ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں۔اسی کی طرف لوٹنا ہے۔یہ خط اس کی طرف بھجوا کر آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا اپنے بھائی کیلئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو متوجہ کر دے اور اس کی توبہ قبول فرمائے جب اس شخص کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط ملا تو اس نے اسے بار بار پڑھنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی سزا سے ڈرایا بھی ہے اور اپنی رحمت کی امید دلا کر گناہوں کی بخشش کا وعدہ بھی کیا ہے کئی کئی مرتبہ اسے پڑھ کر رو دیئے پھر توبہ کی اور سچی پکی توبہ کی جب حضرت فاروق اعظم کو یہ پتہ چلا تو آپ بہت خوش ہوئے۔اور فرمایا اسی طرح کیا کرو۔جب تم دیکھو کہ کوئی مسلمان بھائی لغزش کھا گیا تو اسے سیدھا کرو اور مضبوط کرو اور اس کیلئے اللہ سے دعا کرو۔شیطان کے مددگار نہ بنو۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ مؤمن،بیروت)

آیت غافر الذنب کو پڑھتے وقت بخشش طلب کرنے کا بیان

حضرت ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ میں حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کوفے کے گرد و نواح میں تھا میں نے ایک باغ میں جا کر دو رکعت نماز شروع کی اور اس سورۃ مومن کی تلاوت کرنے لگا میں ابھی الیہ المصیر تک پہنچا ہی تھا کہ ایک شخص نے جو میرے پیچھے سفید خچر پر سوار تھا جس پر یمنی چادریں تھیں مجھ سے کہا جب غافر الذنب پڑھو تو کہو یا غافر الذنب اغفر لی ذنبی اور جب قابل التوب پڑھو تو کہو یا شدید العقاب لا تعاقبنی حضرت مصعب فرماتے ہیں میں نے گوشہ چشم سے دیکھا تو مجھے کوئی نظر نہ آیا فارغ ہو کر میں دروازے پر پہنچا وہاں جو لوگ بیٹھے تھے ان میں سے میں نے پوچھا کہ کیا کوئی شخص تمہارے پاس سے گذرا جس پر یمنی چادریں تھیں انہوں نے کہا نہیں ہم نے تو کسی کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔اب لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ یہ حضرت الیاس تھے۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ مؤمن،بیروت)

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ۝

اللہ کی آیات میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا،تو ان کا شہروں میں چلنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے۔

کفار کے معاشی حالات سے دھوکہ نہ کھانے کا بیان

"مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ " الْقُرْآنِ "إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا" مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ "فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ " لِلْمَعَاشِ سَالِمِينَ فَإِنَّ عَاقِبَتَهُمُ النَّارُ،

اللہ کی آیات یعنی قرآن میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہ لوگ یعنی اہل مکہ جنھوں نے کفر کیا، تو ان کا شہروں میں چلنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے۔ یعنی شہروں میں ان کی معیشت بڑی ہے لیکن ان کا انجام جہنم کی آگ ہے۔

قرآن میں جھگڑنے کی ممانعت کا بیان

یعنی قرآن پاک میں جھگڑا کرنا کافر کے سوا مومن کا کام نہیں۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ جھگڑے اور جدال سے مراد آیات الٰہیہ میں طعن کرنا اور تکذیب و انکار کے ساتھ پیش آنا ہے اور حلِ مشکلات و کشف مُعضلات کے لئے علمی و اصولی بحثیں جدال نہیں بلکہ اعظم طاعات میں سے ہیں، کفار کا جھگڑا کرنا آیات میں یہ تھا کہ وہ کبھی قرآن پاک کو سحر کہتے، کبھی شعر، کبھی کہانت، کبھی داستان۔

یعنی کافروں کا صحت و سلامتی کے ساتھ ملک ملک تجارتیں کرتے پھرنا اور نفع پانا تمہارے لئے باعث تردّد نہ ہو کہ یہ کفر جیسا عظیم جُرم کرنے کے بعد بھی عذاب سے امن میں رہے کیونکہ ان کا انجام کار خواری اور عذاب ہے، پہلی امتوں میں بھی ایسے حالات گزر چکے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ مؤمن، لاہور)

قرآن کے مفہوم پر جھگڑا کرنے والے کفار کا بیان

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہدایت پانے اور ہدایت پر قائم رہنے کے بعد کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی مگر اس وقت جب کہ اس میں جھگڑا پیدا ہوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی آیت (مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ، الزخرف:58) وہ تمہارے لئے نہیں بیان کرتے مثال مگر جھگڑنے کے لئے بلکہ وہ جھگڑالو قوم ہی ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف، حدیث نمبر 175)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات اور شرعی مسائل میں جھگڑنا نہیں چاہئے اور نہ ہر کس و ناکس کو ان میں اپنی عقل کے تیر چلانے چاہئیں کیونکہ زمانہ ماسبق میں ہدایت یافتہ اقوام کی گمراہی کا بیشتر سبب یہی ہوتا تھا کہ لوگ دینی معاملات میں جھگڑتے رہتے تھے اور یہ حرکت علماء سوء اور نفسانی خواہشات کے تابع لوگ کیا کرتے تھے اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دینی معاملات میں تفرقہ پیدا ہو اور لوگ آپس میں لڑنے جھگڑنے لگیں تا کہ غلط عقائد اور باطل مذاہب کو فروغ دیں اور حق کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکیں۔ مشرکین کے اس غلط نظریہ کے رد میں آیت مذکورہ آیت (ماضربوہ لک) الایۃ نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ مشرک لوگ اس آیت کو سن کر تم سے جو بحث کرتے ہیں اور اپنی طرف سے غلط معنی مراد لے رہے ہیں وہ محض ان کی ہٹ دھرمی اور ضد ہے اور یہ مخاصمت و مجادلت کے طور پر ایسی غلط بات کہہ رہے ہیں حالانکہ یہ صاحب زبان ہیں اور عربی زبان

کے اصول و قواعد انہیں معلوم ہیں اور وہ بھی جانتے ہیں کہ ما تعبدون سے پتھر وغیرہ کے بت مراد ہیں اس لئے کہ لفظ ما خود اس پر دال ہے کہ یہ حکم غیر ذوی العقول معبودوں یعنی پتھروں وغیرہ کے بتوں کے بارہ میں ہے نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ کے دیگر نیک بندے اس میں شامل ہیں۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ
وَجَادَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ○
ان سے پہلے قوم نوح نے اور ان کے بعد بہت سی امتوں نے جھٹلایا اور ہر امت نے اپنے رسول کے بارے میں ارادہ کیا کہ اسے
پکڑ لیں اور بے بنیاد باتوں کے ذریعے جھگڑا کیا تا کہ اس کے ذریعے حق زائل کر دیں سو میں نے انہیں پکڑ لیا، پس عذاب کیسا تھا؟

قوم نوح وغیرہ کی ہلاکتوں کا بیان

"كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَالْاَحْزَاب" كَعَادٍ وَثَمُود وَغَيْرهمَا "مِنْ بَعْدهمْ وَهَمَّتْ كُلّ اُمَّة بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ" يَقْتُلُوْهُ "وَجَادَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا" يُزِيلُوا "بِهِ الْحَقّ فَاَخَذْتهمْ" بِالْعِقَابِ "فَكَيْفَ كَانَ عِقَاب" لَهُمْ اَيْ هُوَ وَاقِع مَوْقِعه،

ان سے پہلے قوم نوح نے اور ان کے بعد اور بہت سی امتوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا جس طرح قوم عاد اور ثمود وغیرہ ہے اور ہر امت نے اپنے رسول کے بارے میں ارادہ کیا کہ اسے پکڑ کر قتل کر دیں یا قید کر لیں اور بے بنیاد باتوں کے ذریعے جھگڑا کیا تا کہ اس جھگڑے کے ذریعے حق کا اثر زائل کر دیں سو میں نے انہیں عذاب میں پکڑ لیا، پس میرا عذاب کیسا تھا؟ یعنی ان کے لئے بر موقع واقع ہوا ہے۔

یعنی ہر ایک امت کے شریروں نے اپنے پیغمبر کو پکڑ کر قتل کرنے یا ستانے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ جھوٹے ڈھکوسلے کھڑے کر کے سچے دین کو شکست دیں، اور حق کی آواز کو ابھرنے نہ دیں، لیکن ہم نے ان کا داؤ چلنے نہ دیا اور اس کے بجائے کہ وہ پیغمبروں کو پکڑتے ہم نے ان کو پکڑ کر سخت سزائیں دیں، پھر دیکھ لو ہماری سزا کیسی ہوئی کہ ان کی بیخ و بنیاد باقی نہ چھوڑی۔ آج بھی ان تباہ شدہ قوموں کے کچھ آثار کہیں کہیں موجود ہیں، ان ہی کو دیکھ کر انسان ان کی تباہی کا تصور کر سکتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ○
اور اسی طرح آپ کے رب کا فرمان ان لوگوں پر پورا ہو کر رہا جنہوں نے کفر کیا تھا بیشک وہ لوگ دوزخ والے ہیں

اللہ تعالیٰ کے فرمان حق کے مطابق کفار کیلئے جہنم ہونے کا بیان

"وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَة رَبّك" اَيْ "لَاَمْلَاَنَّ جَهَنَّم" الْآيَة "عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ اَصْحَاب النَّار" بَدَل مِنْ كَلِمَة،

اور اسی طرح آپ کے رب کا فرمان ان لوگوں پر پورا ہو کر رہا یعنی میں جہنم کو بھر دوں گا۔ جنہوں نے کفر کیا تھا بیشک وہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ اُصحاب النار یہ کلمہ سے بدل ہے۔

اسی طرح کافروں کے بارے میں پکی ہوگئی آپ کے رب کی یہ بات کہ وہ قطعی طور پر دوزخی ہیں"۔ یعنی جس طرح کہ یہ پہلی امتیں اپنے کیفر کردار کو پہنچی ہیں اس طرح آپ کی قوم کے کافروں کے بارے میں بھی یہ بات ثابت اور پکی ہوگئی ہے کہ انہوں نے بھی اسی انجام سے دوچار ہونا ہے۔ اور انہوں نے بھی دوزخی بن کر رہنا ہے کہ جرم دونوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی حق کا انکار، اس کی تکذیب اور اہل حق سے بغض وعناد اور عداوت ودشمنی اور نور حق کو بجھانے کے لئے کوشش کرنے کا جرم کہ یہ باتیں ان سب میں بطور قدر مشترک پائی جاتی ہیں۔ (جامع البیان، المراغی، ابن کثیر، روح، خازن، سورہ مؤمن، بیروت)

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ
وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ
لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ○
جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے اِرد گرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں
اور اہل ایمان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو رحمت اور علم سے ہر شے کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے،
پس ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی پیروی کی اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

عرش کو اٹھائے ہوئے فرشتوں کی تسبیح کا بیان

"اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ" مُبْتَدَأ "وَمَنْ حَوْلَه" عُطِفَ عَلَیْهِ "یُسَبِّحُوْنَ" خَبَرہ "بِحَمْدِ رَبِّهِمْ" مُلَابِسِیْنَ لِلْحَمْدِ أَیْ یَقُوْلُوْنَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ "وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ" تَعَالٰی بِبَصَائِرِهِمْ أَیْ یُصَدِّقُوْنَ بِوَحْدَانِیَّتِهٖ "وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا" یَقُوْلُوْنَ "رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا" أَیْ وَسِعَتْ رَحْمَتُكَ كُلَّ شَیْءٍ وَعِلْمُكَ كُلَّ شَیْءٍ "فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا" مِنَ الشِّرْكِ "وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَكَ" دِیْنَ الْإِسْلَام "وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ" النَّار،

جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں یہ مبتداء ہے۔ اور جو اس کے اِرد گرد ہیں اس کا عطف اس پر ہے وہ سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں۔ یہ اس کی خبر ہے۔ یعنی حمد کرتے ہوئے کہیں گے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اور اس پر یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں یعنی ان کے ذریعے اس کی وحدانیت کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور اہل ایمان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں یہ عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو اپنی رحمت اور علم سے ہر شے کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے، یعنی اس کی رحمت ہر چیز سے وسیع اور اس کو ہر چیز کا علم ہے۔ پس ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے شرک سے توبہ کی اور تیرے راستہ یعنی دین اسلام کی

بچ جو ڑ دی اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ وہ (ایک دن) بطحائے مکہ (میں ایک جگہ محصب) میں لوگوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے کہ اچانک ابر کا ایک ٹکڑا گذرا، لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم اس (ابر) کو کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ "سحاب"! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اس کو "مزن" بھی کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں مزن بھی کہتے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اس کو "عنان" بھی کہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں "عنان" بھی کہتے ہیں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم لوگ جانتے ہو آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے وہ کتنا طویل ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں نہیں معلوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین و آسمان کے درمیان کا فاصلہ یا تو اکہتر سال یا بہتر سال یا تہتر سال کی مسافت کے بقدر ہے اور اس (پہلے) آسمان کے اوپر جو (دوسرا) آسمان ہے۔

ان دونوں کے درمیان کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتوں آسمانوں کا ذکر کیا (کہ ہر آسمان اپنے نیچے کے آسمان سے بہتر سال کی مسافت کے بقدر فاصلہ پر ہے، پھر ساتویں آسمان کے اوپر پانی کا بہت بڑا سمندر ہے، اس سمندر کی تہ اور اس کے اوپر کی سطح کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے اور اس سمندر کے اوپر آٹھ فرشتے ہیں جو پہاڑی بکروں کے مانند ہیں، ان کے کھروں اور کولہوں کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہم اور پھر ان فرشتوں کی پشت پر عرش الٰہی ہے جس کے نیچے کے حصہ اور اوپر کے حصہ کے درمیان بھی اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کے درمیان ہے اور اس عرش کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے۔ (یعنی جیسا اس کی شان کے لائق ہے)۔ (ترمذی، ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 290)

رَبَّنَا وَاَدۡخِلۡهُمۡ جَنّٰتِ عَدۡنِ ۣ الَّتِیۡ وَعَدۡتَّهُمۡ وَمَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِهِمۡ
وَ اَزۡوَاجِهِمۡ وَ ذُرِّیّٰتِهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ ۙ
اے ہمارے رب! اور انہیں جنّاتِ عدن میں داخل فرما، جن کا تو نے ان سے وعدہ فرما رکھا ہے اور ان کے آباء و اجداد سے
اور ان کی بیویوں سے اور ان کی اولاد و ذریت سے جو نیک ہوں، بیشک تو ہی غالب، بڑی حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے جنت عدن میں داخل ہونے کی دعا مانگنے کا بیان

"رَبَّنَا وَأَدۡخِلۡهُمۡ جَنَّات عَدۡن" إقَامَة "الَّتِي وَعَدۡتهمۡ وَمَنۡ صَلَحَ" عُطِفَ عَلَى هُمۡ فِي وَأَدۡخَلۡهُمۡ أَوۡ فِي وَعَدۡتهمۡ "مِنۡ آبَائِهِمۡ وَأَزۡوَاجهمۡ وَذُرِّيَّاتهمۡ إنَّك أَنۡتَ الۡعَزِيز الۡحَكِيم" فِي صُنۡعه،

اے ہمارے رب! اور انہیں ہمیشہ رہنے کے لئے جنّاتِ عدن میں داخل فرما، جن کا تو نے ان سے وعدہ فرما رکھا ہے، یہاں پر

من صلح کا عطف ھم ضمیر پر ہے۔ اوران کے آباء واجداد سے اوران کی بیویوں سے اوران کی اولاد وذریت سے جو نیک ہوں انہیں بھی ان کے ساتھ داخل فرما، بیشک تو ہی غالب، اپنی صنعت میں بڑی حکمت والا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں مومن جنت میں جا کر پوچھے گا کہ میرا باپ میرے بھائی میری اولاد کہاں ہے؟ جواب ملے گا کہ ان کی نیکیاں اتنی نہ تھیں کہ وہ اس درجے میں پہنچتے، یہ کہے گا کہ میں نے تو اپنے لئے اور ان سب کیلئے عمل کئے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی ان کے درجے میں پہنچادے گا۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ مؤمن، بیروت)

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۝
اوران کو برائیوں سے بچالے، اور جسے تو نے اس دن برائیوں سے بچالیا سو بیشک تو نے اس پر رحم فرمایا، اور یہی تو عظیم کامیابی ہے۔

عذاب سے بچنے کی دعا مانگنے کا بیان

"وَقِهِمُ السَّيِّئَات" أَيْ عَذَابهَا "وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَات يَوْمئِذٍ" يَوْم الْقِيَامَة،

اوران کو برائیوں کی سزا سے بچالے، اور جسے تو نے اس دن یعنی قیامت کے دن برائیوں کی سزا سے بچالیا سو بیشک تو نے اس پر رحم فرمایا، اور یہی تو عظیم کامیابی ہے۔

سیأت سے مراد یہاں عقوبات ہیں یا پھر جزا محذوف ہے یعنی انہیں آخرت کی سزاؤں سے یا برائیوں کی جزا سے بچانا۔ یعنی آخرت کے عذاب سے بچ جانا اور جنت میں داخل ہو جانا یہی سب سے بڑی کامیابی ہے اس لیے کہ اس جیسی کوئی کامیابی نہیں اور اس کے برابر کوئی نجات نہیں ان آیات میں اہل ایمان کے لیے دو عظیم خوش خبریاں ہیں ایک تو یہ کہ فرشتے ان کے لیے غائبانہ دعا کرتے ہیں جس کی حدیث میں بڑی فضیلت وارد ہے دوسری یہ کہ اہل ایمان کے خاندان جنت میں اکٹھے ہو جائیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ۝
بے شک جنہوں نے کفر کیا انہیں پکار کر کہا جائے گا، تم سے اللہ کی بیزاری، تمہاری جانوں سے تمہاری اپنی بیزاری سے
زیادہ بڑھی ہوئی ہے، جبکہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے مگر تم انکار کرتے تھے۔

قیامت کے دن کفار کا خود اپنی جانوں سے نفرت کرنے کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ" مِنْ قِبَل الْمَلَائِكَة وَهُمْ يَمْقُتُونَ أَنْفُسهمْ عِنْد دُخُولهمْ النَّار "لَمَقْت اللَّه" إِيَّاكُمْ "أَكْبَر مِنْ مَقْتكُمْ أَنْفُسكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ" فِي الدُّنْيَا،

بے شک جنہوں نے کفر کیا انہیں فرشتوں کی جانب سے پکار کر کہا جائے گا آج تم سے اللہ کی بیزاری، تمہاری جانوں سے تمہاری اپنی بیزاری سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی سے بڑھ کر تم خود اپنی جانوں سے نفرت کرنے والے ہو جبکہ تم دنیا میں ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے مگر تم انکار کرتے تھے۔

قیامت کے دن جبکہ کافر آگ کے کنوؤں میں ہوں گے اور اللہ کے عذابوں کو چکھ چکے ہوں گے اور تمام ہونے والے عذاب نگاہوں کے سامنے ہوں گے اس وقت خود اپنے نفس کے دشمن بن جائیں گے اور بہت سخت دشمن ہو جائیں گے۔ کیونکہ اپنے برے اعمال کے باعث جہنم واصل ہوں گے۔ اس وقت فرشتے ان سے بہ آواز بلند کہیں گے کہ آج جس قدر تم اپنے آپ سے نالاں ہو اور جتنی دشمنی تمہیں خود اپنی ذات سے ہے اور جس قدر تم آج اپنے تئیں کہہ رہے ہو اس سے بہت زیادہ برے اللہ کے نزدیک تم دنیا میں تھے جبکہ تمہیں اسلام وایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم اسے مانتے نہ تھے۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ٥
وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو بار موت دی اور تو نے ہمیں دو بار زندگی بخشی، سو ہم اپنے گناہوں
کا اعتراف کرتے ہیں، پس کیا، نکلنے کی طرف کوئی راستہ ہے۔

دو مرتبہ موت اور دو مرتبہ زندگی ہونے کا بیان

"قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ" إمَاتَتَيْنِ "وَأَحْيَيْتنَا اثْنَتَيْنِ" إحْيَاءَتَيْنِ لِأَنَّهُمْ نُطَف أَمْوَات فَأُحْيُوا ثُمَّ أُمِيتُوا ثُمَّ أُحْيُوا لِلْبَعْثِ "فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا" بِكُفْرِنَا بِالْبَعْثِ "فَهَلْ إلَى خُرُوج" مِنْ النَّار وَالرُّجُوع إلَى الدُّنْيَا لِنُطِيعَ رَبّنَا "مِنْ سَبِيل" طَرِيق وَجَوَابهمْ: لَا

وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو بار موت دی اور تو نے ہمیں دو بار ہی زندگی بخشی، کیونکہ وہ پہلے بے جان نطفہ تھے تو انہیں زندہ کیا پھر ان کو موت دی اور اس کے بعث کیلئے انہیں زندہ کیا گیا ہے۔ سو اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، کیونکہ ہم نے بعث کا انکار کیا۔ پس کیا عذاب دوزخ سے بچ نکلنے کی طرف کوئی راستہ ہے۔ اور دنیا میں لوٹنے کا طریقہ ہو کہ ہم وہاں جا کر اپنے رب کی اطاعت کریں۔ تو ان کے جواب میں کہا جائے گا۔ ہرگز نہیں۔

دوبارہ دنیا میں آنے کی مہلت طلب کرنے والے کفار کا بیان

اس کے بعد کی آیت (كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ، البقرۃ:28) کے ہے۔ سدی فرماتے ہیں یہ دنیا میں مار ڈالے گئے پھر قبروں میں زندہ کئے گئے اور جواب سوال کے بعد مار ڈالے گئے پھر قیامت کے دن زندہ کر دیئے گئے۔ ابن زید فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے روز میثاق کو زندہ کئے گئے پھر ماں کے پیٹ میں روح پھونکی گئی پھر موت آئی پھر قیامت کے دن جی اٹھے۔ لیکن یہ دونوں قول ٹھیک نہیں اس لئے کہ اس طرح تین موتیں اور تین حیاتیں لازم آتی ہیں اور آیت میں دو موت اور دو زندگی کا ذکر ہے، صحیح قول حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس اور ان کے ساتھیوں کا ہے۔ (یعنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کی ایک زندگی اور قیامت کی دوسری زندگی، پیدائش دنیا سے پہلے کی موت اور دنیا سے رخصت ہونے کی موت یہ دو موتیں اور دو زندگیاں مراد ہیں) مقصود یہ ہے کہ اس دن کافر اللہ تعالیٰ سے

قیامت کے میدان میں آرزو کریں گے کہ اب انہیں دنیا میں ایک مرتبہ اور بھیج دیا جائے جیسے فرمان ہے (وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاکِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ، السجدة:12)، تو دیکھے گا کہ گنہگار لوگ اپنے رب کے سامنے سرنگوں ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے کہ اللہ ہم نے دیکھ سن لیا اب تو ہمیں پھر دنیا میں بھیج دے تو نیکیاں کریں گے اور ایمان لائیں گے۔ لیکن ان کی یہ آرزو قبول نہ فرمائی جائے گی۔

پھر جب عذاب وسزا کو جہنم اور اس کی آگ کو دیکھیں گے اور جہنم کے کنارے پہنچادیئے جائیں گے تو دوبارہ یہی درخواست کریں گے اور پہلی دفعہ سے زیادہ زور دے کر کہیں گے جیسے ارشاد ہے (ولوتری اذ وقفوا علی النار) یعنی کاش کے تو دیکھتا جبکہ وہ جہنم کے پاس ٹھہرادیئے گئے ہوں گے کہیں گے کاش کے ہم دنیا کی طرف لوٹائے جاتے اور اپنے رب کی باتوں کو نہ جھٹلاتے اور باایمان ہوتے، بلکہ ان کے لئے وہ ظاہر ہوگیا جو اس سے پہلے وہ چھپا رہے تھے اور بالفرض یہ واپس لوٹائے بھی جائیں تو بھی دوبارہ یہ وہی کرنے لگیں گے جس سے منع کئے گئے ہیں۔ یہ ہیں ہی جھوٹے۔ اس کے بعد جب انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور عذاب شروع ہوجائیں گے اس وقت اور زیادہ زوردار الفاظ میں یہی آرزو کریں گے وہاں چیختے چلاتے ہوئے کہیں گے (رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ، فاطر:37)، اے ہمارے پروردگار ہمیں یہاں سے نکال دے ہم نیک اعمال کرتے رہیں گے ان کے خلاف جواب تک کرتے رہے جواب ملے گا کہ کیا ہم نے انہیں اتنی عمر اور مہلت نہ دی تھی کہ اگر یہ نصیحت حاصل کرنے والے ہوتے تو یقیناً کر سکتے۔ بلکہ تمہارے پاس ہم نے آگاہ کرنے والے بھی بھیج دیئے تھے اب اپنے کرتوت کا مزہ چکھو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں کہیں گے کہ اللہ ہمیں یہاں سے نکال دے اگر ہم پھر وہی کریں تو یقیناً ہم ظالم ٹھہریں گے۔ اللہ فرمائے گا دور ہو جاؤ اسی میں پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔

اس آیت میں ان لوگوں نے اپنے سوال سے پہلے ایک مقدمہ قائم کر کے سوال میں ایک گونہ لطافت کر دی ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو بیان کیا کہ باری تعالیٰ ہم مردہ تھے تو نے ہمیں زندہ کر دیا پھر مار ڈالا پھر زندہ کر دیا۔ پھر تو ہر اس چیز پر جسے تو چاہے قادر ہے۔ ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے یقیناً ہم نے اپنی جانوں پر ظلم وزیادتی کی اب بچاؤ کی کوئی صورت بنا دے۔ یعنی ہمیں دنیا کی طرف پھر لوٹا دے جو یقیناً تیرے بس میں ہے ہم وہاں جا کر اپنے پہلے اعمال کے خلاف اعمال کریں گے اب اگر ہم وہی کام کریں تو بیشک ہم ظالم ہیں۔ انہیں جواب دیا جائے گا کہ اب دوبارہ دنیا میں جانے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر دوبارہ چلے بھی جاؤ گے تو پھر بھی وہی کرو گے جس سے منع کیے گئے۔ تم نے اپنے دل ہی ٹیڑھے کر لئے ہیں تم اب بھی حق کو قبول نہ کرو گے بلکہ اس کے خلاف ہی کرو گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مؤمن، بیروت)

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ ○
یہ اس لیے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ جب اس اکیلے اللہ کو پکارا جاتا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو
شریک ٹھہرایا جاتا تو تم مان لیتے تھے، اب فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہے جو بہت بلند، بہت بڑا ہے۔

شرک کے سبب سخت عذاب ہونے کا بیان

"ذٰلِكُمْ" أَيْ الْعَذَابُ الَّذِي أَنْتُمْ فِيهِ "بِأَنَّهُ" أَيْ بِسَبَبِ أَنَّهُ فِي الدُّنْيَا "إِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْده كَفَرْتُمْ" بِتَوْحِيدِهِ "وَإِنْ يُشْرَكْ بِهِ" يُجْعَل لَهُ شَرِيك "تُؤْمِنُوا" تُصَدِّقُوا بِالْإِشْرَاكِ "فَالْحُكْم" فِي تَعْذِيبكُمْ "لِلّٰهِ الْعَلِيّ" عَلَى خَلْقه "الْكَبِير" الْعَظِيم،

یہ عذاب تمہیں اس لئے دیا جائے گا، جس میں تم ہو اس لیے کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے دنیا میں جب اس اکیلے اللہ کو پکارا جاتا تو تم انکار کرتے تھے یعنی اس کی توحید کا انکار کرتے۔ اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جاتا تو تم شریک کو مان لیتے تھے، اب تمہیں عذاب دینے میں فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہے جو اپنی مخلوق پر بہت بلند، بہت بڑا ہے۔

یعنی اس عذاب اور اس کے دوام وخلود کا سبب تمہارا یہ فعل ہے کہ جب توحید الٰہی کا اعلان ہوتا اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا جاتا تو تم اس کا انکار کرتے اور کفر اختیار کرتے۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ۝
وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمھارے لیے آسمان سے رزق اتارتا ہے اور اس کے سوا
کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتا جو رجوع کرے۔

آسمان سے بارش برسنے سے دلائل توحید کا بیان

"هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاته" دَلَائِل تَوْحِيده "وَيُنَزِّل لَكُمْ مِنَ السَّمَاء رِزْقًا" بِالْمَطَرِ "وَمَا يَتَذَكَّر" يَتَّعِظ "إِلَّا مَنْ يُنِيب" يَرْجِع عَنِ الشِّرْك،

وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں یعنی توحید کے دلائل دکھاتا ہے اور تمھارے لیے آسمان سے بارش کے ذریعے رزق اتارتا ہے اور اس کے سوا کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتا جو رجوع کرے۔ یعنی جو شرک سے لوٹ آئے۔

یعنی آسمان سے بارش نازل فرماتا ہے جو زمینی پیداوار اور تمہارے رزق کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس پورے نظام پر اگر غور کیا جائے کہ اس کائنات میں کون سی قوتیں سرگرم عمل ہوتی ہیں جن کے نتیجے میں بارش برستی ہے پھر اس بارش سے رزق حاصل ہونے تک کون کون سی کائناتی اور زمینی قوتیں کام میں لگی رہتی ہیں۔ کس طرح سورج کی حرارت سے سطح سمندر پر سے آبی بخارات اوپر اٹھتے ہیں، پھر کس طرح ہوائیں انہیں اپنے دوش پر اٹھائے پھرتی ہیں اور جس طرف اللہ کا حکم ہوتا ہے، لے جاتی ہیں۔ پھر یہی آبی بخارات کیونکر پھر سے بارش کے قطروں میں منتقل ہوتے ہیں۔ پھر جب کسی خطہ زمین پر بارش برستی ہے تو زمین کی تاریکیوں میں بیج کی پرورش کون کرتا ہے اور کس طرح پودے کی نہایت نرم ونازک کونپل سطح زمین کو چیرتی ہوئی باہر نکل آتی ہے۔ غرضیکہ اس نظام میں بے شمار عجائبات قدرت ہیں۔ پھر ان قوتوں کے باہمی تعاون سے جو مثبت قسم کے نتائج برآمد ہوتے ہیں اس سے از خود معلوم ہو جاتا

ہے کہ ان تمام قوتوں پر کنٹرول کرنے والی صرف ایک ہی ہستی ہوسکتی ہے۔ اگر ہواؤں کا دیوتا الگ ہوتا، سورج کا الگ، بارش کا الگ اور زمین کا کوئی الگ ہوتا تو ان میں ایسا باہمی ارتباط ناممکن تھا کہ ان قوتوں سے ہمیشہ مثبت نتائج ہی حاصل ہوسکیں۔ لیکن یہ باتیں تو صرف وہ لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں جو اللہ کی ان نشانیوں میں کچھ غور وفکر بھی کرتے ہوں۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ٥
پس تم اللہ کی عبادت اس کے لئے طاعت وبندگی کو خالص رکھتے ہوئے کیا کرو، اگرچہ کافروں کو ناگوار ہی ہو۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت اخلاص کے ساتھ کرنے کا بیان

"فَادْعُوا اللّٰه" اُعْبُدُوهُ "مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّين" مِنْ الشِّرْك "وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ" إخْلَاصكُمْ مِنْهُ،

پس تم اللہ کی عبادت اس کے لئے طاعت وبندگی کو خالص رکھتے ہوئے کیا کرو، یعنی شرک سے بچتے ہوئے۔ اگرچہ تمہارا یہ اخلاص کافروں کو ناگوار ہی ہو۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص (صدق دل اور اخلاص نیت کی بنا پر) اپنے ایمان کو اچھا بنالیتا ہے تو وہ بھی جو نیک عمل کرتا ہے اس پر اس کے اعمالنامہ میں اس جیسی دس سے لے کر سات سو تک نیکیوں کا زائد اجر لکھا جاتا ہے اور وہ جو برا عمل کرتا ہے اس پر اس کے نامہ اعمال میں اس ایک ہی عمل کا گناہ لکھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ سے ملاقات کرے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 40)

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ٥
وہ بہت بلند درجوں والا، عرش کا مالک ہے، اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے
وحی اتارتا ہے، تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔

یوم ملاقات کی ندامت سے ڈرسنانے کا بیان

"رَفِيع الدَّرَجَات" أَيْ اللّٰه عَظِيم الصِّفَات أَوْ رَافِع دَرَجَات الْمُؤْمِنِينَ فِي الْجَنَّة "ذُو الْعَرْش" خَالِقه "يُلْقِي الرُّوح" الْوَحْي "مِنْ أَمْره" أَيْ قَوْله "عَلَى مَنْ يَشَاء مِنْ عِبَاده لِيُنْذِر" يُخَوِّف الْمُلْقَى عَلَيْهِ النَّاس "يَوْم التَّلَاق" بِحَذْفِ الْيَاء وَإِثْبَاتهَا يَوْم الْقِيَامَة لِتَلَاقِي أَهْل السَّمَاء وَالْأَرْض وَالْعَابِد وَالْمَعْبُود وَالظَّالِم وَالْمَظْلُوم فِيهِ،

وہ بہت بلند درجوں والا، یعنی اللہ تعالیٰ عظیم صفات والا ہے۔ یعنی اہل ایمان کے درجات کو جنت میں بلند کرنے والا ہے عرش کا مالک ہے، یعنی اس کو پیدا کرنے والا ہے، اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی اتارتا ہے، تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔ یعنی جو ملاقات کا دن ہے۔ یہاں پر لفظ تلاق یہ یاء اور حذف یاء دونوں طرح آیا ہے۔ قیامت کے دن اہل

آسمان، اور اہل زمین، اور عابد و معبود اور ظالم و مظلوم کے درمیان ملاقات ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن بندہ (بارگاہ الٰہی) میں حاضر کیا جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تجھے سننے اور دیکھنے کی قوت نہ دی کیا میں نے تجھے مال اولاد نہ دیئے کیا میں نے تیرے لئے جانور اور کھیتیاں مسخر نہ کئے کیا میں نے تجھے اس حالت میں نہ چھوڑا کہ تو سردار بنایا گیا اور تو لوگوں سے چوتھائی مال لینے لگا کیا تیرا خیال تھا کہ آج کے دن تو مجھ سے ملاقات کرے گا۔

اور کہے گا نہیں اے رب اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو پھر میں بھی تجھے آج اسی طرح بھول جاتا ہوں جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا یہ حدیث صحیح غریب ہے اس قول کہ میں تجھے چھوڑ دوں گا جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا کا مطلب یہ ہے کہ میں تجھے عذاب میں ڈالوں گا بعض علماء نے اس آیت (فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ، الاعراف: 91) کا مطلب یہی بیان کیا ہے اہل علم فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آج ہم ان کو عذاب میں چھوڑ دیں گے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 326)

يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝
جس دن وہ سب نکل پڑیں گے اور ان سے کچھ بھی اللہ پر پوشیدہ نہ رہے گا، آج کس کی بادشاہی ہے؟
اللہ ہی کی جو ایک ہے سب پر غالب ہے۔

قبور سے نکلنے والوں کے اعمال سے کچھ پوشیدہ نہ ہونے کا بیان

"يَوْم هُمْ بَارِزُونَ" خَارِجُونَ مِنْ قُبُورهمْ "لَا يَخْفَى عَلَى اللّٰه مِنْهُمْ شَيْء لِمَنِ الْمُلْك الْيَوْم" يَقُولهُ تَعَالَى وَيُجِيب نَفْسه "لِلّٰهِ الْوَاحِد الْقَهَّار" أَيْ لِخَلْقِهِ،

جس دن وہ سب قبروں سے نکل پڑیں گے اور ان کے اعمال سے کچھ بھی اللہ پر پوشیدہ نہ رہے گا، ارشاد ہوگا آج کس کی بادشاہی ہے؟ پھر خود ہی جواب کے طور پر ارشاد فرمائے گا اللہ ہی کی جو ایک ہے جو اپنی مخلوق پر غالب ہے۔

قبروں سے نکل کر اور کوئی عمارت یا پہاڑ اور چھپنے کی جگہ اور آڑ نہ پائیں گے۔ نہ اعمال، نہ اقوال، نہ دوسرے احوال اور اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز کبھی نہیں چھپ سکتی لیکن یہ دن ایسا ہوگا کہ ان لوگوں کے لئے کوئی پردہ اور آڑ کی چیز نہ ہوگی جس کے ذریعہ سے وہ اپنے خیال میں بھی اپنے حال کو چھپا سکیں اور خلق کی فنا کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

اب کوئی نہ ہوگا کہ جواب دے۔ خود ہی جواب میں فرمائے گا کہ اللہ واحد قہار کی، اور ایک قول یہ ہے کہ روز قیامت جب تمام اوّلین و آخرین حاضر ہوں گے تو ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا آج کس کی بادشاہی ہے؟ تمام خلق جواب دے گی (يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، غافر: 16) اللہ واحد قہار کی، جیسا کہ آگے ارشاد ہوتا ہے۔ مومن تو یہ جواب بہت لذّت کے ساتھ عرض کریں گے کیونکہ وہ دنیا میں یہی اعتقاد رکھتے تھے، یہی کہتے تھے اور اسی کی بدولت انہیں مرتبے ملے اور کفار ذلت و ندامت کے ساتھ اس کا اقرار کریں گے اور دنیا میں اپنے منکر رہنے پر شرمندہ

ہوں گے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ مومن، لاہور)

اَلْیَوْمَ تُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْؕ لَا ظُلْمَ الْیَوْمَؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۝
آج ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا، آج کوئی ظلم نہیں۔ بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیئے جانے کا بیان

"اَلْیَوْمَ تُجْزَی کُلّ نَفْس بِمَا کَسَبَتْ لَا ظُلْم الْیَوْم إِنَّ اللّٰہ سَرِیع الْحِسَاب" یُحَاسِب جَمِیع الْخَلْق فِی قَدْر نِصْف نَهَار مِنْ أَیَّام الدُّنْیَا لِحَدِیثٍ بِذَلِکَ،

آج ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا، آج کوئی ظلم نہیں۔ بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ یعنی ساری مخلوق کا حساب دنیا کے دنوں کے حساب سے نصف دن کی مقدار کے برابر ہو جائے گا جس طرح حدیث میں آیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اہل حقوق کو ان کے حقوق پورے پورے ادا کرنا ہوں گے یہاں تک کہ بغیر سینگ کی بکری کا سینگ والی بکری سے بھی بدلہ لیا جائے گا اس باب میں حضرت ابوذر اور عبداللہ بن انیس سے بھی احادیث منقول ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 316)

وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِیْنَ۬ؕ
مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُؕ۝
اور آپ ان کو قریب آنے والی آفت کے دن سے ڈرائیں جب ضبطِ غم سے کلیجے منہ کو آئیں گے۔ ظالموں کے لئے
نہ کوئی مہربان دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔

قیامت کے دن کفار کیلئے کوئی سفارش نہ ہونے کا بیان

"وَأَنْذِرْهُمْ یَوْم الْآزِفَة" یَوْم الْقِیَامَة مِنْ أَزِفَ الرَّحِیل: قَرُبَ "إِذْ الْقُلُوب" تَرْتَفِع خَوْفًا "لَدَی" عِنْد "الْحَنَاجِر کَاظِمِینَ" مُمْتَلِئِینَ غَمًّا حَال مِنْ الْقُلُوب عُومِلَتْ بِالْجَمْعِ بِالْیَاءِ وَالنُّون مُعَامَلَة أَصْحَابهَا "مَا لِلظَّالِمِینَ مِنْ حَمِیم" مُحِبّ "وَلَا شَفِیع یُطَاع" لَا مَفْهُوم لِلْوَصْفِ إِذْ لَا شَفِیع لَهُمْ أَصْلًا "فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِینَ" أَوْ لَهُ مَفْهُوم بِنَاء عَلَی زَعْمهمْ أَنَّ لَهُمْ شُفَعَاء أَیْ لَوْ شَفَعُوا فَرْضًا لَمْ یُقْبَلُوا،

اور آپ ان کو قریب آنے والی آفت کے دن یعنی قیامت کے دن سے ڈرائیں۔ اُزف الرحیل کا معنی قرب ہے۔ جب ضبطِ غم سے کلیجے منہ کو آئیں گے۔ یہاں پر لفظ کاظمین یہ قلوب سے حال ہے۔ جس کو یاء اور نون کے ساتھ جمع لایا گیا ہے۔ یعنی اصحاب

دل کا معاملہ ہوگا۔ ظالموں کے لئے نہ کوئی مہربان دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے۔ یہاں وصف کا مفہوم مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ ان کیلئے تو کوئی سفارشی ہی نہ ہوگا۔ جس طرح یہ قول ہمارے لئے کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے۔ اس کا پہلا مفہوم یہ ہے ان کے خیال میں جو ان کے سفارشی ہیں اگر بہ فرض وہ سفارش کریں تو بھی ان کی سفارش قبول نہ کی جائے گی۔

دوزخیوں کو گرم پانی پلایا جانے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد یسقی من ماء صدید یتجرعه کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب وہ پانی اس (دوزخی) کے منہ کے قریب لایا جائے گا تو وہ بہت ناک بھوں چڑھائے گا اور پھر وہ پانی اس کے منہ میں ڈالا جائے گا۔

تو اس کے منہ کے گوشت کو بھون ڈالے گا اور اس کے سر کی کھال گر پڑے گی اور جب وہ (دوزخی) اس پانی کو پیئے گا اور وہ پانی پیٹ میں پہنچے گا تو آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا، پھر وہ پاخانہ کے راستے سے باہر نکل آئے گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وسقوا ماء حمیما فقطع امعاء هم اسی طرح قرآن میں ایک اور جگہ یوں فرمایا گیا ہے وان یستغیثوا یغاثوا بماء کالمهل یشوی الوجوه بئس الشراب ۔(ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 245)

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ٥
وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور اسے بھی جو سینے چھپاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سینوں میں پوشیدہ رازوں کو جاننے والا ہے

"يَعْلَم" أَيْ اللّٰه "خَائِنَة الْأَعْيُن" بِمُسَارَقَتِهَا النَّظَر إِلَى مُحَرَّم "وَمَا تُخْفِي الصُّدُور" الْقُلُوب

وہ یعنی اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے یعنی حرام چیزوں کی طرف نظر کرتے ہیں۔ اور اسے بھی جو سینے چھپاتے ہیں۔

خیانت نظر سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص لوگوں سے چرا کر ایسی چیز پر نظر ڈالے جو اس کے لئے حرام اور ناجائز ہو، جیسے کسی غیر محرم پر شہوت سے نظر کرے، اور جب کسی کو دیکھے تو نظر ہٹالے یا اس طرح نظر ڈالے کہ جس کو دیکھنے والے محسوس نہ کریں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سب چیزیں ظاہر ہیں۔

وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَايَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ٥
اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے، اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پوجتے ہیں وہ کچھ بھی فیصلہ نہیں کر سکتے،
بیشک اللہ ہی سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

بتوں کی پوجا کرنے والے کفار مکہ کا بیان

"وَاَللّٰه يَقْضِي بِالْحَقِّ وَاَلَّذِينَ يَدْعُونَ" يَعْبُدُونَ أَيْ كُفَّار مَكَّة بِالْيَاءِ وَالتَّاء "مِنْ دُونه" وَهُمْ الْأَصْنَام

"لَا یَقْضُونَ بِشَیْءٍ" فَکَیْفَ یَکُونُونَ شُرَکَاءَ لِلّٰہِ "إِنَّ اللّٰہَ ہُوَ السَّمِیعُ" لِأَقْوَالِہِمْ "الْبَصِیرُ" بِأَفْعَالِہِمْ،

اوراللہ حق کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے،اورجن بتوں کو یہ لوگ یعنی کفار مکہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں۔یہاں پر یدعون یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔وہ بت کچھ بھی فیصلہ نہیں کر سکتے،لہٰذا تم انہیں کیسے اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔بیشک اللہ ہی ان کے اقوال کو سننے والا،ان کے افعال کو دیکھنے والا ہے۔

اس لئے کہ انہیں کسی چیز کا علم ہے نہ کسی پر قدرت،وہ بیخبر بھی ہیں اور بے اختیار بھی،جب کہ فیصلے کے لئے علم اور اختیار دونوں چیزوں کی ضرورت ہے اور یہ دونوں خوبیاں صرف اللہ کے پاس ہیں۔اس لئے صرف اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ فیصلہ کرے اور وہ یقیناً حق کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔

اَوَ لَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ کَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ کَانُوْا هُمْ اَشَدَّ
مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا کَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ○
اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے،وہ لوگ قوت میں
ان سے بہت زیادہ تھے اور ان آثار ونشانات میں جو زمین میں تھے۔پھر اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے
انہیں پکڑ لیا،اوران کے لئے اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔

زمین میں سیر کر کے ہلاک ہونے والی کفار اقوام سے عبرت حاصل کرنے کا بیان

"أَوَلَمْ یَسِیرُوا فِی الْأَرْضِ فَیَنْظُرُوا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِینَ کَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ کَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ" وَفِی قِرَاءَةٍ: مِنْکُمْ "قُوَّةً وَآثَارًا فِی الْأَرْضِ" مِنْ مَصَانِعَ وَقُصُور "فَأَخَذَهُمُ اللّٰه" أَهْلَکَهُمْ "بِذُنُوبِهِمْ وَمَا کَانَ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَاقٍ" عَذَابه،

اور کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے،وہ لوگ قوت میں بھی ان سے بہت زیادہ تھے اور ایک قرأت میں منکم آیا ہے۔اوران بڑے حوضوں اور محلات کے آثار ونشانات میں بھی جو زمین میں چھوڑ گئے تھے۔پھر اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا،تو انہیں ہلاک کر دیا۔اوران کے لئے اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا تیری رسالت کے جھٹلانے والے کفار نے اپنے سے پہلے کے رسولوں کو جھٹلانے والے کفار کی حالتوں کا معائنہ ادھر ادھر چل پھر کر نہیں کیا جو ان سے زیادہ قوی طاقتور اور جثہ دار تھے۔جن کے مکانات اور عالیشان عمارتوں کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔جو ان سے زیادہ باتمکنت تھے۔

ان سے بڑی عمروں والے تھے، جب ان کے کفر اور گناہوں کی وجہ سے عذاب الٰہی ان پر آیا۔ تو نہ تو کوئی اسے ہٹا سکا نہ کسی میں مقابلہ کی طاقت پائی گئی نہ اس سے بچنے کی کوئی صورت نکلی، اللہ کا غضب ان پر برس پڑنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ان کے پاس بھی ان کے رسول واضح دلیلیں اور صاف روشن حجتیں لے کر آئے باوجود اس کے انہوں نے کفر کیا جس پر اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور کفار کے لئے انہیں باعث عبرت بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ پوری قوت والا، سخت پکڑ والا، شدید عذاب والا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے تمام عذابوں سے نجات دے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ مومن، بیروت)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
یہ اس لیے کہ بے شک وہ لوگ، ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں لے کر آتے رہے تو انھوں نے انکار کیا
تو اللہ نے انھیں پکڑ لیا۔ بے شک وہ بہت قوت والا، بہت سخت سزا دینے والا ہے۔

رسولان گرامی کا معجزات و دلائل کے ساتھ آنے کا بیان

"ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلهمْ بِالْبَيِّنَاتِ" بِالْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَات

یہ اس لیے کہ بے شک وہ لوگ، ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلیں یعنی ظاہر معجزات لے کر آتے رہے۔ تو انھوں نے انکار کیا تو اللہ نے انھیں پکڑ لیا۔ بے شک وہ بہت قوت والا، بہت سخت سزا دینے والا ہے۔

بَیِّنٰتٌ (بینة) کی جمع دراصل ایسی دلیل کو کہتے ہیں جس کے سامنے فریق ثانی لاجواب ہو جائے۔ پھر اس لفظ کا اطلاق معجزات انبیاء پر بھی ہو سکتا ہے اور قرآن کی آیات پر بھی کیونکہ بار بار کے چیلنج کے باوجود کفار قرآن کی مثل پیش نہ کر سکے تھے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝
اور بیشک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا۔ فرعون اور ہامان اور قارون
کی طرف، تو وہ کہنے لگے کہ یہ جادوگر ہے، بڑا جھوٹا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واضح دلائل لیکر آنے کا بیان

"وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا وَسُلْطَان مُبِين " بُرْهَان بَيِّن ظَاهِر "إِلَى فِرْعَوْن وَهَامَان وَقَارُون فَقَالُوا " هُوَ "سَاحِر كَذَّاب"

اور بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا۔ یعنی ایسی دلیل جو ظاہر ہے۔ فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف، تو وہ کہنے لگے کہ یہ جادوگر ہے، بڑا جھوٹا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے سابقہ رسولوں کے قصے بیان فرماتا ہے کہ جس طرح انجام کار فتح وظفر ان کے ساتھ رہی اسی طرح آپ بھی ان کفار سے کوئی اندیشہ نہ کیجئے۔ میری مدد آپ کے ساتھ ہے۔ انجام کار آپ ہی کی

بہتری اور برتری ہوگی جیسے کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کا واقعہ آپ کے سامنے ہے کہ ہم نے انہیں دلائل و براہین کے ساتھ بھیجا، قبطیوں کے بادشاہ فرعون کی طرف جو مصر کا سلطان تھا اور ہامان کی طرف جو اس کا وزیر اعظم تھا اور قارون کی طرف جو اس کے زمانے میں سب سے زیادہ دولت مند تھا اور تاجروں کا بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ ان بدنصیبوں نے اللہ کے اس زبردست رسول کو جھٹلایا اور ان کی توہین کی اور صاف کہہ دیا کہ یہ تو جادوگر اور جھوٹا ہے۔ یہی جواب سابقہ امتوں کے بھی انبیاء علیہم السلام کو دیتے ہے۔ جیسے ارشاد ہے (كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ،الذاریات:52)، یعنی اس طرح ان سے پہلے بھی جتنے رسول آئے سب سے ان کی قوم نے یہی کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ کیا انہوں نے اس پر کوئی متفقہ تجویز کر رکھی ہے؟ نہیں بلکہ دراصل یہ سب کے سب سرکش لوگ ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ مؤمن، بیروت)

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ
وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝
پھر جب وہ ہماری بارگاہ سے پیغامِ حق لے کر ان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: ان لوگوں کے لڑکوں کو قتل کر دو جوان کے ساتھ
ایمان لائے ہیں اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دو، اور کافروں کی پُرفریب چالیں صرف ہلاکت ہی تھیں۔

فرعون کا بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرنے کا بیان

"فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ " بِالصِّدْقِ "مِنْ عِنْدنَا قَالُوا اُقْتُلُوا أَبْنَاء الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ وَاسْتَحْيُوا " اسْتَبْقُوا "نِسَاءَهُمْ وَمَا كَيْد الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَال " هَلَاك،

پھر جب وہ ہماری بارگاہ سے پیغامِ حق یعنی سچائی لے کر ان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا: ان لوگوں کے لڑکوں کو قتل کر دو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دو، اور کافروں کی پُرفریب چالیں صرف ہلاکت ہی تھیں۔

جب ہمارے رسول موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس حق لائے اور انہوں نے اللہ کے رسول کو ستانا اور دکھ دینا شروع کیا اور فرعون نے حکم جاری کر دیا اس رسول پر جو ایمان لائے ہیں ان کے ہاں جو لڑکے ہیں انہیں قتل کر دو اور جو لڑکیاں ہوں انہیں زندہ چھوڑ دو، اس سے پہلے بھی وہ یہی حکم جاری کر چکا تھا۔ اس لئے کہ اسے خوف تھا کہ کہیں موسیٰ پیدا نہ ہو جائیں یا اس لئے کہ بنی اسرائیل کی تعداد کم کر دے اور انہیں کمزور اور بیطاقت بنادے اور ممکن ہے دونوں مصلحتیں سامنے ہوں اور ان کی گنتی نہ بڑھے اور یہ پست و ذلیل رہیں بلکہ انہیں خیال ہو کہ ہماری اس مصیبت کا باعث حضرت موسیٰ ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہمیں ایذاء دی گئی اور آپ کے تشریف لانے کے بعد بھی ہم ستائے گئے۔ آپ نے جواب دیا تم جلدی نہ کرو بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو برباد کر دے اور تمہیں زمین کا خلیفہ بنائے پھر دیکھے۔ کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ حضرت قتادہ کا قول ہے کہ فرعون کا یہ حکم دوبارہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار کا فریب اور ان کی یہ پالیسی کہ بنی اسرائیل فنا ہو جائیں

بے فائدہ اور فضول تھی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مؤمن، بیروت)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ
دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝

اور فرعون بولا: مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور اسے چاہیے کہ اپنے رب کو بلا لے۔ مجھے خوف ہے کہ وہ
تمہارا دین بدل دے گا یا ملک میں فساد پھیلا دے گا۔

فرعون کا موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے ارادہ کا بیان

"وَقَالَ فِرْعَوْن ذَرُونِي أَقْتُل مُوسَى" "لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكُفُّونَهُ عَنْ قَتْله "وَلْيَدْعُ رَبّه" "لِيَمْنَعهُ مِنِّي "إِنِّي أَخَاف أَنْ يُبَدِّل دِينكُمْ" مِنْ عِبَادَتكُمْ إِيَّايَ فَتَتَّبِعُوهُ "أَوْ أَنْ يُظْهِر فِي الْأَرْض الْفَسَاد" مِنْ قَتْل وَغَيْره وَفِي قِرَاءَة : أَوْ وَفِي أُخْرَى بِفَتْحِ الْيَاء وَالْهَاء وَضَمّ الدَّال،

اور فرعون بولا: مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کر دوں کیونکہ لوگوں نے اس کو قتل سے منع کیا گیا تھا۔ اور اسے چاہیے کہ اپنے رب کو بلا لے۔ جو مجھے کو روک لے۔ مجھے خوف ہے کہ وہ تمہارا دین بدل دے گا یعنی تمہیں عبادت سے نہ پھیر دے تا کہ تم اس کی اتباع کرو۔ یا ملک (مصر) میں فساد پھیلا دے گا۔ جو قتل وغیرہ سے ہوگا۔ اور ایک قرأت میں واؤ کی بجائے اَوْ آیا ہے۔ اور لفظ یظہر یہ یاء کی فتحہ اور ھاء کے ساتھ اور دال کے ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔

فرعون کا ایک بدترین قصد بیان ہو رہا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ کے قتل کا ارادہ کیا اور اپنی قوم سے کہا مجھے چھوڑ و میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں گا وہ اگر چہ اپنے اللہ کو بھی اپنی مدد کے لئے پکارے مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر اسے زندہ چھوڑا گیا تو وہ تمہارے دین کو بدل دے گا تمہاری عادت و رسومات کو تم سے چھڑا دے گا اور زمین میں ایک فساد پھیلا دے گا۔ اسی لئے عرب میں یہ مثل مشہور ہوگئی صار الرعن مذاکرا یعنی فرعون بھی واعظ بن گیا۔

وَقَالَ مُوْسٰٓی اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ۝

اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ لے چکا ہوں، ہر متکبر شخص سے جو یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے محفوظ رہنے کا بیان

"وَقَالَ مُوسَى" لِقَوْمِهِ وَقَدْ سَمِعَ ذَلِكَ،

اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ وہ اس کی بات کو سن چکے ہیں۔ میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ لے چکا ہوں، ہر متکبر شخص سے جو یوم حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔

حضرت موسیٰ کو جب فرعون کا یہ بدارادہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا میں اس کی اور اس جیسے لوگوں کی برائی سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔اے میرے مخاطب لوگو! میں ہر اس شخص کی ایذاء رسانی سے جو حق سے تکبر کرنے والا اور قیامت کے دن پر ایمان نہ رکھنے والا ہو، اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔حدیث شریف میں ہے کہ جب جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قوم سے خوف ہوتا تو آپ یہ دعا پڑھتے یعنی اے اللہ ان کی برائی سے ہم تیری پناہ میں آتے ہیں اور ہم تجھ پر ان کے مقابلے میں بھروسہ کرتے ہیں۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ
وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ
بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۝
اور ملّتِ فرعون میں سے ایک مردِ مومن نے کہا جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا: کیا تم ایک شخص کو قتل کرتے ہو اس لئے کہ
وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے، اور وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آیا ہے، اور اگر
(بالفرض) وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا بوجھ اسی پر ہوگا اور اگر وہ سچا ہے تو جس قدر عذاب کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے
تمہیں پہنچ کر رہے گا، بیشک اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزرنے والا سراسر جھوٹا ہو۔

آلِ فرعون سے سچے مؤمن کے فرمان کا بیان

"وَقَالَ رَجُل مُؤْمِن مِنْ آل فِرْعَوْن " قِيلَ : هُوَ ابْن عَمّه "يَكْتُم إِيمَانه أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ" أَيْ لِأَنْ "يَقُول رَبِّيَ اللَّه وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ" بِالْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَات "مِنْ رَبّكُمْ وَإِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبه" أَيْ ضَرَر كَذِبه "وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُمْ بَعْض الَّذِي يَعِدكُمْ" بِهِ مِنْ الْعَذَاب عَاجِلًا "إِنَّ اللَّه لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِف" مُشْرِك "كَذَّاب" مُفْتَرٍ،

اور ملّتِ فرعون میں سے ایک مردِ مومن نے کہا، کہا گیا ہے کہ وہ اس کا چچازاد بھائی تھا۔ جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا کیا تم ایک شخص کو قتل کرتے ہو صرف اس لئے کہ وہ کہتا ہے، میرا رب اللہ ہے، اور وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں یعنی ظاہری معجزات لے کر آیا ہے، اور اگر بالفرض وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا بوجھ یعنی نقصان اسی پر ہوگا اور اگر وہ سچا ہے تو جس قدر عذاب کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے وہ عذاب تمہیں پہنچ کر رہے گا، بیشک اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزرنے والا مشرک سراسر جھوٹا ہو۔

اس مردِ مومن نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اس کی دعوت کے متعلق دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ایک یہ کہ وہ اپنے قول میں جھوٹا ہو۔اس صورت میں تم اتنی فکر کیوں کرتے ہو؟ جھوٹ کے پاؤں کہاں ہوتے ہیں وہ جلد یا بدیر اپنی موت آپ ہی

مر جائیگا۔اور اگر وہ سچا ہوا اور تم نے اسے قتل کر دیا تو پھر سمجھ لو کہ تمہاری خیر نہیں۔پھر تو جس عذاب کی وہ تمہیں دھمکی دیتا ہے وہ لازماً تم پر نازل ہو کے رہے گا۔لہٰذا میرا مشورہ یہ ہے کہ تم اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔تمہاری بھلائی اسی میں ہے۔

پختہ ایمان ہونے کے باوجود بہ طور مصلحت پوشیدہ رکھنے کا بیان

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اگر لوگوں کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار نہ کرے دل سے اعتقاد پختہ رکھے تو وہ مومن ہے مگر نصوص صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ ایمان کے مقبول ہونے کے لئے صرف دل کا یقین کافی نہیں بلکہ زبان سے اقرار کرنا شرط ہے، جب تک زبان سے اقرار نہ کرے گا مومن نہ ہوگا۔البتہ زبان کا اقرار لوگوں کے سامنے اعلان کے ساتھ کرنا ضروری نہیں۔اس کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ جب تک لوگوں کو اس کے ایمان کا علم نہیں ہوگا وہ اس کے ساتھ معاملہ مسلمانوں جیسا نہ کر سکیں گے۔

(تفسیر قرطبی، سورہ مؤمن، بیروت)

یٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ
قَالَ فِرْعَوْنُ مَاۤ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَاۤ اَرٰى وَمَاۤ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ○
اے میری قوم! آج کے دن تمہاری حکومت ہے سر زمین میں اقتدار پر ہو، پھر کون ہمیں اللہ کے عذاب سے
بچا سکتا ہے اگر وہ ہمارے پاس آ جائے۔فرعون نے کہا: میں تمہیں فقط وہی بات سمجھاتا ہوں جسے میں خود
سمجھتا ہوں اور میں تمہیں بھلائی کی راہ کے سوا نہیں دکھاتا۔

فرعون اور اس کی قوم کی مشاورت کا بیان

"يَا قَوْم لَكُمُ الْمُلْك الْيَوْم ظَاهِرِينَ" غَالِبِينَ حَال "فِي الْأَرْض" أَرْض مِصْر "فَمَنْ يَنْصُرنَا مِنْ بَأْس اللّٰه" عَذَابه إِنْ قَتَلْتُمْ أَوْلِيَاءهُ "إِنْ جَاءَنَا" أَيْ لَا نَاصِر لَنَا "قَالَ فِرْعَوْن مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَى" أَيْ مَا أُشِير عَلَيْكُمْ إِلَّا بِمَا أُشِير بِهِ عَلَى نَفْسِي وَهُوَ قَتْل مُوسَى "وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيل الرَّشَاد" طَرِيق الصَّوَاب،

اے میری قوم! آج کے دن تمہاری حکومت ہے تم ہی سر زمین مصر میں اقتدار پر ہو، یعنی آج تم حالت غلبہ میں ہو۔پھر کون ہمیں اللہ کے عذاب سے بچا سکتا ہے، جب ان کے قتل کی وجہ سے کوئی مصیبت آ پڑی۔یعنی کوئی مددگار نہ ہوگا۔اگر وہ عذاب ہمارے پاس آ جائے۔فرعون نے کہا میں تمہیں فقط وہی بات سمجھاتا ہوں جسے میں خود صحیح سمجھتا ہوں اور موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا مناسب ہے۔اور میں تمہیں بھلائی کی راہ کے سوا اور کوئی راستہ نہیں دکھاتا۔لہٰذا صحیح راستہ یہی ہے۔

کیا تم اس کے قتل کی بات محض اس لئے کرتے ہو کہ آج تمہارے ہاتھ میں حکومت ہے اور اگر تم ایسا کر بھی لو گے تو تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔لیکن اگر وہ سچا ہوا اور تم پر اللہ کی طرف سے عذاب آ گیا تو اس وقت تمہاری یہ حکومت کسی کام نہ آئے گی۔اور سب

تباہ ہو جائیں گے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک بھی اس نے اپنا ایمان ظاہر نہ کیا تھا۔ اور فرعون اور اس کے درباریوں سے غیر جانبدار رہ کر ناصحانہ قسم کی باتیں کر رہا تھا۔

فرعون کے اس جملہ سے بھی معلوم ہو رہا ہے کہ فرعون اسے تا حال اپنا مخالف یا مومن نہیں سمجھتا تھا بلکہ اسے اپنا ناصح ہی سمجھ رہا تھا۔ اسی لئے اس نے اس مرد مومن کو یہ جواب دیا کہ مجھے تو اسی بات میں بھلائی نظر آتی ہے کہ اس شخص کو قتل کر دینا ہی بہتر ہے اور میں اپنی سمجھ اور بصیرت کے مطابق جو حالات سامنے دیکھ رہا ہوں وہی تمہیں بتا رہا ہوں اور اسی میں تمہاری بھلائی سمجھتا ہوں۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ
وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝ وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝
اور اس شخص نے کہا جو ایمان لایا تھا، اے میری قوم! بے شک میں تم پر جماعتوں کے دن کی مانند سے ڈرتا ہوں۔ نوح کی
قوم اور عاد اور ثمود اور ان لوگوں کے حال کی مانند سے جو ان کے بعد تھے اور اللہ اپنے بندوں پر کسی طرح کے
ظلم کا ارادہ نہیں کرتا۔ اور اے میری قوم! یقیناً میں تم پر ایک دوسرے کو پکارنے کے دن سے ڈرتا ہوں۔

گزشتہ اقوام کی یکے بعد دیگرے ہلاکت کا بیان

"وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ" أَيْ يَوْمِ حِزْبٍ بَعْدَ حِزْبٍ، "مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ" مِثْلَ بَدَلٌ مِنْ مِثْلَ قَبْلَهُ أَيْ مِثْلَ جَزَاءِ عَادَةِ مَنْ كَفَرَ قَبْلَكُمْ مِنْ تَعْذِيبِهِمْ فِي الدُّنْيَا،

"وَيَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ" بِحَذْفِ الْيَاءِ وَإِثْبَاتِهَا أَيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْثُرُ فِيهِ نِدَاءُ أَصْحَابِ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ وَبِالْعَكْسِ وَالنِّدَاءِ بِالسَّعَادَةِ لِأَهْلِهَا وَبِالشَّقَاوَةِ لِأَهْلِهَا وَغَيْرِ ذَلِكَ،

اور اس شخص نے کہا جو ایمان لایا تھا، اے میری قوم! بے شک میں تم پر گزشتہ جماعتوں کے دن کی مانند سے ڈرتا ہوں۔ جن کا یکے بعد دیگرے کیا حال ہوا۔

جس طرح نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ان لوگوں کے حال کی مانند سے جو ان کے بعد تھے، یہاں پر لفظ مثل یہ پہلے والے مثل سے بدل ہے۔ یعنی ان کی سزا پہلے والے لوگوں کے عذاب کی طرح ہوگی۔ جو انہیں دنیا میں سزا دی گئی۔

اور اللہ اپنے بندوں پر کسی طرح کے ظلم کا ارادہ نہیں کرتا۔ اور اے میری قوم! یقیناً میں تم پر ایک دوسرے کو پکارنے کے دن سے ڈرتا ہوں۔ یہاں پر لفظ تناد یاء اور حذف یاء دونوں طرح آیا ہے۔ یعنی قیامت کے دن اہل جنت جہنمیوں کو اور اہل جہنم جنتیوں کو پکاریں گے۔ اور یہ ندا نیک لوگوں کیلئے بہ طور سعادت ہوگی جبکہ بدکار لوگوں کیلئے بہ طور بدبختی ہوگی۔

سابقہ اقوام کی ہلاکت سے سبق حاصل کرنے کا بیان

فرعون کے جواب سے اس مرد مومن کو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ فرعون نے اس کی نصیحت کا خاک بھی اثر قبول نہیں کیا۔ اور اس کے خیالات میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی تو اس نے مزید وضاحت سے سمجھانا شروع کیا اور کہا کہ تم سے پہلے بہت سی ایسی قومیں گزر چکی ہیں جو شان وشوکت میں تم سے بھی بڑھ کر تھیں۔ جیسے قوم نوح، عاد اور ثمود وغیرہ، ان لوگوں نے بھی اپنے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور ان کے درپے آزار ہوگئے تھے جس کے نتیجہ میں ان پر عذاب آیا جس نے انہیں تباہ کر کے رکھ دیا تھا اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ ہم پر بھی کہیں ایسا ہی عذاب نازل نہ ہو جائے۔

یوم نداء میں کفار مشرکین کو عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا

تنادی کا جس کے معنی ہیں باہم ایک دوسرے کو نداء اور آواز دینے کے۔ قیامت کے روز کو یوم التناد اس لئے کہا گیا کہ اس روز بیشمار ندائیں اور آوازیں ہوں گی۔ جن کا کچھ ذکر خلاصہ تفسیر میں آچکا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ کا ایک منادی نداء دے گا کہ اللہ کے مخالف لوگ کھڑے ہو جائیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو تقدیر کا انکار کرتے تھے۔ اور پھر اصحاب جنت دوزخ والوں کو اور دوزخ والے اصحاب جنت کو اور اصحاب اعراف دونوں کو نداء دے کر اپنی اپنی باتیں کریں گے۔ اور اس وقت ہر خوش نصیب اور بدنصیب کا نام مع ولدیت لے کر اس کے نتیجہ کا اعلان کیا جائے گا کہ فلاں ابن فلاں سعید و کامیاب ہوگیا اس کے بعد شقاوت کا کوئی احتمال نہیں رہا اور فلاں بن فلاں شقی و بدبخت ہوگیا، اب اس کی نیک بختی کا کوئی احتمال نہیں رہا۔

(رواہ ابن ابی حاتم فی السنۃ مظہری)

مسند بزار و بیہقی میں حضرت انس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سعادت وشقاوت کا اعلان وزن اعمال کے بعد ہوگا۔ اور حضرت ابوحازم اعرج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اے اعرج قیامت کے روز نداء دی جائے گی کہ فلاں قسم کے گناہ کرنے والے کھڑے ہو جاویں تو ان کے ساتھ کھڑا ہوگا کہ پھر ندا دی جائے گی کہ فلاں قسم کے گناہ کرنے والے کھڑے ہوں تو ان کے ساتھ بھی کھڑا ہوگا، پھر ندا دی جاوے گی کہ فلاں قسم کے گناہ کرنے والے کھڑے ہوں تو ان کے ساتھ بھی کھڑا ہوگا۔ اور میں سمجھتا ہوں ہر گناہ کے اعلان کے وقت تجھے ان کے ساتھ کھڑا ہونا پڑے گا (کیونکہ تم نے ہر قسم کے گناہ جمع کر رکھے ہیں)۔ (اخرجہ ابونعیم، مظہری، سورہ مومن، لاہور)

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝
جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے اور تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دے
تو اس کے لئے کوئی ہادی و رہنما نہیں ہوتا۔

مقام حساب سے بھاگنے والوں کا اللہ کے عذاب نہ بچ سکنے کا بیان

"يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ" عَنْ مَوْقِف الْحِسَاب إلَى النَّار "مَا لَكُمْ مِنَ اللّٰه" أَيْ مِنْ عَذَابه "مِنْ عَاصِم" مَانِع،

جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے اور یعنی حساب کی جگہ سے جہنم کی طرف بھاگو گے تمہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا اور جسے اللہ گمراہ ٹھہرا دے تو اس کے لئے کوئی ہادی و رہنما نہیں ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ سے نقل کی ہے جس میں قیامت کے روز صور کے تین نفخوں کا ذکر ہے۔ پہلا نفخہ فزع دوسرا نفخہ صعق تیسرا نفخہ نشر، نفخہ فترع سے ساری مخلوق میں گھبراہٹ اور اضطراب پیدا ہوگا۔ یہی نفخہ اور طویل ہو کر نفخہ صعق بن جائے گا، جس سے سب بے ہوش ہو جائیں گے پھر مر جائیں گے۔ عام طور پر ان دونوں نفخوں کے مجموعہ کو نفخہ اولیٰ کہا گیا ہے جس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ ایک ہی نفخہ کے وقت دو کیفیتیں ہوں گی۔ پہلی فزع دوسری صعق۔ اس حدیث میں بھی نفخہ فزع کے وقت لوگوں کے ادھر ادھر بھاگنے کا ذکر کر کے یہ فرمایا ہے وھو الذی یقول اللہ یوم التناد ۔ جس سے معلوم ہوا کہ آیت میں یوم التناد سے مراد پہلے نفخہ کے وقت لوگوں کا مضطربانہ ادھر ادھر دوڑنا ہے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ مؤمن، بیروت)

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ
قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۝
اور بیشک تمہارے پاس اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) واضح نشانیوں کے ساتھ آ چکے اور تم ہمیشہ ان کے بارے میں شک
میں رہے جو وہ تمہارے پاس لائے تھے، یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم کہنے لگے کہ اب اللہ ان کے بعد ہرگز کسی
رسول کو نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ اس شخص کو گمراہ ٹھہرا دیتا ہے جو حد سے گزرنے والا شک کرنے والا ہو۔

حضرت یوسف و موسیٰ علیہما السلام کے معجزات کی تکذیب کرنے والوں کا بیان

"وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُف مِنْ قَبْل" أَيْ قَبْل مُوسَى وَهُوَ يُوسُف بْن يَعْقُوب فِي قَوْل عَمَّرَ إلَى زَمَن مُوسَى أَوْ يُوسُف بْن إبْرَاهِيم بْن يُوسُف بْن يَعْقُوب فِي قَوْل "بِالْبَيِّنَاتِ" بِالْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَات "فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ حَتَّى إذَا هَلَكَ قُلْتُمْ" مِنْ غَيْر بُرْهَان "لَنْ يَبْعَث اللَّه مِنْ بَعْده رَسُولًا" أَيْ فَلَنْ تَزَالُوا كَافِرِينَ بِيُوسُف وَغَيْره "كَذَلِكَ" أَيْ مِثْل إضْلَالكُمْ "يُضِلّ اللَّه مَنْ هُوَ مُسْرِف" مُشْرِك "مُرْتَاب" شَاكّ فِيمَا شَهِدَتْ بِهِ الْبَيِّنَات،

اور بیشک تمہارے پاس اس سے پہلے یوسف علیہ السلام واضح نشانیوں کے ساتھ آ چکے یعنی موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اور وہ حضرت یوسف بن یعقوب علیہما السلام تھے۔ ایک قول کے مطابق ان طویل عمر دی گئی حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی یا وہ یوسف

بن ابراہیم بن یوسف بن یعقوب تھے۔اور تم ہمیشہ ان نشانیوں یعنی ظاہری معجزات کے بارے میں شک میں پڑے رہے جو وہ تمہارے پاس لائے تھے، یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم بغیر کسی دلیل کے کہنے لگے کہ اب اللہ ان کے بعد ہرگز کسی رسول کو نہیں بھیجے گا۔یعنی تم حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح دیگر انبیائے کرام کا بھی انکار کیا۔اسی طرح یعنی تمہاری گمراہی کی طرح اللہ اس شخص کو گمراہ ٹھہرا دیتا ہے جو مشرک حد سے گزرنے والا شک کرنے والا ہو۔یعنی جو معجزات کے ظاہر ہو جانے کے باوجود شک کرنے والا ہو۔

یعنی اہل مصر! حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل تمہارے اس علاقہ میں جس میں تم آباد ہو، حضرت یوسف علیہ السلام بھی دلائل و براہین کے ساتھ آئے تھے۔جس میں تمہارے آباؤ اجداد کو ایمان کی دعوت دی گئی تھی یعنی جآءکم سے مراد جآء الی آبائکم ہے یعنی تمہارے آباؤ اجداد کے پاس آئے۔

یہ بے دلیل بات تم نے یعنی تمہارے پہلوں نے خود گڑھی تا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد آنے والے انبیاء کی تکذیب کرو اور انہیں جھٹلاؤ تو تم کفر پر قائم رہے، حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت میں شک کرتے رہے اور بعد والوں کی نبوت کے انکار کے لئے تم نے یہ منصوبہ بنالیا کہ اب اللہ تعالیٰ کوئی رسول ہی نہ بھیجے گا۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ مؤمن، لاہور)

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ
وَ عِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝
جو لوگ اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو، اللہ کے نزدیک اور ایمان والوں کے
نزدیک سخت بیزاری ہے، اسی طرح اللہ ہر ایک مغرور، سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

اللہ کی آیات میں جھگڑنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دینے کا بیان

"الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِي آيَاتِ اللّٰهِ" مُعْجِزَاتِه مُبْتَدَأ "بِغَيْرِ سُلْطَان" بُرْهَان "أَتَاهُمْ كَبُرَ" جِدَالُهُمْ خَبَر الْمُبْتَدَأ "مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا كَذٰلِكَ" مِثْل إِضْلَالهمْ "يَطْبَع" يَخْتِم "اللّٰه" بِالضَّلَالِ "عَلٰى كُلّ قَلْب مُتَكَبِّر جَبَّار" بِتَنْوِينِ قَلْب وَدُونه وَمَتَى تَكَبَّرَ الْقَلْب تَكَبَّرَ صَاحِبه وَبِالْعَكْسِ وَكُلّ عَلَى الْقِرَاءَتَيْنِ لِعُمُومِ الضَّلَال جَمِيع الْقَلْب لَا لِعُمُومِ الْقَلْب،

جو لوگ اللہ کی آیتوں یعنی اس کے معجزات میں جھگڑا کرتے ہیں۔بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو، یہاں الذین مبتداء ہے اور کبر جدالہم یہ اس کی خبر ہے۔یہ جھگڑا کرنا اللہ کے نزدیک اور ایمان والوں کے نزدیک سخت بیزاری کی بات ہے، اسی طرح اللہ ہر ایک مغرور اور سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔یہاں پر لفظ قلب یہ تنوین اور بغیر تنوین کے بھی آیا ہے۔اور جب دل تکبر کرتا ہے تو دل والا بھی تکبر کرتا ہے۔اور اسی طرح اس کے برعکس بھی ہے۔اور دونوں قراءتوں کے مطابق کل بھی اسی آیا ہے کہ جو

سارے دل کی گمراہی کو بیان کررہا ہے۔ ایسا نہیں ہے قلب کے عموم کیلئے آیا ہے۔ (قلب کا عموم اور قلب کا احاطہ کرلینا دونوں کا مفہوم مختلف ہے)

احوال قلب کا بیان

جس طرح فرعون وہامان کے قلوب نے موسیٰ علیہ السلام اور مومن آل فرعون کی نصیحتوں سے کوئی اثر نہیں لیا اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر کردیتے ہیں ہر ایسے شخص کے قلب پر جو متکبر اور جبار ہو (متکبر، تکبر کرنیوالا اور جبار کے معنی ظالم قاتل) جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس میں نور ایمان داخل نہیں ہوتا اور اس کو اچھے برے کی تمیز نہیں رہتی۔ ایک قرات میں متکبر اور جبار کو قلب کی صفت قرار دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تمام اخلاق واعمال کا منبع اور سرچشمہ قلب ہی ہے، ہر اچھا برا عمل قلب ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے حدیث میں فرمایا ہے کہ انسان کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا (یعنی دل) ایسا ہے جس کے درست ہونے سے سارا بدن درست ہوجاتا ہے اور اس کے خراب ہونے سے سارا بدن خراب ہوجاتا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ مؤمن، بیروت)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝
اور فرعون نے کہا: اے ہامان! تو میرے لئے ایک اونچا محل بنادے تا کہ میں راستوں پر جا پہنچوں۔

فرعون کا ہامان کو محل بنانے کا حکم دینے کا بیان

"وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا" بِنَاء عَالِيًا،

اور فرعون نے کہا: اے ہامان! تو میرے لئے ایک اونچا محل بنادے تا کہ میں اس پر چڑھ کر راستوں پر جا پہنچوں۔

فرعون کی سرکشی اور تکبر کا بیان

فرعون کی سرکشی اور تکبر بیان ہورہا ہے کہ اس نے اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ میرے لئے ایک بلند وبالا محل تعمیر کرا۔ اینٹوں اور چونے کی پختہ اور بہت اونچی عمارت بنا۔ جیسے اور جگہ ہے کہ اس نے کہا اے ہامان اینٹیں پکا کر میرے لئے ایک اونچی عمارت بنا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قبر کو پختہ بنانا اور اسے چونے گچ کرنا سلف صالحین مکروہ جانتے تھے۔ (ابن ابی حاتم)

فرعون کہتا ہے کہ یہ محل میں اس لئے بنوا رہا ہوں کہ آسمان کے دروازوں اور آسمان کے راستوں تک میں پہنچ جاؤں اور موسیٰ کے اللہ کو دیکھ لوں گو میں جانتا ہوں کہ موسیٰ ہے جھوٹا۔ وہ جو کہہ رہا ہے کہ اللہ نے اسے بھیجا ہے یہ بالکل غلط ہے، دراصل فرعون کا یہ ایک مکر تھا اور وہ اپنی رعیت پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ دیکھو میں ایسا کام کرتا ہوں جس سے موسیٰ کا جھوٹ بالکل کھل جائے اور میری طرح تمہیں بھی یقین آجائے کہ موسیٰ غلط گو مفتری اور کذاب ہے۔ فرعون راہ اللہ سے روک دیا گیا۔ اسی کی ہر تدبیر الٹی ہی رہی اور جو کام وہ کرتا ہے وہ اس کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے اور وہ خسارے میں بڑھتا ہی جارہا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، سورہ مؤمن، بیروت)

اَسۡبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوۡسٰى وَاِنِّىۡ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ
عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيۡلِ ؕ وَمَا كَيۡدُ فِرۡعَوۡنَ اِلَّا فِىۡ تَبَابٍ ۠
آسمانوں کے راستوں پر، پس موسیٰ کے معبود کی طرف جھانکوں اور بے شک میں اسے یقیناً جھوٹا گمان کرتا ہوں۔اور اس طرح
فرعون کے لیے اس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا اور وہ سیدھی راہ سے روک دیا گیا اور فرعون کی تدبیر تباہی ہی میں تھی۔

فرعون کیلئے اس کے اعمال کو سجا دیئے جانے کا بیان

"أَسْبَاب السَّمَاوَات" طُرُقهَا الْمُوَصِّلَة إلَيْهَا "فَأَطَّلِع" بِالرَّفْعِ عَطْفًا عَلَى أَبْلُغ وَبِالنَّصْبِ جَوَابًا لِابْنِ "إلَى إلَه مُوسَى وَإِنِّي لَأَظُنّهُ" أَيْ مُوسَى "كَاذِبًا" فِي أَنَّ لَهُ إلَهًا غَيْرِي قَالَ فِرْعَوْن ذَلِكَ تَمْوِيهًا "وَكَذَلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْن سُوء عَمَله وَصُدَّ عَنِ السَّبِيل" طَرِيق الْهُدَى بِفَتْحِ الصَّاد وَضَمّهَا "وَمَا كَيْد فِرْعَوْن إلَّا فِي تَبَاب" خَسَار،

آسمانوں کے راستوں پر، جو اس کی جانب پہنچنے والے ہیں، پس موسیٰ کے معبود کی طرف جھانکوں، یہاں پر لفظ اطلع مرفوع آیا جب اس کا عطف ابلغ پر ہو اور منصوب ہے جب یہ ابن امر کا جواب ہو۔اور بے شک میں اسے یعنی موسیٰ علیہ السلام کی بات کو یقیناً جھوٹا گمان کرتا ہوں۔کہ میرے سوا اس کا کوئی اور معبود ہے۔اور اس طرح فرعون کے لیے اس کا برا عمل خوشنما بنا دیا گیا یعنی فرعون کیلئے اس کا برا عمل سجا دیا گیا۔اور وہ سیدھی راہ سے روک دیا گیا یہاں پر لفظ صد یہ صاد کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔اور فرعون کی تدبیر تباہی ہی میں تھی۔یعنی اس میں نقصان ہوا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فاطلع۔مضارع واحد متکلم اطلاع افتعال مصدر، میں جھانکوں۔میں مطلع ہوں۔میں اطلاع پاسکوں۔میں معلوم کر سکوں۔مضارع منصوب بوجہ جواب امر ہے۔اگر رفع کے ساتھ ہو تو ابلغ کا معطوف ہوگا۔

لاظنہ لام تاکید کا ہے اظن مضارع کا صیغہ واحد متکلم ظن باب نصر سے مصدر جس کے معنی اس اعتقاد راجح کے ہیں جس میں اس کے خلاف ظہور پذیر ہونے کا بھی احتمال ہو یہ کبھی شک اور کبھی یقین کے معنی بھی دیتا ہے۔ہ ضمیر مفعول واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے جو حضرت موسیٰ کے لئے آیا ہے۔میں تو اس (حضرت موسیٰ) کو جھوٹا ہی سمجھتا ہو مجھے تو یقین ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔

کذلک۔اسی طرح (یعنی جس طرح رب السموت کو دیکھنے کے لئے اونچی عمارت کی تعمیر کو فرون کی نظر میں زینت آگین بنا دیا گیا اسی طرح اس کی ہر بدکاری اس کے خیال میں زینت آفریں بنا دی گئی۔سوء عملہ۔اس کے کام کی برائی۔

صد۔ماضی مجہول واحد مذکر غائب صد (باب نصر) مصدر جس کے معنی رک جانے یا روک دینے کے ہیں۔پہلے اعتبار سے یہ لازم ہے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے متعدی۔السبیل۔بمعنی سیدھا راستہ۔راہ راست۔کید۔تدبیر۔چال۔داو۔(ہر دو بمعنی ہوم)

محمود حالت کے لئے استعمال ہوتا ہے)۔تباب۔ٹوٹے میں رہنا۔کھپاوا۔مسلسل خسارہ میں رہنا۔ٹوٹنا۔تب۔یتب (باب ضرب) کا مصدر ہے۔اور جگہ قرآن مجید میں ہے تبت یدا ابی لھب وتب،ابولہب کے ساتھ ٹوٹیں۔یعنی وہ ہمیشہ خسارہ میں رہے۔

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ۝ یٰقَوْمِ اِنَّمَا
هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ ؗ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ۝
اور اس شخص نے کہا جو ایمان لایا تھا،اے میری قوم!میرے پیچھے چلو،میں تمھیں بھلائی کا راستہ بتاؤں گا۔اے میری قوم!
یہ دنیا کی زندگی بس فائدہ اٹھانے کے سوا کچھ نہیں اور بیشک آخرت ہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

دنیاوی فوائد کے فنا ہو جانے کا بیان

"وَقَالَ الَّذِی آمَنَ یَا قَوْمِ اتَّبِعُونِ" بِإِثْبَاتِ الْیَاء وَحَذْفهَا "أَهْدِكُمْ سَبِیل الرَّشَاد" تَقَدَّمَ "یَا قَوْمِ إِنَّمَا هَذِهِ الْحَیَاة الدُّنْیَا مَتَاع" تَمَتُّع یَزُول،

اور اس شخص نے کہا جو ایمان لایا تھا،اے میری قوم!میرے پیچھے چلو،یہاں پر لفظ اتبعون یہ یاء کے حذف اور اس کے اثبات کے ساتھ بھی آیا ہے۔میں تمھیں بھلائی کا راستہ بتاؤں گا۔جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔اے میری قوم!یہ دنیا کی زندگی بس چند روزہ فائدہ اٹھانے کے سوا کچھ نہیں اس کے بعد ختم ہو جائے گی۔اور بیشک آخرت ہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

قوم فرعون کے مرد مومن کی تیسری بار نصیحت کا بیان

فرعون کی قوم کا مومن مرد جس کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اپنی قوم کے سرکشوں خود پسندوں اور متکبروں کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم میری مانو میری راہ چلو میں تمہیں راہ راست پر ڈال دوں گا۔یہ اپنے اس قول میں فرعون کی طرح کاذب نہ تھا۔یہ تو اپنی قوم کو دعوکا دے رہا تھا اور یہ ان کی حقیقی خیر خواہی کر رہا تھا،پھر انہیں دنیا سے بے رغبت کرنے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے کیلئے کہتا ہے کہ دنیا ایک ڈھل جانے والا سایہ اور فنا ہو جانے والا فائدہ ہے۔لازوال اور قرار و ہمیشگی والی جگہ تو اس کے بعد آنے والی آخرت ہے۔جہاں کی رحمت و زحمت ابدی اور غیر فانی ہے،جہاں برائی کا بدلہ تو اس کے برابر ہی دیا جاتا ہے ہاں نیکی کا بدلہ بیحساب دیا جاتا ہے۔نیکی کرنے والا چاہے مرد ہو۔چاہے عورت ہو۔ہاں یہ شرط ہے کہ ہو باایمان۔اسے اس نیکی کا ثواب اس قدر دیا جائے گا جو بیحد و بے حساب ہوگا۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ مومن،بیروت)

مَنْ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ۝
جس نے کوئی برائی کی تو اسے ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا اور جس نے کوئی نیک عمل کیا،مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہوا تو

یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اس میں بے حساب رزق دیے جائیں گے۔

اہل جنت کیلئے بے حساب رزق ہونے کا بیان

"مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ" بِضَمِّ الْيَاء وَفَتْح الْخَاء وَبِالْعَكْسِ "يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَاب" رِزْقًا وَاسِعًا بِلَا تَبِعَة.

جس نے کوئی برائی کی تو اسے ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا اور جس نے کوئی نیک عمل کیا، مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہوا تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے، یہاں پر لفظ یدخلون یہ یاء کے ضمہ اور خاء کے فتحہ کے ساتھ اور اسی کے برعکس بھی آیا ہے۔ اس میں بے حساب رزق دیے جائیں گے۔ یعنی ایسا وسیع رزق جو بلا معاوضہ ہو گا۔

قیامت کے دن مؤمن و کافر کے حساب کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ مؤمن کو اپنے (فضل و کرم اور اپنی رحمت کے) قریب کرے گا اور (پھر) اس کو اپنی حفاظت اور اپنی عنایت کے سائے میں چھپائے گا تا کہ وہ اہل محشر پر اپنے گناہوں اور اپنی بداعمالیوں کے کھل جانے کی وجہ سے شرمندہ اور رسوا نہ ہو) پھر اللہ تعالیٰ اس (مؤمن) سے پوچھے گا کہ کیا تو اس گناہ کو جانتا ہے، کیا تو اس گناہ کو جانتا ہے، یعنی کیا تجھے یاد اور اعتراف ہے کہ تو نے دنیا میں فلاں فلاں گناہ کئے تھے؟ وہ (مؤمن) عرض کرے گا کہ ہاں اے پروردگار (مجھے اپنا وہ گناہ یاد ہے اور اپنی بدعملی کا اعتراف کرتا ہوں غرضیکہ اللہ تعالیٰ اس (مؤمن) سے اس کے تمام گناہوں کا اعتراف واقرار کرائے گا اور وہ (مؤمن) اپنے دل میں کہتا ہو گا کہ (ان گناہوں کی پاداش) میں اب ہلاک ہوا، اب تباہ ہوا! لیکن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں اور ان عیوب کی پردہ پوشی کی اور آج بھی میں تیرے ان گناہوں کو بخش دوں گا" پس اس (مؤمن) کو اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دے دیا جائے گا (اور برائیوں کا اعمالنامہ کالعدم کر دیا جائے گا) اور جہاں تک کافروں اور منافق لوگوں کا تعلق ہے تو ان کو تمام مخلوق کے سامنے طلب کیا جائے گا اور پکار کر کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے (کفر و شرک کے ذریعہ) اپنے رب پر بہتان باندھا تھا، جان لو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 125)

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ۝ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ
وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۡ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝
اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو۔
تم مجھے بلاتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤں جس کا مجھے کچھ علم نہیں
اور میں تمہیں سب پر غالب، بے حد بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کیلئے بلانے کا بیان

"تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ" الْغَالِب عَلَى أَمْره "الْغَفَّار" لِمَنْ تَابَ

اور اے میری قوم! مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف بلاتے ہو۔ تم مجھے بلاتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ اسے شریک ٹھہراؤں جس کا مجھے کچھ علم نہیں اور میں تمہیں سب پر غالب، یعنی جو اپنے حکم پر غالب، بے حد بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔ جس نے توبہ کی ہو۔

قوم فرعون کا مومن مرد اپنا وعظ جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں توحید کی طرف یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی طرف بلا رہا ہوں۔ میں تمہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے کی دعوت دے رہا ہوں۔ اور تم مجھے کفر وشرک کی طرف بلا رہے ہو؟ تم چاہتے ہو کہ میں جاہل بن جاؤں اور بیدلیل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کروں؟ غور کرو کہ تمہاری اور میری دعوت میں کس قدر فرق ہے؟ میں تمہیں اس اللہ کی طرف لے جانا چاہتا ہوں جو بڑی عزت اور کبریائی والا ہے۔ باوجود اس کے وہ ہر اس شخص کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف جھکے اور استغفار کرے۔

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ
مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝
حق تو یہ ہے کہ تم مجھے جس چیز کی طرف بلا رہے ہو وہ نہ تو دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہے اور نہ آخرت میں
اور بیشک ہمارا واپس لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے اور یقیناً حد سے گزرنے والے ہی دوزخی ہیں۔

کفار کیلئے یقیناً دوزخ ہونے کا بیان

"لَا جَرَم" حَقًّا "أَنَّمَا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ" لِأَعْبُدهُ "لَيْسَ لَهُ دَعْوَة" أَيْ اسْتِجَابَة دَعْوَة "فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَة وَأَنَّ مَرَدّنَا" مَرْجِعنَا "إِلَى اللَّه وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ" الْكَافِرِينَ،

حق تو یہ ہے کہ تم مجھے جس چیز کی طرف بلا رہے ہو، تاکہ میں اس کی عبادت کروں، وہ نہ تو دنیا میں پکارے جانے کے قابل ہے اور نہ ہی آخرت میں اور بیشک ہمارا واپس لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے اور یقیناً حد سے گزرنے والے کفار ہی دوزخی ہیں۔

اس جملہ کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں۔ پہلا تو وہی مطلب ہے جو ترجمہ سے واضح ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کو نہ دنیا میں یہ حق پہنچتا ہے نہ آخرت میں کہ ان کی خدائی تسلیم کرنے کے لئے لوگوں کو دعوت دی جائے۔ تیسرا یہ کہ انہیں تو لوگوں نے زبردستی خدا بنا رکھا ہے ورنہ وہ خود نہ اس دنیا میں خدائی کے مدعی ہیں، نہ آخرت میں یہ دعویٰ لے کر اٹھیں گے کہ ہم بھی تو خدا تھے ہمیں کیوں نہ مانا گیا۔ اگرچہ ہر کام میں حد اعتدال سے آگے نکل جانے کو اسراف کہہ سکتے ہیں مگر یہاں مُسْرِفِيْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو

عاجز مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے اختیارات و تصرفات میں شریک بنا لیتے ہیں۔ ایسے مسرفین ہی وہ دوزخی ہیں جنہیں کبھی معاف نہیں کیا جائے گا۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ۝

پس عنقریب تم یاد کرو گے جو میں تم سے کہہ رہا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

اپنے معاملات کو اللہ کے سپرد کرنے کا بیان

"فَسَتَذْكُرُونَ" إذَا عَايَنْتُمُ الْعَذَاب "مَا أَقُول لَكُمْ وَأُفَوِّض أَمْرِي إلَى اللّه إنَّ اللّه بَصِير بِالْعِبَادِ" قَالَ ذَلِكَ لَمَّا تَوَعَّدُوهُ بِمُخَالَفَةِ دِينهمْ،

پس عنقریب تم یاد کرو گے جو میں تم سے عذاب کے بارے میں کہہ رہا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ یہ بات ان سے اس لئے کہی جب انہوں نے اپنے دین کی مخالفت کی وجہ سزا دینے کا کہا۔

آل فرعون کے مؤمن کیلئے درندوں کے ذریعے حفاظت کا بیان

یہ مومن آل فرعون کا آخری کلام ہے جو اپنی قوم کو حق کی طرف بلانے کے سلسلے میں کیا گیا جس میں اظہار ہے کہ آج تو تم میری بات نہیں مانتے مگر جب عذاب تمہیں آ پکڑے گا تو اس وقت تم کو میری بات یاد آئے گی۔ مگر اس وقت کا یاد آنا بیکار رہوگا۔ اور اب جبکہ اس طویل مکالمہ اور نصیحت ودعوت کے ذریعہ اس مومن آل فرعون کا ایمان ان لوگوں پر ظاہر ہوگیا تو فکر ہوئی کہ اب یہ لوگ ان کے درپے ہوں گے، اس لئے فرمایا کہ میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ وہ اپنے بندوں کا نگران و محافظ ہے۔

امام تفسیر مقاتل نے فرمایا کہ ان کے گمان کے مطابق قوم فرعون ان کے درپے ہوئی تو یہ پہاڑ کی طرف بھاگ نکلے۔ اور ان کی گرفت میں نہ آ سکے جس کا ذکر اگلی آیت میں اس طرح آیا ہے۔ اور ان کے اعمال و احوال کو جانتا ہے پھر وہ مومن ان میں سے نکل کر پہاڑ کی طرف چلا گیا اور وہاں نماز میں مشغول ہوگیا، فرعون نے ہزار آدمی اس کی جستجو میں بھیجے، اللہ تعالیٰ نے درندے اس کی حفاظت پر مامور کردیئے جو فرعونی اس کیطرف آیا درندوں نے اسے ہلاک کیا اور جو واپس گیا اور اس نے فرعون سے حال بیان کیا فرعون نے اس کو سولی دے دی تاکہ یہ حال مشہور نہ ہو۔ (تفسیر خازن، سورہ مؤمن، بیروت)

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ۝ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۝

تو اللہ نے اسے ان کے برے نتائج سے بچا لیا جو انھوں نے تدبیریں کیں اور آل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا۔ جو آگ ہے، وہ اس پر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی، آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔

فرعون اور اس کی قوم کیلئے برزخ اور آخرت میں آگ کا عذاب ہونے کا بیان

"فَوَقَاهُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا" بِهِ مِنَ الْقَتْلِ "وَحَاقَ" نَزَلَ "بِآلِ فِرْعَوْنَ" قَوْمِهِ مَعَهُ "سُوءُ الْعَذَابِ" الْغَرَقُ،

ثُمَّ "النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا" يُحْرَقُونَ بِهَا "غُدُوًّا وَعَشِيًّا" صَبَاحًا وَمَسَاءً "وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ" يُقَالُ "أَدْخِلُوا" أَمْرٌ لِلْمَلَائِكَةِ . وَفِي قِرَاءَةٍ : بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ وَكَسْرِ الْخَاءِ "آلَ فِرْعَوْنَ" يَا "أَشَدَّ الْعَذَابِ" عَذَابَ جَهَنَّمَ،

تو اللہ نے اسے ان کے برے نتائج یعنی قتل سے بچالیا جو انھوں نے تدبیریں کیں اور آل فرعون کو برے عذاب یعنی غرق ہونے نے گھیر لیا۔ پھر جو آگ ہے، وہ اس پر صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں جو انہیں جلاتی ہے۔ اور یہ صبح و شام والی سزا قیامت کے دن تک اسی طرح جاری رہے گی۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی، تو فرشتوں سے کہا جائے گا ایک قرأت میں اُدخلوا یہ ہمزہ کے فتحہ اور خاء کی کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔ یعنی جو سخت عذاب جو جہنم کا عذاب ہے۔

یعنی اس کو اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی بری تدبیروں کے شر سے بچالیا مگر خود قوم فرعون سخت عذاب میں پکڑی گئی۔ مولائے کریم نے مومن آل فرعون کو دنیا میں اول تو آل فرعون کو ان کے خلاف تدبیروں سے بچایا جس کی تفصیل قرآن میں مذکور نہیں۔ مگر الفاظ قرآن سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو قتل کرنے اور تکلیف پہنچانے کے لئے قوم فرعون نے بہت سی تدبیریں کی تھیں اور جب پھر قوم فرعون غرق ہوئی تو اس بندہ مومن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات دی گئی اور آخرت کی نجات تو ظاہر ہی ہے۔

کفار کی ارواح کو عذاب دیکھایا جانے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں ہر روز صبح اور شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم کو دکھلا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا ٹھکانہ یہ ہے۔ اور صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مرجاتا ہے تو عالم برزخ میں صبح و شام اس کو وہ مقام دکھلایا جاتا ہے جہاں قیامت کے حساب کے بعد اس کو پہنچنا ہے اور یہ مقام دکھلا کر روزانہ اس سے کہا جاتا ہے کہ تجھے آخر کار یہاں پہنچنا ہے۔ اگر یہ شخص اہل جنت میں سے ہے تو اس کا مقام جنت اس کو دکھلایا جائے گا اور اہل جہنم میں سے ہے تو اس کا مقام جہنم اس کو دکھلایا جائے گا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ مؤمن، بیروت)

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا
كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ۝
اور جب وہ آگ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ ان سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ

بے شک ہم تمھارے ہی پیچھے چلنے والے تھے،تو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ ہٹانے والے ہو؟

اہل دوزخ کے تابع ومتبوعین کے باہمی جھگڑے کا بیان

"وَ" "اِذْ يَتَحَاجُّونَ" يَتَخَاصَم الْكُفَّار "فِي النَّار فَيَقُول الضُّعَفَاء لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا" جَمْع تَابِع "فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ" دَافِعُونَ "عَنَّا نَصِيبًا" جَزَاء

اور جب وہ یعنی کفار آگ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ ان سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ بے شک ہم تمھارے ہی پیچھے چلنے والے تھے، یہاں پر لفظ تبعا یہ تابع کی جمع ہے۔تو کیا تم ہم سے آگ کا کوئی حصہ ہٹانے والے ہو؟ یعنی آگ کا کوئی حصہ ہم سے اس بدلے کے طور پر دور کرنے والے ہو؟

دوزخیوں کیلئے باہمی عداوت اختیار کرنے کا بیان

جہنمی لوگ جہنم کے اور عذابوں کو برداشت کرتے ہوئے ایک اور عذاب کے بھی شکار ہوں گے جس کا بیان یہاں ہو رہا ہے۔ یہ عذاب فرعون کو بھی ہوگا اور دوسرے دوزخیوں کو بھی یعنی آپس میں تھوکنا تذلیل اور لڑائی جھگڑے۔ چھوٹے بڑوں سے یعنی تابعداری کرنے اور حکم احکام کے ماننے والے جن کی بڑائی اور بزرگی کے قائل تھے اور جن کی باتیں تسلیم کیا کرتے تھے اور جن کے کہے ہوئے پر عامل تھے ان سے کہیں گے۔ کہ دنیا میں ہم تو آپ کے تابع فرمان رہے۔ جو آپ نے کہا ہم بجالاتے۔ کفر اور گمراہی کے احکام بھی جو آپ کی بارگاہ سے صادر ہوئے آپ کے تقدس اور علم وفضل سرداری اور حکومت کی بنا پر ہم سب کو مانتے رہے، اب یہاں آپ ہمیں کچھ تو کام آئے۔ ہمارے عذابوں کا ہی کوئی حصہ اپنے اوپر اٹھا لیجئے، یہ رؤسا اور امرا سادات اور بزرگ جواب دیں گے کہ ہم بھی تو تمہارے ساتھ جل بھن رہے ہیں۔

ہمیں جو عذاب ہو رہے ہیں وہ کیا کم ہیں جو ہم تمہارے عذاب اٹھائیں؟ اللہ کا حکم جاری ہو چکا ہے۔ رب فیصلے صادر فرما چکا ہے۔ ہر ایک کو اس کے بداعمال کے مطابق سزا دے چکا ہے۔ اب اس میں کمی ناممکن ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے ہر ایک کیلئے بڑھا چڑھا عذاب گو تم نہ سمجھو۔ جب اہل دوزخ سمجھ لیں گے کہ اللہ ان کی دعا قبول نہیں فرما رہا بلکہ کان بھی نہیں لگاتا۔ بلکہ انہیں ڈانٹ دیا ہے اور فرما چکا ہے کہ یہیں پڑے رہو اور مجھ سے کلام بھی نہ کرو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مؤمن، بیروت)

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ○
وَقَالَ الَّذِيْنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ○
وہ لوگ کہیں گے جو بڑے بنے تھے بے شک ہم سب اس میں ہیں، بے شک اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے اور وہ لوگ
جو آگ میں ہوں گے جہنم کے نگرانوں سے کہیں گے اپنے رب سے دعا کرو، وہ ہم سے ایک دن کچھ عذاب ہلکا کر دے۔

جہنمیوں کا دوزخ کے نگرانوں سے عذاب میں کمی کی استدعا کرنے کا بیان

"قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا إِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ " فَأَدْخَلَ الْمُؤْمِنِينَ الْجَنَّةَ وَالْكَافِرِينَ النَّار "وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا" أَيْ قَدْرَ يَوْم،

وہ لوگ کہیں گے جو بڑے بنے تھے بے شک ہم سب اس میں ہیں، بے شک اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے یعنی اس نے اہل ایمان کو جنت اور اہل جہنم کو دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا ہے۔ اور وہ لوگ جو آگ میں ہوں گے جہنم کے نگرانوں سے کہیں گے اپنے رب سے دعا کرو، وہ ہم سے ایک دن کچھ عذاب ہلکا کر دے۔ یعنی ایک دن عذاب سے چھٹی مل جائے۔

تو وہ جہنم کے داروغوں سے کہیں گے۔ جو وہاں کے ایسے ہی پاسبان ہیں جیسے دنیا کے جیل خانوں کے نگہبان داروغے اور محافظ سپاہ ہوتے ہیں۔ ان سے کہیں گے کہ تم ہی ذرا اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ کسی ایک دن ہی وہ ہمارے عذاب ہلکے کر دے، وہ انہیں جواب دیں گے کہ کیا رسولوں کی زبانی احکام ربانی دنیا میں تمہیں پہنچے نہ تھے؟ یہ کہیں گے ہاں پہنچے تھے۔ تو فرشتے کہیں گے پھر اب تم آپ ہی اللہ سے کہہ سن لو۔ ہم تو تمہاری طرف سے کوئی عرض اس کی جناب میں کر نہیں سکتے۔ بلکہ ہم خود تم سے بیزار اور تمہارے دشمن ہیں سنو ہم تمہیں کہہ دیتے ہیں کہ خواہ تم دعا کرو خواہ تمہارے لئے اور کوئی دعا کرے ناممکن ہے کہ تمہارے عذابوں میں کمی ہو۔ کافروں کی دعا نامقبول اور مردود ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ مؤمن، بیروت)

قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ
وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝
وہ کہیں گے اور کیا تمہارے پاس تمہارے رسول واضح دلیلیں لے کر نہیں آیا کرتے تھے؟ کہیں گے کیوں نہیں،
وہ کہیں گے پھر دعا کرو اور کافروں کی دعا تو بالکل ہی بیکار ہے۔

جہنم میں کفار کی دعا کے قبول نہ ہونے کا بیان

"قَالُوا" أَيْ الْخَزَنَة تَهَكُّمًا "أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ" بِالْمُعْجِزَاتِ الظَّاهِرَات "قَالُوا بَلَى " أَيْ فَكَفَرُوا بِهِمْ "قَالُوا فَادْعُوا" أَنْتُمْ فَإِنَّا لَا نَشْفَع لِلْكَافِرِينَ "وَمَا دُعَاء الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَال" انْعِدَام،

تو جہنم کے نگران بہ طور استہزاء کہیں گے اور کیا تمہارے پاس تمہارے رسول واضح دلیلیں یعنی ظاہر معجزات لے کر نہیں آیا کرتے تھے؟ کہیں گے کیوں نہیں وہ تو لائے تھے لیکن ان کے ساتھ کفر انہوں نے کفر کیا، وہ کہیں گے پھر تم دعا کرو اور کافروں کی دعا تو بالکل ہی بیکار ہے۔ کیونکہ کفار کی دعا سوائے عبث کیلئے کچھ نہیں ہے۔

وہ کہیں گے کہ سفارش بھی آخر کسی عذر کی بنا پر ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن تم نے معذرت کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تو سفارش میں

ہم کیا کہیں۔یا تو تم یہ کہو کہ ہمارے پاس نہ رسول آئے تھے نہ ہمیں اللہ کا پیغام پہنچا تھا۔اور جب تمہارے پاس اللہ کے رسول واضح دلائل لے کر گئے تھے اور تمہیں ہر طرح کے انجام سے مطلع کر دیا تھا تو پھر سفارش کس بنیاد پر کی جاسکتی ہے؟

یہ فرشتوں کا دوسرا جواب ہے۔کہ ہمارا کام سفارش کرنا نہیں اور جو ہمارا کام ہے وہ ہم کر ہی رہے ہیں سفارش کرنا رسولوں کا کام ہے اوران کی مخالفت کر کے تم نے انہیں پہلے ہی ناراض کر رکھا ہے۔لہٰذا اب خود ہی دعا کر کے دیکھ لو۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُo لا
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِo
بے شک ہم اپنے رسولوں کی اوران لوگوں کی جوایمان لائے ضرور مدد کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں اوراس دن بھی جب گواہ کھڑے
ہوں گے۔جس دن ظالموں کو ان کا عذر کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا اور انھی کے لیے لعنت ہے اور انھی کے لیے بدترین گھر ہے۔

کفار کے خلاف فرشتوں کی گواہی دینے کا بیان۔

"اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْأَشْهَادُ" جَمْعُ شَاهِدٍ وَهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُوْنَ لِلرُّسُلِ بِالْبَلَاغِ وَعَلَى الْكُفَّارِ بِالتَّكْذِيْبِ، "يَوْمَ لَا يَنْفَعُ" بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ "الظَّالِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ" عُذْرُهُمْ لَوِ اعْتَذَرُوْا "وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ" أَيِ الْبُعْدُ مِنَ الرَّحْمَةِ "وَلَهُمْ سُوْءُ الدَّارِ" الْآخِرَةِ أَيْ شِدَّةُ عَذَابِهَا،

بے شک ہم اپنے رسولوں کی اوران لوگوں کی جو ایمان لائے ضرور مدد کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔یہاں پر لفظ اشہاد یہ شاہد کی جمع ہے۔اور وہ فرشتے ہیں جو رسولان کے پیغام پہنچانے کی گواہی دیں گے اور کفار کی تکذیب کرنے کی بھی کفار کے خلاف گواہی دیں گے۔

جس دن ظالموں کو ان کا عذر کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا یہاں پر لفظ ینفع یہ یاء اور تاء کے ساتھ بھی آیا ہے۔اور انھی کے لیے لعنت یعنی رحمت سے دوری ہے اور انھی کے لیے بدترین گھر ہے۔یعنی آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔

رسولوں اور اہل ایمان کو دنیا وآخرت میں مدد کی بشارت کا بیان

آیت میں رسولوں کی مدد کرنے کا اللہ کا وعدہ ہے، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض رسولوں کو ان کی قوموں نے قتل کر دیا، جیسے حضرت یحیٰ، حضرت زکریا، حضرت شعیب صلوات اللہ علیہم وسلامہ، اور بعض انبیاء کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا، جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام۔اور حضرت عیسیٰ کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف ہجرت کرائی۔پھر کیا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ وعدہ پورا کیوں نہیں ہوا؟ اس کے دو جواب ہیں ایک تو یہ کہ یہاں گو عام خبر ہے لیکن مراد بعض سے ہے،اور یہ لغت میں عموماً پایا جاتا ہے کہ مطلق ذکر ہو اور مراد خاص افراد ہوں۔دوسرے یہ کہ مدد کرنے سے مراد بدلہ لینا ہو۔پس کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جسے ایذاء پہنچانے والوں سے قدرت

نے زبردست انتقام نہ لیا ہو۔

چنانچہ حضرت یحیٰ، حضرت زکریا، حضرت شعیب کے قاتلوں پر اللہ نے ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا اور انہوں نے انہیں زیر و زبر کر ڈالا، ان کے خون کی ندیاں بہادیں اور انہیں نہایت ذلت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا۔ نمرود مردود کا مشہور واقعہ دنیا جانتی ہے کہ قدرت نے اسے کیسی پکڑ میں پکڑا؟ حضرت عیسیٰ کو جن یہودیوں نے سولی دینے کی کوشش کی تھی۔ ان پر جناب باری عزیز و حکیم نے رومیوں کو غالب کر دیا۔ اوران کے ہاتھوں ان کی سخت ذلت واہانت ہوئی۔ اور ابھی قیامت کے قریب جب آپ اتریں گے تب دجال کے ساتھ ان یہودیوں کی جو اس کے لشکری ہوں گے قتل کریں گے۔ اور امام عادل اور حاکم باانصاف بن کر تشریف لائیں گے صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ باطل کر دیں گے بجز اسلام کے اور کچھ قبول نہ فرمائیں گے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان مدد اور یہی دستور قدرت ہے جو پہلے سے ہے اور اب تک جاری ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کی دنیوی امداد بھی فرماتا ہے اوران کے دشمنوں سے خود انتقام لے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا ہے جو شخص میرے نبیوں سے دشمنی کرے اس نے مجھے لڑائی کیلئے طلب کیا۔ دوسری حدیث میں ہے میں اپنے دوستوں کی طرف سے بدلہ ضرور لے لیا کرتا ہوں جیسے کہ شیر بدلہ لیتا ہے اسی بناء پر اس مالک الملک نے قوم نوح سے، عاد سے، ثمودیوں سے، اصحاب الرس سے، قوم لوط سے، اہل مدین سے اور ان جیسے ان تمام لوگوں سے جنہوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور حق کا خلاف کیا تھا بدلہ لیا۔ ایک ایک کو چن چن کر تباہ برباد کیا اور جتنے مومن ان میں تھے ان سب کو بچا لیا۔

امام سدی فرماتے ہیں جس قوم میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آئے یا ایمان دار بندے انہیں پیغام الٰہی پہنچانے کیلئے کھڑے ہوئے اور اس قوم نے ان نبیوں کی یا ان مومنوں کی بیحرمتی کی اور انہیں مارا پیٹا قتل کیا ضرور بالضرور اسی زمانے میں عذاب الٰہی ان پر برس پڑے۔ نبیوں کے قتل کے بدلے لینے والے اٹھ کھڑے ہوئے اور پانی کی طرح ان کے خون سے پیاسی زمین کو سیراب کیا۔ پس گو انبیاء اور مومنین یہاں قتل کئے گئے لیکن ان کا خون رنگ لایا اوران کے دشمنوں کا بھس کی طرح بھرکس نکال دیا۔ ناممکن ہے کہ ایسے بندگان خاص کی امداد واعانت نہ ہو اوران کے دشمنوں سے پورا انتقام نہ لیا گیا ہو۔

اشرف الانبیاء حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات زندگی دنیا اور دنیا والوں کے سامنے ہیں کہ اللہ نے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو غلبہ دیا اور دشمنوں کی تمام تر کوششوں کو بے نتیجہ رکھا۔ ان تمام پر آپ کو کھلا غلبہ عطا فرمایا۔ آپ کے کلمے کو بلند و بالا کیا آپ کا دین دنیا کے تمام ادیان پر چھا گیا۔ قوم کی زبردست مخالفتوں کے وقت اپنے نبی کو مدینے پہنچا دیا اور مدینے والوں کو سچا جاں نثار بنا کر پھر مشرکین کا سارا زور بدر کی لڑائی میں ڈھا دیا۔ ان کے کفر کے تمام وزنی ستون اس لڑائی میں اکھیڑ دیئے۔ سرداران مشرک یا تو ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے یا مسلمانوں کے ہاتھوں میں قیدی بن کر نامرادی کے ساتھ گردن جھکائے نظر آنے لگے قید و بند میں جکڑے ہوئے ذلت واہانت کے ساتھ مدینے کی گلیوں میں کسی کے ہاتھوں پر اور کسی کے پاؤں پر دوسرے کی گرفت تھی۔

اللہ کی حکمت نے ان پر پھر احسان کیا اور ایک مرتبہ پھر موقعہ دیا فدیہ لے کر آزاد کر دیئے گئے لیکن پھر بھی جب مخالفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے باز نہ آئے اور اپنے کرتوتوں پر اڑے رہے۔تو وہ وقت بھی آیا کہ جہاں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپ چھپا کر رات کے اندھیرے میں پاپیادہ ہجرت کرنی پڑی تھی وہاں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے اور گردن پر ہاتھ باندھے دشمنان رسول سامنے لائے گئے۔اور بلاد حرم کی عظمت وعزت رسول محترم کی وجہ سے پوری ہوئی۔اور تمام شرک وکفر اور ہر طرح کی بے ادبیوں سے اللہ کا گھر پاک صاف کر دیا گیا۔بالآخر یمن بھی فتح ہوا۔

اور پورا جزیرہ عرب قبضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آ گیا۔اور جوق کے جوق لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔پھر رب العالمین نے اپنے رسول رحمۃ العالمین کو اپنی طرف بلا لیا اور وہاں کی کرامت وعظمت سے اپنی مہمانداری میں رکھ کر نوازا صلی اللہ علیہ وسلم۔پھر آپ کے بعد آپ کے نیک نہاد صحابہ کو آپ کا جانشین بنایا۔

جو محمدی ﷺ جھنڈا لئے کھڑے ہو گئے اور اللہ کی توحید کی طرف اللہ کی مخلوق کو بلانے لگے۔جو روڑا راہ میں آیا اسے الگ کیا۔جو خار چمن میں نظر پڑا اسے کاٹ ڈالا گاؤں گاؤں شہر شہر ملک ملک دعوت اسلام پہنچا دی جو مانع ہوا اسے منع کا مزہ چکھایا اسی ضمن میں مشرق ومغرب میں سلطنت اسلامی پھیل گئی۔زمین پر اور زمین والوں کے جسموں پر ہی صحابہ کرام نے فتح حاصل نہیں کی بلکہ ان کے دلوں پر بھی فتح پالی اسلامی نقوش دلوں میں جما دیئے اور سب کو کلمہ توحید کے نیچے جمع کر دیا۔دین محمدی ﷺ نے زمین کا چپہ چپہ اور کونا کونا اپنے قبضے میں کر لیا۔دعوت محمدیہ ﷺ بہرے کانوں تک بھی پہنچ چکی۔صراط محمدی ﷺ اندھوں نے بھی دیکھ لیا۔اللہ اس پاکباز جماعت کو ان کی اولوالعزمیوں کا بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ مؤمن، بیروت)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ۝ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝
اور بیشک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ہدایت عطا کی اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔
جو ہدایت ہے اور عقل والوں کے لئے نصیحت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطاء ہونے کا بیان

"وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَى" التَّوْرَاة وَالْمُعْجِزَات "وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيل" مِنْ بَعْد مُوسَى "الْكِتَاب" التَّوْرَاة "هُدًى" هَادِيًا "وَذِكْرَى لِأُولِي الْأَلْبَاب" تَذْكِرَة لِأَصْحَابِ الْعُقُول،

اور بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت یعنی تورات اور معجزات عطا کئے۔اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کو اُس کتاب تورات کا وارث بنایا۔جو ہدایت یعنی ہدایت دینے والی ہے اور عقل والوں کے لئے نصیحت ہے۔

فرعون کی غرقابی کے بعد موسیٰ کو جو کتاب تورات عطا فرمائی اس میں اہل عقل وخرد کے لئے سبق حاصل کرنے کے لئے بھی بہت کچھ سامان موجود تھا اور دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے بھی وہ زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی مہیا کرتی تھی۔ہم نے اس عظیم

الشان کتاب کا بنی اسرائیل کو وارث بنایا تا کہ وہ دنیا میں ہدایت کے علمبردار بن کر اٹھیں۔ان آیات میں دراصل مسلمانوں کو تسلی بھی دی گئی ہے اور خوشخبری بھی۔مسلمان اس وقت ایسے ہی حالات سے دوچار تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔کہ وہ اپنے نبی اور مسلمانوں کو اسی حال میں نہیں چھوڑے گا بلکہ قدم قدم پر ان کی رہنمائی بھی فرمائے گا۔تا آنکہ وہ کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں پھر انہیں جو کتاب (قرآن) دی جارہی ہے مسلمانوں کو ہی اس کا وارث بنایا جائے گا تا کہ وہ اسے دنیا کے کونے کونے تک پہنچائیں اور تمام لوگوں کی ہدایت کا فریضہ سرانجام دیں۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَاللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ۝
پس آپ صبر کیجئے، بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے اور اپنی امت کے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے۔
اور صبح وشام اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کیجئے۔

نبی کریم ﷺ کا امت کیلئے استغفار کرنے کا بیان

"فَاصْبِرْ" يَا مُحَمَّد "إِنَّ وَعْد اللّٰه" بِنَصْرِ أَوْلِيَائِهِ "حَقّ" وَأَنْتَ وَمَنْ تَبِعَك مِنْهُمْ "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِك" لِيُسْتَنَّ بِك "وَسَبِّحْ" صَلِّ مُتَلَبِّسًا "بِحَمْدِ رَبّك بِالْعَشِيّ" وَهُوَ مِنْ بَعْد الزَّوَال "وَالْإِبْكَار" الصَّلَوَات الْخَمْس،

یا محمد ﷺ پس آپ صبر کیجئے، بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے کہ وہ اپنے اولیاء کی مدد کرتا ہے۔جو آپ اور آپ کی اتباع والے ہیں اور اپنی امت کے گناہوں کی بخشش طلب کیجئے،(یہاں پر لفظ لیستن بک کی تفسیر اس شبہ کو دور کرنا ہے یہاں لذنبک میں مضاف حذف ہے یعنی لذنب امتک کیونکہ انبیائے کرام خطاؤں سے پاک ہوتے ہیں۔)اور صبح وشام اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کیجئے۔اور وہ زوال کے بعد کا وقت ہے جس سے پانچوں نمازوں کی عبادت مراد ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فاصبر: ای فاصبع یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں فاء ترتیب کا ہے۔مترتیب علی قولہ تعالیٰ: انا لننصر رسلنا وقولہ تعالیٰ واتینا الخ۔ان وعد اللہ حق۔یعنی اللہ تعالیٰ نے جو آپ سے نصرت کا وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہوگا۔اس ثبوت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بیان فرمایا۔واستغفر لذنبک ۔ اور معافی مانگتے رہئے انبیاء جو گناہ سے معصوم ومحفوظ ہوتے ہیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ھذا التعبد للنبی صلی اللہ علیہ وسلم بالدعاء والفائدۃ زیادۃ الدرجات وان یصبر الدعا سنۃ لمن بعدہ: یعنی یہ محض ارشاد الٰہی ہے تا کہ حضور دعا مانگا کریں اور اس میں حکمت یہ ہے کہ استغفار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجات بلند سے بلند تر ہوتے جائیں گے۔اور بعض کے نزدیک لذنبک سے مراد لذنب امتک ہے اپنی امت

کے گناہوں کی مغفرت کی دعا کرتے رہا کریں۔ بالعشی والابکار: شام کے وقت اور صبح کے وقت۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد عصر اور فجر کی نمازیں ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک پانچوں نمازیں مراد ہیں۔ اس سے مراد ہمیشگی بھی ہو سکتی ہے یعنی مداومت سے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیا کریں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری زندگی بھی تمہارے لئے خیر ہے کیونکہ مجھ پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے اور میں تم کو حلال وحرام کی خبر دیتا ہوں۔ اور میری وفات میں بھی تمہارے لئے خیر ہے کیونکہ ہر جمعرات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں نیک اعمال پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور جو تمہارے گناہ ہوتے ہیں ان کیلئے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی التجاء کرتا ہوں۔ (الوفاء باحوال المصطفےٰ ص ۸۱۰، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰـهُمْ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ
مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝
بے شک وہ لوگ جو اللہ کی آیات میں کسی دلیل کے بغیر جھگڑتے ہیں جو ان کے پاس آئی ہو، ان کے سینوں میں ایک بڑائی کے
سوا کچھ نہیں، جس تک وہ ہرگز پہنچنے والے نہیں ہیں، سو اللہ کی پناہ مانگ۔ بے شک وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

منکرین بعث کا قرآن میں جھگڑا کرنے کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّه" الْقُرْآن "بِغَيْرِ سُلْطَان" بُرْهَان "أَتَاهُمْ إِنْ" مَا "فِي صُدُورهمْ إِلَّا كِبْر" تَكَبُّر وَطَمَع أَنْ يَعْلُوا عَلَيْك "مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ فَاسْتَعِذْ" مِنْ شَرّهمْ "بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيع" لِأَقْوَالِهِمْ "الْبَصِير" بِأَحْوَالِهِمْ وَنَزَلَ فِي مُنْكِرِي الْبَعْث،

بے شک وہ لوگ جو اللہ کی آیات یعنی قرآن میں کسی دلیل کے بغیر جھگڑتے ہیں جو ان کے پاس آئی ہو، ان کے سینوں میں ایک بڑائی یعنی تکبر اور لالچ کے سوا کچھ نہیں، جس تک وہ ہرگز پہنچنے والے نہیں ہیں، پس ان کے شر سے بچنے کیلئے اللہ کی پناہ مانگ۔ بے شک وہ ان کے اقوال کو سننے والا، ان کے احوال کو دیکھنے والا ہے۔ یہ آیت منکرین بعث کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

تکبر کے سبب کفار مکہ کا ایمان نہ لانے کا بیان

ان جھگڑا کرنے والوں سے کفار قریش مراد ہیں۔ اور ان کا یہی تکبر ان کے تکذیب وانکار اور کفر کے اختیار کرنے کا باعث ہوا کہ انہوں نے یہ گوارا نہ کیا کہ کوئی ان سے اونچا ہو، اس لئے سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت کی بایں خیالِ فاسد کہ اگر آپ کو نبی مان لیں گے تو اپنی بڑائی جاتی رہے گی اور امتی اور چھوٹا بننا پڑے گا اور ہوس رکھتے ہیں بڑے بننے کی۔

یعنی یہ لوگ جو اللہ کی آیات میں بغیر کسی حجت ودلیل کے جدال کرتے ہیں، اور مقصد دراصل اس دین سے انکار کرنا ہے جس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کے دلوں میں تکبر ہے۔ یہ اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور اپنی بے وقوفی سے یوں سمجھے ہوئے ہیں کہ یہ

بڑائی ہمیں اپنے مذہب پر قائم رہنے سے حاصل ہے، اس کو چھوڑ کر مسلمان ہو جائیں گے تو ہماری یہ ریاست و اقتدار نہ رہے گا۔ قرآن کریم نے فرمادیا کہ مَا هُمْ بِبَالِغِيْهِ یعنی وہ اپنی مزعومہ بڑائی عظمت اور ریاست کو اسلام لائے بغیر نہ پاسکیں گے۔ البتہ اسلام لے آئے تو عزت وعظمت ان کے ساتھ ہوتی۔ (تفسیر قرطبی، سورہ مؤمن، بیروت)

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَ لٰـكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ٥
یقیناً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑا ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

زمین وآسمان کی تخلیق سے استدلال قدرت کا بیان

"لَخَلْق السَّمَاوَات وَالْأَرْض " اِبْتِدَاء "أَكْبَر مِنْ خَلْق النَّاس " مَـرَّة ثَانِيَة وَهِيَ الْإِعَادَة "وَلَكِنَّ أَكْثَر النَّاس " أَيْ كُفَّار مَكَّة "لَا يَعْلَمُونَ" ذَلِكَ فَهُمْ كَالْأَعْمَى وَمَنْ يَعْلَمهُ كَالْبَصِيرِ،

یقیناً آسمانوں اور زمین کا ابتدائی طور پر پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے جبکہ دوبارہ پیدا کرنا یہ اعادہ ہے اور لیکن اکثر لوگ یعنی کفار مکہ نہیں جانتے۔ کیونکہ وہ اندھوں کی طرح ہیں۔ اور ان میں دیکھنے والا بھی نہ دیکھنے والوں کی طرح ہے۔

زمین وآسمان جیسی بڑی نشانیوں کو بھی کفار کا نہ سمجھ سکنے کا بیان

یہ آیت منکرین بعث کے رد میں نازل ہوئی ان پر حجت قائم کی گئی کہ جب تم آسمان وزمین کی پیدائش پر باوجود ان کی اس عظمت اور بڑائی کے اللہ تعالیٰ کو قادر مانتے ہو تو پھر انسان کو دوبارہ پیدا کر دینا اس کی قدرت سے کیوں بعید سمجھتے ہو۔

بہت لوگوں سے مراد یہاں کفار ہیں اور ان کے انکار بعث کا سبب ان کی بیعلمی ہے کہ وہ آسمان وزمین کی پیدائش پر قادر ہونے سے بعث پر استدلال نہیں کرتے تو وہ مثل اندھے کے ہیں اور جو مخلوقات کے وجود سے خالق کی قدرت پر استدلال کرتے ہیں وہ مثل بینا کے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ مؤمن، بیروت)

وَ مَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وَ لَا الْمُسِیْٓءُ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ٥
اور نہ اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوتا ہے اور نہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے اور نہ وہ
جو برائی کرنے والا ہے، بہت کم تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

اندھا اور دیکھنے والا برابر نہ ہونے کا بیان

"وَمَـا يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَلَا الْبَصِير " لَا "وَالَّـذِيـنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات " وَهُوَ الْمُحْسِن "وَلَا الْمُسِيء " فِيهِ زِيَادَة لَا "قَلِيلًا مَا تَتَذَكَّرُونَ" يَتَّعِظُونَ بِالْيَاءِ وَالتَّاء أَيْ تَذَكُّرهمْ قَلِيل جِدًّا،

اور نہ اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوتا ہے اور نہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے اور صاحب احسان ہے اور نہ وہ جو برائی کرنے والا ہے، اس میں لام زائدہ ہے۔ بہت کم تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ یہاں پر یتذکرون یہ یاء اور تاء دونوں کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی نصیحت حاصل کرنا یہ ان میں بہت ہی کم ہے۔

یعنی ایک اندھا جسے حق کا سیدھا راستہ نہیں سوجھتا، اور ایک آنکھوں والا جو نہایت بصیرت کے ساتھ صراطِ مستقیم کو دیکھتا اور سمجھتا ہے، کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یا ایک نیکوکار مومن اور کافر بدکار کا انجام یکساں ہو سکتا ہے؟ اگر ایسا نہیں تو ضرور ایک دن چاہیے جب ان کا باہمی فرق کھلے۔ اور دونوں کے علم کے ثمرات اپنی اکمل ترین صورت میں ظاہر ہوں۔ مگر افسوس کہ تم اتنا بھی نہیں سوچتے۔

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ٥
بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں اور لیکن اکثر لوگ نہیں مانتے۔

قیامت کے برحق ہونے کا بیان

"اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَا رَيْب" شَكّ "فِيهَا وَلٰكِنَّ أَكْثَر النَّاس لَا يُؤْمِنُونَ" بِهَا

بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں اور لیکن اکثر لوگ نہیں مانتے۔ یعنی اس پر ایمان نہیں لاتے۔

قیامت کے دن نبی کریم ﷺ کا ساتھ نصیب ہونے کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکل رہے تھے ہم مسجد کی چوکھٹ پر ایک آدمی سے ملے اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول قیامت کب ہوگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے یہ سن کر اس آدمی پر خاموشی چھا گئی پھر اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں نے اس کے لئے نمازیں اور روزے اور صدقہ وغیرہ تو زیادہ تیار نہیں کئے البتہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو انہیں کے ساتھ ہوگا جن سے محبت رکھتا ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2214)

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ
سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ٥
اور تمہارے رب نے فرمایا ہے: تم لوگ مجھ سے دعا کیا کرو میں ضرور قبول کروں گا، بیشک جو لوگ میری بندگی سے
سرکشی کرتے ہیں وہ عنقریب دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سبب استقامت کا بیان

"وَقَالَ رَبُّكُمْ اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ" أَيْ اُعْبُدُونِي أُثِبْكُمْ بِقَرِينَةِ مَا بَعْده "إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ

عِبَادَتِی سَيَدْخُلُونَ" بِفَتْحِ الْيَاء وَضَمّ الْخَاء وَبِالْعَكْسِ "جَهَنَّم دَاخِرِينَ" صَاغِرِينَ،

اور تمہارے رب نے فرمایا ہے، تم لوگ مجھ سے دعا کیا کرو میں ضرور قبول کروں گا، یعنی تم میری عبادت کرو میں تمہیں ثابت قدم رکھوں گا۔ یہ مابعد سے قرینہ ہے۔ بیشک جو لوگ میری بندگی سے سرکشی کرتے ہیں وہ عنقریب دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔ یہاں پر لفظ سید خلون یہ یاء کے فتحہ اور خاء کے ضمہ اور اس کے برعکس بھی آیا ہے۔ یعنی وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

سورہ مؤمن آیت ٦٠ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ دعا ہی تو عبادت ہے، پھر یہ آیت پڑھی (وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ،اور تمہارے رب نے فرمایا مجھے پکارو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں عنقریب وہ ذلیل ہو کر دوزخ میں داخل ہوں گے)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1195)

قبولیت دعا کی بعض شرائط کا بیان

اللہ تعالیٰ بندوں کی دعائیں اپنی رحمت سے قبول فرماتا ہے اور ان کے قبول کے لئے چند شرطیں ہیں ایک اخلاص دعا میں، دوسرے یہ ہے کہ قلب غیر کی طرف مشغول نہ ہو، تیسرے یہ کہ وہ دعا کسی امرِ ممنوع پر مشتمل نہ ہو، چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر یقین رکھتا ہو، پانچویں یہ کہ شکایت نہ کرے کہ میں نے دعا مانگی قبول نہ ہوئی جب ان شرطوں سے دعا کی جاتی ہے قبول ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ دعا کرنے والے کی دعا قبول ہوتی ہے یا تو اس کی مراد دنیا ہی میں اس کو جلد دے دی جاتی ہے یا آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ ہوتی ہے یا اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیا جاتا ہے۔ آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ دعا سے مراد عبادت ہے اور قرآن کریم میں دعا بمعنی عبادت بہت جگہ وارد ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ (ابوداؤد و ترمذی) اس تقدیر پر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ تم میری عبادت کرو میں تمہیں ثواب دوں گا۔ (تفسیر خزائن العرفان، مؤمن)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی بھی اللہ اگر تو چاہے تو مجھے عطاء فرما اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما، اس طرح نہ کہے بلکہ چاہیے کہ دعا میں یقین سے مانگے کیونکہ اللہ جو چاہے کر دے کوئی اسے مجبور کرنے والا نہیں ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2312)

دعا کے بعض خصائص کا بیان

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں اس امت کو تین چیزیں ایسی دی گئی ہیں کہ ان سے پہلے کی کسی امت کو نہیں دی گئیں بجز نبی کے۔ دیکھو ہر نبی کو اللہ کا فرمان یہ ہوا ہے کہ تو اپنی امت پر گواہ ہے۔ لیکن تمام لوگوں پر گواہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیا ہے۔ اگلے نبیوں سے کہا جاتا تھا کہ تجھ پر دین میں حرج نہیں۔ لیکن اس امت سے فرمایا گیا کہ تمہارے دین میں تم پر کوئی حرج نہیں ہر نبی سے کہا جاتا تھا کہ مجھے پکار میں تیری پکار قبول کروں گا لیکن اس امت کو فرمایا گیا کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار قبول فرماؤں گا۔ (ابن ابی حاتم)

ابویعلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا چار خصلتیں ہیں جن میں سے ایک میرے لئے ہے ایک تیرے لئے ایک تیرے اور میرے درمیان اور ایک تیرے درمیان اور میرے دوسرے بندوں کے درمیان۔ جو خاص میرے لئے ہے وہ تو یہ کہ صرف میری ہی عبادت کر اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر۔ اور جو تیرا حق مجھ پر ہے وہ یہ کہ تیرے ہر عمل خیر کا بھر پور بدلہ میں تجھے دوں گا۔ اور جو تیرے میرے درمیان ہے وہ یہ کہ تو دعا کر اور میں قبول کیا کروں۔ اور چوتھی خصلت جو تیرے اور میرے اور دوسرے بندوں کے درمیان ہے وہ یہ کہ تو ان کیلئے وہ چاہ جو اپنے لئے پسند رکھتا ہے۔

مسند احمد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دعا عین عبادت ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی یہ حدیث سنن میں بھی ہے امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ابن حبان اور حاکم بھی اسے اپنی صحیح میں لائے ہیں۔ مسند میں ہے جو شخص اللہ سے دعا نہیں کرتا اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کی موت کے بعد ان کی تلوار کے درمیان میں سے ایک پرچہ نکلا جس میں تحریر تھا کہ تم اپنے رب کی رحمتوں کے مواقع کو تلاش کرتے رہو بہت ممکن ہے کہ کسی ایسے وقت تم دعائے خیر کرو کہ اس وقت رب کی رحمت جوش میں ہو اور تمہیں وہ سعادت مل جائے جس کے بعد کبھی بھی حسرت وافسوس نہ کرنا پڑے۔ آیت میں عبادت سے مراد دعا اور توحید ہے۔

ابن ابی حاتم میں ایک بزرگ فرماتے ہیں میں ملک روم میں کافروں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا تھا ایک دن میں نے سنا کہ ہاتف غیب ایک پہاڑ کی چوٹی سے بہ آواز بلند کہہ رہا ہے۔ اے اللہ! اس پر تعجب ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے تیرے سوا دوسرے کی ذات سے امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ اے اللہ! اس پر بھی تعجب ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے اپنی حاجتیں دوسروں کے پاس لے جاتا ہے۔ پھر ذرا ٹھہر کر ایک پرزور آواز اور لگائی اور کہا پورا تعجب اس شخص پر ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے دوسرے کی رضامندی حاصل کرنے کیلئے وہ کام کرتا ہے جن سے تو ناراض ہو جائے۔ یہ سن کر میں نے بلند آواز سے پوچھا کہ تو کوئی جن ہے یا انسان؟ جواب آیا کہ انسان ہوں۔ تو ان کاموں سے اپنا دھیان ہٹا لے جو تجھے فائدہ نہ دیں۔ اور ان کاموں میں مشغول ہو جاؤ جو تیرے فائدے کے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ مؤمن، بیروت)

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ
فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ۠
اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تا کہ تم اس میں آرام پاؤ اور دن کو دیکھنے کے لئے روشن بنایا۔
بیشک اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

رات کا باعث سکون جبکہ دن کا باعث فضل ہونے کا بیان

"اللّٰـه الَّذِی جَعَلَ لَكُمْ اللَّیْل لِتَسْكُنُوا فِیهِ وَالنَّهَار مُبْصِرًا" إسْنَاد الْإِبْصَار إلَیْهِ مَجَازِیّ لِأَنَّهُ یُبْصِر

فِيهِ "إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ" اللَّهَ فَلَا يُؤْمِنُونَ

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تا کہ تم اس میں آرام پاؤ اور دن کو دیکھنے کے لئے روشن بنایا۔ یہاں پر ابصار کی طرف اسناد مجازی ہے کیونکہ اس میں دیکھا جاتا ہے۔ بیشک اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے لیکن اکثر لوگ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے۔ پس وہ ایمان بھی نہیں لاتے۔

رات کی ٹھنڈ اور تاریکی میں عموماً لوگ سوتے اور آرام کرتے ہیں۔ جب دن ہوتا ہے تو تازہ دم ہو کر اس کے اجالے میں اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں اس وقت دیکھنے بھالنے اور چلنے پھرنے کے لیے مصنوعی روشنیوں کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○
كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○
یہی اللہ تمہارا رب ہے جو ہر چیز کا خالق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہو۔
اسی طرح وہ لوگ بہکائے جاتے تھے جو اللہ کی آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔

قیام دلائل کے باوجود ایمان سے بہک جانے والے کفار کا بیان

"ذٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ" فَكَيْفَ تُصْرَفُونَ عَنِ الْإِيمَانِ مَعَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ،

"كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ" أَيْ مِثْلَ إِفْكِ هٰؤُلَاءِ إِفْكُ "الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللَّهِ" مُعْجِزَاتِهِ "يَجْحَدُونَ"

یہی اللہ تمہارا رب ہے جو ہر چیز کا خالق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر تم دلیل قائم ہو جانے کے باوجود ایمان سے کہاں بھٹکتے پھرتے ہو۔ اسی طرح وہ لوگ بہکائے جاتے تھے یعنی جس طرح یہ بہکے ہیں ایسے وہ لوگ جو اللہ کی آیات یعنی اس کے معجزات کا انکار کیا کرتے تھے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

انی: کیونکر۔ اسم ظرف زمان واسم ظرف مکان ہے ظرف زمان ہو تو بمعنی متی (جب، جس وقت) اور ظرف مکان ہو تو بمعنی این (جہاں۔ کہاں) اور اگر استفہامیہ ہو تو بمعنی کیف (کیسے، کیونکر) ہوتا ہے۔

تو فکون: مضارع مجہول جمع مذکر حاضر۔ افک (باب ضرب) مصدر سے۔ جس کے معنی کسی شے کے اپنے اصلی رخ سے پھرنے کے ہیں۔ یہاں اعتقاد میں حق سے باطل کی طرف۔ قول میں راستی سے دروغ بیانی کی طرف اور فعل میں نیکوکاری سے بدکاری کی طرف پھیرا جانا مراد ہے۔ تم پھیرے جاتے ہو تم پلٹائے جاتے ہو۔ تم کدھر کو بھٹکائے جا رہے ہو یعنی پھر اللہ کی عبادت سے دوسروں کی عبادت کی طرف کہاں پھرے جاتے ہو۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚۖ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرارگاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں شکل وصورت بخشی پھر تمہاری صورتوں کو اچھا کیا اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی بخشی، یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ پس اللہ بڑی برکت والا ہے جو سب جہانوں کا رب ہے۔

تمام جہانوں کے رب کی برکت کا بیان

"اللّٰه الَّذِی جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْض قَرَارًا وَالسَّمَاء بِنَاء" سَقْفًا،

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو قرارگاہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں شکل وصورت بخشی پھر تمہاری صورتوں کو اچھا کیا اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی بخشی، یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ پس اللہ بڑی برکت والا ہے جو سب جہانوں کا رب ہے۔

انسان کی صورت کو اللہ تعالیٰ نے سب جانوروں سے ممتاز، اعلیٰ اور بہتر ہیئت میں بنایا ہے۔ اس کو سوچنے سمجھنے کی عقل عطا فرمائی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ایسے بنائے کہ ان سے طرح طرح کی اشیاء ومصنوعات بنا کر اپنی راحت کے سامان پیدا کر لیتا ہے۔ اس کا کھانا پینا بھی عام جانوروں سے ممتاز ہے وہ اپنے منہ سے چرتے اور پیتے ہیں یہ ہاتھوں سے کام لیتا ہے۔ عام جانوروں کی غذا مفردات سے ہے، کوئی گوشت کھاتا ہے کوئی گھاس اور پتے اور وہ بھی بالکل مفرد بخلاف انسان کے کہ یہ اپنے کھانے کو مختلف قسم کی چیزوں پھلوں، ترکاریوں، گوشت اور مصالحہ سے لذیذ ومرغوب بنا کر کھاتا ہے۔

هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم اس کی عبادت اس کے لئے طاعت وبندگی کو خالص رکھتے ہوئے کیا کرو، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اخلاص کا بیان

"هُوَ الْحَیّ لَا اِلَه اِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ" اُعْبُدُوهُ "مُخْلِصِینَ لَهُ الدِّین" مِنَ الشِّرْك

وہی زندہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم اس کی عبادت اس کے لئے طاعت وبندگی کو خالص رکھتے ہوئے یعنی شرک سے بچتے ہوئے کیا کرو، تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں اہل علم کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ لا الہ الا اللہ پڑھنے والے کو ساتھ ہی الحمد للہ رب العالمین بھی پڑھنا چاہئے تاکہ اس آیت پر عمل ہو جائے۔ ابن عباس سے بھی یہ مروی ہے حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہی جب تک فادعو اللہ مخلصین له الدین پڑھے تو لا اله الا الله کہہ لیا کرو اور اس کے ساتھ ہی الحمد لله رب العالمین پڑھ لیا کر۔ حضرت عبداللہ بن زبیر ہر نماز کے سلام کے بعد (لا اله الا اللّٰه وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على

کل شیء قدیر) پڑھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کلمات کو ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ (مسلم ابوداؤد، نسائی، جامع البیان، سورہ مؤمن، بیروت)

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ
مِنْ رَّبِّیْ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝
فرمادیجئے: مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی پرستش کروں جن بتوں کی تم اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے ہو جبکہ میرے پاس میرے
رب کی جانب سے واضح نشانیاں آ چکی ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمام جہانوں کے پروردگار کی فرمانبرداری کروں

بتوں کی پوجا کرنے سے ممانعت کا بیان

"قُلْ إِنِّي نُهِيت أَنْ أَعْبُد الَّذِينَ تَدْعُونَ" تَعْبُدُونَ "مِنْ دُون اللّٰه لَمَّا جَاءَنِيَ الْبَيِّنَات" دَلَائِل التَّوْحِيد

فرمادیجئے: مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں ان کی پرستش کروں جن بتوں کی تم اللہ کو چھوڑ کر پرستش کرتے ہو جبکہ میرے پاس میرے رب کی جانب سے واضح نشانیاں یعنی دلائل توحید آ چکی ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمام جہانوں کے پروردگار کی فرمانبرداری کروں

سورہ مؤمن آیت ٦٦ کے شان نزول کا بیان

کفّار نابکار نے براہ جہالت و گمراہی اپنے دین باطل کی طرف حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دی تھی اور آپ سے بت پرستی کی درخواست کی تھی، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ نے کہا تم اپنی بات سے پھر جاؤ اور واپس اپنے آباء واجداد کے دین پر آ جاؤ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (سیوطی 248)

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ
ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۝
وہی ہے جس نے تمہیں کچھ مٹی سے پیدا کیا، پھر ایک قطرے سے، پھر ایک جمے ہوئے خون سے، پھر وہ تمہیں ایک بچہ
بنا کر نکالتا ہے، پھر تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ، پھر تا کہ تم بوڑھے ہو جاؤ اور تم میں سے بعض وہ ہے جو اس سے پہلے
قبض کر لیا جاتا ہے اور تا کہ تم ایک مقرر وقت کو پہنچ جاؤ اور تا کہ تم سمجھو۔

انسان کی تخلیق سے موت تک سے استدلال توحید کا بیان

"هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَاب" بِخَلْقِ أَبِيكُمْ آدَم مِنْهُ "ثُمَّ مِنْ نُطْفَة" مَنِيّ "ثُمَّ مِنْ عَلَقَة" دَم غَلِيظ "ثُمَّ يُخْرِجكُمْ طِفْلًا" بِمَعْنَى أَطْفَالًا "ثُمَّ" يُبْقِيكُمْ "لِتَبْلُغُوا أَشُدّكُمْ" تَكَامُل قُوَّتكُمْ مِنْ الثَّلَاثِينَ سَنَة إِلَى

الْأَرْبَعِينَ "ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا" بِضَمِّ الشِّينِ وَكَسْرِهَا "وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى مِنْ قَبْلُ" أَيْ قَبْلَ الْأَشُدِّ وَالشَّيْخُوخَةِ فَعَلَ ذٰلِكَ بِكُمْ لِتَعِيشُوا "وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُسَمًّى" وَقْتًا مَحْدُودًا "وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ" دَلَائِلَ التَّوْحِيدِ فَتُؤْمِنُونَ،

وہی ہے جس نے تمھیں کچھ مٹی سے پیدا کیا، یعنی تمہارے والد گرامی آدم علیہ السلام کو اس سے پیدا کیا۔ پھر منی کے ایک قطرے سے، پھر ایک جمے ہوئے خون سے یعنی لوتھڑے سے، پھر وہ تمھیں ایک بچہ بنا کر نکالتا ہے، یہاں پر طفل بہ معنی اطفال ہے۔ تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ، یعنی قوت کو پورا کرلو جو تیس سال سے چالیس سال کی عمر کا حصہ ہوتا ہے۔ پھر تا کہ تم بوڑھے ہو جاؤ یہاں پر لفظ شیوخ یہ شین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور تم میں سے بعض وہ ہے جو اس سے پہلے یعنی جوانی اور بڑھاپے سے قبض کر لیا جاتا ہے وہ ایسا اس لئے فرماتا ہے تا کہ تم زندہ رہو۔ اور تا کہ تم ایک مقرر وقت کو پہنچ جاؤ یعنی جو محدود وقت ہے۔ اور تا کہ تم توحید کے دلائل کو سمجھو۔ پس تم ایمان لے آؤ۔

انسانی تخلیق کے مختلف مراحل کا بیان

اسی وحدہ لاشریک لہ نے تمہیں مٹی سے پھر نطفے سے پھر خون کی پھٹکی سے پیدا کیا۔ اسی نے تمہیں ماں کے پیٹ سے بچے کی صورت میں نکالا۔ ان تمام حالات کو وہی بدلتا رہا پھر اسی نے بچپن سے جوانی تک تمہیں پہنچایا۔ وہی جوانی کے بعد بڑھاپے تک لے جائے گا یہ سب کام اسی ایک کے حکم تقدیر اور تدبیر ہو جاتے ہیں۔ پھر کس قدر نامرادی ہے کہ اس کے ساتھ دوسرے کی عبادت کی جائے؟ بعض اس سے پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں۔ یعنی کچے پنے میں ہی گر جاتے ہیں۔ حمل ساقط ہو جاتا ہے۔ بعض بچپن میں بعض جوانی میں بعض ادھیڑ عمر میں بڑھاپے سے پہلے ہی مر جاتے ہیں۔

چنانچہ اور جگہ قرآن پاک میں ہے (وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى، الحج: 5) یعنی ہم ماں کے پیٹ میں ٹھہراتے ہیں جب تک چاہیں۔ یہاں فرمان ہے کہ تا کہ تم وقت مقررہ تک پہنچ جاؤ۔ اور تم سوچو سمجھو۔ یعنی اپنی حالتوں کے اس انقلاب سے تم ایمان لے آؤ کہ اس دنیا کے بعد بھی تمہیں نئی زندگی میں ایک روز کھڑا ہونا ہے، وہی زندگی دینے والا اور مارنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی موت زیست پر قادر نہیں۔ اس کے کسی حکم کو کسی فیصلے کو کسی تقرر کو کسی ارادے کو کوئی توڑنے والا نہیں، جو وہ چاہتا ہے ہو کر ہی رہتا ہے اور جو وہ نہ چاہے ناممکن ہے کہ وہ ہو جائے۔

هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ج فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ○
أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنَّىٰ يُصْرَفُونَ ○
وہی ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے پھر جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو صرف اسے فرما دیتا ہے: "ہو جا"
پس وہ ہو جاتا ہے۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کرتے ہیں، وہ کہاں بھٹکے جا رہے ہیں۔

زندہ کرنا اور مارنے میں اسی کی قدرت ہونے کا بیان

"هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيت فَإِذَا قَضَى أَمْرًا" أَرَادَ إِيجَاد شَيْء "فَإِنَّمَا يَقُول لَهُ كُنْ فَيَكُون" بِضَمِّ النُّون وَفَتْحهَا بِتَقْدِيرِ أَنْ أَيْ يُوجَد عَقِب الْإِرَادَة الَّتِي هِيَ مَعْنَى الْقَوْل الْمَذْكُور "أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَات اللَّه" الْقُرْآن "أَنَّى" كَيْفَ "يُصْرَفُونَ" عَنْ الْإِيمَان،

وہی ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے پھر جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے یعنی جب وہ کسی چیز کو بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اسے فرما دیتا ہے: "ہو جا" پس وہ ہو جاتا ہے۔ یہاں پر لفظ یکون یہ نون کے ضمہ کے ساتھ اور اُن مقدرہ کے سبب فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی ارادہ کے ساتھ ہی وہ چیز بن جاتی ہے جو قول میں مذکور ہوئی۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں یعنی قرآن میں جھگڑا کرتے ہیں، وہ ایمان سے کہاں بھٹکے جا رہے ہیں۔

اس سے اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ زندگی اور موت کا سلسلہ اسی وحدہ لاشریک کے قبضہ قدرت واختیار میں ہے وہی زندگی بخشتا، اور موت دیتا ہے اور اس کو کسی کام کے انجام دینے کیلئے کسی تیاری، یا اسباب و وسائل کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ وہاں صرف اسکے حکم وارشاد اور ارادہ واشارہ کی ضرورت ہوتی ہے اور بس۔ وہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو فرماتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ﵦ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ اِذِ الْاَغْلٰلُ
فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ۝ فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۝
وہ لوگ جنھوں نے کتاب کو اور جو کچھ ہم نے اپنے رسولوں کو دے کر بھیجا اسے جھٹلا دیا، سو عنقریب جان لیں گے۔ جب طوق
ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں، گھسیٹے جا رہے ہوں گے۔ کھولتے پانی میں، پھر آگ میں جھونکے جائیں گے۔

قیامت کے دن کفار کو زنجیروں میں جکڑے جانے کا بیان

"الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ" الْقُرْآن وَهُمْ أَهْل مَكَّة "وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلنَا" مِنْ التَّوْحِيد وَالْبَعْث "فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ" عُقُوبَة تَكْذِيبهمْ،

"إِذْ الْأَغْلَال فِي أَعْنَاقهمْ" إِذْ بِمَعْنَى إِذَا "وَالسَّلَاسِل" عُطِفَ عَلَى الْأَغْلَال فَتَكُون فِي الْأَعْنَاق أَوْ مُبْتَدَأ خَبَره مَحْذُوف أَيْ فِي أَرْجُلهمْ أَوْ خَبَره "يُسْحَبُونَ" أَيْ يُجَرُّونَ بِهَا، "فِي الْحَمِيم" أَيْ جَهَنَّم "ثُمَّ فِي النَّار يُسْجَرُونَ" يُوقَدُونَ،

وہ لوگ یعنی اہل مکہ جنھوں نے کتاب یعنی قرآن کو اور جو کچھ ہم نے اپنے رسولوں کو دے کر بھیجا جنہوں نے ان کو توحید وبعث کا پیغام پہنچایا اسے جھٹلا دیا، سو عنقریب جان لیں گے۔ یعنی اپنے عمل تکذیب کے سبب عذاب کو جان لیں گے۔ جب طوق ان کی

گردنوں میں ہوں گے، یہاں پر لفظ اذ بہ معنی اُذا ہے۔ اور زنجیریں، گھسیٹے جارہے ہوں گے۔ یہاں پر سلاسل کا عطف اغلال پر ہے۔ یعنی زنجیریں ان کی گردنوں میں ہوں گی یہاں پر سلاسل مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ یعنی وہ ان کے پاؤں میں ہوں گی۔ یا اس کی خبر یسحبون ہے۔ کھولتے پانی میں، پھر آگ یعنی جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ یعنی انہیں ڈال دیا جائے گا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

الذین کذبوا بالکتب وبما ارسلنا به رسلنا: اس میں الکتب سے مراد قرآن کریم ہے۔ اور بما ارسلنا بہ رسلنا سے مراد وہ کتابیں، صحیفے واحکام شرائع ہیں جو دوسرے پیغمبروں پر نازل کئے گئے۔ بما میں ما موصولہ ہے اس جملہ میں معانقہ ہے۔ اگر وقف رسلنا پر کریں تو یہ جملہ الذین یجادلون فی ایت اللہ کی توضیح وتعریف میں ہے یعنی اللہ کی کتاب وآیات میں جھگڑے نکالنے والے یہی لوگ ہیں جنہوں نے (اللہ کی) کتاب (یعنی قرآن) کی اور ان کی کتابوں، صحائف، شرائع کی تکذیب کی جو اللہ نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا تھا۔ (پس جلدی ہی یہ اپنے انجام کو جان لیں گے۔

اور اگر وقف یعلمون پر کیا جائے تو یہ ایک نیا جملہ ہے اس صورت میں الذین کذبوا رسلنا مبتدا ہوگا۔ اور فسوف یعلمون اس کی خبر۔ اور ترجمہ ہوگا:۔ جن لوگوں نے اس کتاب (یعنی قرآن مجید) کو جھٹلایا اور اس کو بھی جھٹلایا جو ہم نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا تھا۔ (انہیں اپنی تکذیب کا انجام) عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ٥ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ
نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ط كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ٥
پھر ان سے کہا جائے گا کہاں ہیں وہ جو تم شریک ٹھہراتے تھے؟ اللہ کے سوا، وہ کہیں گے: وہ ہم سے گم ہو گئے
بلکہ ہم تو پہلے کسی بھی چیز کی پرستش نہیں کرتے تھے، اسی طرح اللہ کافروں کو گمراہ ٹھہراتا ہے۔

بت اور بتوں کے پجاریوں کیلئے جہنم ہونے کا بیان

"ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ" تَبْكِيتًا "مِنْ دُوْنِ اللّٰه" مَعَهُ وَهِيَ الْأَصْنَام "قَالُوا ضَلُّوا" غَابُوا "عَنَّا" فَلَا نَرَاهُمْ "بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُو مِنْ قَبْل شَيْئًا" أَنْكَرُوا عِبَادَتهمْ إيَّاهَا ثُمَّ أُحْضِرَتْ قَالَ تَعَالَى : "إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُون اللّٰه حَصَب جَهَنَّم" أَيْ وَقُودهَا "كَذٰلِكَ" أَيْ مِثْل إضْلَال هَؤُلَاءِ الْمُكَذِّبِينَ،

پھر ان کو لاجواب کرنے کیلئے کہا جائے گا کہاں ہیں وہ جو تم شریک ٹھہراتے تھے؟ اللہ کے سوا جو بت تھے، وہ کہیں گے کہ وہ ہم سے گم ہو گئے لہٰذا انہیں ہم کہیں نہیں دیکھ رہے۔ بلکہ ہم تو پہلے کسی بھی چیز کی پرستش نہیں کرتے تھے، یعنی وہ ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔ اس کے بعد ان کو حاضر کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ بے شک تم اور اللہ کے سوا جن بتوں کی تم عبادت کرتے تھے وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ اسی طرح اللہ کافروں یعنی تکذیب کرنے والوں کو گمراہ ٹھہراتا ہے۔

بتوں کی پرستش کا انکار کر جائیں گے، پھر بت حاضر کیے جائیں گے اور کفار سے فرمایا جائے گا کہ تم اور تمہارے یہ معبود سب جہنم کا ایندھن ہو، بعض مفسرین نے فرمایا: کہ جہنمیوں کا یہ کہنا کہ ہم پہلے کچھ پوجتے ہی نہ تھے اس کے یہ معنی ہیں کہ اب ہمیں ظاہر ہو گیا کہ جنہیں ہم پوجتے تھے وہ کچھ نہ تھے کہ کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکتے۔

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ٥
اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ٥
یہ اس لیے ہے کہ تم زمین میں حق کے بغیر خوش ہوتے تھے اور اس لیے کہ تم اکڑتے تھے۔ جہنم کے دروازوں میں داخل
ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو، پس وہ تکبر کرنے والوں کی کتنی بری جگہ ہے۔

دنیا میں گمراہی پر خوش رہنے والوں کیلئے جہنم ہونے کا بیان

وَيُقَال لَهُمْ أَيْضًا "ذٰلِكُمْ" الْعَذَاب "بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْض بِغَيْرِ الْحَقّ" مِنْ الْإِشْرَاك وَإِنْكَار الْبَعْث "وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ" تَتَوَسَّعُونَ فِي الْفَرَح "اُدْخُلُوا أَبْوَاب جَهَنَّم خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى" مَأْوَى،

اور اسی طرح ان سے یہ بھی کہا جائے گا کہ یہ عذاب اس لیے ہے کہ تم زمین میں حق کے بغیر خوش ہوتے تھے یعنی شرک اور انکار بعث کرتے تھے۔ یعنی حد سے زیادہ خوش رہتے تھے۔ اور اس لیے کہ تم اکڑتے تھے۔ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو، پس وہ تکبر کرنے والوں کی کتنی بری جگہ ہے۔

فرحت کے جواز و عدم جواز کا بیان

فرح سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں خوش ہونا اور مسرور ہونا۔ اور تمرحون، مرح سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں اترانا اور مال و دولت پر فخر و غرور میں مبتلا ہو کر دوسروں کے حقوق میں تعدی کرنا۔ مرح تو مطلقاً مذموم اور حرام ہے اور فرح یعنی خوشی میں یہ تفصیل ہے کہ مال و دولت کے نشہ میں خدا کو بھول کر معاصی سے لذت حاصل کرنا اور ان پر خوش ہونا یہ تو حرام و ناجائز ہے اور اس آیت میں یہی فرح مراد ہے جیسے قارون کے قصہ میں بھی فرح اسی معنے میں آیا ہے (آیت) لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین۔ یعنی بہت خوش نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ خوش ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور دوسرا درجہ فرح کا یہ ہے کہ دنیا کی نعمتوں اور راحتوں کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر ان پر خوشی و مسرت کا اظہار کرے، یہ جائز بلکہ مستحب اور مامور بہ ہے۔ ایسی ہی فرح کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا۔ (آیت) فبذلك فليفرحوا۔ یعنی اس پر خوش ہونا چاہیئے۔ آیت مذکورہ میں مرح کے ساتھ کوئی قید نہیں مطلقاً سبب عذاب ہے اور فرح کے ساتھ بغیر الحق کی قید لگا کر بتلا دیا کہ ناحق اور ناجائز لذتوں پر خوش ہونا حرام اور حق و جائز نعمتوں پر بطور شکر کے خوش ہونا عبادت اور ثواب ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ مؤمن، بیروت)

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ٥

پس آپ صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے، پھر اگر ہم آپ کو اس کا کچھ حصہ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں تو وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر صبر کرنے کا بیان

"فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ " بِعَذَابِهِمْ "حَقّ فَإِمَّا نُرِيَنَّك " فِيهِ إِنْ الشَّرْطِيَّة مُدْغَمَة وَمَا زَائِدَة تُؤَكِّد مَعْنَى الشَّرْط أَوَّل الْفِعْل وَالنُّون تُؤَكِّد آخِره "بَعْض الَّذِي نَعِدهُمْ " بِهِ مِنْ الْعَذَاب فِي حَيَاتك وَجَوَاب الشَّرْط مَحْذُوف أَيْ فَذَاكَ "أَوْ نَتَوَفَّيَنَّك " أَيْ قَبْل تَعْذِيبهمْ "فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ " فَنُعَذِّبهُمْ أَشَدّ الْعَذَاب فَالْجَوَاب الْمَذْكُور لِلْمَعْطُوفِ فَقَطْ

پس آپ صبر کیجئے بیشک اللہ کا وعدہ ان کے عذاب کا سچا ہے، پھر اگر ہم آپ کو اس عذاب کا کچھ حصہ دکھا دیں، یہاں پر لفظ فاما میں اِن شرطیہ ہے۔ جس کو ماءزائدہ میں مدغم کیا گیا ہے۔ اور ماءزائدہ یہ فعل میں اول میں شرط کے طور تاکید کیلئے آیا ہے۔ اور نون دوسرے کی تاکید کیلئے آیا ہے۔ جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں جو آپ کی زندگی میں آئے گا۔ یہ شرط محذوف کا جواب ہے۔ یعنی فذاک یا ہم آپ کو انہیں عذاب دینے سے قبل وفات دے دیں تو (دونوں صورتوں میں) وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔ یعنی ان کو ہم سخت عذاب دیں گے۔ یہاں پر فالینا یرجعون یہ صرف نتوفینك کا معطوف ہے۔

اللہ کے وعدوں کے برحق ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دیتا ہے کہ جو تیری نہیں مانتے تجھے جھوٹا کہتے ہیں تو ان کی ایذاؤں پر صبر و برداشت کر۔ ان سب پر فتح و نصرت تجھے ملے گی۔ انجام کار ہر طرح تیرے ہی حق میں بہتر رہے گا۔ تو اور تیرے یہ ماننے والے ہی تمام دنیا پر غالب ہو کر رہیں گے، اور آخرت تو صرف تمہاری ہی ہے، پس یا تو ہم اپنے وعدے کی بعض چیزیں تجھے تیری زندگی میں دکھا دیں گے، اور یہی ہوا بھی، بدر والے دن ان کے دفتر اور سر توڑ دیا گیا قریشیوں کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ بالآخر مکہ فتح ہوا اور آپ دنیا سے رخصت نہ ہوئے جب تک کہ تمام جزیرہ عرب آپ کے زیر نگیں نہ ہو گیا۔ اور آپ کے دشمن آپ کے سامنے ذلیل و خوار نہ ہوئے اور آپ [illegible] رب نے ٹھنڈی نہ کر دیں، یا اگر ہم تجھے فوت ہی کر لیں تو بھی ان کا لوٹنا تو ہماری ہی طرف ہے ہم انہیں آخرت کے دردناک سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ مومن، بیروت)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ٥

اور بیشک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھیجا، ان میں سے بعض کا حال ہم نے آپ پر بیان فرمادیا اور ان میں سے بعض کا حال ہم نے آپ پر بیان نہیں فرمایا، اور کسی بھی رسول کے لئے یہ نہ تھا کہ وہ کوئی نشانی بھی اللہ کے اِذن کے بغیر لے آئے، پھر جب اللہ کا حکم آ پہنچا، حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا تو اس وقت اہل باطل خسارے میں رہے۔

انبیائے کرام کی بعثت کی تکذیب کرنے والوں کیلئے نقصان کا بیان

"وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ" رُوِيَ أَنَّهُ تَعَالَى بَعَثَ ثَمَانِيَةَ آلَاف نَبِيّ : أَرْبَعَة آلَاف نَبِيّ مِنْ بَنِي إسْرَائِيل وَأَرْبَعَة آلَاف مِنْ سَائِر النَّاس "وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ " مِنْهُمْ "أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إلَّا بِإِذْنِ اللَّه " لِأَنَّهُمْ عَبِيد مَرْبُوبُونَ "فَإِذَا جَاءَ أَمْر اللَّه" بِنُزُولِ الْعَذَاب عَلَى الْكُفَّار "قُضِيَ" بَيْن الرُّسُل وَمُكَذِّبِيهَا "بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ " أَيْ ظَهَرَ الْقَضَاء وَالْخُسْرَان لِلنَّاسِ وَهُمْ خَاسِرُونَ فِي كُلّ وَقْت قَبْل ذَلِكَ،

اور بیشک ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو بھیجا، ان میں سے بعض کا حال ہم نے آپ پر بیان فرمادیا اور ان میں سے بعض کا حال ہم نے آپ پر بیان نہیں فرمایا، روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار انبیائے کرام کو بھیجا جن میں سے چار نبی بنی اسرائیل میں تھے جبکہ بقیہ چار باقی لوگوں میں سے تھے۔ اور کسی بھی رسول کے لئے یہ نہ تھا کہ وہ کوئی نشانی بھی اللہ کے اِذن کے بغیر لے آئے، کیونکہ وہ سب مملوک بندے تھے۔ پھر جب اللہ کا حکم آ پہنچا، یعنی کفار پر عذاب نازل ہو چکا تو حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا یعنی ان کی تکذیب کے سبب انہیں عذاب دیا گیا۔ تو اس وقت اہل باطل خسارے میں رہے۔ یعنی فیصلہ ظاہر ہو گیا اور نقصان لوگوں کیلئے ہے۔ اور وہ پہلے بھی ہر وقت نقصان اٹھانے والے ہیں۔

پھر مزید تسلی کے طور پر فرما رہا ہے کہ تجھ سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تیرے سامنے بیان کر دیئے ہیں۔ اور بعض کے قصے ہم نے بیان بھی نہیں کئے جیسے سورہ نساء میں بھی فرمایا گیا ہے۔ پس جن کے قصے مذکورہ ہیں دیکھ لو کہ قوم سے ان کی کیسی کچھ نمٹی۔ اور بعض کے واقعات ہم نے بیان نہیں کئے وہ بہ نسبت ان کے بہت زیادہ ہیں۔ جیسے کہ ہم نے سورہ نساء کی تفسیر کے موقعہ پر بیان کر دیا ہے۔ واللہ الحمد والمنہ۔ پھر فرمایا یہ ناممکن ہے کہ کوئی رسول اپنی مرضی سے معجزات اور خوارق عادات دکھائے ہاں اللہ عزوجل کے حکم کے بعد کیونکہ رسول کے قبضے میں کوئی چیز نہیں۔ ہاں جب اللہ کا عذاب آ جاتا ہے پھر تکذیب وتردید کرنے والے کفار بچ نہیں سکتے۔ مومن نجات پا لیتے ہیں اور باطل پرست باطل کار تباہ ہو جاتے ہیں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ○

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے بنائے تاکہ تم ان میں سے بعض پر سواری کرو اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔

انسانیت کے فوائد کیلئے حیوانات کی تخلیق کا بیان

"اللّٰهُ الَّذِی جَعَلَ لَکُمُ الْأَنْعَام" قِیلَ : الْإِبِل خَاصَّة هُنَا وَالظَّاهِر وَالْبَقَر وَالْغَنَم،

اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے بنائے کہا گیا ہے کہ یہاں پر خاص طور پر اونٹ مراد ہے۔اور ظاہر ہے کہ گائے اور بکری بھی ہے۔تاکہ تم ان میں سے بعض پر سواری کرو اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔

ہر مخلوق خالق کائنات پر دلیل ہے۔

انعام یعنی اونٹ گائے بکری اللہ تعالیٰ نے انسان کے طرح طرح کے نفع کیلئے پیدا کئے ہیں سواریوں کے کام آتے ہیں کھائے جاتے ہیں۔اونٹ سواری کا کام بھی دے کھایا بھی جائے،دودھ بھی دے،بوجھ بھی ڈھوئے اور دور دراز کے سفر بآسانی سے کرادیئے۔گائے کا گوشت کھانے کے کام بھی آئے دودھ بھی دے۔ہل بھی جتے،بکری کا گوشت بھی کھایا جائے اور دودھ بھی پیا جائے۔پھر ان کے سب کے بال بیسیوں کاموں میں آئیں۔جیسے کہ سورہ انعام سورہ نحل وغیرہ میں بیان ہو چکا ہے۔یہاں بھی یہ منافع بطور انعام گنوائے جا رہے ہیں،دنیا جہاں میں اور اس کے گوشے گوشے میں اور کائنات کے ذرے ذرے میں اور خود تمہاری جانوں میں اس اللہ کی نشانیاں موجود ہیں۔سچ تو یہ ہے کہ اس کی ان گنت نشانیوں میں سے ایک کا بھی کوئی شخص صحیح معنی میں انکاری نہیں ہو سکتا یہ اور بات ہے کہ ضد اور اکڑ سے کام لے اور آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لے۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ مومن،بیروت)

وَلَکُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِکُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَی الْفُلْكِ
تُحْمَلُوْنَ○ وَیُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْکِرُوْنَ○
اور تمھارے لیے ان میں بہت سے فائدے ہیں اور تاکہ تم ان پر اس حاجت تک پہنچو جو تمھارے سینوں میں ہے اور انھی پر
اور کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو۔اور وہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے،پھر تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے۔

حیوانات سے حاصل ہونے والے مختلف فوائد کا بیان

"وَلَکُمْ فِیهَا مَنَافِع " مِنَ الدَّرّ وَالنَّسْل وَالْوَبَر وَالصُّوف "وَلِتَبْلُغُوا عَلَیْهَا حَاجَة فِی صُدُورکُمْ " هِیَ حَمْل الْأَثْقَال إلَی الْبِلَاد "وَعَلَیْهَا" فِی الْبَرّ "وَعَلَی الْفُلْك " السُّفُن فِی الْبَحْر، "وَیُرِیکُمْ آیَاته" أَیْ الدَّالَّة عَلَی وَحْدَانِیّته "فَأَیّ آیَات اللَّه تُنْکِرُونَ" اسْتِفْهَام تَوْبِیخ وَتَذْکِیر أَیّ أَشْهَر مِنْ تَأْنِیثه،

اور تمھارے لیے ان میں بہت سے فائدے ہیں یعنی دودھ،نسل اور اونٹ کے بال اور اون ہے۔اور تاکہ تم ان پر اس حاجت تک پہنچو یعنی وہ بوجھ کا اٹھا کر شہروں کی طرف لے جانا ہے۔جو تمہارے سینوں میں ہے اور انھی پر اور کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو۔یعنی جو کشتی سمندر میں ہے۔

اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی ہیں۔ پھر تم اللہ کی کون کون سی نشانیوں کا انکار کرو گے۔ یہ استفہام بہ طور توبیخ کے ہے اور یہاں ان کو مذکر استعمال کرنا ان کے مؤنث سے زیادہ مشہور ہونے کی وجہ سے ہے۔

یعنی ان کے چمڑے، بال اور اون وغیرہ سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہو۔ سواری کرنا بجائے خود ایک مقصد ہے اور سواری کے ذریعہ سے انسان بہت مقاصد دینی و دنیاوی حاصل کرتا ہے۔ خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں کشتیوں پر لدے پھرتے ہو۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○
تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے، وہ ان سے زیادہ تھے اور قوت میں اور زمین میں نشانات کے اعتبار سے ان سے بڑھ کر تھے، تو ان کے کسی کام نہ آیا، جو وہ کماتے تھے۔

زمین کی سیر کا مقصد حصول عبرت ہونے کا بیان

"اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَتْ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ" مِنْ مَصَانِعَ وَقُصُوْرٍ،

تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے، وہ تعداد میں ان سے زیادہ تھے اور قوت میں اور زمین میں قلعوں اور محلات کے نشانات کے اعتبار سے ان سے بڑھ کر تھے، تو ان کے کسی کام نہ آیا، جو وہ کماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان اگلے لوگوں کو خبر دے رہا ہے جو رسولوں کو اس سے پہلے جھٹلا چکے ہیں۔ ساتھ ہی بتاتا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا کچھ انہوں نے بھگتا؟ باوجودیکہ وہ قوی تھے زیادہ تھے زمین میں نشانات عمارتیں وغیرہ بھی زیادہ رکھنے والے تھے اور بڑے مالدار تھے۔ لیکن کوئی چیز ان کے کام نہ آئی کسی نے اللہ کے عذاب کو نہ دفع کیا نہ کم کیا نہ ٹالا نہ ہٹایا۔ یہ تھے ہی غارت کئے جانے کے قابل کیونکہ جب ان کے پاس اللہ کے قاصد صاف صاف دلیلیں، روشن حجتیں، کھلے معجزات، پاکیزہ تعلیمات لے کر آئے تو انہوں نے آنکھ بھر کر دیکھا تک نہیں اپنے پاس کے علوم پر مغرور ہو گئے۔ اور رسولوں کی تعلیم کی حقارت کرنے لگے، کہنے لگے ہم ہی زیادہ عالم ہیں حساب کتاب، عذاب ثواب کوئی چیز نہیں۔ اپنی جہالت کو علم سمجھ بیٹھے۔ پھر تو اللہ کا وہ عذاب آیا کہ ان کے بنائے کچھ نہ بنی اور جسے جھٹلاتے تھے۔ جس پر ناک بھوں چڑھاتے تھے جسے مذاق میں اڑاتے تھے اسی نے انہیں تہس نہس کر دیا، پھر کس بل نکال ڈالا، تہ و بالا کر دیا، روئی کی طرح دھن دیا اور بھوسی کی طرح اڑا دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مؤمن، بیروت)

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○
پھر جب ان کے رسول ان کے پاس واضح دلیلیں لے کر آئے تو وہ اس پر پھول گئے جو ان کے پاس کچھ علم تھا

اور انھیں اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

معجزات دیکھ کر مذاق کرنے والوں پر عذاب آنے کا بیان

"فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلهمْ بِالْبَيِّنَاتِ" الْمُعْجِزَات الظَّاهِرَات "فَرِحُوا" أَيْ الْكُفَّار فَرَح اسْتِهْزَاء وَضَحِك "بِمَا عِنْدهمْ" أَيْ الرُّسُل "مِنْ الْعِلْم" مُنْكِرِينَ لَهُ "وَحَاقَ" نَزَلَ "بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ" أَيْ الْعَذَاب،

پھر جب ان کے رسول ان کے پاس واضح دلیلیں یعنی ظاہر معجزات لے کر آئے تو وہ کفار بہ طور مذاق اس پر پھول گئے اور مذاق سے ہنسنے لگے۔ جوان یعنی رسولان گرامی کے پاس کچھ علم تھا اور انھیں یعنی منکرین کو اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ لہٰذا وہ عذاب ان پر آ کر رہا۔

یعنی یہ لوگ دنیا کی ظاہری زندگی اور اس کے منافع حاصل کرنے کو تو کچھ جانتے سمجھتے ہیں، مگر آخرت جہاں ہمیشہ رہنا ہے اور جہاں کی راحت وکلفت دائمی ہے اس سے بالکل جاہل وغافل ہیں۔ اس آیت میں بھی اگر یہی علم ظاہر دنیا کا مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ لوگ چونکہ قیامت اور آخرت کے منکر اور وہاں کی راحت وکلفت سے جاہل وغافل ہیں۔ اس لئے اپنے اسی ظاہری ہنر پر خوش اور مگن ہو کر انبیاء کے علوم کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ (تفسیر مظہری، سورہ مؤمن، لاہور)

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ۝
پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو انھوں نے کہا ہم اس اکیلے اللہ پر ایمان لائے اور ہم نے ان کا انکار کیا جنھیں ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے تھے۔ پھر یہ نہ تھا کہ ان کا ایمان انھیں فائدہ دیتا، جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ یہ اللہ کا طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں گزر چکا اور اس موقع پر کافر خسارے میں رہے۔

عذاب کو دیکھ کر ایمان لانے سے فائدہ نہ ہونے کا بیان

"فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسنَا" أَيْ شِدَّة عَذَابنَا،

"فَلَمْ يَكُ يَنْفَعهُمْ إيمَانهمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسنَا سُنَّة اللَّه" نَصْبه عَلَى الْمَصْدَر بِفِعْلٍ مُقَدَّر مِنْ لَفْظه "الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَاده" فِي الْأُمَم أَنْ لَا يَنْفَعهُمْ الْإِيمَان وَقْت نُزُول الْعَذَاب "وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ" تَبَيَّنَ خُسْرَانهمْ لِكُلِّ أَحَد وَهُمْ خَاسِرُونَ فِي كُلّ وَقْت قَبْل ذَلِكَ،

پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا یعنی اس کی شدت کو دیکھا۔ تو انھوں نے کہا ہم اس اکیلے اللہ پر ایمان لائے۔ اور ہم نے ان کا انکار کیا جنھیں ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے تھے۔

پھر یہ نہ تھا کہ ان کا ایمان انھیں فائدہ دیتا، جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ یہ اللہ کا طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں گزر چکا یعنی تو اس وقت ان کا ایمان انہیں کوئی نفع نہ دے گا۔ یہاں پر لفظ سنت مصدر ہونے کے سبب منصوب ہے جو اسی لفظ سے فعل مقدر ہے۔ جو امتوں میں مسلسل قانون چلا آرہا ہے کہ عذاب کو دیکھ کر ایمان لانے کے وقت وہ انہیں کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اور اس موقع پر کافر خسارے میں رہے۔ ورنہ کفار تو پہلے بھی ہر وقت نقصان اٹھانے والے ہی تو ہیں۔

اللہ کے عذابوں کو آتا ہوا بلکہ آیا ہوا دیکھ کر ایمان کا اقرار کیا اور توحید تسلیم بھی کر لی۔ اور غیر اللہ سے صاف انکار بھی کیا، لیکن اس وقت کی نہ توبہ قبول نہ ایمان قبول نہ اسلام مسلم۔ فرعون نے بھی غرق ہوتے ہوئے کہا تھا کہ میرا اس اللہ جل شانہ پر ایمان ہے جس پر بنی اسرائیل کا ایمان ہے میں اس کے سوا کسی کو لائق عبادت نہیں مانتا میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ اللہ جل شانہ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ اب ایمان لانا بیسود ہے۔ بہت نافرمانیاں اور شرانگیزیاں کر چکے ہو۔ حضرت موسیٰ نے بھی اس سرکش کیلئے یہی دعائے ضرر کی تھی کہ اے اللہ جل شانہ آل فرعون کے دلوں کو اس قدر سخت کر دے کہ عذاب الیم دیکھ لینے تک انہیں ایمان نصیب نہ ہو۔ پس یہاں بھی فرمان باری ہے کہ عذابوں کا معائنہ کرنے پر ایمان کی قبولیت نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ یہ اللہ کا حکم عام ہے۔ جو بھی عذابوں کو دیکھ کر توبہ کرے اس کی توبہ نامقبول ہے۔ حدیث شریف میں ہے غرغرے سے پہلے تک کی توبہ قبول ہے۔ جب دم سینے میں انکا روح حلقوم تک پہنچ گئی فرشتوں کو دیکھ لیا اب کوئی توبہ نہیں۔ اسی لئے آخر میں ارشاد فرمایا کہ کفار ٹوٹے اور گھاٹے میں ہی ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ مؤمن، بیروت)

سورہ غافر کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ غافر کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت حم السجدہ ہے

سورت فصلت کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سورة حم السجدة (مكية و آياتها 53 أو 54 نزلت بعد غافر)

اس سورت کا نام سورہ فُصِلَتْ بھی ہے اور سورہ سجدہ و سورہ مصابیح بھی ہے، یہ سورت مکیہ ہے، اس میں چھ ۶ رکوع، چوّن آیات اور سات سو چھیانوے کلمات اور تین ہزار تین سو پچاس حروف ہیں۔ اور یہ سورت غافر کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورت فصلت کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کی تیسری آیت میں کتاب کی صفت لفظ فصلت سے بیان کی گئی ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ قرآن کی آیات احکام کو کھول کھول کر بیان کرتی ہیں۔ لہٰذا اسی سبب سے اس سورت کا نام فصلت معروف ہوا ہے۔

حٰمٓ ۝ تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝
بَشِيۡرًا وَّ نَذِيۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ۝
حا، میم، حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس بے حد رحم والے، نہایت مہربان کی طرف سے
اتاری ہوئی ہے۔ ایسی کتاب جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں، عربی قرآن ہے، ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔
خوشخبری سنانے والا ہے اور ڈر سنانے والا ہے، پھر ان میں سے اکثر لوگوں نے رُوگردانی کی، پس وہ سنتے ہی نہیں ہیں۔

قرآن مجید کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے کا بیان

"حم" الله أعلم بمراده به "تنزيل من الرحمن الرحيم" "مبتدأ" "كتاب" خبره "فصلت آياته" بينت بالأحكام والقصص والمواعظ "قرآنا عربيا" حال من كتاب بصفته "لقوم" متعلق بفصلت "يعلمون" يفهمون ذلك، وهم العرب "بشيرا" صفة قرآنا "ونذيرا فأعرض أكثرهم فهم لا يسمعون" سماع قبول

حا، میم، حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس بے حد رحم والے، نہایت مہربان کی طرف سے

اتاری ہوئی ہے۔ یہاں پر لفظ تنزیل مبتداء ہے اور کتاب اس کی خبر ہے۔ ایسی کتاب جس کی آیات کھول کر بیان کی گئی ہیں، یعنی اس میں احکام، قصص، مواعظ کو بیان کر دیا گیا ہے۔ عربی قرآن ہے، یہاں پر لفظ قرآنا یہ صفت کے طور کتاب سے حال ہے۔ اور لفظ لقوم یہ فصلت کے متعلق ہے۔ یعنی ایسے لوگوں کیلئے جو اپنے آپ کو اہل عرب سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔ خوشخبری سنانے والا ہے، لفظ بشیر یہ قرآن کی صفت ہے اور ڈر سنانے والا ہے، پھر ان میں سے اکثر لوگوں نے رُوگردانی کی سو وہ اسے سنتے ہی نہیں ہیں۔ یعنی سن بھی لیں تو قبول نہیں کرتے۔

اس سورت کے شان نزول کی روایات میں بتلایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ سرداران قریش نے باہم مشورہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہی ہو رہا ہے ہمیں اس کے سدباب کے لیے ضرور کچھ کرنا چاہیے چنانچہ انہوں نے اپنے میں سے سب سے زیادہ بلیغ و فصیح آدمی عتبہ بن ربیعہ کا انتخاب کیا تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرے چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور آپ پر عربوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کا الزام عائد کر کے پیشکش کی کہ اس نئی دعوت سے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد مال و دولت کا حصول ہے تو وہ ہم جمع کیے دیتے ہیں قیادت وسیادت منوانا چاہتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم اپنا لیڈر اور سردار مان لیتے ہیں کسی حسین عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ایک نہیں ایسی دس عورتوں کا انتظام ہم کر دیتے ہیں اور اگر آپ پر آسیب کا اثر ہے جس کے تحت آپ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں تو ہم اپنے خرچ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علاج کرا دیتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تمام باتیں سن کر اس سورت کی تلاوت اس کے سامنے فرمائی جس سے وہ بڑا متاثر ہوا اس نے واپس جا کر سرداران قریش کو بتلایا کہ وہ جو چیز پیش کرتا ہے۔

وہ جادو اور کہانت ہے نہ شعر و شاعری مطلب اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر سرداران قریش کو غور و فکر کی دعوت دینا تھا لیکن وہ غور و فکر کیا کرتے؟ الٹا عتبہ پر الزام لگا دیا کہ تو بھی اس کے سحر کا اسیر ہو گیا ہے یہ روایات مختلف انداز سے اہل سیر و تفسیر نے بیان کی ہیں۔ یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قریش کا اجتماع ضرور ہوا انہوں نے عتبہ کو گفتگو کے لیے بھیجا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس سورت کا ابتدائی حصہ سنایا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ فصلت، بیروت)

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا
وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝
اور انھوں نے کہا ہمارے دل اس بات سے پردوں میں ہیں جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے اور ہمارے کانوں میں ایک بوجھ ہے
اور ہمارے درمیان اور تیرے درمیان ایک حجاب ہے، پس تو عمل کر، بے شک ہم بھی عمل کرنے والے ہیں۔

کفار کے دلوں میں پردے ہونے کا بیان

"وقالوا" للنبی "قلوبنا فی أکنة" أغطیة "مما تدعونا إلیه وفی آذاننا وقر" ثقل "ومن بیننا وبینك

حجاب" خلاف في الدين "فاعمل" على دينك "إننا عاملون" على ديننا،

اور انھوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا ہمارے دل اس بات سے پردوں میں ڈھانپے ہوئے ہیں جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں ایک بوجھ ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے، یعنی دین مختلف ہے۔ پس آپ اس پر عمل کریں، بےشک ہم بھی اپنے دین پر عمل کرنے والے ہیں۔

کفار کا اپنے آپ کو حق سے معذور ظاہر کرنے کا بیان

اس جگہ کفار قریش کے تین قول نقل کئے گئے، اول یہ کہ آپ کے کلام سے ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے آپ کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ دوسرے یہ کہ آپ کے کلام سے ہمارے کان بہرے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہمارے اور آپ کے درمیان پردے حائل ہیں۔ قرآن میں اس قول کو بطور مذمت کے نقل کیا ہے۔ جس سے ان کا کہنا غلط معلوم ہوتا ہے۔ مگر دوسری جگہ خود قرآن نے ان کا ایسا ہی حال بیان فرمایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کا اس کہنے سے مطلب یہ تھا کہ ہم تو مجبور و معذور ہیں کہ ہمارے دلوں پر پردہ اور کانوں میں بوجھ اور درمیانی حجابات ہیں، تو ہم کیسے آپ کی بات سنیں اور مانیں گویا اپنے آپ کو مجبور ثابت کرنا تھا۔ اور قرآن نے جو ان کا ایسا ہی حال بیان فرمایا، اس میں ان کو مجبور نہیں قرار دیا بلکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ ان میں آیات آلٰہیہ کو سننے اور سمجھنے کی پوری صلاحیت تھی مگر جب انہوں نے کسی طرح ادھر کان بھی نہ لگائے اور سمجھنے کا ارادہ بھی نہ کیا تو سزا کے طور پر ان پر غفلت و جہالت مسلط کر دی گئی مگر وہ بھی اس درجہ میں نہیں کہ یہ لوگ مسلوب الاختیار ہو جائیں، بلکہ اب بھی ارادہ کر لیں تو پھر سننے اور سمجھنے کی صلاحیت عود کر آئے گی۔

ہم بہرے ہیں، آپ کی بات ہمارے سننے میں نہیں آتی، اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ آپ ہم سے ایمان و توحید کے قبول کرنے کی توقع نہ رکھئے، ہم کسی طرح ماننے والے نہیں اور نہ ماننے میں ہم بمنزلہ اس شخص کے ہیں جو نہ سمجھتا ہو، نہ سنتا ہو۔ لہٰذا تم اپنے دین پر رہو، ہم اپنے دین پر قائم ہیں یا یہ معنی ہیں کہ تم سے ہمارا کام بگاڑنے کی جو کوشش ہو سکے وہ کرو، ہم بھی تمہارے خلاف جو ہو سکے گا کریں گے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ فصلت، لاہور)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا
اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ○
فرما دیجئے: بس میں ظاہراً آدمی ہونے میں تو تم ہی جیسا ہوں میری طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ تمہارا معبود فقط معبود یکتا ہے،
پس تم اسی کی طرف سیدھے متوجہ رہو اور اس سے مغفرت چاہو، اور مشرکوں کے لئے ہلاکت ہے۔

نبی کریم ﷺ کی جانب وحی کے نازل ہونے کا بیان

"قل إنما أنا بشر مثلكم يوحى إلي إنما إلهكم إله واحد فاستقيموا إليه " بالإيمان والطاعة

"واستغفروه وويل" كلمة عذاب،

فرمادیجئے (اے کافرو!) بس میں ظاہراً آدمی ہونے میں تو تم ہی جیسا ہوں (پھر مجھ سے اور میری دعوت سے اس قدر کیوں گریزاں ہو) میری طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے کہ تمہارا معبود فقط معبود یکتا ہے، پس تم اسی کی طرف سیدھے متوجہ رہو یعنی ایمان لاؤ اور طاعت اختیار کرو۔ اور اس سے مغفرت چاہو، اور مشرکوں کے لئے ہلاکت ہے۔ لفظ ویل یہ عذاب کا کلمہ ہے۔

اے اکرمُ الخلق سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم براہِ تواضع ان لوگوں کے ارشادات و ہدایات کے لئے کہ۔ ظاہر میں، کہ میں دیکھا بھی جاتا ہوں، میری بات بھی سنی جاتی ہے اور میرے تمہارے درمیان میں بظاہر کوئی جنسی مغایرت بھی نہیں ہے تو تمہارا یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ میری بات نہ تمہارے دل تک پہنچے، نہ تمہارے سننے میں آئے اور میرے تمہارے درمیان کوئی روک ہو، بجائے میرے کوئی غیرِ جنس جن یا فرشتہ آتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ نہ وہ ہمارے دیکھنے میں آئیں، نہ ان کی بات سننے میں آئے، نہ ہم ان کے کلام کو سمجھ سکیں، ہمارے ان کے درمیان تو جنسی مخالفت ہی، بڑی روک ہے لیکن یہاں تو ایسا نہیں کیونکہ میں بشری صورت میں جلوہ نما ہوا تو تمہیں مجھ سے مانوس ہونا چاہئے اور میرے کلام کے سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی بہت کوشش کرنا چاہئے کیونکہ میرا مرتبہ بہت بلند ہے اور میرا کلام بہت عالی ہے، اس لئے میں وہی کہتا ہوں جو مجھے وحی ہوتی ہے۔

فائدہ: سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بلحاظِ ظاہر (قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ، فصلت:6) فرمانا حکمت ہدایت وارشاد کے لئے بطریق تواضع ہے اور جو کلمات تواضع کے لئے کہے جائیں وہ تواضع کرنے والے کے علوِ منصب کی دلیل ہوتے ہیں، چھوٹوں کا ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا اس سے برابری ڈھونڈھنا ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے۔

تو کسی امتی کو روا نہیں کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ آپ کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے ہماری بشریت کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ فصلت، لاہور)

الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝
وہ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرنے والے بھی وہی ہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے
اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

زکوٰۃ نہ دینے والوں اور آخرت کا انکار کرنے والوں کا بیان

"الذين لا يؤتون الزكاة وهم بالآخرة هم" تأكيد، "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات لهم أجر غير ممنون" مقطوع،

وہ جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرنے والے بھی وہی ہیں۔ یہ بہ طور تاکید ہے۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ ان کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

زکوٰۃ کے ذریعے تزکیہ نفس ہونے کا بیان

ان آیتوں میں زکوٰۃ یعنی پاکی سے مطلب نفس کو بیہودہ اخلاق سے دور کرنا ہے اور سب سے بڑی اور پہلی قسم اس کی شرک سے پاک ہونا ہے، اسی طرح آیت مندرجہ بالا میں بھی زکوٰۃ نہ دینے سے توحید کا نہ ماننا مراد ہے۔ مال کی زکوٰۃ کو زکوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حرمت سے پاک کر دیتی ہے۔ اور زیادتی اور برکت اور کثرت مال کا باعث بنتی ہے۔ اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ کی توفیق ہوتی ہے۔ لیکن امام سعدی، ماویہ بن قرہ، قتادہ اور اکثر مفسرین نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ مال زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔ اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

امام ابن جریر بھی اسی کو مختار کہتے ہیں۔ لیکن یہ قول تامل طلب ہے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ فرض ہوتی ہے مدینے میں جا کر ہجرت کے دوسرے سال۔ اور یہ آیت اتری ہے مکے شریف میں۔ زیادہ سے زیادہ اس تفسیر کو مان کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ صدقے اور زکوٰۃ کی اصل کا حکم تو نبوت کی ابتدا میں ہی تھا، جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے (وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ، الانعام: 141) جس دن کھیت کاٹو اس کا حق دے دیا کرو۔ ہاں وہ زکوٰۃ جس کا نصاب اور جس کی مقدار من جانب اللہ مقرر ہے وہ مدینے میں مقرر ہوئی۔ یہ قول ایسا ہے جس سے دونوں باتوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ خود نماز کو دیکھئے کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے ابتداء نبوت میں ہی فرض ہو چکی تھی۔ لیکن معراج والی رات ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے پانچوں نمازیں باقاعدہ شروط وارکان کے ساتھ مقرر ہو گئیں۔ اور رفتہ رفتہ اس کے تمام متعلقات پورے کر دیئے گئے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فصلت، بیروت)

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
فرما دیجئے: کیا تم اس کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا فرمایا اور تم اس کے لئے ہمسر ٹھہراتے ہو،
وہی سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

زمین کی تخلیق دو ایام میں ہو جانے کا بیان

"قل أإنكم" بتحقيق الهمزة الثانية وتسهيلها وإدخال ألف بينها بوجهيها وبين الأولى "لتكفرون بالذي خلق الأرض في يومين" الأحد والاثنين "وتجعلون له أندادا" شركاء "ذلك رب" أي مالك "العالمين" جمع عالم, وهو ما سوى الله وجمع لاختلاف أنواعه بالياء والنون, تغليبا للعقلاء،

فرما دیجئے، کیا تم اس اللہ کا انکار کرتے ہو، یہاں پر دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ دونوں کی تسہیل جبکہ دونوں کے درمیان الف

داخل کیا جائے۔ جس نے زمین کو دو دن یعنی اتوار اور پیر میں پیدا فرمایا اور تم اس کے لئے ہمسر یعنی شریک ٹھہراتے ہو، وہی سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ لفظ عالمین یہ عالم کی جمع ہے۔ اور عالم وہ ہے جو اللہ کے سوا ہے۔ اور جمع اس لئے لایا گیا ہے کیونکہ اس کی انواع مختلف ہیں۔ اہل عقل کے غلبہ کے سبب اس کو یاء اور نون کے ساتھ لایا گیا ہے۔

تخلیق کائنات کا مرحلہ وار ذکر کا بیان

ہر چیز کا خالق ہر چیز کا مالک ہر چیز پر حاکم ہر چیز پر قادر صرف اللہ ہے۔ پس عبادتیں بھی صرف اسی کی کرنی چاہئیں۔ اس نے زمین جیسی وسیع مخلوق کو اپنی کمال قدرت سے صرف دو دن میں پیدا کر دیا ہے۔ تمہیں نہ اس کے ساتھ کفر کرنا چاہے نہ شرک۔ جس طرح سب کا پیدا کرنے والا وہی ایک ہے۔ ٹھیک اسی طرح سب کا پالنے والا بھی وہی ایک ہے۔ یہ تفصیل یاد رہے کہ اور آیتوں میں زمین و آسمان کا چھ دن میں پیدا کرنا بیان ہوا ہے۔ اور یہاں اس کی پیدائش کا وقت الگ بیان ہو رہا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ پہلے زمین بنائی گئی۔ عمارت کا قاعدہ یہی ہے کہ پہلے بنیادیں اور نیچے کا حصہ تیار کیا جاتا ہے پھر اوپر کا حصہ اور چھت بنائی جاتی ہے۔ چنانچہ کلام اللہ شریف کی ایک اور آیت میں ہے اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین میں جو کچھ ہے پیدا کر کے پھر آسمانوں کی طرف توجہ فرمائی اور انہیں ٹھیک سات آسمان بنا دیئے۔ ہاں سورہ نازعات میں (وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا، النازعات:30) ہے پہلے آسمان کی پیدائش کا ذکر ہے پھر فرمایا ہے کہ زمین کو اس کے بعد بچھایا۔ اس سے مراد زمین میں سے پانی چارہ نکالنا اور پہاڑوں کا گاڑنا ہے جیسے کہ اس کے بعد کا بیان ہے۔ یعنی پیدا پہلے زمین کی گئی پھر آسمان پھر زمین کو ٹھیک ٹھاک کیا۔ لہٰذا دونوں آیتوں میں کوئی فرق نہیں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے پوچھا کی بعض آیتوں میں مجھے کچھ اختلاف سا نظر آتا ہے چنانچہ ایک آیت میں ہے (فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ، المؤمنون: 101) یعنی قیامت کے دن آپس کے نسب نہ ہوں گے اور نہ ایک دوسرے سے سوال کرے گا۔ دوسری آیت میں ہے (وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ، الصافات: 27) یعنی بعض آپس میں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھ گچھ کریں گے۔ ایک آیت میں ہے (وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا، النسآء: 42) یعنی اللہ سے کوئی بات چھپائیں گے نہیں۔ دوسری آیت میں ہے کہ مشرکین کہیں گے (وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ، الانعام: 23) اللہ کی قسم ہم نے شرک نہیں کیا۔ ایک آیت میں ہے زمین کو آسمان کے بعد بچھایا (وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا، النازعات: 30) دوسری آیت (قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ، آل عمران: 15)، میں پہلے زمین کی پیدائش پھر آسمان کی پیدائش کا ذکر ہے۔ ایک تو ان آیتوں کا صحیح مطلب بتائے جس سے اختلاف اٹھ جائے۔ دوسرے یہ جو فرمایا ہے (اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا، النسآء: 158) تو کیا یہ مطلب ہے کہ اللہ ایسا تھا؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ جن دو آیتوں میں سے ایک میں آپس کا سوال جواب ہے اور ایک میں ان کا انکار ہے۔

یہ دو وقت ہیں صور میں دو نفخے پھونکے جائیں گے ایک کے بعد آپس کی پوچھ گچھ کچھ نہ ہوگی ایک کے بعد آپس میں ایک

دوسرے سے سوالات ہوں گے۔ جن دو دوسری آیتوں میں ایک میں بات کے نہ چھپانے کا اور ایک میں چھپانے کا ذکر ہے یہ بھی دو موقعے ہیں جب مشرکین دیکھیں گے کہ موحدوں کے گناہ بخش دیئے گئے تو کہنے لگے کہ ہم مشرک نہ تھے۔ لیکن جب منہ پر مہر لگ جائیں گی اور اعضاء بدن گواہی دینے لگیں گے تو اب کچھ بھی نہ چھپے گا۔ اور خود اپنے کرتوت کے اقراری ہو جائیں گے اور کہنے لگیں گے کاش کے ہم زمین کے برابر کر دیئے جاتے۔ آسمان و زمین کی پیدائش کی ترتیب بیان میں بھی دراصل کچھ اختلاف نہیں پہلے دو دن میں زمین بنائی گئی پھر آسمان کو دو دن میں بنایا گیا پھر زمین کی چیزیں پانی، چارہ، پہاڑ، کنکر، ریت، جمادات، ٹیلے وغیرہ دو دن میں پیدا کئے یہی معنیٰ لفظ دحاھا کے ہیں۔ پس زمین کی پوری پیدائش چار دن میں ہوئی۔ اور دو دن میں آسمان۔ اور جو نام اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مقرر کئے ہیں ان کا بیان فرمایا ہے وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ اللہ کا کوئی ارادہ پورا ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ پس قرآن میں ہرگز اختلاف نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میرا ہاتھ پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مٹی کو ہفتے کے روز پیدا کیا اس میں پہاڑوں کو اتوار کے دن رکھا درخت پیر والے دن پیدا کئے مکروہات کو منگل کے دن نور کو بدھ کے دن پیدا کیا اور جانوروں کو زمین میں جمعرات کے دن پھیلا دیا اور جمعہ کے دن عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت حضرت آدم کو پیدا کیا اور کل مخلوقات پوری ہوئی۔ مسلم اور نسائی میں یہ حدیث ہے لیکن یہ بھی غرائب صحیح میں سے ہے۔

اور امام بخاری نے تاریخ میں اسے معلل بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ اسے بعض راویوں نے حضرت ابو ہریرہ سے اور انہوں نے اسے کعب احبار سے روایت کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فصلت، بیروت)

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَآ اَقْوَاتَهَا فِيٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ط سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ٥
اور اس کے اندر بھاری پہاڑ اس کے اوپر رکھ دیئے اور اس کے اندر برکت رکھی، اور اس میں غذائیں مقرر فرمائے
چار دنوں میں مکمل کیا، تمام طلب گاروں کے لئے برابر ہے۔

زمین کے اندر مختلف خزانے ہونے کا بیان

"وجعل" مستأنف ولا يجوز عطفه على صلة الذى للفاصل الأجنبى "فيها رواسي" جبالا ثوابت "من فوقها وبارك فيها" بكثرة المياه والزروع والضروع "وقدر" قسم "فيها أقواتها" للناس والبهائم "في" تمام "أربعة أيام" أى الجعل وما ذكر معه في يوم الثلاثاء والأربعاء "سواء" منصوب على المصدر, أى استوت الأربعة استواء لا تزيد ولا تنقص "للسائلين" عن خلق الأرض بما فيها،

یہاں پر جعل سے جملہ مستأنفہ ہے جس کا عطف الذی کے صلہ پر اجنبی فاصل کے سبب جائز نہیں ہے۔ اور اس کے اندر سے

بھاری پہاڑ نکال کر اس کے اوپر رکھ دیئے۔ اور اس کے اندر (معدنیات، آبی ذخائر، قدرتی وسائل اور دیگر قوتوں کی) برکت رکھی، اور اس میں جملہ مخلوق یعنی لوگوں اور حیوانات کے لئے غذائیں مقرر فرمائیں۔ یہ سب کچھ اس نے چار دنوں یعنی چار ارتقائی زمانوں جو یوم اربعاء اور ثلاثہ ہے اس میں مکمل کیا، یہاں پر سواء یہ مصدر کے سبب منصوب ہے۔ یعنی چار دنوں میں اس کو برابر کیا جس میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہوئی۔ یہ سارا رزق اصلاً تمام طلب گاروں اور حاجت مندوں کے لئے برابر ہے۔

اس کا ایک ایک لفظ اللہ کی طرف سے ہے، زمین کو اللہ تعالیٰ نے دو دن میں پیدا کیا ہے یعنی اتوار اور پیر کے دن، اور زمین میں زمین کے اوپر ہی پہاڑ بنا دیئے اور زمین کو اس نے بابرکت بنایا، تم اس میں بیج بوتے ہو درخت اور پھل وغیرہ اس میں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اہل زمین کو جن چیزوں کی احتیاج ہے وہ اسی میں سے پیدا ہوتی رہتی ہیں زمین کی یہ درستگی منگل بدھ کے دن ہوئی۔ چار دن میں زمین کی پیدائش ختم ہوئی۔ جو لوگ اس کی معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے انہیں پورا جواب مل گیا۔ زمین کے ہر حصے میں اس نے وہ چیز مہیا کر دی جو وہاں والوں کے لائق تھی۔ مثلاً عصب یمن میں۔ سابوری میں ابور میں۔ طیالسہ رے میں۔ یہی مطلب آیت کے آخری جملے کا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کی جو حاجت تھی اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے مہیا کر دی۔ اس معنی کی تائید اللہ کے اس فرمان سے ہوتی ہے (وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ 34)-14 ابراھیم:34) تم نے جو جو مانگا اللہ نے تمہیں دیا۔

(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ فصلت، بیروت)

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ○
پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ ایک دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے کہا کہ آ ؤ خوشی سے
یا ناخوشی سے۔ دونوں نے کہا ہم خوشی سے آ گئے۔

دخان کی طرح ہونے والے آسمان کی تخلیق کا بیان

"ثم استوى" قصد "إلى السماء وهي دخان" بخار مرتفع "فقال لها وللأرض ائتيا" إلى مرادى منكما "طوعا أو كرها " في موضع الحال , أي طائعتين أو مكرهتين "قالتا أتينا " بمن فينا "طائعين" فيه تغليب المذكر العاقل أو نزلتا لخطابهما منزلته،

پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ ایک دھواں تھا۔ یعنی بخارات کی طرح بلند ہونے والا ہے۔ تو اس نے اس سے اور زمین سے کہا کہ آ ؤ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ یہ دونوں حال کی جگہ پر ہیں۔ لہٰذا تم میری اطاعت کرو۔ خواہ تم خوشی سے آ ؤ یا مجبور ہو کر آ ؤ۔ تو ان دونوں نے کہا ہم خوشی سے آ گئے۔ یعنی اس کے ساتھ جو کچھ ان میں ہے یہاں پر غالب کے پیش نظر مذکر لایا گیا ہے۔ یا ان دونوں کو خطاب ان کے حکم میں ہے۔

پھر جناب باری نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی وہ دھویں کی شکل میں تھا، زمین کے پیدا کئے جانے کے وقت پانی کے جو ابخرات اٹھے تھے۔ اب دونوں سے فرمایا کہ یا تو میرے حکم کو مانو اور جو میں کہتا ہوں ہو جاؤ خوشی سے یا ناخوشی سے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مثلاً آسمانوں کو حکم ہوا کہ سورج چاند ستارے طلوع کرے زمین سے فرمایا اپنی نہریں جاری کر اپنے پھل اگا وغیرہ۔ دونوں فرمانبرداری کیلئے راضی خوشی تیار ہو گئے۔ اور عرض کیا کہ ہم مع اس تمام مخلوق کے جسے تو رچانے والا ہے تابع فرمان ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ انہیں قائم مقام کلام کرنے والوں کیلئے کیا گیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمین کے اس حصے نے کلام کیا جہاں کعبہ بنایا گیا ہے اور آسمان کے اس حصے نے کلام کیا جو ٹھیک اس کے اوپر ہے۔

امام حسن بصری فرماتے ہیں اگر آسمان وزمین اطاعت گزاری کا اقرار نہ کرتے تو انہیں سزا ہوتی جس کا احساس بھی انہیں ہوتا۔ پس دو دن میں ساتوں آسمان اس نے بنا دیئے یعنی جمعرات اور جمعہ کے دن۔ اور ہر آسمان میں اس نے جو جو چیزیں اور جیسے جیسے فرشتے مقرر کرنے چاہے مقرر فرما دیئے اور دنیا کے آسمان کو اس نے ستاروں سے مزین کر دیا جو زمین پر چمکتے رہتے ہیں اور جو ان شیاطین کی نگہبانی کرتے ہیں جو ملاء اعلیٰ کی باتیں سننے کیلئے اوپر چڑھنا چاہتے ہیں۔ یہ تدبیر و اندازہ اس اللہ کا قائم کردہ ہے جو سب پر غالب ہے جو کائنات کے ایک ایک چپے کی ہر چھپی کھلی حرکت کو جانتا ہے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ فصلت، بیروت)

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ
الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝
تو اس نے انھیں دو دنوں میں سات آسمان پورے بنا دیا اور ہر آسمان میں اس کے کام کی وحی فرمائی اور ہم نے قریب کے آسمان
کو چراغوں کے ساتھ زینت دی اور خوب محفوظ کر دیا۔ یہ اس کا اندازہ ہے جو سب پر غالب، سب کچھ جاننے والا ہے۔

آسمانوں کی تخلیق کا بیان

"فقضاهن" الضمير يرجع إلى السماء لأنها في معنى الجمع الآيلة إليه , أي صيرها "سبع سماوات في يومين" الخميس والجمعة فرغ منها في آخر ساعة منه , وفيها خلق آدم ولذلك لم يقل هنا سواء , ووافق ما هنا آيات خلق السماوات والأرض في ستة أيام "وأوحى في كل سماء أمرها" الذي أمر به من فيها من الطاعة والعبادة "وزينا السماء الدنيا بمصابيح" بنجوم "وحفظا" منصوب بفعله المقدر , أي حفظناها من استراق الشياطين السمع بالشهب "ذلك تقدير العزيز" في ملكه "العليم" بخلقه

تو اس نے انھیں دو دنوں میں سات آسمان پورے بنا دیا، یہاں پر لفظ قضاھن کی ضمیر السماء کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کیونکہ السماء یہ مایول کے اعتبار سے جمع کے معنی میں ہیں۔ اور وہ سات آسمان ہیں جو دو دنوں میں بنے ہیں۔ جو جمعرات اور جمعہ کا دن تھا۔ اور جمعہ کی آخری ساعت میں اس سے فراغت ہوئی۔ اور اسی میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ اسی سبب سے یہاں مکمل دن نہیں کہا۔ اور وہ آیات بھی موافق ہیں جن میں زمین وآسمانوں کی تخلیق کو چھ دنوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اور ہر آسمان میں

اس کے کام کی وحی فرمائی جس میں اپنی عبادت وطاعت کا حکم دیا۔اور ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں یعنی ستاروں کے ساتھ زینتِ دی اور خوب محفوظ کر دیا۔ یہاں پر لفظ حفظنا یہ فعل مقدر کے سبب منصوب ہے۔یعنی شیاطین کی چوری باتوں کو سننے سے ہم نے شہاب کے ذریعے حفاظت کی۔یہ اس کا اندازہ ہے جو اپنے ملک میں غالب، اپنی مخلوق کو جاننے والا ہے۔

ابن جریر کی روایت میں ہے یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان وزمین کی پیدائش کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اتوار اور پیر کے دن اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا اور پہاڑوں کو منگل کے دن پیدا کیا اور جتنے نفعات اس میں ہیں اور بدھ کے دن درختوں کو پانی کو شہروں کو اور آبادی اور ویرانے کو پیدا کیا تو یہ چار دن ہوئے۔اسے بیان فرما کر پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ جمعرات والے دن آسمان کو پیدا کیا اور جمعہ کے دن ستاروں کو اور سورج چاند کو اور فرشتوں کو پیدا کیا تین ساعت کے باقی رہنے تک۔ پھر دوسری ساعت میں ہر چیز میں آفت ڈالی جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔اور تیسری میں آدم کو پیدا کیا انہیں جنت میں بسایا ابلیس کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا۔اور آخری ساعت میں وہاں سے نکال دیا۔یہودیوں نے کہا اچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس کے بعد کیا ہوا؟ فرمایا پھر عرش پر مستوی ہو گیا انہوں نے کہا سب تو ٹھیک کہا لیکن آخری بات یہ کہی کہ پھر آرام حاصل کیا۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور یہ آیت اتری (وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ، ق:38)یعنی ہم نے آسمان وزمین اور جو ان کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا کیا اور ہمیں کوئی تھکان نہیں ہوئی۔تو ان کی باتوں پر صبر کر۔(جامع البیان، سورہ فصلت، بیروت)

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝
پھر اگر وہ رُوگردانی کریں تو آپ فرما دیں: میں تمہیں اس خوفناک عذاب سے ڈراتا ہوں جو عاد اور ثمود کی ہلاکت کے مانند ہوگا۔

کفار مکہ کی حق سے روگردانی کے سبب عذاب کا بیان

"فإن أعرضوا " أي كفار مكة عن الإيمان بعد هذا البيان "فقل أنذرتكم " خوفتكم "صاعقة مثل صاعقة عاد وثمود" عذابا يهلككم مثل الذي أهلكهم،

پھر اگر وہ کفار مکہ اس بیان کے بعد بھی ایمان سے رُوگردانی کریں تو آپ فرما دیں: میں تمہیں اس خوفناک عذاب سے ڈراتا ہوں جس نے کڑک کی صورت میں قوم عاد اور ثمود کو ہلاکت کیا۔اس کی مانند ہوگا۔لہٰذا وہ تمہیں ہلاک کر دے گا۔

کفار مکہ کے سفیر عتبہ نے قرآن کو سن کر اس کی حقانیت کو جان لیا

امام بغوی کی روایت میں ہے کہ جب آپ اس سورت کی آیات پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہنچ گئے، (آیت) فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۔ تو عتبہ نے آپ کے منہ مبارک پر ہاتھ رکھ دیا۔اور اپنے نسب اور رشتہ کی قسم دی کہ ان پر رحم کیجئے۔آگے کچھ نہ فرمایئے۔اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

یہ آیات پڑھنا شروع کیں تو عتبہ خاموشی کے ساتھ سننے لگا اور اپنے ہاتھوں کی پیٹھ پیچھے ٹیک لگالی تا کہ غور سے سن سکے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس صورت کی آیت سجدہ پر پہنچ گئے۔ اور آپ نے سجدہ کیا۔ پھر عتبہ کو خطاب کر کے فرمایا۔

اے ابوالولید۔ آپ نے سن لیا، جو کچھ سنا اب آپ کو اختیار ہے جو چاہو کرو۔ عتبہ آپ کی مجلس سے اٹھ کر اپنی مجلس کی طرف چلا تو یہ لوگ دور سے عتبہ کو دیکھ کر آپس میں کہنے لگے کہ خدا کی قسم ابوالولید کا چہرہ بدلا ہوا ہے۔ آپ کا وہ چہرہ نہیں جس میں یہاں سے گئے تھے۔ جب عتبہ اپنی مجلس میں پہنچا تو لوگوں نے پوچھا کہو ابوالولید کیا خبر لائے۔ عتبہ ابوالولید نے کہا کہ میری خبر یہ ہے کہ

میں نے ایسا کلام سنا کہ خدا کی قسم اس سے پہلے کبھی ایسا کلام نہیں سنا تھا، خدا کی قسم نہ تو یہ جادو کا کلام ہے نہ شعر یا کاہنوں کا کلام ہے (جو وہ شیاطین سے حاصل کرتے ہیں)۔ اے میری قوم قریش تم میری بات مانو، اور اس معاملہ کو میرے حوالے کردو، میری رائے یہ ہے کہ تم لوگ ان کے مقابلہ اور ایذاء سے باز آجاؤ اور ان کو ان کے کام پر چھوڑ دو کیونکہ ان کے اس کلام کی ضرور ایک خاص شان ہونے والی ہے۔ تم بھی انتظار کرو، باقی عرب کے لوگوں کا معاملہ دیکھو۔ اگر قریش کے علاوہ باقی عرب لوگوں نے ان کو شکست دے دی تو تمہارا مطلب بغیر تمہاری کسی کوشش کے حاصل ہو گیا اور اگر وہ عرب پر غالب آگئے تو ان کی حکومت تمہاری حکومت ہوگی، ان کی عزت سے تمہاری عزت ہوگی اور اس وقت تم ان کی کامیابی کے شریک ہو گے۔ اس کے ساتھی قریشیوں نے جب اس کا یہ کلام سنا تو کہنے لگے کہ اے ابوالولید تم پر تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی زبان سے جادو کر دیا ہے۔ عتبہ نے کہا میری رائے تو یہی ہے، جو کچھ کہہ چکا آگے تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔ (سیرت ابن اسحاق، تفسیر بغوی، سورہ فصلت، بیروت)

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا
لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝
جب ان کے پاس ان کے آگے اور ان کے پیچھے پیغمبر آئے، کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، تو وہ کہنے لگے:
اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتوں کو اتار دیتا سو جو کچھ تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے کفار کا بیان

"إذ جاء تهم الرسل من بين أيديهم ومن خلفهم" أي مقبلين عليهم ومدبرين عنهم فكفروا كما سيأتي، والإهلاك في زمنه فقط "أن" أي بأن "لا تعبدوا إلا الله قالوا لو شاء ربنا لأنزل" علينا "ملائكة فإنا بما أرسلتم به" على زعمكم،

جب ان کے پاس ان کے آگے اور ان کے پیچھے یا ان سے پہلے اور ان کے بعد پیغمبر آئے تو انہوں نے ان کا انکار کیا جس طرح عنقریب اس کا بیان آرہا ہے۔ جن کی ہلاکت آپ ﷺ کے زمانہ میں ہوئی۔ اور کہا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، تو وہ کہنے لگے: اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتوں کو ہم پر اتار دیتا، پس جو کچھ تم دے کر بھیجے گئے ہو یعنی جیسا تمہارا عقیدہ ہے ہم اس کے منکر

ہیں۔

یہ خطاب ان کا حضرت ھود اور حضرت صالح اور تمام انبیاء سے تھا جنہوں نے ایمان کی دعوت دی، امام بغوی نے باسناد ثعلبی حضرت جابر سے روایت کی کہ جماعتِ قریش نے جن میں ابوجہل وغیرہ سردار بھی تھے یہ تجویز کیا کہ کوئی ایسا شخص جو شعر، سحر، کہانت میں ماہر ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کلام کرنے کے لئے بھیجا جائے چنانچہ عتبہ بن ربیعہ کا انتخاب ہوا، عتبہ نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آ کر کہا کہ آپ بہتر ہیں یا ہاشم؟ آپ بہتر ہیں یا عبدالمطلب ؟ آپ بہتر ہیں یا عبداللہ؟ آپ کیوں ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں؟ کیوں ہمارے باپ دادا کو گمراہ بتاتے ہیں؟ حکومت کا شوق ہو تو ہم آپ کو بادشاہ مان لیں، آپ کے پھریرے اڑائیں، عورتوں کا شوق ہو تو قریش کی جن لڑکیوں میں سے آپ پسند کریں ہم دس آپ کے عقد میں دیں، مال کی خواہش ہو تو اتنا جمع کر دیں جو آپ کی نسلوں سے بھی بچ رہے، سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تمام گفتگو خاموش سنتے رہے، جب عتبہ اپنی تقریر کر کے خاموش ہوا تو حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی سورت حٰم سجدہ پڑھی، جب آپ آیت (فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ، فصلت:13) پر پہنچے تو عتبہ نے جلدی سے اپنا ہاتھ حضور کے دہانِ مبارک پر رکھ دیا اور آپ کو رشتہ وقرابت کے واسطہ سے قسم دلائی اور ڈر کر اپنے گھر بھاگ گیا۔

جب قریش اس کے مکان پر پہنچے تو اس نے تمام واقعہ بیان کر کے کہا کہ خدا کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کہتے ہیں نہ وہ شعر ہے، نہ سحر ہے، نہ کہانت، میں ان چیزوں کو خوب جانتا ہوں، میں نے ان کا کلام سنا، جب انہوں نے آیت (فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ، فصلت:13) پڑھی تو میں نے ان کے دہانِ مبارک پر ہاتھ رکھ دیا اور انہیں قسم دی کہ بس کریں اور تم جانتے ہی ہو کہ وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہی ہو جاتا ہے، ان کی بات کبھی جھوٹی نہیں ہوتی، مجھے اندیشہ ہو گیا کہ کہیں تم پر عذاب نازل نہ ہونے لگے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ فصلت، لاہور)

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ یَرَوْا
اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ۝
پھر جو عاد تھے وہ زمین میں کسی حق کے بغیر بڑے بن بیٹھے اور انھوں نے کہا ہم سے قوت میں کون زیادہ سخت ہے؟ اور کیا انھوں نے نہیں
دیکھا کہ بے شک وہ اللہ جس نے انھیں پیدا کیا، قوت میں ان سے کہیں زیادہ سخت ہے اور وہ ہماری آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔

قوم عاد کا اپنی قوت پر غرور کرنے کا بیان

"فأما عاد فاستكبروا في الأرض بغير الحق وقالوا" لما خوفوا بالعذاب "من أشد منا قوة" أي لا أحد, كان واحدهم يقلع الصخرة العظيمة من الجبل يجعلها حيث يشاء "أولم يروا" يعلموا "أن الله الذي خلقهم هو أشد منهم قوة وكانوا بآياتنا" المعجزات،

پھر جو عاد تھے وہ زمین میں کسی حق کے بغیر بڑے بن بیٹھے جب انہیں عذاب سے ڈرایا گیا تو انھوں نے کہا ہم سے قوت میں کون زیادہ سخت ہے؟ یعنی ہم سے بڑھ کر کوئی طاقتور نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی بھی اکیلا شخص پہاڑ سے چٹان کو اکھیڑ لیتا تھا اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا یعنی نہیں سمجھا کہ بے شک وہ اللہ جس نے انھیں پیدا کیا، قوت میں ان سے کہیں زیادہ سخت ہے اور وہ ہماری آیات یعنی معجزات کا انکار کیا کرتے تھے۔

قوم عاد کے لوگ بڑے قوی اور شہ زور تھے، جب حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا تو انہوں نے کہا ہم اپنی طاقت سے عذاب کو ہٹا سکتے ہیں۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّـنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝
تو ہم نے ان پر ایک سخت تند ہوا چند منحوس دنوں میں بھیجی، تا کہ ہم انھیں دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب چکھائیں اور
یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

تیز سرد آواز دار ہوا کے ذریعے عذاب آنے کا بیان

"فأرسلنا عليهم ريحا صرصرا " باردة شديدة الصوت بلا مطر "في أيام نحسات " بكسر الحاء وسكونها مشؤومات عليهم "لنذيقهم عذاب الخزي " الذل "في الحياة الدنيا ولعذاب الآخرة أخزى" أشد "وهم لا ينصرون" بمنعه عنهم،

تو ہم نے ان پر ایک سخت تند ہوا چند منحوس دنوں میں بھیجی، یعنی سخت ٹھنڈی اور آواز والی ہوا جو بارش کے بغیر تھی۔ یہاں پر لفظ نحسات یہ حاء کے کسرہ اور سکون کے ساتھ بھی آیا ہے۔ جو ہوا ان پر چلی اور وہ مر گئے۔ تا کہ ہم انھیں دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب چکھائیں اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ یعنی کوئی ان سے عذاب کو دور کرنے والا نہ ہوگا۔

یہ اس عذاب صاعقہ کی تشریح ہے جو اس سے پہلے آیت میں صاعقہ عاد وثمود کے عنوان سے بیان ہوا ہے۔ صاعقہ کے اصل معنے مدہوش و بے ہوش کرنے والی چیز کے ہیں اسی لئے گرنے والی بجلی کو بھی صاعقہ کہا جاتا ہے۔ اور نا گہانی آفت و مصیبت کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ قوم عاد پر جو ہوا کا طوفان مسلط کیا گیا وہ بھی اسی صاعقہ کا ایک فرد ہے اسی کو ریح صرصر کے نام سے بیان کیا گیا ہے۔ جو تیز وتند ہوا کو کہا جاتا ہے، جس میں تیز رفتاری کے ساتھ سخت آواز بھی ہو۔

ضحاک نے فرمایا کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے تین سال تک بارش بالکل بند کر دی اور تیز وتند خشک ہوائیں چلتی رہیں اور آٹھ روز سات راتیں مسلسل ہوا کا شدید طوفان رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ واقعہ آخر شوال میں ایک بدھ سے شروع ہو کر دوسرے

بدھ تک رہا۔ اور جس کسی قوم پر عذاب آیا ہے وہ بدھ ہی کے دن آیا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ فصلت، بیروت)

وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰـهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْـهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ
صٰعِقَـةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۞
اور جو ثمود تھے تو ہم نے انھیں سیدھا راستہ دکھایا مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلہ میں اندھا رہنے کو پسند کیا تو انھیں
ذلیل کرنے والے عذاب کی کڑک نے پکڑ لیا، اس کی وجہ سے جو وہ کماتے تھے۔

قوم ثمود کا ہدایت کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کرنے کا بیان

"وأما ثمود فهديناهم" بينا لهم طريق الهدى "فاستحبوا العمى" اختاروا الكفر "على الهدى فأخذتهم صاعقة العذاب الهون" المهين،

اور جو ثمود تھے تو ہم نے انھیں سیدھا راستہ دکھایا مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلہ میں اندھا رہنے کو پسند کیا یعنی انہوں نے کفر کو اختیار کیا۔ تو انھیں ذلیل کرنے والے عذاب کی کڑک نے پکڑ لیا، اس کی وجہ سے جو وہ کماتے تھے۔

اور جن کی طرف سیدنا صالح مبعوث ہوئے تھے۔ انہوں نے سیدنا صالح سے اونٹنی کے پہاڑ سے برآمد ہونے کا مطالبہ کیا تھا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے پورا کر دیا تھا۔ جس سے انہیں یقین بھی ہو چکا تھا کہ سیدنا صالح کی پشت پر کوئی مافوق الفطرت ہستی موجود ہے۔ اور وہ فی الواقع اللہ کا رسول ہے۔ لیکن ان باتوں کے باوجود انہوں نے سیدنا صالح کی لائی ہوئی ہدایت کو قبول نہ کیا اور اپنے جاہلانہ اور مشرکانہ رسم و رواج کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ یہ لوگ بھی قد و قامت، ڈیل ڈول اور قوت میں اپنی پیشرو قوم عاد سے کسی طرح کم نہ تھے۔ فن تعمیر سنگ تراشی کے بہترین ماہر تھے۔ پہاڑوں کے اندر پتھر تراش تراش کر صرف مکان ہی نہیں بناتے تھے بلکہ راستے بھی بنا کر پہاڑوں کے اندر ہی بستیاں آباد کر رکھی تھی۔ ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے جب ان کے دن گنے جا چکے تو ان پر دوہرا عذاب نیچے سے زلزلہ جس سے ان کے پہاڑوں کے اندر واقع مکانوں میں دراڑیں اور شگاف پڑ گئے اور اوپر سے کڑک اتنی شدید تھی جس سے ان کے جگر پھٹ گئے۔

وَ نَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۞ وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۞ حَتّٰى
اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞
اور بچا دیا ہم نے ان لوگوں کو جو یقین لائے تھے اور بچ کر چلتے تھے۔ اور جس دن اللہ کے دشمن آگ کی طرف اکٹھے
کیے جائیں گے، پھر ان کی الگ الگ قسمیں بنائی جائیں گی۔ یہاں تک کہ جونہی اس کے پاس پہنچیں گے ان کے کان
اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے ان کے خلاف اس کی شہادت دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔

ایمان اور اہل تقویٰ کیلئے نجات کا بیان

ونجينا" منها "الذين آمنوا و كانوا يتقون" الله"

و" اذكر "يوم يحشر " بالياء والنون المفتوحة وضم الشين وفتح الهمزة "أعداء الله إلى النار

فهم يوزعون" يساقون،"حتى إذا ما" زائدة،

اور بچا دیا ہم نے ان لوگوں کو جو یقین لائے تھے یعنی جو ایمان لائے۔ اور بچ کر چلتے تھے۔ اور یاد کریں جس دن اللہ کے دشمن آگ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے، یہاں پر لفظ یحشر یہ یاء اور نون مفتوحہ کے ساتھ اور شین کے ضمہ اور لفظ اعداء کا اخری ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ پھر ان اللہ کے دشمنوں کی الگ الگ قسمیں بنائی جائیں گی۔ اور انہیں جہنم کے قریب کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جونہی اس کے پس پہنچیں گے، یہاں پر اذا ما میں ما زائدہ ہے۔ ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے ان کے خلاف اس کی شہادت دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔

یہاں پر لفظ یوزعون یہ وزع سے مشتق ہے جس کے معنی روکنے اور منع کرنے کے آتے ہیں، اسی کے مطابق خلاصہ تفسیر مذکور میں اس کا ترجمہ روکنے سے کیا گیا ہے۔ اور اکثر حضرات مفسرین نے یہی معنی لئے ہیں کہ اہل جہنم جو بڑی تعداد میں ہوں گے ان کو میدان حشر اور موقف حساب کی طرف جانے کے وقت انتشار سے بچانے کے لئے اگلے حصہ کو کچھ روک دیا جائے گا، تاکہ پچھلے لوگ بھی آملیں۔ اور بعض حضرات مفسرین نے یوزعون کا ترجمہ یساقون ویدفعون سے کیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو موقف حساب کی طرف ہانک کر دھکے دے کر لایا جائے گا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ فصلت، بیروت)

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ
وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝
پھر وہ لوگ اپنی کھالوں سے کہیں گے: تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی، وہ کہیں گی: ہمیں اس اللہ نے گویائی عطا کی
جو ہر چیز کو قوت گویائی دیتا ہے اور اسی نے تمہیں پہلی بار پیدا فرمایا ہے اور تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔

قیامت کے دن اعضاء اور کھالوں کی گواہی دینے کا بیان

"وقالوا لجلودهم لم شهدتم علينا قالوا أنطقنا الله الذى أنطق كل شىء " أى أراد نطقه "وهو خلقكم أول مرة وإليه ترجعون " قيل: هو من كلام الجلود, وقيل: هو من كلام الله تعالىٰ كالذى بعده وموقعه قريب مما قبله بأن القادر على إنشائكم ابتداء وإعادتكم بعد الموت أحياء قادر على إنطاق جلودكم وأعضائكم،

پھر وہ لوگ اپنی کھالوں سے کہیں گے، تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی، وہ کہیں گی، ہمیں اس اللہ نے گویائی عطا کی جو ہر

چیز کو قوت گویائی دیتا ہے یعنی اس نے بولنے کی طاقت دی ہے۔اور اسی نے تمہیں پہلی بار پیدا فرمایا ہے اور تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔کہا گیا ہے کہ یہ جلود کے کلام سے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام سے ہے جو بعد میں اپنے موقع محل کے مطابق ہونے والا ہے۔جو ذات ابتدائی طور پر تمہیں پیدا کرنے پر قادر ہے اس کیلئے موت کے اعادہ کرنے پر قادر ہے۔وہی تمہاری کھالوں اور اعضاء کو قوت گویائی عطا کرنے والا ہے۔

انسانی اعضاء کی شہادت سے متعلق احادیث وروایات کا بیان

ان مشرکوں سے کہو کہ قیامت کے دن ان کا حشر جہنم کی طرف ہوگا اور داروغہ جہنم ان سب کو جمع کریں گے جیسے فرمان ہے (وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا، مریم:86) یعنی گنہگاروں کو سخت پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے۔انہیں جہنم کے کنارے کھڑا کر دیا جائے گا۔اور ان کے اعضاء بدن اور کان اور آنکھیں اور پوست ان کے اعمال کی گواہیاں دیں گی۔تمام اگلے پچھلے عیوب کھل جائیں گے ہر عضو بدن پکار اٹھے گا کہ مجھ سے اس نے یہ یہ گناہ کیا،اس وقت یہ اپنے اعضا کی طرف متوجہ ہو کر انہیں ملامت کریں گے۔کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی؟ وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ کی حکم بجا آوری کے ماتحت اس نے ہمیں بولنے کی طاقت دی اور ہم نے سچ سچ کہہ سنایا۔وہی تو تمہارا ابتداء پیدا کرنے والا ہے اسی نے ہر چیز کو زبان عطا فرمائی ہے۔خالق کی مخالفت اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کون کرسکتا ہے؟

بزار میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسکرائے یا ہنس دیئے پھر فرمایا تم میری ہنسی کی وجہ دریافت نہیں کرتے؟ صحابہ نے کہا فرمائیے کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا قیامت کے دن بندہ اپنے رب سے جھگڑے گا۔کہے گا کہ اے اللہ کیا تیرا وعدہ نہیں کہ تو ظلم نہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ اقرار کرے گا تو بندہ کہے گا کہ میں تو اپنی بداعمالیوں پر کسی کی شہادت قبول نہیں کرتا۔اللہ فرمائے گا کیا میری اور میرے بزرگ فرشتوں کی شہادت ناکافی ہے؟ لیکن پھر بھی وہ بار بار اپنی ہی کہتا چلا جائے گا۔پس اتمام حجت کیلئے اس کی زبان بند کر دی جائے گی اور اس کے اعضاء بدن سے کہا جائے گا کہ اس نے جو جو کیا تھا اس کی گواہی تم دو۔جب وہ صاف صاف اور سچی گواہی دے دیں گے تو یہ انہیں ملامت کرے گا اور کہے گا کہ میں تو تمہارے ہی بچاؤ کیلئے لڑ جھگڑ رہا تھا۔(مسلم،نسائی وغیرہ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کافر و منافق کو حساب کیلئے بلایا جائے گا اس کے اعمال اس کے سامنے پیش ہوں گے تو قسمیں کھا کھا کر انکار کرے گا اور کہے گا اے اللہ تیرے فرشتوں نے وہ لکھ لیا ہے جو میں نے ہرگز نہیں کیا فرشتے کہیں گے فلاں دن فلاں جگہ تو نے فلاں عمل نہیں کیا؟ یہ کہے گا اے اللہ تیری عزت کی قسم میں نے ہرگز نہیں کیا۔اب منہ پر مہر مار دی جائے گی اور اعضا بدن گواہی دیں گے سب سے پہلے اس کی داہنی ران بولے گی،(ابن ابی حاتم)

ابو یعلی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے دن کافر کے سامنے اس کی بداعمالیاں لائی جائیں گی تو وہ انکار کرے گا اور جھگڑنے لگے گا۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ ہیں تیرے پڑوسی جو شاہد ہیں۔یہ کہے گا سب جھوٹے ہیں۔فرمائے گا یہ ہیں تیرے کنبے قبیلے والے جو گواہ ہیں کہے گا یہ بھی سب جھوٹے ہیں۔اللہ ان سے قسم دلوائے گا،وہ قسم کھائیں گے لیکن یہ انکار ہی کرے

گا۔ سب کو اللہ چپ کرا دے گا اور خود ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی پھر انہیں جہنم واصل کر دیا جائے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک وقت تو وہ ہوگا کہ نہ کسی کو بولنے کی اجازت ہوگی نہ عذر معذرت کرنے کی۔ پھر جب اجازت دی جائے گی تو بولنے لگیں گے اور جھگڑے کریں گے اور انکار کریں گے اور جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔ پھر گواہوں کو لایا جائے گا آخر زبانیں بند ہو جائیں گی اور خود اعضاء بدن ہاتھ پاؤں وغیرہ گواہی دیں گے۔ پھر زبانیں کھول دی جائیں گی تو اپنے اعضاء بدن کو ملامت کریں گے وہ جواب دیں گے کہ ہمیں اللہ نے قوت گویائی دی اور ہم نے صحیح صحیح کہا پس زبانی اقرار بھی ہو جائے گا۔

ابن ابی حاتم میں رافع ابوالحسن سے مروی ہے کہ اپنے کرتوت کے انکار پر زبان اتنی موٹی ہو جائے گی کہ بولا نہ جائے گا۔ پھر جسم کے اعضاء کو حکم ہوگا تم بولو تو ہر ایک اپنا اپنا عمل بتا دے گا کان، آنکھ، کھال، شرم گاہ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ۔ اور بھی اسی طرح کی بہت سی روایتیں سورہ یٰسین کی آیت (اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ، یٰس:65)، کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ جنہیں دوبارہ وارد کرنے کی ضرورت نہیں۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں جب ہم سمندر کی ہجرت سے واپس آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم سے پوچھا تم نے حبشہ کی سرزمین پر کوئی تعجب خیز بات دیکھی ہو تو سناؤ۔ اس پر ایک نوجوان نے کہا ایک مرتبہ ہم وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے علماء کی ایک بڑھیا عورت ایک پانی کا گھڑا سر پر لئے ہوئے آ رہی تھی انہی میں سے ایک جوان نے اسے دھکا دیا جس سے وہ گر پڑی اور گھڑا ٹوٹ گیا۔ وہ اٹھی اور اس شخص کی طرف دیکھ کر کہنے لگی مکار تجھے اس کا حال اس وقت معلوم ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی کرسی سجائے گا اور سب اگلے پچھلوں کو جمع کرے گا اور ہاتھ پاؤں گواہیاں دیں گے۔ اور ایک ایک عمل کھل جائے گا اس وقت تیرا اور میرا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے اس نے سچ کہا اس نے سچ کہا اس قوم کو اللہ تعالیٰ کس طرح پاک کرے جس میں زور آور سے کمزور کا بدلہ نہ لیا جائے؟

ابن ابی الدنیا میں یہی روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے، جب یہ اپنے اعضا کو ملامت کریں گے تو اعضاء جواب دیتے ہوئے یہ بھی کہیں گے کہ تمہارے اعمال دراصل کچھ پوشیدہ نہ تھے اللہ کے دیکھتے ہوئے اس کے سامنے تم کفر و معاصی میں مستغرق رہتے تھے اور کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ تم سمجھے ہوئے تھے کہ ہمارے بہت سے اعمال اس سے مخفی ہیں، اسی فاسد خیال نے تمہیں تلف اور برباد کر دیا اور آج کے دن تم برباد ہو گئے۔

مسلم ترمذی وغیرہ میں حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ میں کعبۃ اللہ کے پردے میں چھپا ہوا تھا جو تین شخص آئے بڑے پیٹ اور کم عقل والے ایک نے کہا کیوں جی ہم جو بولتے چالتے ہیں اسے اللہ سنتا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا اگر اونچی آواز سے بولیں تو تو سنتا ہے اور آہستہ آواز سے باتیں کریں تو نہیں سنتا۔ دوسرے نے کہا اگر کچھ سنتا ہے تو سب سنتا ہوگا میں نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا اس پر آیت (وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ

وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ، فصلت:22)، نازل ہوئی۔ عبدالرزاق میں ہے منہ بند ہونے کے بعد سب سے پہلے پاؤں اور ہاتھ بولیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جناب باری عزاسمہ کا ارشاد ہے کہ میرے ساتھ میرا بندہ جو گمان کرتا ہے میں اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔

حضرت حسن اتنا فرما کر کچھ تامل کر کے فرمانے لگے جس کا جیسا گمان اللہ کے ساتھ ہوتا نیک ظن ہوتا ہے وہ اعمال بھی اچھے کرتا ہے اور کافر و منافق چونکہ اللہ کے ساتھ بدظن ہوتے ہیں وہ اعمال بھی بد کرتے ہیں۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے تم میں سے کوئی شخص نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ کے ساتھ نیک ظن ہو۔ جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ برے خیالات رکھے اللہ نے انہیں تہ وبالا کر دیا۔ پھر یہی آیت آپ نے پڑھی، آگ جہنم میں صبر سے پڑے رہنا اور بیصبری کرنا ان کیلئے یکساں ہے۔ نہ ان کی عذر معذرت مقبول نہ ان کے گناہ معاف۔ یہ دنیا کی طرف اگر لوٹنا چاہیں تو وہ راہ بھی بند جیسے اور جگہ ہے جہنمی کہیں گے اے اللہ ہم پر ہماری بدبختی چھا گئی۔ یقیناً ہم بے راہ تھے۔ اے اللہ اب تو یہاں سے نجات دے۔ اگر ایسا کریں تو پھر ہمیں ہمارے ظلم کی سزا دینا۔ لیکن جناب باری کی طرف سے جواب آئے گا کہ اب یہ منصوبے بیسود ہیں۔ دھتکارے ہوئے یہیں پڑے رہو خبردار جو مجھ سے بات کی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ فصلت، بیروت)

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ
وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ٥
اور تم اس سے پردہ نہیں کرتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان گواہی دیں گے اور نہ تمہاری آنکھیں اور نہ تمہارے
چمڑے اور لیکن تم نے گمان کیا کہ بے شک اللہ بہت سے کام، جو تم کرتے ہو، نہیں جانتا۔

اللہ تعالیٰ اہل باطل کے خفیہ نظریات کو جاننے والا ہے

"وما كنتم تستترون" عن ارتكابكم الفواحش من "أن يشهد عليكم سمعكم ولا أبصاركم ولا جلودكم" لأنكم لم توقنوا بالبعث "ولكن ظننتم" عند استتاركم،

اور تم اس سے یعنی فواحش کا ارتکاب کرنے سے پردہ نہیں کرتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان گواہی دیں گے اور نہ تمہاری آنکھیں اور نہ تمہارے چمڑے کیونکہ تم بعث پر یقین نہیں رکھتے۔ اور لیکن تم نے گمان کیا یعنی کو تمہارا پوشیدہ نظریہ ہے کہ بے شک اللہ بہت سے کام، جو تم کرتے ہو، نہیں جانتا۔

اعضاء کی گواہی سے پردہ کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں کعبہ کے پردوں میں چھپا ہوا تھا کہ تین آدمی آئے جن کے پیٹ زیادہ چربی والے اور دل کم سمجھ والے تھے۔ ایک قریشی اور دو اس کے داماد ثقفی تھے یا ایک ثقفی اور دو اس کے داماد تھے۔ ان لوگوں نے آپس میں

کچھ بات کی جسے میں سمجھ نہیں سکا۔ پھر ایک کہنے لگا اگر ہم اپنی آواز بلند کریں تو سنتا ہے اور اگر پست کریں تو نہیں سنتا۔ تیسرا کہنے لگا کہ اگر وہ تھوڑا سن سکتا ہے تو پورا سن سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1197)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیت اللہ کے پاس تین آدمیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ دو قریشی اور ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریشی تھا۔ قریشی موٹے اور کم سمجھ تھے۔ (ان تینوں) میں سے ایک نے کہا تم لوگوں کا خیال ہے کہ جو باتیں ہم کر رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سنتا ہے؟ دوسرا کہنے لگا اگر روز سے بولیں تو سنتا ہے اور اگر آہستہ بھی سنتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ، اور تم اپنے کانوں اور آنکھوں اور چمڑوں کی اپنے اوپر گواہی دینے سے پردہ کرتے تھے، لیکن تم نے یہ گمان کیا تھا جو کچھ تم کرتے ہو، اس میں بہت سی چیزوں کو اللہ نہیں جانتا)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1196)

وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ○
فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ○
اور تمہارا یہی گمان جو تم نے اپنے رب کے بارے میں قائم کیا، تمہیں ہلاک کر گیا سو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔ پس
اگر وہ صبر کریں تو آگ ان کے لیے ٹھکانا ہے اور اگر وہ معافی کی درخواست کریں تو وہ معاف کیے گئے لوگوں سے نہیں ہیں۔

کفار کیلئے آخرت میں کوئی معافی نہ ہونے کا بیان

"وذلكم" مبتدأ "ظنكم" بدل منه "الذى ظننتم بربكم" نعت والخبر "أرداكم" أى أهلككم، "فإن يصبروا" على العذاب "فالنار مثوى " مأوى "لهم وإن يستعتبوا " يطلبوا العتبى , أى الرضا "فما هم من المعتبين" المرضيين،

یہاں پر لفظ ذلکم یہ مبتداء ہے۔ جو ظنکم اس سے بدل ہے۔ یعنی جو تم نے اپنے رب کے بارے میں گمان کیا ہے۔ اور یہ صفت اور خبر ہے۔ اور تمہارا یہی گمان جو تم نے اپنے رب کے بارے میں قائم کیا، تمہیں ہلاک کر گیا سو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔

پس اگر وہ عذاب پر صبر کریں تو آگ ان کے لیے ٹھکانا ہے اور اگر وہ معافی کی درخواست کریں تو وہ معاف کیے گئے لوگوں سے نہیں ہیں۔ یعنی اگر وہ رضا حاصل کرنا چاہیں تو رضا حاصل کرنے والوں سے نہ ہوں گے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے اس آیت کی تشریح میں خوب فرمایا ہے کہ ہر آدمی کا رویہ اس گمان کے لحاظ سے متعین ہوتا ہے جو وہ اپنے رب کے متعلق قائم کرتا ہے۔ مومن صالح کا رویہ اس لیے درست ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب کے بارے میں صحیح گمان

رکھتا ہے، اور کافر و منافق اور فاسق و ظالم کا رویہ اس لیے غلط ہوتا ہے کہ اپنے رب کے بارے میں اس کا گمان غلط ہوتا ہے۔ یہی مضمون نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی جامع اور مختصر حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارا رب کہتا ہے انا عند ظن عبدی بی، "میں اس گمان کے ساتھ ہوں جو میرا بندہ مجھ سے رکھتا ہے۔ (بخاری و مسلم، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاۤءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝
اور ہم نے ان کے لئے ساتھ رہنے والے مقرر کر دیئے، سوانہوں نے ان کے لئے وہ خوش نما کر دکھائے جو ان کے آگے تھے اور ان کے پیچھے تھے اور ان پر فرمان عذاب ثابت ہو گیا جو ان امتوں کے بارے میں صادر ہو چکا تھا جو جنات اور انسانوں میں سے ان سے پہلے گزر چکی تھیں۔ بیشک وہ نقصان اٹھانے والے تھے۔ دنیاوی کاموں کی زیب و زینت کیلئے شیاطین مقرر کیے جانے کا بیان

"وقيضنا" سببنا "لهم قرناء " من الشياطين "فزينوا لهم ما بين أيديهم" من أمر الدنيا واتباع الشهوات "وما خلفهم" من أمر الآخرة بقولهم لا بعث ولا حساب "وحق عليهم القول" بالعذاب وهو "لأملأن جهنم" الآية "في" جملة "أمم قد خلت" هلكت،

اور ہم نے ان کے لئے یعنی ان کی وجہ سے ان کے ساتھ رہنے والے شیاطین مقرر کر دیئے، سوانہوں نے ان کے لئے وہ تمام دنیا میں برے اعمال و شہوات خوش نما کر دکھائیں۔ جو ان کے آگے تھے یعنی دنیاوی شہوات و ان کی اتباع، اور ان کے پیچھے تھے یعنی آخرت، یعنی ان کا قول کہ کوئی حساب و بعث نہیں ہے۔ اور ان پر وہی فرمان عذاب ثابت ہو گیا اور وہ یہ آیت ہے کہ میں جہنم کو ضرور بھر دوں گا۔ جو ان امتوں کے بارے میں صادر ہو چکا تھا جو جنات اور انسانوں میں سے ان سے پہلے گزر چکی تھیں۔ اور جن کی ہلاکت ہو چکی۔ بیشک وہ نقصان اٹھانے والے تھے۔

مشرکین کیلئے شیطانی شہوات کی تزئین کا بیان

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ مشرکین کو اس نے گمراہ کر دیا ہے اور یہ اس کی مشیت اور قدرت سے ہے۔ وہ اپنے تمام افعال میں حکمت والا ہے۔ اس نے کچھ جن و انس ایسے ان کے ساتھ کر دیئے تھے۔ جنہوں نے ان کے بداعمال انہیں اچھی صورت میں دکھائے۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ دور ماضی کے لحاظ سے اور آئندہ آنے والے زمانے کے لحاظ سے بھی ان کے اعمال اچھے ہی ہیں۔ جیسے اور آیتیں ہے (وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ، الزخرف:36)، ان پر کلمہ عذاب صادق آ گیا۔ جیسے ان لوگوں پر جو ان سے پہلے جیسے تھے۔ نقصان اور گھاٹے میں یہ اور وہ یکساں ہو گئے، کفار نے آپس میں مشورہ کر کے اس پر اتفاق کر لیا ہے کہ وہ کلام اللہ کو نہیں مانیں گے نہ ہی اس کے احکام کی پیروی کریں گے۔ بلکہ ایک دوسرے سے کہہ رکھا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو شور و غل کرو اور اسے نہ سنو۔ تالیاں بجاؤ سیٹیاں بجاؤ آوازیں نکالو۔

چنانچہ قریشی یہی کرتے تھے۔عیب جوئی کرتے تھے انکار کرتے تھے۔دشمنی کرتے تھے اوراسے اپنے غلبہ کا باعث جانتے تھے۔یہی حال ہر جاہل کافر کا ہے کہ اسے قرآن کا سننا اچھا نہیں لگتا۔اسی لئے اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم فرمایا کہ (وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ، الاعراف:204)جب قرآن پڑھا جائے تو تم سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے،ان کافروں کو دھمکایا جارہا ہے کہ قرآن کریم سے مخالفت کرنے کی بناء پر انہیں سخت سزا دی جائے گی۔اور ان کی بدعملی کا مزہ انہیں ضرور چکھایا جائے گا،ان اللہ کے دشمنوں کا بدلہ دوزخ کی آگ ہے۔جس میں ان کیلئے ہمیشہ کا گھر ہے۔یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔

اس کے بعد آیت کا مطلب حضرت علی سے مروی ہے کہ جن سے مراد ابلیس اور انس سے مراد حضرت آدم کا وہ لڑکا ہے جس نے اپنے بھائی کو مار ڈالا تھا۔اور روایت میں ہے کہ ابلیس تو ہر مشرک کو پکارے گا۔اور حضرت آدم کا یہ لڑکا ہر کبیرہ گناہ کرنے والے کو پکارے گا۔پس ابلیس شرک کی طرف اور تمام گناہوں کی طرف لوگوں کو دعوت دینے والا ہے اور اول رسول حضرت آدم کا یہ لڑکا جو اپنے بھائی کا قاتل ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے روئے زمین پر جو قتل ناحق ہوتا ہے اس کا گناہ حضرت آدم کے اس پہلے فرزند پر بھی ہوتا ہے کیونکہ قتل بیجا کا شروع کرنے والا یہ ہے۔پس کفار قیامت کے دن جن وانس جو انہیں گمراہ کرنے والے تھے انہیں نیچے کے طبقے میں داخل کرانا چاہیں گے تا کہ انہیں سخت عذاب ہوں۔وہ درک اسفل میں چلے جائیں۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ فصلت،بیروت)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ٥
فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ٥
اوران لوگوں نے کہا جنھوں نے کفر کیا،اس قرآن کو مت سنو اوراس میں شور کرو،تا کہ تم غالب رہو۔پس یقیناً
ہم ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا،ضرور بہت سخت عذاب چکھائیں گے اور یقیناً ہم انھیں ان بدترین اعمال کا بدلہ
ضرور دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔یعنی ان کے عمل کی سزاء انتہائی بدترین ہوگی۔

قرآن مجید کی قرأت کے وقت کفار کے شور مچانے کا بیان

"وقال الذين كفروا" عند قراء ة النبى صلى الله عليه وسلم "لا تسمعوا لهٰذا القرآن والغوا فيه" ائتوا باللغط ونحوه وصيحوا فى زمن قراء ته "لعلكم تغلبون" فيسكت عن القراء ة، "فلنذيقن الذين كفروا عذابا شديدا ولنجزينهم أسوأ الذى كانوا يعملون" أى أقبح جزاء عملهم،

اوران لوگوں نے کہا جنھوں نے کفر کیا،یعنی نبی کریم ﷺ کے قرآن پڑھنے کے وقت کہا کہ اس قرآن کو مت سنو اوراس میں شور کرو،تا کہ تم غالب رہو۔یعنی قرأت کے وقت خوب شور کرو ہوسکتا پیغمبر خدا خاموش ہوجائیں۔

پس یقیناً ہم ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا، ضرور بہت سخت عذاب چکھائیں گے اور یقیناً ہم انھیں ان بدترین اعمال کا بدلہ ضرور دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔

کفار جب قرآن کے مقابلہ سے عاجز آ گئے اور اس کے خلاف ان کی ساری تدبیریں ناکام ہوگئیں تو اس وقت انہوں نے یہ حرکت شروع کی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ابوجہل نے لوگوں کو اس پر آمادہ کیا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قرآن پڑھا کریں تو تم ان کے سامنے جا کر چیخ وپکار اور شور وغل کرنے لگا کرو تا کہ لوگوں کو پتہ ہی نہ چلے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

بعض نے کہا کہ سیٹیاں اور تالیاں بجا کر اور بیچ میں طرح طرح کی آوازیں نکال کر قرآن سننے سے لوگوں کو روکنے کی تیاری کرو۔ (تفسیر قرطبی، سورہ فصلت، بیروت)

ان کے برے سے برے کام یہی تھے کہ ایک تو وہ خود اللہ کی آیات کا انکار کر دیتے تھے۔ دوسرے ان کی ہر ممکن کوشش ہوتی تھی کہ کوئی دوسرا بھی اسلام کی دعوت کو قبول نہ کرنے پائے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے مندرجہ بالا پابندیوں کے علاوہ اور بھی بہت سے مذموم طریقے اختیار کر رکھے تھے اور نئی سے نئی سازشیں تیار کرتے رہتے تھے۔

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعۡدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمۡ فِيۡهَا دَارُ الۡخُلۡدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ○
وہ اللہ کے دشمنوں کی جزا آگ ہی ہے، انھی کے لیے اس میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہے، اس کی جزا کے لیے
جو وہ ہماری آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کیلئے بدترین عذاب ہونے کا بیان

"ذلك" العذاب الشديد وأسوأ الجزاء "جزاء أعداء الله" بتحقيق الهمزة الثانية وإبدالها واوا "النار" عطف بيان للجزاء المخبر به عن ذلك "لهم فيها دار الخلد" أي إقامة لا انتقال منها "جزاء" منصوب على المصدر بفعله المقدر "بما كانوا بآياتنا" القرآن،

وہ اللہ کے دشمنوں کی جزا آگ ہی ہے، جو بدترین سزا ہے۔ یہاں پر دوسرے ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور اس کو واؤ سے بدل دیا جائے۔ اور النار یہ جزاء کیلئے عطف بیان ہے، جو خبر ہے۔ انھی کے لیے اس میں ہمیشہ رہنے کا گھر ہے، یعنی ایسا گھر جہاں سے منتقل ہونا نہیں ہوگا۔ اس کی جزا کے لیے جو وہ ہماری آیات یعنی قرآن کا انکار کیا کرتے تھے۔ یہاں پر جزاء یہ مصدر ہونے کی وجہ فعل مقدر کے سبب منصوب ہے۔

آیتوں سے مراد جیسا کہ پہلے بھی بتلایا گیا ہے وہ دلائل و براہین واضحہ ہیں جو اللہ تعالیٰ انبیاء پر نازل فرماتا ہے یا وہ معجزات ہیں جو انہیں عطا کیے جاتے ہیں یا دلائل تکوینیہ ہیں جو کائنات یعنی آفاق وانفس میں پھیلے ہوئے ہیں کافران سب ہی کا انکار کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایمان کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ
نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ٥
اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے کہیں گے: اے ہمارے رب، ہمیں جنات اور انسانوں میں سے وہ دونوں دکھا دے۔ جنہوں نے
ہمیں گمراہ کیا ہے، ہم انہیں اپنے قدموں کے نیچے ڈالیں تا کہ وہ سب سے زیادہ ذلت والوں میں ہو جائیں۔

اہل جہنم کا گمراہ کرنے والوں پر آگ بگولہ ہونے کا بیان

"وقال الذين كفروا" في النار "ربنا أرنا الذين أضلانا من الجن والإنس" أي إبليس وقابيل سنا الكفر والقتل "نجعلهما تحت أقدامنا" في النار "ليكونا من الأسفلين" أي أشد عذابا منا۔

اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ دوزخ میں ہوں گے اور کہیں گے، اے ہمارے رب، ہمیں جنات اور انسانوں میں سے وہ دونوں دکھا دے۔ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا ہے یعنی ابلیس اور قابیل جنہوں نے کفر اور قتل کی بنیاد رکھی۔ ہم انہیں اپنے قدموں کے نیچے روند ڈالیں تا کہ وہ جہنم میں سب سے زیادہ ذلت والوں میں ہو جائیں۔ حالانکہ ہمارا عذاب ان کی بہ نسبت زیادہ سخت ہے۔

یعنی خیر ہم تو آفت میں پھنسے ہیں، لیکن آدمیوں اور جنوں میں سے جن شیطانوں نے ہم کو بہکا بہکا کر اس آفت میں گرفتار کرایا ہے ذرا انہیں ہمارے سامنے کر دیجئے کہ ان کو ہم اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں۔ اور نہایت ذلت وخواری کے ساتھ جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں دھکیل دیں تا کہ انتقام لے کر ہمارا دل کچھ تو ٹھنڈا ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا
وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ٥
بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ قائم ہو گئے، تو ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ تم خوف نہ کرو اور نہ غم کرو
اور تم جنت کی خوشیاں مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

ایمان پر استقامت والوں کے پاس فرشتوں کا خوشخبری لیکر آنے کا بیان

"إن الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا" على التوحيد وغيره مما وجب عليهم "تتنزل عليهم الملائكة" عند الموت "أن" بأن "لا تخافوا" من الموت وما بعده "ولا تحزنوا" على ما خلفتم من أهل وولد فنحن نخلفكم فيه۔

بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ اس پر مضبوطی سے قائم ہو گئے، یعنی توحید وغیرہ پر جو ان پر لازم ہوا۔ تو موت کے وقت ان پر فرشتے اترتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم موت سے خوف نہ کرو اور اس کے بعد نہ غم کرنا جو تم نے پیچھے اہل وعیال

چھوڑے ہیں۔ان کی مدد میں ہم تمہارے خلیفہ ہیں۔اور تم جنت کی خوشیاں مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

استقامت اور صاحب استقامت لوگوں کا بیان

جن لوگوں نے زبانی اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا یعنی اس کی توحید کا اقرار کیا۔ پھر اس پر جمے رہے یعنی فرمان الٰہی کے ماتحت اپنی زندگی گزاری۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرما کر وضاحت کی کہ بہت لوگوں نے اللہ کے رب ہونے کا اقرار کر کے پھر کفر کر لیا۔ جو مرتے دم تک اس بات پر جما رہا وہ ہے جس نے اس پر استقامت کی۔ (نسائی وغیرہ)

حضرت ابوبکر صدیق کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوئی تو آپ نے فرمایا "اس سے مراد کلمہ پڑھ کر پھر کبھی بھی شرک نہ کرنے والے ہیں۔" ایک روایت میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین نے ایک مرتبہ لوگوں سے اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ استقامت سے مراد گناہ نہ کرنا ہے آپ نے فرمایا تم نے اسے غلط سمجھایا۔اس سے مراد اللہ کی الوہیت کا اقرار کر کے پھر دوسرے کی طرف کبھی بھی التفات نہ کرنا ہے۔

حضرت ابن عباس سے سوال ہوتا ہے کہ قرآن میں حکم اور جزا کے لحاظ سے سب سے زیادہ آسان آیت کونسی ہے؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی کہ توحید اللہ پر تاعمر قائم رہنا۔ حضرت فاروق اعظم نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت پر جم جاتے ہیں اور لومڑی کی چال نہیں چلتے کہ کبھی ادھر کبھی ادھر۔ ابن عباس فرماتے ہیں فرائض اللہ کی ادائیگی کرتے ہیں۔

حضرت قتادہ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اے اللہ تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت اور پختگی عطا فرما۔ استقامت سے مراد دین اور عمل کا خلوص حضرت ابوالعالیہ نے کہا ہے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مجھے اسلام کا کوئی ایسا امر بتلائیے کہ پھر کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ نے فرمایا زبان سے اقرار کر کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر جم جا۔ اس نے پھر پوچھا اچھا یہ تو عمل ہوا اب بچوں کس چیز سے؟ تو آپ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا۔ (مسلم وغیرہ)

امام ترمذی اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں، ان کے پاس ان کی موت کے وقت فرشتے آتے ہیں اور انہیں بشارتیں سناتے ہیں کہ تم اب آخرت کی منزل کی طرف جا رہے ہو بیخوف رہو تم پر وہاں کوئی کھٹکا نہیں۔ تم اپنے پیچھے جو دنیا چھوڑے جا رہے ہو اس پر بھی کوئی غم و رنج نہ کرو۔ تمہارے اہل وعیال، مال ومتاع کی دین و دیانت کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔ ہم تمہارے خلیفہ ہیں۔ تمہیں ہم خوش خبری سناتے ہیں کہ تم جنتی ہو تمہیں سچا اور صحیح وعدہ دیا گیا تھا وہ پورا ہو کر رہے گا۔ پس وہ اپنے انتقال کے وقت خوش خوش جاتے ہیں کہ تمام برائیوں سے بچے اور تمام بھلائیاں حاصل ہوئیں۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مومن کی روح سے فرشتے کہتے ہیں اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی چل اللہ کی بخشش انعام اور اس کی نعمت کی طرف۔ چل اس اللہ کے پاس جو تجھ پر ناراض نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب مسلمان اپنی قبروں سے اٹھیں گے اسی وقت فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور انہیں بشارتیں سنائیں گے۔

حضرت ثابت جب اس سورت کو پڑھتے ہوئے اس آیت تک پہنچے تو ٹھہر گئے اور فرمایا ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ مومن بندہ جب قبر سے اٹھے گا تو وہ دو فرشتے جو دنیا میں اس کے ساتھ تھے اس کے پاس آتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں ڈر نہیں گھبرا نہیں غمگین نہ ہو تو جنتی ہے خوش ہو جا تجھ سے اللہ کے جو وعدے تھے پورے ہوں گے۔ غرض خوف امن سے بدل جائے گا آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی دل مطمئن ہو جائے گا۔ قیامت کا تمام خوف دہشت اور وحشت دور ہو جائے گی۔ اعمال صالحہ کا بدلہ اپنی آنکھوں دیکھے گا اور خوش ہوگا۔ الحاصل موت کے وقت قبر میں اور قبر سے اٹھتے ہوئے ہر وقت ملائکہ رحمت اس کے ساتھ رہیں گے اور ہر وقت بشارتیں سناتے رہیں گے، ان سے فرشتے یہ بھی کہیں گے کہ زندگانی دنیا میں بھی ہم تمہارے رفیق و ولی تھے تمہیں نیکی کی راہ سمجھاتے تھے خیر کی رہنمائی کرتے تھے۔ تمہاری حفاظت کرتے رہتے تھے، ٹھیک اسی طرح آخرت میں بھی ہم تمہارے ساتھ رہیں گے تمہاری وحشت و دہشت دور کرتے رہیں گے قبر میں، حشر میں، میدان قیامت میں، پل صراط پر، غرض ہر جگہ ہم تمہارے رفیق اور دوست اور ساتھی ہیں۔ نعمتوں والی جنتوں میں پہنچا دینے تک تم سے الگ نہ ہوں گے وہاں جو تم چاہو گے ملے گا۔ جو خواہش ہوگی پوری ہوگی، یہ مہمانی یہ عطا یہ انعام یہ ضیافت اس اللہ کی طرف سے ہے جو بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔ اس کا لطف و رحم اس کی بخشش اور کرم بہت وسیع ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فصلت، بیروت)

نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ
وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ○
ہم دنیا کی زندگی میں تمہارے دوست اور مددگار ہیں اور آخرت میں، اور تمہارے لئے وہاں ہر وہ نعمت ہے جسے تمہارا جی چاہے
اور تمہارے لئے وہاں وہ تمام چیزیں ہیں جو تم طلب کرو۔ یہ بے حد بخشنے والے، نہایت مہربان کی طرف سے مہمانی ہے۔

دنیا و آخرت میں فرشتوں کا اہل ایمان کے ساتھ رہنے کا بیان

"نحن أولياؤكم في الحياة الدنيا " أي نحفظكم فيها "وفي الآخرة " أي نكون معكم فيها حتى تدخلوا الجنة "ولكم فيها ما تشتهي أنفسكم ولكم فيها ما تدعون " تطلبون، "نزلا" رزقا مهيئا منصوب بجعل مقدرا "من غفور رحيم" أي الله،

ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست اور مددگار ہیں یعنی تمہاری حفاظت کرتے تھے۔ اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھ ہوں گے حتیٰ کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے، اور تمہارے لئے وہاں ہر وہ نعمت ہے جسے تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے وہاں وہ تمام چیزیں حاضر ہیں جو تم طلب کرو۔ یہ بے حد بخشنے والے، نہایت مہربان اللہ کی طرف سے مہمانی ہے۔ یہاں پر لفظ نزلا یہ جعل فعل مقدر کے سبب منصوب ہے۔

حضرت سعید بن مسیب اور حضرت ابو ہریرہ کی ملاقات ہوتی ہے تو حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو جنت

کے بازار میں ملائے۔ اس پر حضرت سعید نے پوچھا کیا جنت میں بھی بازار ہوں گے؟ فرمایا ہاں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے اور اپنے اپنے مراتب کے مطابق درجے پائیں گے تو دنیا کے اندازے سے جمعہ والے دن انہیں ایک جگہ جمع ہونے کی اجازت ملے گی۔ جب سب جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا اس کا عرش ظاہر ہوگا۔ وہ سب جنت کے باغیچے میں نور لولو یاقوت زبرجد اور سونے چاندی کے منبروں پر بیٹھیں گے، جو نیکیوں کے اعتبار سے کم درجے کے ہیں لیکن جنتی ہونے کے اعتبار سے کوئی کسی سے کمتر نہیں وہ مشک اور کافور کے ٹیلوں پر ہوں گے لیکن اپنی جگہ اتنے خوش ہوں گے کہ کرسی والوں کو اپنے سے افضل مجلس میں نہیں جانتے ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں دیکھو گے۔ آدھے دن کے سورج اور چودھویں رات کے چاند کو جس طرح صاف دیکھتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔ اس مجلس میں ایک ایک سے اللہ تبارک وتعالیٰ بات چیت کرے گا یہاں تک کہ کسی سے فرمائے گا۔ یاد ہے فلاں دن تم نے فلاں کا خلاف کیا تھا؟ وہ کہے گا کیوں جناب باری تو تو وہ خطا معاف فرما چکا تھا پھر اس کا کیا ذکر؟ کہے گا ہاں ٹھیک ہے اسی میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے ہی تو اس درجے پر پہنچا۔ یہ اسی حالت میں ہوں گے کہ انہیں ایک ابر ڈھانپ لے گا اور اس سے ایسی خوشبو برسے گی کہ کبھی کسی نے نہیں سونگھی تھی۔ پھر رب العالمین عزوجل فرمائے گا کہ اٹھو اور میں نے جو انعام واکرام تمہارے لئے تیار کر رکھے ہیں انہیں لو۔ پھر یہ سب ایک بازار میں پہنچیں گے جسے چاروں طرف سے فرشتے گھیرے ہوئے ہوں گے وہاں وہ چیزیں دیکھیں گے جو نہ کبھی دیکھی تھیں نہ سنی تھیں نہ کبھی خیال میں گزری تھیں۔ جو شخص جو چیز چاہے گا لے لے گا خرید فروخت وہاں نہ ہوگی۔ بلکہ انعام ہوگا۔ وہاں تمام اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے ایک کم درجے کا جنتی اعلیٰ درجے کے جنتی سے ملاقات کرے گا تو اس کے لباس وغیرہ کو دیکھ کر جی میں خیال کرے گا وہیں اپنے جسم کی طرف دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھے کپڑے اس کے ہیں۔ کیونکہ وہاں کسی کو کوئی رنج وغم نہ ہوگا۔ اب ہم سب لوٹ کر اپنی اپنی منزلوں میں جائیں گے وہاں ہماری بیویاں ہمیں مرحبا کہیں گے اور کہیں گی کہ جس وقت آپ یہاں سے گئے تب یہ تروتازگی اور یہ نورانیت آپ میں نہ تھی لیکن اس وقت تو جمال وخوبی اور خوشبو اور تازگی بہت ہی بڑھی ہوئی ہے۔ یہ جواب دیں گے کہ ہاں ٹھیک ہے ہم آج اللہ تعالیٰ کی مجلس میں تھے اور یقیناً ہم بہت ہی بڑھ چڑھ گئے۔ (ترمذی، مشکوۃ، قیامت کا بیان)

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرے اللہ بھی اس سے ملنے کو چاہتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو برا جانے اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے صحابہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو موت کو مکروہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا اس سے مراد موت کی کراہیت نہیں بلکہ مومن کی سکرات کے وقت اس کے پاس اللہ کی طرف سے خوشخبری آتی ہے جسے سن کر اس کے نزدیک اللہ کی ملاقات سے زیادہ محبوب چیز کوئی نہیں رہتی۔ پس اللہ بھی اس کی ملاقات پسند فرماتا ہے اور فاجر یا کافر کی سکرات کے وقت جب اسے اس برائی کی خبر دی جاتی ہے جو اسے اب پہنچنے والی ہے تو وہ اللہ کی ملاقات کو مکروہ رکھتا ہے۔ پس اللہ

بھی اس کی ملاقات کو مکروہ رکھتا ہے یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کی بہت سی اسنادیں ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ٥
اور اس شخص سے زیادہ خوش گفتار کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے:
بیشک میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

ایمان و نیک اعمال کی طرف بلانے والے کا بیان

"ومن أحسن قولا" أي لا أحد أحسن قولا "ممن دعا إلى الله" بالتوحيد،

اور اس شخص سے زیادہ خوش گفتار کون ہو سکتا ہے یعنی کوئی ایک بھی نہیں ہے۔ جو اللہ کی طرف بلائے یعنی اس کی توحید کی جانب لائے۔ اور نیک عمل کرے اور کہے: بیشک میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

سورہ فصلت آیت ۳۳ کے شان نزول کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہ آیت مؤذنوں کے حق میں نازل ہوئی اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جو کوئی کسی طریقہ پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے وہ اس میں داخل ہے۔ دعوت الی اللہ کے کئی مرتبے ہیں اوّل دعوت انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام معجزات اور حجج و براہین وسیف کے ساتھ، یہ مرتبہ انبیاء ہی کے ساتھ خاص ہے۔ دوّم دعوت علماء فقط حجج و براہن کے ساتھ، اور علماء کئی طرح کے ہیں ایک عالم باللہ، دوسرے عالم بصفاتِ اللہ، تیسرے عالم باحکام اللہ۔ مرتبہ سوم دعوت مجاہدین ہے یہ کفار کو سیف کے ساتھ ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ دین میں داخل ہوں اور طاعت قبول کرلیں۔ مرتبہ چہارم مؤذنین کی دعوت نماز کے لئے عمل صالح کی دو قسم ہے ایک وہ جو قلب سے ہو، وہ معرفتِ الٰہی ہے، دوسرے جو اعضاء سے ہو تو وہ تمام طاعات ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ فصلت، لاہور)

احسن قول کے مفہوم کا بیان

یہ مومنین کاملین کا دوسرا حصہ احوال ہے کہ وہ صرف خود ہی اپنے ایمان و عمل پر قناعت نہیں کرتے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں۔ اور فرمایا کہ اس سے اچھا کس کا قول ہو سکتا ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے۔ معلوم ہوا کہ انسان کے کلام میں سب سے افضل و احسن وہ کلام ہے جس میں دوسروں کو دعوت حق دی گئی ہو، اس میں دعوت الی اللہ کی سب صورتیں داخل ہیں۔ زبان سے تحریر سے یا کسی عنوان سے، اذان دینے والا بھی اس میں داخل ہے، کیونکہ وہ دوسروں کو نماز کی طرف بلاتا ہے۔ اسی لئے حضرت صدیقہ عائشہ نے فرمایا کہ یہ آیت موذنوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس دعا الی اللہ کے بعد عمل صالحاً آیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان دو رکعت نماز پڑھ لے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اذان و اقامت کے درمیان جو دعا کی جاتی ہے وہ رد نہیں ہوتی۔ (رواہ ابوداؤد، مظہری، سورہ فصلت، لاہور)

وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝

اور نہ نیکی برابر ہوتی ہے اور نہ برائی۔اس کے ساتھ ہٹا جو سب سے اچھا ہے، تو اچانک وہ شخص کہ تیرے درمیان اور اس کے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہوگا جیسے وہ دلی دوست ہے۔

اچھائی اور برائی کے برابر نہ ہونے کا بیان

"ولا تستوی الحسنة ولا السيئة" فی جزئیاتهما لأن بعضهما فوق بعض "ادفع" السيئة "بالتی" ای بالخصلة التی "هی أحسن" كالغضب بالصبر والجهل بالحلم والإساءة بالعفو "فإذا الذی بينك وبينه عداوة كأنه ولی حميم" ای فيصير عدوك كالصديق القريب فی محبته إذا فعلت ذلك فالذی مبتدأ وكأنه الخبر وإذا ظرف لمعنی التشبيه،

اور نہ نیکی برابر ہوتی ہے اور نہ برائی۔ کیونکہ ان دونوں کی جزئیات ایک دوسرے میں ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ برائی کو اس طریقے کے ساتھ ہٹا جو سب سے اچھا ہے، جس طرح غصے کو صبر کے ساتھ اور جہالت کو بردباری کے ساتھ اور برائی کو درگذر کے ساتھ دور کرے۔تو اچانک وہ شخص کہ تیرے درمیان اور اس کے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہوگا جیسے وہ دلی دوست ہے۔یعنی تیرا دشمن محبت میں قریبی دوست کی طرح بن جائے گا۔لہٰذا جب تو ایسا کرے گا۔الذی مبتداء ہے اور کانہ اس کی خبر ہے۔اور اذا ظرف بہ معنی تشبیہ ہے۔

سورہ فصلت آیت ۳۴ کے شان نزول کا بیان

کہا گیا ہے کہ یہ آیت ابوسفیان کے حق میں نازل ہوئی کہ باوجود ان کی شدت عداوت کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ سلوکِ نیک کیا، ان کی صاحب زادی کو اپنی زوجیت کا شرف عطا فرمایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ صادق المحبت، جان نثار ہو گئے۔

(تفسیر خزائن العرفان، سورہ فصلت، لاہور)

یہاں سے دعوت الی اللہ کی خدمت انجام دینے والوں کو خاص ہدایات دی گئی ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیں بلکہ صبر اور احسان سے کام لیں اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ یعنی داعیانِ حق کی خصلت یہ ہونی چاہئے کہ وہ لوگوں کو برائی کو طریق احسن سے دفع کریں۔ وہ یہ کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ لینا اور معاف کر دینا تو عمل حسن ہے اور۔ احسن یہ ہے کہ جس نے تمہارے ساتھ برا سلوک کیا، تم اس کو معاف بھی کر دو اور اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اس آیت میں حکم یہ ہے کہ جو شخص تم پر غصہ کا اظہار کرے، تم اس کے مقابلہ میں صبر سے کام لو۔ جو تمہارے ساتھ جہالت سے پیش آوے تم اس کے ساتھ حلم و بردباری کا معاملہ کرو اور جس نے تمہیں ستایا اس کو معاف کر دو۔ بعض روایات میں ہے کہ صدیق اکبر کو کسی شخص

نے گالی دی یا برا کہا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر تم اپنے کلام میں سچے ہو کہ میں مجرم وخطاوار اور براہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادے، اور اگر تم نے جھوٹ بولا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمادے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ فصلت، بیروت)

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○
اور یہ صرف انہی لوگوں کو عطا کی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں، اور یہ صرف اسی کو حاصل ہوتی ہے جو بڑے نصیب والا ہوتا ہے۔

صبر اور حلم جیسے اوصاف کا بیان

"وما يلقاها" أي يؤتى الخصلة التي هي أحسن " إلا الذين صبروا وما يلقها إلا ذو حظ" ثواب

اور یہ خوبی صرف انہی لوگوں کو عطا کی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں، اور یہ توفیق صرف اسی کو حاصل ہوتی ہے جو بڑے نصیب والا یعنی ثواب والا ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مومن یعنی کامل مومن کہ جو عالم باعمل ہوتا ہے) خوش خلقی کے سبب وہ درجہ ومرتبہ حاصل کرتا ہے جو عبادت وذکر الٰہی کے لئے شب بیداری کرنے والے اور ہمیشہ دن میں روزہ رکھنے والے کو ملتا ہے۔ (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1011)

حضرت سہیل فرماتے ہیں کہ خوش خلقی کا سب سے کم تر درجہ یہ ہے کہ لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو برداشت کیا جائے انتقام لینے سے گریز کیا جائے اور یہ کہ نہ صرف ظالم کے ظلم سے درگزر کیا جائے بلکہ اس کے حق میں مغفرت وبخشش کی دعا کی جائے اور اس کے تئیں رحم وشفقت کو اختیار کیا جائے۔

انتقام کی قدرت کے باوجود معاف کردینے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے عرض کیا میرے پروردگار تیرے بندوں میں سے کون بندہ تیرے نزدیک زیادہ عزیز ہے پروردگار نے فرمایا وہ بندہ جو قادر ہونے کے باوجود عفوودرگزر کرے۔ تشریح یعنی اگر اس پر کسی شخص نے کوئی ظلم کیا اور اس کو رنج وتکلیف میں مبتلا کیا تو وہ اس سے انتقام لینے کی طاقت وقدرت رکھنے کے باوجود اس کو معاف کردے حضرت موسیٰ کی طبیعت چونکہ جلالی کیفیت غالب تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس جواب کے ذریعہ گویا ان کی تلقین کہ وہ عفودرگزر کا رویہ اختیار کریں۔ جامع صغیر کی ایک روایت میں منقول ہے جو شخص انتقام لینے کی طاقت وقدرت کے باوجود عفوودرگزر کرے تو اللہ تعالیٰ یوم عسرت یعنی قیامت کے دن اس کے ساتھ عفوودرگزر فرمائے گا۔

(مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1043)

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○
اور اگر شیطان کی وسوسہ اندازی سے تمہیں کوئی وسوسہ آجائے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کر، بیشک وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

شیطان کے وسواس سے بچنے کیلئے تعوذ کا بیان

"وإما" فيه إدغام نون إن الشرطية في ما الزائدة "ينزغنك من الشيطان نزغ" أي يصرفك عن الخصلة وغيرها من الخير صارف "فاستعذ بالله" جواب الشرط وجواب الأمر محذوف , أي يدفعه عنك "إنه هو السميع" للقول "العليم" بالفعل،

اور (اے بندہ مومن!) اگر شیطان کی وسوسہ اندازی سے تمہیں کوئی وسوسہ آ جائے۔ یہاں پر لفظ أما میں إن شرطیہ کے نون کا میم میں ادغام ہے اور ماء زائدہ ہے۔ یعنی جب وہ آپ کو اچھی خصلت سے پھیرے۔ تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کر، یہ جواب شرط ہے اور جواب امر محذوف ہے۔ یعنی اپنے آپ کو اس سے دور کر لیا کر۔ بیشک وہ قول کو سننے والا، فعل کو جاننے والا ہے۔

شیطان کا لوگوں کے پاس آ کر وسواس دلوانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم میں سے بعض آدمیوں کے پاس شیطان آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ فلاں فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا اور اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ تا آنکہ پھر وہ یوں کہتا ہے کہ تیرے پروردگار کو کس نے پیدا کیا؟ جب نوبت یہاں تک آ جائے تو اس کو چاہیے کہ اللہ سے پناہ مانگے اور اس سلسلہ کو ختم کر دے۔

(صحیح البخاری و صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 61)

شیطان انسان کے روحانی ارتقاء کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کا بنیادی نصب العین ہی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو، جو اللہ کی ذات وصفات پر ایمان ویقین رکھتے ہیں، ورغلانے اور بہکانے میں لگا رہے ہیں، یہی نہیں کہ وہ فریب کاری کے ذریعہ انسان کے نیک عمل اور اچھے کاموں میں رکاوٹ اور تعطل پیدا کرنے کی سعی کرتا رہے بلکہ اس زبردست قدرت کے بل پر کہ جو حق اللہ تعالیٰ نے تکوینی مصلحت کے تحت اس کو دی ہے۔

وسوسہ اندازی کے ذریعہ انسان کی سوچ فکر اور خیالات کی دنیا میں مختلف انداز کے شبہات اور برائی بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جن لوگوں کی سوچ' فکر اور حیالات کے سرچشموں پر ایمان ویقین کی مضبوط گرفت ہوتی ہے وہ اپنے ایمان کی فکری اور شعوری طاقت سے شیطان کے وسوسوں کو ناکارہ بنا دیتے ہیں، چنانچہ اس حدیث میں جہاں بعض شیطانی وسوسوں کی نشان دہی کی گئی ہے وہیں اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جو ان وسوسوں کو غیر موثر اور ناکارہ بنانے سے تعلق رکھتا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ پہلے تو شیطان اللہ کی مخلوقات اور موجودات کے بارہ میں وسوسہ اندازی کرتا ہے، مثلاً فکر وخیال میں یہ بات ڈالتا ہے کہ انسان کو وجود کس نے بنایا، یہ زمین وآسمان کی تخلیق کس کا کارنامہ ہے۔

چونکہ اللہ کی ذات وصفات پر ایمان رکھنے والوں کی عقل سلیم کائنات کی تمام مخلوقات وموجودات کی تخلیقی وتکوینی نوعیت کا بدیہی شعور وادراک رکھتی ہے اس لئے مخلوقات کی حد تک شیطان کی وسوسہ اندازی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی لیکن معاملہ وہاں نازک ہو جاتا ہے جب یہ سلسلہ نازک ہو کر ذات باری تعالیٰ تک پہنچ جائے اور وسوسہ شیطانی دل ودماغ سے سوال کرے جب یہ زمین وآسمان

اور ساری مخلوقات اللہ کی پیدا کردہ ہیں تو پھر خود اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ فرمایا گیا کہ جوں ہی یہ وسوسہ پیدا ہوا پنے اللہ سے پناہ مانگو اور اپنے ذہن سے اس فاسد خیال کو فوراً جھٹک دو تا کہ وسوسہ شیطانی کا سلسلہ منقطع ہو جائے اللہ کی پناہ چاہنے کا مطلب محض زبان سے چند الفاظ ادا کر لینا نہیں ہے بلکہ یہ کہ ایک طرف تو اپنے فکر و خیال کو یکسو کر کے اس عقیدہ یقین کی گرفت میں دے دو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے، وہ واجب الوجود ہے اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اور دوسری طرف ریاضیت و مجاہدہ اور ذات باری تعالیٰ کے ذکر و استغراق کے ذریعہ اپنے نفس کے تزکیہ اور ذہن و فکر کے تحفظ اور سلامتی کی طرف متوجہ رہو۔ وسوسہ کی راہ روکنے کا ایک فوری موثر طریقہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ مجلس بدل دی جائے۔ یعنی جس جگہ بیٹھے یا لیٹے ہوئے اس طرح کا وسوسہ پیدا ہو وہاں سے فوراً ہٹ جائے اور کسی دوسری جگہ جا کر کسی کام اور مشغلہ میں لگ جائے اس طرح دھیان فوری طور پر ہٹ جائے گا اور وسوسہ کی راہ ماری جائے گی۔

وسوسہ کی قابل مؤاخذہ وعدم مؤاخذہ اقسام کا بیان

"وسوسہ" گناہ یا کفر سے متعلق اس خیال کو کہتے ہیں جو دل میں گزرے یا شیطان دل و دماغ میں ڈالے اس کے مقابلہ پر "الہام" اس اچھے اور نیک خیال کو فرماتے ہیں جو اللہ کی طرف سے دل و دماغ میں ڈالا جاتا ہے۔ وسوسہ کی قسمیں وسوسہ کی مختلف صورتیں اور نوعیتیں ہوتی ہیں اور اسی اعتبار سے علماء نے اس کی الگ الگ قسمیں متعین کی ہیں چنانچہ وسوسہ کی ایک قسم تو "ضروری یعنی اضطراری" ہے اور دوسری قسم "اختیاری" ہے۔

ضروری یا اضطراری وسوسہ اس کو فرماتے ہیں کہ کسی گناہ کا یا ایمان و یقین کے منافی کسی بات کا خیال اچانک اور بے اختیار دل و دماغ میں گزر جائے اس کو اصطلاحی طور پر "ہاجس" سے تعبیر کیا جاتا ہے اس (ہاجس) کی معافی گزشتہ امتوں میں بھی رہی ہے اور اس امت میں بھی ہے اور اگر وہی برا خیال دل و دماغ میں ٹھہر جائے اور خلجانی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس کو "خاطر" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ (خاطر) بھی امت سے معاف ہے۔ "اختیاری وسوسہ" اس کو فرماتے ہیں کہ کسی گناہ یا ایمان و یقین کے منافی کسی بات کا خیال دل و دماغ میں پیدا ہو، ٹھہرا رہے، لگاتار رہے۔ مستقل خلجان کرتا رہے، طبیعت کی خواہش بھی اس کے کرنے کی ہو اور ایک گونہ لذت و محبت بھی اس کے تئیں محسوس ہو۔ اختیاری وسوسہ کی یہ صورت "ہم" کہلاتی ہے۔

اور یہ بھی صرف اس امت سے معاف ہے، اس پر کوئی مواخذہ نہیں اور جب تک یہ عملی صورت اختیار نہ کرے اس پر کوئی گناہ نامہ اعمال میں نہیں لکھا جاتا۔ بلکہ اگر عمل کا قصد ہو جائے اور پھر اپنے آپ کو عمل سے باز رکھے تو اس کے عوض نیکی لکھی جاتی ہے۔ "ہم" کے مقابلہ پر اختیاری وسوسہ کی دوسری صورت کا نام عزم ہے یعنی انسانی طبیعت اور نفس کا کسی برے خیال اور بری بات کو اپنے اندر کرنا اور جما لینا اور نہ صرف یہ کہ اس خیال سے نفرت و کراہیت نہ ہو بلکہ اس پر عمل کرنے کا ایسا پختہ ارادہ کر لینا کہ اگر کوئی خارجی مانع نہ ہو اور اسباب و ذرائع مہیا ہوں تو وہ یقینی طور پر عملی صورت اختیار کر لے وسوسہ کی یہ صورت ایسی ہے جو قابل مواخذہ ہے لیکن اس مواخذہ کی نوعیت عملی طور پر ہونے والے مواخذہ سے ہلکی ہوگی۔

مطلب یہ کہ وسوسہ جب تک اندر رہے گا اس پر کم گناہ ہوگا اور جب اندر سے نکل کر عملی صورت اختیار کرے گا تو گناہ زیادہ ہوگا۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ وسوسہ کی مذکورہ بالا تقسیم ان افعال واعمال کی نسبت سے ہے جن کے وقوع اور صدور کا تعلق ظاہری اعضاء جسم سے جیسے زنا اور چوری وغیرہ وغیرہ جو باتیں دل ودماغ کا فعل کہلاتی ہیں جیسے برا عقیدہ اور حسد وغیرہ وغیرہ تو وہ اس تقسیم میں داخل نہیں ہیں ان کے ہمیشہ استمرار پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ
وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۝
اور رات اور دن اور سورج اور چاند اس کی نشانیوں میں سے ہیں، نہ سورج کو سجدہ کیا کرو اور نہ ہی چاند کو، اور سجدہ
صرف اللہ کے لئے کیا کرو جس نے ان کو پیدا فرمایا ہے اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو۔

سورج وچاند وغیرہ کا اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے کا بیان

"ومن آياته الليل والنهار والشمس والقمر لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا لله الذى خلقهن" أى الآيات الأربع،

اور رات اور دن اور سورج اور چاند اس کی نشانیوں میں سے ہیں، نہ سورج کو سجدہ کیا کرو اور نہ ہی چاند کو، اور سجدہ صرف اللہ کے لئے کیا کرو جس نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو۔ جس نے ذکر کردہ چاروں نشانیوں کو پیدا کیا ہے۔

سجدے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہونے کا بیان

اس آیت سے ثابت ہوا کہ سجدہ صرف خالق کائنات کا حق ہے۔ اس کے سوا کسی ستارے یا انسان وغیرہ کو سجدہ کرنا حرام ہے، خواہ وہ عبادت کی نیت سے ہو یا محض تعظیم وتکریم کی نیت سے، دونوں صورتیں باجماع امت حرام ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جو عبادت کی نیت سے کسی کو سجدہ کرے گا وہ کافر ہو جاویگا اور جس نے محض تعظیم وتکریم کے لئے سجدہ کیا اس کو کافر نہ کہیں گے مگر ارتکاب حرام کا مجرم اور فاسق کہا جائے گا۔ سجدہ عبادت تو اللہ کے سوا کسی کو کسی امت وشریعت میں حلال نہیں رہا۔ کیونکہ وہ شرک میں داخل ہے۔ اور شرک تمام شرائع انبیاء میں حرام رہا ہے۔ البتہ کسی کو تعظیماً سجدہ کرنا، یہ پچھلی شریعتوں میں جائز تھا۔ دنیا میں آنے سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے سب فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا۔ یوسف علیہ السلام کو ان کے والد اور بھائیوں نے سجدہ کیا جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے مگر باتفاق فقہاء امت یہ حکم ان شریعتوں میں تھا۔ اسلام میں منسوخ قرار دیا گیا اور غیر اللہ کو سجدہ مطلقاً حرام قرار دیا گیا۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ۝
پھر اگر وہ تکبر کریں تو وہ جو تیرے رب کے پاس ہیں وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ نہیں اکتاتے۔

فرشتوں کا دن رات اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے کا بیان

"فإن استكبروا "عن السجود لله وحده "فالذين عند ربك " أي فالملائكة "يسبحون" يصلون "له بالليل والنهار وهم لا يسأمون" لا يملون،

پھر اگر وہ اللہ وحدہ کو سجدہ کرنے سے تکبر کریں تو وہ فرشتے جو تیرے رب کے پاس ہیں وہ رات اور دن اس کی تسبیح کرتے ہیں یعنی وہ اسی کیلئے دن رات میں نماز پڑھتے ہیں اور وہ نہیں اکتاتے۔

سورہ فصلت آیت ۳۸ کے آیت سجدہ ہونے میں فقہی مذاہب کا بیان

اس پر تو امت کا اجماع ہے کہ اس سورت میں سجدہ تلاوت واجب ہے مقام سجدہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ قاضی ابوبکر ابن العربی نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما پہلی آیت کے ختم پر سجدہ کرتے تھے یعنی (آیت) اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ پر اور اسی کو امام مالک نے اختیار فرمایا ہے اور حضرت ابن عباس دوسری آیت کے آخر یعنی لایسمون پر سجدہ کرتے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی یہی فرمایا کہ دوسری آیت کے ختم پر سجدہ کریں۔ مسروق، ابوعبدالرحمٰن سلمی، ابراہیم نخعی، ابن سیرین، قتادہ وغیرہ، جمہور فقہاء لایسمون۔ ہی پر سجدہ کرتے تھے۔

امام ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ یہی مذہب تمام ائمہ حنفیہ کا ہے اور فرمایا کہ اختلاف کی بنا پر احتیاط بھی اسی میں ہے کہ دوسری آیت کے ختم پر سجدہ کیا جائے کیونکہ اگر سجدہ پہلی آیت سے واجب ہو چکا ہے تو وہ اب ادا ہو جائے گا اور اگر اسی آیت سے واجب ہے تو اس کا ادا ہونا خود ظاہر ہے۔ (احکام القرآن، سورہ فصلت، بیروت)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ
اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝
اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ بے شک تو زمین کو دبی ہوئی دیکھتا ہے، پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ لہلہاتی
ہے اور پھولتی ہے۔ بے شک وہ جس نے اسے زندہ کیا، یقیناً مردوں کو زندہ کرنے والا ہے، یقیناً وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

خشک زمین کے لہلہانے سے استدلال قدرت کا بیان

"ومن آياته أنك ترى الأرض خاشعة "يابسة لا نبات فيها "فإذا أنزلنا عليها الماء اهتزت" تحركت "وربت" انتفخت وعلت،

اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ بے شک تو زمین کو دبی ہوئی دیکھتا ہے، یعنی وہ خشک زمین جس میں نباتات نہیں ہوتیں۔ پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ لہلہاتی ہے اور پھولتی ہے۔ اور ابھرنے لگتی ہے۔ بے شک وہ جس نے اسے زندہ کیا، یقیناً مردوں کو زندہ کرنے والا ہے، یقیناً وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

زمین کی روئیدگی سے معاد پر دلیل کا بیان

اس قدر خشک ہو چکی تھی کہ اس کی اوپر کی سطح خشکی کی وجہ سے پتھر کی طرح بن چکی تھی۔ اوپر سے پانی برسا تو وہ پھولنے لگی۔ بارش کے پانی کی اس مٹی میں آمیزش سے اس میں روئیدگی کے آثار پیدا ہو گئے۔ اور وہ بیج جو کبھی کے زیر زمین پڑے ہوئے تھے۔ ان میں زندگی کے آثار پیدا ہوئے تو اس پھولی ہوئی زمین سے ان بیجوں کے پودوں کی کونپلیں زمین سے باہر نکل آئیں۔ حتیٰ کہ زمین نباتات سے لہلہا اٹھی اور اس پر جوبن آ گیا پھر اس بارش سے کئی جانور مینڈک، پپیہے اور حشرات الارض بھی پیدا ہو گئے۔ بالکل ایسی ہی صورت قیامت کے قریب واقع ہوگی آسمان سے ایک خاص قسم کی بارش برسے گی جس سے تمام مردوں میں زندگی کی لہر دوڑ جائے گی۔ پھر نفخہ صور ثانی کے وقت تمام مرے ہوئے انسان اپنی قبروں سے اس طرح نکل آئیں گے جیسے کونپل زمین سے نکل آتی ہے پھر وہ میدان محشر کی طرف چل کھڑے ہوں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ
اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝
بے شک وہ لوگ جو ہماری آیات کے بارے میں ٹیڑھے چلتے ہیں، وہ ہم پر مخفی نہیں رہتے، تو کیا وہ شخص جو آگ میں پھینکا جائے
بہتر ہے، یا جو امن کی حالت میں قیامت کے دن آئے؟ تم کرو جو چاہو، بے شک وہ اسے جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے۔

ملحدین کو جہنم میں ڈال دیئے جانے کا بیان

"إن الذين يلحدون" من ألحد ولحد "في آياتنا" القرآن بالتكذيب "لا يخفون علينا" فنجازيهم "أفمن يلقى في النار خير أم من يأتي آمنا يوم القيامة اعملوا ما شئتم إنه بما تعملون بصير"

تهديد لهم

بے شک وہ لوگ جو ہماری آیات یعنی قرآن کے بارے میں ٹیڑھے چلتے ہیں، یعنی اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ یہاں پر لفظ یلحدون یہ الحاد اور لحد سے مشتق ہے۔ وہ ہم پر مخفی نہیں رہتے، پس ہم انہیں جزاء دیں گے۔ تو کیا وہ شخص جو آگ میں پھینکا جائے بہتر ہے، یا جو امن کی حالت میں قیامت کے دن آئے؟ تم کرو جو چاہو، بے شک وہ اسے جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے۔ یہ ان کیلئے تہدید ہے۔

الحاد کے معنی ومفہوم کا بیان

الحاد کے معنی ابن عباس سے کلام کو اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنے کے مروی ہیں اور قتادہ وغیرہ سے الحاد کے معنی کفر و عناد ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ملحد لوگ ہم سے مخفی نہیں۔ ہمارے اسماء وصفات کو ادھر ادھر کر دینے والے ہماری نگاہوں میں ہیں۔ انہیں ہم بدترین سزائیں دیں گے۔ سمجھ لو کہ کیا جہنم واصل ہونے والا اور تمام خطروں سے بچ رہنے والا برابر ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بدکار

کافرو! جو چاہو عمل کرتے چلے جاؤ۔ مجھ سے تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ باریک سے باریک چیز بھی میری نگاہوں سے اوجھل نہیں، ذکر سے مراد بقول ضحاک سدی اور قتادہ قرآن ہے، وہ باعزت باتوقیر ہے اس کے مثل کسی کا کلام نہیں ان کے آگے پیچھے سے یعنی کسی طرف سے اس سے باطل مل نہیں سکتا، یہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے۔

جو اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ اس کے تمام تر احکام بہترین انجام والے ہیں، تجھ سے جو کچھ تیرے زمانے کے کفار کہتے ہیں یہی تجھ سے اگلے نبیوں کو ان کی کافر امتوں نے کہا تھا۔ پس جیسے ان پیغمبروں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو۔ جو بھی تیرے رب کی طرف رجوع کرے وہ اس کے لئے بڑی بخششوں والا ہے اور جو اپنے کفر و ضد پر اڑا رہے مخالفت حق اور تکذیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے باز نہ آئے اس پر وہ سخت دردناک سزائیں کرنے والا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کی بخشش اور معافی نہ ہوتی تو دنیا میں ایک متنفس جی نہیں سکتا تھا اور اگر اس کی پکڑ دکڑ عذاب سزا نہ ہوتی تو ہر شخص مطمئن ہو کر ٹیک لگا کر بے خوف ہو جاتا۔

ملحد اور زندیق کی سزا کا بیان

حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ زندیق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں لائے گئے تو انہوں نے ان کو جلا ڈالا پھر جب اس بات کی خبر حضرت ابن عباس کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ممانعت فرمائی ہے کہ کسی شخص کو ایسے عذاب میں مبتلا نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح ہو جیسے کسی کو آگ میں جلانا بلکہ میں ان کو قتل کر دیتا کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر دو۔

(بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 693)

اصل میں "زندیق" مجوسیوں کی ایک قوم کا نام ہے جو زردشت مجوس کی اختراع کی ہوئی کتاب زند کے پیروکار ہیں لیکن اصطلاح عام میں ہر ملحد فی الدین کو زندیق کہا جاتا ہے، چنانچہ یہاں بھی زندیق سے وہ لوگ مراد ہیں جو دین اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گئے تھے۔ بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں جن لوگوں کو زندیق کہا گیا ہے وہ دراصل عبداللہ ابن سبا کی قوم میں سے کچھ لوگ تھے جو حدود اسلام میں فتنہ و فساد برپا کرنے اور امت کو گمراہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے اور حضرت علی کے بارے میں خدائی کا دعویٰ کرتے تھے، چنانچہ حضرت علی نے ان کے اس عظیم فتنہ کا سر کچلنے کے لئے ان سب کو پکڑ وابلایا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ سب توبہ کریں اور یہ فتنہ پھیلانے سے باز رہیں لیکن جب انہوں نے اس سے انکار کر دیا تو حضرت علی نے ایک گڑھا کھدوا کر اس میں آگ جلوائی اور ان سب کو آگ کے اس گڑھے میں ڈلوا دیا۔ منقول ہے کہ جب حضرت ابن عباس کا مذکورہ قول حضرت علی تک پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ بیشک ابن عباس نے سچ کہا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی نے اس مسئلہ میں اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور اس مصلحت کے پیش نظر ان سب کو جلوا دیا کہ یہی لوگ نہیں بلکہ ان کا عبرتناک انجام دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس قسم کی مفسدہ پردازی سے باز رہیں۔

بعض کفریہ کلمات اوران سے بچنے کا بیان

علامہ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حرام مال کسی فقیر کو ثواب کی نیت سے دے اور ثواب کی امید رکھے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اگر فقیر کو یہ معلوم تھا کہ یہ مال حرام ہے اور کے باوجود اس نے وہ مال لے لیا اور دینے والے کو دعا دی اور اس دینے والے نے آمین کہی، تو وہ کافر ہوگا۔ ایک شخص سے کہا گیا کہ "حلال مال کھاؤ" اس نے کہا کہ "مجھے تو حرام مال بہت پیارا ہے" تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر اس کے جواب میں یہ کہا کہ "اس دنیا میں کسی ایک حلال کھانے والے کو لاؤ تا کہ میں اسے سجدہ کروں" تو وہ اس کہنے سے کافر ہو جائے گا، کسی نے ایک شخص سے کہا کہ "حلال کھایا کرو" جواب میں اس نے کہا کہ "مجھے تو حرام چاہئے" تو وہ کافر ہو گیا۔

کسی فاسق کے لڑکے نے شراب پی۔ پھر اس کے عزیز و اقارب آ کر اس پر روپے نچھاور کرنے لگے تو وہ سب کافر ہو گئے اور اگر نچھاور نہیں کیا بلکہ کہا کہ " تمہیں مبارک ہو" تو بھی کافر ہو جائیں گے۔ اگر کسی نے کہا کہ شراب کی حرمت قرآن سے نہیں ثابت ہوتی تو وہ کافر ہو جائے گا۔

کسی نے شراب پینے والے سے کہا کہ قرآن سے شراب کی حرمت ثابت ہے پھر تو شراب کیوں پیتے ہو تو بہ کیوں نہیں کرتے ؟ تو اس کے جواب میں شرابی نے کہا کہ "از شیر مادر شکیبد " یعنی کیا ماں کے دودھ سے صبر ہو سکتا ہے؟ تو وہ اس کے کہنے سے کافر نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ یا تو یہ استفہام ہے یا شراب اور دودھ میں شغف کے اندر برابری ظاہر کرنا ہے۔ اگر کوئی حالت حیض میں اپنی بیوی سے جماع (صحبت) کو حلال سمجھے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح وہ بھی کافر سمجھا جائے گا جو اپنی بیوی سے اغلام (لواطت) کو جائز جانے۔

اور نوادر میں امام محمد سے روایت ہے کہ ان دونوں صورتوں میں کافر نہیں ہوتا اور اس حکم کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ ایک شخص نے شراب پی اور پھر کہا کہ "جو شخص ہمارے اس کیف میں ہمارا شریک مسرت ہے اصل مسرت اسی کی ہے اور جو شخص ہمارے اس کیف و مسرت سے ناراض ہے وہ گھاٹے میں ہے" تو وہ کافر ہو گیا۔

اسی طرح وہ شراب پینے میں مشغول تھا تو اس نے کہا کہ مسلمان ہونے کو آشکارا کر رہا ہوں یا مسلمان ہونا ظاہر ہو رہا ہے تو اس سے کافر ہو جائے گا۔ اگر بدکار اور شرابی نے یہ کہا کہ اگر شراب کا کوئی قطرہ گر جائے گا۔ تو جبرائیل علیہ السلام اپنے پیروں سے اٹھائیں گے تو اس سے وہ کافر ہو جائے گا۔ ایک فاسق سے کسی نے کہا کہ تو ہر دن اس طرح صبح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق اللہ کو تکلیف دیتا ہے، اس نے کہا خوب کرتا ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ گناہوں کے متعلق کسی نے کہا کہ یہ بھی ایک مذہب ہے تو وہ اس کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

محیط میں ایسا ہی ہے اور تجنیس ناطقی میں ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ کہنے والا کافر نہیں ہوتا، اسی طرح وہ بھی کافر ہوگا جو تسبیح و تہلیل کے وقت یہ جملے کہے۔ ایک شخص نے سبحان اللہ کہا، دوسرے نے کہا کہ تو نے سبحان اللہ کی رونق ختم کر دی، یا کہا کہ تو نے اس کی کھال ادھیڑ دی تو وہ کافر ہو جائے گا۔ کسی سے کہا گیا کہ تم لا الہ الا اللہ نہیں کہتا تو وہ کافر ہوگا اور بعضوں نے کہا کہ مطلقاً کافر ہو

ہو جائے گا اور اگر جواب میں یہ کہا کہ تو نے یہ کلمہ پڑھ کر کیا بلندی حاصل کر لی کہ میں کہوں، تو بھی کافر ہو جائے گا۔

ایک بادشاہ کو چھینک آئی، اس کی چھینک پر کسی نے کہا (یرحمک اللہ)۔ دوسرے نے یرحمک اللہ کہنے والے سے کہا کہ بادشاہ کے لئے اس طرح مت کہو تو یہ کہنے والا کافر ہو جائے گا۔ (فتاویٰ عالم گیری، باب المرتدین، بیروت)

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ۝ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ
مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ۝
بے شک وہ لوگ جنھوں نے اس نصیحت کے ساتھ کفر کیا، جب وہ ان کے پاس آئی اور بلاشبہ یہ یقیناً ایک
باعزت کتاب ہے۔ باطل اس کے پاس نہ اس کے سامنے سے آ سکتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے، بڑی حکمت
والے، بڑی حمد والے کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔

قرآن مجید کا شان و عظمت والی کتاب ہونے کا بیان

"إن الـذين كفروا بالذكر " القرآن "لما جاء هم " نجازيهم "وإنـه لكتاب عزيز " منيع، "لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه " أي ليس قبله كتاب يكذبه ولا بعده "تنزيل من حكيم حميد " أي الله المحمود في أمره،

بے شک وہ لوگ جنھوں نے اس نصیحت یعنی قرآن کے ساتھ کفر کیا، جب وہ ان کے پاس آئی۔ جس کی سزا ہم انہیں دیں گے۔ اور بلاشبہ یہ یقیناً ایک باعزت کتاب ہے۔ یعنی وقار کتاب ہے۔

باطل اس قرآن کے پاس نہ اس کے سامنے سے آ سکتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے، یعنی نہ کسی پہلی کتاب نے اس کی تکذیب کی نہ کوئی آئندہ کتاب اس کی تکذیب کر سکتی ہے۔ یہ بڑی حکمت والے، بڑی حمد والے رب کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔ جو اپنے کام میں تعریف کیا گیا ہے۔

جمہور مفسرین نے فرمایا کہ ذکر سے مراد یہاں قرآن ہے اور جملہ (آیت) اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ یہ سابق جملہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ سے بدل ہے اور بقاعدہ عربیت بدل اور مبدل منہ کا ایک حکم ہوتا ہے اس لئے اس کا حاصل یہ ہوا کہ یہ لوگ ہم سے چھپ نہیں سکتے اور اس لئے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ آگے قرآن کے محفوظ منجانب اللہ ہونے کو بیان فرمایا ہے کہ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ۔ یعنی یہ کتاب اللہ کے نزدیک عزیز و کریم ہے، کوئی باطل اس میں راستہ نہیں پا سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ فصلت، لاہور)

مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّ ذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ ۝
جو آپ سے کہی جاتی ہیں وہی باتیں ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہی جا چکی ہیں، بیشک آپ کا رب
ضرور معافی والا ہے اور دردناک سزا دینے والا ہے۔

قرآن مجید کی تکذیب کرنے والوں کیلئے دردناک عذاب ہونے کا بیان

"ما يقال لك" من التكذيب "إلا" مثل "ما قد قيل للرسل من قبلك إن ربك لذو مغفرة" للمؤمنين "وذو عقاب أليم" للكافرين

جو آپ سے کہی جاتی ہیں کہ یہ وہی باتیں ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہی جا چکی ہیں، بیشک آپ کا رب ضرور معافی والا بھی ہے اور کفار کو دردناک سزا دینے والا بھی ہے۔

یعنی منکرین کا جو معاملہ آپ کے ساتھ ہے، یہ ہی ہر زمانہ کے منکرین کا پیغمبروں کے ساتھ رہا ہے پیغمبروں نے ہمیشہ خیر خواہی کی ہے، انہوں نے اس کے جواب میں ہر طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ پھر جس طرح پیغمبروں نے سختیوں پر صبر کیا، آپ بھی صبر کرتے رہیے نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ لوگ توبہ کر کے راہ راست پر آ جائیں گے جن کے لیے خدا کے ہاں معافی ہے اور کچھ اپنی کجروی اور ضد پر قائم رہیں گے جو آخر کار دردناک سزا کے مستوجب ہوں گے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ؕ
قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ
وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝
اور اگر ہم اس کو عجمی زبان کا قرآن بنا دیتے تو یقیناً یہ کہتے کہ اس کی آیتیں واضح طور پر بیان کیوں نہیں کی گئیں، کیا کتاب عجمی ہے
اور رسول عربی ہے۔ فرما دیجئے: وہ ایمان والوں کے لئے ہدایت ہے اور شفا ہے اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے کانوں
میں بہرے پن کا بوجھ ہے وہ ان کے حق میں نابینا پن ہے وہ لوگ کسی دور کی جگہ سے پکارے جاتے ہیں۔

کفار کے بہرے پن ہونے کا بیان

"ولو جعلناه" أي الذكر "قرآنا أعجميا لقالوا لولا" هلا "فصلت" بينت "آياته" حتى نفهمها "أ" قرآن "أعجمي و" نبي "عربي" استفهام إنكار منهم بتحقيق الهمزة الثانية وقلبها ألف بإشباع ودونه "قل هو للذين آمنوا هدى" من الضلالة "وشفاء" من الجهل "والذين لا يؤمنون في آذانهم وقر" ثقل فلا يسمعونه "وهو عليهم عمى" فلا يفهمونه "أولئك ينادون من مكان بعيد" أي هم كالمنادى من مكان بعيد لا يسمع ولا يفهم ما ينادى به،

اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان کا قرآن بنا دیتے تو یقیناً یہ کہتے کہ اس کی آیتیں واضح طور پر بیان کیوں نہیں کی گئیں، تا کہ ہم ان کو سمجھ لیتے۔ کیا کتاب یعنی قرآن عجمی ہے اور رسول عربی ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ جو ہمزہ ثانیہ کی تحقیق کے ساتھ جبکہ اس کی الف اشباع کے ساتھ بدلہ جائے یا نہ بدلہ جائے۔ فرما دیجئے: وہ قرآن ایمان والوں کے لئے گمراہی سے ہدایت بھی ہے اور جہالت

سے شفا بھی ہے اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے کانوں میں بہرے پن کا بوجھ ہے وہ ان کے حق میں نابینا پن بھی ہے لہٰذا وہ اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ گویا وہ لوگ کسی دور کی جگہ سے پکارے جاتے ہیں۔ یعنی وہ اس بندے کی طرح ہیں جس کو دور سے آواز دی جا رہی ہو جس کو وہ نہ سن سکتا ہو اور نہ ہی سمجھ سکتا ہو۔ بس اس کو آواز دی جا رہی ہو۔

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا بیان

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اس کے حکم احکام اس کے لفظی و معنوی فوائد کا بیان کر کے اس پر ایمان نہ لانے والوں کی سرکشی ضد اور عداوت کا بیان فرما رہا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے مطلب یہ ہے کہ نہ ماننے کے بیسیوں حیلے ہیں نہ یوں چین نہ دوں چین۔ اگر قرآن کسی عجمی زبان میں اترتا تو بہانہ کرتے کہ ہم تو اسے صاف صاف سمجھ نہیں سکتے۔ مخاطب جب عربی زبان کے ہیں تو ان پر جو کتاب اترتی ہے وہ غیر عربی زبان میں کیوں اتر رہی ہے؟ اور اگر کچھ عربی میں ہوتی اور کچھ دوسری زبان میں تو بھی ان کا یہی اعتراض ہوتا کہ اس کی کیا وجہ؟ حضرت حسن بصری کی قرأت ! عَجمی ہے۔

سعید بن جبیر بھی یہی مطلب بیان کرتے ہیں۔ اس سے ان کی سرکشی معلوم ہوتی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے دل کی ہدایت اور ان کے سینوں کی شفا ہے۔ ان کے تمام شک اس سے زائل ہو جاتے ہیں اور جنہیں اس پر ایمان نہیں وہ تو اسے سمجھ ہی نہیں سکتے جیسے کوئی بہرا ہو۔ نہ اس کے بیان کی طرف انہیں ہدایت ہو جیسے کوئی اندھا ہو اور آیت میں ہے (وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۗءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا، الاسراء:82) ہمارا نازل کردہ یہ قرآن ایمان داروں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔ ہاں ظالموں کو تو ان کا نقصان ہی بڑھاتا ہے۔

ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی دور سے کسی سے کچھ کہہ رہا ہو کہ نہ اس کے کانوں تک صحیح الفاظ پہنچتے ہیں نہ وہ ٹھیک طرح مطلب سمجھتا ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے (وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ، البقرۃ:171) یعنی، کافروں کی مثال اس کی طرح ہے جو پکارتا ہے مگر آواز اور پکار کے سوا کچھ اور اس کے کان میں نہیں پڑتا۔ بہرے گونگے اندھے ہیں پھر کیسے سمجھ لیں گے؟ حضرت ضحاک نے یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن انہیں ان کے بدترین ناموں سے پکارا جائے گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مسلمان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جس کا آخری وقت تھا اس نے یکا یک لبیک پکارا آپ نے فرمایا کیا تجھے کوئی دیکھ رہا ہے یا کوئی پکار رہا ہے؟ اس نے کہا ہاں سمندر کے اس کنارے سے کوئی بلا رہا ہے تو آپ نے یہی جملہ پڑھا۔ (اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ، فصلت:44)۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ فصلت، بیروت)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ○

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر وہ بات نہ ہوتی جو تیرے رب کی طرف سے پہلے طے

ہو چکی تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اور بلاشبہ وہ اس کے متعلق یقیناً ایسے شک میں ہیں جو بے چین رکھنے والا ہے۔

قیامت تک کیلئے عذاب کو مؤخر کر دیئے جانے کا بیان

"ولقد آتينا موسى الكتاب" التوراة "فاختلف فيه" بالتصديق والتكذيب كالقرآن "ولولا كلمة سبقت من ربك" بتأخير الحساب والجزاء للخلائق إلى يوم القيامة "لقضي بينهم" في الدنيا فيما اختلفوا فيه "وإنهم" أي المكذبين به "لفي شك منه مريب" موقع في الريبة

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی تورات دی تو اس میں تصدیق وتکذیب میں اختلاف کیا گیا جس طرح قرآن میں کرتے ہیں۔اور اگر وہ بات نہ ہوتی جو تیرے رب کی طرف سے پہلے طے ہو چکی یعنی مخلوق کے حساب وکتاب اور جزاء کو قیامت کے دن تک کیلئے مؤخر کر دیا گیا ہے۔تو دنیا میں ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا جس میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔اور بلاشبہ وہ اس کے متعلق یقیناً ایسے شک میں ہیں جو بے چین رکھنے والا ہے۔یعنی شک میں واقع ہوئے ہیں۔

پھر فرماتا ہے ہم نے موسیٰ کو کتاب دی لیکن اس میں بھی اختلاف کیا گیا۔انہیں بھی جھٹلایا اور ستایا گیا۔پس جیسے انہوں نے صبر کیا آپ کو بھی صبر کرنا چاہئے چونکہ پہلے ہی سے تیرے رب نے اس بات کا فیصلہ کر لیا ہے کہ ایک وقت مقرر یعنی قیامت تک عذاب رکے رہیں گے۔اس لئے یہ مہلت مقررہ ہے ورنہ ان کے کرتوت تو ایسے نہ تھے کہ یہ چھوڑ دیئے جائیں اور کھاتے پیتے رہیں۔ابھی ہی ہلاک کر دیئے جاتے۔یہ اپنی تکذیب میں بھی کسی یقین پر نہیں بلکہ شک میں ہی پڑے ہوئے ہیں۔لرز رہے ہیں ادھر ادھر ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝
جس نے نیک عمل کیا تو اس نے اپنی ہی ذات کے لئے اور جس نے گناہ کیا سو اسی کی جان پر ہے،
اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

نیک وبرے اعمال کا نقصان فاعل پر ہونے کا بیان

"من عمل صالحا فلنفسه" عمل "ومن أساء فعليها" أي فضرر إساءته على نفسه "وما ربك بظلام للعبيد" أي بذي ظلم لقوله تعالىٰ "إن الله لا يظلم مثقال ذرة"

جس نے نیک عمل کیا تو اس نے اپنی ہی ذات کے نفع کے لئے کیا اور جس نے گناہ کیا سو اس کا نقصان بھی اسی کی جان پر ہے،اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔یعنی وہ ظلم کرنے والا نہیں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بے شک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

اس آیت کا مطلب بہت صاف ہے بھلائی کرنے والے کے اعمال کا نفع اسی کو ہوتا ہے اور برائی کرنے والے کی برائی کا وبال بھی اسی کی طرف لوٹتا ہے۔پروردگار کی ذات ظلم سے پاک ہے۔ایک کے گناہ پر دوسرے کو وہ نہیں پکڑتا۔نا کردہ گناہ کو وہ سزا

نہیں دیتا۔ پہلے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھیجتا ہے۔ اپنی کتاب اتارتا ہے، اپنی حجت تمام کرتا ہے، اپنی باتیں پہنچا دیتا ہے، اب بھی جو نہ مانے وہ مستحق عذاب و سزا قرار دے دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں

حضرت ابن دیلمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابی کعب (صحابی) (حضرت ابی بن کعب انصاری وخزرجی ہیں کنیت ابوالمنذر رہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی آپ کی وفات حضرت عثمان کے دور خلافت میں ہوئی)۔ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے دل میں تقدیر کے بارہ میں کچھ شبہات پیدا ہو رہے ہیں (کہ جب تمام چیزیں نوشتہ تقدیر کے مطابق ہیں تو پھر یہ ثواب یا عذاب کیسا؟) اس لئے آپ کوئی حدیث بیان کیجئے تا کہ (اس کی وجہ سے) شاید اللہ تعالیٰ میرے دل کو اس شبہ (کی گندگی) سے پاک کر دے۔ (یہ سن کر) انہوں نے فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ آسمان والوں اور زمین والوں کو عذاب میں مبتلا کرے تو وہ ان پر کسی طرح کا ظلم کرنے والا نہیں ہے (یعنی وہ اہل زمین اور اہل آسمان کو کتنا ہی عذاب دے اسے ظالم نہیں کہا جائے گا) اور اگر وہ ان کو اپنی رحمت سے نواز دے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے یقیناً بہتر ہوگی اور اگر تم اللہ کی راہ میں احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو تو تمہارا یہ عمل خیر اللہ کے نزدیک اس وقت تک قبول نہیں ہوگا جب تک کہ تم تقدیر پر کامل اعتقاد و ایمان نہ رکھو اور یہ سمجھ لو کہ جو کچھ تم کو پہنچا ہے وہ (رکنے) اور خطا کرنے والا نہ تھا اور جو چیز رک گئی اور تمہیں نہیں پہنچی تو (سمجھو کہ) وہ تمہارے مقدر میں نہیں تھی اور اگر تم اس حالت میں مر جاؤ کہ اس کے خلاف عقیدہ ہو (یعنی تقدیر پر کامل ایمان نہ ہو) تو یقیناً دوزخ میں جاؤ گے، ابن دیلمی فرماتے ہیں کہ ابی بن کعب کا یہ بیان سن کر میں عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے بھی یہی بیان کیا پھر حذیفہ بن یمان کے پاس گیا تو انہوں نے بھی یہی کہا اور پھر میں زید بن ثابت کے پاس پہنچا انہوں نے اس قسم کی حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔

(مسند احمد بن حنبل، ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 111)

اِلَيۡهِ يُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ
اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ اَيۡنَ شُرَكَآءِىۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِيۡدٍ ۚ
اسی کی طرف ہی وقت قیامت کے علم کا حوالہ دیا جاتا ہے، اور نہ پھل اپنے غلافوں سے نکلتے ہیں اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے
اور نہ وہ بچہ جنتی ہے مگر اس کے علم میں ہوتا ہے۔ اور جس دن وہ انہیں ندا فرمائے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں،
وہ کہیں گے: ہم آپ سے عرض کئے دیتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی گواہ نہیں ہے۔

قیام قیامت کے وقت کے علم کو اللہ کی طرف لوٹا دینے کا بیان

"إليه يرد علم الساعة" متى تكون لا يعلمها غيره "وما تخرج من ثمرات" وفي قراءة ثمرات "من

أكمامها" أوعيتها جمع كم بكسر الكاف إلا بعلمه "وما تحمل من أنثى ولا تضع إلا بعلمه ويوم يناديهم أين شركاءى قالوا آذناك" أعلمناك الآن "ما منا من شهيد" أى شاهد بأن لك شريكا،

اسی کی طرف ہی وقت قیامت کے علم کا حوالہ دیا جاتا ہے، یعنی وہ قیامت کب قائم ہوگی یہ بات اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ پھل اپنے غلافوں سے نکلتے ہیں، یہاں پر لفظ ثمرات یہ ایک قرأت کے مطابق ثمرات من اکمامہا ہے۔ اور اکمام یہ کم کی جمع ہے جو کاف کے کسرہ کے ساتھ آیا ہے۔ اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ وہ بچہ جنتی ہے مگر یہ سب کچھ اس کے علم میں ہوتا ہے۔ اور جس دن وہ انہیں ندا فرمائے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں، تو وہ مشرک کہیں گے، ہم آپ سے عرض کئے دیتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی کسی کے آپ کے ساتھ شریک ہونے پر گواہ نہیں ہے۔ جو آپ کے ساتھ ٹھہرائے گئے شریک کی گواہی دے۔

اللہ تعالیٰ کے علم وعطاء کا بیان

اللہ تعالیٰ پھل کے غلاف سے برآمد ہونے کے قبل اس کے احوال کو جانتا ہے اور مادہ کے حمل کو اور اس کی ساعتوں کو اور وضع کے وقت کو اور اس کے ناقص وغیر ناقص اور اچھے اور برے اور نر و مادہ ہونے کو سب کو جانتا ہے، اس کا علم بھی اسی کی طرف حوالہ کرنا چاہئے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اولیائے کرام اصحاب کشف بسا اوقات ان امور کی خبریں دیتے ہیں اور وہ صحیح واقع ہوتی ہیں بلکہ کبھی منجم اور کاہن بھی خبریں دیتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نجومیوں اور کاہنوں کی خبریں تو محض اٹکل کی باتیں ہیں جو اکثر و بیشتر غلط ہو جایا کرتی ہیں، وہ علم ہی نہیں، بے حقیقت باتیں ہیں اور اولیاء کی خبریں بیشک صحیح ہوتی ہیں اور وہ علم سے فرماتے ہیں اور یہ علم ان کا ذاتی نہیں، اللہ تعالیٰ کا عطا فرمایا ہوا ہے تو حقیقت میں یہ اسی کا علم ہوا، غیر کا نہیں۔ (تفسیر خازن، سورہ فصلت، بیروت)

وقت قیامت کے تعین کو پوشیدہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے

حضرت عمر بن الخطاب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن (ہم صحابہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک آدمی ہمارے درمیان آیا جس کا لباس نہایت صاف ستھرے اور سفید کپڑوں پر مشتمل تھا اور جس کے بال نہایت سیاہ (چمکدار) تھے، اس آدمی پر نہ تو سفر کی کوئی علامت تھی (کہ اس کو کہیں سے سفر کر کے آیا ہوا کوئی اجنبی آدمی سمجھا جاتا) اور نہ ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا تھا (جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ کوئی مقامی آدمی ہو یا کسی کا مہمان بھی نہیں تھا) بہر حال وہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے قریب آ کر بیٹھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملا لئے اور پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی دونوں رانوں پر رکھ لئے (جیسے ایک سعادت مند شاگرد اپنے جلیل القدر استاد کے سامنے باادب بیٹھتا ہے اور استاد کی باتیں سننے کے لئے ہمہ تن متوجہ ہو جاتا ہے) اس کے بعد اس نے عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھ کو اسلام کی حقیقت سے آگاہ فرمایئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اس حقیقت کا اعتراف کرو اور گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور پھر تم پابندی سے نماز پڑھو (اگر صاحب نصاب ہو تو) زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور زاد راہ میسر ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔ اس آدمی نے یہ سن کر کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس (تضاد) پر ہمیں تعجب ہوا کہ یہ آدمی (ایک لاعلم آدمی کی طرح پہلے تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

دریافت کرتا ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کی تصدیق بھی کرتا ہے (جیسے اس کو ان باتوں کا پہلے سے علم ہو) پھر وہ آدمی بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم (!اب ایمان کی حقیقت بیان فرمایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایمان یہ ہے کہ) تم اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو، اس کے رسولوں کو اور قیامت کے دن کو دل سے مانو اور اس بات پر یقین رکھو کہ برا بھلا جو کچھ پیش آتا ہے وہ نوشتہ تقدیر کے مطابق ہے۔ اس آدمی نے (یہ سن کر) کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ پھر بولا اچھا اب مجھے یہ بتایئے کہ احسان کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو (یعنی اتنا حضور قلب میسر نہ ہو سکے) تو پھر (یہ دھیان میں رکھو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پھر اس آدمی نے عرض کیا قیامت کے بارے میں مجھے بتایئے (کہ کب آئے گی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بارے میں جواب دینے والا، سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا (یعنی قیامت کے متعلق کہ کب آئے گی، میرا علم تم سے زیادہ نہیں جتنا تم جانتے ہو اتنا ہی مجھ کو معلوم ہے) اس کے بعد اس آدمی نے کہا اچھا اس (قیامت) کی کچھ نشانیاں ہی مجھے بتا دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لونڈی اپنے آقا کو مالک کو جنے گی اور برہنہ پا، برہنہ جسم مفلس وفقیر اور بکریاں چرانے والوں کو تم عالی شان مکانات وعمارت میں فخر وغرور کی زندگی بسر کرتے دیکھو گے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ آدمی چلا گیا اور میں نے (اس کے بارہ میں آپ سے فوراً دریافت نہیں کیا بلکہ) کچھ دیر توقف کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی مجھ سے پوچھا عمر! جانتے ہو سوالات کرنے والا آدمی کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جبرائیل تھے جو (اس طریقہ سے) تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ (صحیح مسلم)

اس روایت کو حضرت ابوہریرہ نے چند الفاظ کے اختلاف وفرق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کی روایت کے آخری الفاظ یوں ہیں۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی نشانیوں کے بارے میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ) جب تم برہنہ پا برہنہ جسم اور بہرے گونگے لوگوں کو زمین پر حکمرانی کرتے دیکھو (تو سمجھ لینا کہ قیامت قریب ہے) اور قیامت تو ان پانچ چیزوں میں سے ایک ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں رکھتا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ، لقمان: 34) آخر تک پڑھی۔ اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور بارش کا کہ کب برسائے گا اور وہی (حاملہ) کے پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے (کہ لڑکا ہے یا لڑکی) اور کوئی آدمی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کام کرے گا اور کسی آدمی کو نہیں معلوم کہ کس زمین پر اسے موت آئے گی۔ بیشک اللہ ہی جاننے والا اور خبردار ہے)۔ (صحیح البخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 2)

یاد رہے حدیث جبرائیل سے بعض خارجی لوگ فوری طور پر استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب قیامت کے وقت کا تعین نہیں بتایا تو لہٰذا آپ کو قیامت کے وقت کا علم ہی نہیں ہے۔ حالانکہ ان جہلاء کو معلوم ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی اموات اور قیامت کے علم کو مخفی رکھا ہے۔ اور اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بھی اس علم کو پوشیدہ رکھا ہے۔ اور یہ جہلاء اگر علم قیامت کے تعین نہ بتانے کے سبب علم نبوت میں کمی کا عقیدہ رکھتے ہیں تو بتائیں کہ علم قیامت کے بارے میں کوئی وحی بھی تو نہ آئی کیا علم وحی میں کمی کا عقیدہ رکھیں گے یا پھر اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھیں کہ اس نے قیامت کے علم کو اپنی وحی کے ذریعے انبیائے

کرام کی وساطت سے مخلوق تک نہیں پہنچایا۔ تو یہ نقص ہوا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر نقص وعیب سے پاک ہے۔ لہٰذا امت مسلمہ اس قسم کے جاہل خارجیوں کے باطل نظریات سے اپنے آپ کو بچائے۔

وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَ ظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ٥
وہ سب ان سے غائب ہو جائیں گے جن کی وہ پہلے پوجا کیا کرتے تھے وہ سمجھ لیں گے کہ ان کے لئے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں رہی۔

قیامت کے دن معبودان باطلہ کا اپنے عابدین سے غائب ہو جانے کا بیان

"وضل" غاب "عنهم ما كانوا يدعون" يعبدون "من قبل" في الدنيا من الأصنام "وظنوا" أيقنوا "ما لهم من محيص" مهرب من العذاب والنفي في الموضعين معلق عن العمل وجملة النفي سدت مسد المفعولين،

وہ سب بت ان سے غائب ہو جائیں گے جن بتوں کی وہ پہلے دنیا میں پوجا کیا کرتے تھے وہ سمجھ لیں گے یعنی یقین کر لیں گے کہ ان کے لئے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں رہی۔ یعنی عذاب سے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ یہاں پر جملہ نفی کو دو مفعولوں کے قائم مقام کیا گیا ہے۔

یعنی دنیا میں جنہیں خدا کا شریک بنا کر پکارتے تھے آج ان کا کہیں پتہ نہیں۔ وہ اپنے پرستاروں کی مدد کو نہیں آتے۔ اور پرستاروں کے دلوں سے بھی وہ پکارنے کے خیالات اب غائب ہو گئے انہوں نے بھی سمجھ لیا کہ خدائی سزا سے بچنے کی اب کوئی سبیل نہیں۔ اور گلوخلاصی کا کوئی ذریعہ نہیں۔ آخر آس توڑ کر بیٹھ رہے۔ اور جن کی حمایت میں پیغمبروں سے لڑتے تھے آج ان سے قطعاً بے تعلقی اور بیزاری کا اظہار کرنے لگے۔

لَا يَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ٘ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ٥
انسان بھلائی مانگنے سے نہیں اکتاتا اور اگر اسے کوئی برائی آ پہنچے تو بہت مایوس، نہایت ناامید ہوتا ہے۔

انسان کا بھلائی مانگنے سے اکتاہٹ محسوس نہ کرنے کا بیان

"لا يسأم الإنسان من دعاء الخير" أي لا يزال يسأل ربه المال والصحة وغيرهما "وإن مسه الشر" الفقر والشدة "فيئوس قنوط" من رحمة الله, وهذا وما بعده في الكافرين،

انسان بھلائی مانگنے سے نہیں اکتاتا یعنی مال اور صحت وغیرہ اپنے رب سے مانگنے سے نہیں گھبراتا۔ اور اگر اسے کوئی برائی یعنی فقر اور سختی آ پہنچے تو اللہ کی رحمت سے بہت مایوس، نہایت ناامید ہوتا ہے۔ یہ اور اس کے بعد کا بیان کفار کیلئے ہے۔

انسان کے پیٹ کو مٹی کے سوا کسی چیز سے بھی نہ بھر سکنے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا۔ اگر (بالفرض والتقدیر) آدمی کے پاس مال و دولت سے بھرے ہوئے دو جنگل ہوں تب بھی وہ تیسرے جنگل کی تلاش میں رہے گا (یعنی اس کی حرص و طمع کی درازی کا یہ عالم ہے کہ کسی بھی حد پر پہنچ کر اس کو سیری حاصل نہیں ہوتی۔

اور آدمی کے پیٹ کو مٹی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی (یعنی جب تک وہ قبر میں جا کر نہیں لیٹ جاتا اس وقت تک اس کی حرص و طمع کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ تاہم یہ بات اکثر لوگوں کے اعتبار سے فرمائی ہے ورنہ ایسے بندگان اللہ بھی ہیں جن میں حرص و طمع ہونے کا تو کیا سوال اپنی ضرورت کے بقدر مال و اسباب کی بھی انہیں پروا نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ بری حرص سے جس بندہ کی توبہ چاہتا ہے قبول کر لیتا ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1198)

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ
قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝
اور اگر ہم اسے اپنی جانب سے رحمت چکھا دیں اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچ چکی تھی تو وہ ضرور کہنے لگتا ہے کہ یہ
تو میرا حق تھا اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت برپا ہونے والی ہے اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی جاؤں
تو بھی اس کے حضور میرے لئے یقیناً بھلائی ہوگی سو ہم ضرور کفر کرنے والوں کو ان کاموں سے آگاہ کر دیں گے
جو انہوں نے انجام دیئے اور ہم انہیں ضرور سخت ترین عذاب چکھا دیں گے۔

آسانیوں کو اپنے کام کا بدلہ قرار دینے کا بیان

"ولئن" لام قسم "أذقناه" آتیناه "رحمة" غنى وصحة "منا من بعد ضراء " شدة وبلاء "مسته ليقولن هذا لي " أي بعملي "وما أظن الساعة قائمة ولئن " لام قسم "رجعت إلى ربي إن لي عنده للحسنى " أي الجنة "فلننبئن الذين كفروا بما عملوا ولنذيقنهم من عذاب غليظ " شديد, واللام في الفعل لام قسم،

یہاں پر لفظ لئن میں لام قسمیہ ہے۔ اور اگر ہم اسے اپنی جانب سے رحمت کا مزہ چکھا دیں یعنی اس کو مالدار اور صحت عطا کر دیں اس تکلیف اور شدت کے بعد جو اسے پہنچ چکی تھی تو وہ ضرور کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میرا حق یعنی میرے عمل کا حق تھا اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت برپا ہونے والی ہے اور یہاں پر بھی لئن میں لام قسمیہ ہے۔ اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو بھی اس کے حضور میرے لئے یقیناً بھلائی یعنی جنت ہوگی۔ پس ہم ضرور کفر کرنے والوں کو ان کاموں سے آگاہ کر دیں گے جو انہوں نے انجام دیئے اور ہم انہیں ضرور سخت ترین عذاب کا مزہ چکھا دیں گے۔

یعنی انسان کی طبیعت عجیب طرح کی ہے۔ جب دنیا کی ذراسی بھلائی پہنچے اور کچھ عیش و آرام و تندرستی نصیب ہو، تو مارے

حرص کے چاہتا ہے کہ اور زیادہ مزے اڑائے۔ کسی حد پر پہنچ کر اس کی حرص کا پیٹ نہیں بھرتا، اگر بس چلے تو ساری دنیا کی دولت لے کر اپنے گھر میں ڈال لے۔ لیکن جہاں ذرا کوئی افتاد پڑنا شروع ہوئی اور اسباب ظاہری کا سلسلہ اپنے خلاف دیکھا تو پھر مایوس اور ناامید ہوتے بھی دیر نہیں لگتی۔ اس وقت اس کا دل فوراً آس توڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی نظر صرف پیش آمدہ اسباب پر محدود ہوتی ہے۔ اس قادر مطلق مسبب الاسباب پر اعتماد نہیں رکھتا جو چاہے تو ایک آن میں سلسلہ اسباب کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دے۔ اس مایوسی کے بعد اگر فرض کیجیے اللہ نے تکلیف و مصیبت دور کر کے اپنی مہربانی سے پھر عیش و راحت کا سامان کر دیا تو کہنے لگتا ہے "ہذا الی" یعنی میں نے فلاں تدبیر کی تھی، میری تدبیر اور لیاقت و فضیلت سے یوں ہی ہونا چاہیے تھا اب نہ خدا کی مہربانی یاد رہی نہ اپنی وہ مایوسی کی کیفیت جو چند منٹ پہلے قلب پر طاری تھی۔ اب عیش و آرام کے نشہ میں ایسا مخمور ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی کسی مصیبت اور تکلیف کے پیش آنے کا خطرہ نہیں رہتا۔ سمجھتا ہے کہ ہمیشہ اسی حالت میں رہوں گا۔ اور اگر کبھی تاثرات کے دوران میں قیامت کا نام سن لیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تو خیال نہیں کرتا کہ یہ چیز کبھی ہونے والی ہے۔ اور فرض کرو ایسی نوبت آ ہی گئی اور مجھ کو لوٹ کر اپنے رب کی طرف جانا ہی پڑا تب بھی مجھے یقین ہے وہاں میرا انجام بہتر ہوگا۔ اگر میں خدا کے نزدیک برا اور نالائق ہوتا تو دنیا میں مجھ کو یہ عیش و بہار کے مزے کیونکر ملتے۔ لہٰذا وہاں بھی توقع ہے کہ یہ ہی معاملہ میرے ساتھ ہوگا۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَا بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ۝
اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں وہ منہ موڑ لیتا ہے اور اپنا پہلو دور کر لیتا ہے اور جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو چوڑی دعا والا ہے۔

مصیبت کے وقت لمبی چوڑی دعائیں مانگنے کا بیان

"وإذا أنعمنا على الإنسان" الجنس "أعرض" عن الشكر "ونأى بجانبه" ثنى عطفه متبخترا ، وفي قراءة بتقديم الهمزة "وإذا مسه الشر فذو دعاء عريض" كثير،

اور جب ہم انسان یعنی جنس انسانیت پر انعام کرتے ہیں تو وہ شکر سے منہ موڑ لیتا ہے اور اپنا پہلو دور کر لیتا ہے اور یعنی تکبر کرتے ہوئے پہلو دور کر لیتا ہے۔ اور ایک قرأت میں ہمزہ کی تقدیم کے ساتھ ہے۔ جب اسے مصیبت پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعا والا ہے۔

لیکن اس جگہ اس کافر انسان کی جو مذمت کی گئی ہے وہ درحقیقت طول دعا پر نہیں بلکہ اس کی اس مجموعی مذموم خصلت پر ہے کہ جب اس پر اللہ تعالیٰ نعمت کی روانی فرمادیں تو تکبر اور غرور میں مدہوش ہو جاوے اور جب مصیبت آدے تو اپنی پریشانی کو بار بار پکارتا اور کہتا پھرے جیسا غافل لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اللہ سے دعا کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنا دکھڑا رونا اور لوگوں سے کہتے رہنا مقصود ہوتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝
فرمادیجیے، بھلا تم بتاؤ اگر یہ اللہ ہی کی طرف سے ہو پھر تم اس کا انکار کرتے رہو تو اس شخص سے بڑھ کر گمراہ
کون ہوگا جو پرلے درجہ کی مخالفت میں ہو۔

کفار کا حق کی مخالفت میں بڑھ جانے کا بیان

"قل أرأيتم إن كان" أى القرآن "من عند الله" كما قال النبى "ثم كفرتم به من" أى لا أحد "أضل ممن هو فى شقاق" خلاف "بعيد" عن الحق أوقع هذا موقع منكم بيانا لحالهم،

فرما دیجئے: بھلا تم بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ ہی کی طرف سے اُترا ہو جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ پھر تم اس کا انکار کرتے رہو تو اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا یعنی ایسا کوئی ایک بھی گمراہ نہ ہوگا۔ جو حق کی مخالفت میں پرلے درجہ کی مخالفت میں پڑا ہو۔ اور یہ لفظ، من اضل یہ منکم کی جگہ پر بہ طور بیان حالت واقع ہوا ہے۔

قرآن کریم کی حقانیت کے بعض دلائل کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ قرآن کے جھٹلانے والے مشرکوں سے کہہ دو کہ مان لو یہ قرآن سچ مچ اللہ ہی کی طرف سے ہے اور تم اسے جھٹلا رہے ہو تو اللہ کے ہاں تمہارا کیا حال ہوگا؟ اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اپنے کفر اور اپنی مخالفت کی وجہ سے راہ حق سے اور مسلک ہدایت سے بہت دور نکل گیا ہو پھر اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے کہ قرآن کریم کی حقانیت کی نشانیاں اور خصلتیں انہیں ان کے گرد و نواح میں دنیا کے چاروں طرف دکھا دیں گے۔ مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوں گی وہ سلطنتوں کے سلطان بنیں گے۔ تمام دینوں پر اس دین کو غلبہ ہوگا فتح بدر اور فتح مکہ کی نشانیاں خود ان میں موجود ہوں گی۔ کافر لوگ تعداد اور شان و شوکت میں بہت زیادہ ہوں گے پھر بھی مٹھی بھر اہل حق انہیں زیر و زبر کر دیں گے اور ممکن ہے یہ مراد ہو کہ حکمت الٰہی کی ہزار ہا نشانیاں خود انسان کے اپنے وجود میں موجود ہیں اس کی صنعت و بناوٹ اس کی ترکیب و جبلت اس کے جداگانہ اخلاق اور مختلف صورتیں اور رنگ روپ وغیرہ اس کے خالق و صانع کی بہترین یادگاریں ہر وقت اس کے سامنے ہیں بلکہ اس کی اپنی ذات میں موجود ہیں پھر اس کا ہیر پھیر کبھی کوئی حالت کبھی کوئی حالت۔ بچپن، جوانی، بڑھاپا، بیماری، تندرستی، تنگی، فراخی رنج و راحت وغیرہ اوصاف جو اس پر طاری ہوتے ہیں۔

شیخ ابو جعفر قرشی نے اپنے اشعار میں بھی اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔ الغرض یہ بیرونی اور اندرونی آیات قدرت اس قدر ہیں کہ انسان اللہ کی باتوں کی حقانیت کے ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی گواہی بس کافی ہے وہ اپنے بندوں کے اقوال و افعال سے بخوبی واقف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فصلت، بیروت)

سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ ؕ
اَوَلَمۡ يَكۡفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ○
ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں اَطراف عالم میں اور خود ان کی ذاتوں میں دکھا دیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر
ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔ کیا آپ کا رب کافی نہیں ہے کہ وہی ہر چیز پر گواہ ہے۔

اطراف عالم کی نشانیوں سے دلائل قدرت کا بیان

"سنريهم آياتنا في الآفاق " أقطار السماوات والأرض من النيرات والنبات والأشجار "وفي أنفسهم" من لطيف الصنعة وبديع الحكمة "حتى يتبين لهم أنه " أي القرآن "الحق" المنزل من الله بالبعث والحساب والعقاب , فيعاقبون على كفرهم به وبالجائي به "أو لم يكف بربك " فاعل يكف "أنه على كل شيء شهيد" بدل منه , أي أو لم يكفهم في صدقك أن ربك لا يغيب عنه شيء ما،

ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں اطراف عالم میں یعنی آسمانوں اور زمینوں کے اطراف میں دیکھا دیں گے جو ستارے، نباتات اور درخت ہیں۔ اور خود ان کی ذاتوں میں دکھا دیں گے جو لطیف صنعت اور بدیع حکمت ہے۔ یہاں تک کہ ان پر قرآن ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔ جو بعث وحساب اور عذاب کے حکم کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ کیا آپ کا رب (آپ کی حقانیت کی تصدیق کے لئے) کافی نہیں ہے کہ وہی ہر چیز پر گواہ بھی ہے۔ یہاں پر بربک یہ یکف کا فاعل ہے۔ اور "أنه على كل شيء شهيد" یہ ربک سے بدل ہے۔ یعنی ان کیلئے آپ کے رب کی طرف سے یہ کافی نہیں ہے کہ اس پر کوئی معمولی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

فرشتے اس کی تصدیق کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے پھر فرماتا ہے کہ دراصل ان لوگوں کو قیامت کے قائم ہونے کا یقین ہی نہیں اسی لئے بے فکر ہیں نیکیوں سے غافل ہیں برائیوں سے بچتے نہیں۔ حالانکہ اس کا آنا یقینی ہے۔ ابن ابی الدنیا میں ہے کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر چڑھے۔

اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا لوگو میں نے تمہیں کسی نئی بات کے لئے جمع نہیں کیا بلکہ صرف اس لئے جمع کیا ہے کہ تمہیں یہ سنا دوں کہ روز جزا کے بارے میں میں نے خوب غور کیا میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسے سچا جاننے والا احمق ہے اور اسے جھوٹا جاننے والا ہلاک ہونے والا ہے۔ پھر آپ منبر سے اتر آئے۔ آپ کے اس فرمان کا کہ اُسے سچا جاننے والا احمق ہے یہ مطلب ہے کہ سچ جانتا ہے پھر تیاری نہیں کرتا اور اس کی دل ہلا دینے والی دہشت ناک حالتوں سے غافل ہے اس سے ڈر کر وہ اعمال نہیں کرتا جو اسے اس روز کے ڈر سے امن دے سکیں پھر اپنے آپ کو اس کا سچا جاننے والا بھی کہتا ہے لہو ولعب غفلت وشہوت گناہ اور حماقت میں مبتلا ہے اور قیام قیامت کے قریب ہو رہا ہے واللہ اعلم۔ پھر رب العالمین اپنی قدرت کاملہ کو بیان فرما رہا ہے کہ ہر چیز پر اس کا احاطہ ہے قیام قیامت اس پر بالکل سہل ہے، ساری مخلوق اس کے قبضے میں ہے جو چاہے کرے کوئی اس کا ہاتھ تھام نہیں سکتا جو اس نے چاہا ہوا جو چاہے گا ہو کر رہے گا اس کے سوا حقیقی حاکم کوئی نہیں ہے نہ اس کے سوا کسی اور کی ذات کی کسی قسم کی عبادت کے قابل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فصلت، بیروت)

اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۝

خبردار! یقیناً وہ لوگ اپنے رب سے ملنے کے بارے میں شک میں ہیں۔ سن لو! یقیناً وہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ملاقات سے انکار کرنے والے کفار کا بیان

"ألا إنهم في مرية " شك "من لقاء ربهم " لإنكارهم البعث "ألا إنه " تعالىٰ "بكل شيء محيط" علما وقدرة فيجازيهم بكفرهم،

خبردار! یقیناً وہ لوگ اپنے رب سے ملنے کے بارے میں شک میں ہیں۔ کیونکہ وہ بعث کا انکار کرتے ہیں۔ سن لو! یقیناً وہ ہر چیز کا علم وقدرت کے ساتھ احاطہ کرنے والا ہے۔ لہٰذا انہیں ان کے کفر کے بدلے میں سزا دی جائے گی۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو محبوب رکھتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند فرماتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرے اللہ بھی اس سے ملاقات کرنا پسند نہیں کرتے۔ اس باب میں حضرت ابوموسی، ابوہریرہ اور عائشہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث عبادہ بن صامت حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1064)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو اللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے کی چاہت رکھتا ہے اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرے اللہ بھی اسے ملنا پسند نہیں کرتا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے ہر آدمی موت کو ناپسند کرتا ہے فرمایا یہ بات نہیں بلکہ جب مومن کو اللہ کی رحمت، اس کی رضا اور جنت کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کے دل میں اللہ سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے پس اللہ بھی اس سے ملاقات کے مشتاق ہوتے ہیں لیکن جب کافر کو اللہ کے عذاب اور اس کے غصے کے بارے میں بتایا جاتا ہے تو وہ اللہ کی ملاقات سے گریز کرتا ہے پس اللہ بھی اس سے ملاقات کرنے کو ناپسند کرتا ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1065)

سورہ فصلت کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ فصلت کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار رہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت شوریٰ ہے

سورت شوریٰ کی آیات وکلمات کا بیان

سُوْرَةُ الشُّوْرٰی (مَكِّيَّة إِلَّا الْآيَات 23 و 24 و 25 و 26 فَمَدَنِيَّة وَآيَاتهَا 53 نَزَلَتْ بَعْد فُصِّلَتْ)

سورہ شوریٰ جمہور کے نزدیک مکیہ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایک قول میں اس کی چار آیات مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں جن میں کی پہلی، قُلْ لَّآ اَسْـــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى وَمَنْ يَّـقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ (الشوریٰ:23) ہے، اس سورت میں پانچ رکوع، ترپن آیات، آٹھ سوساٹھ کلمات اور تین ہزار پانچ سو اٹھاسی حروف ہیں۔ اور یہ سورت فصلت کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورت شوریٰ کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کا نام شوریٰ اس سبب سے ہے کہ اس کی آیت ۳۸ میں لفظ شوریٰ استعمال ہوا ہے۔ جس کو معنی باہمی مشاورت یا مشورہ کرنا آیا ہے۔ اہل ایمان کا آپس میں دینی معاملات وعبادات کو بجالانے خاص طور جہاد کی حالت میں باہمی مشورے کو اسلام نے بڑی اہمیت دی ہے۔ لہٰذا اسی وجہ سے یہ سورت شوریٰ کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝
حا، میم، حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ اسی طرح آپ کی طرف اور ان کی طرف
جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں اللہ وحی بھیجتا رہا ہے جو غالب ہے بڑی حکمت والا ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں
میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہی بے حد بلند، بڑی عظمت والا ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام کی جانب وحی بھیجنے کا بیان

"عسق" اللّٰه أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِهِ "كَذٰلِكَ" أَيْ مِثْل ذٰلِكَ الْإِيحَاء "يُوحِي إِلَيْكَ" أَوْحَى "وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ

قَبْلك اللّٰه" فَاعِل الْإِيحَاء "الْعَزِيز" فِي مُلْكه "الْحَكِيم" فِي صُنْعه،

"لَهُ مَا فِي السَّمَاوَات وَمَا فِي الْأَرْض" مُلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيدًا "وَهُوَ الْعَلِيّ" عَلَى خَلْقه "الْعَظِيم" الْكَبِير،

حا،میم، حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔اسی طرح آپ کی طرف اوران رسولوں کی طرف جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں اللہ وحی بھیجتا رہا ہے۔یہاں پر لفظ ایحاء کا فاعل لفظ اللہ ہے۔جو اپنے ملک میں غالب ہے، اپنی صنعت میں بڑی حکمت والا ہے۔اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں بادشاہت ،مخلوق اور غلام ہیں اور وہی اپنی مخلوق پر بلند، بڑی عظمت والا ہے۔

یعنی جس طرح یہ قرآن تیری طرف نازل کیا گیا ہے اسی طرح تجھ سے پہلے انبیاء پر آسمانی کتابیں نازل کی گئیں وحی اللہ کا کلام ہے جو فرشتے کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے پاس بھیجتا رہا ہے

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی میرے پاس گھنٹے کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے۔

اور جب میں اسے یاد کر لیتا ہوں جو اس نے کہا تو وہ حالت مجھ سے دور ہو جاتی ہے اور کبھی فرشتہ آدمی کی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے اسے میں یاد کر لیتا ہوں۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے سخت سردی کے دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھا پھر جب وحی موقوف ہو جاتی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا۔(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2)

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○
آسمان قریب ہیں کہ اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے
بخشش کی دعا کرتے ہیں جو زمین میں ہیں، سن لو! بے شک اللہ ہی بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

فرشتوں کا حمد کے ساتھ تسبیح پڑھنے کا بیان

"تَكَاد" بِالتَّاءِ وَالْيَاء "السَّمَوَات يَتَفَطَّرْنَ" بِالنُّونِ وَفِي قِرَاءَة بِالتَّاءِ وَالتَّشْدِيد "مِنْ فَوْقهنَّ" أَيْ تَنْشَقّ كُلّ وَاحِدَة فَوْق الَّتِي تَلِيهَا مِنْ عَظَمَة اللّٰه تَعَالَى "وَالْمَلَائِكَة يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبّهمْ" أَيْ مُلَابِسِينَ لِلْحَمْدِ "وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْض" مِنْ الْمُؤْمِنِينَ "أَلَا إِنَّ اللّٰه هُوَ الْغَفُور" لِأَوْلِيَائِهِ

"الرَّحِیم" بِھِمْ،

یہاں پر لفظ تکاد یہ تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے۔آسمان قریب ہیں کہ اپنے اوپر سے پھٹ پڑیں، یہاں پر لفظ یتفطرن یہ نون کے ساتھ بھی آیا ہے۔اور ایک قرأت میں تاء اور تشدید کے ساتھ بھی آیا ہے۔یعنی ہر وہ آسمان جو اوپر ہے وہ نیچے ملنے والے آسمان پر اللہ کی عظمت کے سبب پھٹ پڑے۔اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں یعنی حمد میں مصروف رہتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں جو زمین میں اہل ایمان ہیں، سن لو! بے شک اللہ اپنے اولیاء کو بخشنے والا، ان کے ساتھ نہایت رحم والا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

تکاد السموت یتفطرون من فوقھن: تکاد افعال مقارب میں سے ہے جن کا عمل افعال ناقصہ کی مانند ہے کود (باب فتح) مصدر سے مضارع کا صیغہ واحد مونث غائب ہے۔قریب ہے۔یتفطرون مضارع جمع مونث غائب۔

تفطر (تفعیل) مصدر سے۔پھٹ جائیں۔ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔الفطر (باب نصر وضرب) کے اصل معنی کسی چیز کو طول میں (پہلی مرتبہ) پھاڑنے کے ہیں۔مختلف ابواب میں مستعمل ہے۔مثلا افطر ھو فطورا بمعنی روزہ افطار کرنا۔فطور بمعنی خلل یا شگاف جیسے ھل تری من فطور، بھلا تجھ کو کوئی شگاف نظر آتا ہے۔انفطار (انفعال) پھٹ جانا۔قرآن مجید میں ہے السماء منفطر بہ، جس سے آسمان پھٹ جائے گا۔فطرت العجین۔آٹا گوندھ کر فورا روٹی پکانا۔اسی سے فطرۃ ہے جس کے معنی تخلیق کے ہیں اور الفاطر تخلیق کرنے والا۔

من فوقھن من حرف جار، فوقھن مضاف مضاف الیہ۔ان کے اوپر سے ھن ضمیر جمع مونث۔السموت کی طرف راجع ہے یعنی ان کے اوپر سے (نیچے تک)۔ای یبتدا الانفطار من جھتھن الفوقانیۃ۔یعنی ان کا پھٹنا ان کی اوپر کی طرف سے شروع ہو۔تکاد فعل مقاربہ۔السموت مبتداء یتفطرن خبر من فوقھن متعلق خبر۔

فائدہ آسمانوں کے پھٹنے کی وجوہات یہ ہو سکتی ہیں:۔(1) اللہ کی عظمت اور بزرگی کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں۔

(2) مشرکین جو اللہ تعالیٰ کو صاحب اولاد قرار دیتے اور کہتے ہیں اتخذ اللّٰہ ولدا ان کے اس قول سے آسمان پھٹ پڑیں تو بعید نہیں۔سورۃ مریم کی آیت لقد جئتم شیئا ادا: تکاد السموت یتفطرن منہ، اس مطلب پر دلالت کر رہی ہے۔ قریب ہے کہ اس افتراء سے آسمان پھٹ پڑیں۔

(3) کثرت ملائکہ سے اگر آسمان پھٹ پڑیں تو بعید نہیں ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔آسمان چرچرایا اور یہ چرچرانا اس کے لئے بے جا نہیں ہے۔قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے آسمان میں بالشت بھر بھی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں سجدہ کرنے والے کسی فرشتہ کی پیشانی سجدہ میں نہ ہو جو اللہ کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہتا ہے۔

والملٰئکۃ یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون لمن فی الارض۔

دونوں جملے حالیہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب کہ بنی نوع انسان زمین پر خدائے ذوالجلال کی شان میں ایسے کلمات کہتا ہے اور ایسے اعمال کا مرتکب ہوتا ہے کہ قریب ہے کہ اس کی شامت میں آسمان پھٹ پڑیں فرشتے اپنے رب تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت اور اس کے انعام واکرام کی بے انتہاء عطا نگی پر اس کی حمد وثناء میں مشغول رہتے ہیں اور زمین پر بسنے والوں کے لئے دعا مغفرت کرتے رہتے ہیں (اس دعا میں مومن وکافر سب شامل ہیں مومنوں کے حق میں استغفار یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں اور خطاؤں کو نظر انداز کردے اور کافروں کے حق میں استغفار یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں توفیق ایمان ڈال دے۔

اما فی خق الکفار فبواسطة طلب الایمان لهم واما فی حق المومنین فبالتجاوز عن سیئاتهم،

هو الغفور الرحیم: ھو ضمیر واحد مذکر غائب جس کا مرجع اللہ ہے اسے تخصیص اور تائید کے لئے لایا گیا ہے یعنی صرف وہی غفور اور رحیم ہے۔

آسمان کے فرشتوں کی عبادت اور آسمانی آواز کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے اور جو کچھ میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے (یعنی قیامت کی علامتیں، قدرت کی کرشمہ سازیوں کی نشانیاں اور اللہ تعالیٰ کی صفات قہریہ وجلالیہ جس طرح میرے سامنے ہیں اور میں ان کو دیکھتا ہوں اس طرح نہ تمہارے سامنے ہیں اور نہ تم انہیں دیکھتے ہو، نیز احوال آخرت کے اسرار واخبار، قیامت کی ہولناکیوں اور دوزخ کے عذاب کی شدت وسختی کی باتوں کو جس طرح میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے) آسمان میں سے آواز نکلتی ہے اور اس میں سے آواز کا نکلنا بجا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آسمان میں چار انگشت کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں جہاں فرشتے اللہ کے حضور اپنا سر سجدہ ریز کئے ہوئے نہ پڑے ہوں، اللہ کی قسم اگر تم اس چیز کو جان لو جس کو میں جانتا ہوں تو یقیناً تم بہت کم ہنسو اور زیادہ رونے لگو۔

اور بستروں پر اپنی عورتوں سے لذت حاصل کرنا چھوڑ دو اور یقیناً تم اللہ سے نالہ وفریاد کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاؤ جیسا کہ رنج اٹھانے والوں اور غموں سے تنگ آجانے والوں کا شیوہ ہوتا ہے کہ وہ گھروں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور صحرا صحرا جنگل جنگل گھومتے پھرتے ہیں تاکہ زمین کا بوجھ کم ہو اور دل کچھ ٹھکانے لگے۔ حضرت ابوذر نے یہ حدیث بیان کر کے ارادہ حسرت ودردنا کی کہا کہ کاش میں درخت ہوتا جس کو کاٹا جاتا۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف۔۔۔ جلد چہارم: حدیث نمبر 1277)

تشریح لفظ "اطت" دراصل "اط" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں آواز نکالنا، پالان اور زین وغیرہ کا چڑچڑانا، اونٹ کا تعب کی وجہ سے بلبلانا، اس حدیث میں آسمان سے آواز نکلنے کی جو بات فرمائی گئی ہے اس کا مفہوم بالکل ظاہر ہے کہ فرشتوں کی کثرت وازدہام اور ان کے بوجھ کی وجہ سے آسمان میں سے آواز نکلتی ہے جیسا کہ سواری کا جانور سواری کے بوجھ کی وجہ سے ایک خاص قسم کی آواز نکالتا ہے یا کسی تخت وپلنگ پر جب زیادہ لوگ بیٹھ جاتے ہیں تو وہ چڑچڑانے لگتا ہے یا آسمان میں سے نکلنے کا مطلب آسمان کا اللہ کے خوف سے نالہ وفریاد کرنا ہے اور اس جملے کا مقصد یہ آگاہی ہے کہ جب آسمان ایک غیر ذی روح اور منجمد چیز ہوتے ہوئے

اور مقدس ملائکہ کی قرار گاہ کی حیثیت رکھنے کے باوجود خوف الٰہی سے نالہ وفریاد کرتا ہے تو انسان کہ جو جاندار ہے اور گناہ ومعصیت کی آلودگی رکھتا ہے، وہ کہیں زیادہ اس لائق ہے کہ خوف الٰہی سے گریہ وزاری اور نالہ وفریاد کرے۔ یہ معنیٰ حدیث کے اصل مقصد سے زیادہ قریب اور مناسب تر ہیں۔ "اپنا سر سجدہ ریز کئے ہوئے نہ پڑے ہوں" سے مراد فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کی عبادت وتابعداری میں مشغول ہونا ہے۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے تا کہ وہ بات بھی اس جملے کے دائرہ مفہوم میں آ جائے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ہر فرشتہ اللہ کی عبادت وتابعداری میں مشغول ہے کہ کچھ تو قیام کی حالت میں عبادت گزار ہیں، کچھ رکوع کی حالت میں ہیں اور کچھ سجدے میں پڑے ہوئے ہیں یا یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان میں سے کسی خاص آسمان کا ذکر فرمایا ہے اور اس آسمان میں جو فرشتے ہیں وہ سب کے سب سجدہ کی ہی حالت میں پڑے ہوئے اللہ کی عبادت کر رہے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝
اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو دوست وکارساز بنا رکھا ہے اللہ ان پر خوب نگہبان ہے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

بتوں کو دوست بنانے والوں کی ذمہ داری نہ ہونے کا بیان

"وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونه " أَيْ الْأَصْنَام "أَوْلِيَاء اللّٰه حَفِيظ " مُحْصٍ "عَلَيْهِمْ" لِيُجَازِيَهُمْ "وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ" تَحَصَّلَ الْمَطْلُوب مِنْهُمْ مَا عَلَيْك إلَّا الْبَلَاغ،

اور جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو دوست وکارساز بنا رکھا ہے اللہ ان کے حالات پر خوب نگہبان ہے تا کہ وہ انہیں جزاء دے۔ اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ کیونکہ ان تک پیغام پہنچا دینے سے آپ کی بعثت کا مقصد مکمل ہو جاتا ہے۔

یعنی دنیا میں مشرکین کو مہلت تو دیتا ہے لیکن یہ نہ سمجھو کہ وہ ہمیشہ کے لیے بچ گئے۔ ان کے سب اعمال واحوال اللہ کے ہاں محفوظ ہیں جو وقت پر کھول دیے جائیں گے۔ آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ یہ مانتے کیوں نہیں۔ اور نہ ماننے کی صورت میں فوراً تباہ کیوں نہیں کر دیے جاتے۔ آپ ان باتوں کے ذمہ دار نہیں صرف پیغامِ حق پہنچا دینے کے ذمہ دار ہیں۔ آگے ہمارا کام ہے وقت آنے پر ہم ان کا سب حساب چکا دیں گے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَ تُنْذِرَ
يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ وَ فَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ۝
اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی زبان میں قرآن کی وحی کی تا کہ آپ مکہ والوں کو اور ان لوگوں کو جو اس کے
اِردگرد رہتے ہیں ڈر سنا سکیں، اور آپ جمع ہونے کے اس دن کا خوف دلائیں جس میں کوئی شک نہیں ہے۔
ایک گروہ جنت میں ہوگا اور دوسرا گروہ دوزخ میں ہوگا۔

قرآن مجید کا عربی زبان میں نازل ہونے کا بیان

"وَكَذٰلِكَ" مِثْل ذٰلِكَ الْاِيحَاء "اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِتُنْذِر" تُخَوِّف "اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا" اَیْ اَهْل مَكَّة وَسَائِر النَّاس "وَتُنْذِر" النَّاس "يَوْمَ الْجَمْع" يَوْم الْقِيَامَة تُجْمَع فِيهِ الْخَلَائِق "لَا رَيْب" شَكّ "فَرِيق" مِنْهُمْ "فِي الْجَنَّة وَفَرِيق فِي السَّعِير" النَّار

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی زبان میں قرآن کی وحی کی تا کہ آپ مکہ والوں کو اور ان لوگوں کو جو اس یعنی اہل مکہ کے اردگرد رہتے ہیں ڈرسنا سکیں، اور آپ جمع ہونے کے اس دن یعنی قیامت کے دن سے لوگوں کو خوف دلائیں۔ جس میں ساری مخلوقات کو جمع کیا جائے گا۔ جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس دن ایک گروہ جنت میں ہوگا اور دوسرا گروہ دوزخ میں ہوگا۔

اہل مکہ کو دعوت توحید دینے کا بیان

جس طرح اے نبی آخر الزماں ﷺ تم سے پہلے انبیاء پر وحی الٰہی آتی رہی تم پر بھی یہ قرآن وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے۔ یہ عربی میں بہت واضح بالکل کھلا ہوا اور سلجھے ہوئے بیان والا ہے تا کہ تو شہر مکہ کے رہنے والوں کو احکام الٰہی اور اللہ کے عذاب سے آگاہ کردے نیز تمام اطراف عالم کو۔ آس پاس سے مراد مشرق ومغرب کی ہر سمت ہے مکہ شریف کو ام القریٰ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ تمام شہروں سے افضل و بہتر ہے اس کے دلائل بہت سے ہیں جو اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں ہاں! یہاں پر ایک دلیل جو مختصر بھی ہے اور صاف بھی ہے سن لیجئے۔

ترمذی نسائی، ابن ماجہ، مسند احمد وغیرہ میں ہے حضرت عبداللہ بن عدی فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا آپ مکہ شریف کے بازار خزروع میں کھڑے ہوئے فرمارہے تھے کہ اے مکہ قسم ہے اللہ کی ساری زمین سے اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب اور زیادہ افضل ہے اگر میں تجھ میں سے نہ نکالا جاتا تو قسم ہے اللہ کی ہرگز تجھے نہ چھوڑتا۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث کو حسن صحیح فرماتے ہیں اور اس لئے کہ تو قیامت کے دن سے سب کو ڈرادے جس دن تمام اول وآخر زمانے کے لوگ ایک میدان میں جمع ہوں گے۔ جس دن کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں جس دن کچھ لوگ جنتی ہوں گے اور کچھ جہنمی یہ وہ دن ہوگا کہ جنتی نفع میں رہیں گے اور جہنمی نقصان میں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شوریٰ، بیروت)

ایک گروہ جنت میں جبکہ ایک گروہ دوزخ میں جائے گا

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس ایک مرتبہ دو کتابیں اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر آئے اور ہم سے پوچھا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا ہمیں تو خبر نہیں آپ فرمائیے۔ آپ نے اپنی داہنے ہاتھ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ رب العالمین کی کتاب ہے جس میں جنتیوں کے نام ہیں مع ان کے والد اور ان کے قبیلہ کے نام کے اور آخر میں حساب کر کے میزان لگا دی گئی ہے اب ان میں نہ ایک بڑھے نہ ایک گھٹے۔ پھر اپنے بائیں ہاتھ کی کتاب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ

جہنمیوں کے ناموں کا رجسٹر ہے انکے نام ان کی ولدیت اور ان کی قوم سب اس میں لکھی ہوئی ہے پھر آخر میں میزان لگا دی گئی ہے ان میں بھی کمی بیشی ناممکن ہے۔صحابہ نے پوچھا پھر ہمیں عمل کی کیا ضرورت؟ جب کہ سب لکھا جا چکا ہے آپ نے فرمایا ٹھیک ٹھاک رہو بھلائی کی نزدیکی لئے رہو۔اہل جنت کا خاتمہ نیکیوں اور بھلے اعمال پر ہی ہوگا گو وہ کیسے ہی اعمال کرتا ہو اور نار کا خاتمہ جہنمی اعمال پر ہی ہوگا گو وہ کیسے ہی کاموں کا مرتکب رہا ہو۔پھر آپ نے اپنی دونوں مٹھیاں بند کرلیں اور فرمایا تمہارا رب عزوجل بندوں کے فیصلوں سے فراغت حاصل کر چکا ہے ایک فرقہ جنت میں ہے اور ایک جہنم میں اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنے دائیں بائیں ہاتھوں سے اشارہ کیا گویا کوئی چیز پھینک رہے ہیں۔(مسند احمد بن حنبل)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ
وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝
اور اگر اللہ چاہتا تو ضرور انھیں ایک امت بنا دیتا اور لیکن وہ اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور جو ظالم ہیں
ان کے لیے نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار۔

اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت میں خاص لوگوں کو داخل کرنے کا بیان

"وَلَوْ شَاءَ اللّٰه لَجَعَلَهُمْ أُمَّة وَاحِدَة" أَيْ عَلَى دِين وَاحِد وَهُوَ الْإِسْلَام "وَلَكِنْ يُدْخِل مَنْ يَشَاء فِي رَحْمَته وَالظَّالِمُونَ" الْكَافِرُونَ "مَا لَهُمْ مِنْ وَلِيّ وَلَا نَصِير" يَدْفَع عَنْهُمْ الْعَذَاب،

اور اگر اللہ چاہتا تو ضرور انھیں ایک امت بنا دیتا یعنی ایک دین پر جو اسلام ہے۔اور لیکن وہ اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور جو ظالم کافر ہیں ان کے لیے نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار ہوگا جو ان سے عذاب کو دور کرے۔

ابن جریر میں ہے اللہ تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی کہ اے میرے رب تو نے اپنی مخلوق کو پیدا کیا پھر ان میں سے کچھ کو تو جنت میں لے جائے گا اور کچھ اوروں کو جہنم میں۔کیا ہی اچھا ہوتا کہ سب ہی جنت میں جاتے جناب باری نے ارشاد فرمایا موسیٰ اپنا پیرہن اونچا کرو آپ نے اونچا کیا پھر فرمایا اور اوپر اونچا کرو آپ نے اور اونچا کیا فرمایا اور اوپر اٹھاؤ جواب دیا اے اللہ اب تو سارے جسم سے اونچا کر لیا سوائے اس جگہ کے جس کے اوپر سے ہٹانے میں خیر نہیں فرمایا بس موسیٰ اسی طرح میں بھی اپنی تمام مخلوق کو جنت میں داخل کروں گا سوائے ان کے جو بالکل ہی خیر سے خالی ہیں۔(تفسیر جامع البیان، سورہ شوریٰ، بیروت)

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝
کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اولیاء بنالیا ہے، پس اللہ ہی ولی ہے، اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر چیز پر بڑا قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد اور مردوں کو زندہ کرنے کا بیان

"أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونه أَوْلِيَاء" أَيْ الْأَصْنَام أَمْ مُنْقَطِعَة بِمَعْنَى: بَلْ الَّتِي لِلِانْتِقَالِ وَالْهَمْزَة لِلْإِنْكَارِ

أَیْ لَیْسَ الْمُتَّخِذُونَ أَوْلِیَاء "فَاللّٰه هُوَ الْوَلِیّ" أَیْ النَّاصِر لِلْمُؤْمِنِینَ وَالْفَاء لِمُجَرَّدِ الْعَطْف،

کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اولیاء بنالیا ہے، یہاں پر لفظ اَم بہ معنی بل ہے جو انتقال کیلئے آتا ہے اور ہمزہ انکاری ہے یعنی وہ دوست بنایا ہے وہ کارساز ہی نہیں ہیں۔پس اللہ ہی ولی ہے۔جو اہل ایمان کی مدد کرنے والا ہے، یہاں پر الف محض عطف کیلئے آیا ہے۔اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر چیز پر بڑا قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کے اس مشرکانہ فعل کی قباحت بیان فرماتا ہے جو وہ اللہ کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے اور دوسروں کی پرستش کرتے تھے۔اور بیان فرماتا ہے کہ سچا ولی اور حقیقی کارساز تو میں ہوں۔مردوں کو جلانا میری صفت ہے ہر چیز پر قابو اور قدرت رکھنا میرا وصف ہے پھر میرے سوا اور کی عبادت کیسی؟

وَ مَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّیْ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۖۗ وَ اِلَیْهِ اُنِیْبُ ۝
اور تم جس اَمر میں اختلاف کرتے ہو تو اس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف ہوگا، یہی اللہ میرا رب ہے، اسی پر میں نے
بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

مختلف ادیان کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ قیامت کے دن ہونے کا بیان

"وَمَا اخْتَلَفْتُمْ" مَعَ الْكُفَّار "فِیهِ مِنْ شَیْء" مِنْ الدِّین وَغَیْره "فَحُكْمه" مَرْدُود "إِلَى اللّٰه" یَوْم الْقِیَامَة یَفْصِل بَیْنكُمْ قُلْ لَهُمْ "ذٰلِكُمْ اللّٰه رَبِّی عَلَیْهِ تَوَكَّلْت وَإِلَیْهِ أُنِیب" أَرْجِع،

اور تم جس اَمر میں کفار کے ساتھ اختلاف کرتے ہو یعنی جو دین وغیرہ میں اختلاف ہے۔تو اس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف سے قیامت کے دن ہوگا، آپ ان سے فرمادیں یہی اللہ میرا رب ہے، اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو کھڑے ہوتے اور (تہجد کی) نماز شروع کرتے تو یہ دعا پڑھتے۔آیت (اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَئِیلَ وَمِیكَآئِیلَ وَاِسْرَافِیلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِی مَا كَانُوْا فِیهِ یَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیمٍ ۔ اے اللہ! اے پروردگار جرائیل، میکائیل، اسرفیل کے! اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے اور پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان اس چیز میں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں فیصلہ کرے گا، اے اللہ امر حق میں جو اختلاف کیا گیا ہے اس میں میری راہنمائی کر، کیونکہ جسے تو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔(صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1186)

مفتی کا فتویٰ حکم شرعی کے مطابق ہونے کا بیان

جس معاملہ جس کام میں بھی تمہارے آپس میں کوئی اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔کیونکہ اصل حکم صرف اللہ ہی

کا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ (آیت) ان الحکم الا اللہ۔ اور دوسری اکثر آیات میں جو اطاعت کے حکم میں رسول کو اور بعض آیات میں اولوالامر کو بھی شامل کیا گیا ہے وہ اس کے معارض نہیں کیونکہ رسول یا اولوالامر کو بھی شامل کیا گیا ہے وہ اس کے معارض نہیں کیونکہ رسول یا اولوالامر جو کچھ فیصلہ یا حکم کرتے ہیں وہ ایک حیثیت سے اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہوتا ہے۔ اگر بذریعہ وحی یا نصوص کتاب وسنت ہے تو اس کا حکم الٰہی ہونا ظاہر ہے۔ اور اگر اپنے اجتہاد سے ہے تو چونکہ اجتہاد کا مدار بھی نصوص قرآن وسنت پر ہوتا ہے اس لئے وہ بھی ایک حیثیت سے اللہ ہی کا حکم ہے۔ مجتہدین امت کے اجتہادات بھی اس حیثیت سے احکام الٰہیہ میں داخل ہیں۔ اسی لئے علماء نے فرمایا کہ عام آدمی جو قرآن وسنت کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کے حق میں مفتی کا فتویٰ ہی حکم شرعی کہلاتا ہے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ
يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ○
آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے، اسی نے تمہارے لئے تمہاری جنسوں سے جوڑے بنائے اور چوپایوں کے
بھی جوڑے بنائے اور تمہیں اسی سے پھیلاتا ہے، اس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔

زمین وآسمانوں کو عدم سے وجود میں لانے کا بیان

"فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ " مُبْدِعهمَا "جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسكُمْ أَزْوَاجًا " حَيْثُ خَلَقَ حَوَّاء مِنْ ضِلَع آدَم "وَمِنْ الْأَنْعَام أَزْوَاجًا " ذُكُورًا وَإِنَاثًا "يَذْرَؤُكُمْ" بِالْمُعْجَمَةِ يَخْلُقكُمْ "فِيهِ" فِي الْجَعْل الْمَذْكُور أَيْ يُكَثِّركُمْ بِسَبَبِهِ بِالتَّوَالُدِ وَالضَّمِير لِلْأَنَاسِيِّ وَالْأَنْعَام بِالتَّغْلِيبِ "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْء " الْكَاف زَائِدَة لِأَنَّهُ تَعَالَى لَا مِثْل لَهُ "وَهُوَ السَّمِيع" لِمَا يُقَال "الْبَصِير" لِمَا يُفْعَل،

آسمانوں اور زمین ان دونوں کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے، اسی نے تمہارے لئے تمہاری جنسوں سے جوڑے بنائے یعنی حضرت حواء کو حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا۔ اور چوپایوں کے بھی جوڑے بنائے یعنی ان میں سے مذکر ومؤنث بنائے۔ اور تمہیں اسی جوڑوں کی تدبیر سے پھیلاتا ہے، یہاں پر لفظ یذرئکم به معنی یخلقکم ہے۔ جو ذال معجمہ کے ساتھ آیا ہے۔ جو بنانے میں تمہیں توالد کے ذریعے زیادہ کرتا ہے۔ اور کم ضمیر انسانوں اور غلبہ کے طور پر جانوروں کی طرف لوٹنے والی ہے۔ اس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے۔ یہاں کاف زائدہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں۔ اور وہی سننے والا جو کہا گیا، فعل کو دیکھنے والا ہے۔

انسانی وحیوانی نسلی افزائش کا بیان

اس کا احسان دیکھو کہ اس نے تمہاری ہی جنس اور تمہاری ہی شکل کے تمہارے جوڑے بنا دیئے یعنی مرد وعورت اور چوپایوں

کے بھی جوڑے پیدا کیے جو آٹھ ہیں وہ اسی پیدائش میں تمہیں پیدا کرتا ہے یعنی اسی صفت پر یعنی جوڑ جوڑ پیدا کرتا جارہا ہے نسلیں کی نسلیں پھیلا دیں قرنوں گذر گئے اور سلسلہ اسی طرح چلا آ رہا ہے ادھر انسانوں کا ادھر جانوروں کا ہے۔

بغوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد رحم میں پیدا کرتا ہے بعض کہتے ہیں پیٹ میں بعض کہتے ہیں اسی طریق پر پھیلانا ہے حضرت مجاہد فرماتے ہیں نسلیں پھیلانی مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں یہاں (فیہ) معنی (بہ) کے ہے یعنی مرد اور عورت کے جوڑے سے نسل انسانی کو وہ پھیلا رہا اور پیدا کر رہا ہے حق یہ ہے کہ خالق کے ساتھ کوئی اور نہیں وہ فرد وصمد ہے وہ بینظیر ہے وہ سمیع وبصیر ہے آسمان وزمین کی کنجیاں اسی کے ہاتھوں میں ہیں سورہ زمر میں اس کی تفسیر گذر چکی ہے مقصد یہ ہے کہ سارے عالم کا متصرف مالک حاکم وہی یکتا لاشریک ہے جسے چاہے کشادہ روزی دے جس پر چاہے تنگی کردے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ کسی حالت میں وہ کسی پر ظلم کرنے والا نہیں اس کا وسیع علم ساری مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے۔ (تفسیر بغوی، سورہ شوریٰ، بیروت)

لَـهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○
اسی کے پاس آسمانوں کی اور زمین کی کنجیاں ہیں، وہ رزق فراخ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے،
بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

زمین وآسمانوں کے خزانوں کے مالک ہونے کا بیان

"لَـهُ مَـقَالِيد السَّمَاوَات وَالْأَرْض" أَيْ مَفَاتِيح خَزَائِنهمَا مِنْ الْمَطَر وَالنَّبَات وَغَيْرهمَا "يَبْسُط الرِّزْق" يُوَسِّعهُ "لِمَنْ يَشَاء" اِمْتِحَانًا "وَيَقْدِر" يُضَيِّقهُ لِمَنْ يَشَاء اِبْتِلَاء،

اسی کے پاس آسمانوں کی اور زمین کی کنجیاں ہیں، یعنی ان دونوں کے خزانوں جو بارش اور نباتات وغیرہ میں سے ہیں۔ وہ رزق کو بہ طور امتحان فراخ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور بہ طور آزمائش تنگ کر دیتا ہے، بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق بہ طور امتحان ومصلحت عطاء ہونے کا بیان

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ خیر (یعنی مال ودولت کے انبار) خزانے ہیں اور ان خزانوں کے لئے کنجیاں ہیں (یعنی اللہ اپنے جن نیک اور مخیّر بندوں کو مال ودولت سے نوازتا ہے وہ گویا ان خدائی خزانوں کی کنجیاں ہوتے ہیں کہ ان کے مالی عطیات اور صدقہ وخیرات کے ذریعہ فقیر ومفلس اور ضرورتمند بندگان اللہ فائدہ اٹھاتے ہیں) پس (دنیوی کامیابی اور ترقی اور اخروی فلاح وسعادت کی) بشارت ہو اس بندہ کو کہ جس کو اللہ نے خیر (یعنی نیکیوں وبھلائیوں اور مالی بخشش وعطاء) کے دروازے کھلنے اور برائی (یعنی بخل وخست اور ضرورتمندوں سے بے پروائی کے دروازے بند ہونے کا سبب وذریعہ بنایا ہے اور دین ودنیا کی ہلاکت وتباہی ہے اس بندہ کے لئے جس کو اللہ نے برائی کے دروازے

کھلنے اور خیر کے دروازے بند ہونے کا سبب و ذریعہ بنایا ہے یعنی جو مالدار اپنی دولت کو بڑھانے کے چکر میں رہتا ہے اور ضرورتمند بندگانِ اللہ کی خبر گیری اور امور خیر میں خرچ کرنے کی اہمیت سے بے پرواہ رہ کر گویا بخل و خست میں مبتلا ہوتا ہے اس کے لئے تباہی ہی تباہی ہے۔ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1134)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی "اشعۃ اللمعات" ماخوذ ہے، جہاں تک ملا علی قاری رحمہ اللہ کا تعلق ہے تو انہوں نے حدیث کی وضاحت اس طور پر کی ہے کہ ہذا الخیر میں خیر جنس خیر (یعنی ہر طرح کی بھلائی) مراد ہے، خزائن سے مراد خیر کی انواع کثیر ہیں یعنی وہ بھلائیاں مختلف انواع رکھتی ہیں اور ان کو اللہ کے بندوں کے درمیان اس طرح مخزون و مرکوز کیا گیا ہے جیسے خزانوں کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے لتلک الخزائن مفاتیح (ان خزانوں کے لئے کنجیاں ہیں) میں کنجیوں سے مراد اللہ کے ان نیک بندوں کے ہاتھ قوائے عمل ہیں جو اس روئے زمین پر امور کائنات میں تصرف و تسلط کے لئے اللہ کے وکیل و نائب کی حیثیت رکھتے ہیں مفتاحا للخیر خیر کی کنجی سے مراد، ان بندوں کا ان بھلائیوں اور نیکیوں کو اختیار کرنا اور پھیلانا ہے، خواہ وہ علم و عمل کو اختیار کرنے کی شکل میں ہو۔ اور مفتاحا للشر شر کی کنجی سے مراد خیر و بھلائی کے راستہ کو مسدود کرنا اور بدی و برائی کے راستہ کو کھولنا ہے اور اس برائی کے راستہ کا کھلنا خواہ کفر و شرک و تکبر و سرکشی اور بدعملی و فتنہ انگیزی کو اختیار کرنے کے ذریعہ ہو یا بخل و خست اور اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ بدسلوکی اختیار کرنے کی صورت میں ہو۔

امام راغب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "خیر" اس چیز کو کہتے ہیں جس کی طرف ہر انسان رغبت رکھتا ہے جیسے علم و عقل اور احسان و مہربانی وغیرہ اور اسی طرح ہر وہ چیز جو نفع پہنچاتی ہے اور جو چیز خیر کی ضد اور اس کے برعکس ہوتی ہے اس کو شر کہتے ہیں۔ نیز خیر و شر اگرچہ ایک دوسرے کی ضد اور مخالف ہیں مگر کبھی کبھی ان دونوں میں اتحاد ذاتی اور فرق اعتباری بھی ہوتا ہے یعنی ایک ہی چیز دو اعتبار سے خیر اور شر دونوں کی حامل بن سکتی ہے کہ ایک شخص کے حق تو وہ خیر و بھلائی کا ذریعہ ہو اور دوسرے شخص کے حق میں وہی چیز شر اور برائی کا سبب بن جائے جیسے مال، ہی کی مثال لے لیجئے وہ ایک شخص مثلاً عمر کے حق میں تو خیر کا ذریعہ ہوتا ہے جب کہ عمر نے اس کو جائز طور پر حاصل کیا ہو اور جائز مصارف میں اس کو خرچ کیا اور وہی مال ایک دوسرے شخص مثلاً زید کے حق میں شر کا سبب بن سکتا ہے جب کہ زید اس مال پر ناجائز طور سے تصرف و قبضہ کرے۔ اسی طرح "علم" کی مثال بھی ہے کہ ایک ہی وقت میں بعض لوگوں کی نسب سے اللہ اور بندہ کے درمیان حجاب بن جاتا ہے اور ان لوگوں پر عزاب الٰہی کا سبب ہوتا ہے جب کہ وہ لوگ اس علم سے ہدایت وراستی حاصل کرنے کی بجائے ضلالت و گمراہی میں پھنس جائیں اور وہی علم دوسرے لوگوں کے حق میں اللہ کی معرفت و قربت اور ایمان و یقین کا ذریعہ بنتا ہے۔

جب کہ وہ لوگ اس علم سے ہدایت وراستی حاصل کریں اور اس کے صحیح تقاضوں پر عمل کریں! اسی پر اور عبادات کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان میں سے بعض عبادتیں، عجب و غرور کی باعث ہوتی ہیں جب کہ ان کو اختیار کرنے والا ریاء و نمائش اور نام و نمود کا راستہ اختیار کرے اور بعض عبادتیں ایمانی و روحانی کیف و سرور اور نورانیت اور ذوق عبودیت کا باعث بنتی ہیں جب کہ ان کو اختیار

کرنے والا اخلاص وللّٰہیت کے جذبہ سے سرشار ہو! دنیاوی چیزوں مثلاً گھوڑے آلات حرب اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کے بارے میں بھی یہ بات ہے کہ کبھی تو یہ چیزیں دشمنان اللہ کے ساتھ جہاد کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں اور اس طرح سے بندہ کو جنت میں لے جانے کا وسیلہ ہوتی ہے اور کبھی یہی چیزیں فتنہ وفساد پھیلانے یہاں تک کہ اللہ کے نہایت نیک و برگزیدہ بندوں (جیسے انبیاء و اولیاء) کے قتل وخونریزی کا ذریعہ بن جاتی ہے اوران کی وجہ سے انسان دوزخ کے اسفل ترین درجہ میں پہنچ جاتا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ
اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ
مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝
اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر فرمایا جس کا حکم اس نے نوح (علیہ السلام) کو دیا تھا اور جس کی وحی ہم نے
آپ کی طرف بھیجی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ وعیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا تھا کہ تم دین پر قائم رہو اور اس میں
تفرقہ نہ ڈالو، مشرکوں پر بہت ہی گراں ہے وہ جس کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے حضور میں
منتخب فرمالیتا ہے، اور اپنی طرف راہ دکھا دیتا ہے، اس شخص کو جو قلبی رجوع کرتا ہے۔

تمام انبیائے کرام میں اصول دین کے متحد ہونے کا بیان

"شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّين مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا" هُوَ أَوَّل أَنْبِيَاء الشَّرِيعَة "وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْك وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيم وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّين وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ " هَذَا هُوَ الْمَشْرُوع الْمُوصَى بِهِ وَالْمُوحَى إِلَى مُحَمَّد صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ التَّوْحِيد "كَبُرَ" عَظُمَ "عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ" مِنْ التَّوْحِيد "اللَّه يَجْتَبِي إِلَيْهِ" إِلَى التَّوْحِيد "مَنْ يَشَاء وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيب " يُقْبِل إِلَى طَاعَته،

اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر فرمایا جس کا حکم اس نے نُوح علیہ السلام کو دیا تھا وہ پہلے نبی شریعت تھے۔ اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کو دیا تھا وہ یہی ہے کہ تم اِسی دین پر قائم رہو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو، یعنی وہ تاکیدی حکم تھا جو مشروع ہے اور ایسی ہی وحی حضرت محمد ﷺ کی طرح کی گئی۔ اور وہ توحید ہے مشرکوں پر بہت ہی گراں ہے وہ توحید کی بات جس کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں۔ اللہ جسے خود چاہتا ہے اپنے حضور میں توحید کیلئے منتخب فرمالیتا ہے، اور اپنی طرف آنے کی راہ دکھا دیتا ہے ہراس شخص کو جو قلبی رجوع کرتا ہے۔ یعنی جو اس کی اطاعت کو قبول کرتا ہے۔

اہل اسلام کا اصول دین میں اتفاق کا بیان

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ جماعت رحمت اور فرقت عذاب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اصول دین میں تمام مسلمان خواہ وہ کسی عہد یا کسی امت کے ہوں یکساں ہیں، ان میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ احکام میں امتیں باعتبار اپنے احوال وخصوصیات کے جدا گانہ ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا، المآئدہ:48)

اس آیت میں حکم اس دین مشترک اور متفق علیہ کے قائم رکھنے کا ہے، جس پر تمام انبیاء علیہم السلام متفق اور مشترک چلے آئے ہیں۔ اس میں اختلاف کو تفرق کے لفظ سے تعبیر کر کے ممنوع کیا گیا ہے۔ انہی قطعی احکام میں اختلاف وتفرق کو احادیث مذکورہ میں ایمان کے لئے خطرہ اور سبب ہلاکت فرمایا ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ فروعی مسائل میں جہاں قرآن وحدیث میں کوئی واضح حکم موجود نہیں یا نصوص قرآن وسنت میں کوئی ظاہری تعارض ہے۔ وہاں ائمہ مجتہدین کا اپنے اپنے اجتہاد سے کوئی حکم متعین کر لینا، جس میں باہم اختلاف ہونا، اختلاف رائے و نظر کی بنا پر لازمی ہے، اس تفرق ممنوع سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ایسا اختلاف صحابہ کرام میں خود عہد رسالت سے چلا آیا ہے اور وہ باتفاق فقہاء رحمت ہے۔ اور اقامت دین سے مراد، اس پر قائم دائم رہنا، اس میں کسی شک وشبہ کو راہ نہ دینا، اور کسی حال اس کو نہ چھوڑنا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ شوریٰ، بیروت)

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ
مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ○
اور انہوں نے فرقہ بندی نہیں کی تھی مگر اس کے بعد جبکہ ان کے پاس علم آچکا تھا محض آپس کی ضد کی وجہ سے، اور اگر آپ کے
رب کی جانب سے مقررہ مدت تک کا فرمان پہلے صادر نہ ہوا ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ کیا جا چکا ہوتا، اور بیشک جو لوگ
ان کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے تھے وہ خود اس کی نسبت فریب دینے والے شک میں ہیں۔

اہل ادیان میں فرقہ بندی کا سبب کفار ہونے کا بیان

"وَمَا تَفَرَّقُوا" أَيْ أَهْل الْأَدْيَان فِي الدِّين بِأَنْ وَحَّدَ بَعْض وَكَفَرَ بَعْض "إِلَّا مِنْ بَعْد مَا جَاءَهُمُ الْعِلْم" بِالتَّوْحِيدِ "بَغْيًا" مِنَ الْكَافِرِينَ "بَيْنهمْ وَلَوْلَا كَلِمَة سَبَقَتْ مِنْ رَبّك" بِتَأْخِيرِ الْجَزَاء "إِلَى أَجَل مُسَمًّى" يَوْم الْقِيَامَة "لَقُضِيَ بَيْنهمْ" بِتَعْذِيبِ الْكَافِرِينَ فِي الدُّنْيَا "وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَاب مِنْ بَعْدهمْ" وَهُمْ الْيَهُود وَالنَّصَارَى "لَفِي شَكّ مِنْهُ" مِنْ مُحَمَّد صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مُرِيب" مُوقِع فِي الرِّيبَة

اور انہوں نے یعنی اہل ادیان نے دین میں فرقہ بندی نہیں کی تھی یعنی ایسا نہیں کیا کہ بعض نے توحید کا اقرار کیا ہو اور بعض نے

انکار کیا ہو مگر اس کے بعد جبکہ ان کے پاس توحید کا علم آچکا تھا محض کفار کی آپس کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے، اور اگر آپ کے رب کی جانب سے مقررہ مدت یعنی قیامت کے دن تک کی مہلت کا فرمان پہلے صادر نہ ہوا ہوتا تو ان کفار کے درمیان اسی دنیا میں فیصلہ کیا جا چکا ہوتا، اور بیشک جو لوگ ان کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے تھے وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ وہ خود آپ کی نسبت یعنی نبی کریم ﷺ کے بارے میں فریب دینے والے شک میں مبتلا ہیں۔

ماتفرقوا کی ضمیر حضرت ابن عباس نے قریش مکہ کی طرف راجع فرمائی اور مطلب یہ قرار دیا کہ کفار قریش نے جو دین حق اور صراط مستقیم سے علیحدگی اور بیزاری اختیار کی، یہ فی نفسہ بھی سخت نادانی تھی، اس پر مزید یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے علم آجانے کے بعد بھی انہوں نے ایسا کیا۔ علم آجانے سے مراد حضرت ابن عباس کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آجانا ہے جو سارے علوم الٰہیہ کے سرچشمہ تھے۔ اور بعض حضرات نے ماتفرقوا کی ضمیر پچھلی امتوں کے لوگوں کی طرف پھیری اور معنی یہ قرار دیئے کہ پچھلی امتوں کے لوگوں نے اپنے اپنے انبیاء کے دین سے تفرق اور علیحدگی اختیار کی، باوجودیکہ ان کے پاس انبیاء کے ذریعہ صراط مستقیم کا صحیح علم آچکا تھا۔ امم سابقہ مخاطب ہوں یا امت محمدیہ کے کفار۔ دونوں کا تقاضا یہ تھا کہ خود تو گمراہی میں پڑے ہی اپنے رسولوں کو بھی اپنے راستہ پر چلانے کے خواہش مند تھے اس لئے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

(15) فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ
اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝
پس آپ اسی کے لئے دعوت دیتے رہیں اور جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ قائم رہئے اور ان کی خواہشات پر کان نہ دھریئے، اور فرما
دیجئے: جو کتاب بھی اللہ نے اتاری ہے میں اس پر ایمان رکھتا ہوں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل و انصاف
کروں۔ اللہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے، ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، ہمارے
اور تمہارے درمیان کوئی بحث و تکرار نہیں، اللہ ہم سب کو جمع فرمائے گا اور اسی کی طرف پلٹنا ہے۔

کفار کو دعوت توحید دیتے رہنے کا بیان

"فَلِذٰلِكَ" التَّوْحِيْد "فَادْعُ" يَا مُحَمَّد النَّاس "وَاسْتَقِمْ" عَلَيْهِ "كَمَا اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ" فِي

ترکہ "وَقُلْ آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ" أَيْ بِأَنْ أَعْدِلَ "بَيْنَكُمْ" فِي الْحُكْمِ "اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ" فَكُلٌّ يُجَازَى بِعَمَلِهِ "لَا حُجَّةَ" خُصُومَةَ "بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ" هَذَا قَبْلَ أَنْ يُؤْمَرَ بِالْجِهَادِ "اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا" فِي الْمَعَادِ لِفَصْلِ الْقَضَاءِ "وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ" الْمَرْجِعُ

یا محمد ﷺ پس آپ توحید کے لئے دعوت دیتے رہیں اور جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے اسی پر قائم رہئے اور ان کی خواہشات پر کان نہ دھریئے، یعنی دعوت توحید کو ترک نہ کرنا، اور یہ فرما دیجئے، جو کتاب بھی اللہ نے اتاری ہے میں اس پر ایمان رکھتا ہوں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان فیصلہ کرنے میں عدل وانصاف کروں۔ اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، لہٰذا ہر ایک اس کو عمل کی جزاء دی جائے گی۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی بحث وتکرار نہیں، یہ حکم جہاد والے حکم سے پہلے کا ہے۔ اللہ ہم سب کو فیصلے کے دن جمع فرمائے گا تا کہ فیصلہ کردے۔ اور اسی کی طرف سب کا پلٹنا ہے۔

بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی تھی جبکہ کفار سے جہاد کرنے کے احکام نازل نہ ہوئے تھے۔ احکام جہاد کی آیتوں نے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔ کیونکہ جہاد کا حال ہی یہ ہے کہ جو لوگ نصیحت وفہمائش کا اثر نہ لیں ان سے قتال کر کے انہیں مغلوب کیا جائے یہ نہیں کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حکم منسوخ نہیں اور مطلب آیات کا یہ ہے کہ جب ہم نے حق کو دلائل اور براہین سے ثابت کر دیا تو اب اس کا نہ ماننا صرف عناد اور ہٹ دھرمی ہی کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور عناد آ گیا تو اب دلائل کی گفتگو فضول ہوئی تمہارا عمل تمہارے آگے میرا میرے آگے آوے گا۔ (قرطبی، سورہ شوریٰ، بیروت)

تمام انبیائے کرام کے دین کے اتفاق کا بیان

اس آیت میں ایک لطیفہ ہے جو قرآن کریم کی صرف ایک اور آیت میں پایا جاتا ہے باقی کسی اور آیت میں نہیں وہ یہ کہ اس میں دس کلمے ہیں جو سب مستقل ہیں الگ الگ ایک ایک کلمہ اپنی ذات میں ایک مستقل حکم ہے یہی بات دوسری آیت یعنی آیت الکرسی میں بھی ہے پس پہلا حکم تو یہ ہوتا ہے کہ جو وحی تجھ پر نازل کی گئی ہے اور وہی وحی تجھ سے پہلے کے تمام انبیاء پر آتی رہی ہے اور جو شرع تیرے لئے مقرر کی گئی ہے اور وہی تجھ سے پہلے تمام انبیاء کرام کے لئے بھی مقرر کی گئی تھی تو تمام لوگوں کو اس کی دعوت دے ہر ایک کو اسی کی طرف بلا اور اسی کے منوانے اور پھیلانے کی کوشش میں لگا رہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت و وحدانیت پر تو آپ استقامت کر اور اپنے ماننے والوں سے استقامت کر مشرکین نے جو کچھ اختلاف کر رکھے ہیں جو تکذیب و افتراء ان کا شیوہ ہے جو عبادت غیر اللہ ان کی عادت ہے خبردار تو ہرگز ہرگز ان کی خواہش اور ان کی چاہتوں میں نہ آ جانا۔ ان کی ایک بھی نہ ماننا اور علی الاعلان اپنے اس عقیدے کی تبلیغ کر کہ اللہ کی

نازل کردہ تمام کتابوں پر میرا ایمان ہے میرا یہ کام نہیں کہ ایک کو مانوں اور دوسری سے انکار کروں، ایک کو لے لوں اور دوسری کو چھوڑ دوں۔

میں تم میں بھی وہی احکام جاری کرنا چاہتا ہوں جو اللہ کی طرف سے میرے پاس پہنچائے گئے ہیں اور جو سراسر عدل اور یکسر انصاف پر مبنی ہیں۔ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے ہمارا تمہارا معبود برحق وہی ہے اور وہی سب کا پالنہار ہے گو کوئی اپنی خوشی سے اس کے سامنے نہ جھکے لیکن دراصل ہر شخص بلکہ ہر چیز اس کے آگے جھکی ہوئی ہے اور سجدے میں پڑی ہوئی ہے ہمارے عمل ہمارے ساتھ۔ تمہاری کرنی تمہیں بھرنی۔ ہم تم میں کوئی تعلق نہیں جیسے اور آیت میں ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لئے میرے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔ تم میرے اعمال سے بری اور میں تمہارے اعمال سے بیزار۔ ہم تم میں کوئی خصومت اور جھگڑا نہیں۔ کسی بحث مباحثے کی ضرورت نہیں۔ حضرت سدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حکم تو مکہ میں تھا لیکن مدینے میں جہاد کے احکام اترے۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور جہاد کی آیتیں ہجرت کے بعد کی ہیں قیامت کے دن اللہ ہم سب کو جمع کرے گا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شوریٰ، بیروت)

(16) وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝
اور جو لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں، اس کے بعد کہ اس کی دعوت قبول کر لی گئی، ان کی دلیل ان کے رب کے
نزدیک باطل ہے اور ان پر بڑا غضب ہے اور ان کے لیے بہت سخت سزا ہے۔

معجزات کے باوجود دلائل کرنے والے یہود کا بیان

"وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي" دِين "اللَّه" نَبِيّه "مِنْ بَعْد مَا اُسْتُجِيبَ لَهُ" بِالْإِيمَانِ لِظُهُورِ مُعْجِزَته وَهُمْ الْيَهُود "حُجَّتهمْ دَاحِضَة" بَاطِلَة،

اور جو لوگ اللہ کے بارے میں یعنی اس کے دین کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے جھگڑتے ہیں، اس کے بعد کہ آپ کے معجزات کو دیکھ کر ایمان دعوت قبول کر لی گئی، اور وہ یہود ہیں۔ ان کی دلیل ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر بڑا غضب ہے اور ان کے لیے بہت سخت سزا ہے۔

منکرین قیامت کے لئے وعیدیں

اللہ تبارک وتعالیٰ ان لوگوں کو ڈراتا ہے جو ایمان داروں سے فضول حجتیں کیا کرتے ہیں، انہیں راہ ہدایت سے بہکانا چاہتے

ہیں اور اللہ کے دین میں اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ان کی حجت باطل ہے ان پر رب غضبناک ہے۔اور انہیں قیامت کے روز سخت اور نا قابل برداشت مار ماری جائے گی۔ان کی طمع پوری ہونی یعنی مسلمانوں میں پھر دوبارہ جاہلیت کی خو بو آنا محال ہے ٹھیک اسی طرح یہود ونصاریٰ کا بھی یہ جادو نہیں چلنے دے گا۔ناممکن ہے کہ مسلمان ان کے موجودہ دین کو اپنے سچے اچھے اصل اور بیکھرے دین پر ترجیح دیں۔اور اس دین کو لیں جس میں جھوٹ ملا ہوا ہے

اَللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ؕ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ○
اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور ترازو،اور آپ کو کس نے خبردار کیا،شاید قیامت قریب ہی ہو۔

قرآن مجید کا نزول حق کے ساتھ ہونے کا بیان

"اللَّه الَّذِی أَنْزَلَ الْكِتَاب" الْقُرْآن "بِالْحَقِّ" مُتَعَلِّق بِأَنْزَلَ "وَالْمِيزَان" الْعَدْل "وَمَا يُدْرِيك" يُعْلِمك "لَعَلَّ السَّاعَة" أَیْ إتْيَانهَا وَلَعَلَّ مُعَلَّق لِلْفِعْلِ عَنْ الْعَمَل وَمَا بَعْده سَدَّ مَسَدّ الْمَفْعُولَيْنِ،

اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب یعنی قرآن نازل فرمایا،یہاں پر لفظ بالحق یہ اِنزل کے متعلق ہے۔اور عدل وانصاف کا ترازو بھی اتارا،اور آپ کو کس نے خبردار کیا،شاید قیامت قریب ہی ہو۔یہاں پر لفظ لعل یہ فعل کو عمل سے روکنے والا ہے۔اور اس کے مابعد دو مفاعیل کے قائم مقام ہے۔

سورہ شوریٰ آیت ۱۷ کے شان نزول کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کا ذکر فرمایا تو مشرکین نے بطریق تکذیب کہا کہ قیامت کب ہوگی؟ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان،سورہ شوریٰ،لاہور)

کتاب سے مراد اس جگہ مطلق آسمانی کتاب ہے جس میں قرآن اور پہلی کتابیں سب داخل ہیں اور حق سے مراد وہ دین حق ہے جس کا ذکر اوپر آیا ہے اور میزان کے لفظی معنی ترازو کے ہیں وہ چونکہ انصاف قائم کرنے اور حق پورا دینے کا ایک آلہ ہے۔اس لئے حضرت ابن عباس نے میزان کی تفسیر عدل وانصاف سے کی ہے۔مجاہد امام تفسیر نے فرمایا کہ یہاں میزان سے مراد وہ عام ترازو ہے جس کو لوگ استعمال کرتے ہیں اور مراد اس سے سب کے حقوق کی پوری ادائیگی اور انصاف ہے۔تو لفظ حق میں سب حقوق اللہ اور لفظ میزان میں سب حقوق العباد کی طرف اشارہ ہوگیا۔اور یہ جو فرمایا کہ مومنین قیامت سے ڈرتے ہیں۔مراد اس سے اعتقادی خوف ہے جو قیامت کے اہوال سے ہے۔نیز اپنی عملی کوتاہیوں پر نظر کرنے سے لازمی ہوتا ہے۔مگر بعض اوقات کسی مومن پر اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق غالب ہو کر اس خوف پر غالب آجاتا ہے وہ اس کے منافی نہیں۔جیسا کہ قبر میں بعض مردوں کا یہ کہنا ثابت ہے کہ قیامت جلد آجائے،وجہ یہ ہے کہ قبر میں جب فرشتوں کی طرف سے انسان کو بشارت رحمت ومغفرت کی مل جائے گی تو قیامت کا خوف مغلوب ہو جائے گا۔ (تفسیر قرطبی،سورہ شوریٰ،بیروت)

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍ ۢ بَعِيْدٍ ○

اسے وہ لوگ جلدی مانگتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ لوگ جو ایمان لائے، وہ اس سے ڈرنے والے ہیں اور جانتے ہیں کہ بے شک وہ حق ہے۔ سنو! بے شک وہ لوگ جو قیامت کے بارے میں شک کرتے ہیں یقیناً وہ بہت دور کی گمراہی میں ہیں۔

کفار کا قیامت کو جلد طلب کرنے کا بیان

"يَسْتَعْجِل بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا " يَقُولُونَ مَتَى تَأْتِي ظَنًّا مِنْهُمْ أَنَّهَا غَيْر آتِيَة "وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ " خَائِفُونَ "مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقّ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ " يُجَادِلُونَ "فِي السَّاعَة لَفِي ضَلَال بَعِيد"

اسے وہ لوگ جلدی مانگتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے یعنی وہ کہتے ہیں کہ وہ کب آئے گی کیونکہ ان کا خیال ہے وہ آنے والی نہیں ہے۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے، وہ اس سے ڈرنے والے ہیں اور جانتے ہیں کہ بے شک وہ حق ہے۔ سنو! بے شک وہ لوگ جو قیامت کے بارے میں شک کرتے ہیں یقیناً وہ بہت دور کی گمراہی میں ہیں۔

یعنی جو لوگ عذاب آخرت اور قیامت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور بار بار پوچھتے ہیں کہ وہ کب آئے گی اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ روز آخرت اور اعمال کی باز پرس پر یقین نہیں رکھتے۔ اگر انہیں اس بات کا یقین ہوتا تو کبھی عذاب کے لیے جلدی نہ مچاتے۔ اور جو لوگ روز آخرت پر اور اعمال کی جواب دہی پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ تو اپنے محاسبہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور یقین نہ رکھنے والوں کو چونکہ اپنے اعمال کے محاسبہ کا کچھ خوف نہیں ہوتا اس لیے وہ گناہ کے کاموں پر دلیر ہوتے ہیں اور حق اور عدل وانصاف کی راہ سے ہٹ کر اپنی سرکشی اور گمراہی میں بہت آگے نکل جاتے ہیں۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌ ۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ○

اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے، رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہی بہت قوت والا، سب پر غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطیف ہونے کا بیان

"اللَّه لَطِيف بِعِبَادِهِ" بَرّهمْ وَفَاجِرهمْ حَيْثُ لَمْ يُهْلِكهُمْ جُوعًا بِمَعَاصِيهِمْ "يَرْزُق مَنْ يَشَاء " مِنْ كُلّ مِنْهُمْ مَا يَشَاء "وَهُوَ الْقَوِيّ" عَلَى مُرَاده "الْعَزِيز" الْغَالِب عَلَى أَمْره،

اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے، یعنی وہ خواہ نیک ہوں یا برے ہوں انہیں نافرمانی کے سبب بھوک کے سبب ہلاک نہیں کرتا۔ رزق دیتا ہے ان میں سے جسے چاہتا ہے اور وہی اپنی مراد پر بہت قوت والا، اپنے حکم پر غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وصف لطیف کے معانی کا بیان

لفظ لطیف لغت کے اعتبار سے چند معانی میں استعمال ہوتا ہے یہاں حضرت ابن عباس نے اس کا ترجمہ حفی بمعنی مہربان سے اور حضرت عکرمہ نے باریعنی محسن سے کیا ہے۔

حضرت مقاتل نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے سبھی بندوں پر مہربان ہے۔ یہاں تک کہ کافر فاجر پر بھی دنیا میں اس کی نعمتیں برستی ہیں حق تعالیٰ کی عنایات اور لطف و کرم اپنے بندوں پر بے شمار انواع واقسام کے ہیں۔ اس لئے تفسیر قرطبی نے لفظ لطیف کے معنی بھی بہت سے بیان فرمائے ہیں۔ اور حاصل سب کا لفظ حفی اور بار میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا رزق تو ساری مخلوقات کے لئے عام اور شامل ہے۔ دریا اور خشکی میں رہنے والے وہ جانور جن کو کوئی نہیں جانتا اس کا رزق ان کو بھی پہنچتا ہے۔ اس آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اس کا حاصل زیادہ واضح وہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے رزق کی بے شمار اقسام وانواع ہیں۔ بقدر ضرورت معاش رزق تو سب کے لئے عام ہے۔ پھر خاص اقسام رزق کی تقسیم میں اپنی حکمت بالغہ سے مختلف درجات اور پیمانے رکھے ہیں۔ کسی کو مال ودولت کا رزق زیادہ دے دیا۔ کسی کو صحت وقوت کا، کسی کو علم ومعرفت کا کسی کو دوسری انواع واقسام کا اس طرح ہر انسان دوسرے کا محتاج بھی رہتا ہے اور یہی احتیاج ان کو باہمی تعاون وتناصر پر آمادہ کرتی ہے جس پر تمدن انسانی کی بنیاد ہے۔ حضرت جعفر بن محمد نے فرمایا کہ رزق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ومہربانی بندوں پر دو طرح کی ہے اول تو یہ کہ ہر ایک ذی روح کو اس کے مناسب حال غذاء اور ضروریات عطا فرماتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی کو اس کا پورا رزق عمر بھر کا بیک وقت نہیں دے دیتا، ورنہ اول تو اس کی حفاظت کرنا مشکل ہو جاتا اور کتنی بھی حفاظت کرتا وہ پھر بھی سڑنے اور خراب ہونے سے بچتا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ شوریٰ، بیروت)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا
نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝
جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے
اسے ہم اس میں سے کچھ دے دیں گے اور آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں۔

دنیا یا آخرت میں اجر طلب کرنے والے کا بیان

"مَنْ كَانَ يُرِيد" بِعَمَلِهِ "حَرْثَ الْآخِرَة" أَيْ كَسْبهَا وَهُوَ الثَّوَاب "نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثه" بِالتَّضْعِيفِ فِيهِ الْحَسَنَة إلَى الْعَشْرَة وَأَكْثَر "وَمَنْ كَانَ يُرِيد حَرْث الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا" بِلَا تَضْعِيف مَا قُسِمَ لَهُ،

جو کوئی عمل کے ذریعے آخرت کی کھیتی چاہتا ہے یعنی عمل کر کے ثواب چاہتا ہے۔ ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے یعنی ایک نیکی کو دس گنا یا اس سے بھی زیادہ ثواب والا بنا دیں گے۔ اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے ہم اس میں سے کچھ دے

دیں گے جس میں کوئی اضافہ نہ ہوگا جو اس کی قسمت میں ہوگا۔اور آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں۔

اعمال اپنے مقاصد کے ساتھ ہوتے ہیں

الامور بمقاصدھا ۔(الاشباہ والنظائر، ص ۱۲ ،مطبوعہ H.M.S.کمپنی کراچی)

اعمال اپنے مقاصد کے ساتھ ہوتے ہیں۔یعنی اعمال کا حکم مقاصد کے ساتھ ہوتا ہے اگر اس عمل کا مقصد نیک ہوتو حکم اس کیلئے بھلائی کا ہوگا اور اگر اس عمل کا مقصد برا ہوتو اس کیلئے برائی کا حکم لگایا جائے گا۔

اس قاعدہ کا ثبوت قرآن مجید کی اس آیت مقدسہ سے ہے۔**ومن یرد ثواب الدنیا نؤتہ منھا و من یرد ثواب الآخرۃ نؤتہ منھا** ۔ (آل عمران ۱۴۵)

جو شخص دنیاوی فائدہ چاہے ہم اسے دنیا کا فائدہ دیتے ہیں اور جو شخص آخرت کے ثواب کا ارادہ کرے تو ہم اسے آخرت کا ثواب عطا فرمائیں گے۔

فساد نماز کے حکم کا بیان

جب نمازی قرآن سے کوئی ایسی آیت پڑھے جو کسی متکلم کے کلام کا جواب بنے تو اس سے اسکی نماز ٹوٹ جائے گی۔کیونکہ اگر چہ اس نے قرآن پڑھا ہے مگر اس کا قصد یا ارادہ متکلم کے کلام کا جواب دینا ہے۔لہٰذا قصد وارادے کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے عمل کو ارادے کے ساتھ متعین کریں گے۔

اسی طرح جب کسی نمازی نے خوشی کی خبر سنی اور الحمد للہ کہا یا کوئی بری خبر سنی اور **لاحول ولاقوۃ** پڑھا یا کسی انسان کی موت کی خبر سنی تو **انا للہ وانا الیہ راجعون** پڑھا تو ان تمام صورتوں میں اس کی نماز ٹوٹ جائے گی۔اگر چہ اس نے قرأت کی ہے لیکن اس کے ارادے اور قصد کا اعتبار کرتے ہوئے فساد نماز کا حکم دیا جائے گا کیونکہ اعمال اپنے ارادوں کے ساتھ معتبر ہوتے ہیں۔

(الاشباہ)

اتحاد مقاصد کے حکم کا بیان

امام بخاری علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں حضرت احنف بن قیس نے بیان کیا انہوں نے کہا کہ میں اس شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کیلئے گیا تو مجھے راستے میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ملے۔پس مجھ سے پوچھا؟ کہاں کا ارادہ ہے تو میں نے کہا میں اس شخص کی مدد کروں گا۔انہوں نے کہا واپس جاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جب دو مسلمان اپنی تلواروں سے لڑتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہوں گے۔

پس میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو قاتل ہے لیکن مقتول (کے دوزخی ہونے) کا سبب کیا ہے آپ نے فرمایا: وہ بھی تو اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔(صحیح بخاری، ج ۱،ص ۹،قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاتل اور مقتول دونوں کے ارادے اپنے مقاصد کی طرف منسوب ہوئے۔ اسی لئے تو مقتول کو دخول دوزخ کی وعید سنائی گئی کہ اگر چہ وہ مقتول ہے لیکن اعتبار اس کے مقاصد کا کیا گیا ہے۔

دو عبادات کو جمع کرنے کا بیان

ایسی عبادات جن کا مقصد ایک ہو تو ان کو جمع کرنا درست ہے ایک ہی عمل سے دو عبادات کا ثواب حاصل ہو جاتا ہے جس طرح کوئی جنبی شخص جمعہ کے دن جمعہ کیلئے غسل کرے تو جنابت بھی جاتی رہے گی اور اسے غسل جمعہ کا ثواب بھی ملے گا۔

مقاصد کی اہمیت کا بیان

جب کوئی شخص نماز پڑھنے کا ارادہ کرے یا قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے تو اسے خوف لاحق ہوا کہ اس میں ریا داخل ہو جائے گی تو اس وجہ سے نماز کو ترک کرنا یا قرآن کی تلاوت کو ترک کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ نماز اور تلاوت کے مقاصد عظیم ہیں اور اعمال میں مقاصد کو اہمیت دی جاتی ہے۔

مقاصد میں اتحاد کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے مقام پر ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں قربانی کے اونٹ کے سات اور گائے کی قربانی میں بھی سات حصے کئے امام ترمذی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی، ج ۱، ص ۱۸۱، فاروقی کتب خانہ ملتان)

اس حدیث میں قربانی کے سات حصوں کا ذکر موجود ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ان ساتوں حصوں کا مقصد و ارادہ واحد ہوتا ہے اور وہ قربانی ہے۔ اسی لئے فقہاء نے یہ مسئلہ بھی استنباط کیا ہے کہ قربانی کے سات حصہ داروں میں سے اگر کسی ایک کا بھی ارادہ قربانی کرنا نہ ہو یا ارادہ محض گوشت کھانا ہو تو کسی کی طرف سے بھی قربانی نہ ہوگی کیونکہ اتحاد مقاصد کے عدم وجود سے عمل باطل ہو گیا، حالانکہ یہ ایسا عمل تھا جس میں اتحاد مقاصد کا لحاظ ضروری تھا۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ لَا
كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝
کیا ان کے لئے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین کا ایسا راستہ مقرر کر دیا ہو جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا تھا،
اور اگر فیصلہ کا فرمان نہ ہوا ہوتا تو ان کے درمیان قصہ چکا دیا جاتا، اور بیشک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

شیاطین کا لوگوں کو فاسد دین پر لگانے کا بیان

"أَمْ" بَلْ "لَهُمْ" لِكُفَّارِ مَكَّة "شُرَكَاء" هُمْ شَيَاطِينهمْ "شَرَعُوا" أَيْ الشُّرَكَاء "لَهُمْ" لِلْكُفَّارِ "مِنْ

الدِّین " الْفَاسِد "مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللّٰه " كَالشِّرْكِ وَإِنْكَار الْبَعْث "وَلَوْلَا كَلِمَة الْفَصْل" أَيْ الْقَضَاء السَّابِق بِأَنَّ الْجَزَاء فِي يَوْم الْقِيَامَة "لَقُضِيَ بَيْنهمْ" وَبَيْن الْمُؤْمِنِينَ بِالتَّعْذِيبِ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا "وَإِنَّ الظَّالِمِينَ" الْكَافِرِينَ "لَهُمْ عَذَاب أَلِيم" مُؤْلِم،

کیا ان یعنی کفار مکہ کے لئے کچھ ایسے شریک ہیں جو شیاطین ہیں جنہوں یعنی شرکاء نے ان کفار کے لئے دین کا ایسا راستہ مقرر کر دیا ہو جو فاسد ہے۔جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا تھا، جس طرح شرک اور انکار بعث ہے۔اور اگر فیصلہ کا فرمان صادر نہ ہوا ہوتا یعنی پہلے یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ جزاء قیامت کے دن میں ہوگی۔تو ان کے درمیان اور اہل ایمان کے درمیان قصہ چکا دیا جاتا، یعنی ان کفار کو دنیا میں عذاب دیا جا چکا ہوتا۔اور بیشک ظالموں یعنی کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی زبانی آخرت کا اور دین حق کا راستہ بتلا دیا۔کیا اس کے سوا کوئی اور ہستی ایسی ہے جسے کوئی دوسرا راستہ مقرر کرنے کا حق اور اختیار حاصل ہو کہ وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرا دے۔پھر آخر ان مشرکین نے اللہ کی وہ راہ چھوڑ کر جو انبیاء علیہم السلام نے بتلائی تھی دوسری راہیں کہاں سے نکال لیں۔

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ
رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ○
آپ ظالموں کو ان سے ڈرنے والا دیکھیں گے جو انہوں نے کما رکھے ہیں اور وہ ان پر واقع ہو کر رہے گا، اور جو لوگ ایمان
لائے اور نیک اعمال کرتے رہے وہ بہشت کے چمنوں میں ہوں گے، ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہ ہوں گی
جن کی وہ خواہش کریں گے، یہی تو بہت بڑا فضل ہے۔

قیامت کے دن ظالموں پر یقیناً عذاب واقع ہونے کا بیان

"تَرَى الظَّالِمِينَ" يَوْم الْقِيَامَة "مُشْفِقِينَ" خَائِفِينَ "مِمَّا كَسَبُوا" فِي الدُّنْيَا مِنْ السَّيِّئَات أَنْ يُجَازَوْا عَلَيْهَا "وَهُوَ" أَيْ الْجَزَاء عَلَيْهَا "وَاقِع بِهِمْ" يَوْم الْقِيَامَة لَا مَحَالَة "وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات فِي رَوْضَات الْجَنَّات" أَنْزَهِهَا بِالنِّسْبَةِ إِلَى مَنْ دُونهمْ،

آپ قیامت کے دن ظالموں کو ان اعمال سے ڈرنے والا دیکھیں گے جو انہوں نے دنیا میں برے اعمال کما رکھے ہیں تا کہ انہیں اس پر جزاء دی جائے۔اور وہ جزاء یعنی عذاب قیامت کے دن ان پر یقیناً واقع ہو کر رہے گا، اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے وہ بہشت کے چمنوں میں ہوں گے، جو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ پاکیزہ ہوں گے۔ان کے لئے ان کے رب کے پاس وہ ہوں گی جن کی وہ خواہش کریں گے، یہی تو بہت بڑا فضل ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

مشفقین: اسم فاعل جمع مذکر ڈرنے والے، تری کا مفعول ثانی ہے۔ مما کسبوا۔ مما۔ من اور ما سے مرکب ہے۔ ما موصولہ کسبوا صلہ ہے اپنے موصول کا ماضی کا صیغہ جمع مذکر غائب ہے کسب (باب ضرب) مصدر۔ جو انہوں نے کمایا۔ (جو کام شرک و معاصی کے انہوں نے کیے ہوں گے)۔

وھو واقع بھم۔ جملہ حالیہ ہے ھو کی ضمیر ما کسبوا کی طرف راجع ہے حال یہ کہ وہ ان پر پڑ کر ہی رہیگا۔ یعنی ان کے کیے کا وبال۔

روضت الجنت: مضاف مضاف الیہ۔ جنتوں کے باغات۔ الروض اصل میں اس جگہ کو کہتے ہیں کہ جہاں پانی جمع ہو اور سبزہ بھی ہو۔ باغ۔ مایشاءون: جو وہ چاہیں گے۔ ما موصولہ۔ یشاءون مضارع جمع مذکر غائب مشیۃ (باب فتح) مصدر۔ ذلک: یعنی جنت کی یہ نعمت جس کا ذکر کیا گیا۔

ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا
الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ؕ وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝
یہ وہ ہے جس کی خوشخبری اللہ ایسے بندوں کو سناتا ہے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، فرما دیجئے: میں اس پر
تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا مگر قرابت و قربت سے محبت اور جو شخص نیکی کمائے گا ہم اس کے لئے اس میں اُخروی
ثواب اور بڑھا دیں گے۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا قدر دان ہے۔

نبی کریم ﷺ کی قرابت سے محبت کا بیان

"ذَلِكَ الَّذِي يُبَشِّر" مِنْ الْبِشَارَة مُخَفَّفًا وَمُثَقَّلًا بِهِ "اللَّه عِبَاده الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات قُلْ لَا أَسْأَلكُمْ عَلَيْهِ" عَلَى تَبْلِيغ الرِّسَالَة "أَجْرًا إلَّا الْمَوَدَّة فِي الْقُرْبَى" اسْتِثْنَاء مُنْقَطِع أَيْ لَكِنْ أَسْأَلكُمْ أَنْ تَوَدُّوا قَرَابَتِي الَّتِي هِيَ قَرَابَتكُمْ أَيْضًا فَإِنَّ لَهُ فِي كُلّ بَطْن مِنْ قُرَيْش قَرَابَة" "وَمَنْ يَقْتَرِف" يَكْتَسِب "حَسَنَة" طَاعَة "نَزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا" بِتَضْعِيفِهَا "إنَّ اللَّه غَفُور" لِلذُّنُوبِ "شَكُور" لِلْقَلِيلِ فَيُضَاعِفهُ،

یہ وہ انعام ہے جس کی خوشخبری اللہ ایسے بندوں کو سناتا ہے۔ یہاں پر لفظ یبشر یہ بشارت سے مشتق ہے جو مخفف و مثقل دونوں طرح آیا ہے۔ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، فرما دیجئے: میں اس تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی اُجرت نہیں مانگتا مگر اپنی قرابت و قربت سے محبت چاہتا ہوں جو تمہاری بھی قرابت ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی قرابت قریش کے ہر خاندان میں تھی اور جو شخص طاعت کے ساتھ نیکی کمائے گا ہم اس کے لئے اس میں اُخروی ثواب اور بڑھا دیں گے۔ یعنی اس کو دوگنا کر دیں گے بیشک اللہ گناہوں کو بخشنے والا، بہت کم نیک لوگوں کا بھی بہت قدر دان ہے۔ یعنی وہ زیادہ قدر کرنے والا ہے۔

سورہ شوریٰ آیت ۲۳ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے اور انصار نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذمہ مصارف بہت ہیں اور مال کچھ بھی نہیں ہے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور حضور کے حقوق و احسانات یاد کر کے حضور کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے بہت سا مال جمع کیا اور اس کو لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور کی بدولت ہمیں ہدایت ہوئی، ہم نے گمراہی سے نجات پائی، ہم دیکھتے ہیں، کہ حضور کے مصارف بہت زیادہ، اس لئے ہم یہ مال خدام آستانہ کی خدمت میں نذر کے لئے لائے ہیں، قبول فرما کر ہماری عزت افزائی کی جائے، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ اموال واپس فرما دیئے۔ (زادالمسیر 7۔(283)

قتادہ کہتے ہیں کہ مشرکین ایک مجلس میں جمع ہوئے اور بعض نے بعض سے کہا دیکھتے ہیں محمد اپنی خدمت کی اجرت مانگتا ہے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ (نیسابوری 310)

دعوت دین پر کوئی دنیاوی اجرت طلب نہ کرنے کا بیان

طاؤس کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا گیا کہ (قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى، فرما دیں کہ میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا بجز رشتہ داری کی محبت کے)۔ سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اہل قرابت سے مراد آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمانے لگے کہ کیا تم نہیں جانتے کہ عرب کا کوئی گھرانہ ایسا نہ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ ہو۔ چنانچہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں تم لوگوں سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا۔ ہاں البتہ تم لوگ اس قرابت کی وجہ سے جو میرے تمہارے درمیان ہے (آپس میں) حسن سلوک کرو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1199)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ
وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹا بہتان تراشا ہے، سو اگر اللہ چاہے تو آپ کے قلب اطہر پر مہر ثبت فرما دے، اور اللہ
باطل کو مٹا دیتا ہے اور اپنے کلمات سے حق کو ثابت رکھتا ہے۔ بیشک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔

باطل کو مٹانے اور حق کو ثابت رکھنے کا بیان

"أَمْ" بَلْ "يَقُولُونَ افْتَرَى عَلَى اللَّه كَذِبًا " بِنِسْبَةِ الْقُرْآن إلَى اللَّه تَعَالَى "فَإِنْ يَشَأْ اللَّه يَخْتِم " يَرْبِط

"عَلَى قَلْبك " بِـالـصَّبْـرِ عَلَى أَذَاهُمْ بِهَذَا الْقَوْل وَغَيْره وَقَدْ فَعَلَ "وَيَـمْحُ اللَّه الْبَاطِل " الَّذِى قَالُوهُ "وَيُحِق الْحَق" يُثْبِتهُ "بِكَلِمَاتِهِ" الْمُنَزَّلَة عَلَى نَبِيّه "إِنَّهُ عَلِيم بِذَاتِ الصُّدُور" بِمَا فِي الْقُلُوب،

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ پر جھوٹا بہتان تراشا ہے، یعنی جو آپ قرآن کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔سو اگر اللہ چاہے تو آپ کے قلب اطہر پر صبر واستقامت کی مہر ثبت فرما دے تا کہ آپ ان کی اس قول کے سبب تکالیف پر صبر کریں جو کام انہوں نے کیا ہے۔،اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے یعنی جو انہوں نے کہا ہے۔اور اپنے کلمات سے حق کو ثابت رکھتا ہے۔جو اس نے اپنے مکرم ﷺ پر نازل کیا ہے۔بیشک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔یعنی جو کچھ دلوں میں ہے۔

یعنی بفرض محال اگر کوئی بات بھی خدا کی نسبت جھوٹ بنا کر کہہ دے تو اللہ کو قدرت ہے کہ تیرے دل پر مہر کر دے، پھر فرشتہ یہ کلام معجزے لے کر تیرے قلب پر نہ اتر سکے اور سلسلہ وحی کا بند ہو جائے۔بلکہ پہلا دیا ہوا بھی سلب کر لیا جائے کما قال (وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا 86 اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا، الاسراء:86) مگر چونکہ واقع میں قطعاً کذب وافتراء کا شائبہ نہیں۔اس لیے محض بدبختوں کی قدر ناشناسی اور طعن وتشنیع کی بناء پر یہ فیض منقطع نہیں کیا جا سکتا۔بیشک اللہ اس کو جاری رکھے گا اور اپنی باتوں سے عملی طور پر جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کر کے رہے گا۔اس وقت سب کو صاف کھل جائے گا کہ فریقین میں جھوٹا اور مفتری کون ہے اور کس کے دل پر اللہ نے فی الواقع مہر لگا دی ہے کہ خیر کے اترنے اور حق کے قبول کرنے کی اس میں مطلقاً گنجائش نہیں رہی۔

وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝
اور وہی ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں سے درگزر کرتا ہے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرنے والا ہے

"وَهُوَ الَّذِى يَقْبَل التَّوْبَة عَنْ عِبَاده " مِنْهُمْ "وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَات " الْمُتَابِ عَنْهَا "وَيَعْلَم مَا يَفْعَلُونَ " بِالْيَاءِ وَالتَّاء،

اور وہی ہے جو ان میں سے اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں سے درگزر کرتا ہے تا کہ وہ اس کی بارگاہ میں توبہ کریں۔اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔اور یہاں پر لفظ یفعلون یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔

استغفار کے سبب بخشش ہو جانے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسی امت میں سے یا گزشتہ امتوں میں سے ایک بندے نے گناہ کیا اور پھر کہنے لگا اے میرے پروردگار میں نے گناہ کیا ہے تو میرے اس گناہ کو بخش دے اللہ تعالیٰ نے

فرشتوں سے فرمایا کیا میرا یہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو جس کو چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کے گناہ بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کے گناہ پر مواخذہ کرتا ہے تو جان لو میں نے اپنے بندہ کو بخش دیا۔ وہ بندہ اس مدت تک کہ اللہ نے چاہا گناہ کرنے سے باز رہا، اس کے بعد اس نے پھر گناہ کیا اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میں نے گناہ کیا ہے تو میرے اس گناہ کو بخش دے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کیا یہ میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ کو بخشتا ہے اور اس پر مواخذہ کرتا ہے؟ میں نے اس بندہ کو بخش دیا۔ وہ بندہ اس مدت تک کہ اللہ نے چاہا گناہ سے باز رہا اور اس کے بعد پھر اس نے گناہ کیا اور اس کے بعد پھر اس نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے گناہ کیا ہے تو میرے اس گناہ کو بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کیا میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر مواخذہ کرتا ہے؟ میں نے اس بندہ کو بخش دیا پس جب تک وہ استغفار کرتا رہے جو چاہے کرے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 866)

حدیث کے آخری الفاظ پس جو چاہے کرے۔ کا مطلب یہ ہے کہ یہ بندہ جب تک گناہ کرتا رہے گا اور استغفار کرتا رہے گا اس کے گناہ بخشتا رہوں گا لہٰذا جملہ سے خدانخواستہ گناہ کی طرف رغبت دلانا مقصود نہیں ہے بلکہ استغفار کی فضیلت اور گناہوں کی بخشش میں استغفار کی تاثیر کو بیان کرنا مقصود ہے۔

وَ يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝
اور ان لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے اور انھیں اپنے فضل سے
زیادہ دیتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ ایمان و عمل صالح والوں کی دعا کو قبول کرنے والا ہے

"وَيَسْتَجِيب الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات" يُجِيبهُمْ إِلَى مَا يَسْأَلُونَ

اور ان لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے یعنی انہیں جواب دیتا ہے جو کچھ وہ سوال کرتے ہیں۔ اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ دیتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔

دعا اور نیکی کے ذریعے عمر میں برکت کے اضافے کا بیان

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تقدیر کو دعا کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بدلتی اور عمر کو نیکی کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بڑھاتی۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 756)

تقدیر سے مراد ہے ایسی ناپسندیدہ چیز کا پیش آنا جس سے انسان ڈرتا ہے، لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جب بندہ کو دعا کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ایسی چیز کو دور کرتا ہے۔ تقدیر کی قسمیں خوب سمجھ لیجئے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں ایک تو "مبرم" اور دوسری "معلق" تقدیر مبرم تو حق تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہوتا ہے جو چیز پیش آنے والی ہوتی ہے اس میں کچھ بھی تغیر و تبدل ممکن

نہیں ہے مگر تقدیر معلق میں بعض اسباب کی بنا پر تغیر و تبدل بھی ہوتا ہے۔لہٰذا یہاں حدیث میں جس تقدیر کے بارہ میں کہا ہے کہ وہ دعا سے بدل جاتی ہے وہ تقدیر معلق ہی ہے یہاں تقدیر مبرم مراد نہیں ہے۔نیکی سے عمر میں اضافہ کا مطلب حدیث سے جو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نیکی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے تو اس کے بارہ میں بھی سمجھ لیجئے کہ یہاں بھی عمر کی کمی وزیادتی تقدیر معلق کے اعتبار سے ہے یعنی تقدیر میں لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص اگر نیکی کرے گا تو اتنی عمر ہوگی اور اگر نیکی نہ کرے گا تو اتنی عمر ہوگی۔اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ لوح محفوظ میں اس طرح لکھا جاتا ہے کہ مثلاً اگر فلاں شخص حج کرے گا یا جہاد کرے گا تو اس کی عمر چالیس سال کی ہوگی اور اگر حج و جہاد دونوں کرے گا تو اس کی عمر ساٹھ سال کی ہوگی لہٰذا اگر اس شخص نے حج بھی کیا اور جہاد بھی کیا تو اس کی عمر ساٹھ سال کی ہوگی اس طرح اس کی عمر بڑھ گئی اور اگر اس نے صرف جہاد ہی کیا یا صرف حج ہی کیا تو اس کی عمر چالیس سال کی ہوگی اس طرح اس کی عمر انتہاء عمر سے کہ وہ ساٹھ سال تھی کم ہوئی۔بعض حضرات نے حدیث کے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص نے نیکی کی اس کی عمر ضائع نہیں ہوئی پس گویا اس کی عمر زیادہ ہوئی اس اعتبار سے یہاں فرمایا گیا ہے کہ نیکی انسان کی عمر میں اضافہ کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کی عبادت کو قبول فرماتا ہے جس میں ان کی دعاؤں کی قبولیت بھی داخل ہے۔اب یہاں یہ اشکال ہو سکتا تھا کہ یہ بات بکثرت مشاہدہ میں آتی ہے کہ مسلمان اپنے کسی دنیوی مقصد کے لئے دعا کرتا ہے، لیکن وہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔اس اشکال کا جواب مذکورہ بالا آیات میں سب سے پہلی آیت میں دیا گیا ہے۔اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی ہر خواہش کا پورا ہونا بعض اوقات خود انسان کی انفرادی یا اجتماعی مصلحت کے خلاف ہوتا ہے لہٰذا اگر کسی وقت کسی انسان کی کوئی دعا بظاہر قبول نہ ہو تو اس کے پیچھے کائنات کی وہ عظیم مصلحتیں ہوتی ہیں جنہیں اس کے علیم و حکیم خالق کے سوا کوئی نہیں جانتا، اگر دنیا کے ہر انسان کو ہر قسم کا رزق اور ہر قسم کی نعمتیں عطا کر دی جائیں تو دنیا کا یہ نظام حکمت کے ساتھ چل ہی نہیں سکتا۔(تفسیر کبیر، سورہ شوریٰ، بیروت)

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِى الْاَرْضِ وَلٰـكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ
اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝
اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق فراخ کر دیتا تو یقیناً وہ زمین میں سرکش ہو جاتے اور لیکن وہ ایک اندازے
کے ساتھ اتارتا ہے، جتنا چاہتا ہے، یقیناً وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر، خوب دیکھنے والا ہے۔

مال و دولت کے سبب سرکشی پیدا ہونے کا بیان

"وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ " جَمِيعهمْ "لَبَغَوْا" جَمِيعهمْ أَيْ طَغَوْا "فِي الْأَرْض وَلٰكِنْ يُنَزِّل " بِالتَّخْفِيفِ وَضِدّه مِنْ الْأَرْزَاق " بِقَدَرٍ مَا يَشَاء " فَيَبْسُطهَا لِبَعْضِ عِبَاده دُون بَعْض وَيَنْشَأ عَنْ الْبَسْط الْبَغْي

اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق فراخ کر دیتا یعنی ان سب کو دے دیتا۔ تو یقیناً وہ سارے زمین میں سرکش ہو جاتے اور لیکن وہ ایک اندازے کے ساتھ اتارتا ہے، یہاں پر لفظ ینزل تخفیف وتشدید کے ساتھ بھی آیا ہے۔ جتنا چاہتا ہے، پس وہ بعض لوگوں پر رزق وسیع کر دیتا ہے جبکہ بعض پر نہیں۔ کیونکہ رزق کی وسعت کے سبب بغاوت وسرکشی پیدا ہوتی ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر، خوب دیکھنے والا ہے۔

سورہ شوریٰ آیت ۲۷ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت مبارکہ اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ اس وجہ سے انہوں نے کہا کاش کہ ہمارے پاس یہ کچھ ہوتا یعنی انہوں نے دنیا کی تمنا کی۔ طبرانی نے عمرو بن حریث بھی اس کے مثل نقل کی ہے ایک قول ہے کہ یہ آیت اصحاب صفہ میں سے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے دنیا کی وسعت اور غنی کی خواہش کی خباب بن ارت کہتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی وہ اس طرح کہ ہم نے قریظہ اور نضیر کے اموال کی طرف دیکھا اور ان کی تمنا کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے بارے میں یہ آیت نازل فرما دی۔ (سیوطی 252، قرطبی 16۔27، طبری 25، 19، زاد المسیر 7۔(287)

حضرت عمرو بن حریث سے ایک روایت یہ ہے کہ آیت اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ، اور اگر خدا اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا ہے تو زمین میں فساد کرنے لگتے لیکن جو چیز چاہتا ہے اندازے کے ساتھ نازل کرتا ہے بے شک وہ اپنے بندوں کو جانتا اور دیکھتا ہے۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے کہا کاش کہ ہمارے پاس بھی دنیا (میں کشائش) ہوتی پس انہوں نے دنیا کی تمنا کی۔

(مجمع الزوائد 7۔104

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۭ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۝
اور وہی ہے جو بارش برساتا ہے، اس کے بعد کہ وہ ناامید ہو چکے ہوتے ہیں اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے
اور وہی مدد کرنے والا ہے، تمام تعریفوں کے لائق ہے۔

بارش کے ذریعے رحمت کو پھیلا دینے کا بیان

"وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ" الْمَطَر "مِنْ بَعْد مَا قَنَطُوا" يَئِسُوا مِنْ نُزُوله "وَيَنْشُر رَحْمَته" يَبْسُط مَطَره "وَهُوَ الْوَلِيّ" الْمُحْسِن لِلْمُؤْمِنِينَ "الْحَمِيد" الْمَحْمُود عِنْدهمْ،

اور وہی ہے جو بارش برساتا ہے، اس کے بعد کہ وہ ناامید ہو چکے ہوتے ہیں یعنی جب بارش آنے سے مایوس ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور بارش کے ذریعے اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے اور وہی مدد کرنے والا ہے، یعنی اہل ایمان پر احسان کرنے والا ہے۔ تمام تعریفوں کے لائق ہے۔ یعنی بندوں کے نزدیک وہ محمود ہے۔

طلب بارش کی دعا مانگنے کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہ صحابی سے) روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش مانگتے تو دعا پڑھتے اَللّٰھُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ یعنی اے اللہ اپنے بندوں اور اپنے جانوروں کو پانی سے سیراب فرمادے اپنی رحمت پھیلا دے اور اپنی مردہ (یعنی خشک) زمینوں کو زندگی (یعنی شادابی وسبزی عطا فرما۔ (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1481)

چیونٹی کی دعا کے سبب بارش برسنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "انبیاء میں سے ایک نبی لوگوں کے ہمراہ استسقاء کے لئے نکلے پس اس نبی نے اچانک ایک چیونٹی کو دیکھا جو اپنے کچھ پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے (کھڑی) تھی (یہ دیکھ کر) نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ "واپس چلو! اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول کر لی گئی۔

(دار قطنی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1485)

منقول ہے کہ یہ نبی حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔ واقعہ سے مقصود درحقیقت اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کا اظہار ہے اور یہ بتاتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ پروردگار کی رحمت تمام مخلوقات پر یکساں ہیں بلکہ اس کا علم تمام موجودات کے احوال وکوائف کو گھیرے ہوئے ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مسبب الاسباب اور قاضی الحاجات ہے۔ اس واقعہ کے سلسلہ میں یہ بھی منقول ہے کہ وہ چیونٹی یہ دعاء کرتی تھی اللهم انا خلق من خلقك لا غنى بنا عن رزقك فلا تهلكنا بذنوب بنی ادم یعنی اے پروردگار! تیری مخلوقات میں سے ہم ایک مخلوق ہیں تیرے رزق سے ہم مستغنی نہیں ہیں سو تو ہمیں انسانوں کو گناہوں کی وجہ سے ہلاک نہ کر۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ
وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۝
اور اسی کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے اور وہ جو اس نے ان دونوں میں کوئی بھی جاندار
پھیلا دیے ہیں اور وہ ان کو اکٹھا کرنے پر جب چاہے پوری طرح قادر ہے۔

زمین وآسمان اور اس میں ہونے والی مخلوق سے دلائل قدرت کا بیان

"وَمِنْ آيَاته خَلْق السَّمَاوَات وَالْأَرْض " خَلْق "وَمَا بَثَّ" فَرَّقَ وَنَشَرَ "فِيهِمَا مِنْ دَابَّة" هِيَ مَا يَدِبّ عَلَى الْأَرْض مِنْ النَّاس وَغَيْرهمْ "وَهُوَ عَلَى جَمْعهمْ" لِلْحَشْرِ "إذَا يَشَاء قَدِير" فِي الضَّمِير تَغْلِيب الْعَاقِل عَلَى غَيْره"

اور اسی کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش ہے اور وہ جو اس نے ان دونوں میں کوئی بھی جاندار پھیلا دیے ہیں

اور لوگوں وغیرہ میں سے اس پر چلتے ہیں۔ اور وہ حشر کے دن ان کو اکٹھا کرنے پر جب چاہے پوری طرح قادر ہے۔ یہاں پر ضمیر کو غلبہ کے سبب اہل عقل کیلئے لائے کیونکہ وہ دوسروں پر غالب ہیں۔

دابۃ اصل لغت میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اپنے اختیار سے چلنے اور حرکت کرنے والی ہو، بعد میں یہ لفظ صرف جانوروں کے لئے استعمال ہونے لگا ہے۔ اس آیت میں آسمان اور زمین دونوں کی طرف نسبت کر کے یہ کہا گیا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی چلنے والی مخلوقات پیدا کی ہیں۔ زمین پر چلنے والی مخلوقات تو ظاہر ہیں، آسمان میں ان سے مراد ملائکہ بھی ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آسمانوں میں کچھ ایسے جانور موجود ہوں جو ابھی تک انسان کے علم میں نہیں آ سکے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ○
اور جو بھی تمھیں کوئی مصیبت پہنچی تو وہ اس کی وجہ سے ہے جو تمھارے ہاتھوں نے کمایا اور وہ بہت سی چیزوں سے درگزر کر جاتا ہے۔

پریشانیوں کے سبب مسلمان کے آخرت میں درجات بلند ہونے کا بیان

"وَمَا أَصَابَكُمْ" خِطَاب لِلْمُؤْمِنِينَ "مِنْ مُصِيبَة" بَلِيَّة وَشِدَّة "فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ" أَيْ كَسَبْتُمْ مِنَ الذُّنُوب وَعَبَّرَ بِالْأَيْدِي لِأَنَّ أَكْثَر الْأَفْعَال تُزَاوَل بِهَا "وَيَعْفُو عَنْ كَثِير" مِنْهَا فَلَا يُجَازِي عَلَيْهِ وَهُوَ تَعَالَى أَكْرَم مِنْ أَنْ يُثَنِّي الْجَزَاء فِي الْآخِرَة وَأَمَّا غَيْر الْمُذْنِبِينَ فَمَا يُصِيبهُمْ فِي الدُّنْيَا لِرَفْعِ دَرَجَاتهمْ فِي الْآخِرَة،

اور جو بھی تمھیں کوئی مصیبت یعنی سختی یا شدت پہنچی اس میں اہل ایمان کو خطاب ہے۔ تو وہ اس کی وجہ سے ہے جو تمھارے ہاتھوں نے کمایا یعنی تمہارے گناہوں کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اکثر گناہوں کا صدور ہاتھوں سے ہوا کرتا ہے۔ اور وہ بہت سی چیزوں سے درگزر کر جاتا ہے۔ جن پر تمہیں سزا نہیں دی جاتی۔ اللہ تعالیٰ بڑی شان والا ہے کہ وہ آخرت میں کسی کو دوبار سزا دے۔ جبکہ وہ بے گناہ ہو۔ (ایسا ممکن نہیں ہے)۔ پس جو انہیں دنیا میں مصائب پہنچتے ہیں اس کی وجہ سے آخرت میں ان کے درجے بلند ہوتے ہیں۔

پریشانیوں کے سبب گناہوں کے معاف ہونے کا بیان

عبید اللہ بن وازع، قبیلہ بنو مرہ کے ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ میں کوفہ گیا تو مجھے بلال بن ابو بردہ کے حال کے متعلق بتایا گیا کہ میں نے کہا کہ اس میں عبرت ہے میں ان کے پاس گیا وہ اپنے اسی گھر میں قید تھے جو انہوں نے بنوایا تھا۔ اذیتیں پہنچانے اور مار پیٹ کی وجہ سے ان کی شکل وصورت بدل گئی تھی اور ان کے بدن پر ایک پرانا چیتھڑا (کپڑا) تھا۔ میں نے کہا الْحَمْدُ لِلّٰہِ اے بلال! میں نے تمہیں یہ دیکھا کہ تم ہمارے پاس سے گذرا کرتے تھے اور آج اس حال میں ہو؟ کہنے لگے تم کون ہو؟ میں نے کہا ابن عباد ہوں اور بنو مرہ سے تعلق رکھتا ہوں۔ بلال نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایک حدیث نہ سناؤں شاید اللہ تعالیٰ اس سے تمہیں نفع پہنچائے؟ میں

نے کہا سنا ہے، انہوں نے فرمایا ابو بردہ اپنے والد موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کوئی تکلیف یا چوٹ اس کے گناہوں کی وجہ سے ہی پہنچتی خواہ کم ہو یا زیادہ اور جو (گناہ) اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے وہ اس سے زیادہ ہوتے ہیں، پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی (وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ، او رجو تم پر مصیبت آتی ہے تو وہ تمہارے ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے آتی ہے اور وہ بہت سے گناہ معاف کر دیتا ہے)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1200)

آفات اور تکالیف سے خطاؤں کی معافی ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ کی عظمت قدرت اور سلطنت کا بیان ہو رہا ہے کہ آسمان وزمین اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اور ان میں کئی ساری مخلوق بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہے فرشتے انسان جنات اور مختلف قسموں کے حیوانات جو کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں قیامت کے دن وہ ان سب کو ایک ہی میدان میں جمع کرے گا۔ جبکہ ان کے حواس گم ہو چکے ہوں گے اور ان میں عدل وانصاف کیا جائے گا پھر فرماتا ہے لوگو تمہیں جو کچھ مصیبتیں پہنچتی ہیں وہ سب دراصل تمہارے اپنے کئے گناہوں کا بدلہ ہیں اور ابھی تو وہ غفور ورحیم اللہ تمہاری بہت سی حکم عدولیوں سے چشم پوشی فرماتا ہے اور انہیں معاف فرما دیتا ہے اگر ہر اک گناہ پر پکڑے تو تو تم زمین پر چل پھر بھی نہ سکو۔

صحیح حدیث میں ہے کہ مومن کو جو تکلیف سختی غم اور پریشانی ہوتی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے یہاں تک کہ ایک کانٹا لگنے کے عوض بھی جب آیت (فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه، الزلزلۃ: 7)، اتری اس وقت حضرت صدیق اکبر کھانا کھا رہے تھے آپ نے اسے سن کر کھانے سا ہاتھ ہٹا لیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہر برائی بھلائی کا بدلہ دیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا سنو طبیعت کے خلاف جو چیزیں ہوتی ہیں یہ سب برائیوں کے بدلے ہیں اور ساری نیکیاں اللہ کے پاس جمع شدہ ہیں۔

حضرت ابو ادریس فرماتے ہیں یہی مضمون اس آیت میں بیان ہوا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں آؤ میں تمہیں کتاب اللہ شریف کی افضل ترین آیت سناؤں اور ساتھ ہی حدیث بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے یہ آیت تلاوت کی اور میرا نام لے کر فرمایا سن میں اس کی تفسیر بھی تجھے بتا دوں تجھے جو بیماریاں سختیاں اور بلائیں آفتیں دنیا میں پہنچتی ہیں وہ سب بدلہ ہے تمہارے اپنے اعمال کا اللہ تعالیٰ کا حکم اس سے بہت زیادہ ہے کہ پھر انہی پر آخرت میں بھی سزا کرے اور اکثر برائیاں معاف فرما دیتا ہے تو اس کے کرم سے یہ بالکل ناممکن ہے کہ دنیا میں معاف کی ہوئی خطاؤں پر آخرت میں پکڑے۔ (مسند احمد)

ابن ابی حاتم میں یہی روایت حضرت علی ہی کے قول سے مروی ہے اس میں ہے کہ ابو جحیفہ جب حضرت علی کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا میں تمہیں ایک ایسی حدیث سناتا ہوں جسے یاد رکھنا ہر مومن کا فرض ہے پھر یہ تفسیر آیت کی اپنی طرف سے کر کے سنائی مسند میں ہے کہ مسلمان کے جسم میں جو تکلیف ہوتی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرماتا ہے۔

مسند ہی کی اور حدیث میں ہے جب ایمان دار بندے کے گناہ بڑھ جاتے ہیں اور اس کے کفارے کی کوئی چیز اس کے پاس

نہیں ہوتی تو اللہ اسے کسی رنج وغم میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہی اس کے ان گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

ابن ابی حاتم میں حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ اس آیت کے اترنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ لکڑی کی ذراسی خراش ہڈی کی ذراسی تکلیف یہاں تک کہ قدم کا پھسلنا بھی کسی نہ کسی گناہ پر ہے اور ابھی اللہ کے عفو کئے ہوئے بہت سے گناہ تو یونہی مٹ جاتے ہیں۔

ابن ابی حاتم ہی میں ہے کہ جب حضرت عمران بن حصین کے جسم میں تکلیف ہوئی اور لوگ ان کی عیادت کو گئے تو حضرت حسن نے کہا آپ کی یہ حالت تو دیکھی نہیں جاتی ہمیں بڑا صدمہ ہو رہا ہے آپ نے فرمایا ایسا نہ کہو جو تم دیکھ رہے ہو یہ سب گناہوں کا کفارہ ہے اور بھی بہت سے گناہ تو اللہ معاف فرما چکا ہے پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی ہے۔

ابو البلاد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علاء بن بدر سے کہا کہ قرآن میں تو یہ آیت ہے اور میں ابھی نابالغ بچہ ہوں اور اندھا ہو گیا ہوں آپ نے فرمایا یہ تیرے ماں باپ کے گناہوں کا بدلہ ہے حضرت ضحاک فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھ کر بھول جانے والا یقیناً اپنے کسی گناہ میں پکڑا گیا ہے۔ اس کی اور کوئی وجہ نہیں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا بتاؤ تو اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہوگی کہ انسان یاد کر کے کلام اللہ بھول جائے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ شوریٰ، بیروت)

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝
اور تم اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ کو چھوڑ کر نہ کوئی تمہارا حامی ہوگا اور نہ مددگار۔

مشرکین کا اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکنے کا بیان

"وَمَا أَنْتُمْ" يَا مُشْرِكُونَ "بِمُعْجِزِينَ" اللّٰه هَرَبًا "فِي الْأَرْض" فَتَفُوتُوهُ "وَمَا لَكُمْ مِنْ دُون اللّٰه" أَيْ غَيْره "مِنْ وَلِيّ وَلَا نَصِير" يَدْفَع عَذَابه عَنْكُمْ،

اے مشرکو! اور تم اپنی تدبیروں سے اللہ کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتے تاکہ تم اس کے عذاب سے بچ نکلو۔ اور اللہ کو چھوڑ کر بتوں وغیرہ میں سے نہ کوئی تمہارا حامی ہوگا اور نہ مددگار ہوگا جو تم سے اس کے عذاب کو دور کر سکے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

وما انتم واو عاطفہ۔ ما نافیہ ہے۔ معجزین۔ اسم فاعل جمع مذکر۔ اعجاز (افعال) مصدر۔ عاجز بنا دینے والے۔ ہرانے والے۔ عجز مادہ۔ من دون اللہ۔ اللہ کے سوا۔ اللہ کے علاوہ۔

ولی۔ کا معنی ہے متوليا لشیء من امورکم بالاستقلال یحمیکم من المصائب یعنی وہ ذات جو تمہارے کسی کام کی متولی ہو اور تمہیں مصیبتوں سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔

یعنی محض اپنی مہربانی سے معاف کرتا ہے ورنہ جس جرم پر سزا دینا چاہے، مجرم بھاگ کر کہیں روپوش نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس کے

سوا کوئی دوسرا حمایت وامداد کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اِنْ یَّشَاْ یُسْكِنِ الرِّیْحَ فَیَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ
عَلٰی ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝
اوراس کی نشانیوں میں سے پہاڑوں کی طرح اونچے بحری جہاز بھی ہیں۔اگر وہ چاہے ہوا کو بالکل ساکن کر دے
تو کشتیاں سطحِ سمندر پر رُکی رہ جائیں، بیشک اس میں ہر صبر شعار وشکر گزار کے لئے نشانیاں ہیں۔

سمندر کی بڑی کشتیوں سے دلائل قدرت کا بیان

"وَمِنْ آیَاتِه الْجَوَار" السُّفُن "فِی الْبَحْر كَالْاَعْلَامِ" كَالْجِبَالِ فِی الْعِظَم "إنْ یَشَأْ یُسْكِنِ الرِّیح فَیَظْلَلْنَ" یَصِرْنَ "رَوَاكِد" ثَوَابِت لَا تَجْرِی "عَلَی ظَهْره إنَّ فِی ذَلِكَ لَآیَات لِكُلِّ صَبَّار شَكُور" هُوَ الْمُؤْمِن یَصْبِر فِی الشِّدَّة وَیَشْكُر فِی الرَّخَاء،

اوراس کی نشانیوں میں سے سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے بحری جہاز بھی ہیں۔یعنی جس طرح بڑے بڑے پہاڑ ہوتے ہیں۔اگر وہ چاہے ہوا کو بالکل ساکن کر دے تو کشتیاں سطحِ سمندر پر رُکی رہ جائیں، یعنی رک جائیں چل نہ سکیں۔بیشک اس میں ہر صبر شعار وشکر گزار کے لئے نشانیاں ہیں۔وہ مؤمن ہی ہے جو تکلیف پر صبر کرتا ہے اور خوشی کی حالت میں شکر کرتا ہے۔

سمندروں کی تسخیر قدرت الٰہی کی نشانی ہونے کا بیان

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت کے نشان اپنی مخلوق کے سامنے رکھتا ہے کہ اس نے سمندروں کو مسخر کر رکھا ہے تا کہ کشتیاں ان میں برابر آئیں جائیں۔بڑی بڑی کشتیاں سمندروں میں ایسی ہی معلوم ہوتی ہیں جیسے زمین میں اونچے پہاڑ۔ان کشتیوں کو ادھر سے ادھر لے جانے والی ہوائیں اس کے قبضے میں ہیں اگر وہ چاہے تو ان ہواؤں کو روک لے پھر تو بادبان بیکار ہو جائیں اور کشتی رک کر کھڑی ہو جائے ہر وہ شخص جو سختیوں میں صبر کا اور آسانیوں میں شکر کا عادی ہو اس کے لئے تو بڑی عبرت کی جا ہے وہ رب کی عظیم الشان قدرت اوراس کی بے پایاں سلطنت کو ان نشانوں سے سمجھ سکتا ہے اور جس طرح ہوائیں بند کر کے کشتیوں کو کھڑا کر لینا اور روک لینا اس کے بس میں ہے اسی طرح ان پہاڑوں جیسی کشتیوں کو دم بھر میں ڈبو دینا بھی اس کے ہاتھ ہے اگر وہ چاہے تو اہل کشتی کے گناہوں کے باعث انہیں غرق کر دے۔ابھی تو وہ بہت سے گناہوں سے درگذر فرمالیتا ہے اور اگر سب گناہوں پر پکڑے تو جو بھی کشتی میں بیٹھے سیدھا سمندر میں ڈوبے لیکن اس کی بے پایاں رحمت ان کو اس پار سے اس پار کر دیتی ہے۔علماء تفسیر نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر وہ چاہے تو اسی ہوا کو ناموافق کر دے۔تیز وتند آندھی چلا دے جو کشتی کو سیدھی راہ چلنے ہی نہ دے ادھر سے ادھر کر دے سنبھالے نہ سنبھل سکے جہاں جانا ہے اس طرف جا ہی نہ سکے اور یونہی سرگشتہ وحیران ہو ہو کر اہل کشتی تباہ ہو جائیں۔الغرض اگر بند کر دے تو کھڑے کھڑے ناکام رہیں اگر تیز کر دے تو ناکامی۔لیکن یہ اس کا لطف وکرم ہے کہ خوشگوار موافق ہوائیں چلاتا ہے اور

لمبے لمبے سفران کشتیوں کے ذریعہ بنی آدم طے کرتا ہے اور اپنے مقصد کو پالیتا ہے یہی حال پانی کا ہے کہ اگر بالکل نہ برسائے خشک سالی رہے دنیا تباہ ہو جائے۔ اگر بہت ہی برسا دے تو تر سالی کوئی چیز پیدا نہ ہونے دے اور دنیا ہلاک ہو جائے۔ ساتھ ہی مینہ کی کثرت طغیانی کا مکانوں کے گرنے کا اور پوری بربادی کا سبب بن جائے یہاں تک کہ رب کی مہربانی سے جن شہروں میں اور جن زمینوں میں زیادہ بارش کی ضرورت ہے وہاں کثرت سے مینہ برستا ہے اور جہاں کم کی ضرورت ہے وہاں کمی سے پھر فرماتا ہے کہ ہماری نشانیوں سے جھگڑنے والے ایسے موقعوں پر تو مان لیتے ہیں کہ ہماری قدرت سے باہر نہیں۔ ہم اگر انتقام لینا چاہیں ہم اگر عذاب کرنا چاہیں تو وہ چھوٹ نہیں سکتے سب ہماری قدرت اور مشیت تلے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شوریٰ، بیروت)

اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ○ وَّ يَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ
فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ○
یا وہ انھیں اس کی وجہ سے ہلاک کر دے جو انھوں نے کمایا اور بہت سے لوگوں سے درگزر کر دے۔ اور وہ لوگ
جو ہماری آیات میں جھگڑتے ہیں، جان لیں کہ ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب سے جائے فرار نہ ہونے کا بیان

"أَوْ يُوبِقهُنَّ" عَطف عَلَى يُسْكِنِ أَيْ يُغْرِقهُنَّ بِعَصْفِ الرِّيح بِأَهْلِهِنَّ "بِمَا كَسَبُوا" أَيْ أَهْلهنَّ مِنَ الذُّنُوب "وَيَعْفُ عَنْ كَثِير" مِنْهَا فَلَا يُغْرِق أَهْله،

"وَيَعْلَمُ" بِالرَّفْعِ مُسْتَأْنَف وَبِالنَّصْبِ مَعْطُوف عَلَى تَعْلِيل مُقَدَّر أَيْ يُغْرِقهُمْ لِيَنْتَقِم مِنْهُمْ وَيَعْلَم "الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتنَا مَا لَهُمْ مِنْ مَحِيص" مَهْرَب مِنَ الْعَذَاب وَجُمْلَة النَّفْي سَدَّتْ مَسَدّ مَفْعُولَيْ يَعْلَم وَالنَّفْي مُعَلَّق عَنِ الْعَمَل،

یا وہ انھیں اس کی وجہ سے ہلاک کر دے، یہاں پر یوبقھن کا عطف یسکن پر ہے یعنی وہ ان کشتیوں میں سوار ہونے والوں کو تیز ہوا کے ذریعے غرق کر دے۔ جو انھوں نے کمایا یعنی جو ان لوگوں نے گناہ کیے۔ اور چاہے تو بہت سے لوگوں سے درگزر کر دے۔ یعنی ان کشتیوں میں سوا لوگوں میں سے کسی بھی غرق نہ کرے۔

یہاں پر لفظ یعلم حالت رفعی میں ہے جملہ مستأنفہ ہے اور تعلیل مقدر کے سبب منصوب ہے۔ یعنی وہ ان کو غرق کرے گا تا کہ وہ ان سے انتقام لے۔ اور تا کہ وہ لوگ جو ہماری آیات میں جھگڑتے ہیں، جان لیں کہ ان کے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔ اور جملہ نفی دو مفاعیل کے قائم مقام ہے۔ اور نفی عمل سے متعلق ہے۔

یعنی اللہ کی آیات میں جھگڑا کرنے والے منکرین کو اس دنیا میں بھی ایسا حادثہ پیش آ سکتا ہے کہ کوئی جائے پناہ کہیں نہ مل سکے جیسے مثلاً سمندری سفر میں۔ آخرت میں تو یہ لوگ اور بھی زیادہ بے بس اور لاچار ہوں گے۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ○

پس تمھیں جو بھی چیز دی گئی ہے وہ دنیا کی زندگی کا معمولی سامان ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے، ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور صرف اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔ اور جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت پر بھروسہ رکھنے والوں کا بیان

"فَمَا أُوتِيتُمْ" خِطَاب لِلْمُؤْمِنِينَ وَغَيْرهمْ "مِنْ شَيْء" مِنْ أَثَاث الدُّنْيَا "فَمَتَاع الْحَيَاة الدُّنْيَا" يُتَمَتَّع بِهِ فِيهَا ثُمَّ يَزُول "وَمَا عِنْد اللّٰه" مِنْ الثَّوَاب "خَيْر وَأَبْقَى لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبّهمْ يَتَوَكَّلُونَ" وَيَعْطِف عَلَيْهِ، "وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِر الْإِثْم وَالْفَوَاحِش" مُوجِبَات الْحُدُود مِنْ عَطْف الْبَعْض عَلَى الْكُلّ "وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ" يَتَجَاوَزُونَ،

پس تمھیں جو بھی چیز دی گئی ہے۔ اس میں اہل ایمان وغیرہ کو خطاب ہے۔ وہ دنیا کی زندگی کا معمولی سامان ہے جس کے ساتھ تم فائدہ حاصل کرو پھر وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور جو اللہ کے پاس ثواب ہے وہ بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے، ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور صرف اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔ والذین کا عطف للذین آمنوا پر ہے۔

اور جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں جو حد کو واجب کرنے والے ہیں۔ اور یہاں پر بعض کا عطف کل پر ہے۔ اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں۔ یعنی درگزر سے کام لیتے ہیں۔

سورہ شوریٰ آیت ۳۶ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب آپ نے اپنا کل مال صدقہ کردیا اور اس پر عرب کے لوگوں نے آپ کو ملامت کی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ شوریٰ، لاہور)

درگزر کرنے اور دوسروں کے معاف کردینے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابراہیم فرماتے ہیں مسلمان پست و ذلیل ہوتا تو پسند نہیں کرتے تھے لیکن غالب آکر انتقام بھی نہیں لیتے تھے بلکہ درگذر کر جاتے اور معاف فرمادیتے۔ ان کی اور صفت یہ ہے کہ یہ اللہ کا کہا کرتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں جس کا وہ حکم کرے بجالاتے ہیں جس سے وہ روکے رک جاتے ہیں نماز کے پابند ہوتے ہیں جو سب سے اعلیٰ عبادت ہے۔ بڑے بڑے امور میں بغیر آپس کی مشاورت کے ہاتھ نہیں ڈالتے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم اللہ ہوتا ہے آیت (وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ، آل عمران: 159) یعنی ان سے مشورہ کرلیا کرو اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جہاد وغیرہ کے موقعہ پر لوگوں

سے مشورہ کرلیا کرتے تا کہ ان کے جی خوش ہو جائیں۔ اور اسی بنا پر امیر المومنین حضرت عمر نے جب کہ آپ کو زخمی کر دیا گیا اور وفات کا وقت آ گیا چھ آدمی مقرر کر دیئے کہ یہ اپنے مشورے سے میرے بعد کسی کو میرا جانشین مقرر کریں ان چھ بزرگوں کے نام یہ ہیں۔ عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ پس سب نے باتفاق رائے حضرت عثمان کو اپنا امیر مقرر کیا پھر ان کا جن کے لئے آخرت کی تیاری اور وہاں کے ثواب ہیں ایک اور وصف بیان فرمایا کہ جہاں یہ حق اللہ ادا کرتے ہیں وہاں لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں بھی کمی نہیں کرتے اپنے مال میں محتاجوں کا حصہ بھی رکھتے ہیں اور درجہ بدرجہ اپنی طاقت کے مطابق ہر ایک کے ساتھ سلوک واحسان کرتے رہتے ہیں اور یہ ایسے ذلیل پست اور بیزدر نہیں ہوتے کہ ظالم کے ظلم کی روک تھام نہ کر سکیں بلکہ اتنی قوت اپنے اندر رکھتے ہیں کہ ظالموں سے انتقام لیں اور مظلوم کو اس کے پنجے سے نجات دلوائیں لیکن ہاں! اپنی شرافت کی وجہ سے غالب آ کر پھر چھوڑ دیتے ہیں۔ جیسے کہ نبی اللہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں پر قابو پا کر فرمادیا کہ جاؤ تمہیں میں کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتا بلکہ میری خواہش ہے اور دعا ہے کہ اللہ بھی تمہیں معاف فرمادے۔ اور جیسے کہ سردار انبیاء رسول اللہ احمد مجتبیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں کیا جبکہ اسی وقت کفار غفلت کا موقع ڈھونڈ کر چپ چاپ لشکر اسلام میں گھس آئے جب یہ پکڑ لئے گئے اور گرفتار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے تو آپ نے ان سب کو معافی دے دی اور چھوڑ دیا۔

اور اسی طرح آپ نے غورث بن حارث کو معاف فرمادیا یہ وہ شخص ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتے ہوئے اس نے آپ کی تلوار پر قبضہ کرلیا جب آپ جاگے اور اسے ڈانٹا تو تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور آپ نے تلوار لے لی اور وہ مجرم گردن جھکائے آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا آپ نے صحابہ کو بلا کر یہ منظر دکھایا اور یہ قصہ بھی سنایا پھر اسے معاف فرمادیا اور جانے دیا۔ اسی طرح لبید بن اعصم نے جب آپ پر جادو کیا تو علم وقدرت کے باوجود آپ نے اس سے درگذر فرمالے اور اسی طرح جس یہودیہ عورت نے آپ کو زہر دیا تھا آپ نے اس سے بھی بدلہ نہ لیا اور قابو پانے اور معلوم ہو جانے کے باوجود بھی آپ نے اتنے بڑے واقعہ کو جانا آنا کر دیا اس عورت کا نام زینب تھا یہ مرحب یہودی کی بہن تھی۔

جو جنگ خیبر میں حضرت محمود بن سلمہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس نے بکری کے شانے کے گوشت میں زہر ملا کر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا تھا خود شانے نے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے زہر آلود ہونے کی خبر دی تھی جب آپ نے اسے بلا کر دریافت فرمایا تو اس نے اقرار کیا تھا اور وجہ یہ بیان کی تھی کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو یہ آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ اور اگر آپ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں تو ہمیں آپ سے راحت حاصل ہو جائے گی یہ معلوم ہو جانے پر اور اس کے اقبال کر لینے پر بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔ معاف فرمادیا گو بعد میں وہ قتل کر دی گئی اس لئے اسی زہر سے اور زہریلے کھانے سے حضرت بشر بن برا فوت ہو گئے تب قصاصاً یہ یہودیہ عورت بھی قتل کرائی گئی اور بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو درگزر کے ایسے بہت سے واقعات ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شوریٰ، بیروت)

وَ الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَیْنَهُمْ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ
اور جو لوگ اپنے رب کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور ان کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہوتا ہے
اور اس مال میں سے جو ہم نے انہیں عطا کیا ہے خرچ کرتے ہیں۔

اہل ایمان کی باہمی مشاورت کا بیان

"وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ" أَجَابُوهُ إِلَى مَا دَعَاهُمْ إِلَيْهِ مِنَ التَّوْحِيد وَالْعِبَادَة "وَأَقَامُوا الصَّلَاة" أَدَامُوهَا "وَأَمْرهمْ" الَّذِي يَبْدُو لَهُمْ "شُورَى بَيْنهمْ" يَتَشَاوَرُونَ فِيهِ وَلَا يَعْجَلُونَ "وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ" أَعْطَيْنَاهُمْ "يُنْفِقُونَ" فِي طَاعَة اللّٰه وَمَنْ ذُكِرَ صِنْف،

اور جو لوگ اپنے رب کا فرمان قبول کرتے ہیں یعنی جب انہیں توحید و عبادت کی طرف بلایا جائے تو وہ اس کو قبول کرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں یعنی اس پر دوام اختیار کرتے ہیں۔ اور ان کا فیصلہ باہمی مشورہ سے ہوتا ہے یعنی وہ آپس میں مشورہ کرتے ہیں اور وہ جلدی نہیں کرتے۔ اور اس مال میں سے جو ہم نے انہیں عطا کیا ہے اللہ کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ ذکر کردہ مسلمانوں کا ایک وصف ہے۔

مشورہ کرنے کی اہمیت کا بیان

خطیب بغدادی نے حضرت علی مرتضیٰ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آئے، جس میں قرآن نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور آپ سے بھی اس کا کوئی حکم ہمیں نہیں ملا تو ہم کیسے عمل کریں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اس کے لے میری امت کے عبادت گزاروں کو جمع کرلو اور آپس میں مشورہ کر کے طے کرلو۔ کسی کی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

اس روایت کے بعض الفاظ میں فقہاء و عابدین کا لفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مشورہ ان لوگوں سے لینا چاہئے جو فقہاء یعنی دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے اور عبادت گزار ہوں۔

صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ جو مشورہ اس طریق پر نہیں بلکہ بے علم بے دین لوگوں میں دائر ہو اس کا فساد اس کی اصلاح پر غالب رہے گا۔ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی کام کا ارادہ کیا اور اس میں مشورہ لے کر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ارشد امور کی طرف ہدایت فرمادے گا۔ یعنی اس کا رخ اس طرف پھیر دے گا جو اس کے لئے انجام کار خیر اور بہتر ہو۔

اسی طرح کی ایک حدیث بخاری نے الادب المفرد میں اور عبد بن حمید نے مسند میں حضرت حسن سے بھی نقل کی ہے۔ جس میں آپ نے آیت مذکورہ پڑھ کر یہ فرمایا ہے۔ ماتشاور قوم قط الاھدوا لارشد امرھم جب کوئی قوم مشورہ سے کام کرتی

ہے تو ضرور ان کو صحیح راستہ کی طرف ہدایت کر دی جاتی ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تمہارے امراء اور حکام وہ لوگ ہوں جو تم میں بہتر ہیں اور تمہارے مالدار لوگ سخی ہوں (کہ اللہ کی راہ میں اور غرباء پر خرچ کریں) اور تمہارے کام باہمی مشورہ سے طے ہوا کریں۔ اس وقت تک تمہارے لئے زمین کے اوپر رہنا یعنی زندہ رہنا بہتر ہے اور جب تمہارے امراء و حکام تمہاری قوم کے برے لوگ ہو جاویں اور تمہارے مالدار بخیل ہو جاویں اور تمہارے کام عورتوں کے سپرد ہو جاویں کہ وہ جس طرح چاہیں کریں۔ اس وقت تمہارے لئے زمین کی پیٹھ کی بجائے زمین کا پیٹ بہتر ہوگا یعنی زندگی سے موت بہتر ہوگی۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ شوریٰ، بیروت)

بہتر مشورہ دینے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی خادم ہے انہوں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا جب ہمارے پاس کہیں سے غلام آئیں تو تم آ جانا میں تمہیں ایک غلام دے دوں گا چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو غلام آئے تو ابوالہیثم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ دو غلام ہیں ان دونوں میں سے کسی کو اپنے لئے پسند کر لو۔ ابوالہیثم نے عرض کیا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی میرے لئے کوئی غلام پسند فرما دیں حضور نے فرمایا جس شخص سے مشورہ لیا جائے اس کو امین ہونا چاہیے یعنی مشیر کو چاہیے کہ مشورہ چاہنے والے کی بھلائی کو بہر صورت ملحوظ رکھنا چاہیے اور وہی مشورہ دے جو اس کے حق میں بہتر ہو گویا حضور نے اس ارشاد کے ذریعہ ابوالہیثم پر واضح کر دیا جب تم نے حق کا انتخاب میرے سپرد کر دیا ہے اور مجھ سے مشورہ چاہتے ہو تو میں تمہیں وہی غلام دوں گا جو تمہارے لئے بہتر ہو۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا اس غلام کو لے جاؤ کیونکہ میں نے اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور بھلائی اختیار کرنے کی میری وصیت پر ہمیشہ عمل کرنا۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 991)

ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ جب حضرت ابوالہیثم اس غلام کو گھر لے کر آئے اور اہلیہ سے فرمایا کہ سرکار نے مجھ کو یہ غلام دیا ہے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور بھلائی کرنے کی وصیت فرمائی تو ان کی بیوی نے کہا اس وصیت پر عمل پیرا ہونے کا حق شاید پوری طرح ادا نہ ہو سکے اس کے لئے اس کے ساتھ حسن سلوک یہی ہے کہ اس کو آزاد کر دیا جائے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ○ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ
فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○
اور وہ کہ جب انہیں بغاوت پہنچے بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ اسی برائی کی مثل ہوتا ہے، پھر جس نے معاف کر دیا
اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ بیشک وہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔

برائی بدلہ اسی کی مثل برائی ہونے کا بیان

"وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ" الظُّلْم "هُمْ يَنْتَصِرُونَ" صِنف أَيْ يَنْتَقِمُونَ مِمَّنْ ظَلَمَهُمْ بِمِثْلِ ظُلْمه، "وَجَزَاء سَيِّئَة سَيِّئَة مِثْلهَا " سُمِّيَتْ الثَّانِيَة سَيِّئَة لِمُشَابَهَتِهَا لِلْأُولَى فِي الصُّورَة وَهَذَا ظَاهِر فِيمَا يُقْتَصّ فِيهِ مِنْ الْجِرَاحَات قَالَ بَعْضهم : وَإِذَا قَالَ لَهُ أَخْزَاك اللَّه فَيُجِيبهُ : أَخْزَاك اللَّه "فَمَنْ عَفَا" عَنْ ظَالِمه "وَأَصْلَحَ" الْوُدّ بَيْنه وَبَيْن الْمَعْفُوّ عَنْهُ "فَأَجْره عَلَى اللَّه" أَيْ إِنَّ اللَّه يَأْجُرهُ لَا مَحَالَة "إِنَّهُ لَا يُحِبّ الظَّالِمِينَ" أَيْ الْبَادِئِينَ بِالظُّلْمِ فَيَتَرَتَّب عَلَيْهِمْ عِقَابه،

اور وہ کہ جب انہیں بغاوت یعنی ظلم پہنچے بدلہ لیتے ہیں۔ یہ ان کا وصف ہے جو اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی مثل انتقام لیتے ہیں۔

اور برائی کا بدلہ اسی برائی کی مثل ہوتا ہے، یہاں پر دوسری چیز کا نام برائی اس وجہ سے رکھا گیا ہے کیونکہ وہ صورت میں پہلے عمل کے مشابہ ہوتی ہے۔ اور یہ زخموں کے قصاص لینے ظاہر ہے۔ اور بعض نے کہا ہے جب وہ تجھے کہے کہ "اللہ تجھے رسوا کرے" تو بھی جواب میں "اللہ تجھے رسوا کرے" کہہ دے۔ پھر جس نے اپنے ظالم کو معاف کر دیا اور معافی کے ذریعہ اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ یقیناً اس کو ثواب عطا فرمائے گا، بیشک وہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ یعنی وہ ظلم کو شروع کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا لہٰذا ان پر عذاب واقع ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دن یہودی کی ایک جماعت نے نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی چنانچہ ان کو اجازت دے دی گئی اور جب وہ آپ کے پاس آئے تو کہا کہ بلکہ تمہیں موت آئے اور تم پر لعنت ہو آنحضرت نے فرمایا عائشہ! اللہ تعالیٰ محبت ونرمی کرنے والا ہے اور ہر کام میں محبت ونرمی کو پسند کرتا ہے میں نے عرض کیا کیا آپ نے سنا نہیں انہوں نے سلام کے بجائے کیا لفظ کہا ہے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک میں نے سنا ہے اور میں نے ان کے جواب میں کہا ہے کہ وعلیکم اور ایک روایت میں یہ لفظ علیکم ہے یعنی واؤ کا ذکر نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 572)

اور بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ایک دن کچھ یہودی نبی کریم کے پاس آئے اور انہوں نے السلام علیکم کہنے کے بجائے یہ کہا کہ السام علیکم آنحضرت نے ان کے جواب میں فرمایا وعلیکم۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یہودیوں کی یہ بدتمیزی مجھ سے برداشت نہ ہوئی اور میں نے ان کے جواب میں کہا کہ تمہیں موت آئے اور تم پر اللہ کی لعنت ہو اور تم پر اللہ کا غضب ٹوٹے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میری زبان سے ایسے الفاظ سنے تو فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رک جاؤ! تمہیں نرمی اختیار کرنی چاہیے نیز سخت گوئی اور لچر باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ کیا آپ نے نہیں سنا کہ انہوں نے کیا لفظ کہا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اور کیا تم نے نہیں سنا کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے میں نے اس پر کیا جواب دیا ہے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے حق میں میری دعا یا دعائے ضرر تو قبول ہوتی ہے لیکن میرے حق میں ان کی دعا یا دعائے ضرر قبول نہیں ہوتی۔

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ
النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝
اور یقیناً جو شخص اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر کوئی راہ نہیں ہے۔ پس راہ صرف ان کے خلاف ہے
جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق سرکشی وفساد پھیلاتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

ظالم سے بدلہ لینے پر کوئی مؤاخذہ نہ ہونے کا بیان

"وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمه" أَیْ ظُلْم الظَّالِم إِيَّاهُ "فَأُولَئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيل" مُؤَاخَذَة، "إِنَّمَا السَّبِيل عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاس وَيَبْغُونَ" يَعْمَلُونَ "فِي الْأَرْض بِغَيْرِ الْحَقّ" بِالْمَعَاصِي "أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَاب أَلِيم" مُؤْلِم،

اور یقیناً جو شخص اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لے یعنی جب کوئی ظالم اس پر ظلم کرے۔ تو ایسے لوگوں پر مواخذہ کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔

پس راہ صرف یعنی مؤاخذہ ان کے خلاف ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور نافرمانی کے سبب زمین میں ناحق سرکشی وفساد پھیلاتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ ربیع نے جو حضرت انس ابن مالک کی پھوپھی تھیں، ایک انصاری لڑکی کے دانت توڑ دیئے اس لڑکی کے رشتہ دار استغاثہ لے کر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلہ لینے کا حکم فرمایا (یعنی یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ ربیع کے بھی دانت توڑے جائیں) انس ابن نضر نے جو انس بن مالک کے چچا تھے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایسا نہیں ہوگا، اللہ کی قسم ربیع کے دانت نہیں توڑے جائیں گے آنحضرت نے فرمایا۔ انس! اللہ کا حکم بدلہ لینے کا ہے "لیکن (خدا نے ایسا کیا) کہ لڑکی کے خاندان والے (ربیع کے دانت نہ توڑے جانے پر) راضی ہو گئے اور دیت (مالی معاوضہ) قبول کر لیا چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بعض بندگان اللہ ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر اللہ کی قسم کھا بیٹھیں تو خداوند تعالیٰ ان کی قسم پوری کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 629)

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝
اور بلاشبہ جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے تو بے شک یہ یقیناً بڑی ہمت کے کاموں سے ہے۔

صبر کرنے اور معاف کرنے والے کی فضیلت کا بیان

"وَلَمَنْ صَبَرَ" فَلَمْ يَنْتَصِر "وَغَفَرَ" تَجَاوَزَ "إِنَّ ذَلِكَ" الصَّبْر وَالتَّجَاوُز "لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُور" أَيْ مَعْزُومَاتهَا بِمَعْنَى الْمَطْلُوبَات شَرْعًا

اور بلاشبہ جو شخص صبر کرے اور بدلہ نہ لے اور درگزر کر کے معاف کر دے تو بے شک یہ صبر کرنا اور درگزر کرنا یقیناً بڑی ہمت کے کاموں سے ہے۔ یعنی معزومات جو مطلوبات شرعی کے معنی میں ہے۔

صبر سے بڑھ کر کوئی وسعت نہ ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بعض انصاری صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ طلب فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا فرمایا انہوں نے پھر مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا فرمایا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود مال ختم ہو گیا۔ تو فرمایا میرے پاس جو کچھ ہوتا ہے اس کو ہرگز تم سے بچا کر نہ رکھوں گا۔ جو شخص سوال سے بچتا ہے اللہ اس کو بچاتا ہے اور جو استغناء اختیار کرتا ہے اللہ اسے غنی کر دیتا ہے اور جو صبر کرتا ہے اللہ اسے صبر دے دیتا ہے جو کچھ تم میں سے کسی کو دیا جائے وہ بہتر ہے اور صبر سے بڑھ کر کوئی وسعت نہیں۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 2417)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا
رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝
اور جسے اللہ گمراہ کر دے، پھر اس کے بعد اس کا کوئی مددگار نہیں اور تو ظالموں کو دیکھے گا کہ جب وہ عذاب کو
دیکھیں گے تو کہیں گے کیا واپس جانے کی طرف کوئی راستہ ہے۔

گمراہوں کا عذاب میں پہنچ کر دنیا کا راستہ تلاش کرنے کا بیان

"وَمَنْ يُضْلِل اللّٰه فَمَا لَهُ مِنْ وَلِيّ مِنْ بَعْده" أَيْ أَحَد يَلِي هِدَايَته بَعْد إِضْلَال اللّٰه إِيَّاهُ "وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَاب يَقُولُونَ هَلْ إِلَى مَرَدّ" إِلَى الدُّنْيَا "مِنْ سَبِيل" طَرِيق،

اور جسے اللہ گمراہ کر دے، پھر اس کے بعد اس کا کوئی مددگار نہیں یعنی کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو اس کو اللہ کی طرف سے گمراہی کے بعد ہدایت پر لے آئے۔ اور آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو کہیں گے کیا واپس دنیا میں جانے کی طرف کوئی راستہ ہے۔

دوزخ کی سختی کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جہنم والوں میں سے اس آدمی کو لایا جائے گا جو اہل دنیا میں سے بہت نعمتوں والا تھا پھر اس سے کہا جائے گا اے ابن آدم کیا تو نے کبھی کوئی

بھلائی بھی دیکھی تھی کیا تجھے کبھی کوئی نعمت بھی ملی تھی وہ کہے گا اے میرے رب اللہ کی قسم نہیں اور اہل جنت میں سے اس آدمی کو پیش کیا جائے گا جسے دنیا میں لوگوں سے سب سے زیادہ تکلیف آئی ہوں گی پھر اسے جنت میں ایک دفعہ غوطہ دے کو پوچھا جانے گا اے ابن آدم کیا تو نے کبھی کوئی تکلیف بھی دیکھی کیا تجھ پر کبھی کوئی سختی بھی گزری وہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار اللہ کی قسم نہیں کبھی کوئی تکلیف میرے پاس سے نہ گزری اور نہ ہی میں نے کبھی کوئی شدت وسختی دیکھی۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2587)

وَتَرٰهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ
الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۝
اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ پر ذلت اور خوف کے ساتھ سر جھکائے ہوئے پیش کیے جائیں گے چھپی نگاہوں سے
دیکھتے ہوں گے، اور ایمان والے کہیں گے: بیشک نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اور اپنے
اہل وعیال کو قیامت کے دن خسارے میں ڈال دیا، یاد رکھو! بیشک ظالم لوگ دائمی عذاب میں رہیں گے۔

قیامت کے دن کفار کا کمزور نظری سے جہنم کو دیکھنے کا بیان

"وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا" أَيْ النَّار "خَاشِعِينَ" خَائِفِينَ مُتَوَاضِعِينَ "مِنْ الذُّلّ يَنْظُرُونَ" إلَيْهَا "مِنْ طَرْف خَفِيّ" ضَعِيف النَّظَر مُسَارَقَة وَمِنْ ابْتِدَائِيَّة أَوْ بِمَعْنَى الْبَاء "وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسهمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْم الْقِيَامَة" بِتَخْلِيدِهِمْ فِي النَّار وَعَدَم وُصُولهمْ إلَى الْحُور الْمُعَدَّة لَهُمْ فِي الْجَنَّة لَوْ آمَنُوا وَالْمَوْصُول خَبَر إنَّ "أَلَا إنَّ الظَّالِمِينَ" الْكَافِرِينَ "فِي عَذَاب مُقِيم" دَائِم هُوَ مِنْ مَقُول اللّٰه تَعَالَى،

اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ وہ دوزخ پر ذلت اور خوف کے ساتھ سر جھکائے ہوئے پیش کیے جائیں گے، اسے چوری چوری چھپی نگاہوں سے دیکھتے ہوں گے، یہاں پر لفظ من ابتدائیہ ہے یا پھر بہ معنی باء کے آیا ہے۔ اور ایمان والے کہیں گے: بیشک نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو اور اپنے اہل وعیال کو قیامت کے دن خسارے میں ڈال دیا، کیونکہ ہمیشہ کیلئے اپنے آپ کو جہنم کی آگ میں ڈال دیا ہے۔ کیونکہ جو حور جنت میں ان کیلئے تیار کی گئی تھی وہ انہیں نہ ملے گی۔ جو ایمان لانے کی صورت میں ان کو ملنے والی تھی۔ یہاں پر موصولہ لفظ ان کی خبر ہے۔ یاد رکھو! بیشک ظالم لوگ یعنی کفار لوگ دائمی عذاب میں مبتلاء رہیں گے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

یہ جہنم کے پاس لائے جائیں گے اور اللہ کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر ذلت برس رہی ہوگی عاجزی سے جھکے ہوئے ہوں گے اور نظریں بچا کر جہنم کو تک رہے ہوں گے۔ خوف زدہ اور حواس باختہ ہو رہے ہوں گے لیکن جس سے ڈر رہے ہیں اس سے بچ نہ سکیں گے نہ صرف اتنا ہی بلکہ ان کے وہم وگمان سے بھی زیادہ عذاب انہیں ہوگا۔

اللہ ہمیں محفوظ رکھے اس وقت ایمان دار لوگ کہیں گے کہ حقیقی نقصان یافتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ساتھ اپنے والوں کو بھی جہنم واصل کیا یہاں کی آج کی ابدی نعمتوں سے محروم رہے اور انہیں بھی محروم رکھا آج وہ سب الگ الگ عذاب میں مبتلا ہیں دائمی ابدی اور سرمدی سزائیں بھگت رہے ہیں اور یہ ناامید ہو جائیں آج کوئی ایسا نہیں جو ان عذابوں سے چھڑا سکے یا تخفیف کرا سکے ان گمراہوں کو خلاصی دینے والا کوئی نہیں۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ شوریٰ، بیروت)

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ
اور ان کے لیے کوئی حمایتی نہیں ہوں گے جو اللہ کے سوا ان کی مدد کریں۔ اور جسے اللہ گمراہ کر دے، پھر اس کے لیے کوئی بھی راستہ نہیں۔

معبودان باطلہ کا اپنے عابدین کو عذاب سے نہ بچا سکنے کا بیان

"وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ أَوْلِيَاء يَنْصُرُونَهُمْ مِنْ دُون اللَّه" أَيْ غَيْره يَدْفَع عَذَابه عَنْهُمْ "وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيل" طَرِيق إِلَى الْحَقّ فِي الدُّنْيَا وَإِلَى الْجَنَّة فِي الْآخِرَة،

اور ان کے لیے کوئی حمایتی نہیں ہوں گے جو اللہ کے سوا ان کی مدد کریں۔ یعنی ان سے عذاب کو دور کریں۔ اور جسے اللہ گمراہ کر دے، پھر اس کے لیے کوئی بھی راستہ نہیں۔ یعنی دنیا میں حق کا راستہ آخرت میں جنت کی طرف لے جانے والا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

وما كان: میں ما نافیہ ہے۔ وما كان لهم من اولياء ينصرونهم من دون الله ۔ ای وما كان لهم من دون الله من اولياء ينصرونهم اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا کہ ان کی مدد کر سکے۔ ینصرونھم: ینصرون مضارع جمع مذکر غائب نصر (باب نصر) مصدر (کہ) وہ مدد کر سکیں۔ یا مدد کریں۔ ہم ضمیر مفعول جمع مذکر غائب۔

ومن يضلل الله ۔ جمله شرط ۔ فما له من سبيل جواب شرط ۔ يضلل مضارع مجزوم (بوجہ عمل من شرطیہ) واحد مذکر غائب اضلال (افعال) مصدر اور جس کو اللہ گمراہ کر دے۔ (یہ اضلال ان لوگوں کے عدم تلاش حق کی پاداش میں ہوگا۔ اور یہ اضلال کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہمیشہ تکوینی حیثیت سے بطور مسبب الاسباب کے ہوگی۔

فما میں ف جواب شرط کے لئے ہے ما نافیہ ہے فما له من سبيل: ای فماله من طريق الیٰ هدايته فی الدنيا والی الجنة يوم القيامة۔ اس کے لیے دنیا میں ہدایت کا کوئی راستہ اور آخرت میں جنت تک رسائی کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ
مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ؕ
اپنے رب کی دعوت قبول کرو، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس کے ٹلنے کی اللہ کی طرف سے کوئی صورت نہیں،
اس دن نہ تمہارے لیے کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تمہارے لیے انکار کی کوئی صورت ہوگی۔

قیامت کے دن کو کوئی ٹالنے والا نہ ہوگا

"اسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ" أَجِيبُوهُ بِالتَّوْحِيدِ وَالْعِبَادَة "مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْم" هُوَ يَوْم الْقِيَامَة "لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّه" أَيْ أَنَّهُ إِذَا أَتَى بِهِ لَا يَرُدّهُ "مَا لَكُمْ مِنْ مَلْجَإٍ" تَلْجَئُونَ إِلَيْهِ "يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَكِير" إِنْكَار لِذُنُوبِكُمْ،

اپنے رب کی دعوت قبول کرو، یعنی جو وہ تمہیں توحید عبادت کا حکم دے اس کو قبول کرو۔ اس سے پہلے کہ وہ دن یعنی قیامت کا دن آئے جس کے ٹلنے کی اللہ کی طرف سے کوئی صورت نہیں، یعنی جب وہ آجائے گا تو اس پھر اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔ اس دن نہ تمہارے لیے کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تمہارے لیے اپنے گناہوں سے انکار کی کوئی صورت ہوگی۔

یعنی جس کو روکنے اور ٹالنے کی کوئی طاقت نہیں رکھے گا۔ تمہارے لئے کوئی ایسی جگہ نہیں ہوگی، کہ جس میں تم چھپ کر انجان بن جاؤ اور پہنچانے نہ جا سکو یا نظر میں نہ آسکو جیسے فرمایا' اس دن انسان کہے گا، کہیں بھاگنے کی جگہ ہے، ہرگز نہیں، کوئی راہ فرار نہیں ہوگی، اس دن تیرے رب کے پاس ہی ٹھکانا ہوگا۔

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَآ أَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلٰغُ ۗ وَإِنَّآ إِذَآ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا
رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ ○
پھر اگر وہ رُوگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ آپ پر تو صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے،
اور بیشک جب ہم انسان کو اپنی بارگاہ سے رحمت چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر انہیں کوئی مصیبت
پہنچتی ہے ان کے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجے ہوئے اعمال کے باعث، تو بیشک انسان بڑا ناشکر گزار ہے۔

برے اعمال کے سبب مصیبت پہنچنے کا بیان

"فَإِنْ أَعْرَضُوا" عَنِ الْإِجَابَة "فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا" تَحْفَظ أَعْمَالهمْ بِأَنْ تُوَافِق الْمَطْلُوب مِنْهُمْ "إِنْ" مَا "عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغ" وَهَذَا قَبْل الْأَمْر بِالْجِهَادِ "وَإِنَّا إِذَا أَذَقْنَا الْإِنْسَان مِنَّا رَحْمَة" نِعْمَة كَالْغِنَى وَالصِّحَّة "فَرِحَ بِهَا وَإِنْ تُصِبْهُمْ" الضَّمِير لِلْإِنْسَانِ بِاعْتِبَارِ الْجِنْس "سَيِّئَة" بَلَاء "بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ" أَيْ قَدَّمُوهُ وَعَبَّرَ بِالْأَيْدِي لِأَنَّ أَكْثَر الْأَفْعَال تُزَاوَل بِهَا "فَإِنَّ الْإِنْسَان كَفُور" لِلنِّعْمَةِ،

پھر بھی اگر وہ قبول کرنے سے رُوگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ کہ آپ ان کے اعمال کی حفاظت کریں۔ جو ان سے مقصود ہے۔ آپ پر تو صرف پیغامِ حق پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے، یہ حکم بھی جہاد والے حکم سے پہلے کا ہے۔ اور بیشک جب ہم انسان کو اپنی بارگاہ سے رحمت یعنی مال و دولت اور صحت چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے۔ یہاں پر ضمیر انسان کی جانب بہ اعتبار جنس کے لوٹنے والی ہے۔ ان کے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجے ہوئے

اعمالِ بد کے باعث، یہاں پر ہاتھوں سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اکثر کام ان سے انجام پاتے ہیں۔تو بیشک انسان اس کی نعمت پر بڑا ناشکرگزار ہے۔

آسانی میں شکر تنگی میں صبر مومنوں کی صفت ہے

چونکہ اوپر یہ ذکر تھا کہ قیامت کے دن بڑے ہیبت ناک واقعات ہوں گے وہ سخت مصیبت کا دن ہوگا تو اب یہاں اس سے ڈرا رہا ہے اور اس دن کے لئے تیار رہنے کو فرماتا ہے کہ اس اچانک آجانے والے دن سے پہلے ہی پہلے اللہ کے فرمان پر پوری طرح عمل کرلو جب وہ دن آجائے تو تمہیں نہ تو کوئی جائے پناہ ملے گی نہ ایسی جگہ کہ وہاں انجان بن کر ایسے چھپ جاؤ کہ پہچانے نہ جاؤ اور نہ نظر پڑے۔پھر فرماتا ہے کہ اگر یہ مشرک نہ مانیں تو آپ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے انہیں ہدایت پر لا کھڑا کردینا آپ کے ذمے نہیں یہ کام اللہ کا ہے۔آپ پر صرف تبلیغ ہے حساب ہم خود لے لیں گے انسان کی حالت یہ ہے کہ راحت میں بدمست بن جاتا ہے اور تکلیف میں ناشکرا پن کرتا ہے اس وقت اگلی نعمتوں کا بھی منکر بن جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا صدقہ کرو میں نے تمہیں زیادہ تعداد میں جہنم میں دیکھا ہے کسی عورت نے پوچھا یہ کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا تمہاری شکایت کی زیادتی اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کی وجہ سے اگر تو ان میں سے کوئی تمہارے ساتھ ایک زمانے تک احسان کرتا رہے پھر ایک دن چھوڑ دے تو تم کہہ دوگی کہ میں نے تو تجھ سے کبھی کوئی راحت پائی ہی نہیں۔فی الواقع اکثر عورتوں کا یہی حال ہے لیکن جس پر اللہ رحم کرے اور نیکی کی توفیق دے دے۔اور حقیقی ایمان نصیب فرمائے پھر تو اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ ہر راحت پہ شکر ہر رنج پر صبر پس ہر حال میں نیکی حاصل ہوتی ہے اور یہ وصف بجز مومن کے کسی اور میں نہیں ہوتا۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ شوریٰ، بیروت)

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ
الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝
آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے، وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور
جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے۔یا انھیں ملا کر بیٹے اور بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے،
یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولاد عطاء ہونے کا بیان

"لِلَّهِ مُلْك السَّمَاوَات وَالْأَرْض يَخْلُق مَا يَشَاء يَهَب لِمَنْ يَشَاء " مِنْ الْأَوْلَاد "أَوْ يُزَوِّجهُمْ " أَيْ يَجْعَلهُمْ "ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا وَيَجْعَل مَنْ يَشَاء عَقِيمًا " فَلَا يَلِد وَلَا يُولَد لَهُ "إِنَّهُ عَلِيم" بِمَا يَخْلُق "قَدِير" عَلَى مَا يَشَاء،

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے، وہ اولاد پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے، جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے۔ یا انھیں ملا کر بیٹے اور بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، پس نہ بیوی جنم دے سکتی ہے اور نہ شوہر کیلئے جنم دیا جاتا ہے۔ یقیناً وہ جاننے والا ہے جو اس نے پیدا کیا ہے۔ قدرت رکھنے والا ہے۔ جس پر وہ چاہتا ہے۔

اولاد کا اختیار اللہ کے پاس ہے

فرماتا ہے کہ خالق مالک اور متصرف زمین وآسمان کا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا جسے چاہے دے جسے چاہے نہ دے، جو چاہے پیدا کرے اور بنائے جسے چاہے صرف لڑکیاں دے جیسے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور جسے چاہے صرف لڑکے ہی عطا فرماتا ہے جیسے ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور جسے چاہے لڑکے لڑکیاں سب کچھ دیتا ہے جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جسے چاہے لاولد رکھتا ہے جیسے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ۔ پس یہ چار قسمیں ہوئیں۔ لڑکیوں والے لڑکوں والے دونوں والے اور دونوں سے خالی ہاتھ۔ وہ علیم ہے ہر مستحق کو جانتا ہے۔ قادر ہے جس طرح چاہے تفاوت رکھتا ہے پس یہ مقام بھی مثل اس فرمان الٰہی کے ہے۔ جو حضرت عیسیٰ کے بارے میں ہے کہ تاکہ کہ ہم اسے لوگوں کے لئے نشان بنائیں یعنی دلیل قدرت بنائیں اور دکھادیں کہ ہم نے مخلوق کو چار طور پر پیدا کیا۔

حضرت آدم صرف مٹی سے پیدا ہوئے نہ ماں نہ باپ۔ حضرت حوا صرف مرد سے پیدا ہوئیں باقی کل انسان مرد عورت دونوں سے سوائے حضرت عیسیٰ کے کہ وہ صرف عورت سے بغیر مرد کے پیدا کئے گئے۔ پس آپ کی پیدائش سے یہ چاروں قسمیں ہو گئیں۔ پس یہ مقام ماں باپ کے بارے میں تھا اور وہ مقام اولاد کے بارے میں اس کی بھی چار قسمیں اور اسکی بھی چار قسمیں سبحان اللہ یہ ہے اس اللہ کے علم وقدرت کی نشانی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ شوریٰ، بیروت)

اس کے اولاد ہی نہ ہو، وہ مالک ہے، اپنی نعمت کو جس طرح چاہے تقسیم کرے، جسے جو چاہے دے، انبیاء علیہم السلام میں بھی یہ سب صورتیں پائی جاتی ہیں، حضرت لوط و حضرت شعیب علیہما السلام کے صرف بیٹیاں تھیں، کوئی بیٹا نہ تھا۔

اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف فرزند تھے، کوئی دُختر ہوئی ہی نہیں اور سید انبیاء حبیب خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چار فرزند عطا فرمائے اور چار صاحب زادیاں اور حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی اولاد ہی نہیں۔ (تفسیر خازن، سورہ شوریٰ، بیروت)

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا
فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝
اور ہر بشر کی مجال نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کو فرستادہ
بنا کر بھیجے اور وہ اس کے اذن سے جو اللہ چاہے وحی کرے، بیشک وہ بلند مرتبہ بڑی حکمت والا ہے۔

عام انسان کیلئے اللہ سے ہم کلام ہونے صلاحیت نہ ہونے کا بیان

"وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا " أَنْ يُوحِيَ إِلَيْهِ "وَحْيًا" فِي الْمَنَامِ أَوْ بِالْهَامٍ "أَوْ" إِلَّا "مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ" بِأَنْ يُسْمِعَهُ كَلَامَه وَلَا يَرَاهُ كَمَا وَقَعَ لِمُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام "أَوْ" إِلَّا أَنْ "يُرْسِلَ رَسُولًا" مَلَكًا كَجِبْرِيلَ "فَيُوحِيَ" الرَّسُول إِلَى الْمُرْسَلِ إِلَيْهِ أَيْ يُكَلِّمَهُ "بِإِذْنِهِ" أَيْ اللّٰه "مَا يَشَاءُ" اللّٰه "إِنَّهُ عَلِيٌّ" عَنْ صِفَاتِ الْمُحْدَثِينَ "حَكِيمٌ" فِي صُنْعِهِ،

اور ہر بشر کی یہ مجال نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعے خواہ حالت نیند میں ہو یا الہام ہو (کسی کو شان نبوت سے سرفراز فرمادے) یا پردے کے پیچھے سے وہ کلام سنے لیکن اس کو دیکھ نہ پائے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے طورِ سینا پر کی، یا کسی فرشتے کو فرستادہ بنا کر بھیجے جس طرح جبرائیل امین کا وحی لیکر آنا کہ اللہ کی طرف سے رسولان گرامی کی طرف وحی لے کر آتے تھے۔ اور وہ اس کے اِذن سے جو اللہ چاہے وحی کرے۔ بیشک وہ محدثین کی صفات سے بلند ہے اپنی صنعت میں بڑی حکمت والا ہے۔ (الغرض عالم بشریت کے لئے خطابِ الٰہی کا واسطہ اور وسیلہ صرف نبی اور رسول ہی ہوگا)

سورہ شوریٰ آیت ۵۱ کے شان نزول کا بیان

یہود نے حضورِ پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ سے کلام کرتے وقت اس کو کیوں نہیں دیکھتے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دیکھتے تھے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں دیکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر قرطبی، سورہ شوریٰ، بیروت)

یعنی بے واسطہ اس کے دل میں القا فرما کر اور الہام کر کے بیداری میں یا خواب میں، اس میں وحی کا وصول بیواسطہ سمع کے ہے اور آیت میں اِلَّا وَحْیًا سے یہی مراد ہے، اس میں یہ قید نہیں کہ اس حال میں سامع متکلم کو دیکھتا ہو یا نہ دیکھتا ہو۔ مجاہد سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے سینہ مبارک میں زبور کی وحی فرمائی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذبح فرزند کی خواب میں وحی فرمائی اور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معراج میں اسی طرح کی وحی فرمائی جس کا فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی میں بیان ہے، یہ سب اسی قسم میں داخل ہیں، انبیاء کے خواب حق ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ انبیاء کے خواب وحی ہیں۔ (تفسیر ابی السعود و کبیر و مدارک، سورہ شوریٰ، بیروت)

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ
جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝
پس اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روحِ کی وحی فرمائی، اور آپ نہ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے
اور نہ ایمان مگر ہم نے اسے نور بنا دیا۔ ہم اس کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت سے نواز تے ہیں،

اور بیشک آپ ہی صراط مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا صراط مستقیم کی طرف دعوت دینے کا بیان

"وَكَذَلِكَ" أَیْ مِثْلَ إِيحَائِنَا إِلَى غَيْرِكَ مِنَ الرُّسُلِ "أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ" يَا مُحَمَّد "رُوحًا" هُوَ الْقُرْآن بِهِ تَحْيَا الْقُلُوب "مِنْ أَمْرِنَا" الَّذِي نُوحِيهِ إِلَيْك "مَا كُنْت تَدْرِي" تَعْرِف قَبْل الْوَحْي إِلَيْك "مَا الْكِتَاب" الْقُرْآن "وَلَا الْإِيمَان" أَیْ شَرَائِعه وَمَعَالِمه وَالنَّفْي مُعَلَّق لِلْفِعْلِ عَنْ الْعَمَل وَمَا بَعْده سَدَّ مَسَدّ الْمَفْعُولَيْنِ "وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ" أَیْ الرُّوح أَوْ الْكِتَاب "نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاء مِنْ عِبَادنَا وَإِنَّك لَتَهْدِي" تَدْعُو بِالْوَحْيِ إِلَيْك "إِلَى صِرَاط" طَرِيق "مُسْتَقِيم" دِين الْإِسْلَام،

یا محمد ﷺ پس اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روحِ قلوب وارواح کی وحی فرمائی جو قرآن ہے، جو دلوں کو زندہ رکھتا ہے۔ اور آپ (وحی سے قبل اپنی ذاتی درایت وفکر سے) نہ یہ جانتے تھے کہ کتاب یعنی قرآن کیا ہے اور نہ ایمان کے شرعی احکام کی تفصیلات کو ہی جانتے تھے جو بعد میں نازل اور مقرر ہوئیں، یہاں پر نفی فعل کو عمل سے روکنے والی ہے یا وہ دو مفاعیل کے قائم مقام ہے۔ مگر ہم نے اسے یعنی روح اور کتاب نور بنا دیا۔ ہم اس نور کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت سے نوازتے ہیں، اور بیشک آپ ہی صراط مستقیم کی طرف ہدایت عطا فرماتے ہیں۔ جو دین اسلام ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

وکذلک۔ واؤ عاطفہ۔ کاف تشبیہ کا ہے ذلک اسم اشارہ واحد مذکر۔ اور اسی طرح سے: ای مثل ایحاء نا الی غیرک من الرسل، جس طرح ترے علاوہ دوسرے رسولوں پر ہم نے وحی کی (اسی طرح) اوحینا۔ ماضی جمع متکلم ایحاء (افعال) مصدر۔ ہم نے وحی نازل کی۔ روحا: ای القران۔ روح چونکہ حرارت جسم کا باعث ہے۔ اسی طرح کتاب اللہ عالم کی حیات ابدیہ کا باعث ہے اس لئے روح کا لفظ اس پر بولا گیا یہ قول حضرت ابن عباس کا ہے بعض کہتے ہیں کہ روح سے مراد جبرائیل ہے:

ما کنت تدری۔ ماضی استمراری کا صیغہ واحد مذکر حاضر: تدری درایۃ (باب ضرب) مصدر سے مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے بمعنی جاننا۔ تو نہیں جانتا تھا۔

فقیر کہتا ہے کہ گو ایمان کو جانتے تھے مگر وہ جاننا اس جاننے کے مقابلے میں جو وحی کے بعد ہوا کالعدم ہے دیکھو کوئی کامل استاذ جب کسی طالب علم کو جو پہلے بھی کچھ پڑھا تھا تکمیل کے بعد یہ کہہ دیتا ہے کہ آپ پہلے جانتے بھی نہ تھے کہ علم کیا ہے؟ جعلنہ۔ میں ہ ضمیر مفعول واحد مذکر غائب کا مرجع الکتب ہے: نھدی مضارع جمع متکلم ھدی وھدایۃ (باب ضرب) مصدر ہم ہدایت کرتے ہیں۔ ہم راستہ دکھا دیتے ہیں۔ بہ میں ب سببیہ ہے اور ہ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع الکتاب ہے۔ لتھدی لام تاکید کے لئے ہے تھدی مضارع کا صیغہ واحد مذکر حاضر، بے شک آپ (راہ راست کی ہی) ہدایت کر رہے ہیں۔ (انوار البیان، سورہ شوریٰ)

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ۝
اس اللہ کے راستے کی طرف کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ہے، سن لو!
تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

زمین وآسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا بیان

"صِرَاط اللَّه الَّذِی لَهُ مَا فِی السَّمَاوَات وَمَا فِی الْأَرْض " مُلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيدًا "أَلَا إِلَى اللَّه تَصِير الْأُمُور" تَرْجِع

اس اللہ کے راستے کی طرف کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں بادشاہت اور مخلوق اور غلام ہیں۔ اسی کا ہے، سن لو! تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

یعنی اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم صریح اور مضبوط حق کی رہنمائی کررہے ہو پھر صراط مستقیم کی تشریح کی اور فرمایا اسے شرع مقرر کرنے والا خود اللہ ہے جس کی شان یہ ہے کہ آسمانوں زمینوں کا مالک اور رب وہی ہے ان میں تصرف کرنے والا اور حکم چلانے والا بھی وہی ہے کوئی اس کے کسی حکم کو ٹال نہیں سکتا تمام امور اس کی طرف پھیرے جاتے ہیں وہی سب کاموں کے فیصلے کرتا ہے اور حکم کرتا ہے وہ پاک اور برتر ہے ہر اس چیز سے جو اس کی نسبت ظالم اور منکرین کہتے ہیں وہ بلندیوں اور بڑائیوں والا ہے۔

حضرت علی کہتے ہیں کہ کسی نے سوال کیا یا رسول اللہ! آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد ہم کس کو اپنا امیر وسربراہ بنائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میرے بعد ابوبکر کو اپنا امیر وسربراہ بناؤ گے تو ان کو امانت دار، دنیا سے بے پرواہ اور آخرت کی طرف راغب پاؤ گے۔ اگر عمر کو اپنا امیر وسربراہ بناؤ گے تو ان کو (بار امانت اٹھانے میں) بہت مضبوط، امین اور ملامت کرنے والے کی ملامت سے بے خوف پاؤ گے اور اگر علی کو اپنا امیر وسربراہ بناؤ گے، درآنحالیکہ میرے خیال میں تم ان کو (اختلاف ونزاع کے بغیر) اپنا امیر وسربراہ بنانے والے نہیں ہو۔ تاہم جب بناؤ گے تو ان کو راہ راست دکھانے والا (یعنی مکمل مرشد) بھی پاؤ گے اور کامل ہدایت یافتہ بھی) جو صراط مستقیم پر چلائیں گے۔ (احمد، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر765)

سورہ الشوریٰ کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ الشوریٰ کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت زخرف ہے

سورہ زخرف کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَةُ الزُّخْرُفِ (مَكِّيَّةٌ وَقِيلَ إِلَّا آيَةَ 45 فَمَدَنِيَّةٌ وَآيَاتُهَا 89) نَزَلَتْ بَعْدَ الشُّورَى

سورہ زخرف مکی ہے، اس سورت میں سات رکوع، نواسی آیات اور تین ہزار چار سو حروف ہیں۔ یہ سورت مکی ہے، البتہ حضرت مقاتل کا قول ہے کہ (آیت) واسئل من ارسلنا الخ مدنی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سورت معراج کے وقت آسمان پر نازل ہوئی۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ زخرف، بیروت)

سورہ زخرف کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی آیت ۳۵ میں لفظ زخرف استعمال ہوا ہے، جس کا معنی سونا ہے۔ دنیا میں سونے کی حیثیت کو بیان کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اسی سبب سے یہ سورت زخرف کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

حٰمٓ o وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ o اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ o
حا، میم، حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ روشن کتاب کی قسم!
بے شک ہم نے اسے عربی قرآن بنایا، تا کہ تم سمجھو۔

ہدایت کے راستے کو واضح کرنے والے قرآن مجید کا بیان

"حم" اللّٰه أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِهِ "وَالْكِتَاب" الْقُرْآن "الْمُبِين" الْمُظْهِر طَرِيق الْهُدَى وَمَا يُحْتَاج إِلَيْهِ مِنَ الشَّرِيعَة،

"إِنَّا جَعَلْنَاهُ" أَوْجَدْنَا الْكِتَاب "قُرْآنًا عَرَبِيًّا" بِلُغَةِ الْعَرَب "لَعَلَّكُمْ" يَا أَهْل مَكَّة "تَعْقِلُونَ" تَفْهَمُونَ مَعَانِيه،

حا، میم، حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ روشن کتاب یعنی قرآن جو ہدایت کا راستہ ظاہر کرنے والا اور ضروری مسائل شرعیہ کو واضح کرنے والا ہے۔ کی قسم! بے شک ہم نے اس کتاب عربی قرآن بنایا، یعنی عربی زبان میں نازل

کیا ہے۔اے اہل مکہ! تا کہ تم اس کے معانی کو سمجھو۔

قرآن مجید کی قسم جس بات پر کھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہم کو قسم ہے اس واضح کتاب کی جس کے نازل کرنے والے ہم ہیں جو حکمت سے لبریز کتاب ہے جس کی زبان، جس کا ادب اور جس کا حق وباطل کے درمیان ایک واضح خط امتیاز کھینچ دینے والی تعلیم اس حقیقت کی صریح شہادت دے رہی ہے۔جس میں ہدایت وضلالت کی راہیں جدا جدا اور واضح کردیں اور امت کے تمام شرعی ضروریات کو بیان فرمادیا۔

وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ ۝ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِیْنَ ۝
بیشک وہ ہمارے پاس سب کتابوں کی اصل میں ثبت ہے یقیناً بلند مرتبہ بڑی حکمت والا ہے۔تو کیا ہم تم سے
اس نصیحت کو ہٹالیں، اعراض کرتے ہوئے، اس وجہ سے کہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔

کتب کی اصل لوح محفوظ ہونے کا بیان

"وَاِنَّهٗ" مُثْبَت "فِی اُمِّ الْكِتَاب" أَصْلِ الْكُتُب أَیْ اللَّوْح الْمَحْفُوظ "لَدَیْنَا" بَدَل : عِنْدَنَا "لَعَلِیٌّ" عَلَى الْكُتُب قَبْله "حَكِیم" ذُو حِكْمَة بَالِغَة "أَفَنَضْرِب" نُمْسِك "عَنْكُمُ الذِّكْر" الْقُرْآن "صَفْحًا" إمْسَاكًا فَلَا تُؤْمَرُونَ وَلَا تُنْهَوْنَ لِأَجْلِ "أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُسْرِفِینَ" مُشْرِكِینَ لَا

بیشک وہ ہمارے پاس سب کتابوں کی اصل لوح محفوظ میں ثبت ہے۔یہاں پر لفظ لدینا یہ فی ام الکتاب سے بدل ہے جس کا معنی عندنا ہے۔یقیناً یہ سب پہلی کتابوں پر بلند مرتبہ بڑی حکمت والا ہے۔تو کیا ہم اعراض کرتے ہوئے، تم سے اس نصیحت یعنی قرآن کو ہٹالیں، تا کہ تمہیں کسی چیز کا نہ حکم دیا جائے اور نہ ہی کسی چیز سے روکا جائے۔اس وجہ سے کہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔

قرآن کی قسم کھائی جو واضح ہے جس کے معانی روشن ہیں

جس کے الفاظ نورانی ہیں جو سب سے زیادہ فصیح وبلیغ عربی زبان میں نازل ہوا ہے یہ اس لئے کہ لوگ سوچیں سمجھیں اور وعظ وپند نصیحت وعبرت حاصل کریں ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے جیسے اور جگہ ہے عربی واضح زبان میں اسے نازل فرمایا ہے، اس کی شرافت ومرتبت جو عالم بالا میں ہے اسے بیان فرمایا تا کہ زمین والے اس کی منزلت وتوقیر معلوم کرلیں۔فرمایا کہ یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے (لدینا) سے مراد ہمارے پاس (لعلی) سے مراد مرتبے والا عزت والا شرافت اور فضیلت والا ہے۔(حکیم) سے مراد (محکم) مضبوط جو باطل کے ملنے اور ناحق سے خلط ملط ہو جانے سے پاک ہے اور آیت میں اس پاک کلام کی بزرگی کا بیان ان الفاظ میں ہے آیت (اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ، الواقعہ:77)، اور جگہ ہے آیت (كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ، عبس:11)، یعنی

یہ قرآن کریم لوح محفوظ میں درج ہے اسے بجز پاک فرشتوں کے اور کوئی ہاتھ لگا نہیں پاتا یہ رب العالمین کی طرف سے اترا ہوا ہے اور فرمایا قرآن نصیحت کی چیز ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرے وہ ایسے صحیفوں میں سے ہے جو معزز ہیں بلند مرتبہ ہیں اور مقدس ہیں جو ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں جو ذی عزت اور پاک ہیں ان دونوں آیتوں سے علماء نے استنباط کیا ہے کہ بے وضو قرآن کریم کو ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے جیسے کہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے بشرطیکہ وہ صحیح ثابت ہو جائے۔ اس لئے کہ عالم بالا میں فرشتے اس کتاب کی عزت و تعظیم کرتے ہیں جس میں یہ قرآن لکھا ہوا ہے۔

پس اس عالم میں ہمیں بطور اولیٰ اسکی بہت زیادہ تکریم و تعظیم کرنی چاہیے کیونکہ یہ زمین والوں کی طرف ہی بھیجا گیا ہے اور اس کا خطاب انہی سے ہے تو انہیں اس کی بہت زیادہ تعظیم اور ادب کرنا چاہیے اور ساتھ ہی اس کے احکام کو تسلیم کر کے ان پر عامل بن جانا چاہیے کیونکہ رب کا فرمان ہے کہ یہ ہمارے ہاں ام الکتاب میں ہے۔

اور بلند پایہ اور باحکمت ہے اس کے بعد کی آیت کے ایک معنی تو یہ کئے گئے ہیں کہ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ باوجود اطاعت گذاری اور فرمانبرداری نہ کرنے کے ہم تم کو چھوڑ دیں گے اور تمہیں عذاب نہ کریں گے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اس امت کے پہلے گزرنے والوں نے جب اس قرآن کو جھٹلایا اسی وقت اگر یہ اٹھالیا جاتا تو تمام دنیا ہلاک کر دی جاتی۔ لیکن اللہ کی وسیع رحمت نے اسے پسند نہ فرمایا اور برابر بیس سال سے زیادہ تک یہ قرآن اترتا رہا اس قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کی لطف و رحمت ہے کہ وہ نہ ماننے والوں کے انکار اور بد باطن لوگوں کی شرارت کی وجہ سے انہیں نصیحت و موعظت کرنی نہیں چھوڑتا تا کہ جو ان میں نیکی والے ہیں وہ درست ہو جائیں اور جو درست نہیں ہوتے ان پر حجت تمام ہو جائے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ زخرف، بیروت)

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ○وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ○
اور کتنے ہی نبی ہم نے پہلے لوگوں میں بھیجے۔ اور ان کے پاس کوئی نبی نہیں آتا تھا مگر وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

انبیائے کرام کی تعلیمات کا مذاق اڑانے والی کفار اقوام کا بیان

"وَمَا" كَانَ "يَأْتِيهِمْ" أَتَاهُمْ "مِنْ نَبِيّ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ" كَاسْتِهْزَاءِ قَوْمك بِك وَهَذَا تَسْلِيَة لَهُ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور کتنے ہی نبی ہم نے پہلے لوگوں میں بھیجے۔ اور ان کے پاس کوئی نبی نہیں آتا تھا مگر وہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ جیسا کہ آپ کی قوم نے آپ سے استہزاء کیا ہے اور اس میں نبی کریم ﷺ کیلئے تسلی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مجھ سے پہلے کسی قوم میں اللہ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کے مددگار اور دوست اسی قوم سے نہ ہوں جو اسی (نبی) کے طریقہ کو اختیار کرتے اور اس کے احکام کی پیروی کرتے پھر ان (دوست و مددگار) کے بعد ایسے ناخلف (نالائق) لوگ پیدا ہوتے جو لوگوں سے ایسی بات کہتے جس

کو خود نہ کرتے اور وہ کام کرتے جن کا انہیں حکم نہیں ملا تھا (جیسا کہ علماء سوء اور امراء و سرداروں کا طریقہ ہے) لہٰذا (تم سے)۔ جو خاص لوگوں سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو آدمی ان لوگوں سے اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو آدمی ان لوگوں سے اپنے دل سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور اس کے علاوہ (جو آدمی ان کے خلاف اتنا بھی نہ کر سکے اس) میں رائی برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر154)

ہاتھ سے جہاد کا مطلب تو ظاہر ہے زبان سے جہاد کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے غلط عقائد و اعمال کی بنا پر ان کو تنبیہ کرے اور ان کو اس سے منع کرے اور ان کی برائی بیان کرتا رہے اسی طرح دل سے جہاد کے معنی یہ ہیں کہ ایسی غلط چیزوں کو برا جانے جو دین و شریعت کے خلاف ہوں اور دل میں ان کے کرنے والوں سے بغض و نفرت رکھے۔ آخر میں فرمایا گیا کہ جس آدمی کا احساس اتنا مردہ ہو جائے کہ وہ غلط چیزوں کو دل سے بھی برا نہ جانے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ اس کے دل میں ایمان کی ہلکی سی روشنی بھی موجود نہیں ہے اس لئے کہ کسی غلط عقیدہ و عمل کو برا نہ جاننا گویا اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ وہ اس بری بات سے راضی اور خوش ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کفر کا خاصہ ہے۔

فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ○وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ
مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ○
پس ہم نے ان سے زیادہ سخت پکڑ والوں کو ہلاک کر دیا اور پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ
آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ یقیناً کہیں گے کہ انہیں غالب، علم والے نے پیدا کیا ہے۔

سابقہ طاقتور قوموں کی طرح کفار مکہ کی ہلاکت کا بیان

"فَأَهْلَكْنَا أَشَدّ مِنْهُمْ" مِنْ قَوْمك "بَطْشًا" قُوَّة "وَمَضَى" سَبَقَ فِي آيَات "مَثَل الْأَوَّلِينَ" صِفَتهمْ فِي الْإِهْلَاك فَعَاقِبَة قَوْمك كَذَلِكَ،

"وَلَئِنْ" لَام قَسَم "سَأَلْتهمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَات وَالْأَرْض لَيَقُولُنَّ " حُذِفَ مِنْهُ نُون الرَّفْع لِتَوَالِي النُّونَات وَوَاو الضَّمِير لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ "خَلَقَهُنَّ الْعَزِيز الْعَلِيم" آخِر جَوَابهمْ أَيْ اللَّه ذُو الْعِزَّة وَالْعِلْم،

پس ہم نے ان سے یعنی آپ کی قوم سے زیادہ سخت پکڑ والوں کو ہلاک کر دیا یعنی جو قوت میں زیادہ طاقتور تھے۔ اور جس طرح پہلے آیات میں پہلے لوگوں کی مثال گزر چکی۔ یعنی ان کو ہلاک کرنے کی کیفیت گزر چکی ہے لہٰذا آپ کی اس قوم کی ہلاکت بھی ایسے ہی ہوگی۔

یہاں پر لفظ لئن میں لام قسمیہ ہے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ یقیناً کہیں گے

یہاں پر نون رفع کو مسلسل نونات کے سبب حذف کیا گیا ہے اور واؤ ضمیر کو بھی التقائے ساکنین کے سبب حذف کر دیا گیا ہے۔کہ انہیں غالب،علم والے رب نے پیدا کیا ہے۔یہ ان کا بلا آخر یہ جواب ہوگا۔کہ اللہ جو عزت وعلم والا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فاھلکنا اشد منھم بطشا ف سببیہ ہے اھلکنا ماضی جمع متکلم۔اہلاک(افعال)مصدر اشد افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔قوی تر۔نہایت قوی منھم میں ضمیر ہم جمع مذکر غائب المسرفین المخاطبین کی طرف راجع ہے جس سے مراد مکہ کے مسرفین ہیں بطشا بوجہ تمیز منصوب ہے۔بطش بمعنی قوت،سختی۔پکڑ،گرفت،مصدر بدیں سبب ہم نے ان لوگوں کو جو ان(موجودہ مخاطبین)سے بھی زیادہ زور آور تھے غارت کر ڈالا۔

پس ہم نے ان لوگوں کو جو ہمارے نبی کی تکذیب کر رہے ہیں ان سے بھی زیادہ طاقتور اور شہ زور تھے ہلاک کر ڈالا۔کیونکہ انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی سو(اے نبی علیہ السلام)ان کفار کو جو آپ کی تکذیب کر رہے ہیں ان کو بچنا چاہئے کہ ہم اس تکذیب کے سبب ان کو بھی ہلاک نہ کریں۔جیسا کہ ہم نے ان سے زیادہ طاقت ور لوگوں کو(ایسے ہی قصور پر)ہلاک کر دیا تھا۔جو تعدادی لحاظ دے۔سامان حرب کے لحاظ سے۔اور ہمت واستقلال کے لحاظ سے ان سے کہیں بڑے تھے۔

ومضی مثل الاولین۔واو عاطفہ ہے مضٰی ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب مضٰی(باب ضرب)مصدر وہ گزر گیا۔مضو(باب نصر)مصدر سے بھی اسی معنی میں آتا ہے مثل اسم مفرد امثال جمع حالت اور اگلے لوگوں کی(یہ)حالت(انسے پہلے)گزر چکی ہے۔

لفظ مثل کے معانی کا بیان

(1) جس جگہ مثل مرفوع آیا ہے اور اس کے بعد کمثل بھی آیا ہے۔یعنی مثل اور مثل بہ دونوں مذکور ہیں تو مثل سے مراد صفت اور حالت ہے۔

(2) اگر لفظ مثل مرفوع مذکور ہے اور اس کے بعد کمثل نہیں ہے تو اس کا معنی بھی صفت ہے۔ماسوائے آیت ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم، کے جہاں اس سے شبہ یعنی تشبیہی قصہ مراد ہے۔ترجمہ:۔کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاوگے در آں حالیکہ ابھی تم پر ان لوگوں کے حالاے جیسے حالات پیش نہیں آئے۔

(3) اگر مثل منصوب ہے خواہ اس کے بعد کمثل ہے یا نہیں بہر حال مثل سے مراد ہے صفت اور حالت۔

(4) اگر مثل مجرور بمعنی تنوین کے ہے وہ نادر معنی مراد ہے جو ندرت میں کہاوت کی طرح ہو گیا ہے صرف آیت ولا یاتونك بمثل الا جئنك بالحق واحسن تفسیرا، اور یہ لوگ جیسا بھی عجیب سوال آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں ہم اس کا جواب ٹھیک اور وضاحت میں بڑھا ہوا آپ کو بتاتے ہیں۔میں مثل کا معنی ہے اعتراض اور سوال عجیب۔

(5) اگر مثل مجرور بغیر تنوین کے ہو تو تشبیہی قصہ مراد ہے۔(6) اور اگر المثل معرف باللام ہے اور ایسا حرف دو جگہ آیا ہے تو اس

سے مراد ہے عظیم الشان صفت۔ (ماخوذ از لغات القرآن)

اور ہر طرح کا زور وقوت رکھتے تھے، آپ کی امت کے لوگ جو پہلے کفار کی چال چلتے ہیں، انہیں ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان کا بھی وہی انجام نہ ہو جو ان کا ہوا کہ ذلت ورسوائی کی عقوبتوں سے ہلاک کئے گئے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا وَّ جَعَلَ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا لَّعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ○
جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے تا کہ تم منزلِ مقصود تک پہنچ سکو۔

زمین اور اس میں بنائے جانے والے راستوں کا بیان

"الَّذِی جَعَلَ لَکُمُ الْأَرْض مَهْدًا" فِرَاشًا کَالْمَهْدِ لِلصَّبِیِّ "وَجَعَلَ لَکُمْ فِیهَا سُبُلًا" طُرُقًا "لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُونَ" إلَی مَقَاصِدکُمْ فِی أَسْفَارکُمْ

جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا جس طرح بچے کیلئے پنگوڑا بنایا جاتا ہے۔ اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے تا کہ تم اپنے مقاصد کیلئے سفر کر کے منزلِ مقصود تک پہنچ سکو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر تم ان مشرکین سے دریافت کرو تو یہ اس بات کا اقرار کریں گے کہ زمین وآسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے پھر یہی اس کی وحدانیت کو جان کر اور مان کر عبادت میں دوسروں کو شریک ٹھہرا رہے ہیں جس نے زمین کو فرش اور ٹھہری ہوئی قرارگاہ اور ثابت ومضبوط بنایا جس پر تم چلو، پھرو، رہو، سہو، اٹھو، بیٹھو، سوؤ، جاگو۔ حالانکہ یہ زمین خود پانی پر ہے لیکن مضبوط پہاڑوں کے ساتھ اسے ہلنے جلنے سے روک دیا ہے اور اس میں راستے بنا دیئے ہیں تا کہ تم ایک شہر سے دوسرے شہر کو ایک ملک سے دوسرے ملک کو پہنچ سکو۔

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ۚ کَذٰلِکَ تُخْرَجُوْنَ ○
اور وہ جس نے آسمان سے ایک اندازے کے ساتھ پانی اتارا، پھر ہم نے اس کے ساتھ ایک مردہ
شہر کو زندہ کر دیا، اسی طرح تم نکالے جاؤ گے۔

انسانوں کی ضرورت کے مطابق بارش برسانے کا بیان

"وَالَّذِی نَزَّلَ مِنَ السَّمَاء مَاء بِقَدَرٍ" أَیْ بِقَدْرِ حَاجَتکُمْ إلَیْهِ وَلَمْ یُنْزِلهُ طُوفَانًا "فَأَنْشَرْنَا" أَحْیَیْنَا "بِهِ بَلْدَة مَیْتًا کَذَلِکَ" أَیْ مِثْل هَذَا الْإِحْیَاء "تُخْرَجُونَ" مِنْ قُبُورکُمْ أَحْیَاء،

اور وہ جس نے آسمان سے ایک اندازے کے ساتھ پانی اتارا، یعنی جس قدر تمہیں ضرورت تھی۔ اتنا ہی اتارا اس نے طوفان کو نازل نہ کیا۔ پھر ہم نے اس کے ساتھ ایک مردہ شہر کو زندہ کر دیا، یعنی ان زندوں کی طرح۔ اسی طرح تم قبروں سے زندہ کر کے نکالے جاؤ گے۔

اسی نے آسمان سے ایسے انداز سے بارش برسائی جو کفایت ہو جائے کھیتیاں اور باغات سر سبز رہیں پھلیں پھولیں اور پانی تمہارے اور تمہارے جانوروں کے پینے میں بھی آ ئے پھر اس مینہ سے مردہ زمین زندہ کردی خشکی تری سے بدل گئی جنگل لہلہا اٹھے پھل پھول اگنے لگے اور طرح طرح کے خوشگوار میوے پیدا ہو گئے پھر اسی کو مردہ انسانوں کے جی اٹھنے کی دلیل بنایا اور فرمایا اسی طرح تم قبروں سے نکالے جاؤ گے۔

وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ٥
اور وہ جس نے سب کے سب جوڑے پیدا کیے اور تمہارے لیے وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔

مخلوقات میں جوڑے بنانے کا بیان

"وَالَّذِی خَلَقَ الْأَزْوَاج" الْأَصْنَاف "كُلّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْفُلْك " السُّفُن "وَالْأَنْعَام" كَالْإِبِلِ "مَا تَرْكَبُونَ" حُذِفَ الْعَائِد اخْتِصَارًا وَهُوَ مَجْرُور فِي الْأَوَّل أَيْ فِيهِ مَنْصُوب فِي الثَّانِي،

اور وہ جس نے سب کے سب جوڑے پیدا کیے اور تمہارے لیے وہ کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔جس طرح اونٹ ہے۔یہاں پر ضمیر عائد کو بہ طور اختصار کے حذف کیا گیا ہے جو اول میں مجرور یعنی من الفلک سے جبکہ ثانی منصوب یعنی الانعام میں منصوب ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

والذی خلق الازواج کلھا ۔ازواج، جوڑے۔ہم مثل چیزیں۔زوج کی جمع۔حیوانات کے جوڑے میں سے نر ہو یا مادہ ہر ایک زوج کہتے ہیں اور اسی طرح غیر حوانات میں ہر اس شے کو جو کہ دوسری شے کے قرین ہو خواہ مماثل ہو یا متضاد زوج کہتے ہیں۔زوج کے معنی یہاں صنف اور نوع کے ہیں۔اس میں دریائی زمینی جتنی بھی سواریاں ہیں سب اسی میں داخل ہیں۔سب کو شامل ہے۔

مختلف اشیاء کی تخلیق سے دلیل قدرت کا بیان

اس نے ہر قسم کے جوڑے پیدا کئے کھیتیاں پھل پھول ترکاریاں اور میوے وغیرہ طرح طرح کی چیزیں اس نے پیدا کر دیں۔مختلف قسم کے حیوانات تمہارے نفع کے لئے پیدا کئے کشتیاں سمندروں کے سفر کے لئے اور چوپائے جانور خشکی کے سفر کے لئے مہیا کر دیئے ان میں سے بہت سے جانوروں کے گوشت تم کھاتے ہو بہت سے تمہیں دودھ دیتے ہیں بہت سے تمہاری سواریوں کے کام آتے ہیں۔تمہارے بوجھ ڈھوتے ہیں تم ان پر سواریاں لیتے ہو اور خوب مزے سے ان پر سوار ہوتے ہو۔اب تمہیں چاہیے کہ جم کر بیٹھ جانے کے بعد اپنے رب کی نعمت یاد کرو کہ اس نے کیسے کیسے طاقتور وجود تمہارے قابو میں کر دیئے اور یوں کہو کہ وہ اللہ پاک ذات والا ہے جس نے اسے ہمارے قابو میں کر دیا اگر وہ اسے ہمارا مطیع نہ کرتا تو ہم اس قابل نہ تھے نہ ہم میں اتنی

طاقت تھی۔ اور ہم اپنی موت کے بعد اسی کی طرف جانے والے ہیں اس آمد ورفت سے اور اس مختصر سفر سے سفر آخرت یاد کرو جیسے کہ دنیا کے توشے کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے آخرت کے توشے کی جانب توجہ دلائی اور فرمایا توشہ لے لیا کرو لیکن بہترین توشہ آخرت کا توشہ ہے اور دنیوی لباس کے ذکر کے موقعہ پر اخروی لباس کی طرف متوجہ کیا اور فرمایا لباس تقویٰ افضل و بہتر ہے۔

لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَیْتُمْ عَلَیْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ
سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ○ وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ○
تا کہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر بیٹھو، پھر اپنے رب کی نعمت یاد کرو، جب ان پر جم کر بیٹھ جاؤ اور کہو پاک ہے وہ جس نے اسے ہمارے
لیے تابع کر دیا، حالانکہ ہم اسے قابو میں لانے والے نہیں تھے۔ اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹ کر جانے والے ہیں۔

سواری پر سوار ہوتے وقت دعا مانگنے کا بیان

"لِتَسْتَوُوا" لِتَسْتَقِرُّوا "عَلَى ظُهُورِه" ذَكَرَ الضَّمِير وَجَمَعَ الظَّهْر نَظَرًا لِلَفْظِ مَا وَمَعْنَاهَا "ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَان الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ" مُطِيقِينَ، "وَإِنَّا إِلَى رَبّنَا لَمُنْقَلِبُونَ" لَمُنْصَرِفُونَ،

تا کہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر بیٹھو، یہاں پر ظہرہ میں ضمیر کو واحد لائے جبکہ ظہور یہ ظہر کی جمع ہے۔ اس میں لفظ ماء اور اس کے معنی کی رعایت کی گئی ہے۔ پھر اپنے رب کی نعمت یاد کرو، جب ان پر جم کر بیٹھ جاؤ اور کہو پاک ہے وہ جس نے اسے ہمارے لیے تابع کر دیا، حالانکہ ہم اسے قابو میں لانے والے نہیں تھے۔ اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹ کر جانے والے ہیں۔

سفر پر جانے کی مختلف دعاؤں کا بیان

حضرت علی بن ربیعہ فرماتے ہیں حضرت علی جب اپنی سواری پر سوار ہونے لگے تو رکاب پر پیر رکھتے ہی فرمایا (بسم اللہ) جب جم کر بیٹھ گئے تو فرمایا دعا (الحمد لله سبحان الذی سخرلنا ھذا وما کنا له مقرنین وانا الیٰ ربنا لمنقلبون) پھر تین مرتبہ (الحمد لله) اور تین مرتبہ (الله اکبر) پھر فرمایا دعا (سبحانك لا اله الا انت قد ظلمت نفسی فاغفرلی) پھر ہنس دیئے۔ میں نے پوچھا امیر المومنین آپ ہنسے کیوں؟ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے یہ سب کچھ کیا پھر ہنس دیئے تو میں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا آپ نے جواب دیا کہ جب بندے کے منہ سے اللہ تعالیٰ سنتا ہے کہ وہ کہتا ہے (رب اغفرلی) میرے رب مجھے بخش دے تو وہ بہت ہی خوش ہوتا ہے اور فرماتا ہے میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہوں کو بخش نہیں سکتا۔ یہ حدیث ابوداؤد ترمذی نسائی اور مسند احمد میں بھی ہے۔ امام ترمذی اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا ٹھیک جب بیٹھ گئے تو آپ نے تین مرتبہ (اللہ اکبر) کا تین مرتبہ (سبحان اللہ) اور ایک مرتبہ (لا الہ الا اللہ) کہا پھر اس پر چت لیٹنے کی

طرح ہو کر ہنس دیئے اور حضرت عبداللہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے جو شخص کسی جانور پر سوار ہو کر اس طرح کرے جس طرح میں نے کیا تو اللہ عزوجل اس کی طرف متوجہ ہو کر اسی طرح ہنس دیتا ہے جس طرح میں تیری طرف دیکھ کر ہنسا (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی اپنی سواری پر سوار ہوتے تین مرتبہ تکبیر کہہ کر ان دونوں آیات قرآنی کی تلاوت کرتے پھر یہ دعا مانگتے (اللھم انی اسئلك فی سفری ھذا البر و التقوی و من العمل ما ترضی اللھم ھون علینا السفر اطولنا البعد اللھم انت الصاحب فی السفر و الخلیفة فی الاھل اللھم اصبحنا فی سفرنا و اخلفنا فی اھلنا) یا اللہ میں تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور پرہیزگاری کا طالب ہوں اور ان اعمال کا جن سے تو خوش ہو جائے اے اللہ ہم پر ہمارا سفر آسان کر دے اور ہمارے لئے دوری کو لپیٹ لے پروردگار تو ہی سفر کا ساتھی اور اہل وعیال کا نگہبان ہے میرے معبود ہمارے سفر میں ہمارا ساتھ دے اور ہمارے گھروں میں ہماری جانشینی فرما۔ اور جب آپ سفر سے واپس گھر کی طرف لوٹتے تو فرماتے دعا (ائبون تائبون ان شاء اللہ عابدون لربنا حامدون) یعنی واپس لوٹنے والے توبہ کرنے والے انشاء اللہ عبادتیں کرنے والے اپنے رب کی تعریفیں کرنے والے (مسلم ابوداؤد نسائی وغیرہ)

ابو لاس خزاعی فرماتے ہیں صدقے کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری سواری کے لئے ہمیں عطا فرمایا کہ ہم اس پر سوار ہو کر حج کو جائیں ہم نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نہیں دیکھتے کہ آپ ہمیں اس پر سوار کرائیں۔ آپ نے فرمایا سنو ہر اونٹ کی کوہان میں شیطان ہوتا ہے تم جب اس پر سوار ہو تو جس طرح میں تمہیں حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو پھر اسے اپنے لئے خادم بنالو، یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی سوار کراتا ہے۔ (مسند احمد)

حضرت ابو لاس کا نام محمد بن اسود بن خلف ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر اونٹ کی پیٹھ پر شیطان ہے تو تم جب اس پر سواری کرو تو اللہ کا نام لیا کرو پھر اپنی حاجتوں میں کمی نہ کرو۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ اَمِ اتَّخَذَ
مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ۞
اور ان نے اس کے بندوں میں سے اس کے جزو بنا دیئے، بیشک انسان صریحاً بڑا ناشکر گزار ہے۔ کیا اس نے اپنے لیے
اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں لیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ خاص کیا۔

مشرکین کا اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد ماننے کے نظریے کا بیان

"وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَاده جُزْءًا" حَيْثُ قَالُوا الْمَلَائِكَة بَنَات اللّٰه لِأَنَّ الْوَلَد جُزْء مِنْ الْوَالِد وَالْمَلَائِكَة مِنْ عِبَاده تَعَالَى "إِنَّ الْإِنْسَان" الْقَائِل مَا تَقَدَّمَ "لَكَفُور مُبِين" بَيِّن ظَاهِر الْكُفْر، "أَمْ" بِمَعْنَى هَمْزَة الْإِنْكَار وَالْقَوْل مُقَدَّر أَيْ أَتَقُولُونَ "اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُق بَنَات" لِنَفْسِهِ

"وَأَصْفَاكُمْ" أَخْلَصَكُمْ "بِالْبَنِينَ" اللَّازِمِ مِنْ قَوْلِكُمْ السَّابِقِ فَهُوَ مِنْ جُمْلَةِ الْمُنْكَرِ،

اور ان مشرکوں نے اس کے بندوں میں سے بعض کو اس کی اولاد قرار دے کر اس کے جزو بنا دیئے، یعنی انہوں نے کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ کیونکہ بیٹا باپ کی جز ہوتا ہے۔ حالانکہ فرشتے سب اللہ کے بندے ہیں۔ بیشک انسان صریحاً بڑا ناشکر گزار ہے۔ جس طرح پہلے گزر گیا ہے۔ یعنی اس بات کا انسان عام کفر کرنے والا ہے۔

یہاں پر لفظ اَم بہ معنی ہمزہ انکاری ہے۔ اور قول مقدر ہے یعنی کیا تم کہتے ہو۔ کیا اس نے اپنے لیے اپنی مخلوق میں سے بیٹیاں لیں اور تمہیں بیٹوں کے ساتھ خاص کیا۔ یعنی تمہیں بیٹوں کیلئے خاص کیا ہے۔ جو تمہارے قول سابق سے لازم آرہا ہے پس وہ منکر کا جملہ ہے۔

یعنی کفار نے اس اقرار کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کا خالق ہے یہ ستم کیا کہ ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتایا اور اولاد صاحب اولاد کا جز ہوتی ہے، ظالموں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے جز قرار دیا، کیسا عظیم جرم ہے۔

یہاں جزو سے مراد اولاد ہے کہ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے اور اولاد کے بجائے جزو کا لفظ اختیار کر کے مشرکین کے اس دعوائے باطل کی عقلی تردید کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ کے کوئی اولاد ہو تو وہ اس کی جزو ہوگی کیونکہ بیٹا باپ کا جزو ہوتا ہے، اور یہ عقلی قاعدہ ہے کہ ہر کل اپنے وجود میں جزو کا محتاج ہوتا ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ بھی اپنی اولاد کا محتاج ہو۔ اور ظاہر ہے کہ کسی بھی قسم کی احتیاج شان خداوندی کے بالکل منافی ہے۔

وَإِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيمٌ٥
اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ٥
حالانکہ جب ان میں سے کسی کو اس کی خبر دی جاتی ہے جسے انہوں نے رحمان کی شبیہ بنا رکھا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے
اور غم وغصہ سے بھر جاتا ہے۔ اور کیا جس کی پرورش زیور میں کی جاتی ہے اور وہ جھگڑے میں بات واضح کرنے والی نہیں؟

بچیوں کی پیدائش پر غمزدہ ہونے والے مشرکین کا بیان

"وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدهمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا" جَعَلَ لَهُ شَبَهًا بِنِسْبَةِ الْبَنَات إلَيْهِ لِأَنَّ الْوَلَد يُشْبِه الْوَالِد الْمَعْنَى إذَا أُخْبِرَ أَحَدهمْ بِالْبِنْتِ تُولَد لَهُ "ظَلَّ" صَارَ "وَجْهه مُسْوَدًّا" مُتَغَيِّرًا تَغَيُّر مُغْتَمّ "وَهُوَ كَظِيم" مُمْتَلِئ غَمًّا فَكَيْفَ يَنْسُب الْبَنَات إلَيْهِ؟ تَعَالَى عَنْ ذَلِكَ، "أَوَ" هَمْزَة الْإِنْكَار وَوَاو الْعَطْف بِجُمْلَةٍ أَيْ يَجْعَلُونَ لِلَّهِ "مَنْ يُنَشَّأ فِي الْحِلْيَة" الزِّينَة "وَهُوَ فِي الْخِصَام غَيْر مُبِين" مُظْهِر الْحُجَّة لِضَعْفِهِ عَنْهَا بِالْأُنُوثَةِ،

حالانکہ جب ان میں سے کسی کو اس کے گھر میں بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے جسے انہوں نے خدائے رحمان کی شبیہ بنا رکھا

ہے کیونکہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔ تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور غم وغصہ سے بھر جاتا ہے۔ یعنی میں غم میں تبدیل ہو جاتا ہے لہٰذا جب وہ بیٹیوں کی وجہ سے خود اتنا غصے میں بھر جاتا ہے تو پھر وہ اللہ کی طرف کیوں ان کی نسبت کرتا ہے۔ اور کیا (اس نے اسے رحمان کی اولاد قرار دیا ہے) جس کی پرورش زیور میں کی جاتی ہے۔ یہاں پر ہمزہ انکاری ہے۔ اور واؤ عاطفہ ہے جملے کیلئے ہے۔ اور وہ جھگڑے میں بات واضح کرنے والی نہیں؟ یعنی عورت کے ضعف کے سبب وہ حجت کو ظاہر کرنے والی نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے لئے زیور کا استعمال اور موافق شرع آرائش کے طریقے اختیار کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اس پر اجماع ہے لیکن ساتھ ہی پیرایہ بیان یہ بتا رہا ہے کہ آرائش میں اتنا انہماک کہ صبح وشام بناؤ سنگھار ہی میں لگی رہے یہ مناسب نہیں بلکہ یہ ضعف عقل ورائے کی علامت بھی ہے اور اس کا سبب بھی۔ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ (اور وہ مباحثہ میں قوت بیان بھی نہ رکھے) مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی اکثریت ایسی ہے کہ وہ مافی الضمیر کی قوت اور وضاحت کے ساتھ بیان کرنے پر مردوں کے برابر قادر نہیں ہوتی۔ اسی لئے اگر کہیں مباحثہ ہو جائے تو اپنے دعوے کو ثابت کرنا اور دوسرے کے دلائل کو رد کرنا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے لیکن یہ حکم اکثریت کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا اگر کچھ عورتیں سلیقہ گفتار کی مالک ہوں اور اس معاملہ میں مردوں سے بھی بڑھ جائیں تو اس آیت کے منافی نہیں، کیونکہ حکم اکثریت پر لگتا ہے اور اکثریت بلاشبہ ایسی ہی ہے۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ
سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَ يُسْئَلُوْنَ ۝
اور انھوں نے فرشتوں کو، وہ جو رحمان کے بندے ہیں، عورتیں بنا دیا، کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے؟
ان کی گواہی ضرور لکھی جائے گی اور وہ پوچھے جائیں گے۔

شرک کرنے والوں کیلئے آخرت میں عذاب ہونے کا بیان

"وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَة الَّذِينَ هُمْ عِبَاد الرَّحْمَن إنَاثًا أَشَهِدُوا" حَضَرُوا "خَلْقهمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتهمْ" بِأَنَّهُمْ إنَاث "وَيُسْأَلُونَ" عَنْهَا فِي الْآخِرَة فَيَتَرَتَّب عَلَيْهِمْ الْعِقَاب،

اور انھوں نے فرشتوں کو، وہ جو رحمان کے بندے ہیں، عورتیں بنا دیا، کیا وہ ان کی پیدائش یعنی تخلیق کے وقت حاضر تھے؟ ان کی گواہی ضرور لکھی جائے گی کہ وہ عورتیں ہیں اور وہ آخرت میں اس بارے میں پوچھے جائیں گے۔ لہٰذا ان کو عذاب دیا جائے گا۔

سورہ زخرف آیت ۱۹ کے شان نزول کا بیان

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ کچھ منافقین نے کہا اللہ نے جنات سے سسرالی رشتہ قائم کر لیا ہے ان سے فرشتے پیدا ہوئے اسی لیے وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر 4-125)

حاصل یہ ہے کہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بتانے میں بیدینوں نے تین کفر کیے، ایک تو اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت،

دوسرے اس ذلیل چیز کا اس کی طرف منسوب کرنا جس کو وہ خود بہت ہی حقیر سمجھتے ہیں اور اپنے لئے گوارا نہیں کرتے، تیسرے ملائکہ کی توہین انہیں بیٹیاں بتانا۔ (مدارک)

اب اس کا رد فرمایا جاتا ہے۔ فرشتوں کا مذکر یا مؤنث ہونا ایسی چیز تو ہے نہیں جس پر کوئی عقلی دلیل قائم ہو سکے اور ان کے پاس خبر کوئی آئی نہیں تو جو کفار ان کو مؤنث قرار دیتے ہیں ان کا ذریعہ علم کیا ہے؟ کیا ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے اور انہوں نے مشاہدہ کر لیا ہے؟ جب یہ بھی نہیں تو محض جاہلانہ گمراہی کی بات ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ زخرف، لاہور)

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ مَالَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ٥
اور انھوں نے کہا اگر رحمان چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے۔ انھیں اس کے بارے میں کچھ علم نہیں، وہ تو صرف اٹکل دوڑا رہے ہیں۔

مشرکین کا اپنی عبادت کو اللہ کی مرضی کی جانب منسوب کرنے کا بیان

"وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَن مَا عَبَدْنَاهُمْ" أَيْ الْمَلَائِكَة فَعِبَادَتنَا إِيَّاهُمْ بِمَشِيئَتِهِ فَهُوَ رَاضٍ بِهَا "مَا لَهُمْ بِذَلِكَ" الْمَقُول مِنْ الرِّضَا بِعِبَادَتِهَا "مِنْ عِلْم إِنْ" مَا "هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ" يَكْذِبُونَ فِيهِ فَيَتَرَتَّب عَلَيْهِمْ الْعِقَاب بِهِ،

اور انھوں نے کہا اگر رحمان چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے۔ یعنی ہم ان فرشتوں کی عبادت نہ کرتے بلکہ وہ ہماری اس عبادت پر راضی ہے۔ انھیں اس کے بارے میں کچھ علم نہیں، جو انہوں نے ان کی عبادت کی رضامندی کے بارے میں کہا گیا ہے وہ تو صرف اٹکل دوڑا رہے ہیں۔ یعنی وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ لہٰذا اس کے سبب انہیں عذاب دیا جائے گا۔

آخرت میں اور اس پر سزا دی جائے گی

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار سے دریافت فرمایا کہ تم فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کس طرح کہتے ہو؟ تمہارا ذریعہ علم کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہم نے اپنے باپ دادا سے سنا ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں وہ سچے تھے۔ اس گواہی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لکھی جائے گی اور اس پر جواب طلب ہوگا۔

یعنی ملائکہ کو۔ مطلب یہ تھا کہ اگر ملائکہ کی پرستش کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی نہ ہوتا تو ہم پر عذاب نازل کرتا اور جب عذاب نہ آیا تو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ یہی چاہتا ہے، یہ انہوں نے ایسی باطل بات کہی جس سے لازم آئے کہ تمام جرم جو دنیا میں ہوتے ہیں ان سے خدا راضی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی تکذیب فرماتا ہے۔ (تفسیر خازن، سورہ زخرف، بیروت)

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ٥بَلْ قَالُوْٓا
اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ٥

کیا ہم نے انہیں اِس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے؟ پس وہ اسے مضبوطی سے تھامنے والے ہیں۔ بلکہ وہ کہتے ہیں:
بیشک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک ملّت پر پایا اور یقیناً ہم انہی کے نقوشِ قدم پر ہدایت یافتہ ہیں۔

غیر اللہ کی عبادت کیلئے مشرکین کے پاس کوئی دلیل نہ ہونے کا بیان

"أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِه " أَيْ الْقُرْآن بِعِبَادَةِ غَيْر اللّٰه "فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ " أَيْ لَمْ يَقَع ذٰلِكَ،

"بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّة " مِلَّة "وَإِنَّا" مَاشُونَ "عَلَى آثَارهمْ مُهْتَدُونَ" بِهِمْ وَكَانُوا يَعْبُدُونَ غَيْر اللّٰه،

کیا ہم نے انھیں اس سے یعنی قرآن سے پہلے کوئی کتاب دی ہے؟ جو انہیں غیر اللہ کی عبادت کا جواز فراہم کرتی ہو؟ پس وہ اسے مضبوطی سے تھامنے والے ہیں۔ نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں: بیشک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک ملّت و مذہب پر پایا اور یقیناً ہم انہی کے نقوشِ قدم پر چلتے ہوئے ہدایت یافتہ ہیں۔ کیونکہ ان کے وہ باپ دادا غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔

جو لوگ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے ہیں اِن کا بیدلیل ہونا بیان فرمایا جا رہا ہے کہ کیا ہم نے ان کے اس شرک سے پہلے انہیں کوئی کتاب دے رکھی ہے؟ جس سے وہ سند لاتے ہوں یعنی حقیقت میں ایسا نہیں جیسے فرمایا (اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ، الروم:35) یعنی کیا ہم نے ان پر ایسی دلیل اتاری ہے جو ان سے شرک کو کہے؟ یعنی ایسا نہیں ہے۔

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ
اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ۝
اور اسی طرح ہم نے کسی بستی میں آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے وڈیروں اور خوشحال لوگوں نے کہا:
بیشک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ و مذہب پر پایا اور ہم یقیناً انہی کے نقوشِ قدم کی اقتداء کرنے والے ہیں۔

آباؤ واجداد کی اتباع میں گمراہ ہونے والوں کا بیان

"وَكَذٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلك فِي قَرْيَة مِنْ نَذِير إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا " مُنَعَّمُوهَا مِثْل قَوْل قَوْمك "إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّة" مِلَّة "وَإِنَّا عَلَى آثَارهمْ مُقْتَدُونَ" مُتَّبِعُونَ،

اور اسی طرح ہم نے کسی بستی میں آپ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے وڈیروں اور خوشحال لوگوں نے کہا: جس طرح آپ کی قوم نے آپ سے کہا ہے بیشک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ و مذہب پر پایا اور ہم یقیناً انہی کے نقوشِ قدم

کی اقتداء کرنے والے ہیں۔لہٰذا ہم ان کی اتباع کرنے والے ہیں۔

پھر فرماتا ہے یہ تو نہیں بلکہ شرک کی سندان کے پاس ایک اور صرف ایک ہے اور وہ اپنے باپ دادوں کی تقلید کہ وہ جس دین پر تھے ہم اسی پر ہیں اور رہیں گے امت سے مراد یہاں دین ہے اور آیت (اِنَّ هٰـذِهٖۤ اُمَّتُـكُـمْ اُمَّةً وَّاحِـدَةً وَّاَنَـا رَبُّـكُـمْ فَـاعْبُـدُوْنِ، الأنبیاء:92)، میں بھی امت سے مراد دین ہی ہے ساتھ ہی کہا کہ ہم انہی کی راہوں پر چل رہے ہیں پس ان کے بیدلیل دعوے کو سنا کر اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہی روش ان سے اگلوں کی بھی رہی۔ان کا جواب بھی نبیوں کی تعلیم کے مقابلہ میں یہی تقلید کو پیش کرنا تھا۔اور جگہ ہے آیت (كَـذٰلِكَ مَـآ اَتَـى الَّـذِيْـنَ مِنْ قَبْلِهِـمْ مِّـنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَـالُوْا سَـاحِـرٌ اَوْ مَـجْنُوْنٌ، الذاریات:52)یعنی ان سے اگلوں کے پاس بھی جو رسول آئے ان کی امتوں نے انہیں بھی جادوگر اور دیوانہ بتایا۔پس گویا کہ اگلے پچھلوں کے منہ میں یہ الفاظ بھر گئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ سرکشی میں یہ سب یکساں ہیں پھر ارشاد ہے کہ گو یہ معلوم کر لیں اور جان لیں کہ نبیوں کی تعلیم باپ دادوں کی تقلید سے بدرجہا بہتر ہے تاہم ان کا برا قصد اور ضد اور ہٹ انہیں حق کی قبولیت کی طرف نہیں آنے دیتی پس ایسے اڑیل لوگوں سے ہم بھی ان کی باطل پرستی کا انتقام نہیں چھوڑتے مختلف صورتوں سے انہیں تہ و بالا کر دیا کرتے ہیں ان کا قصہ مذکور و مشہور ہے غور و تامل کے ساتھ دیکھ پڑھ لو اور سوچ سمجھ لو کہ کس طرح کفار برباد کئے جاتے ہیں اور کس طرح مومن نجات پاتے ہیں۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی،سورہ زخرف،بیروت)

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ
بِهٖ كٰفِرُوْنَ٥ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ٥
کہا: اگرچہ میں تمہارے پاس اس سے بہتر ہدایت کا طریقہ لے آؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا تھا، تو انہوں نے کہا: جو کچھ
تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔پس ہم نے ان سے بدلہ لے لیا پس آپ دیکھئے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

کفار کا انبیائے کرام کی ہدایت سے انکار کرنے کا بیان

"قَالَ" لَهُمْ "أَوَلَوْ" تَتَّبِعُونَ ذٰلِكَ "جِئْتُكُمْ بِأَهْدَى مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ" أَنْتَ وَمَنْ قَبْلك قَالَ تَعَالَى تَخْوِيفًا لَهُمْ، "فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ" أَيْ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ لِلرُّسُلِ قَبْلك

پیغمبر نے کہا کہ اگرچہ میں تمہارے پاس اس طریقہ سے بہتر ہدایت کا دین اور طریقہ لے آؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا تھا، تو انہوں نے کہا جو کچھ بھی تم دے کر بھیجے گئے ہو، ہم اس کے منکر ہیں۔یعنی جو آپ کو اور آپ سے پہلے رسولان گرامی کو دے کر بھیجا گیا ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈراتے ہوئے فرمایا پس ہم نے ان سے بدلہ لے لیا پس آپ دیکھئے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔یعنی جنہوں نے آپ سے پہلے رسولان گرامی کی تکذیب کی ان کا انجام کیسا ہوا۔

اس سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ حق کے انکار و تکذیب کا نتیجہ و انجام بہر حال ہلاکت و تباہی ہے، ایسوں کو ڈھیل اور مہلت جتنی بھی ملے، وہ بہر حال ڈھیل اور مہلت ہی ہوتی ہے، جس نے بالآخر ختم ہو جانا ہوتا ہے، سو اس آیت کریمہ سے واضح فرما دیا گیا کہ جب ایسی منکر قومیں حق و ہدایت کی تکذیب اور انکار ہی پر کمر بستہ رہیں؟ اور رسولوں کی بات کو سننے ماننے کیلئے تیار نہ ہوئیں، تو آخر کار ہم نے ان سے کفران نعمت اور انکار حق کا انتقام لیا، اور ان کو مٹا کر قصے کہانیاں بنا دیا، فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ، سو دیکھو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا، پس کفر و انکار کا نتیجہ و انجام بہر حال ہلاکت و تباہی ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ
فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ○ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○
اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے (حقیقی چچا مگر پرورش کی نسبت سے) باپ اور اپنی قوم سے فرمایا: بیشک میں ان سب
چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم پوجتے ہو۔ سوا اس کے جس نے مجھے پیدا کیا کہ ضرور وہ بہت جلد مجھے راہ دے گا۔ اور ابراہیم
(علیہ السلام) نے اس کو اپنی نسل و ذریّت میں باقی رہنے والا کلمہ بنا دیا تا کہ وہ رجوع کرتے رہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کی پوجا سے بیزاری کا اظہار کرنے کا بیان

"وَ" "إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيم لِأَبِيهِ وَقَوْمه إِنَّنِي بَرَاء " أَيْ بَرِيء، "إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي" خَلَقَنِي "فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِي " يُرْشِدنِي لِدِينِهِ، "وَجَعَلَهَا" أَيْ كَلِمَة التَّوْحِيد الْمَفْهُومَة مِنْ قَوْله "إِنِّي ذَاهِب إِلَى رَبِّي سَيَهْدِينِ " "كَلِمَة بَاقِيَة فِي عَقِبه " ذُرِّيَّته فَلَا يَزَال فِيهِمْ مَنْ يُوَحِّد اللَّه "لَعَلَّهُمْ" أَيْ أَهْل مَكَّة "يَرْجِعُونَ" عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ إِلَى دِين إِبْرَاهِيم أَبِيهِمْ

اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے (حقیقی چچا مگر پرورش کی نسبت سے) باپ اور اپنی قوم سے فرمایا: بیشک میں ان سب چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم پوجتے ہو۔ سوا اس کے جس نے مجھے پیدا کیا کہ ضرور وہ بہت جلد مجھے راہ دے گا۔ یعنی اپنے دین کی طرف ہدایت دے گا۔

اور ابراہیم علیہ السلام نے اس کلمہ توحید کو اپنی نسل و ذریّت میں باقی رہنے والا کلمہ بنا دیا۔ جو 'إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي سَيَهْدِينِ '' سے مفہوم ہے۔ لہٰذا اسی کلمہ کو آپ پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ پس آپ کی اولاد سے ہمیشہ اہل توحید ہی آئے ہیں۔ تا کہ وہ یعنی اہل مکہ رجوع کرتے رہیں۔ یعنی وہ اپنے موجودہ دین کو چھوڑ کر اپنے باپ دادا کے دین ابراہیمی کی طرف لوٹ آئیں۔

ملت حنیف اور شرک کی تردید کا بیان

قریشی کفار نیکی اور دین کے اعتبار سے چونکہ خلیل اللہ امام الحنفا حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف منسوب تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے سنت ابراہیمی ان کے سامنے رکھی کہ دیکھو جو اپنے بندے آنے والے تمام نبیوں کے باپ اللہ کے رسول امام

الموحدین تھے انہوں نے کھلے لفظوں میں نہ صرف اپنی قوم سے بلکہ اپنے سگے باپ سے بھی کہہ دیا کہ مجھ میں تم کوئی تعلق نہیں۔ میں سوائے اپنے سچے اللہ کے جو میرا خالق اور ہادی ہے تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہوں سب سے بے تعلق ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی اس جرات حق گوئی اور جوش توحید کا بدلہ یہ دیا کہ کلمہ توحید کو ان کی اولاد میں ہمیشہ کے لئے باقی رکھ لیا ناممکن ہے کہ آپ کی اولاد میں اس پاک کلمے کے قائل نہ ہوں انہی کی اولاد اس توحید کلمہ کی اشاعت کرے گی اور سعید روحیں اور نیک نصیب لوگ اسی گھرانے سے توحید سیکھیں گے۔ غرض اسلام اور توحید کا معلم یہ گھرانہ قرار پا گیا۔ پھر فرماتا ہے بات یہ ہے کہ یہ کفار کفر کرتے رہے اور میں انہیں متاع دنیا دیتا رہا یہ اور بہکتے گئے اور اس قدر بدمست بن گئے کہ جب ان کے پاس دین حق اور رسول حق آئے تو انہوں نے جلانا شروع کر دیا کہ کلام اللہ اور معجزات انبیاء جادو ہیں اور ہم ان کے منکر ہیں۔ سرکشی اور ضد میں آ کر کفر کر بیٹھے عناد اور بغض سے حق کے مقابلے پر اتر آئے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ زخرف، بیروت)

بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ۝
بلکہ میں نے انھیں اور ان کے باپ دادا کو برتنے کا سامان دیا، یہاں تک کہ ان کے پاس حق آ گیا
اور وہ رسول جو کھول کر بیان کرنے والا ہے۔

مشرکین کو عذاب سے مہلت ملنے کا بیان

"بَلْ مَتَّعْت هَؤُلَاءِ" الْمُشْرِكِينَ "وَآبَاءَهُمْ" وَلَمْ أُعَاجِلهُمْ بِالْعُقُوبَةِ "حَتَّى جَاءَهُمُ الْحَقّ" لْقُرْآن "وَرَسُول مُبِين" مُظْهِر لَهُمْ الْأَحْكَام الشَّرْعِيَّة وَهُوَ مُحَمَّد صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بلکہ میں نے انھیں یعنی مشرکین اور ان کے باپ دادا کو برتنے کا سامان دیا، یعنی ان کو جلدی سزا نہ دی یہاں تک کہ ان کے پاس حق یعنی قرآن آ گیا اور وہ رسول جو کھول کر بیان کرنے والا ہے۔ جو احکام شرعیہ کو ان پر ظاہر فرمانے والے ہیں اور وہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔

یعنی سید انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روشن ترین آیات و معجزات کے ساتھ رونق افروز ہوئے اور آپ ﷺ نے شرعی احکام واضح طور پر بیان فرمائے اور ہمارے اس انعام کا حق یہ تھا کہ اس رسول مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ۝وَقَالُوْا
لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۝
اور جب ان کے پاس حق آ پہنچا تو کہنے لگے: یہ جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں۔ اور کہنے لگے:
یہ قرآن دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا۔

کفار مکہ کا قرآن کے نزول کو سرداروں پر نازل ہونے کا مطالبہ کرنے کا بیان

"وَلَمَّا جَاءَ هُمُ الْحَقُّ" الْقُرْآن، "وَقَالُوا لَوْلَا" هَلَّا "نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآن عَلَى رَجُلٍ مِنْ" أَهْل "الْقَرْيَتَيْنِ" مِنْ أَيَّة مِنْهُمَا "عَظِيم" أَيْ الْوَلِيد بْن الْمُغِيرَة بِمَكَّة أَوْ عُرْوَة بْن مَسْعُود الثَّقَفِيّ بِالطَّائِفِ،

اور جب ان کے پاس حق یعنی قرآن آ پہنچا تو کہنے لگے، یہ جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں۔ اور کہنے لگے، یہ قرآن مکہ اور طائف کی دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا۔ کیونکہ ولید بن مغیرہ مکہ میں تھا اور عروہ بن مسعود ثقفی یہ طائف میں تھا۔

اور باتیں بنانے لگے کہ کیوں صاحب اگر یہ قرآن سچ مچ اللہ ہی کا کلام ہے تو پھر مکے اور طائف کے کسی رئیس پر کسی بڑے آدمی پر کسی دنیوی وجاہت والے پر کیوں نہ اترا؟ اور بڑے آدمی سے ان کی مراد ولید بن مغیرہ، عروہ بن مسعود، عمیر بن عمرو، عتبہ بن ربیعہ، حبیب بن عمرو ، ابن عبد یالیل، کنانہ بن عمرو وغیرہ سے تھی۔ غرض یہ تھی کہ ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے مرتبے کے آدمی پر قرآن نازل ہونا چاہیے تھا اس اعتراض کے جواب میں فرمان باری سرزد ہوتا ہے کہ کیا رحمت الٰہی کے یہ مالک ہے جو یہ اسے تقسیم کرنے بیٹھے ہیں؟ اللہ کی چیز اللہ کی ملکیت وہ جسے چاہے دے پھر کہاں اس کا علم اور کہاں تمہارا علم؟ اسے بخوبی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رسالت کا حقدار صحیح معنی میں کون ہے؟ یہ نعمت اسی کو دی جاتی ہے جو تمام مخلوق سے زیادہ پاک دل ہو۔ سب سے زیادہ پاک نفس ہو سب سے بڑھ کر اشرف گھر کا ہو اور سب سے زیادہ پاک اصل کا ہو۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ زخرف، بیروت)

دولت مند پر نزول قرآن کی خواہش کرنے والے کفار کا بیان

ان کا یہ اعتراض قران کریم نے جا بجا ذکر فرمایا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم رسول کیسے مان لیں جبکہ وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے ہیں، لیکن جب متعدد آیات قرآنی کے ذریعہ یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ صرف آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی خصوصیت نہیں، بلکہ دنیا میں جس قدر انبیاء آئے ہیں وہ سب انسان ہی تھے، تو اب انہوں نے پینترا بدل کر یہ اعتراض کیا کہ اگر کسی انسان ہی کو نبوت سونپنی تھی تو حضور مالی اعتبار سے کوئی بڑے صاحب حیثیت نہیں ہیں، یہ منصب حضور کے بجائے مکہ اور طائف کے کسی بڑے دولت منداور صاحب جاہ ومنصب انسان کو کیوں نہیں دیا گیا، روایات میں ہے کہ اس سلسلہ میں انہوں نے مکہ مکرمہ سے ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ کے اور طائف سے عروہ بن مسعود ثقفی حبیب بن عمرو ثقفی یا کنانہ بن عبد یالیل کے نام پیش کیے تھے۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ زخرف، بیروت)

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ
فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○

کیا آپ کے رب کی رحمت کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم ان کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے معیشت کو تقسیم کرتے ہیں
اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر درجات کی فوقیت دیتے ہیں، کہ ان میں سے بعض، بعض کا مذاق اڑائیں،
اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں۔

کفار میں مالی طور پر طبقاتی تقسیم کا بیان

"أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَة رَبّك" النُّبُوَّة "نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنهمْ مَعِيشَتهمْ فِي الْحَيَاة الدُّنْيَا" فَجَعَلْنَا بَعْضهمْ غَنِيًّا وَبَعْضهمْ فَقِيرًا "وَرَفَعْنَا بَعْضهمْ" بِالْغِنَى "فَوْق بَعْض دَرَجَات لِيَتَّخِذ بَعْضهمْ" الْغَنِيّ "بَعْضًا" الْفَقِير "سُخْرِيًّا" مُسَخَّرًا فِي الْعَمَل لَهُ بِالْأُجْرَةِ وَالْيَاء لِلنَّسَبِ وَقُرِئَ بِكَسْرِ السِّين "وَرَحْمَة رَبّك" أَيْ الْجَنَّة "خَيْر مِمَّا يَجْمَعُونَ" فِي الدُّنْيَا،

کیا آپ کے رب کی رحمت یعنی نبوت کو یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ ہم ان کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے اسباب معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو مالدار بعض کو فقیر پر درجات کی فوقیت دیتے ہیں، کیا ہم یہ اس لئے کرتے ہیں کہ ان میں سے بعض جو امیر ہیں بعض غریبوں کا مذاق اڑائیں۔ یعنی غریب سے اجرت پر کام لیتا رہے۔ اور یہاں پر لفظ سخریا میں یا نسبت کی ہے اور ایک قرأت میں اس کو سین کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور آپ کے رب کی رحمت یعنی جنت اس سے بہتر ہے جسے وہ دنیا میں جمع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ تقسیم کا بیان

پھر فرماتا ہے کہ یہ رحمت اللہ کے تقسیم کرنے والے کہاں سے ہو گئے؟ اپنی روزیاں بھی ان کے اپنے قبضے کی نہیں وہ بھی ان میں ہم بانٹتے ہیں اور فرق و تفاوت کے ساتھ جسے جب جتنا چاہیں دیں۔ جس سے جب جو چاہیں چھین لیں عقل و فہم قوت طاقت وغیرہ بھی ہماری ہی دی ہوئی ہے اور اس میں بھی مراتب جداگانہ ہیں اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے سے کام لے کیونکہ اس کی اسے اور اس کی اسے ضرورت اور حاجت رہتی ہے ایک ایک کے ماتحت رہے۔

تو کسی کو غنی کیا، کسی کو فقیر، کسی کو قوی، کسی کو ضعیف۔ مخلوق میں کوئی ہمارے حکم کو بدلنے اور ہماری تقدیر سے باہر نکلنے کی قدرت نہیں رکھتا تو جب دنیا جیسی قلیل چیز میں کسی کو مجال اعتراض نہیں تو نبوت جیسے منصب عالی میں کیا کسی کو دم مارنے کا موقع ہے؟ ہم جسے چاہتے ہیں غنی کرتے ہیں، جسے چاہتے ہیں مخدوم بناتے ہیں، جسے چاہتے ہیں خادم بناتے ہیں، جسے چاہتے ہیں نبی بناتے ہیں، جسے چاہتے ہیں امتی بناتے ہیں، امیر کیا کوئی اپنی قابلیت سے ہو جاتا ہے؟ ہماری عطا ہے جسے جو چاہیں کریں۔ یعنی مالدار فقیر کی ہنسی کرے، یہ قرطبی کی تفسیر کے مطابق ہے۔

اور دوسرے مفسرین نے سخریا ہنسی بنانے کے معنی میں نہیں لیا ہے بلکہ اعمال و اشغال کے مسخر بنانے کے معنی میں لیا ہے، اس

صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے دولت و مال میں لوگوں کو متفاوت کیا تا کہ ایک دوسرے سے مال کے ذریعہ خدمت لے اور دنیا کا نظام مضبوط ہو، غریب کو ذریعہ معاش ہاتھ آئے اور مالدار کو کام کرنے والے بہم پہنچیں تو اس پر کون اعتراض کرسکتا ہے کہ فلاں کو کیوں غنی کیا اور فلاں کو فقیر اور جب دنیوی امور میں کوئی شخص دم نہیں مار سکتا تو نبوت جیسے رتبہ عالی میں کسی کو کیا تاب سخن وحق اعتراض؟ اس کی مرضی جس کو چاہے سرفراز فرمائے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ زخرف، بیروت)

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ
وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ۝وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ۝
اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی ملّت بن جائیں گے تو ہم رحمان کے ساتھ کفر کرنے والے تمام لوگوں کے گھروں کی چھتیں
چاندی کی کر دیتے اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں۔ اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی، جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں۔

دنیاوی چمک کو ظاہر کرنے کا بیان

"وَلَوْلَا أَنْ يَكُون النَّاس أُمَّة وَاحِدَة" عَلَى الْكُفْر "لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُر بِالرَّحْمَنِ لِبُيُوتِهِمْ" بَدَل مِنْ لِمَنْ "سَقُفًا" بِفَتْحِ السِّين وَسُكُون الْقَاف وَبِضَمِّهِمَا جَمْعًا "مِنْ فِضَّة وَمَعَارِج" كَالدَّرَجِ مِنْ فِضَّة "عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ" يَعْلُونَ إلَى السَّطْح، "وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا مِنْ فِضَّة وَسُرُرًا" جَعَلْنَا لَهُمْ سُرُرًا مِنْ فِضَّة جَمْع سَرِير،

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ کفر پر جمع ہو کر ایک ہی ملّت بن جائیں گے تو ہم خدائے رحمان کے ساتھ کفر کرنے والے تمام لوگوں کے گھروں کی چھتیں بھی چاندی کی کر دیتے۔ یہاں پر لفظ بیوتہم یہ لفظ من سے بدل ہے اور سقفا یہ سین کے فتحہ اور قاف کے سکون کے ساتھ بھی آیا اور ان دونوں کے ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں۔ یعنی ان کے اوپر چاندی چڑھا دیتے۔ اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی چاندی کے کر دیتے۔ جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں۔ یہاں پر لفظ سررا یہ سریر کی جمع ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ تم جو کچھ دنیا جمع کر رہے ہو اس کے مقابلہ میں رب کی رحمت بہت ہی بہتر اور افضل ہے ز اں بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ مال کو میرا افضل اور میری رضا مندی کی دلیل جان کر مالداروں کے مثل بن جائیں تو میں تو کفار کو یہ دنیائے دوں اتنی دیتا کہ ان کے گھر کی چھتیں بلکہ ان کے کوٹھوں کی سیڑھیاں بھی چاندی کی ہوتیں جن کے ذریعے یہ اپنے بالا خانوں پر پہنچتے۔ اور ان کے گھروں کے دروازے ان کے بیٹھنے کے تخت بھی چاندی کے ہوتے اور سونے کے بھی میرے نزدیک دنیا کوئی قدر کی چیز نہیں یہ فانی ہے زائل ہونے والی ہے اور ساری مل بھی جائے جب بھی آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے ان لوگوں کی اچھائیوں کے بدلے انہیں یہیں مل جاتے ہیں۔ کھانے پینے رہنے سہنے برتنے برتانے میں کچھ سہولتیں

بہم پہنچ جاتی ہیں۔ آخرت میں تو محض خالی ہاتھ ہوں گے ایک نیکی باقی نہ ہوگی جو اللہ سے کچھ حاصل کر سکیں جیسے کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے اور حدیث میں ہے اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو یہاں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔

وَزُخْرُفًا ۚ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝
اور سونے اور جواہرات کی آرائش بھی، اور یہ سب کچھ دنیوی زندگی کی عارضی اور حقیر متاع ہے، اور آخرت آپ کے
رب کے پاس ہے، صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

کفار کیلئے دنیاوی نعمتیں عطاء ہونے کا بیان

"وَزُخْرُفًا" ذَهَبًا الْمَعْنَى لَوْلَا خَوْف الْكُفْر عَلَى الْمُؤْمِن مِنْ إِعْطَاء الْكَافِر مَا ذُكِرَ لَأَعْطَيْنَاهُ ذَلِكَ لِقِلَّةِ خَطَر الدُّنْيَا عِنْدنَا وَعَدَم حَظّه فِي الْآخِرَة فِي النَّعِيم "وَإِنْ" مُخَفَّفَة مِنْ الثَّقِيلَة "كُلّ ذَلِكَ لَمَا" بِالتَّخْفِيفِ فَمَا زَائِدَة وَبِالتَّشْدِيدِ بِمَعْنَى إِلَّا فَإِنْ نَافِيَة "مَتَاع الْحَيَاة الدُّنْيَا" يَتَمَتَّع بِهِ فِيهَا ثُمَّ يَزُول "وَالْآخِرَة" الْجَنَّة،

یہاں پر لفظ زخرف کا معنی سونا ہے۔ معنی یہ ہے کہ یہ ساری چیزیں دینے پر اگر مؤمن پر کفر کا اندیشہ نہ ہوتا تو یہ ساری چیزیں ہم انہیں دے دیتے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک دنیا کی قلیل چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور آخرت میں کافر کیلئے کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور یہاں پر لفظ اِن یہ ثقل سے مخفف ہے۔ اور لما یہ تخفیف کے ساتھ آیا ہے جب ما ءزائدہ ہوا اور تشدید کے ساتھ آیا ہے جب یہ الا۔ کے معنی میں ہو۔ اور لفظ اِن نافیہ ہے۔ اور یہ سب کچھ دنیوی زندگی کی عارضی اور حقیر متاع ہے، اور آخرت کا حسن وزیبائش آپ کے رب کے پاس ہے جو صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

دنیا میں بہ طور عاجزی زیب وزینت کو ترک کرنے کا بیان

حضرت سوید بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کے بیٹے سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص زیب وزینت کے لباس کو پہننا چھوڑ دے باوجود یکہ وہ اس کے پہننے کی استطاعت وحیثیت رکھتا ہو۔ اور ایک روایت میں تواضعا کا لفظ بھی آیا ہے یعنی جو شخص زہد تواضع اور کسر نفسی کے سبب زیب وزینت کا لباس پہننا چھوڑ دے اس کو اللہ تعالیٰ عزت وعظمت کا جوڑا پہنائے گا یعنی اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا لباس عطا کرے گا جو اس کی رفعت وعظمت کا باعث ہوگا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا وآخرت دونوں جگہ عزت وعظمت عطا کرے گا جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص فروتنی اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بلند مرتبہ بناتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے نکاح کرے اس کو اللہ تعالیٰ بادشاہت کا تاج عطا فرمائے گا۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 278)

سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال کی ممانعت کا بیان

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمایا کہ ہم سونے چاندی کے برتنوں میں پئیں اوران میں کھائیں نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حریر و دیبا (ایک قسم کا ریشمی کپڑا) پہننے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 253)

سونے چاندی کے برتنوں وغیرہ میں کھانے پینے اور ریشمی کپڑے پہننے کے بارے میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ ریشمی کپڑے کا استعمال جس طرح مردوں کے لئے حرام ہے اسی طرح اس کو بچوں کو بھی پہننا حرام ہے اور پہنانے والوں کو گناہ ہوتا ہے۔

اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ریشمی کپڑے کو بچھونے میں استعمال کرنا اور اس پر سونا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا اسی طرح اگر تکیہ کے غلاف اور پردے ریشمی کپڑے کے ہوں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ جب کہ حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد نے ان سب کو مکروہ کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ (حدیث میں مردوں کے لئے ریشمی کپڑے پہننے اور ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کی جو ممانعت منقول ہے اس میں پہننے کی ممانعت تو متفقہ طور پر سب کے نزدیک تحریم پر محمول ہے لیکن ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کی) ممانعت صاحبین کے نزدیک تو تحریم ہی پر محمول ہے جب کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک تنزیہہ پر محمول ہے کیونکہ ابھی اوپر ان کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ وہ ریشمی کپڑے کو بچھونے وغیرہ میں استعمال کرنے کے مسئلہ میں یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جس کا مطلب یہ کہ ان چیزوں میں ریشمی کپڑے کا استعمال بہر حال احتیاط و تقویٰ کے خلاف ہے، کیونکہ کسی عمل کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کے کرنے میں "کوئی مضائقہ نہیں ہے" اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ ہونے کے شک سے بچنے کے لئے اس عمل کو نہ کرنا ہی بہتر ہے اس خوف کے سبب کہ شاید اس میں کوئی مضائقہ ہو اور یہی معنی اس مشہور حدیث کے بھی ہیں! دع مالا یریبك الی ما یریبك یعنی اس کام کو چھوڑ دو جس میں شک ہو اور اس کام کو اختیار کرو جس میں شک نہ ہو بہر حال حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کو چونکہ ایسی کوئی دلیل قطعی حاصل نہیں ہوئی جس کی بنیاد پر ریشمی کپڑے پر بیٹھنے یا سونے کو حرام قرار دیا جا سکے اور کپڑے پہننے کی ممانعت میں جو صریح نصوص (یعنی اس کی حرمت کے واضح احکام) منقول ہیں ان کے دائرہ حکم میں ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کا مسئلہ نہیں آتا کیوں کہ پہننا اور بیٹھنا دو الگ الگ چیزیں ہیں کہ پہننے کا اطلاق بیٹھنے پر نہیں ہو سکتا اس لئے انہوں نے اس حدیث میں (ریشمی کپڑے پر بیٹھنے کی ممانعت کو نہی تنزیہہ پر محمول کیا ہے۔

عورتوں کیلئے سونے کے استعمال کی حلت کا بیان

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کی عورتوں کے لئے سونا اور ریشم حلال کیا گیا ہے اور امت کے مردوں پر حرام کیا گیا ہے (ترمذی، نسائی) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 271)

مرد" کے لفظ میں بچے (لڑکے) بھی داخل ہیں لیکن بچے چونکہ مکلف نہیں ہیں اس لئے ان کے حق میں ان چیزوں کی حرمت کا تعلق پہنانے والوں سے ہوگا کہ اگر کوئی بچہ ریشم یا سونے، کا زیور پہنے گا تو اس کا گناہ اس کے پہنانے والے پر ہوگا۔ نیز سونے سے مراد سونے کے زیورات" ہیں ورنہ سونے چاندی کے برتن کا استعمال جس طرح مردوں کے لئے حرام ہے اسی طرح عورتوں کے لئے بھی حرام ہے، اسی طرح چاندی کے زیورات کا حلال ہونا بھی صرف عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے علاوہ اس مقدار کے جو مردوں کے لئے بھی حلال ہے جیسے انگوٹھی وغیرہ۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۝
وَ اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۝
اور جو شخص رحمٰن کی نصیحت سے اندھا بن جائے ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں، پھر وہ اس کے ساتھ رہنے والا
ہوتا ہے۔ اور وہ انہیں راستہ سے روکتے ہیں اور وہ یہی گمان کئے رہتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

شیاطین کا لوگوں کو دین کی راہ سے روکنے کا بیان

"وَمَنْ يَعْشُ" يَعْرِض "عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَن" أَيْ الْقُرْآن "نُقَيِّض" نُسَبِّب "لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِين" لَا يُفَارِقهُ، "وَإِنَّهُمْ" أَيْ الشَّيَاطِين "لَيَصُدُّونَهُمْ" أَيْ الْعَاشِينَ "عَنِ السَّبِيل" أَيْ طَرِيق الْهُدَى "وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ" فِي الْجَمْع رِعَايَة مَعْنَى مَنْ،

اور جو شخص رحمٰن کی نصیحت یعنی قرآن سے اندھا بن جائے ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں، پھر وہ اس کے ساتھ رہنے والا ہوتا ہے۔ اور اس سے الگ نہیں ہوتا۔

اور وہ شیاطین انہیں ہدایت کے راستہ سے روکتے ہیں اور وہ یہی گمان کئے رہتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہاں پر لفظ من کی رعایت کے سبب جمع لایا گیا ہے۔

جو شخص اللہ کی نصیحت یعنی قرآن اور وحی سے جان بوجھ کر اعراض کرے تو ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو دنیا میں بھی اس کے ساتھ لگا رہتا ہے اور اسے نیکیوں سے روک کر برائیوں پر ابھارتا رہتا ہے اور آخرت میں بھی جب یہ شخص قبر سے اٹھے گا تو یہ شیطان اس کے ساتھ ساتھ ہوگا یہاں تک کہ دونوں جہنم میں داخل ہو جائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی یاد سے اعراض کی اتنی سزا دنیا میں مل جاتی ہے کہ انسان کی صحبت خراب ہو جاتی ہے اور شیاطین، خواہ انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے، اس کو بھلائیوں سے دور اور برائیوں سے قریب کرتے رہتے ہیں وہ کام سارے گمراہی کے کرتا ہے مگر سمجھتا یہ ہے کہ بہت اچھا کر رہا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ زخرف، بیروت)

شیطان کا نیکی کی راہ سے روکنے کا بیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان پر ایک تصرف تو شیطان کا ہوا کرتا ہے اور ایک تصرف فرشتہ کا شیطان کا تصرف تو یہ ہے کہ وہ برائی پر ابھارتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے اور فرشتہ کا تصرف یہ ہے کہ وہ نیکی پر ابھارتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا لہٰذا جو آدمی (نیکی پر فرشتہ کے ابھارنے کی) یہ کیفیت اپنے اندر پائے تو اس کو سمجھنا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے (ہدایت) ہے اس پر اس کو اللہ کا شکر بجالانا چاہیے اور جو آدمی دوسری کیفیت (یعنی شیطان کی وسوسہ اندازی) اپنے اندر پائے تو اس کو چاہیے کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قرآنی آیت پڑھی (جس کا ترجمہ ہے) شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور گناہ کے لئے اکساتا ہے۔اس روایت کو جامع ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔(مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 70)

حَتّٰٓی اِذَا جَآءَنَا قَالَ یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ ٥
وَلَنْ یَّنْفَعَکُمُ الْیَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّکُمْ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِکُوْنَ ٥
یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا تو کہے گا اے کاش! میرے درمیان اور تیرے درمیان دو مشرقوں کا فاصلہ ہوتا،
پس وہ برا ساتھی ہے۔اور آج کے دن تمہیں سودمند نہیں ہوگا جبکہ تم ظلم کرتے رہے، تم سب عذاب میں شریک ہو۔

شیطان کا ساتھ بدترین ہونے کا بیان

"حَتّٰی إِذَا جَاءَ نَا" الْعَاشِي بِقَرِينِهِ يَوْمَ الْقِيَامَة "قَالَ" لَهُ "يَا لَيْتَ" لِلتَّنْبِيهِ "بَيْنِي وَبَيْنك بُعْد الْمَشْرِقَيْنِ" أَيْ مِثْل بُعْد مَا بَيْنَ الْمَشْرِق وَالْمَغْرِب "فَبِئْسَ الْقَرِين" أَنْتَ لِي، "وَلَنْ يَنْفَعكُمْ" أَيْ الْعَاشِينَ تَمَنِّيكُمْ وَنَدَمكُمْ "الْيَوْم إِذْ ظَلَمْتُمْ" أَيْ تَبَيَّنَ لَكُمْ ظُلْمكُمْ بِالْإِشْرَاكِ فِي الدُّنْيَا "أَنَّكُمْ" مَعَ قُرَنَائِكُمْ "فِي الْعَذَاب مُشْتَرِكُونَ" عِلَّة بِتَقْدِيرِ اللَّام لِعَدَمِ النَّفْع وَإِذْ بَدَل مِنْ الْيَوْم،

یہاں تک کہ جب وہ قیامت کے دن ہمارے پاس آئے گا تو کہے گا اے کاش! یہاں پر لفظ یا ء انتباہ کیلئے آیا ہے۔میرے درمیان اور تیرے درمیان دو مشرقوں کا فاصلہ ہوتا، یعنی وہ مشرق ومغرب کی مثل فاصلہ ہے۔پس وہ تیرے لئے کتنا برا ساتھی ہے۔ اور آج کے دن تمہیں یہ آرزو کرنا سودمند نہیں ہوگا یعنی تو ندامت اختیار کرے۔جبکہ تم ظلم کرتے رہے، یعنی دنیا میں جو شرک کرتے رہے ہو۔آج تم ان کے ساتھ سب عذاب میں شریک ہو۔یہ تقدیر لام کے سبب ہے کیونکہ نفع کوئی نہیں ہے۔اور یہاں پر اذ یہ الیوم سے بدل ہے۔

قیامت کے دن شیطان کے ساتھ ہونے سے اظہار نفرت کا بیان

یعنی آج تو اپنے اس برے ساتھی کو اپنا حقیقی خیر خواہ سمجھ رہا ہے مگر قیامت کو جب ہمارے پاس حاضر ہوگا تب جا کر اسے معلوم ہوگا کہ وہ اس کا کیسا برا ساتھی تھا۔ پھر وہ حسرت اور غصہ سے اسے کہے گا: کاش! میرے اور تیرے درمیان زمین وآسمان کا فاصلہ ہوتا اور میں ایک لمحہ بھی تیری صحبت میں نہ گزارتا۔ آج تو کم از کم میری آنکھوں سے دور ہو جا۔ تو تو بہت ہی برا ساتھی ہے۔

اس آیت کی دو تفسیریں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ جب تمہارا کفر وشرک ثابت ہو چکا ہے تو آخرت میں تمہاری یہ تمنا کچھ کام نہ آئے گی کہ کاش، یہ شیطان مجھ سے دور ہوتا کیونکہ اس وقت تم سب عذاب میں شریک ہو گے اس صورت میں اَنَّکُمْ فِی الْعَذَابِ الخ لانکم کے معنی میں ہوگا اور ینفع کی ضمیر فاعل مقولہ یالیت بینی الخ کی طرف راجع ہوگی۔

اور دوسری تفسیر یہ ممکن ہے کہ وہاں پہنچنے کے بعد تمہارا اور شیاطین کا عذاب میں مشترک ہونا تمہارے لئے چنداں فائدہ مند نہیں ہوگا۔ دنیا میں بیشک ایسا ہوتا ہے کہ ایک مصیبت میں چند آدمی شریک ہو جائیں تو ہر ایک کا غم ہلکا ہو جاتا ہے لیکن وہاں چونکہ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی اور کوئی کسی کا دکھ نہیں بٹا سکے گا اس لئے اس اشتراک سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اس صورت میں انکم الخ ینفع کا فاعل ہوگا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ زخرف، بیروت)

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ
فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ۝ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ۝
پھر کیا آپ بہروں کو سنائیں گے یا اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو کھلی گمراہی میں ہیں راہِ ہدایت دکھائیں گے۔
پس اگر ہم آپ کو لے جائیں تو تب بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں۔ کیا ہم واقعی تجھے وہ دکھا دیں جس کا
ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے تو بے شک ہم ان پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

گونگے بہرے کفار کا حق کو نہ سن سکنے کا بیان

"أَفَأَنْتَ تُسْمِع الصُّمّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَال مُبِين" بَيِّن أَيْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ، "فَإِمَّا" فِيهِ إدْغَام نُون إنْ الشَّرْطِيَّة فِي مَا الزَّائِدَة "نَذْهَبَنَّ بِك" بِأَنْ نُمِيتك قَبْل تَعْذِيبهمْ "فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ" فِي الْآخِرَة، "أَوْ نُرِيَنَّك" فِي حَيَاتك "الَّذِي وَعَدْنَاهُمْ" بِهِ مِنْ الْعَذَاب "فَإِنَّا عَلَيْهِمْ" عَلَى عَذَابهمْ "مُقْتَدِرُونَ" قَادِرُونَ

پھر کیا آپ بہروں کو سنائیں گے یا اندھوں کو اور ان لوگوں کو جو کھلی گمراہی میں ہیں راہِ ہدایت دکھائیں گے۔ پس وہ ایمان نہ لائیں گے۔

یہاں پر لفظ فاما میں ماء زائدہ میں ان شرطیہ کا ادغام ہے۔ پس اگر ہم آپ کو دنیا سے انہیں عذاب دینے سے پہلے لے جائیں

تو تب بھی ہم ان سے آخرت میں بدلہ لینے والے ہیں۔

کیا ہم واقعی آپ وہ عذاب آپ کی زندگی میں دکھادیں جس کا ہم نے ان سے جس عذاب کا وعدہ کیا ہے تو بے شک ہم ان کو عذاب دینے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

او نرینك الذی وعدنھم: جملہ شرط ہے ای او ان اردنا ان نریك العذاب الذی وعدنا ہم اور اگر ہمارا ارادہ ہو کہ ہم دکھائیں آپ کو وہ عذاب جن کا ہم نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔ نرین مضارع تاکید بانون ثقیلہ جمع متکلم۔ک ضمیر مفعول واحد مذکر حاضر۔ ہم تمہیں ضرور دکھائیں گے۔

فانا علیھم مقتدرون: اسم فاعل جمع مذکر اقتدار (افتعال) مصدر۔ پوری قدرت رکھنے والے۔ تو ہمیں ان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ جملہ جواب شرط ہے۔

الکشاف میں ہے وان اردنا ان تجزفی حیاتك ما وعدنا ہم من العذاب النازل بھم فھم تحت ملکتنا وقدرتنا۔ اور اگر ہم چاہیں کہ ہم آپ کی زندگی میں ہی ان کو ان پر آنے والے عذاب کا مزہ چکھائیں تو بھی وہ ہماری ملکیت اور قدرت میں ہیں۔ مطلب آیات کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کفار کو ان کے کئے کی سزا بہر حال ملے گی۔ اگر ہم آپ کو پہلے اس دنیا سے لے جائیں تو پھر بھی ہم ان سے بدلہ ضرور لیں گے یعنی ان کو سزا دیں گے۔ اور اگر ہم چاہیں کہ آپ کی حیات میں ہی ان پر عذاب نازل ہو تو اس کی بھی ہمیں قدرت ہے۔

نااہلوں کو علم سکھانے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم نے فرمایا۔ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور نا اہل کو علم سکھانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی آدمی سور کے گلے میں جواہرات، موتیوں اور سونے کا ہار ڈال دے۔ (ابن ماجہ) اور بیہقی نے اس روایت کو شعب الایمان میں لفظ "مسلم" تک نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا متن مشہور ہے اور اسناد ضعیف ہیں اور یہ حدیث مختلف طریقوں سے بیان کی گی ہے اور وہ سب ضعیف ہیں۔" (ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 212)

اس حدیث سے علم کی اہمیت وعظمت اور اس کی ضرورت واضح ہوتی ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے علم کا حاصل کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ انسان جس مقصد کے لئے خلیفۃ اللہ بنا کر اس دنیا میں بھیجا گیا ہے وہ بغیر علم کے پورا نہیں ہوسکتا۔ انسان بغیر علم کے نہ اللہ کی ذات کو پہچانتا ہے اور نہ اسے اپنی حقیقت کا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ یہاں علم سے مراد "علم دین" ہے جس کی ضرورت زندگی کے ہر دور اور ہر شعبہ میں پڑتی ہے، مثلاً جب آدمی مسلمان ہوتا ہے یا احساس وشعور کی منزل کو پہنچتا ہے تو اسے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت حاصل کرے اور عرفان الٰہی کی مقدس روشنی سے قلب و دماغ کی ہر ظلمت و کجروی کو ختم کرے۔

اسی طرح رسول کی نبوت و رسالت کا جاننا یا ایسی چیزوں کا علم حاصل کرنا جن پر ایمان و اسلام کی بنیاد ہے اس کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ پھر جب عملی زندگی سے اسے واسطہ پڑتا ہے تو اسے ضرورت ہوتی ہے کہ اعمال کے احکام کا علم ہو۔ یعنی جب نماز کا وقت آئے گا تو اس پر نماز کے احکام و مسائل سیکھنا واجب ہوگا۔ جب رمضان آئے گا تو روزے کے احکام معلوم کرنا اس کے لئے ضروری ہوگا۔ اگر اللہ نے اسے مالی وسعت دی ہے اور صاحب نصاب ہے تو زکوۃ کے مسائل جاننا ضروری ہوگا۔ جب شادی کی تو بیوی کو گھر میں لایا تو حیض و نفاس کے مسائل طلاق وغیرہ اور ایسی چیزیں جن کا تعلق میاں بیوی کی باہمی زندگی اور ان کے تعلقات سے ہے ان کا علم حاصل کرنا واجب ہوگا۔

اسی طرح تجارت و زراعت اور خرید و فروخت کے احکام و مسائل سیکھنا بھی واجب ہوگا گویا زندگی کا کوئی شعبہ ہو خواہ اعتقادات ہوں یا عبادات، معاملات ہوں یا تعلقات، تمام چیزوں کی بصیرت حاصل کرنا اور ان کو جاننا سیکھنا اس پر فرض ہوگا، اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کی وجہ سے وہ ہر جگہ حدود شریعت سے تجاوز کرتا رہے گا اور دینی احکام و مسائل سے ناواقفیت کی بنا پر اس کا ہر فعل و عمل خلاف شریعت ہوگا جس کی وجہ سے وہ سخت گناہ گار رہوگا۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہاں علم سے مراد علم اخلاص اور آفات نفس کی معرفت ہے۔ یعنی ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ نفس کی تمام برائیوں مثلاً حسد، بغض، کینہ اور کدورت کو پہچانیں اور ان چیزوں کا علم حاصل کریں جو اعمال خیر کو فاسد کرتی ہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علم کی مقدس روشنی تو انہیں کے نصیب میں ہوتی ہے جو اس کے اہل ہوتے ہیں اور جن کی صلاحیت طبع کا میلان اس طرف ہوتا ہے نیز جس کی جتنی استعداد و صلاحیت ہوتی ہے اسے علم سے اتنا ہی حصہ ملتا ہے۔ لہٰذا علم سکھانے میں اس بات کا خیال بطور خاص رکھنا چاہئے کہ جس کی جتنی استعداد ہو اور وہ جس معیار کی صلاحیت رکھتا ہو اسی اعتبار سے اسے علم سکھایا جائے۔ یہ نہ ہونا چاہئے کہ کسی آدمی کی استعداد و صلاحیت تو انتہائی کم درجہ کی ہے مگر علم اسے انتہائی اعلیٰ و ارفع سکھایا جا رہا ہو اسی طرح ہر علم کے سکھانے کا موقع و محل ہوتا ہے۔ جو علم جس موقع پر ضروری ہو اور جس علم کا جو محل ہو اس کے مطابق سکھایا جائے۔ مثلاً اگر کوئی آدمی عوام اور جہلاء کے سامنے یکبارگی تصوف کے اسرار و معانی اور اس کی باریکیاں بیان کرنے لگے تو انہیں اس سے فائدہ ہونا تو الگ رہا اور زیادہ گمراہ ہو جائیں گے۔ (اشعۃ اللمعات، شرح مشکوٰۃ)

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○
وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ○
پس آپ اس کو مضبوطی سے تھامے رکھیئے جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے، بیشک آپ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور بلاشبہ
وہ یقیناً تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے ایک نصیحت ہے اور عنقریب تم سے پوچھا جائے گا۔

قرآن مجید کے احکام کو مضبوطی سے تھام لینے کا بیان

"فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْكَ" أَیْ الْقُرْآن "اِنَّكَ عَلٰی صِرَاط" طَرِیق، "وَاِنَّهٗ لَذِكْر"

لَشَرَف "لَكَ وَلِقَوْمِكَ" لِنُزُولِهِ بِلُغَتِهِمْ "وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ" عَنْ الْقِيَام بِحَقِّهِ،

پس آپ اس قرآن کو مضبوطی سے تھامے رکھیئے جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے، بیشک آپ سیدھی راہ پر قائم ہیں۔

• اور بلاشبہ وہ یقیناً تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے ایک نصیحت یعنی قرآن ہے کیونکہ وہ آپ کی زبان کے ساتھ نازل ہوا ہے اور عنقریب تم سے اس کو حق کے ساتھ پہنچانے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ بعد ازاں جاننا چاہئے کہ بے شک سب سے بہتر بات اللہ کی کتاب ہے، سب سے بہترین راستہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا راستہ ہے اور سب سے بدترین چیز وہ ہے جس کو نیا نکالا گیا ہو اور ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 138)

ذکر کے مفہوم کا بیان

ذکر سے یہاں مراد نیک ناموری ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم آپ کے اور آپ کی قوم کے لئے شرف عظیم اور نیک شہرت کا باعث ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ نیک شہرت ایک قابل رغبت چیز ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں اس کو ایک احسان کے طور پر ذکر فرمایا ہے اور اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی تھی کہ (آیت) واجعل لی لسان صدق فی الآخرین ۔ (تفسیر کبیر، سورہ زخرف، بیروت)

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نیک شہرت اس وقت مستحسن ہے جب وہ مقصد زندگی بنائے بغیر انسان کے اعمال صالحہ سے خود بخود حاصل ہو جائے اور اگر انسان نیکیاں صرف اسی مقصد سے کرے کہ اس سے دنیا میں نام ہو گا تو یہ ریا ہے جس سے نیکیوں کا سارا فائدہ جاتا رہتا ہے اور الٹا گناہ لازم ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں آپ کی قوم سے مراد بعض مفسرین نے صرف قبیلہ قریش کو قرار دیا ہے اور اس سے قریش کی فضیلت ثابت کی ہے لیکن علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد آپ کی پوری امت ہے خواہ کسی رنگ و نسل سے تعلق رکھتی ہو۔ قرآن کریم ان سب کے لئے عظمت و شرف اور نیک ناموری کا باعث ہے۔ (قرطبی، سورہ زخرف، بیروت)

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ۝
اور جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے آپ ان سے پوچھئے کہ کیا ہم نے رحمان کے سوا کوئی اور معبود بنائے تھے کہ ان کی پرستش کی جائے۔

تمام رسولان گرامی کا عقیدہ توحید کی دعوت دینے کا بیان

"وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلك مِنْ رُسُلنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُون الرَّحْمَن " أَيْ غَيْره "آلِهَة يُعْبَدُونَ" قِيلَ هَلْ هُوَ عَلَى ظَاهِره بِأَنْ جَمَعَ لَهُ الرُّسُل لَيْلَة الْإِسْرَاء وَقِيلَ الْمُرَاد أُمَم مِنْ أَيْ أَهْل الْكِتَابَيْنِ وَلَمْ يَسْأَل عَلَى وَاحِد مِنْ الْقَوْلَيْنِ لِأَنَّ الْمُرَاد مِنْ الْأَمْر بِالسُّؤَالِ التَّقْرِير لِمُشْرِكِي

قُرَيْش أَنَّهُ لَمْ يَأْتِ رَسُول مِنْ اللّٰه وَلَا كِتَاب بِعِبَادَةِ غَيْر اللّٰه،

اور جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے آپ ان سے پوچھئے کہ کیا ہم نے خدائے رحمان کے سوا کوئی اور معبود بنائے تھے کہ ان کی پرستش کی جائے۔ کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب اپنے ظاہر پر ہے یعنی شب معراج جب رسولان عظام کو جمع کیا گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل کتاب امتوں میں سے کوئی سی بھی امت ہے۔ جبکہ دونوں اقوال میں سے ہر ایک قول کے مطابق آپ نے کسی سے بھی نہیں پوچھا بلکہ اس کی تقریر یہ ہے کہ مشرکین کفار قریش سے اقرار کروانا ہے۔ اس لئے کہ اللہ کی طرف سے کوئی رسول یا کتاب ایسی نہیں آئی جو غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیتی ہو۔

شب معراج انبیائے کرام سے عقیدہ توحید کے متعلق پوچھنے کا بیان

رسولوں سے سوال کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ان کے ادیان و ملل کو تلاش کرو، کہیں بھی کسی نبی کی امّت میں بت پرستی روا رکھی گئی ہے اور اکثر مفسرین نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ مومنینِ اہل کتاب سے دریافت کرو کہ کیا کبھی کسی نبی نے غیر اللہ کی عبادت کی اجازت دی تا کہ مشرکین پر ثابت ہو جائے کہ مخلوق پرستی نہ کسی رسول نے بتائی، نہ کسی کتاب میں آئی یہ بھی۔ ایک روایت ہے کہ شب معراج سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیتُ المقدِس میں تمام انبیاء کی امامت فرمائی جب حضور نماز سے فارغ ہوئے جبریلِ امین نے عرض کیا کہ اے سرورِ اکرم اپنے سے پہلے انبیاء سے دریافت فرمایئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی اور کی عبادت کی اجازت دی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سوال کی کچھ حاجت نہیں یعنی اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ تمام انبیاء توحید کی دعوت دیتے آئے، سب نے مخلوق پرستی کی ممانعت فرمائی۔ (تفسیر قرطبی، سورہ زخرف، بیروت)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝
فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ۝
اور یقیناً ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا: بیشک میں
سب جہانوں کے پروردگار کا رسول ہوں۔ پھر جب وہ ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس آئے تو وہ اسی وقت ان پر ہنسنے لگے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی دلیل کا بیان

"وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا إلَى فِرْعَوْن وَمَلَئِهِ " أَيْ الْقِبْط، "فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا " الدَّالَّة عَلَى رِسَالَته،

اور یقیناً ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے قبطی سرداروں کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا: بیشک میں سب جہانوں کے پروردگار کا رسول ہوں۔ پھر جب وہ ہماری نشانیاں لے کر ان کے پاس آئے جو ان کی رسالت پر دلالت کرتی تھیں۔ تو وہ اسی وقت ان نشانیوں پر ہنسنے لگے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ پیچھے بار بار گزر چکا ہے اور ان آیات میں ان کے جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ تفصیل کے ساتھ سورہ اعراف میں آئے ہیں، یہاں ان کا واقعہ یاد دلانے سے مقصد یہ ہے کہ کفار مکہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر آپ کے مالدار نہ ہونے سے جو شبہ کر رہے ہیں یہ کوئی نیا شبہ نہیں، بلکہ فرعون اور اس کی قوم نے یہی شبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر کیا تھا۔ فرعون کا کہنا یہ تھا کہ میں ملک مصر کا مالک ہوں اور میرے محلات کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس لئے میں موسیٰ علی السلام سے (معاذ اللہ) افضل ہوں، پھر میرے مقابلے میں انہیں نبوت کیونکر مل سکتی ہے؟ لیکن جس طرح اس کا یہ شبہ اس کے کچھ کام نہ آسکا اور وہ اپنی قوم سمیت غرق ہو کر رہا، اسی طرح کفار مکہ کا یہ اعتراض بھی انہیں دنیا و آخرت کے وبال سے نہ بچا سکے گا۔

وَمَا نُرِيهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝
اور ہم انہیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے تھے مگر وہ اپنے سے پہلی مشابہ نشانی سے کہیں بڑھ کر ہوتی تھی
اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تا کہ وہ باز آجائیں۔

قوم فرعون کے طرف طوفان وٹڈیوں کے عذاب کا بیان

"وَمَا نُرِيهِمْ مِنْ آيَة" مِنْ آيَات الْعَذَاب كَالطُّوفَانِ وَهُوَ مَاء دَخَلَ بُيُوتهمْ وَوَصَلَ إِلَى حُلُوق الْجَالِسِينَ سَبْعَة أَيَّام وَالْجَرَاد "إِلَّا هِيَ أَكْبَر مِنْ أُخْتهَا" قَرِينَتهَا الَّتِي قَبْلهَا "وَأَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ" عَنْ الْكُفْر،

اور ہم انہیں عذاب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں دکھاتے تھے جس طرح طوفان ہے اور وہ پانی کا ان کے گھروں میں داخل ہونا ہے حتیٰ کہ ان کے حلق تک جا پہنچا۔ جو سات دن تک ایسے ہی رہا۔ اور اسی طرح ٹڈیوں کا عذاب مگر یہ کہ وہ اپنے سے پہلی مشابہ نشانی سے کہیں بڑھ کر ہوتی تھی یعنی اس کی بہن کی مثل ہوتی جو سابقہ قرینے سے ہے۔ اور بالآخر ہم نے انہیں کئی بار عذاب میں پکڑا تا کہ وہ کفر سے باز آجائیں۔

عذاب کے ہٹتے ہی کفر کی جانب لوٹ جانیوالوں کا بیان

حضرت موسیٰ کو جناب باری نے اپنا رسول و نبی فرما کر فرعون اور اس کے امراء اور اس کی رعایا قبطیوں اور بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تا کہ آپ انہیں توحید سکھائیں اور شرک سے بچائیں آپ کو بڑے بڑے معجزے بھی عطا فرمائے جیسے ہاتھ کا روشن ہو جانا لکڑی کا اژدھا بن جانا وغیرہ۔ لیکن فرعونیوں نے اپنے نبی کی کوئی قدر نہ کی بلکہ تکذیب کی اور تمسخر اڑایا۔ اس پر اللہ کا عذاب آیا تا کہ انہیں عبرت بھی ہو۔ اور نبوت موسیٰ پر دلیل بھی ہو پس طوفان آیا ٹڈیاں آئیں جوئیں آئیں، مینڈک آئے اور کھیت، مال، جان اور پھل وغیرہ کی کمی میں مبتلا ہوئے۔ جب کوئی عذاب آتا تو تلملا اٹھتے حضرت موسیٰ کی خوشامد کرتے انہیں رضامند کرتے ان سے قول قرار

کرتے آپ دعا مانگتے عذاب ہٹ جاتا۔

یہ پھر سرکشی پر اتر آتے پھر عذاب آتا پھر یہی ہوتا ساحر یعنی جادوگر سے وہ بڑا عالم مراد لیتے تھے ان کے زمانے کے علماء کا یہی لقب تھا اور انہی لوگوں میں علم تھا اور ان کے زمانے میں یہ علم مذموم نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا پس ان کا جناب موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہہ کر خطاب کرنا بطور عزت کے تھا اعتراض کے طور پر نہ تھا کیونکہ انہیں تو اپنا کام نکالنا تھا ہر بار اقرار کرتے تھے کہ مسلمان ہو جائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ کر دیں گے پھر جب عذاب ہٹ جاتا تو وعدہ شکنی کرتے اور قول توڑ دیتے۔

وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝
اور انھوں نے کہا اے جادوگر! ہمارے لیے اپنے رب سے اس کے ذریعے دعا کر جو اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے، بے شک
ہم ضرور ہی سیدھی راہ پر آنے والے ہیں۔ پھر جب ہم نے وہ عذاب ان سے ہٹا دیا تو وہ فوراً عہد شکنی کرنے لگے۔

ایمان کا عہد کر کے عہد کو توڑنے والوں کا بیان

"وَقَالُوا" لِمُوسَى لَمَّا رَأَوُا الْعَذَاب "يَا أَيُّهَا السَّاحِر" أَيْ الْعَالِم الْكَامِل لِأَنَّ السِّحْر عِنْدهمْ عِلْم عَظِيم "اُدْعُ لَنَا رَبّك بِمَا عَهِدَ عِنْدك" مِنْ كَشْف الْعَذَاب عَنَّا إِنْ آمَنَّا "إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ" أَيْ مُؤْمِنُونَ، "فَلَمَّا كَشَفْنَا" بِدُعَاءِ مُوسَى "عَنْهُمْ الْعَذَاب إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ" يَنْقُضُونَ عَهْدهمْ وَيُصِرُّونَ عَلَى كُفْرهمْ،

اور انھوں نے جب عذاب کو دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اے جادوگر! یعنی آپ کامل عالم ہیں کیونکہ ان کے نزدیک سحر ایک عظیم علم تھا۔ ہمارے لیے اپنے رب سے اس کے ذریعے دعا کر جو اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے، کہ ہم سے عذاب کو دور کر دے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ بے شک ہم ضرور ہی سیدھی راہ پر آنے والے ہیں۔ پھر جب ہم نے دعائے موسیٰ سے وہ عذاب ان سے ہٹا دیا تو وہ فوراً عہد شکنی کرنے لگے۔ یعنی اسی کفر پر جم گئے۔

یہ کلمہ انکے عرف اور محاورہ میں بہت تعظیم و تکریم کا تھا وہ عالم و ماہر و حاذقِ کامل کو جادوگر کہا کرتے تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ ان کی نظر میں جادو کی بہت عظمت تھی اور وہ اس کو صفتِ مدح سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بوقت التجا اس کلمہ سے ندا کی، کہا۔ ہمارے لیے اپنے رب سے اس کے ذریعے دعا کر جو اس نے تجھ سے عہد کر رکھا ہے، کہ ہم سے عذاب کو دور کر دے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ بے شک ہم ضرور ہی سیدھی راہ پر آنے والے ہیں۔ پھر جب ہم نے دعائے موسیٰ سے وہ عذاب ان سے ہٹا دیا تو وہ فوراً عہد شکنی کرنے لگے۔ یعنی اسی کفر پر جم گئے۔

وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِهٖ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ ۙ وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ ۝

اور فرعون نے اپنی قوم میں پکارا، اے میری قوم! کیا ملکِ مصر میرے قبضہ میں نہیں ہے اور یہ نہریں جو میرے نیچے سے بہہ رہی ہیں پس کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ بلکہ میں اس شخص سے بہتر ہوں، وہ جو حقیر ہے اور قریب نہیں کہ وہ بات واضح کرے۔

فرعون کا اپنی قوم کو اپنی بادشاہت کا فریب دینے کا بیان

"وَنَادٰی فِرْعَوْن" افْتِخَارًا "فِي قَوْمه قَالَ يَا قَوْم أَلَيْسَ لِي مُلْك مِصْر وَهَذِهِ الْأَنْهَار" "مِنْ النِّيل" "تَجْرِي مِنْ تَحْتِي" أَيْ تَحْت قُصُورِي "أَفَلَا تُبْصِرُونَ" عَظَمَتِي، "أَمْ" تُبْصِرُونَ وَحِينَئِذٍ "أَنَا خَيْر مِنْ هَذَا" أَيْ مُوسَى "الَّذِي هُوَ مَهِين" ضَعِيف حَقِير "وَلَا يَكَاد يُبِين" يُظْهِر كَلَامه لِلُثْغَتِهِ بِالْجَمْرَةِ الَّتِي تَنَاوَلَهَا فِي صِغَره،

اور فرعون نے اپنی قوم میں فخر سے پکارا اور کہا: اے میری قوم! کیا ملکِ مصر میرے قبضہ میں نہیں ہے اور یہ نہریں یعنی دریائے نیل سے جو میرے محلات کے نیچے سے بہہ رہی ہیں (کیا میری نہیں ہیں؟) سو کیا تم میرے مرتبے کو دیکھتے نہیں ہو۔ اور اسی طرح کہا بلکہ میں اس شخص سے یعنی موسیٰ علیہ السلام سے بہتر ہوں، وہ جو حقیر کمزور ہے اور قریب نہیں کہ وہ بات واضح کرے۔ یعنی جو کلام واضح نہیں کرسکتا کیونکہ آپ نے بچپن میں چنگاری منہ میں رکھی تھی جس کے سبب زبان میں لکنت آئی۔

فرعون کا اپنی قوم کو ملکی دفاع کے نام پر دھوکہ دینے کا بیان

فرعون کی سرکشی اور خود بینی بیان ہورہی ہے کہ اس نے اپنی قوم کو جمع کرکے ان میں بڑی باتیں ہانکنے لگا اور کہا کیا میں تنہا ملک مصر کا بادشاہ نہیں ہوں؟ کیا میرے باغات اور محلات میں نہریں جاری نہیں؟ کیا تم میری عظمت وسلطنت کو دیکھ نہیں رہے؟ پھر موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھو جو فقراء اور ضعفاء ہیں۔ کلام پاک میں اور جگہ ہے اس نے جمع کرکے سب سے کہا میں تمہارا بلند و بالا رب ہوں جس پر اللہ نے اُسے یہاں کے اور وہاں کے عذابوں میں گرفتار کیا (ام) معنی میں (بل) کے ہے۔ بعض قاریوں کی قرأت (اما انا) بھی ہے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں اگر یہ قرأت صحیح ہو جائے تو معنی تو بالکل واضح اور صاف ہوجاتے ہیں لیکن یہ قرأت تمام شہروں کی قرأت کے خلاف ہے سب کی قرأت (ام) استفہام کی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ فرعون ملعون اپنے آپ کو حضرت کلیم اللہ سے بہتر و برتر بنارہا ہے اور یہ دراصل اس ملعون کا جھوٹ ہے۔ (مھین) کے معنی حقیر، ضعیف، بیمال، بیشان۔ پھر کہتا ہے موسیٰ تو صاف بولنا بھی نہیں جانتا اس کا کلام فصیح نہیں وہ اپنا مافی الضمیر ادا نہیں کرسکتا بعض کہتے ہیں بچپن میں آپ نے اپنے منہ میں آگ کا انگارہ رکھ لیا تھا جس کا اثر زبان پر باقی رہ گیا تھا۔ یہ بھی فرعون کا مکر جھوٹ اور دجل ہے۔

حضرت موسیٰ صاف گو صحیح کلام کرنے والے ذی عزت بارعب و وقار تھے۔ لیکن چونکہ ملعون اپنی کفر کی آنکھ سے نبی اللہ کو دیکھتا تھا اس لئے اسے یہی نظر آتا تھا۔ حقیقتاً ذلیل و غبی تھا۔ گو حضرت موسیٰ کی زبان میں بوجہ اس انگارے کے جسے بچپن میں منہ میں رکھ لیا تھا کچھ لکنت تھی لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور آپ کی زبان کی گرہ کھل گئی تا کہ آپ لوگوں کو باآسانی اپنا مدعا سمجھا سکیں۔ اور اگر مان لیا جائے کہ تاہم کچھ باقی رہ گئی تھی کیونکہ دعا کلیم میں اتنا ہی تھا کہ میری زبان کی اس قدر گرہ کھل جائے کہ لوگ میری بات سمجھ لیں۔ تو یہ بھی کوئی عیب کی بات نہیں اللہ تعالیٰ نے جس کسی کو جیسا بنا دیا وہ ویسا ہی ہے اس میں عیب کی کونسی بات ہے؟ دراصل فرعون ایک کلام بنا کر ایک مسودہ گھڑ کر اپنی جاہل رعایا کو بھڑکانا اور بہکانا چاہتا تھا، دیکھئے وہ آگے چل کر کہتا ہے کہ کیوں جی اس پر آسمان سے ہن کیوں نہیں برستا مالداری تو اسے اتنی ہونی چاہیے کہ ہاتھ سونے سے پر ہوں لیکن یہ محض مفلس ہے اچھا یہ بھی نہیں تو اللہ اس کے ساتھ فرشتے ہی کر دیتا جو کم از کم ہمیں باور کرا دیتے کہ یہ اللہ کے نبی ہیں، غرض ہزار جتن کر کے لوگوں کو بیوقوف بنا لیا اور انہیں اپنا ہم خیال اور ہم سخن کر لیا۔ یہ خود فاسق فاجر تھے فسق و فجور کی پکار پر فوراً ریجھ گئے پس جب ان کا پیمانہ چھلک گیا اور انہوں نے دل کھول کر رب کی نافرمانی کر اور رب کو خوب ناراض کر دیا تو پھر اللہ کا کوڑا ان کی پیٹھ پر برسا اور اگلے پچھلے سارے کرتوت پکڑ لئے گئے یہاں ایک ساتھ پانی میں غرق کر دیئے گئے وہاں جہنم میں جلتے جھلتے رہیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کسی انسان کو اللہ دنیا دیتا چلا جائے اور وہ اللہ کی نافرمانیوں پر جما ہوا ہو تو سمجھ لو کہ اللہ نے اسے ڈھیل دے رکھی ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ زخرف، بیروت)

حضرت عبداللہ کے سامنے جب اچانک موت کا ذکر آیا تو فرمایا ایمان دار پر تو یہ تخفیف ہے اور کافر پر حسرت ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کو پڑھ کر سنایا حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں انتقام غفلت کے ساتھ ہے۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں نمونہ بنا دیا کہ ان کے سے کام کرنے والے ان کے انجام کو دیکھ لیں اور یہ مثال یعنی باعث عبرت بن جائے کہ ان کے بعد آنے والے ان کے واقعات پر غور کریں اور اپنا بچاؤ ڈھونڈیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ زخرف، بیروت)

فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ٥
فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ٥
پس اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے، یا اس کے ہمراہ فرشتے مل کر کیوں نہیں آئے؟ پس اس نے اپنی قوم کو
بیوقوف بنا لیا، سو ان لوگوں نے اس کا کہنا مان لیا، بیشک وہ لوگ ہی نافرمان قوم تھے۔

فرعون کا قوم کو رواج یاد دلا کر نبوت کی تکذیب کرنے کا بیان

"فَلَوْلَا" هَلَّا "أُلْقِيَ عَلَيْهِ" إنْ كَانَ صَادِقًا "أَسْوِرَة مِنْ ذَهَب" جَمْع أَسْوِرَة كَأَغْرِبَةٍ جَمْع سِوَار كَعَادَتِهِمْ فِيمَنْ يُسَوِّدُونَهُ أَنْ يُلْبِسُوهُ أَسْوِرَة ذَهَب وَيُطَوِّقُونَهُ طَوْق ذَهَب "أَوْ جَاء مَعَهُ

الْمَلَائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ " مُتَتَابِعِينَ يَشْهَدُونَ بِصِدْقِهِ، "فَاسْتَخَفَّ" اسْتَفَزَّ فِرْعَوْنُ "قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ" فِيمَا يُرِيدُ مِنْ تَكْذِيبِ مُوسَى،

پس اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے، اگر وہ سچا ہے، یہاں پر لفظ اُسورہ یہ اغربہ کی طرح جمع ہے جس کی واحد سوار ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کی عادت ورواج یہ تھا کہ جس شخص کو سردار بناتے اس کو سونے کے کنگن اور سونے کے ہار پہنایا کرتے تھے۔ یا اس کے ہمراہ فرشتے مل کر کیوں نہیں آئے؟ جو ان کی صداقت کی گواہی دیتے۔ پس اس نے ان باتوں سے اپنی قوم کو بیوقوف بنایا، سوان لوگوں نے اس کا کہنا مان لیا، بیشک وہ لوگ ہی نافرمان قوم تھے۔ یعنی انہوں نے اس میں موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کا ارادہ کیا۔

یعنی اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو واجب الاطاعت سردار بنایا ہے تو انہیں سونے کا کنگن کیوں نہیں پہنایا یہ بات اس نے اپنے زمانہ کے دستور کے مطابق کہی کہ اس زمانہ میں جس کسی کو سردار بنایا جاتا تھا اس کو سونے کے کنگن اور سونے کا طوق پہنایا جاتا تھا۔

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ٥ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ٥
پھر جب انہوں نے ہمیں شدید غضبناک کر دیا تو ہم نے ان سے بدلہ لے لیا اور ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ پس ہم نے
انہیں گیا گزرا کر دیا اور پیچھے آنے والوں کے لئے نمونہ عبرت بنا دیا۔

سابقہ اقوام کی ہلاکتوں کا باعث عبرت ہونے کا بیان

"فَلَمَّا آسَفُونَا" أَغْضَبُونَا، "فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا" جَمْع سَالِف كَخَادِمٍ وَخَدَم أَيْ سَابِقِينَ عِبْرَة "وَمَثَلًا لِلْآخِرِينَ" بَعْدهمْ يَتَمَثَّلُونَ بِحَالِهِمْ فَلَا يَقْدَمُونَ عَلَى مِثْل أَفْعَالهمْ،

پھر جب انہوں نے (موسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی کر کے) ہمیں شدید غضبناک کر دیا۔ تو ہم نے ان سے بدلہ لے لیا اور ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ یہاں پر لفظ سلفنا یہ سالف کی جمع ہے۔ جس طرح خادم اور خدم ہے۔ یعنی سابقین کیلئے واقعہ اور بعد والوں کیلئے عبرت بنا دیا۔ پس ہم نے انہیں گیا گزرا کر دیا اور پیچھے آنے والوں کے لئے نمونہ عبرت بنا دیا۔ اور بعد والوں کیلئے ایسی مثال کہ وہ ان کی حالت کی مثال بیان کرتے تا کہ کوئی ان جیسے کاموں کی ہمت نہ کر سکے۔

قوم فرعون کو فرعون نے بے وقوف بنا لیا

ایسی ہی باتیں کہہ کر فرعون نے اپنی قوم کو الو بنایا اور وہ الو بن گئے۔ اس لیے کہ وہ فاسق لوگ تھے۔ جن کو اپنے دنیوی مفادات کے علاوہ اور کسی بات سے غرض ہی نہ تھی۔ اور وہ انہیں فرعون کا غلام بنا رہنے میں ہی نظر آ رہے تھے۔ فرعون پر اگرچہ حقیقت واضح ہو چکی تھی مگر وہ یہ سارے پاپڑ اس لیے بیل رہا تھا کہ اس کی حکومت میں کمزوری اور تزلزل واقع نہ ہو۔ وہ عام لوگوں کی ذہنیت کو بھی

خوب جانتا تھا کہ ایسے بے ضمیر، بے اصول اور بے عقل لوگوں سے کیسے کام نکالا اور انہیں اپنی باتوں پر لگایا جا سکتا ہے؟

قوم فرعون کے غرق ہونے کا بیان

یہ اسف سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی ہیں افسوس، لہٰذا اس جملے کے لفظی معنی ہوئے پس جب انہوں نے ہمیں افسوس دلایا اور افسوس بکثرت غصہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اس لئے اس کا با محاورہ ترجمہ عموماً اس طرح کیا جاتا ہے کہ جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا۔ اور چونکہ باری تعالیٰ افسوس اور غصہ کی انفعالی کیفیات سے پاک ہے اس لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے کام ایسے کئے جس سے ہم نے انہیں سزا دینے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ زخرف، بیروت)

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ٥وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا
خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَاضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ٥
اور جب ابن مریم کو بطور مثال بیان کیا گیا، اچانک آپ کی قوم اس پر شور مچا رہے تھے۔ اور انھوں نے کہا کیا ہمارے معبود
بہتر ہیں یا وہ؟ انھوں نے تیرے لیے یہ صرف جھگڑنے ہی کے لیے بیان کی ہے، بلکہ وہ جھگڑالو لوگ ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معبودان باطلہ میں شامل نہ ہونے کا بیان

"وَلَمَّا ضُرِبَ" جُعِلَ "ابْن مَرْيَم مَثَلًا" حِين نَزَلَ قَوْله تَعَالَى "إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُون اللَّه حَصَب جَهَنَّم" فَقَالَ الْمُشْرِكُونَ : رَضِينَا أَنْ تَكُون آلِهَتنَا مَعَ عِيسَى لِأَنَّهُ عُبِدَ مِنْ دُون اللَّه "إِذَا قَوْمك" أَيْ الْمُشْرِكُونَ "مِنْهُ" مِنْ الْمَثَل "يَصِدُّونَ" يَضْحَكُونَ فَرَحًا بِمَا سَمِعُوا، "وَقَالُوا أَآلِهَتنَا خَيْر أَمْ هُوَ" أَيْ عِيسَى فَنَرْضَى أَنْ تَكُون آلِهَتنَا مَعَهُ "مَا ضَرَبُوهُ" أَيْ الْمَثَل "لَك إِلَّا جَدَلًا" خُصُومَة بِالْبَاطِلِ لِعِلْمِهِمْ أَنَّ مَا لِغَيْرِ الْعَاقِل فَلَا يَتَنَاوَل عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَام "بَلْ هُمْ قَوْم خَصِمُونَ" شَدِيدُو الْخُصُومَة

اور جب ابن مریم کو بطور مثال بیان کیا گیا، اچانک تیری قوم کے لوگ اس پر شور مچا رہے تھے۔ یعنی جس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا کہ بے شک تم اور اس کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں۔ تو مشرکین نے کہا کہ ہم اس بات پر راضی ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے معبود ہوں۔ کیونکہ ان کی عبادت بھی من دون اللہ ہے۔ جب آپ قوم یعنی مشرکین سے یہ مثال بیان کی تو وہ خوشی سے ہنستے تھے اس بات پر جو انہوں نے سنا۔ اور انھوں نے کہا کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام؟ پس ہم اس بات پر راضی ہیں کہ وہ ہمارے معبودوں کے ساتھ ہوں۔ انھوں نے تیرے لیے یہ مثال صرف جھگڑنے ہی کے لیے بیان کی ہے، بلکہ وہ جھگڑالو لوگ ہیں۔ یعنی ان کا یہ جھگڑنا محض باطل تھا حالانکہ ان کے علم میں یہ بات ہے لفظ ما یہ غیر ذوالعقول کیلئے آتا ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام شامل ہی نہیں ہیں۔

سورہ زخرف آیت ۵۷ کے شان نزول کا بیان

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ قرآن میں ایک آیت ہے مجھ سے کسی نے اس کی تفسیر نہیں پوچھی میں نہیں جانتا کہ کیا ہر ایک اسے جانتا ہے یا نہ جان کر پھر بھی جاننے کی کوشش نہیں کرتے؟ پھر اور باتیں بیان فرماتے رہے یہاں تک کہ مجلس ختم ہوئی اور آپ چلے گئے۔ اب ہمیں بڑا افسوس ہونے لگا کہ وہ آیت تو پھر بھی رہ گئی اور ہم میں سے کسی نے دریافت ہی نہ کیا۔ اس پر ابن عقیل انصاری کے مولیٰ ابو یحییٰ نے کہا کہ اچھا کل صبح جب تشریف لائیں گے تو میں پوچھ لوں گا۔ دوسرے دن جو آئے تو میں نے ان کی کل کی بات دہرائی اور ان سے دریافت کیا کہ وہ کونسی آیت ہے؟

آپ نے فرمایا ہاں سنو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قریش سے فرمایا کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت اللہ کے سوا کی جاتی ہو اور اس میں خیر ہو۔ اس پر قریش نے کہا کیا عیسائی حضرت عیسیٰ کی عبادت نہیں کرتے؟ اور کیا آپ حضرت عیسیٰ کو اللہ کا نبی اور اس کا برگزیدہ نیک بندہ نہیں مانتے؟ پھر اس کا کیا مطلب ہوا کہ اللہ کے سوا جس کی عبادت کی جاتی ہے وہ خیر سے خالی ہے؟ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ زخرف، بیروت)

جھگڑے کے سبب اقوام کے گمراہ ہونے کا بیان

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی قوم ہدایت پانے کے بعد اس وقت تک گمراہ نہیں ہوتی جب تک اس میں جھگڑا نہیں شروع ہو جاتا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ، اور کہا کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ یہ ذکر آپ سے جھگڑنے کے لئے کرتے ہیں بلکہ وہ تو جھگڑالو ہی ہیں)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف حجاج بن دینار کی روایت سے جانتے ہیں اور حجاج ثقہ اور مقارب الحدیث ہیں۔ نیز ابو غالب کا نام حزرو ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1201)

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝
وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝
وہ محض ایک بندہ تھے جن پر ہم نے انعام فرمایا اور ہم نے انہیں بنی اسرائیل کے لئے نمونہ بنایا تھا۔ اور اگر ہم چاہتے
تو ہم تمہارے بدلے زمین میں فرشتے پیدا کر دیتے جو تمہارے جانشین ہوتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے دلائل قدرت کا بیان

"اِنْ" مَا "هُوَ" عِيسَى "اِلَّا عَبْد اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ" بِالنُّبُوَّةِ "وَجَعَلْنَاهُ" بِوُجُودِهِ مِنْ غَيْر اَب "مَثَلًا لِبَنِي اِسْرَائِيل" اَيْ كَالْمَثَلِ لِغَرَابَتِهِ يُسْتَدَلّ بِهِ عَلَى قُدْرَة اللّٰه تَعَالَى عَلَى مَا يَشَاء، "وَلَوْ نَشَاء لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ" بَدَلكُمْ "مَلَائِكَة فِي الْاَرْض يَخْلُفُونَ" بِاَنْ نُهْلِككُمْ،

وہ عیسیٰ علیہ السلام محض ایک برگزیدہ بندہ تھے جن پر ہم نے نبوت کا انعام فرمایا اور ہم نے انہیں بنی اسرائیل کے لئے نمونہ بنایا تھا۔ یعنی بغیر باپ کے پیدا کیا۔ یعنی مثال کی طرح ان کے عجیب طریقے سے پیدا ہونا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرے اور اگر ہم چاہتے تو ہم تمہارے بدلے زمین میں فرشتے پیدا کر دیتے جو تمہارے جانشین ہوتے۔ جبکہ تمہیں ہم ہلاک کر دیتے۔

حضرت عیسیٰ اللہ عزوجل کے بندوں میں سے ایک بندے تھے۔ جن پر نبوت ورسالت کا انعام باری تعالیٰ ہوا تھا اور انہیں اللہ کی قدرت کی نشانی بنا کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا تھا تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ جو چاہے اس پر قادر ہے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو تمہارے جانشین بنا کر فرشتوں کو اس زمین میں آباد کر دیتے۔ یا یہ کہ جس طرح تم ایک دوسرے کے جانشین ہوتے ہو یہی بات ان میں کر دیتے مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

مجاہد فرماتے ہیں یعنی بجائے تمہارے زمین کی آبادی ان سے ہوتی ہے اس کے بعد جو فرمایا ہے کہ وہ قیامت کی نشانی ہے اس کا مطلب جو ابن اسحاق نے بیان کیا ہے وہ کچھ ٹھیک نہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ دور کی بات یہ ہے۔

حضرت قتادہ، حضرت حسن بصری اور حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ہ کی ضمیر کا مرجع عائد ہے حضرت عیسیٰ پر یعنی حضرت عیسیٰ قیامت کی ایک نشانی ہیں۔ اس لئے کہ اوپر سے ہی آپ کا بیان چلا آ رہا ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ مراد یہاں حضرت عیسیٰ کا قیامت سے پہلے کا نازل ہونا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ زخرف، بیروت)

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○
اور بیشک وہ قیامت کی علامت ہوں گے، پس تم ہرگز اس میں شک نہ کرنا اور میری پیروی کرتے رہنا، یہ سیدھا راستہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قرب قیامت نزول کا بیان

"وَإِنَّهُ" أَيْ عِيسَى "لَعِلْم لِلسَّاعَةِ" تُعْلَم بِنُزُولِهِ "فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا" أَيْ تَشُكُّنَّ فِيهَا حُذِفَ مِنْهُ نُون الرَّفْع لِلْجَزْمِ وَوَاو الضَّمِير لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ "وَ" قُلْ لَهُمْ "اتَّبِعُونِ" عَلَى التَّوْحِيد "هَذَا" الَّذِي آمُرُكُمْ بِهِ "صِرَاط" طَرِيق،

اور بیشک وہ عیسیٰ علیہ السلام جب آسمان سے نزول کریں گے تو قرب قیامت کی علامت ہوں گے، پس تم ہرگز اس میں شک نہ کرنا۔ یہاں پر لفظ تمترن میں نون رافع کو اور التقائے ساکنین کے سبب واؤ کو حذف کیا گیا ہے۔ اور آپ ان کے فرما دیں اور توحید میں میری پیروی کرتے رہنا، یہ سیدھا راستہ ہے۔ جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے " سے مراد ان کا آسمان سے زمین پر اترنا ہے، چنانچہ یہ بات صحیح احادیث کے ذریعہ بالتحقیق ثابت ہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر دنیا میں تشریف لائیں گے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا اتباع کریں گے اور اپنے تمام احکام وفرامین شریعت محمدی کے مطابق جاری ونافذ کریں گے جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام بعض ایسے احکام جاری کریں گے جو شریعت محمدی میں نہیں ہونگے جیسے جزیہ کو اٹھا دینا وغیرہ تو وہ

بیان مدت کے قبیل سے ہے جیسا کہ نسخ کا مسئلہ ہے اور اس اعتبار سے اس زمانہ میں وہ احکام بھی شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ایک جزء ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول وحکمرانی کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یقیناً عیسیٰ ابن مریم (آسمان سے تمہارے درمیان اتریں گے جو ایک عادل حاکم ہوں گے وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے۔ سور کو مار ڈالیں گے (یعنی اس کو پالنا اور کھانا مطلق حرام وممنوع اور اس کو مار ڈالنا مباح کر دیں گے) جزیہ کو اٹھا دیں گے (ان کے زمانہ میں) مال ودولت کی فراوانی ہوگی یہاں تک کہ کوئی اس کا خواہشمند نہ رہے گا۔ اور اس وقت ایک سجدہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہوگا" (اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے کہ اگر تم اس بات میں کوئی شک وشبہ رکھتے ہو اور دلیل حاصل کرنا) چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو (وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ) 4۔ النساء: 159) یعنی کوئی اہل کتاب (خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی) ایسا باقی نہیں رہے گا جو عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی وفات سے پہلے ایمان نہ لے آئے گا۔" (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 74)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور غیر اسلامی رسومات کی بیخ کنی کا بیان

صلیب "اصل میں دو مثلث لکڑیوں کا نام ہے جو جمع کی شکل میں ہوتی ہیں اور یہ شکل ایسا ظاہر کرتی ہے جیسے کسی شخص کو سولی پر لٹکا رکھا ہو۔ عیسائیوں کا عقیدہ چونکہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا اور پھر اللہ نے ان کو زندہ کر کے اپنے پاس آسمان پر بلا لیا اس اس لئے انہوں نے سولی کی اس شکل کو اپنا مذہبی نشان بنا لیا ہے اور یہ مذہبی نشان ان کی ہر چیز میں نمایاں رہتا ہے اور جس طرح اہل ہنود اپنے گلے میں زنار ڈالتے ہیں اسی طرح عیسائی بھی سولی کا یہ نشان اپنے گلے میں لٹکاتے ہیں بعض تو اس نشان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر تک بنوا لیتے ہیں تا کہ ان کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھائے جانے کی یادگار مکمل صورت میں رہے لہٰذا" وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے" سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، نصرانیت (یعنی عیسائی مذہب) کو باطل اور کالعدم قرار دیدیں گے اور شریعت محمدی ہی کو جاری ونافذ قرار دیں گے کہ ان کا ہر حکم وفیصلہ ملت حنفیہ کے مطابق ہوگا۔ جزیہ کو اٹھا دیں گے کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی نظام حکومت اور اس کے شرعی دستور کی جو ایک شق یہ ہے کہ اس کی حدود مملکت میں اگر کوئی غیر مسلم رہنا چاہے تو وہ ایک مخصوص ٹیکس جس کو جزیہ کہتے ہیں ادا کر کے جان ومال کی حفاظت کے ساتھ رہ سکتا ہے اور اس کو "ذمی" کہا جاتا ہے۔

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ کی یہ شق ختم کر دیں گے اور یہ قانون نافذ کریں گے کہ ان کی مملکت اسلامی کا شہری صرف مسلمان ہو سکتا ہے چنانچہ وہ حکم دیں گے کہ جتنے ذمی ہیں وہ سب مسلمان ہو جائیں ان کی حکومت کسی سے بھی دین حق کے علاوہ اور کوئی چیز قبول نہیں کرے گی اور چونکہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت سے ہر شخص کا ذہن وفکر خیر کی طرف مائل ہوگا اس

لئے تمام غیر مسلم ایمان لے آئیں گے پس اس جملہ کا حاصل بھی یہی ہے کہ وہ عیسائیت اور اس کے احکام و آثار کو بالکل مٹا دیں گے اور صرف اسلامی شریعت کو جاری و نافذ قرار دیں گے۔

اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذمیوں سے جزیہ اس لئے اٹھائیں گے کہ ان کے زمانہ میں مال و دولت کی فراوانی اور اہل حرص کی کمی کی وجہ سے ایسا کوئی محتاج و ضرورتمند نہیں رہے گا جو ان سے جزیہ کا مال لینے والا ہو اس کی تائید آگے کی عبارت (ان کے زمانہ میں) مال و دولت کی فراوانی ہوگی الخ سے ہوتی ہے۔ حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدۃ الخ میں پہلا حتی تو یفیض المال سے متعلق ہے اور دوسرا "حتی" ان تمام مضامین سے متعلق ہے جو پہلے مذکور ہوئے ہیں یعنی صلیب توڑ ڈالنا وغیرہ! پس مطلب یہ ہے کہ دین اسلام اس طرح پھیل جائے گا اور اطاعت و عبادت کے ذریعہ آپس میں میل و محبت اس طرح پیدا ہو جائے گی کہ ایک سجدہ دنیا کی تمام متاع سے بہتر او قیمتی سمجھا جائے گا! یوں تو ہر زمانہ میں اور ہر وقت ایک سجدہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہوتا ہے یہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی خصوصیت نہیں ہے۔

لیکن یہ بات صرف اسی لئے کہی گئی ہے کہ اس زمانہ میں عبادت و اطاعت دراصل انسان کی طبیعت کا جز اور نفس کا تقاضا بن جائے گی اور لوگ طبعی طور پر بھی ایک سجدہ کو دنیا کی تمام متاع سے زیادہ پسندیدہ اور بہت سمجھنے لگیں گے! تاہم یہ احتمال بھی ہے کہ دوسرا "حتی" بھی "یفیض" سے متعلق ہو، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس وقت مال و دولت کی اس قدر فراوانی ہوگی اور ہر شخص اس طرح مستغنی و بے نیاز ہو جائے گا کہ کسی کو اس (مال و دولت) کی کوئی رغبت و خواہش ہی نہیں رہے گی اور جب یہ صورت حال ہوگی تو مال کو خرچ کرنے کی فضیلت و پسندیدگی بھی جاتی رہے گی اور اصل ذوق و لگاؤ نماز سے باقی رہے گا کہ لوگ ایک سجدہ میں جو کیف و بھلائی محسوس کریں گے وہ دنیا کی کسی بھی چیز میں نہیں پائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس آیت کریمہ کا ذکر کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کے بعد جب ایک ہی ملت اور ایک ہی دین کا دور دورہ ہو جائے گا اور تمام لوگوں کے درمیان سے دینی و مذہبی اختلاف و منافرت کا خاتمہ ہو جائے گا تو یہود و نصاریٰ کا وہ اختلاف و نفرت بھی کالعدم ہو جائے گا جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تئیں رکھتے ہیں۔ اور وہ (یہود و نصاریٰ) بھی اس ایمان و عقیدے کے حامل ہو جائیں گے جو مسلمان کا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی ایک بندی مریم کے بیٹے ہیں واضح رہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے مراد وہ یہود و نصاریٰ ہیں جو اس زمانہ میں ہوں گے۔

اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے جو بیان کی گئی اور حضرت ابو ہریرہ نے اسی اعتبار سے اس آیت کو حدیث کے مضمون کی دلیل قرار دیا ہے۔ دوسری جو تفسیر بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے ایسا کوئی شخص نہیں جو اپنے مرنے سے پہلے (نزع کی حالت میں) ایمان نہ لاتا ہو لیکن اس وقت کا ایمان لانا کوئی اعتبار نہیں رکھتا اس تفسیر کی روشنی میں ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الا لیؤمنن بہ میں بہ کی ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا اللہ سبحانہ کی طرف راجع ہو اگر آیت کی یہی تفسیر مراد لی جائے تو پھر حاصل یہ نکلے گا

کہ ہر کافر مرنے سے پہلے (نزع کی حالت) اضطراری طور پر ایمان لاتا ہے لیکن اس وقت کا ایمان چونکہ کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا اس لئے چاہیئے کہ وہ (کافر اس وقت سے پہلے ہی بقصد و اختیار ایمان قبول کرنے پر آمادہ ہو۔

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○
اور کہیں شیطان تمھیں روک نہ دے، بے شک وہ تمھارے لیے کھلا دشمن ہے۔

شیطان کا عداوات میں کھلا دشمن ہونے کا بیان

"وَلَا يَصُدَّنكُمْ" يَصرِفنكُمْ عَنْ دِين اللّٰه "الشَّيْطَان إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوّ مُبِين" بَيِّن الْعَدَاوَة

اور کہیں شیطان تمھیں اللہ کے دین سے روک نہ دے، بے شک وہ تمھارے لیے عدوات میں کھلا دشمن ہے۔

یعنی جو شخص بھی قیامت کے آنے میں شک کرتا ہے وہ سمجھ لے کہ وہ شیطان کے ہتھے چڑھ چکا ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لے کہ شیطان کی سب سے بڑی دشمنی اور سب سے بڑی گمراہی یہی ہے کہ کوئی شخص قیامت کے بارے میں شک کرنے لگ جائے۔ اور شیطان سے بچنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ انسان اللہ کی دی ہوئی ہدایات پر ناک کی سیدھ چلتا جائے۔ ادھر ادھر بالکل نہ مڑے۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○
اور جب عیسیٰ (علیہ السلام) واضح نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے کہا: یقیناً میں تمہارے پاس حکمت و دانائی لے کر آیا ہوں
اور کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تمہارے لئے خوب واضح کر دوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزات و احکام شرعیہ لے کر آنے کا بیان

"وَلَمَّا جَاءَ عِيسَى بِالْبَيِّنَاتِ" بِالْمُعْجِزَاتِ وَالشَّرَائِع "قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ" بِالنُّبُوَّةِ وَشَرَائِع الْإِنْجِيل "وَلِأُبَيِّن لَكُمْ بَعْض الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ" مِنْ أَحْكَام التَّوْرَاة مِنْ أَمْر الدِّين وَغَيْره فَبَيَّنَ لَهُمْ أَمْر الدِّين،

اور جب عیسیٰ علیہ السلام واضح نشانیاں یعنی معجزات اور احکام شرعیہ لے کر آئے تو انہوں نے کہا: یقیناً میں تمہارے پاس حکمت یعنی نبوت اور انجیل کے احکام لے کر آیا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ بعض باتیں جن میں یعنی احکام تورات میں جو دینی احکام ہیں ان میں تم اختلاف کر رہے ہو تمہارے لئے دینی احکام کو خوب واضح کر دوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

البینت کھلی دلیلیں۔ بینہ کی جمع واضح اور کھلی دلیل خواہ دلالت عقلیہ ہو یا محسوسہ۔ یہاں مراد معجزات حضرت عیسیٰ یا انجیل کی

آیات یا واضح احکام ہیں۔ جئتکم بالحکمۃ میں تمہارے پاس حکمت و موعظت کی باتیں لے کر آیا ہوں۔

ولابین ای وجئتکم لابین ۔ واو عاطفہ۔ اس کا عطف جملہ سابقہ پر ہے لام علت کا ہے ابین مضارع واحد متکلم۔ تبین تفعیل مصدر اور (اس لئے آیا ہوں) کہ کھول کر بیان کروں۔ بعض الذی تختلفون فیہ: ای بعض امور الدین تختلفون فیہ ان شرعی و دینی امور کی تصریح جن کی بابت تمہارا آپس میں اختلاف ہے۔ فاتقوا اللّٰہ سوتم اللہ سے ڈرو۔ ف سببیہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پر حکمت تعلیم کا لانا حصول تقویٰ کا سبب ہے واطیعون: اطیعوا امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر اطاعۃ (افعال) مصدر۔ ن وقایہ ی واحد متکلم محذوف ہے۔ اور تم سب میری اطاعت کرو۔ میرا کہنا مانو۔ (تفسیر مظہری، سورہ زخرف، لاہور)

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّي وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ
مِنْ بَيْنِهِمْ ج فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ أَلِيْمٍ ○
بے شک اللہ ہی میرا رب اور تمھارا رب ہے، پس اس کی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔ پھر کئی گروہوں نے آپس میں
اختلاف کیا، سو ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم کیا ایک دردناک دن کے عذاب سے بڑی ہلاکت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کو رب ماننے کے اعلان کا بیان

"إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هٰذَا صِرَاط" طَرِيق، "فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَاب مِنْ بَيْنهمْ" فِي عِيسَى أَهُوَ اللّٰه أَوْ ابْن اللّٰه أَوْ ثَالِث ثَلَاثَة "فَوَيْل" كَلِمَة عَذَاب "لِلَّذِينَ ظَلَمُوا" كَفَرُوا بِمَا قَالُوهُ فِي عِيسَى "مِنْ عَذَاب يَوْم أَلِيم" مُؤْلِم،

بے شک اللہ ہی میرا رب اور تمھارا رب ہے، پس اس کی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔ پھر کئی گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا، یعنی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیا وہ اللہ ہیں یا ابن اللہ ہیں یا تین میں تیسرے ہیں سو ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم کیا ایک دردناک دن کے عذاب سے بڑی ہلاکت ہے۔ یہاں پر لفظ ویل یہ عذاب کا کلمہ ہے۔ کیونکہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ کہا وہ کفر کیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ان میں سے کسی نے کہا کہ عیسیٰ خدا تھے، کسی نے کہا خدا کے بیٹے، کسی نے کہا، تین میں کے تیسرے، غرض نصرانی فرقے فرقے ہوگئے یعقوبی، نسطوری، ملکانی، شمعونی۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○
یہ لوگ کیا انتظار کر رہے ہیں کہ قیامت ان پر اچانک آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔

کفار مکہ کا قیامت کا انتظار کرنے کا بیان

"هَلْ يَنْظُرُونَ" أَيْ كُفَّار مَكَّة أَيْ مَا يَنْتَظِرُونَ "إِلَّا السَّاعَة أَنْ تَأْتِيهِمْ" بَدَل مِنْ السَّاعَة "بَغْتَة"

فَجْأَۃً "وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ" بِوَقْتِ مَجِيئِهَا قَبْلَه،

یہ لوگ یعنی کفار مکہ کیا انتظار کر رہے ہیں بس یہی کہ قیامت ان پر اچانک آ جائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ یہاں پر لفظ تا تیہم یہ ساعۃ سے بدل ہے۔ یعنی اس کے آنے سے پہلے انہیں کوئی پتہ بھی نہ چلے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ کچھ دیہاتی لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کرتے اور یہ پوچھا کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) اس بچے کی طرف دیکھتے جوان پوچھنے والوں کے ساتھ ہوتا تھا اور پھر فرماتے کہ اگر یہ بچہ زندہ رہا تو یہ بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے نہیں پائے گا کہ تم پر تمہاری قیامت ہو جائے گی۔"

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 82)

اگر یہ بچہ زندہ رہا الخ" کا مطلب یہ تھا کہ اس بچہ کے بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے سے پہلے تم سب وفات پا جاؤ گے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا مذکورہ مدت کے عرصہ کے بعد ایک نسل کے خاتمہ اور ایک قرن یعنی عہد کے اختتام پذیر ہو جانے کی طرف اشارہ فرمایا اور یہ ایک پوری نسل کا ختم ہو جانا اور ایک زمانہ کا اپنی مدت کو پہنچ کر اختتام پذیر ہو جانا) ایک طرح سے قیامت ہی ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو" ساعتکم "" تمہاری قیامت سے تعبیر فرمایا اس حدیث کے سلسلہ میں زیادہ واضح بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ پوچھنے والوں نے "قیامت کبری" کے بارے میں پوچھا اور چونکہ ان کا یہ سوال ایسا تھا جس کا صحیح جواب دینا ممکن ہی نہیں تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیمانہ اسلوب میں مذکورہ جواب عنایت فرمایا۔ ساعتکم " (تمہاری قیامت)" اس مراد بعض حضرات کے نزدیک قیامت صغری یعنی پوچھنے والوں کا مر جانا" ہے اور بعض شارحین نے اس سے "قیامت وسطی" مراد لی ہے، جس کا مطلب ان جیسی عمر رکھنے والے سب لوگوں کا مر جانا ہے اور یہ طے ہے کہ یہ بات اکثر و غالب کے اقرار کے اعتبار سے فرمائی گئی ہے۔

اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ
عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝
سارے دوست واحباب اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔ اے میرے بندو!
آج کے دن تم پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی تم غم زدہ ہو گے۔

قیامت کے دن برے لوگوں کی دوستی کا عداوت میں بدل جانے کا بیان

"اَلْأَخِلَّاء " عَلَى الْمَعْصِيَة فِي الدُّنْيَا "يَوْمَئِذٍ" يَوْم الْقِيَامَة مُتَعَلِّق بِقَوْلِهِ "بَعْضهمْ لِبَعْضٍ عَدُوّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ " الْمُتَحَابِّينَ فِي اللّٰه عَلَى طَاعَته فَإِنَّهُمْ أَصْدِقَاء وَيُقَال لَهُمْ : "يَا عِبَاد لَا خَوْف عَلَيْكُمْ الْيَوْم وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ"

دنیا میں ہونے والے سارے دوست واحباب جو معصیت کی وجہ سے دوست تھے۔اس دن یعنی قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔سوائے پرہیزگاروں کے جو اللہ کی اطاعت کی وجہ سے آپس میں محبت کرتے ہوں بے شک انہی کی دوستی ہے۔اُن سے فرمایا جائے گا،اے میرے مقرب بندو! آج کے دن تم پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی تم غم زدہ ہو گے۔

قیامت کے دن کی دوستی کا بیان

دینی دوستی اور وہ محبت جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے باقی رہے گی۔حضرت علی مرتضے رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے آپ نے فرمایا دو دوست مومن اور دو دوست کافر،مومن دوستوں میں ایک مرجاتا ہے تو بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا ہے یارب فلاں مجھے تیری اور تیرے رسول کی فرمانبرداری کا اور نیکی کرنے کا حکم کرتا تھا اور مجھے برائی سے روکتا تھا اور خبر دیتا تھا کہ مجھے تیرے حضور حاضر ہونا ہے،یارب اس کو میرے بعد گمراہ نہ کر اور اس کو ہدایت دے جیسی میری ہدایت فرمائی اور اس کا اکرام کر جیسا میرا اکرام فرمایا،جب اس کا مومن دوست مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ تم میں ہر ایک دوسرے کی تعریف کرے تو ہر ایک کہتا ہے کہ یہ اچھا بھائی ہے،اچھا دوست ہے،اچھا رفیق ہے۔اور دو کافر دوستوں میں سے جب ایک مرجاتا ہے تو دعا کرتا ہے،یارب فلاں مجھے تیری اور تیرے رسول کی فرماں برداری سے منع کرتا تھا اور بدی کا حکم دیتا تھا،نیکی سے روکتا تھا اور خبر دیتا تھا کہ مجھے تیرے حضور حاضر ہونا نہیں،تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میں سے ہر ایک دوسرے کی تعریف کرے تو ان میں سے ایک دوسرے کو کہتا ہے برا بھائی،برا دوست،برا رفیق۔(تفسیر خزائن العرفان،سورہ زخرف،لاہور)

دنیا میں وضو کرانے والے کی قیامت کے دن سفارش کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اہل ایمان میں سے) جو لوگ (اپنے گناہوں کے سبب) دوزخی قرار دیئے جا چکے ہوں گے وہ اہل جنت یعنی علماء (اخیار اور صلحاء و ابرار کے راستوں میں) صف باندھ کر کھڑے رہتے ہیں) اور پھر جب ایک جنتی ان کے سامنے سے گزرے گا تو ان دوزخیوں میں سے ایک شخص (اس جنتی کا نام لے کر) کہے گا اے فلانے! کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں وہ شخص ہوں جس نے ایک مرتبہ تمہیں پانی پلایا تھا انہیں میں کوئی شخص یہ کہے گا کہ میں وہی آدمی ہوں جس نے ایک مرتبہ تمہیں وضو کے لئے پانی دیا تھا وہ جنتی (یہ سن کر) اس کی شفاعت کرے گا اور اس کو جنت میں داخل کرائے گا۔(ابن ماجہ،مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 171)

اس سے معلوم ہوا کہ فاسق و گناہ گار اگر اس دنیا میں اہل دین اور ارباب طاعت و تقوی کی کوئی خدمت و امداد کریں گے تو اس کا بہتر ثمرہ عقبیٰ میں پائیں گے اور ان کی مدد و شفاعت سے جنت میں داخل کئے جائیں گے۔مظہر نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس امر کی ترغیب دی ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں اور خصوصاً بزرگ و نیک لوگوں کے ساتھ حسن وسلوک اور مروت و احسان کا برتاؤ کرنا چاہئے اور جب بھی ان کی ہم نشینی و صحبت میسر ہو جائے اس کو اختیار کرنے کا موقع گنوانا نہ چاہئے کیونکہ ان کی صحبت اور محبت دنیا میں حصول زینت و پاکیزگی اور آخرت میں حصول نور کا باعث ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ۝ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ۝ يُطَافُ
عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝
وَ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ۝
وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور مسلمان تھے۔ تم اور تمہارے ساتھ جڑے رہنے والے ساتھی جنت میں داخل ہو جاؤ
تمہاری تکریم کی جائے گی۔ ان پر سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں کا دور چلایا جائے گا اور وہاں وہ سب چیزیں ہوں گی جن کو دل
چاہیں گے اور آنکھیں راحت پائیں گی اور تم وہاں ہمیشہ رہو گے۔ اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو،
اس کی وجہ سے جو تم عمل کرتے تھے۔ تمہارے لیے اس میں بہت سے میوے ہیں، جن سے تم کھاتے ہو۔

اہل ایمان کیلئے جنت اور اس کی نعمتوں کا بیان

"اَلَّذِيْنَ آمَنُوا" نَعْت لِعِبَادِى "بِآيَاتِنَا" الْقُرْآن، "اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنْتُم" مُبْتَدَأ "وَأَزْوَاجكُمْ" زَوْجَاتكُمْ "تُحْبَرُونَ" تُسَرُّونَ وَتُكْرَمُونَ خَبَر الْمُبْتَدَأ، "يُطَاف عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ" بِقِصَاعٍ "مِنْ ذَهَب وَأَكْوَاب" جَمْع كُوب وَهُوَ إِنَاء لَا عُرْوَة لَهُ لِيَشْرَب الشَّارِب مِنْ حَيْثُ شَاءَ "وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيه الْأَنْفُس" تَلَذُّذًا "وَتَلَذّ الْأَعْيُن" نَظَرًا، "لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَة كَثِيرَة مِنْهَا" أَيْ بَعْضهَا "تَأْكُلُونَ" وَكُلّ مَا يُؤْكَل يَخْلُف بَدَله،

وہ جو ہماری آیتوں یعنی قرآن پر ایمان لائے اور مسلمان تھے۔ یہاں پر بندوں کی تعریف ہے۔ تم اور تمہارے ساتھ جڑے رہنے والے ساتھی سب جنت میں داخل ہو جاؤ۔ یہاں پر لفظ اَنتم یہ مبتداء ہے۔ (جنت کی نعمتوں، راحتوں اور لذّتوں کے ساتھ) تمہاری تکریم کی جائے گی۔ یہاں تک جملہ مبتداء کی خبر ہے۔

ان پر سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں کا دور چلایا جائے گا۔ یہاں پر لفظ اکواب یہ کوب کی جمع ہے اور وہ برتن ہے جس کی ٹونٹی نہ ہو بلکہ گلاس وغیرہ ہو کہ پینے والا جس طرف سے چاہے پی لے۔ اور وہاں وہ سب چیزیں موجود ہوں گی جن کو دل چاہیں گے اور جن سے آنکھیں راحت پائیں گی یعنی دیکھنے سے بھی راحت نصیب ہوگی۔ اور تم وہاں ہمیشہ رہو گے۔ تمہارے لیے اس میں بہت سے میوے ہیں، جن میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔ اور جو کھائیں گے فوری طور پر اس کا بدل موجود پائیں گے۔

اہل جنت اور ان کیلئے نعمتوں کا بیان

حضرت ابوموسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن کو جنت میں جو خیمہ ملے گا وہ پورا ایک کھوکھلا موتی ہوگا جس کا عرض ایک اور روایت میں ہے کہ "جس کا طول ساٹھ کوس کی مسافت کے بقدر ہوگا، اس خیمہ کے ہر گوشہ میں اس (مومن) کے اہل خانہ ہونگے اور ایک گوشہ کے آدمی دوسرے گوشہ کے آدمیوں کو نہیں دیکھ سکیں گے۔ ان سب اہل خانہ

کے پاس مومن آتا جاتا رہے گا۔ (مومن کے لئے) دو جنتیں چاندی کی ہوں گی کہ ان جنتیوں کے برتن، باسن (مکانات ومحلات اور خانہ داری کے دوسرے ضروری وآرائشی سامان تخت کرسی میز پلنگ، جھاڑ، فانوس، یہاں تک درخت وغیرہ) سب چاندی کے ہوں گے اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی کہ ان جنتوں کے برتن باسن اوران میں ہر چیز سونے کی ہوگی اور جنت العدن میں جنتیوں اور پروردگار کی طرف سے ان کے دیکھنے کے درمیان ذات باری تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کے پردہ کے علاوہ اور کوئی چیز حائل نہیں ہوگی۔
(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 183)

یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ زیادہ صحیح اس روایت کے الفاظ ہیں جس میں اس خیمہ کا عرض ساٹھ کوس کی مسافت کے بقدر بیان کیا گیا ہے یا اس روایت کے الفاظ زیادہ صحیح ہیں جس میں خیمہ کے طول کو ساتھ کوس کی مسافت کے بقدر بتایا گیا ہے، اصل مقصد اس خیمہ کی وسعت وکشادگی کو بیان کرنا ہے جو دونوں روایتوں سے حاصل ہو جاتا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ اس خیمہ کی چوڑائی ساتھ کوس کے بقدر ہے تو اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی لمبائی کتنی زیادہ ہوگی اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کی لمبائی ساٹھ کوس کی مسافت کے بقدر ہے تو اس پر قیاس کر کے اس کی چوڑائی کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔

اہل خانہ" سے مراد بیوی وغیرہ ہیں! اور ایک شارح نے لکھا ہے کہ "اہل" سے مراد بیویاں ہیں جو اس مومن کو وہاں ملیں گی اور جن سے وہ جنسی لذت حاصل کرے گا، چنانچہ "آتا جاتا رہے گا" کے الفاظ کے ذریعہ اسی بات کو کنایہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ مومن اپنی ان بیویوں کے ساتھ جنسی اختلاط کرتا رہے گا۔

اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو جنتیں خالص چاندی کی اور دو جنتیں خالص سونے کی ہوں گی جب کہ ایک روایت میں جنت کی عمارتوں اور محلات کی تعریف میں بیان کیا گیا ہے کہ ان میں جو اینٹیں لگی ہوں گی ان کی ترتیب یہ ہوگی کہ ایک اینٹ تو سونے کی ہوگی اور ایک اینٹ چاندی کی۔ پس ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہوگی کہ پہلی روایت میں ان چیزوں کا ذکر ہے جو جنت کے اندر ہوں گی، جیسے برتن، باسن اور دیگر اشیاء چنانچہ ایک جنت میں تو تمام چیزیں سونے کی ہوں گی اور ایک جنت میں تمام چیزیں چاندی کی ہوں گی۔

اور دوسری روایت میں جنت کی عمارتوں کی خوبی بیان کی گئی ہے کہ جنت کی ہر عمارت ومحل کی دیوار میں سونے اور چاندی کی اینٹیں ہوں گی۔ جنتوں کی تعداد اور ان کے نام علامہ بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جنتیں چار ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورت رحمٰن میں فرمایا ہے۔ (وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ، الرحمٰن: 46) "اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے (ہر وقت) ڈرتا ہو اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔" اس کے بعد کی آیتوں میں ان دونوں جنتوں کی تعریف وتوصیف بیان فرمائی گئی ہے اور پھر ارشاد ہوا۔ (وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ، الرحمٰن: 16) "اور ان دو جنتوں سے کم درجہ میں دو جنتیں اور ہیں۔" پہلی دو جنتوں کی طرح آگے کی آیات میں ان دو جنتوں کی بھی تعریف وتوصیف بیان کی گئی ہے۔

رہی حدیث کی بات تو اوپر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کہ یہ الفاظ جنتان من فضة انیتھما وما فیھا وجنتان من ذھب انیتھما وما فیھا اس پر صریح دلالت کرتے ہیں کہ جنتیں چار ہیں اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ جنتان من الذھب للسابقین وجنتان من فضة لاصحاب الیمین۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت میں "جنتان" (دو جنتوں) کا جو لفظ ہے اس سے جنت کی دو قسمیں مراد ہوں یعنی ان جنتوں میں سے ایک سونے کی اور دوسری چاندی کی ہوگی۔ حاصل یہ نکلا کہ اصل میں چار جنتیں ہیں، دو سونے کی ہیں جو خاص مقربین کے لیے ہیں اور دو چاندی کی ہیں جو عام مومنین کے لئے ہیں، لیکن یہ بھی واضح رہے کہ "جنتان" گو تثنیہ کا صیغہ ہے مگر بعض موقعوں پر تثنیہ کا صیغہ ہے مگر بعض موقعوں پر تثنیہ سے کثرت (یعنی دو سے زائد کی تعداد بھی مراد ہوتی ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ "جنتان" سے مراد چار چار جنتیں ہوں اور "کاملین" کو ان دو اصل جنتوں کے علاوہ جو دو جنتیں اور عطا ہوں جو سونے اور چاندی ہی کی ہوں گی اور وہ جنتیں زیبائش وخوشنمائی کے لئے ان کاملین کے محلات کے دائیں بائیں واقع ہوں گی، اس کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں جنت کے تعلق سے آٹھ نام ذکر ہوئے ہیں۔

اور وہ یہ ہیں (۱) جنت العدن (۲) جنت الفردوس (۳) جنت الخلد (۴) جنت النعیم (۵) جنت الماوی (۶) دار السلام (۷) دار القرار (۸) دار المقامہ۔ "اور جنت العدن میں جنتیوں اور پروردگار کی طرف ان کو دیکھنے۔۔الخ۔ کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب جنتی لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے تو وہ جسمانی حجاب اور طبعی کدورتیں جو بندے اور پروردگار کے دیدار کے درمیان حائل ہوتی ہیں اٹھ جائیں گی مگر ذات مقدس کی کبریائی وعظمت اور ہیبت وجلال کا پردہ باقی رہے گا تاہم اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے اس پردہ کو بھی اٹھا دے گا یعنی نظروں کو تاب دیدار بخش دے گا اور جنتی لوگ اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ط قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۝
بیشک مجرم لوگ دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ جو ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں ناامید ہو کر پڑے رہیں گے۔ اور وہ پکاریں گے اے مالک! تیرا رب ہمارا کام تمام ہی کردے۔ وہ کہے گا بے شک تم (یہیں) ٹھہرنے والے ہو۔

جہنم میں مجرمین کے احوال کا بیان

"لَا يُفَتَّرُ" يُخَفَّفُ "عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ" سَاكِتُوْنَ سُكُوْتَ يَأْسٍ، "وَنَادَوْا يَا مَالِكُ" هُوَ خَازِنُ النَّارِ "لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ" لِيُمِتْنَا "قَالَ" بَعْدَ أَلْفِ سَنَةٍ "إِنَّكُمْ مَاكِثُوْنَ" مُقِيْمُوْنَ فِي الْعَذَابِ دَائِمًا،

جو ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور وہ اس میں ناامید ہو کر پڑے رہیں گے۔ یعنی خاموشی سے بے امید ہو جائیں گے۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا اور لیکن وہ خود ہی ظالم تھے۔ اور وہ جہنم کے خازن کو پکاریں گے اے مالک! تیرا رب ہمارا کام تمام ہی کردے۔

یعنی ہم موت دے دے وہ کہے گا تو وہ ایک ہزار سال کے بعد کہے گا۔ بے شک تم یہیں ٹھہرنے والے ہو۔ تم ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہو۔

دوزخ اور دوزخیوں کے عذاب کا بیان

اوپر چونکہ نیک لوگوں کا حال بیان ہوا تھا اس لئے یہاں بدبختوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ یہ گنہگار جہنم کے عذابوں میں ہمیشہ رہیں گے ایک ساعت بھی انہیں ان عذابوں میں تخفیف نہ ہوگی اور اس میں وہ ناامید محض ہو کر پڑے رہیں گے ہر بھلائی سے وہ مایوس ہو جائیں گے ہم ظلم کرنے والے نہیں بلکہ انہوں نے خود اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اپنی جان پر آپ ہی ظلم کیا ہم نے رسول بھیجے کتابیں نازل فرمائیں حجت قائم کردی لیکن یہ اپنی سرکشی سے عصیان سے طغیان سے باز نہ آئے اس پر یہ بدلہ پایا اس میں اللہ کا کوئی ظلم نہیں اور نہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہے یہ جہنمی مالک کو یعنی داروغہ جہنم کو پکاریں گے، صحیح بخاری میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ موت کی آرزو کریں گے تا کہ عذاب سے چھوٹ جائیں لیکن اللہ کا یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ (وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ، فاطر:36) یعنی نہ تو انہیں موت آئے گی اور نہ عذاب کی تخفیف ہوگی اور فرمان باری ہے آیت (وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى، الأعلى:11) یعنی وہ بدبخت اس نصیحت سے علیحدہ ہو جائے گا جو بڑی سخت آگ میں پڑے گا پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جیے گا۔ پس جب یہ داروغہ جہنم سے نہایت لجاجت سے کہیں گے کہ آپ ہماری موت کی دعا اللہ سے کیجئے تو وہ جواب دے گا کہ تم اسی میں پڑے رہنے والے ہو مرو گے نہیں۔

ابن عباس فرماتے ہیں مکث ایک ہزار سال ہے۔ یعنی نہ مرو گے نہ چھٹکارا پاؤ گے نہ بھاگ سکو گے پھر ان کی سیاہ کاری کا بیان ہو رہا ہے کہ جب ہم نے ان کے سامنے حق کو پیش کر دیا واضح کر دیا تو انہوں نے اسے مانا تو ایک طرف اس سے نفرت کی۔ ان کی طبیعت ہی اس طرف مائل نہ ہوئی حق اور حق والوں سے نفرت کرتے رہے اس سے رکتے رہے ہاں ناحق کی طرف مائل رہے ناحق والوں سے ان کی خوب بنتی رہی۔ پس تم اپنے نفس کو یہی ملامت کرو اور اپنے ہی اوپر افسوس کرو لیکن آج کا افسوس بھی بے فائدہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ زخرف، بیروت)

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ٥اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ٥
بلاشبہ ہم تو تمہارے پاس حق لے کر آئے ہیں اور لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے ہیں۔
کیا انہوں نے پختہ کر لی ہے تو ہم پختہ فیصلہ کرنے والے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فریب کرنے والوں کیلئے ہلاکت کا بیان

"لَقَدْ جِئْنَاكُمْ" أَيْ أَهْل مَكَّة "بِالْحَقِّ" عَلَى لِسَان الرَّسُول، "أَمْ أَبْرَمُوا" أَيْ كُفَّار مَكَّة : أَحْكَمُوا "أَمْرًا" فِي كَيْد مُحَمَّد النَّبِيّ "فَإِنَّا مُبْرِمُونَ" مُحْكِمُونَ كَيْدنَا فِي إِهْلَاكهمْ،

بلاشبہ ہم تو تمھارے یعنی اہل مکہ کے پاس حق یعنی رسول مکرم ﷺ کی زبان اقدس کے ذریعے حق لے کر آئے ہیں اور لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے ہیں۔

کیا انہوں نے یعنی کفار مکہ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کوئی تدبیر پختہ کر لی ہے تو ہم بھی ان کی ہلاکت کا پختہ فیصلہ کرنے والے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکر کرنے اور فریب سے ایذا پہنچانے کا اور درحقیقت ایسا ہی تھا کہ قریش دارُالندوہ میں جمع ہو کر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا رسانی کے لئے حیلے سوچتے تھے۔

حضرت مجاہد کی یہی تفسیر ہے اور اس کی شہادت اس آیت میں ہے (وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ، النمل:50) یعنی انہوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی اس طرح تدبیر کی کہ انہیں پتہ بھی نہ چلا۔ مشرکین حق کو ٹالنے کے لئے طرح طرح کی حیلہ سازی کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں دھوکے میں ہی رکھا اور ان کا وبال جب تک ان کے سروں پر نہ آ گیا اور ان کی آنکھیں نہ کھلیں اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ کیا ان کا گمان ہے کہ ہم ان کی پوشیدہ باتیں اور خفیہ سرگوشیاں سن نہیں رہے؟ ان کا گمان بالکل غلط ہے ہم تو انکی سرشت تک سے واقف ہیں بلکہ ہمارے مقرر کردہ فرشتے بھی ان کے پاس بلکہ ان کے ساتھ ہیں جو نہ صرف دیکھ ہی رہے ہیں بلکہ لکھ بھی رہے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ زخرف، بیروت)

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ۝
یا وہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک ہم ان کا راز اور ان کی سرگوشی نہیں سنتے، کیوں نہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس لکھتے رہتے ہیں۔

فرشتوں کے پاس لوگوں کے احوال کے لکھے جانے کا بیان

"اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ" مَا يُسِرُّوْنَ اِلٰى غَيْرِهِمْ وَمَا يَجْهَرُوْنَ بِهِ بَيْنَهُمْ "بَلٰى" نَسْمَعُ ذٰلِكَ "وَرُسُلُنَا" الْحَفَظَة "لَدَيْهِمْ" عِنْدَهُمْ "يَكْتُبُوْنَ" ذٰلِكَ

یا وہ گمان کرتے ہیں کہ بے شک ہم ان کا راز اور ان کی سرگوشی نہیں سنتے، یعنی جو وہ چھپا کر دوسروں کا بتاتے ہیں یا ظاہری طور پر بتاتے ہیں۔ کیوں نہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے یعنی فرشتے ان کے پاس یہ سب کچھ لکھتے رہتے ہیں۔

سورہ زخرف آیت ۸۰ کے شان نزول کا بیان

اس آیت کے شان نزول میں محمد بن کعب قرظی علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اس دوران تین افراد جن میں سے دو قریشی اور ایک ثقفی تھا یا دو ثقفی یا ایک قریش تھا علکبہ اور اس کے پردوں کے درمیان تھے کہ ان میں سے ایک نے کہا تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ ہمارا کلام سنتا ہے دوسرے نے کہا جب تم بلند آواز میں بات کرتے ہو تو سنتا ہے اور جب آہستہ بات کرتے ہو تو نہیں سنتا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (سیوطی 254، قرطبی 16-119، طبری 25-60)

ان کی خفیہ تدبیروں کی ناکامی کی اصل وجہ یہ تھی کہ جنہیں وہ اپنی خفیہ تدبیریں سمجھتے تھے وہ خفیہ نہیں ہوتی تھیں۔ ہم ان کے سب خفیہ مشورے، ان کی باہمی گفتگو ان کی سازشیں سب کچھ دیکھ اور سن رہے ہوتے ہیں۔ پھر ہمارے فرشتے یہ سب کچھ ریکارڈ بھی کرتے جاتے ہیں۔ جو قیامت کے دن ہم ان کے سامنے لا رکھیں گے۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝
فرما دیجئے کہ اگر (بفرضِ محال) رحمان کے (ہاں) کوئی لڑکا ہوتا تو میں سب سے پہلے عبادت کرنے والا ہوتا۔
آسمانوں اور زمین کا پروردگار، عرش کا مالک پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا اولاد سے پاک ہونے کا بیان

"قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَد " فَرْضًا "فَأَنَا أَوَّل الْعَابِدِينَ " لِـلْوَلَدِ لَكِنْ ثَبَتَ أَنْ لَا وَلَد لَهُ تَعَالَى فَـانْتَفَتْ عِبَادَته، "سُبْـحَان رَبّ السَّمَوَات وَالْأَرْض رَبّ الْعَرْش " الْكُرْسِيّ "عَـمَّا يَصِفُونَ" يَقُولُونَ مِنْ الْكَذِب بِنِسْبَةِ الْوَلَد إِلَيْهِ،

فرما دیجئے کہ اگر بفرضِ محال رحمان کے ہاں کوئی لڑکا ہوتا یا اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔ لیکن اس کا کوئی بیٹا نہیں لہٰذا عبادت بھی نہ ہوگی۔ آسمانوں اور زمین کا پروردگار، عرش یعنی کرسی کا مالک پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ یعنی اللہ طرف اولاد کی نسبت کرتے ہو۔

سورہ زخرف آیت ۸۱ کے شان نزول کا بیان

نضر بن حارث نے کہا تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی تو نضر کہنے لگا دیکھتے ہو قرآن میں میری تصدیق آ گئی ولید نے کہا کہ تیری تصدیق نہیں ہوئی بلکہ یہ فرمایا گیا کہ رحمٰن کے ولد نہیں ہے اور میں اہل مکہ میں سے پہلا موحّد ہوں، اس سے ولد کی نفی کرنے والا، اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ کی تنزیہ کا بیان ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ زخرف، لاہور)

یعنی اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کی جائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر بفرض محال خدا کے اولاد ہو تو پہلا شخص میں ہوں جو اس کی اولاد کی پرستش کرے۔ کیونکہ میں دنیا میں سب سے زیادہ خدا کی عبادت کرنے والا ہوں۔ اور جس کو جس قدر علاقہ خدا کے ساتھ ہوگا اسی نسبت سے اس کی اولاد کے ساتھ ہونا چاہیے۔ پھر جب میں باوجود اول العابدین ہونے کے کسی ہستی کو اس کی اولاد نہیں مانتا تو تم کون سے اللہ کا حق ماننے والے ہو جو اس کی فرضی اولاد تک کے حقوق پہچانو گے۔

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ○

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ○

پس آپ انہیں چھوڑ دیجئے، بیکار بحثوں میں پڑے رہیں اور لغو کھیل کھیلتے رہیں حتی کہ اپنے اس دن کو پالیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جارہا ہے۔ اور وہی ہے جو آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے اور وہی کمال حکمت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

دنیا کے کھیل تماشہ والوں کیلئے گمراہی میں پڑے رہنے کا بیان

"فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا" فِي بَاطِلهم "وَيَلْعَبُوا" فِي دُنْيَاهُمْ "حَتّٰى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ" فِيهِ الْعَذَاب وَهُوَ يَوْم الْقِيَامَة، "وَهُوَ الَّذِي" هُوَ "فِي السَّمَاء إلٰه وَفِي الْأَرْض إلٰه" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِسْقَاط الْأُولٰى وَتَسْهِيلهَا كَالْيَاءِ أَيْ مَعْبُود وَكُلّ مِنْ الظَّرْفَيْنِ مُتَعَلِّق بِمَا بَعْده "وَهُوَ الْحَكِيم" فِي تَدْبِير خَلْقه "الْعَلِيم" بِمَصَالِحِهِمْ،

پس آپ انہیں باطل میں چھوڑ دیجئے، دنیا میں بیکار بحثوں میں پڑے رہیں اور لغو کھیل کھیلتے رہیں حتی کہ اپنے اس دن کو پالیں گے جس کا ان سے عذاب کا وعدہ کیا جارہا ہے۔ اور وہ قیامت کا دن ہے۔

اور وہی ہے جو آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے یہاں پر دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور پہلی کے اسقاط کے ساتھ بھی اور یاء کی طرح دونوں کی تسہیل بھی آئی ہے۔ اور یہاں پر دونوں ظرف ہیں جو اپنے مابعد سے متعلق ہیں۔ اور اپنی مخلوق کی تدبیر میں حکمت والا، ان کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ مشرکین سے اعراض کرلیں اور ان کی بدزبانی کا بدکلامی سے جواب نہ دو بلکہ ان کے دل پر چانے کی خاطر قول میں اور فعل میں دونوں میں نرمی برتو کہہ دو کہ سلام ہے۔ انہیں ابھی حقیقت حال معلوم ہو جائے گی۔ اس میں رب قدوس کی طرف سے مشرکین کو بڑی دھمکی ہے اور یہی ہو کر بھی رہا۔ کہ ان پر وہ عذاب آیا جو ان سے ٹل نہ سکا حضرت حق جل وعلا نے اپنے دین کو بلند و بالا کیا اپنے کلمہ کو چاروں طرف پھیلا دیا اپنے موحد مومن اور مسلم بندوں کو قوی کر دیا اور پھر انہیں جہاد کے اور جلاوطن کرنے کے احکام دے کر اس طرح دنیا میں غالب کر دیا اللہ کے دین میں بیشمار آدمی داخل ہوئے اور مشرق و مغرب میں اسلام پھیل گیا۔

وَتَبٰرَكَ الَّذِي لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ○

اور بہت برکت والا ہے وہ جس کے پاس آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس کی بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ برکت وعظمت والا ہے

"وَتَبَارَكَ" تَعَظَّمَ "الَّذِی لَهُ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ" مَتٰی تَقُوْمُ "وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ" بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ،

اور بہت برکت یعنی عظمت والا ہے وہ جس کے پاس آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس کی بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے اور اسی کے پاس قیامت کا علم ہے کہ وہ کب قائم ہوگی۔ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ ترجعون یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

تبارک۔ وہ بہت برکت والا ہے۔ وہ بڑی برکت والا ہے تبارک (تفاعل) مصدر۔ جس کے معنی بابرکت ہونے کے ہیں۔ ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ اس فعل کی گردان نہیں آتی۔ صرف ماضی کا ایک صیغہ مستعمل ہے اور وہ بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے آتا ہے اسی لئے بعض لوگ اس کو اسم فعل بتاتے ہیں۔

لہ میں لام تملیک (ملکیت جتانے کے لئے) کا ہے لہ ملک السموت والرض وما بینھما آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کی بادشاہت اسی کی ہے۔ ما موصولہ ہے۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ○
اور جن کی یہ اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے مگر جنہوں نے حق کی گواہی دی اور وہ اسے جانتے بھی تھے۔

انبیائے کرام اہل ایمان کیلئے شفاعت کریں گے

"وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ" يَعْبُدُوْنَ أَیِ الْكُفَّارُ "مِنْ دُوْنِهِ" أَیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ "الشَّفَاعَةَ" لِأَحَدٍ "إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ" أَیْ قَالَ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ "وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ" بِقُلُوْبِهِمْ مَا شَهِدُوْا بِهِ بِأَلْسِنَتِهِمْ وَهُمْ عِيْسٰی وَعُزَيْرٌ وَالْمَلَائِكَةُ فَإِنَّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ،

اور جن کی یہ کافر لوگ اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں وہ تو کسی ایک کیلئے بھی شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھتے مگر جنہوں نے حق کی گواہی دی، ان کے برعکس شفاعت کا اختیار ان کو حاصل ہے۔ یعنی جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور وہ اسے دلوں کے یقین کے ساتھ جانتے بھی تھے۔ یعنی ان کے دلوں نے وہی گواہی دی جو ان کی زبانوں کے ساتھ تھا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام اور فرشتے ہیں کیونکہ وہ اہل ایمان کی سفارش کریں گے۔

خلوص نیت سے کلمہ طیبہ پڑھنے والے کیلئے شفاعت کا بیان

حضرت ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قیامت کے دن میری

شفاعت کے لئے نصیب والا شخص وہ ہوگا، جس نے (دنیا میں) خلوص تہ دل سے، یا یہ فرمایا کہ خلوص تہ نفس سے لا الہ الا اللہ کہا ہوگا۔"
(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 147)

من قلبہ او من نفسہ میں حرف او کے ذریعے راوی نے اپنے شک کا اظہار کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں من قلبہ کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے یا من نفسہ کے، بہر حال دونوں کے معنی ایک ہی ہیں کیونکہ "نفس" سے مراد بھی "دل" ہی ہے نیز خالصا من قلبہ (خلوص تہ دل) ترکیب تاکیدی ہے، کیونکہ "خلوص" کی جگہ تہ دل یعنی دل کی گہرائی ہی ہے نہ کہ کچھ اور، اس اعتبار سے تہ دل کا دوسرا نام "خلوص" ہے پس" کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے" میں نے فلاں چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے یا میں نے فلاں بات اپنے کان سے سنی ہے۔ حدیث میں اسعد کا لفظ "سعید" کے معنی میں ہے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص اہل توحید میں سے نہیں ہوگا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے فیض یاب نہیں ہوگا یا من قال سے مراد وہ شخص ہے جس کے نامہ اعمال میں ایسا کوئی بھی عمل نہ ہو جس کے سبب وہ رحمت کا مستحق قرار پاسکے اور دوزخ کی آگ سے نجات پانے کا سزاوار ہوسکے، اس صورت میں ظاہر ہے کہ شفاعت کا سب سے زیادہ ضرورت مند وہی شخص ہوگا اور شفاعت اسی کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے گی۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا
يُؤْمِنُوْنَ ○ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○
اور اگر آپ ان سے دریافت فرمائیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے: اللہ نے، پھر وہ کہاں بھٹکتے
پھرتے ہیں۔ قسم ہے رسول کے "یارب" کہنے کی! کہ بے شک یہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے۔
پس ان سے درگزر کرو اور فرماؤ بس سلام ہے کہ آگے جان جائیں گے۔

اقرار خالق کے باوجود گمراہ ہونے والوں کا بیان

"وَلَئِنْ" لَام قَسَم "سَأَلْتهم مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّه" حُذِفَ مِنْهُ نُون الرَّفْع وَوَاو الضَّمِير "فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ" يُصْرَفُونَ عَنْ عِبَادَة اللَّه "وَقِيلِهِ" أَيْ قَوْل مُحَمَّد النَّبِيّ وَنَصْبه عَلَى الْمَصْدَر بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّر أَيْ وَقَالَ "يَا رَبّ إنَّ هَؤُلَاءِ قَوْم لَا يُؤْمِنُونَ" "فَاصْفَحْ" أَعْرِضْ "عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَام" مِنْكُمْ وَهَذَا قَبْل أَنْ يُؤْمَر بِقِتَالِهِمْ "فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ" بِالْيَاءِ وَالتَّاء تَهْدِيد لَهُمْ،

یہاں پر لفظ لئن میں لام قسمیہ ہے۔ اور اگر آپ ان سے دریافت فرمائیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور کہیں گے، یہاں پر لیقولن میں نون رفع کو اور واؤ ضمیر کو حذف کیا گیا ہے۔ اللہ نے، پھر وہ اس کی عبادت سے کہاں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ قسم ہے رسول یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "یارب" کہنے کی! یہاں پر قیلہ کا نصب مصدر ہونے جو ما قبل فعل مقدر کے سبب ہے۔ کہ بے شک

یہ ایسے لوگ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے۔ پس ان سے درگزر کرو یعنی ان سے اعراض کریں۔ اور فرماؤ بس سلام ہے۔ یہ حکم بھی جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ کہ آگے جان جائیں گے۔ یعلمون یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے اس میں ان کیلئے تہدید ہے۔

غیر مسلم کو سلام کرنے کی ممانعت کا بیان

آخر میں وہی تلقین کی گئی ہے جو ہر داعی حق کو ہمیشہ کی گئی کہ مخالفین کے دلائل وشبہات کا جواب تو دے دو لیکن وہ جو جہالت وحماقت یا دشنام طرازی کی بات کریں، اس کا جواب انہی کی زبان میں دینے کے بجائے سکوت اختیار کرو۔ اور یہ جو فرمایا کہ کہہ دو تم کو سلام کرتا ہوں، اس سے مقصد یہ نہیں ہے کہ انہیں السلام علیکم کہا جائے۔

کیونکہ کسی غیر مسلم کو ان الفاظ سے سلام کرنا جائز نہیں، بلکہ یہ ایک محاورہ ہے کہ جب کسی شخص سے قطع تعلق کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ میری طرف سے سلام یا تمہیں سلام کرتا ہوں۔ اس سے حقیقی طور پر سلام کرنا مقصد نہیں ہوتا، بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں خوبصورتی کے ساتھ تم سے قطع تعلق کرنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا جن حضرات نے اس آیت سے استدلال کر کے کافروں کو السلام علیکم یا سلام کہنا جائز قرار دیا ہے ان کا قول مرجوح ہے۔ (روح المعانی، سورہ زخرف، بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کرنے میں ابتداء نہ کرو اور جب تم راستے میں ان میں سے کسی سے ملو تو ان کو تنگ ترین راستے پر چلے جانے پر مجبور کرو۔

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 569)

سلام کرنے میں ابتداء نہ کرو۔ کا مطلب یہ ہے کہ پہلے تم ان کو السلام علیکم نہ کہو کیونکہ سلام میں پہل کرنا درحقیقت اسلامی تہذیب کا بخشا ہوا ایک اعزاز ہے جس کے مستحق وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اسلامی تہذیب کے پیرو ہوں اور مسلمان ہیں اس اعزاز کا استحقاق ان لوگوں کو حاصل نہیں ہو سکتا جو دین دشمن اور اللہ کے باغی ہیں اسی طرح ان باغیوں اور دشمنوں کے ساتھ سلام اور اس جیسی دوسری چیزوں کے ذریعہ الفت ومحبت کے مراسم کو قائم کرنا بھی جائز نہیں ہیں کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے۔ آیت (لاتجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ، آپ ایسی کوئی قوم نہ پائیں گے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اور ان لوگوں سے بھی دوستی رکھتے ہوں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں۔

ہاں اگر وہ لوگ سلام میں خود پہل کریں اور السلام علیک یا السلام علیکم کہیں تو اس کے جواب میں صرف علیک یا علیکم کہہ دیا جائے اور علماء نے لکھا ہے کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ غیر مسلم کے جواب میں ھداک اللہ کہا جائے نیز بعض علماء نے لکھا ہے کہ کسی ضرورت ومجبوری کی بناء پر یہود ونصاری کے ساتھ سلام میں پہل کرنی جائز ہے اور یہی حکم ان مسلمانوں کا بھی ہے جو بدعت اور فسق میں مبتلا ہوں۔ اسلامی سلطنت میں رہنے والے کسی مسلمان نے کسی اجنبی کو سلام کیا اور پھر معلوم ہوا کہ وہ ذمی ہے تو اس صورت میں مستحب یہ ہے کہ اپنے سلام کو واپس کرنے کا مطالبہ کرے یعنی یوں کہے کہ اسر جعت سلامی میں اپنے سلام کو واپس کرنے کا مطالبہ کرتا ہوں۔

حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ یہود ونصاری جو دین کے دشمن ہیں اور اپنے مکر وفریب کی طاقتوں کے ذریعہ اللہ کے جھنڈے کو سرنگوں کرنا چاہتے ہیں اس سلوک کے مستحق ہیں کہ جب وہ راستہ میں ملیں تو ان پر اتنا دباؤ ڈالا جائے کہ وہ یکسو ہو کر گزرنے پر مجبور ہو جائیں اور ان پر راستہ تنگ ہو جائے تا کہ اسلام کی عظمت وشوکت اور مسلمانوں کا دبدبہ ظاہر ہو۔ مشکوٰۃ کے بعض حواشی میں یہ مطلب لکھا ہے کہ ان کو یہ حکم دو کہ وہ ایک طرف ہو جائیں اور کنارے پر چلیں تا کہ راستے کا درمیانی حصہ مسلمانوں کی آمدورفت کے لئے مخصوص رہے۔

سورہ زخرف کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ زخرف کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت دخان ہے

سورت دخان کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃ الدُّخَان (مَكِّيَّة إِلَّا آيَة 15 وَآيَاتهَا 56 أَوْ 57 أَوْ 59)

سورہ دخان مکی ہے، اس میں تین رکوع اور ستاون یا انسٹھ آیات اور تین سو چھیالیس کلمات اور ایک ہزار چار سو اکتیس حروف ہیں۔

سورت دخان کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی آیت ۱۰ میں لفظ دخان استعمال ہوا ہے جس کا معنی دھواں ہے۔ کہ قیامت کے دن آسمان مثل دھواں آئے گا۔ لہٰذا اسی بیان قیامت میں آسمان کے آنے کی مناسبت سے یہ سورت دخان کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت دخان کو رات میں پڑھنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات میں حم الدخان (یعنی سورت دخان) پڑھتا ہے تو وہ اس حالت میں صبح کرتا ہے کہ ستر ہزار فرشتے اس کے لئے بخشش کی دعا مانگتے ہیں۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 660)

اور حدیث میں ہے کہ جس نے اس سورۃ کو جمعہ کی رات پڑھا اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کے سامنے اپنے دل میں سورہ دخان کو پوشیدہ کر کے اس سے پوچھا کہ بتا میرے دل میں کیا ہے؟ اس نے کہا (درخ) آپ نے فرمایا بس برے ہٹ جانا مراد رہ گیا جو اللہ چاہتا ہے ہوتا ہے پھر آپ لوٹ گئے۔ (مسند بزار)

حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝
حا، میم، حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں روشن کتاب کی قسم، ہم نے اس قرآن کو ایک مبارک رات
میں نازل کیا ہے ہم بیشک عذاب سے ڈرانے والے تھے۔ اس رات میں تمام حکمت و مصلحت کے امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کا برکت والی رات میں نازل ہونے کا بیان

"حم" اللّٰه أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِهِ "وَالْكِتَاب" الْقُرْآن "الْمُبِين" الْمُظْهِر الْحَلَال مِنْ الْحَرَام "إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَة مُبَارَكَة" هِيَ لَيْلَة الْقَدْر أَوْ لَيْلَة النِّصْف مِنْ شَعْبَان نَزَلَ فِيهَا مِنْ أُمّ الْكِتَاب مِنْ السَّمَاء السَّابِعَة إِلَى سَمَاء الدُّنْيَا "إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ" مُخَوِّفِينَ بِهِ

"فِيهَا" أَيْ فِي لَيْلَة الْقَدْر أَوْ لَيْلَة النِّصْف مِنْ شَعْبَان "يُفْرَق" يُفْصَل "كُلّ أَمْر حَكِيم" مُحْكَم مِنْ الْأَرْزَاق وَالْآجَال وَغَيْرهمَا الَّتِي تَكُون فِي السَّنَة إِلَى مِثْل تِلْكَ اللَّيْلَة

حا،میم، حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ روشن کتاب یعنی قرآن کی قسم، جو حلال کو حرام سے ظاہر کر دینے والی ہے۔ ہم نے اس قرآن کو ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے۔ اور قدر کی رات ہے یا وہ نصف شعبان کی رات ہے۔ کیونکہ اس میں ام الکتاب جو سات آسمانوں سے آسمان دنیا پر نازل ہوئی ہے۔ ہم بیشک عذاب سے ڈرانے والے تھے۔ اس رات یعنی لیلۃ القدر یا نصف شعبان کی رات میں میں تمام حکمت و مصلحت کے امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ جن کا تعلق رزق، اموات وغیرہما سے ہے۔ جو اس سال میں آنے والی اسی رات کیلئے ہوتے ہیں۔

شب قدر یا شب براءت مراد ہونے میں مفسرین کے اقوال کا بیان

مبارک رات سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک شب قدر ہے جو رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ اس رات کو مبارک فرمانا اس لئے ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر بے شمار خیرات و برکات نازل ہوتی ہیں اور قرآن کریم کا شب قدر میں نازل ہونا قرآن کی سورہ قدر میں تصریح کے ساتھ آیا ہے۔ (آیت) انا انزلنہ فی لیلۃ القدر، اس سے ظاہر ہوا کہ یہاں بھی لیلۃ مبارکہ سے مراد شب قدر ہی ہے۔ اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں ابتداء دنیا سے آخر تک اپنے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائی ہیں وہ سب کی سب ماہ رمضان المبارک ہی کی مختلف تاریخوں میں نازل ہوئی ہیں۔

حضرت قتادہ نے بروایت واثلہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صحف ابراہیم علیہ السلام رمضان کی پہلی تاریخ میں اور تورات رمضان کی چھٹی تاریخ میں، زبور بارہویں میں، انجیل اٹھارویں میں اور قرآن چوبیس تاریخ گزرنے کے بعد یعنی پچیسویں شب میں نازل ہوا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ دخان، بیروت)

قرآن کے شب قدر میں نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ سے پورا قرآن سماء دنیا پر اسی رات میں نازل کر دیا گیا تھا۔ پھر تیئس سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر سال میں جتنا قرآن نازل ہونا مقدر ہوتا تھا اتنا ہی شب قدر میں لوح محفوظ سے سماء دنیا پر نازل کر دیا جاتا تھا۔

اور بعض مفسرین عکرمہ وغیرہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس آیت میں لیلہ مبارکہ سے مراد شب برات یعنی نصف شعبان کی

رات قرار دی ہے مگر اس رات میں نزول قرآن دوسری تمام نصوص قرآن اور روایات حدیث کے خلاف ہے (آیت) شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن اور انا انزلنا فی لیلۃ القدر جیسی کھلی نصوص کے ہوتے ہوئے بغیر کسی قوی دلیل کے نہیں کہا جا سکتا کہ نزول قرآن شب برات میں ہوا۔ البتہ شعبان کی پندرھویں شب کو بعض روایات حدیث میں شب برات یا لیلۃ الصک کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس رات کا مبارک ہونا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا ذکر ہے۔ اس کے ساتھ بعض روایات میں یہ مضمون بھی آیا ہے جو اس جگہ لیلہ مبارکہ کی صفت میں بیان فرمایا ہے یعنی (آیت) فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ۔ امراً من عندنا یعنی اس رات میں ہر حکمت والے معاملہ کا فیصلہ ہماری طرف سے کیا جاتا ہے۔ جس کے معنی حضرت ابن عباس یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ رات جس میں نزول قرآن ہوا، یعنی شب قدر، اسی میں مخلوقات کے متعلق تمام اہم امور جن کے فیصلے اس سال میں اگلی شب قدر تک واقع ہونے والے ہیں طے کیے جاتے ہیں کہ کون کون اس سال مین پیدا ہوں گے، کون کون آدمی اس میں مریں گے، کس کو کس قدر رزق اس سال میں دیا جائے گا۔

یہی تفسیر دوسرے ائمہ تفسیر حضرت قتادہ، مجاہد، حسن وغیرہم سے بھی منقول ہے اور مہدوی نے فرمایا کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ یہ تمام فیصلے جو تقدیر الٰہی میں پہلے ہی سے طے شدہ تھے اس رات میں متعلقہ فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں، کیونکہ قرآن وسنت کی دوسری نصوص اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلے انسان کی پیدائش سے بھی پہلے ازل ہی میں لکھ دیئے تھے۔ تو اس رات میں ان کے طے کرنے کا حاصل یہی ہو سکتا ہے کہ قضا وقدر کی تنفیذ جن فرشتوں کے ذریعہ ہوتی ہے اس رات میں یہ سالانہ احکام ان کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ دخان، بیروت)

شب برأت کی فضیلت وبرکت کا بیان

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک (مرتبہ اپنی باری میں) رات کو میں نے سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہیں پایا (جب میں نے تلاش کیا تو) یکا یک کیا دیکھتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں موجود ہیں (مجھے دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں اس بات کا خوف تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے"؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے خیال ہوا تھا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نصف ماہ شعبان کی رات (یعنی شعبان کی پندرھویں شب) کو آسمان دنیا (یعنی پہلے آسمان) پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ بنو کلب (کی بکریوں) کے ریوڑ کے بالوں سے بھی زیادہ تعداد میں گناہ بخشتا ہے اور رزین نے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ "مومنین میں سے) جو لوگ دوزخ کے مستحق ہو چکے ہیں انہیں بخشتا ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1272)

"بقیع" مدینہ منورہ میں ایک قبرستان کا نام ہے اسی کو جنت البقیع بھی کہتے ہیں۔ یہاں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا ہے ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ اسی واقعہ کو ذرا تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان فرماتی ہین کہ "جب میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کو اپنی باری کے موقعہ پر بستر پر نہیں پایا تو میں نے اپنے بدن پر اپنے کپڑے لپیٹے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم ڈھونڈتی ہوئی باہر نکل گئی اچانک میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں سجدے میں پڑے ہوئے اور سجدہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا دراز کیا کہ مجھے تو یہ شبہ ہوا کہ (خدانخواستہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم (بہت دیر کے بعد سجدے سے اٹھ کر سلام پھیر چکے تو میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم ڈرتی تھی کہ اللہ اور اس کا رسول تمہارے ساتھ ظلم کا معاملہ کریں گے، یعنی تمہیں یہ خیال ہو گیا تھا کہ میں تمہاری باری چھوڑ کر کسی اور بیوی کے ہاں چلا گیا ہوں"؟ (اس جملے میں "اللہ" کا ذکر زینت اور حسن کلام کے لئے ہے) اس کے بعد حضرت عائشہ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ "یا رسول اللہ ﷺ میں نے یہ گمان نہیں کیا (نعوذ باللہ) اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا ہے بلکہ مجھے تو خیال ہو گیا تھا کہ یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے یا اپنے ہی اجتہاد سے میرے پاس سے اٹھ کر کسی دوسری بیوی کے ہاں چلے گئے ہیں۔

حضرت علامہ ابن حجر حضرت عائشہ کے اس جواب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "خدانخواستہ اگر حضرت عائشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے جواب میں نعم (جی ہاں) فرمادیتیں تو معاملہ اتنا نازک تھا کہ حضرت عائشہ کا یہ جواب کفر شمار ہوتا مگر حضرت عائشہ اپنی فراست اور ذہانت سے صورت حال سمجھ گئیں اس لئے جواب انہوں نے اس پیرایہ سے دیا کہ اس کی پریشانی و حیرانی کا عذر بیان کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کے پاس سے اٹھ آنے کا عذر بیان کیا کہ " شعبان کی پندرہویں شب کو اللہ جل شانہ آسمان دنیا پر نزول جلال فرماتا ہے یعنی اس کی رحمت کاملہ کا فیضان اس بیکراں طور پر ہوتا ہے۔ کہ قبیلہ بنو قلب کے ریوڑ کے جتنے بال ہیں اس سے بھی زیادہ لوگوں کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

لہٰذا یہ وقت چونکہ برکات ربانی اور تجلیات رحمانی کے اترنے کا تھا اس لئے میں نے چاہا کہ ایسے بابرکت اور مقدس وقت میں اپنی امت کے لوگوں کلئے بخشش کی دعا کروں چنانچہ میں جنت البقیع میں پہنچ کر اپنے پروردگار کی مناجات اور اس سے دعا مانگنے میں مشغول ہو گیا۔ یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ آخر روایت میں حضرت امام ترمذی کے قول سے معلوم ہوا۔ لیکن جیسا کہ پہلے بھی کئی جگہ بتایا جا چکا ہے کہ فضائل اعمال کے سلسلہ میں ضعیف احادیث پر عمل کرنا بالا تفاق جائز ہے۔ یہ حدیث اگرچہ اس باب سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی لیکن معنوی طور پر اس حدیث کو باب سے مناسبت یہ ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب بھی اس فضیلت و برکت کی زیادتی کی بناء پر قیام رمضان کے مقدمہ کی مانند ہے۔ (فتح الباری شرح بخاری بہ تصرف)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ جل شانہ، نصف شعبان کی رات کو (یعنی شب برأت کو دنیا والوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور مشرک اور کینہ رکھنے والے کے علاوہ اپنی تمام مخلوق کی بخشش فرماتا ہے"

(سنن ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1279)

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

ہماری بارگاہ کے حکم سے، بیشک ہم ہی بھیجنے والے ہیں۔آپ کے رب کی جانب سے رحمت ہے،

بیشک وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

انبیائے کرام کے ذریعے لوگوں پر رحمت بھیجنے کا بیان

"أَمْرًا" فَرْقًا "مِنْ عِنْدنَا إنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ " الرُّسُل مُحَمَّدًا وَمَنْ قَبْله "رَحْمَة" رَأْفَة بِالْمُرْسَلِ إلَيْهِمْ "مِنْ رَبّك إنَّهُ هُوَ السَّمِيع" لِأَقْوَالِهِمْ "الْعَلِيم" بِأَفْعَالِهِمْ،

ہماری بارگاہ کے حکم سے، بیشک ہم ہی حضرت محمد ﷺ اور آپ سے پہلے رسولان گرامی کو بھیجنے والے ہیں۔یہ آپ کے رب کی جانب سے رحمت ہے، جو اس نے اپنے رسولان گرامی کے ذریعے ان کی جانب بھیجی ہے۔بیشک وہ ان کے اقوال کو سننے والا، ان کے کاموں کو جاننے والا ہے۔

یعنی سال بھر کے متعلق قضاء وقدر کے حکیمانہ اور اٹل فیصلے اسی عظیم الشان رات میں "لوح محفوظ" سے نقل کر کے ان فرشتوں کے حوالہ کیے جاتے ہیں جو شعبہ ہائے تکوینیات میں کام کرنے والے ہیں۔بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شعبان کی پندرھویں رات ہے جسے شب برات کہتے ہیں۔ممکن ہے وہاں سے اس کام کی ابتداء اور شب قدر پر انتہاء ہوئی ہو۔یعنی فرشتوں کو ہر کام پر جو ان کے مناسب ہو۔چنانچہ جبرائیل کو قرآن دے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ

رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۝

آسمانوں اور زمین اور ان چیزوں کا رب جو ان دونوں کے درمیان ہیں، اگر تم یقین کرنے والے ہو۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ

زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے، تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں۔

کفار کا بعث کے بارے میں شک و مذاق کا بیان

"رَبّ السَّمَوَات وَالْأَرْض وَمَا بَيْنهمَا" بِرَفْعِ رَبّ خَبَر ثَالِث وَبِجَرِّهِ بَدَل مِنْ رَبّك "إنْ كُنْتُمْ" يَا أَهْل مَكَّة "مُوقِنِينَ" بِأَنَّهُ تَعَالَى رَبّ السَّمَاوَات وَالْأَرْض فَأَيْقِنُوا بِأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوله "بَلْ هُمْ فِي شَكّ " مِنْ الْبَعْث "يَلْعَبُونَ" اسْتِهْزَاء بِك يَا مُحَمَّد فَقَالَ : "اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوسُف"

آسمانوں اور زمین اور ان چیزوں کا رب جو ان دونوں کے درمیان ہیں، یہاں پر لفظ رب خبر ثالث ہونے کی وجہ سے مرفوع

ہے جبکہ من ربک سے بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔اے اہل مکہ! اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کا رب ہے اور لہٰذا یقین کرو کہ حضرت محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے، تمھارا رب ہے اور تمھارے پہلے باپ دادا کا رب ہے۔

بلکہ وہ بعث کے بارے میں شک میں پڑے کھیل رہے ہیں۔یعنی یا محمد ﷺ وہ آپ کے ساتھ مذاق کرنے والے ہیں۔تو نبی کریم ﷺ نے ان کیلئے فرمایا کہ اے اللہ ان پر سات سال قحط ڈال جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے اہل مصر پر قحط ڈالا تھا۔

کفار مکہ پر قحط مسلط ہونے کا بیان

ان کا قرار علم ویقین سے نہیں بلکہ ان کی بات میں ہنسی اور تمسخر شامل ہے اور وہ آپ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر دعا کی کہ یارب انہیں ایسی ہفت سالہ قحط کی مصیبت میں مبتلا کر جیسے سات سال کا قحط حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں بھیجا تھا، یہ دعا مستجاب ہوئی اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرمایا گیا۔

دخان کی تفسیر میں تفسیری اقوال کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد مسروق کہتے ہیں کہ ایک روز ہم کوفے کی مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک واعظ لوگوں کے سامنے تقریر کر رہا ہے۔اس نے آیت: يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ پڑھی، پھر کہنے لگا، جانتے ہو یہ کیسا دھواں ہے؟ یہ دھواں قیامت کے روز آئے گا اور کفار و منافقین کو اندھا بہرا کر دے گا، مگر اہل ایمان پر اس کا اثر بس اس قدر ہوگا کہ جیسے زکام لاحق ہو گیا ہو۔اس کی یہ بات سن کر ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے واعظ کی یہ تفسیر بیان کی۔

حضرت عبداللہ لیٹے ہوئے تھے۔یہ تفسیر سن کر گھبرا کے اٹھ بیٹھے اور کہنے لگے کہ آدمی کو علم نہ ہو تو اسے جاننے والوں سے پوچھ لینا چاہیے۔اصل بات یہ ہے کہ جب قریش کے لوگ اسلام قبول کرنے سے انکار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہی چلے گئے تو حضور نے دعا کی کہ خدایا یوسف علیہ السلام کے قحط جیسے قحط سے میری مدد فرما۔چنانچہ ایسا شدید کال پڑا کہ لوگ ہڈیاں اور چمڑا اور مردار تک کھا گئے۔اس زمانے میں حالت یہ تھی کہ جو شخص آسمان کی طرف دیکھتا تھا اسے بھوک کی شدت میں بس دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا۔آخر کار ابوسفیان نے آکر حضور سے کہا کہ آپ تو صلہ رحمی کی دعوت دیتے ہیں۔آپ کی قوم بھوکوں مر رہی ہے۔اللہ سے دعا کیجیے کہ اس مصیبت کو دور کر دے۔یہی زمانہ تھا جب قریش کے لوگ کہتے لگے تھے کہ خدایا ہم پر سے یہ عذاب دور کر دے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔اسی واقعہ کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔اور بڑی ضرب سے مراد وہ ضرب ہے جو آخر کار جنگ بدر کے روز قریش کو لگائی گئی۔

یہ روایت امام احمد، بخاری، ترمذی، نسائی، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے متعدد سندوں کے ساتھ مسروق سے نقل کی ہے۔اور مسروق کے علاوہ ابراہیم نخعی، قتادہ، عاصم اور عامر کا بھی یہی بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی یہ تفسیر

ارشاد فرمائی تھی۔ اس لیے اس امر میں کوئی شک نہیں رہتا کہ حضرت موصوف کی رائے فی الواقع یہی تھی۔ تابعین میں سے مجاہد، قتادہ، ابوالعالیہ، مقاتل، ابراہیم النخعی، ضحاک اور عطیۃ العوفی وغیرہ حضرات نے بھی اس تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے اتفاق کیا ہے۔

دوسری طرف حضرت علی، ابن عمر، ابن عباس، ابوسعید خدری، زید بن علی اور حسن بصری جیسے اکابر کہتے ہیں کہ ان آیات میں سارا ذکر قیامت کے قریب زمانے کا کیا گیا ہے اور وہ دھواں جس کی خبر دی گئی ہے، اسی زمانے میں زمین پر چھائے گا۔ مزید تقویت اس تفسیر کو ان روایات سے ملتی ہے جو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔ خذیفہ بن اُسید الغفاری کہتے ہیں کہ ایک روز ہم قیامت کے متعلق آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ اتنے میں حضور برآمد ہوئے اور فرمایا قیامت قائم نہ ہوگی جب تک دس علامات یکے بعد دیگرے ظاہر نہ ہولیں گی: سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ دھواں۔ دابہ۔ یاجوج و ماجوج کا خروج۔ عیسیٰ ابن مریم کا نزول۔ زمین کا دھنسا مشرق میں، مغرب میں اور جزیرۃ العرب میں۔ اور عدن سے آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانکتی ہوئی لے جائے گی (مسلم)

اسی کی تائید ابو مالک اشعری کی وہ روایت کرتی ہے جسے ابن جریر اور طبرانی نے نقل کیا ہے، اور ابوسعید خدری کی روایت جسے ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے۔ ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوئیں کو علامات قیامت میں شمار کیا ہے، اور یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ دھواں جب چھائے گا تو مومن پر اس کا اثر صرف زکام جیسا ہوگا، اور کافر کی نس نس میں وہ بھر جائے گا اور اس کے ہر منفذ سے نکلے گا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، جامع البیان، ابن کثیر، روح البیان، خازن)

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ○ يَّغْشَى النَّاسَ ط هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ رَبَّنَا اكْشِفْ
عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ○ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ○
تو تم اس دن کے منتظر رہو جب آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا۔ جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ یہ دردناک عذاب ہے۔
اے ہمارے رب! ہم سے یہ عذاب دور کردے، بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں۔ اب ان کا نصیحت ماننا کہاں
ہوسکتا ہے حالانکہ ان کے پاس واضح بیان فرمانے والے رسول آچکے۔

کفار مکہ کا نزول عذاب کے وقت نبی کریم ﷺ کی تصدیق کا اقرار کرنے کا بیان

فَارْتَقِبْ يَوْم تَأْتِي السَّمَاء بِدُخَانٍ مُبِين "فَأَجْدَبَتْ الْأَرْض وَاشْتَدَّ بِهِمْ الْجُوع إلَى أَنْ رَأَوْا مِنْ شِدَّته كَهَيْئَةِ الدُّخَان بَيْن السَّمَاء وَالْأَرْض "يَغْشَى النَّاس" فَقَالُوا "هَذَا عَذَاب أَلِيم" "رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَاب إنَّا مُؤْمِنُونَ" مُصَدِّقُونَ نَبِيّك "أَنَّى لَهُمْ الذِّكْرَى" أَيْ لَا يَنْفَعهُمْ الْإِيمَان عِنْد نُزُول الْعَذَاب "وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُول مُبِين" بَيِّن الرِّسَالَة،

تو تم اس دن کے منتظر رہو جب آسمان ایک ظاہر دھواں لائے گا۔ تو زمین پر خشک سالی ظاہر ہوگئی۔ اور انہیں شدید بھوک ہوئی

حتیٰ کہ انہیں زمین وآسمان کے درمیان دھوئیں کی شکل میں کچھ نظر آنے لگا، جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ تو کہنے لگے کہ یہ دردناک عذاب ہے۔

اے ہمارے رب! ہم سے یہ عذاب دور کر دے، بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں۔ اور تیرے نبی مکرم ﷺ کی تصدیق کرتے ہیں۔ اب ان کا نصیحت ماننا کہاں مفید ہو سکتا ہے یعنی نزول عذاب کے وقت ان کا ایمان کہاں فائدے مند ہو سکتا تھا۔ حالانکہ ان کے پاس واضح بیان فرمانے والے رسول آ چکے۔ یعنی رسالت کے واضح دلائل لائے۔

نبی کریم ﷺ کی دعا سے کفار مکہ سے عذاب دور ہو جانے کا بیان

مسروق سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص عبداللہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ایک واعظ بیان کر رہا تھا کہ قیامت کے قریب زمین میں سے ایسا دھواں نکلے کہ اس سے کافروں کے کان بند ہو جائیں گے اور مومنوں کو زکام کا سا ہو جائے گا۔ مسروق کہتے ہیں کہ اس پر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصے ہو گئے اور اٹھ کر بیٹھ گئے (پہلے تکیہ لگائے بیٹھے تھے) اور فرمایا اگر کسی سے ایسی بات پوچھی جائے جس کا اس کے پاس علم ہو تو بیان کرے یا فرمایا بتا دے اور اگر نہ جانتا ہو تو کہہ دے کہ اللہ جانتا ہے۔ یہ بھی انسان کا علم ہے کہ جو چیز نہیں جانتا اس کے بارے میں کہے کہ اللہ اعلم، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ کہہ دیجئے میں تم لوگوں سے اجرت نہیں مانگا اور میں اپنے پاس سے بات بنانے والا نہیں ہوں۔ اس دھوئیں کی حقیقت یہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قریش نافرمانی پر تل چکے ہیں تو دعا کی یا اللہ پر یوسف علیہ السلام کے زمانے کی طرح سات سال کا قحط نازل فرما۔ چنانچہ قحط آیا اور سب چیزیں ختم ہو گئی، یہاں تک کہ لوگ کھالیں اور مردار کھانے لگے۔ اعمش یا منصور کہتے ہیں کہ ہڈیاں بھی کھانے لگے۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ پھر زمین میں سے ایک دھواں نکلنے لگا۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر ابوسفیان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی کہ آپ کی قوم ہلاک ہو گئی ہے (فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ، سو اس دن کا انتظار کیجئے کہ آسمان دھواں ظاہر لائے، جو لوگوں کو ڈھانپ لے۔ یہی دردناک عذاب ہے)۔ منصور کہتے ہیں یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ لوگ دعا کریں گے ربنا اکشف الآیۃ (اے ہمارے رب! ہم سے یہ عذاب دور کر دے بے شک ہم ایمان لانے والے ہیں)۔ کیوں کہ قیامت کا عذاب تو دور نہیں کیا جائے گا۔ (یعنی یہ آیت بھی عبداللہ کے قول کی تائید کرتی ہے) عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بطشہ لزام اور دخان کے عذاب گذر چکے ہیں۔ اعمش یا منصور کہتے ہیں چاند کا پھٹنا بھی گذر گیا۔ اور پھر ان دونوں میں سے ایک یہ بھی کہتے ہیں کہ روم غالب ہونا بھی گذر گیا، امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لزام سے مراد جنگ بدر کے موقع پر جو لوگ قتل ہوئے ہیں وہ ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1202)

کفار مکہ پر دھواں مسلط ہو جانے کا بیان

فرماتا ہے کہ حق آ چکا اور یہ شک شبہ میں اور لہو لعب میں مشغول و مصروف ہیں انہیں اس دن سے آگاہ کر دے جس دن آسمان

سے سخت دھواں آئے گا حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ کوفے کی مسجد میں گئے جو کندہ کے دروازوں کے پاس ہے تو دیکھا کہ ایک حضرت اپنے ساتھیوں میں قصہ گوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جس دھوئیں کا ذکر ہے اس سے مراد وہ دھواں ہے جو قیامت کے دن منافقوں کے کانوں اور آنکھوں میں بھر جائے گا اور مومنوں کو مثل زکام کے ہو جائے گا۔ ہم وہاں سے جب واپس لوٹے اور حضرت ابن مسعود سے اس کا ذکر کیا تو آپ لیٹے لیٹے بیتابی کے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے میں تم سے اس پر کوئی بدلہ نہیں چاہتا اور میں تکلف کرنے والوں میں نہیں ہوں۔ یہ بھی علم ہے کہ انسان جس چیز کو نہ جانتا ہو کہہ دے کہ اللہ جانے سنو میں تمہیں اس آیت کا صحیح مطلب سناؤں جب کہ قریشیوں نے اسلام قبول کرنے میں تاخیر کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے لگے تو آپ نے ان پر دعائے ضرر کی کہ یوسف کے زمانے جیسا قحط ان پر آپڑے۔ چنانچہ وہ دعا قبول ہوئی اور ایسی خشک سالی آئی کہ انہوں نے ہڈیاں اور مردار چبانا شروع کیا۔ اور آسمان کی طرف نگاہیں ڈالتے تھے تو دھویں کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ بوجہ بھوک کے ان کی آنکھوں میں چکر آنے لگے جب آسمان کی طرف نظر اٹھاتے تو درمیان میں ایک دھواں نظر آتا۔ اسی کا بیان ان دو آیتوں میں ہے۔ لیکن پھر اس کے بعد لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی ہلاکت کی شکایت کی۔ آپ کو رحم آ گیا اور آپ نے جناب باری تعالیٰ میں التجا کی چنانچہ بارش برسی اسی کا بیان اس کے بعد والی آیت میں ہے کہ عذاب کے ہٹتے ہی پھر کفر کرنے لگیں گے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ یہ دنیا کا عذاب ہے کیونکہ آخرت کے عذاب تو ہٹتے کھلتے اور دور ہوتے نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ دخان، بیروت)

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝
پھر انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا اور (گستاخی کرتے ہوئے) کہنے لگے، سکھایا ہوا دیوانہ ہے۔ بے شک ہم یہ عذاب تھوڑی
دیر کے لیے دور کرنے والے ہیں، بے شک تم دوبارہ وہی کچھ کرنے والے ہو۔

عذاب کے بعد کفار کا کفر کی جانب لوٹ جانے کا بیان

"ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّم" أَيْ يُعَلِّمهُ الْقُرْآن بَشَر "إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَاب" أَيْ الْجُوع عَنْكُمْ زَمَنًا "قَلِيلًا" فَكَشَفَ عَنْهُمْ "إِنَّكُمْ عَائِدُونَ" إِلَى كُفْركُمْ فَعَادُوا إِلَيْهِ

پھر انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا اور (گستاخی کرتے ہوئے) کہنے لگے، وہ سکھایا ہوا دیوانہ ہے۔ یعنی کوئی شخص اس کو قرآن سکھاتا ہے۔ بے شک ہم یہ عذاب جو بھوک کا تھا تھوڑی دیر کے لیے ان سے دور کرنے والے ہیں، تو ہم نے ان سے دور کر دیا بے شک تم دوبارہ وہی کچھ کرنے والے ہو۔ یعنی تم کفر کی جانب لوٹنے والے ہو۔

قحط ختم ہوتے کفار کے اعراض عن الحق کا بیان

اب موقع سمجھنے اور نصیحت سے فائدہ اٹھانے کا کہاں رہا۔ اس وقت تو مانا نہیں جب ہمارا پیغمبر کھلے کھلے نشان اور کھلی کھلی ہدایات لے کر آیا تھا۔ اس وقت کہتے تھے کہ یہ باؤلا ہے۔ کبھی کہتے کہ کسی دوسرے سے سیکھ کر اس نے یہ کتاب تیار کر لی ہے (ابن عباس کی تفسیر پر یہ مطلب ہوا) اور ابن مسعود کی تفسیر کے موافق یہ معنی ہوں گے کہ اہل مکہ نے قحط وغیرہ سے تنگ آ کر درخواست کی کہ یہ آفت ہم سے دور کیجیے۔

بعض روایات میں ہے کہ ابوسفیان وغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد کی کہ آپ تو کہتے ہیں کہ میں رحمت ہوں اور یہ آپ کی قوم قحط وخشک سالی سے تباہ ہو رہی ہے۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحم اور قرابت کا واسطہ دیتے ہیں کہ اس مصیبت کے دور ہونے کی دعا کیجیے۔ اگر ایسا ہو گیا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ آپ کی دعا سے بارش ہوئی اور ثمامہ نے جو غلہ روک دیا تھا وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلوا دیا پھر بھی وہ ایمان نہ لائے۔ اسی کو فرماتے ہیں "انی لہم الذکریٰ" یعنی یہ لوگ ان باتوں سے ماننے والے کہاں ہیں، اس قسم کی چیزوں میں تو ہزار تاویلیں گھڑ لیں جو چیز بالکل کھلی ہوئی آفتاب اور زیادہ روشن تھی یعنی آپ کی پیغمبری۔ اسی کو نہ مانا۔ کوئی مجنون بتلانے لگا، کسی نے کہا کہ صاحب! فلاں رومی غلام سے کچھ مضامین سیکھ آئے ہیں ان کو اپنی عبادت میں ادا کر دیتے ہیں۔ ایسے متعصب معاندین سے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ دخان، بیروت)

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝
وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۝
جس دن ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے، بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں۔ اور درحقیقت ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کی
آزمائش کی تھی اور ان کے پاس بزرگی والے رسول (موسیٰ علیہ السلام) آئے تھے۔

کفار مکہ سے پہلے فرعون کی آزمائش ہو چکنے کا بیان

اُذْكُرْ "يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى" هُوَ يَوْمُ بَدْرٍ وَالْبَطْشُ الْاَخْذُ بِقُوَّةٍ "اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ" مِنْهُمْ "وَلَقَدْ فَتَنَّا" بَلَوْنَا "قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ" مَعَهُ "وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ" هُوَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام "كَرِيمٌ" عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى،

یاد کریں کہ جس دن ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے، اور وہ یوم بدر ہے اور بطش کا معنی مضبوطی سے پکڑنا ہے۔ بے شک ہم انتقام لینے والے ہیں۔ اور درحقیقت ہم نے ان سے پہلے قوم فرعون کی بھی آزمائش کی تھی اور ان کے پاس بزرگی والے رسول موسیٰ علیہ السلام آئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کے نزدیک بڑی پکڑ قیامت ہوگی۔ غرض یہ ہے کہ آخرت کا عذاب نہیں ٹلتا۔ اور ابن مسعود کے

نزدیک "بڑی پکڑ" سے معرکہ "بدر" کا واقعہ مراد ہے۔ "بدر" میں ان لوگوں سے بدلہ لے لیا گیا۔

اس سے مراد جنگ بدر کی گرفت ہے، جس میں ستر کافر مارے گئے اور ستر قیدی بنا لئے گئے۔ دوسری تفسیر کی رو سے یہ سخت گرفت قیامت والے دن ہوگی۔ یہ اس گرفت خاص کا ذکر ہے جو جنگ بدر میں ہوئی، کیونکہ قریش کے سیاق میں ہی اس کا ذکر ہے، اگرچہ قیامت والے دن بھی اللہ تعالیٰ سخت گرفت فرمائے گا تاہم وہ گرفت عام ہوگی، ہر نافرمان اس میں شامل ہوگا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ان مشرکین سے پہلے مصر کے قبطیوں کو ہم نے جانچا ان کی طرف اپنے بزرگ رسول حضرت موسیٰ کو بھیجا انہوں نے میرا پیغام پہنچایا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ کر دو انہیں دکھ نہ دو میں اپنی نبوت پر گواہی دینے والے معجزے اپنے ساتھ لایا ہوں اور ہدایت کے ماننے والے سلامتی سے رہیں گے مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کا امانت دار بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے میں تمہیں اس کا پیغام پہنچا رہا ہوں تمہیں رب کی باتوں کے ماننے سے سرکشی نہ کرنی چاہئے اس کے بیان کردہ دلائل واحکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہئے۔ اس کی عبادتوں سے جی چرانے والے ذلیل وخوار ہو کر جہنم واصل ہوتے ہیں میں تو تمہارے سامنے کھلی دلیل اور واضح آیت رکھتا ہوں میں تمہاری بدگوئی اور اہتمام سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔

اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝
وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّیْۤ اٰتِیْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝
کہ اللہ کے بندوں کو مجھے سپرد کر دو بیشک میں تمہارے لیے امانت والا رسول ہوں۔ اور یہ کہ اللہ کے مقابلے میں
سرکشی نہ کرو، میں تمہارے پاس روشن دلیل لے کر آیا ہوں۔

رسالت کی تصدیق کی بہ جائے سنگسار کی دھمکی دینے والے کفار کا بیان

"أَنْ" أَیْ بِأَنْ "أَدُّوا إِلَیَّ" مَا أَدْعُوكُمْ إِلَیْهِ مِنْ الْإِیمَان أَیْ أَظْهِرُوا إِیمَانكُمْ لِی یَا "عِبَاد اللّٰه إِنِّی لَكُمْ رَسُول أَمِین" عَلَى مَا أُرْسِلْت بِهِ

"وَأَنْ لَا تَعْلُوا" تَتَجَبَّرُوا "عَلَى اللّٰه" بِتَرْكِ طَاعَته "إِنِّی آتِیكُمْ بِسُلْطَانٍ" بُرْهَان "مُبِین" بَیِّن عَلَى رِسَالَتِی فَتَوَعَّدُوهُ بِالرَّجْمِ

کہ اللہ کے بندوں کو مجھے سپرد کر دو یعنی میں تمہیں جس ایمان کی طرف بلاتا ہوں وہ ایمان مجھ پر ظاہر کرواے اللہ کے بندو! بیشک میں تمہارے لیے امانت والا رسول ہوں۔ یعنی جس رسالت کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔ اور یہ کہ اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو، یعنی اطاعت کو چھوڑ کر تکبر مت کرو۔ میں تمہارے پاس روشن دلیل لے کر آیا ہوں۔ جو میری رسالت پر واضح دلیل ہے لیکن انہوں نے سنگسار کرنے کی دھمکی دے دی۔

ابن عباس اور ابو صالہ تو یہی کہتے ہیں اور قتادہ کہتے ہیں مراد پتھراؤ کرنا پتھروں سے مار ڈالنا ہے یعنی زبانی ایذاء سے اور دستی

ایذاء سے میں اپنے رب کی جو تمہارا بھی مالک ہے پناہ چاہتا ہوں اچھا اگر تم میری نہیں مانتے مجھ پر بھروسہ نہیں کرتے اللہ پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم میری تکلیف دہی اور ایذاء رسانی سے تو باز رہو۔ اور اس کے منتظر رہو جب کہ خود اللہ ہم میں تم میں فیصلہ کر دے گا پھر جب اللہ کے نبی کلیم اللہ حضرت موسیٰ نے ایک لمبی مدت ان میں گذاری خوب دل کھول کھول کر تبلیغ کر لی ہر طرح کی خیر خواہی کی ان کی ہدایت کے لئے ہر چند جتن کر لئے اور دیکھا کہ وہ روز بروز اپنے کفر میں بڑھتے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے انکے لئے بددعا کی جیسے اور آیت میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب تو نے فرعون اور اس کے امراء کو دنیوی نمائش اور مال ومتاع دے رکھی ہے اے اللہ یہ اس سے دوسروں کو بھی تیری راہ سے بھٹکا رہے ہیں تو ان کا مال غارت کر اور ان کے دل اور سخت کر دے تا کہ دردناک عذابوں کے معائنہ تک انہیں ایمان نصیب ہی نہ ہو اللہ کی طرف سے جواب ملا کہ اے موسیٰ اور اے ہارون میں نے تمہاری دعا قبول کر لی۔

وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِo وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِo
فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَo
اور میں پناہ لیتا ہوں اپنے رب اور تمہارے رب کی اس سے کہ تم مجھے سنگسار کرو۔ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے
تو مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ پھر انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ بیشک یہ لوگ مجرم قوم ہیں۔

کفار کے شر سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کا بیان

"وَاِنِّی عُذْتُ بِرَبِّی وَرَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُونِی" بِالْحِجَارَةِ "وَاِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا لِی" تُصَدِّقُونِی "فَاعْتَزِلُونِ" فَاتْرُکُوا اَذَایَ فَلَمْ یَتْرُکُوهُ "فَدَعَا رَبّه اَنَّ" اَیْ بِاَنَّ "هٰؤُلَاءِ قَوْم مُجْرِمُونَ" مُشْرِکُونَ،

اور میں پناہ لیتا ہوں اپنے رب اور تمہارے رب کی اس سے کہ تم مجھے پتھروں سے سنگسار کرو۔ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے یعنی میری تصدیق نہ کی تو مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ یعنی مجھے اذیت دینا چھوڑ دو لیکن انہوں نے اذیت دینا نہ چھوڑا۔ پھر انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ بیشک یہ لوگ یعنی مشرک مجرم قوم ہیں۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب اندر ہی اندر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پھیل رہی تھی۔ بنی اسرائیل کے علاوہ قوم فرعون کے بھی بہت سے آدمی در پردہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے اور فرعون کو اپنی سلطنت کے چھن جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور اس نے اپنے درباریوں سے اور قوم کے لوگوں سے کہا تھا کہ "مجھے چھوڑو میں موسیٰ کو قتل کئے دیتا ہوں ورنہ وہ تمہارا دین بھی تباہ کر دے گا اور ملک میں سخت بدامنی پھیلا دے گا" اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے پروردگار کی پناہ میں آ چکا ہوں۔ لہٰذا تم میرا بال بھی بیکا نہ کر سکو گے۔ مجھے رجم کرنا تو دور کی بات ہے۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ○ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ○

پھر تم میرے بندوں کو راتوں رات لے کر چلے جاؤ بیشک تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ اور دریا کو ساکن اور کھلا چھوڑ دینا،

بیشک وہ ایسا لشکر ہے جسے ڈبو دیا جائے گا۔

بنی اسرائیل کو راتوں رات مصر سے لے جانے کا بیان

"فَأَسْرِ" بِقَطْعِ الْهَمْزَة وَوَصْلهَا "بِعِبَادِی" بَنِی إِسْرَائِيل "لَيْلًا إِنَّكُمْ مُتَّبَعُونَ" يَتَّبِعكُمْ فِرْعَوْن وَقَوْمه،

"وَاتْرُكِ الْبَحْر" إِذَا قَطَعْته أَنْتَ وَأَصْحَابك "رَهْوًا" سَاكِنًا مُنْفَرِجًا حَتَّى يَدْخُلهُ الْقِبْط "إِنَّهُمْ جُنْد مُغْرَقُونَ" فَاطْمَأَنَّ بِذَلِكَ فَأُغْرِقُوا،

ارشاد ہوا، پھر تم میرے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر چلے جاؤ۔ یہاں پر لفظ فاسر میں ہمزہ قطعی ہے اور اس کا وصل کیا گیا ہے بیشک فرعون اور اس کی قوم کے ذریعے تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ اور تمہارے اور تمہارے اصحاب کے گزر جانے کے بعد دریا کو ساکن اور کھلا چھوڑ دینا، تاکہ اس میں قبطی داخل ہو جائیں۔ بیشک وہ ایسا لشکر ہے جسے ڈبو دیا جائے گا۔ پس جب اطمینان ہوا تو وہ انہیں غرق کر دیا گیا۔

بنی اسرائیل کی نجات کیلئے رات کو لے کر جانے کا بیان

اب تم استقامت پر تل جاؤ یہاں فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ سے کہا کہ میرے بندوں یعنی بنی اسرائیل کو راتوں رات فرعون اور فرعونیوں کی بیخبری میں یہاں سے لے کر چلے جاؤ۔ یہ کفار تمہارا پیچھا کریں گے لیکن تم بیخوف وخطر چلے جاؤ میں تمہارے لئے دریا کو خشک کر دوں گا اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چل پڑے فرعونی لشکر مع فرعون کے ان کے پکڑنے کو چلا بیچ میں دریا حائل ہوا آپ بنی اسرائیل کو لے کر اس میں اتر گئے دریا کا پانی سوکھ گیا اور آپ اپنے ساتھیوں سمیت پار ہو گئے تو چاہا کہ دریا پر لکڑی مار کر اسے کہدیں کہ اب تو اپنی روانی پر آ جا تا کہ فرعون اس سے گزر نہ سکے وہیں اللہ نے وحی بھیجی کہ اسے اسی حال میں سکون کے ساتھ ہی رہنے دو ساتھ ہی اس کی وجہ بھی بتا دی کہ یہ سب اسی میں ڈوب مریں گے۔ پھر تو تم سب بالکل ہی مطمئن اور بیخوف ہو جاؤ گے غرض حکم ہوا تھا کہ دریا کو خشک چھوڑ کر چل دیں (رھوا) کے معنی سوکھا راستہ جو اصلی حالت پر ہو۔

مقصد یہ ہے کہ پار ہو کر دریا کو روانی کا حکم نہ دینا یہاں تک کہ دشمنوں میں سے ایک ایک اس میں آ نہ جائے اب اسے جاری ہونے کا حکم ملتے ہی سب کو غرق کر دے گا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دیکھو کیسے غارت ہوئے۔ باغات کھیتیاں نہریں مکانات اور بیٹھکیں سب چھوڑ کر فنا ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں مصر کا دریائے نیل مشرق مغرب کے دریاؤں کا سردار ہے اور سب نہریں اس کے ماتحت

ہیں جب اس کی روانی اللہ کو منظور ہوتی ہیں تو تمام نہروں کو اس میں پانی پہنچانے کا حکم ہوتا ہے جہاں تک رب کو منظور ہو اس میں پانی آ جاتا ہے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اور نہروں کو روک دیتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اب اپنی اپنی جگہ چلی جاؤ اور فرعونیوں کے یہ باغات دریائے نیل کے دونوں کناروں پر مسلسل چلے گئے تھے رسواں سے لے کر رشید تک اس کا سلسلہ تھا اور اس کی نو خلیجیں تھیں۔ خلیج اسکندریہ، دمیاط، خلیج سردوس، خلیج منصف، خلیج منتہی اور ان سب میں اتصال تھا ایک دوسرے سے متصل تھیں اور پہاڑوں کے دامن میں ان کی کھیتیاں تھیں جو مصر سے لے کر دریا تک برابر چلی آتی تھیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ دخان، بیروت)

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ○ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ○ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ○

وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے۔ اور زراعتیں اور عالی شان عمارتیں۔ اور خوش حالی، جن میں وہ مزے اڑانے والے تھے۔

دنیا کی کثیر نعمتوں کو چھوڑ کر جانے والے کفار کا بیان

"كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنَّات" بَسَاتِين "وَعُيُون" تَجْرِي "وَزُرُوع وَمَقَام كَرِيم" مَجْلِس حَسَن "وَنَعْمَة" مُتْعَة "كَانُوْا فِيهَا فَاكِهِينَ" نَاعِمِينَ

وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے۔ اور زراعتیں اور عالی شان عمارتیں۔ اور خوش حالی، کتنی آرام دہ مجلسیں چھوڑنے والے جن میں وہ مزے اڑانے والے تھے۔ یعنی جن میں آرام کرنے والے تھے۔

ان تمام کو بھی دریا سیراب کرتا تھا بڑے امن چین کی زندگی گذار رہے تھے لیکن مغرور ہو گئے اور آخر ساری نعمتیں یونہی چھوڑ کر تباہ کر دیئے گئے۔ مال اولاد جاہ و مال سلطنت وعزت ایک ہی رات میں چھوڑ گئے اور بھس کی طرح اڑا دیئے گئے اور گذشتہ کل کی طرح بے نشان کر دیئے گئے ایسے ڈبوئے گئے کہ ابھر نہ سکے جہنم واصل ہو گئے اور بدترین جگہ پہنچ گئے ان کی یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دے دیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ دخان، بیروت)

كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ○ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ○

اسی طرح ہوا اور ہم نے ان کا وارث اور لوگوں کو بنا دیا۔ پھر نہ ان پر آسمان وزمین روئے اور نہ وہ مہلت پانے والے ہوئے۔

کفار کی ہلاکت پر زمین وآسمان میں سے کسی چیز کے بھی افسوس نہ کرنے کا بیان

"كَذٰلِكَ" خَبَر مُبْتَدَأ أَيْ الْأَمْر "وَأَوْرَثْنَاهَا" أَيْ أَمْوَالهمْ "قَوْمًا آخَرِينَ" أَيْ بَنِي إِسْرَائِيل "فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاء وَالْأَرْض" بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِينَ يَبْكِي عَلَيْهِمْ بِمَوْتِهِمْ مُصَلَّاهُمْ مِنَ الْأَرْض وَمَصْعَد عَمَلهمْ مِنَ السَّمَاء "وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِينَ" مُؤَخَّرِينَ لِلتَّوْبَةِ،

اسی طرح ہوا، یہاں پر لفظ کذلک یہ مبتداء کی خبر ہے۔ یعنی معاملہ ایسا ہی ہے۔ اور ہم نے ان کے اموال کا وارث اور لوگوں یعنی بنی اسرائیل کو بنا دیا۔ پھر نہ ان پر آسمان وزمین روئے۔ جبکہ اہل ایمان کی موت پر ان کی نماز والی جگہ روتی ہے۔ اور جن

راستوں پر ان کے نیک اعمال آسمان کی طرف چڑھتے تھے وہ راستے بھی روتے ہیں۔ اور نہ وہ مہلت پانے والے ہوئے۔ یعنی توبہ کیلئے انہیں کوئی تاخیر نہ دی جائے گی۔

حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کے بعد مصر کی سرزمین کا وارث بنادیا۔ اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد دوسرے لوگ ہیں جو آل فرعون کے بعد مصر کے وارث ہوئے، کیونکہ تاریخوں میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں ملتا کہ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کبھی وہاں واپس گئے ہوں اور وہاں اس زمین کے وارث ہوئے ہوں یہی اختلاف بعد کے مفسرین میں بھی پایا جاتا ہے۔

مؤمن کی وفات پر زمین وآسمان کے رونے کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مومن کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک سے اس کے نیک عمل اوپر چڑھتے ہیں اور دوسرے سے اس کا رزق اترتا ہے۔ جب وہ مرجاتا ہے تو دونوں اس کی موت پر روتے ہیں۔ چنانچہ کفار کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ، نہ آسمان رویا، نہ زمین اور نہ ان کو مہلت دی گئی اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس ذلت کے عذاب سے نجات دی۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے مرفوعاً جانتے ہیں۔ اور موسیٰ بن عبیدہ اور یزید بن ابان رقاشی حدیث میں ضعیف ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1203)

کیونکہ وہ ایماندار نہ تھے اور ایماندار جب مرتا تو اس پر آسمان وزمین چالیس روز تک روتے ہیں، جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں ہے مجاہد سے کہا گیا کہ مومن کی موت پر آسمان وزمین روتے ہیں، فرمایا زمین کیوں نہ روئے اس بندے پر جو زمین کو اپنے رکوع وسجود سے آباد رکھتا تھا اور آسمان کیوں نہ روئے اس بندے پر جس کی تسبیح وتکبیر آسمان میں پہنچتی تھی۔ حسن کا قول ہے کہ مومن کی موت پر آسمان والے اور زمین والے روتے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ دخان، لاہور)

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے والے عذاب سے نجات دی۔ فرعون سے، بے شک
وہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ایک سرکش شخص تھا۔

بنی اسرائیل کو عذاب سے نجات دلانے کا بیان

"وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِي إِسْرَائِيل مِنَ الْعَذَاب الْمُهِين" قَتْل الْأَبْنَاء وَاسْتِخْدَام النِّسَاء "مِنْ فِرْعَوْن" قِيلَ بَدَل مِنْ الْعَذَاب بِتَقْدِيرِ مُضَاف أَيْ عَذَاب وَقِيلَ حَال مِنْ الْعَذَاب،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل کرنے والے عذاب یعنی بیٹوں کے قتل اور عورتوں سے خدمت لینے والے عذاب

سے نجات دی۔ فرعون سے، کہا گیا کہ فرعون عذاب تقدیر مضاف کے سبب بدل ہے۔ یعنی عذاب اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عذاب سے حال ہے۔ بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ایک سرکش شخص تھا۔

یعنی حد سے بڑھنے والے تو اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ ایسے لوگوں میں بھی فرعون کا سر سب سے اونچا تھا۔ جس کی حکومت اپنے دور میں سب سے بڑی اور مستحکم تھی۔ جس کا خاندان اپنے آپ کو سورج بنسی خاندان سے منسوب کرتا تھا اور جو اپنی رعایا کا قانونی اور سیاسی خدا بنا ہوا تھا اور ایسی خدائی کا دھڑلے سے دعویٰ بھی رکھتا تھا۔ اس نے جب اللہ کے رسول کو جھٹلایا اور اس کی مخالفت پر اتر آیا تو اے کفار مکہ! تم نے اس کا حشر دیکھ لیا اور تم تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں اپنی چھوٹی چھوٹی قبائلی سرداریوں پر اتراتے پھرتے ہو۔ تم اگر وہی فرعون والی سرکشی کی راہ اختیار کرو گے تو اپنا انجام خود سوچ لو۔

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ مَا فِيْهِ بَلٰٓـؤٌا مُّبِيْنٌ ○
اور بیشک ہم نے ان کو علم کی بنا پر ساری دنیا پر چن لیا تھا۔ اور ہم نے انھیں وہ نشانیاں دیں جن میں واضح آزمائش تھی۔

بنی اسرائیل کو اس زمانے میں فضیلت ملنے کا بیان

"وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ" أَیْ بَنِی إِسْرَائِیلَ "عَلَی عِلْمٍ" مِنَّا بِحَالِهِمْ "عَلَی الْعَالَمِینَ" أَیْ عَالِمِی زَمَانِهِمْ أَیْ الْعُقَلَاء،

"وَآتَیْنَاهُمْ مِنَ الْآیَاتِ مَا فِیهِ بَلَاءٌ مُبِینٌ" نِعْمَة ظَاهِرَة مِنْ فَلْقِ الْبَحْرِ وَالْمَنِّ وَالسَّلْوَی وَغَیْرهَا،

اور بیشک ہم نے ان بنی اسرائیل کو علم کی بنا پر ساری دنیا کی معاصر تہذیبوں پر چن لیا تھا۔ یعنی اس زمانے کے اہل عقل پر چن لیا اور ہم نے انھیں وہ نشانیاں دیں جن میں واضح آزمائش تھی۔ یعنی واضح نعمتیں جس طرح سمندر کو پھاڑ دینا، من سلویٰ وغیرہ کا نزول ہے۔

اس سے بنی اسرائیل کا امت محمدیہ علی صاحبہا السلام پر فائق ہونا لازی نہیں آتا۔ کیونکہ اس سے مراد اس زمانے کے دنیا جہان والے ہیں اور اس وقت بلاشبہ وہ تمام اقوام سے افضل تھے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے حضرت مریم کے لئے نساء العالمین پر فضیلت کا قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی خاص پہلو سے بنی اسرائیل کو تمام دنیا اور ہر زمانے کے لوگوں پر کوئی فضیلت حاصل ہو لیکن مجموعی حیثیت سے افضلیت امت محمدیہ ہی کو حاصل ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ابن کثیر وغیرہ) اور علی علم (اپنے علم کی رو سے) کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے پس ان کو فوقیت دینا چونکہ ہمارے علم میں حکمت و مصلحت کا تقاضا تھا، اس لئے ہم نے ان کو فوقیت دے دی ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ دخان، بیروت)

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ○ اِنْ هِىَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ○
فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

بے شک یہ لوگ یقیناً کہتے ہیں۔ کہ ہماری اس پہلی موت کے سوا کوئی نہیں اور نہ ہم کبھی دوبارہ اٹھائے جانے والے ہیں۔
تو ہمارے باپ دادا کو لے آؤ، اگر تم سچے ہو۔

کفار مکہ کا دوبارہ زندہ ہونے کے انکار کی دلیل بتانے کا بیان

"إِنَّ هَؤُلَاءِ" أَيْ كُفَّار مَكَّة "إِنْ هِيَ" مَا الْمَوْتَة الَّتِي بَعْدهَا الْحَيَاة "إِلَّا مَوْتَتنَا الْأُولَى" أَيْ وَهُمْ نُطَف "وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِينَ" بِمَبْعُوثِينَ أَحْيَاء بَعْد الثَّانِيَة "فَأْتُوا بِآبَائِنَا" أَحْيَاء "إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" أَنَّا نُبْعَث بَعْد مَوْتنَا أَيْ نُحْيَا،

بے شک یہ لوگ یعنی کفار مکہ یقیناً کہتے ہیں۔ کہ ہماری اس پہلی موت کے سوا کوئی موت نہیں یعنی اس موت کے بعد کوئی زندگی ہی نہیں ہے۔ (تو موت کیسے ہوگی) اور پہلی موت سے مراد نطفہ سے زندہ ہونے کے بعد آنے والی موت ہے۔ اور نہ ہم کبھی دوبارہ اٹھائے جانے والے ہیں۔ یعنی ہم دوبارہ زندہ نہ کیے جائیں گے۔ تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لے آؤ، اگر تم سچے ہو۔ یعنی اس بات میں سچے ہو کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔

یہاں مشرکین کا انکار قیامت اور اس کی دلیل بیان فرما کر اللہ تعالیٰ اس کی تردید کرتا ہے ان کا خیال تھا کہ قیامت آنی نہیں مرنے کے بعد جینا نہیں۔ حشر اور نشر سب غلط ہے دلیل یہ پیش کرتے تھے کہ ہمارے باپ دادا مر گئے وہ کیوں دوبارہ جی کر نہیں آئے؟ خیال کیجئے یہ کس قدر بودی اور بیہودہ دلیل ہے دوبارہ اٹھ کھڑا ہونا مرنے کے بعد جینا قیامت کو ہوگا نہ کہ دنیا میں پھر لوٹ کر آئیں گے۔ اس دن یہ ظالم جہنم کا ایندھن بنیں گے اس وقت یہ امت اگلی امتوں پر گواہی دے گی اور ان پر انکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے پھر اللہ تعالیٰ انہیں ڈرا رہا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے جو عذاب اسی جرم پر اگلی قوموں پر آئے وہ تم پر بھی آ جائیں اور ان کی طرح بے نام ونشان کر دیے جاؤ۔

اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○
وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ○
بھلا یہ لوگ بہتر ہیں یا تُبّع کی قوم اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے، ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا تھا، بیشک وہ لوگ مجرم تھے۔
اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے محض کھیلتے ہوئے نہیں بنایا۔

قوم تبع کا بیان

"أَهُوَ خَيْر أَمْ قَوْم تُبَّع" هُوَ نَبِيّ أَوْ رَجُل صَالِح "وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلهمْ" مِنْ الْأُمَم "أَهْلَكْنَاهُمْ" بِكُفْرِهِمْ وَالْمَعْنَى لَيْسُوا أَقْوَى مِنْهُمْ وَأُهْلِكُوا "وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَات وَالْأَرْض وَمَا بَيْنهمَا لَاعِبِينَ" بِخَلْقِ ذَلِكَ حَال،

بھلا یہ لوگ بہتر ہیں یا (بادشاہِ یمن اسعد ابو کریب) تُبَّع (الحمیر ی) کی قوم اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے، وہ تبع نبی تھا یا نیک شخص تھا۔ ہم نے ان سب امم کو ان کے کفر کے سبب ہلاک کر ڈالا تھا، معنی یہ ہے کہ یہ سب لوگ ان سے زیادہ طاقتور نہیں ہیں بیشک وہ لوگ مجرم تھے۔ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے محض کھیلتے ہوئے نہیں بنایا۔ جو لاعبین سے حال ہے۔

بادشاہ تبع سے متعلق تاریخی روایات کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ شاہانِ یمن میں ایک بادشاہ تبع ابو کرم تبان اسعد گزرا ہے۔ یمن کا ہر بادشاہ تبع کہلاتا تھا جیسے زمانہ ماقبل میں فارس کے ہر بادشاہ کو کسریٰ اور مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔ فراعنہ مصر کی طرح تبابعہ یمن تبابان ملک یمن ہوتے تھے۔ اسعد نامی بادشاہ یمن قبیلہ حمیری سے تھا اسی لیے اسے تبع الحمیر ی سے یاد کیا جاتا ہے۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ قبیلہ بنی عدی بن نجار کے کسی یہودی مذہب رکھنے والے شخص نے جو مدینہ کا باشندہ تھا اصحابِ تبع میں سے کسی آدمی پر زیادتی کیا وراسے معمولی سی بات پر قتل کر دیا۔ اس بنا پر تبع ان یہودیوں سے قتال کرتا رہا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ تبع ابھی یہودیوں کے قتال میں مصروف تھا کہ اس کے پاس بنی قریظہ کے احبار یہود میں سے دو حبر (یعنی عالم) آئے جو اپنے علم میں بڑے راسخ تھے۔ انہوں نے سنا تھا کہ تبع مدینہ اور مدین کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے کے در پے ہیں۔ ان دونوں نے اس سے کہا کہ اے بادشاہ! تو ایسا نہ کر۔ اگر تو اپنے اس ارادہ سے باز نہ آیا تو ہمیں خوف ہے کہ تیرے اس ارادہ فاسدہ کے بروئے کار آنے سے پہلے کہیں تجھ پر سخت عذاب نہ آ جائے۔ تبع نے کہا یہ کیوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ شہر مدینہ اس نبی آخر الزمان ﷺ کا مقام ہجرت ہے جو اس حرم سے قبیلہ قریش سے پیدا ہوگا اور مدینہ اس کا دار اور جائے قرار رہے گا۔ تبع یہ سن کر اپنے ارادہ سے باز آ گیا اور اس نے سوچا کہ یہ دونوں اہل علم ہیں۔ ان دونوں کی باتیں بھی اسے بہت پسند آئیں اور وہ ان دونوں کا دین اختیار کر کے مدینہ سے واپس چلا گیا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ تبع اور اس کی ساری قوم بتوں کے پجاری تھے۔ تبع مدینہ سے یمن کی طرف جاتے ہوئے مکہ کی طرف متوجہ ہوا۔ کیونکہ اس کا راستہ ہی مکہ کی طرف سے تھا جب وہ عسفان اور امج کے درمیان پہنچا تو اس کے پاس ہزیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن سعد بن عدنان کے قبیلے کے چند افراد آئے اور وہ کہنے لگے کہ اے بادشاہ! کیا ہم ایک ایسے گھر کی طرف تیری رہنمائی نہ کریں جو اموال کثیرہ کا مخزن ہے۔ آپ سے پہلے تمام بادشاہ اس کی طرف سے غافل رہے۔ اس میں موتی، زبرجد، یاقوت اور سونا چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ تبع نے کہا کیوں نہیں! آپ ضرور میری راہنمائی کیجیے۔ انہوں نے کہا وہ ایک گھر ہے مکہ میں، مکے والے اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے قریب اپنے مذہب کے مطابق عبادت کے طریقے بجالاتے ہیں۔ قبیلہ بنی ہزیل کے جن لوگوں نے اسے یہ مشورہ دیا تھا وہ چاہتے یہ تھے کہ تبع کسی طرح ہلاک ہو جائے کیونکہ وہ جان چکے تھے کہ جس بادشاہ نے بھی بیت اللہ شریف پر لشکر کشی کی وہ ضرور ہلاک ہو گیا۔ تبع ان لوگوں کے مشورہ کے مطابق عمل کرنے کے لیے جب تیار

ہو گیا تو اس نے ان دونوں یہودی عالموں کے پاس پیغام بھیجا اور اس بارے میں ان سے دریافت کیا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جن لوگوں نے آپ کو یہ مشورہ دیا ہے وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ آپ اور آپ کا تمام لشکر ہلاک ہو جائے۔ خدا کی قسم! ہم تمام روئے زمین میں اس کے سوا کوئی ایسا گھر نہیں جانتے جسے اللہ عزوجل نے اپنی ذات پاک کی طرف منسوب ہونے کا شرف بخشا ہو۔ اگر آپ نے ان کے مشورہ پر عمل کیا۔

تو یقیناً آپ اور آپ کے تمام ساتھی ہلاک ہو کر رہ جائیں گے۔ پھر تبع نے ان یہودی عالموں سے دوبارہ سوال کیا کہ اگر بالفرض میں بیت اللہ پر حاضر ہوں تو مجھے وہاں کیا کرنا چاہیے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ وہی کام کریں جو وہاں جا کر بیت اللہ کے آداب بجالانے والے کرتے ہیں۔ آپ وہاں طوافِ کعبہ کریں۔ اس کی تعظیم و تکریم بجالائیں اور اپنا سر منڈائیں۔ اور وہاں سے واپس آنے تک برابر عاجزی کرتے رہیں۔ اس کے بعد تبع نے ان دونوں یہودی عالموں سے پوچھا کہ آپ خود ایسا کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم وہ بے شک ہمارے جدِّ امجد ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا گھر ہے اور وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہم نے آپ کو بتایا۔ مگر بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں جن لوگوں کا وہاں قبضہ ہے وہ ہمارے اور اس بیت اللہ کے درمیان حائل ہیں۔ انہوں نے کعبہ کے گرد و پیش بت نصب کئے ہوئے ہیں اور وہ خدا کے گھر کے نزدیک ان بتوں کے لیے جانوروں کا خون بہاتے ہیں۔ وہ لوگ اکثر اہل شرک ہیں اور شرک کی نجاست میں مبتلا ہیں۔

تبع ان کی نصیحت کو خوب سمجھا اور اسے ان کی باتوں کا پورا یقین ہو گیا۔ قبیلہ بنی ہزیل کے اس گروہ کو بلا کر اس نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے۔ پھر کعبہ کی حاضری دی۔ طواف کعبہ کیا اور حرم کعبہ کے نزدیک قربانی کی۔ اپنا سر منڈایا اور چھ دن مکہ میں قیام کیا۔ ان ایام میں وہ بہت سے جانور ذبح کر کے مکہ والوں کو کھلاتا رہا اور شہد وغیرہ پلا کر ان کی خاطر مدارات کرتا رہا۔ انہی دنوں اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ خانہ کعبہ کو غلاف پہنا رہا ہے۔ پہلے اس نے چمڑے کا موٹا غلاف پہنایا۔ پھر اس نے خواب دیکھا کہ وہ اچھا لباس پہنا رہا ہے۔ تو اس نے معافر کے کپڑوں کا بنا ہوا پہلے سے اچھا لباس خانہ کعبہ کو پہنایا۔ پھر تیسری مرتبہ اس نے خواب میں دیکھا کہ میں اس سے بھی اچھا لباس خانہ کعبہ کو پہنا رہا ہوں۔ چنانچہ اس نے بیدار ہونے کے بعد ایک خاص قسم کا قیمتی کپڑا جو اس زمانہ میں رانوں پر پہنا جاتا تھا جس کو ملاء کہتے ہیں اور بہترین یمنی چادروں کا لباس پہنایا۔

اور تبع لوگوں کے گمان کے موافق وہ پہلا شخص ہے جس نے خانہ کعبہ کو غلاف پہنایا اور اپنے حکام کو اس کی وصیت کی جو قبیلہ بنی جرہم سے تھے اور ان سب کو امر کیا کہ وہ خانہ کعبہ کو ہمیشہ پاک صاف رکھیں۔ کسی قسم کا خون اور مردار اور کسی قسم کی آلائش و نجاست اس کے قریب نہ آنے پائے۔ تبع نے خانہ کعبہ کا ایک دروازہ بھی تعمیر کر دیا اور اس کی ایک کنجی بھی بنوادی۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ملک تبع یہ سب کام کر کے اپنے ساتھیوں، تمام لشکروں اور دونوں یہودی عالمون کو ساتھ لے کر اپنے ملک یمن کی طرف متوجہ ہوا۔ جب اس میں داخل ہوا تو اس نے اپنی قوم کو بھی اپنے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ سب نے انکار کر دیا اور وہ آگ کی طرف اپنا مقدمہ لے گئے۔ ابراہیم بن محمد بن طلحہ کا بیان ہے کہ تبع جب یمن کے قریب آیا اور اس نے اپنے ملک میں داخل ہونے کا ارادہ

کیا تو قبیلہ حمیر اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ جب تم نے ہمارے دین کو چھوڑ دیا تو اب تم ہم پر داخل نہیں ہو سکتے۔ تبع نے ان کو اپنے دین کی طرف بلایا اور کہا کہ یہ تمہارے دین سے بہتر ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم آگ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرتے ہیں۔ تبع راضی ہو گیا۔ یمن میں ایک آگ تھی جس کے متعلق اہل یمن کا اعتقاد تھا کہ وہ باہمی اختلافات اور مقدمات کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ ظالم کو پکڑ لیتی ہے اور مظلوم کو نقصان نہیں دیتی۔

قوم حمیر کے لوگ اپنے بتوں اور باطل معبودوں کے ساتھ میدان میں آئے اور وہ دونوں یہودی عالم بھی اپنے مصاحف کو اپنی گردنوں میں لٹکائے ہوئے حاضر ہو گئے۔ سب لوگ اس جگہ بیٹھ گئے جہاں سے آگ باہر نکلتی تھی۔ اچانک آگ نکلی جب لوگوں کی طرف بڑھی تو لوگ بھاگنے لگے۔ تبع نے تمام لوگوں کو جھڑکا اور کہا کہ سب ٹھہرے رہیں۔ لوگ ٹھہر گئے۔ یہاں تک کہ آگ نے سب لوگوں کو ڈھانک لیا۔ بتوں کو اور تمام باطل معبودوں کو ان سب لوگوں کو جو بت لے کر آئے تھے، آگ نے جلا دیا اور وہ دونوں یہودی عالم اپنی گردنوں میں اپنے صحیفے لٹکائے ہوئے اس آگ کی لپیٹ سے باہر نکل آئے۔ ان کی پیشانیاں عرق آلود تھیں مگر آگ نے انہیں کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچایا تھا۔ یہ واقعہ دیکھ کر قبیلہ حمیر کے تمام لوگوں نے ان یہودی عالموں کا مذہب اختیار کر لیا۔ اسی وجہ سے یمن میں یہودیت نے جڑ پکڑی۔ ہم نے اس حدیث کی تفسیر میں جو نبی کریم ﷺ سے وارد ہوئی "لا تسبوا تبعا فانہ قد کان اسلم" ہم نے ذکر کیا کہ سہیلی فرماتے ہیں کہ معمر نے ہمام بن منبہ سے روایت کی۔ وہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "لا تسبوا اسعد الحمیری فانہ اول من کسا الکعبۃ" "تم اسعد حمیری کو برا نہ کہو کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے کعبہ کو غلاف پہنایا۔" سہیلی فرماتے ہیں کہ جب ان دونوں یہودی عالموں نے ملک تبع کو رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے کی خوشخبری سنائی تو ملک تبع نے یہ شعر کہے۔ شھدت علی احمد انہ رسول من اللہ باری النسم

"میں اس بات پر شاہد ہوں کہ احمد مجتبیٰ ﷺ اس اللہ کے رسول ہیں جو تمام جانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔"

فلو مد عمری الی عمرہ لکنت وزیر الہ وابن عم

"اگر میری عمر رسول اللہ ﷺ کے زمانہ تک دراز ہوئی تو میں ان کا بوجھ اُٹھاؤں گا اور چچازادوں کی طرف ان کی مدد کروں گا۔"

وجاھدت بالسیف اعدائہ وخرجت عن صدرہ کل ھم

"اور تلوار لے کر میں ان کے دشمنوں سے لڑوں گا اور ان کے سینے سے ہر قسم کے رنج والم کو دُور کر دوں گا۔"

سُہیلی کہتے ہیں کہ انصار توارث کے ساتھ ان اشعار کو محفوظ کرتے چلے آئے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس یہ شعر تھے۔

"سُہیلی نے کہا کہ ابن ابی الدنیا محدث کتاب القبور میں لکھتے ہیں کہ صنعاء میں ایک قبر کھودی گئی۔" اس میں دو عورتیں پائی گئیں۔ ان کے ساتھ چاندی کی ایک تختی تھی جس پر سونے کے پانی سے لکھا ہوا تھا یہ قبر لمیس اور حُبی کی ہے جو دونوں ملک تبع کی بیٹیاں ہیں۔ وہ دونوں اس حال میں مری ہیں کہ وہ شہادت دیتی تھیں اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے اور اس

کا کوئی شریک نہیں۔ اور اسی شہادت پر ان سے پہلے نیک لوگوں کی موت واقع ہوئی ہے۔ (البدایہ والنہایہ، مصری)

تبع حمیری اور مدینہ منورہ کی تعمیر کا واقعہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالمِ آب وگل میں تشریف آوری سے تقریباً ایک ہزار چالیس سال قبل یمن کے ایک بادشاہ تبع ابوکرب اسعد الحمیر ی نے بھی خانہ کعبہ کو مسمار کر کے اہل مکہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس مذموم عمل کو سرانجام دینے سے پہلے ہی اسے اچانک ایک آسمانی مہلک بیماری نے آن گھیرا۔

اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ تبع ابوکرب الحمیر ی یمن سے جنگی مشن لے کر نکلا تھا کہ بیشتر علاقوں کو زیر نگین کر کے اپنی سلطنت وسیع کروں گا۔ اس سلسلہ میں اس نے اپنا پہلا ہدف مکہ معظمہ کو بنانا چاہا۔ اس کے پاس ان گنت جنگی سپاہی، ماہر نشانہ باز، تیر انداز اور ہزاروں کی تعداد میں مشیر اور وزیر تھے۔ بعد از مشاورت تبع ابوکرب الحمیر ی نے اپنا ارداہ بدل کر جنگی سفر کا آغاز یمن سے مصر کی جانب کر لیا اور وہاں کے کئی علاقوں کو اپنے قبضہ میں لیا۔ بعد ازاں وہ بحیرہ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہوا سرزمین حجاز کے متبرک شہر مکہ کی سنگلاخ چوٹیوں میں گھری ہوئی بے آب وگیاہ وادیوں میں داخل ہوا۔

جب وہ شہر کی حدود میں پہنچا تو یہ منظر دیکھ کر حیران وششدر رہ گیا کہ اہل شہر پر کوئی خوف وہراس طاری نہیں اور نہ ہی انہوں نے اس کا والہانہ استقبال کیا ہے۔ گویا وہ تمام اطمینان کی تصویر بنے اپنے حال میں مست تھے۔ اس خلاف توقع صورتحال کی بابت اس نے اپنے مشیران سے استفسار کیا، اُسے بتایا گیا کہ اس شہر میں چونکہ بیت اللہ موجود ہے، جس کی خدمت کا فریضہ اہل مکہ خود انجام دیتے ہیں اور اس کام کو وہ بڑا اعزاز واکرام تصور کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ کسی بڑی شخصیت یا حکمران کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اراکین سلطنت کا یہ جواب سن کر تبع الحمیر ی کو بہت غصہ آیا اور گرجدار آواز میں بولا: میں ایسے کعبہ کو مسمار کروں گا اور اس کے خدمت گاروں کو تہ تیغ کر دوں گا۔ اس نے کعبہ پر فوری اور شدید حملہ کرنے کا حکم دیا۔

اس سے قبل کہ اس کے حکم کی تعمیل ہوتی اچانک تبع الحمیر ی کے پورے بدن میں شدید درد کی لہر اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم سوکھی لکڑی کی طرح اکڑنے لگا اور وہ مکمل طور پر حرکت کرنے کے قابل نہ رہا۔ شاہ یمن کی اچانک یہ بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر اس کی فوج نے اپنی برہنہ تلواریں میانوں میں رکھ لیں، گھوڑوں کی ہنہناہٹ آہستہ آہستہ مدہم پڑتی گئی اور ماہر تیر اندازوں نے اپنے نوکیلے تیر دوبارہ ترکشوں کے اندر رکھ لئے۔ پوری فوج پر سکتہ اور سارے ماحول پر ایک ماتمی سناٹا طاری ہو گیا۔

الحمیر ی کا درد میں مبتلا جسم ایک بے حس وحرکت لاش کی طرح پڑا تھا اور ہر کوئی اس سوچ وفکر میں گم تھا کہ اب کیا ہوگا؟ جوں جوں گھڑیاں گزرتی جارہی تھیں، تشویش وغم کا مہیب دائرہ پھیلتا جارہا تھا۔ کافی دنوں تک یہ حمیری لشکر شہر مکہ میں یونہی بیکار پڑا رہا۔ الحمیر ی کا سارا جنگی منصوبہ گویا دم توڑتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ لشکر میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ مشیران شاہی نے یہ فیصلہ کیا کہ شاہ یمن کے علاج کے لئے کسی حاذق اور ماہر حکیم کو تلاش کیا جائے۔ چنانچہ کافی تگ ودو کے بعد کئی اطباء کو بلایا گیا مگر مریض کی حالت دیکھ کر ہر حکیم نے معذوری کا اظہار کیا۔ بے امیدی کی فضا اور گہری ہوتی گئی، جملہ اطباء کی رائے میں شاہ یمن کی

بیماری عقل وفہم سے باہر تھی۔ بعض کے مطابق یہ عارضہ جسمانی نہیں بلکہ آسمانی ہے اور اس کا علاج صرف وحدہ لاشریک کے پاس ہے۔

جب ہر طرف سے ناامیدی کے بادل چھانے لگے تو اچانک ایک دن کسی صاحب بصیرت حکیم نے چپکے سے آکر تبع الحمیری کے کان میں کہا: اے شاہ یمن! میں اس بیماری کا علاج صرف اس شرط پر کروں گا کہ جو میں آپ سے پوچھوں اس کا سچ سچ جواب دینا۔ اگر ذرا بھی غلط بیانی سے کام لیا تو یاد رکھیں یہ مہلک اور خطرناک مرض جلد آپ کو موت کے منہ میں دھکیلنے والا ہے۔ بادشاہ کو طبیب کی یہ بات سن کر امید کی ایک روشن کرن دکھائی دی، چنانچہ اس نے حق کہنے کا وعدہ کر لیا۔

تبع کی مرض کے اسباب بیان کرنے والے حکیم کا بیان

حکیم نے جو سوالات پوچھے، شاہ الحمیری نے ان کا صحیح جواب دیا۔ دوران گفتگو جونہی تبع الحمیری نے حکیم کو خانہ کعبہ پر حملہ اور مکہ مکرمہ کو نیست ونابود کرنے کی بات بتائی تو حکیم ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بلند آواز میں کہا: بس کریں شاہ یمن، بس کریں۔ آگے مت بولیں۔ یہی وہ اصل وجہ ہے جس نے آپ کو بیماری کے اس عذاب میں گرفتار کر رکھا ہے۔۔۔ اس کا علاج صرف یہی ہے کہ فوراً اس مذموم خیال اور شیطانی ارادے کو اپنے دل ودماغ سے خارج کریں اور مالک کائنات سے معافی طلب کریں۔۔۔ شاید آپ نہیں جانتے کہ اس عظیم گھر بیت اللہ کا مالک، مالکِ کُل ہے، جو حیات وممات، صحت وعلالت کا مالک ہے، وہ خود ہی اپنے اس گھر کا محافظ ہے۔ آج تک جس نے بھی اسے نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا، وہ کسی نہ کسی عذاب میں مبتلا ہو کر تباہ ہو گیا۔

شاہ یمن یاد رکھیں! آپ بھی ایک ایسے ہی جرم اور گناہ میں مبتلا ہو کر اس بیماری کا شکار بن گئے ہیں۔ حکیم کی یہ لرزہ خیز اور بصیرت افروز باتیں سن کر الحمیری کے لاغر وساکت بدن میں جیسے برقی لہر دوڑ گئی، اس کا رگ وریشہ کانپنے لگا، چہرہ پر ندامت وشرمندگی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ بلا تاخیر اس نے اسی حالت میں ارحم الراحمین سے صدقِ دل سے معافی طلب کی اور اپنے ارادہ کو دل سے نکالا۔ جونہی اس نے ارادہ ترک کیا، رب ذی الجلال کی رحمت خاص سے الحمیری کو صحت نصیب ہوئی۔

تبع حمیری کا کعبۃ اللہ پر پہلا غلاف چڑھانے کا واقعہ

صحت یابی کے فوراً بعد اس نے خود کو پاک صاف کر کے بیت اللہ کا طواف کیا اور تمام اہل شہر کو چند دنوں کے بعد ایک عظیم الشان شاہی ضیافت میں مدعو کیا۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر تبع الحمیری نے اپنی عجز ونیاز مندی کا اظہار کرتے ہوئے ایک نہایت قیمتی، دیدہ زیب، مرصع ومنقش خوبصورت غلاف تیار کرا کر کعبہ پر چڑھایا۔ اس موقع پر بیت اللہ کی عمارت کو نہایت دلکش انداز میں سجایا گیا۔ الحمیری نے اظہار تشکر کے طور پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عظیمہ میں ہزاروں درہم ودینار کا نذرانہ پیش کیا، انہیں غرباء میں تقسیم کیا اور کئی اونٹوں کی قربانی بھی دی۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، (مکہ پر حملہ)، 1: 24 (ازرقی، اخبار مکۃ، 1: 134)

مکمل شفاء پانے کے بعد شاہ یمن کا جارحانہ مزاج بہت حد تک معتدل ہو گیا۔ تاہم اس نے اپنے جنگی مشن کو جاری رکھا اور

مکہ سے روانہ ہوکر کئی علاقوں کو زیر تسلط کیا۔ بالآخر جب شہر یثرب پہنچا تو اہل یثرب نے دفاعی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے خود کو محفوظ پناہ گاہوں میں محصور کرلیا۔ یہ صورت حال کئی ماہ تک بدستور قائم رہی مگر کوئی خاطر خواہ اور موثر نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

آمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار

الحمیری نے اپنے مشیروں سے اس بابت بھی رائے طلب کی، فیصلہ کیا گیا کہ اہل یثرب کے معززین سے رابطہ کیا جائے۔ چنانچہ یمنی فوج کا ایک وفد شہر کی بارسوخ اور محترم شخصیات سے ملا۔ انہوں نے بتلایا کہ ہم اہل یثرب مختلف قوموں، نسلوں اور علاقوں کے باشندے ہیں جو اپنے آبائی اوطان چھوڑ کر اس شہر میں اس لئے آکر آباد ہوئے ہیں کہ ہم کو یہ بتایا گیا کہ یثرب، سرزمین عرب کی وہ وادی ہے جہاں کائنات کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر آباد ہونگے اور پھر اسی بستی کو اپنی جائے سکونت بنالیں گے۔ چنانچہ ہم ایک عرصہ سے اس نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کررہے ہیں۔

یمنی وفد نے واپس جا کر جب یہ حیرت انگیز بات شاہ یمن کو بتائی تو وہ بے حد متاثر و حیران ہوا۔ رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کا تذکرہ سن کر اس کا دل گداز ہوگیا اور آنکھوں میں اشکوں کی نمی جھلکنے لگی۔ وہ اس خواہش سے بے تاب ہوگیا کہ کاش وہ بھی اس برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کرسکے۔ اس شوقِ زیارت نے اس کے پیکر جسمانی میں اضطراب واشتیاق دید کی ایک لہر دوڑادی۔

ایک ہزار سال قبل استقبالِ میلاد کا جلوس

وہ شب، شاہ یمن کی زندگی میں آنے والی سب سے انوکھی اور مضطرب شب تھی۔ اس شب کی صبح بیدار ہوکر الحمیری نے اپنے فوجیوں کے ہمراہ شہر یثرب کی گلی کوچوں اور بازاروں میں ایک بڑے جلوس کی شکل میں گھومنا شروع کیا۔ یہ جلوس اتنی شاندار طریقے اور نظم وضبط سے شہر کے مختلف علاقوں میں گھومتا رہا کہ اہل یثرب ان لوگوں کے ذوق وشوق اور عقیدت کو دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے۔ تبع الحمیری بہ نفس نفیس خوش الحانی اور سوز وگداز سے دل میں اتر جانے والے عقیدت واحترام سے بھرپور اشعار بلند آواز سے پڑھتے جارہے تھے۔ ذیل میں ان سے چند منتخب اشعار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

شهدت على احمد انه رسول من الله بارى النسم ،ولو مد عمرى الى عمره لكنت وزيرا له وابن عم ، وجاهدت بالسيف اعداء ه وفرجت عن صدره كل غم

میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے برحق رسول ہیں، وہ اللہ جو ارواح کو پیدا فرمانے والا ہے۔ اگر میری عمر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے زمانہ تک باقی رہی تو میں ضرور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بیٹے کی طرح آپ کا مددومعاون بنوں گا اور شمشیر بکف ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے ایسا جہاد کروں گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام دلی غم دور ہوجائیں۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ (مدینہ پر حملہ)، 1:21، (22)

عالمی تاریخ کا یہ ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ ہے کہ ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دس صدیاں پہلے میلاد النبی صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک عظیم الشان جلوس شاہ یمن کی زیر قیادت اُسی شہر میں بڑے تزک واحتشام سے نکالا گیا جس شہر کے باسی اسی نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی آس لگائے ان کی راہ دیکھ رہے تھے۔

تاریخی شواہد اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ جلوس اتنا وجد آفرین تھا کہ حلاوت وعقیدت میں ڈوبے ہوئے اشعار کے علاوہ اس جلوس میں شامل لوگ یا محمد یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ایمان افروز نعرے بھی لگا رہے تھے جس سے اردگرد کا ماحول نہایت رقت آمیز ہو گیا تھا۔

زیارتِ مصطفیٰ ﷺ کی نیت سے مدینہ میں سکونت

مورخین رقمطراز ہیں کہ تبع الحمیری کے ہمراہ اس جلوس میں علماء وفصحاء، دانشور اور اہل قلم کی ایک کثیر تعداد بھی شریک تھی۔ ان میں سے علماء کی ایک جماعت نے شاہِ یمن سے یہ کہا کہ ان کو اسی شہر میں مستقل سکونت اختیار کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ زیارت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرفراز وفیض یاب ہو سکیں۔ شاہ یمن نے جواب دیا کہ میں خود بھی ایک سال تک یثرب میں ہی قیام کروں گا، ممکن ہے اس دوران آمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مژدہ جاں فزاء سن لوں مگر رب کریم کو ابھی یہ منظور نہ تھا کیونکہ جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت میں ابھی ایک ہزار چالیس سال باقی تھے۔ جب یہ پورا سال گزر گیا تو شاہ یمن نے اپنی روانگی سے پہلے ایک مکتوب بحضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحریر کیا اور ڈبہ میں بند کر کے شامول نامی ایک عالم کو امانتاً یہ کہہ کر دیا کہ اگر آپ کو یہ زیارت نصیب ہو تو میرا اعاجزانہ یہ مکتوب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں پیش کر دینا۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو سکے تو اپنی آنے والی نسلوں کو امانتاً یہ خط منتقل کرتے رہنا یہاں تک یہ اس خوش نصیب انسان تک پہنچ جائے جسے رسول محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ودیدار نصیب ہو۔ تبع الحمیری کے اس مکتوب کا خلاصہ درج ذیل ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام تبع الحمیری کا مکتوب

اے رسولِ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتاب پر ایمان لایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب پر جو تمام جہانوں کا مالک ومولیٰ ہے میں ایمان لایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب کی طرف سے ایمان اور اسلام کی جو فضیلتیں نازل ہوئیں میں نے ان کو قبول وتسلیم کیا۔ اگر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پایا تو میں نے گویا نعمت حاصل کر لی اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے روز قیامت شفاعت فرما دیں اس لئے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولین امت میں سے ہوں، للہ اس روز مجھے فراموش نہ کیجئے گا کیونکہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع، تشریف آوری اور اللہ کی طرف سے مبعوث بہ رسالت ہونے کی تصدیق کی ہے۔

یہ مکتوب عقیدت شاہ یمن کی ہدایت کے مطابق شامول کی نسل میں مسلسل سفر کرتا ہوا مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک جا پہنچا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے وقت صدیوں پرانا یہ راز اس وقت افشا ہوا جب ناقہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھٹنے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے ٹیک دیئے اور پھر یہی گھر آقا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یثرب میں پہلی قیام گاہ بنا کیونکہ تبع الحمیر ی کا وہ مکتوب 21 ویں پشت سے انہی کے پاس من وعن موجود تھا۔مرحبا یا الاخ الصالح

جب یہ مکتوب انہوں نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسے پڑھنے کا حکم دیا۔اس مکتوب کو بغور سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف تبع الحمیر ی کا مسلمان ہونا قبول فرمایا بلکہ اس کی پیش کردہ شفاعت کی عرض داشت بھی منظور فرمالی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبع الحمیر ی کے پیام محبت سے اتنے مسرور وشاداں اور متاثر ہوئے کہ بے ساختہ لب ہائے مبارک پر تین بار مرحبا یا الاخ الصالح کے الفاظ ادا ہوئے یعنی میں اپنے صالح بھائی تبع الحمیر ی کو مرحبا کہتا ہوں۔(شامی،سبل الہدیٰ والرشاد،3:274)

مذکورہ مضمون کے مندرجات سے ثابت ہوا کہ بعثت نبوی سے 1040 سال پہلے شاہ یمن نے عقیدت ومحبت میں ڈوب کر یثرب کی گلیوں اور بازاروں میں میلا دالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا ارضی جلوس نکالا تھا۔اسی وقت اپنے ساتھیوں سمیت رسالت ونبوت پر ایمان لاکر مسلمان ہوگیا تھا۔اس طرح یہ تمام یمنی لوگ سابقون والاولون میں شمار ہوئے۔اللہ ان کی قبروں پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔

البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری لکھا ہے کہ جب تبع نے حجاز پر لشکر کشی کی تو اس کا گزر یثرب سے ہوا جہاں اس کے پاس چار سو یہودی علماء آئے اور اس کو بیت اللہ کی تعظیم کے وجوب سے آگاہ کرتے ہوئے اس کو یہ بھی بتایا کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں جن کا مسکن یثرب ہوگا، یہ سن کر تبع نے ان کی تکریم کی اور بیت اللہ کی تعظیم اس پر غلاف چڑھا کر کی اور ایک خط لکھ کر اس کو ان علماء میں سے ایک کے حوالہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر اس کو آنے والے نبی کا زمانہ ملے تو وہ یہ خط ان کی خدمت میں پیش کرے، کہا جاتا ہے کہ ابوایوب اسی شخص کی اولاد میں سے تھے، ابن ہشام نے اس کو اپنی کتاب التیجان میں بیان کیا ہے اور حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں تبع کے ذکر کے ضمن میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔(فتح الباری شرح صحیح بخاری،مطبوعہ بیروت)

مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝
ہم نے ان دونوں کو حق ہی کے ساتھ پیدا کیا ہے اور لیکن ان کے اکثر نہیں جانتے۔یقیناً فیصلے کا دن ان سب کا مقرر وقت ہے۔

زمین وآسمان کی تخلیق کا اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہونے کا بیان

"مَا خَلَقْنَاهُمَا" وَمَا بَيْنهمَا "إِلَّا بِالْحَقّ" أَيْ مُحِقِّينَ فِي ذَلِكَ لِيُسْتَدَلّ بِهِ عَلَى قُدْرَتنَا وَوَحْدَانِيّتنَا وَغَيْر ذَلِكَ "وَلَكِنَّ أَكْثَرهمْ" أَيْ كُفَّار مَكَّة "إِنَّ يَوْم الْفَصْل" يَوْم الْقِيَامَة يَفْصِل اللَّه فِيهِ بَيْن الْعِبَاد "مِيقَاتهمْ أَجْمَعِينَ" لِلْعَذَابِ الدَّائِم،

ہم نے ان دونوں کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اس کو حق ہی کے ساتھ پیدا کیا ہے یعنی اس کا حق ہونا ہماری قدرت وتوحید پر دلالت کرنے والا ہے۔اور لیکن ان کے اکثر لوگ یعنی کفار مکہ نہیں جانتے۔یقیناً فیصلے کا دن ان سب کا مقرر وقت ہے۔

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمادے گا۔ان کا سب کے دائمی عذاب کا وقت مقرر ہو چکا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر سوچنے سمجھنے والی عقل ہو تو آسمان وزمین اور ان کے اندر جو مخلوقات پیدا کی گئی ہیں وہ سب بہت سے حقائق پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً ایک تو قدرت خداوندی پر۔دوسرے آخرت کے امکان پر، کیونکہ جس ذات نے ان عظیم اجسام کو عدم سے وجود عطا کیا وہ یقیناً اس بات پر بھی قادر ہے کہ انہیں ایک مرتبہ فنا کر کے دوبارہ پیدا کر دے۔تیسرے جزاوسزا کی ضرورت پر، کیونکہ اگر آخرت کی جزاوسزا نہ ہو تو یہ سارا کارخانہ وجود بیکار ہو جاتا ہے۔اس کی تخلیق کی تو حکمت ہی یہ ہے کہ اسے دارالامتحان بنایا جائے اور اس کے بعد آخرت میں جزاوسزادی جائے ورنہ نیک و بد دونوں کا انجام ایک ہونا لازم آتا ہے جو اللہ کی شان حکمت سے بعید ہے۔چوتھے یہ کائنات سوچنے سمجھنے والوں کو اطاعت خداوندی پر ابھارنے والی بھی ہے کیونکہ یہ ساری مخلوقات اس کا بہت بڑا انعام ہیں اور بندے پر واجب ہے کہ اس نعمت کا شکر اس کے اخلاق کی اطاعت کر کے ادا کرے۔

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝
جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔مگر جس پر اللہ نے رحم کیا،
بے شک وہی سب پر غالب، نہایت رحم والا ہے۔

قیامت کے دن کفار کی دوستی کام نہ آنے کا بیان

"يَوْم لَا يُغْنِي مَوْلَى عَنْ مَوْلَى" بِقَرَابَةٍ أَوْ صَدَاقَة أَيْ لَا يَدْفَع عَنْهُ ، وَيَوْم بَدَل مِنْ يَوْم الْفَصْل "شَيْئًا" مِنْ الْعَذَاب "وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ" يُمْنَعُونَ مِنْهُ

"إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّه" وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ فَإِنَّهُ يَشْفَع بَعْضهمْ لِبَعْضٍ بِإِذْنِ اللَّه "إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيز" الْغَالِب فِي انْتِقَامه مِنْ الْكُفَّار "الرَّحِيم" بِالْمُؤْمِنِينَ،

جس دن کوئی دوست کسی دوست کے بہ طور قرابت یا دوستی کے کچھ کام نہ آئے گا یعنی اس سے کچھ بھی عذاب دور نہ کر سکے گا۔ اور یوم یہ یوم فصل سے بدل ہے۔جو عذاب سے ہے۔اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔یعنی ان سے کوئی عذاب روکا نہ جائے گا مگر جس پر اللہ نے رحم کیا، اور وہ اہل ایمان ہوں گے جو اللہ کے اذن سے ایک دوسرے کی سفارش کریں گے۔بے شک وہی کفار سے انتقام لینے میں غالب، اہل ایمان پر نہایت رحم والا ہے۔

قیامت کے دن کفار و منافقین کے سخت عذاب کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ مؤمن کو اپنے (فضل و کرم اور اپنی رحمت کے) قریب کرے گا اور (پھر) اس کو اپنی حفاظت اور اپنی عنایت کے سائے میں چھپائے گا تا کہ وہ اہل محشر پر اپنے گناہوں اور اپنی بداعمالیوں کے کھل جانے کی وجہ سے شرمندہ اور رسوا نہ ہو) پھر اللہ تعالیٰ اس (مؤمن) سے پوچھے گا کہ

کیا تو اس گناہ کو جانتا ہے، کیا تو اس گناہ کو جانتا ہے، یعنی کیا تجھے یاد اور اعتراف ہے کہ تو نے دنیا میں فلاں فلاں گناہ کئے تھے؟ وہ (مؤمن) عرض کرے گا کہ ہاں اے پروردگار (مجھے اپنا وہ گناہ یاد ہے اور اپنی بدعملی کا اعتراف کرتا ہوں غرضیکہ اللہ تعالیٰ اس (مؤمن) سے اس کے تمام گناہوں کا اعتراف واقرار کرائے گا اور وہ (مؤمن) اپنے دل میں کہتا ہوگا کہ (ان گناہوں کی پاداش) میں اب ہلاک ہوا، اب تباہ ہوا! لیکن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ "میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں اور ان عیوب کی پردہ پوشی کی اور آج بھی میں تیرے ان گناہوں کو بخش دوں گا" پس اس (مؤمن) کو اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دے دیا جائے گا (اور برائیوں کا اعمالنامہ کالعدم کر دیا جائے گا) اور جہاں تک کافروں اور منافق لوگوں کا تعلق ہے تو ان کو تمام مخلوق کے سامنے طلب کیا جائے گا اور پکار کر کہا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے (کفر وشرک کے ذریعہ) اپنے رب پر بہتان باندھا تھا، جان لو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 125)

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ○ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ○ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ○ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ○
بیشک آخرت میں ایک تھوہڑ کا درخت ہے۔ جو گناہگاروں کی غذا ہے وہ پگھلے ہوئے تانبے کی مانند پیٹ میں جوش
کھائے گا۔ جیسے گرم پانی جوش کھاتا ہے۔

جہنم میں ہونے والے شجر زقوم کا بیان

"إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّوم" هِيَ مِنْ أَخْبَث الشَّجَر الْمُرّ بِتِهَامَة يُنْبِتهَا اللَّه تَعَالَى فِي الْجَحِيم
"طَعَام الْأَثِيم" أَبِي جَهْل وَأَصْحَابه ذَوِي الْإِثْم الْكَبِير،
"كَالْمُهْلِ" أَيْ كَدُرْدِيّ الزَّيْت الْأَسْوَد خَبَر ثَانٍ "يَغْلِي فِي الْبُطُون" بِالْفَوْقَانِيَّة خَبَر ثَالِث
وبِالتَّحْتَانِيَّة حَال مِنْ الْمُهْل "كَغَلْيِ الْحَمِيم" الْمَاء الشَّدِيد الْحَرَارَة،

بیشک آخرت میں ایک تھوہڑ کا درخت ہے۔ یہ کڑا درخت ہے جو خبیث ترین تہامہ میں اگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم میں اگائے گا، جو گناہگاروں کی غذا ہے۔ جس طرح ابو جہل اور اس کے ساتھی جو بڑے گناہوں والے ہیں۔ وہ پگھلے ہوئے تانبے کی مانند پیٹ میں جوش کھائے گا۔ یعنی جس طرح تار کول ہوتا ہے اور یہاں پر کالمہل یہ خبر ثانی ہے۔ اور یغلی یہ فوقانیہ کے ساتھ خبر ثالث ہے۔ اور تحتانیہ کے ساتھ یہ مہل سے حال ہے۔ جیسے گرم پانی جوش کھاتا ہے۔ یعنی سخت گرم پانی ہوتا ہے۔

دوزخیوں کیلئے زقوم کے درخت کی خوراک کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوزخ کے احاطہ کے لئے چار دیواریں ہوں گی جن میں سے ہر دیوار کی چوڑائی چالیس برس کی مسافت کے برابر ہوگی۔ (ترمذی)

حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخیوں کے زخموں سے جو زرد پانی بہے گا (یعنی خراب خون

اور پیپ) اگر اس کا ڈول بھر کر دنیا میں انڈیل دیا جائے تو یقیناً تمام دنیا والے سڑ جائیں۔ (ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت (یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ، آل عمران:102) تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا اگر (دوزخ کے) زقوم یعنی تھوہر کے درخت کا ایک قطرہ بھی اس دنیا کے گھر میں ٹپک پڑے تو یقیناً دنیا والوں کے سامان زندگی کو تہس نہس کر دے پھر (سوچو) اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کی خوراک ہی زقوم ہوگی۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 246)

خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ۝ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ۝
ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ۝اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ۝
فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے پکڑو اور بیچوں بیچ جہنم تک لے جاؤ۔ پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب انڈیل دفرمادیں کہ
اب اپنے کیئے کا مزہ چکھو کہ تم تو بڑے صاحب عزت اور محترم کہے جاتے تھے۔ یہی وہ عذاب ہے جس میں تم شک پیدا کر رہے تھے۔

اہل دوزخ پر کھولتے ہوئے پانی کو ڈال دیئے جانے کا بیان

"خُذُوْهُ" يُقَال لِلزَّبَانِيَةِ : خُذُوا الْأَثِيم "فَاعْتِلُوْهُ" بِكَسْرِ التَّاء وَضَمّهَا جُرُّوْهُ بِغِلْظَةٍ وَشِدَّة "إِلَى سَوَاء الْجَحِيم" وَسَط النَّار

"ثُمَّ صُبُّوا فَوْق رَأْسه مِنْ عَذَاب الْحَمِيم " أَيْ مِنَ الْحَمِيم الَّذِي لَا يُفَارِقهُ الْعَذَاب فَهُوَ أَبْلَغ مِمَّا فِي آيَة "يُصَبّ مِنْ فَوْق رُءُوسهمْ الْحَمِيم"

وَيُقَال لَهُ "ذُقْ" أَيْ الْعَذَاب "إِنَّك أَنْتَ الْعَزِيز الْكَرِيم " بِزَعْمِك وَقَوْلك مَا بَيْن جَبَلَيْهَا أَعَزّ وَأَكْرَم مِنِّي "إِنَّ هَذَا" الَّذِي تَرَوْنَ مِنَ الْعَذَاب "مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُوْنَ" فِيهِ تَشُكُّونَ،

فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسے یعنی گناہگاروں کو پکڑو اور جہنم کے اندر تک لے جاؤ۔ یعنی جہنم کے درمیان میں لے آؤ، یہاں پر فاعتلوا یہ تاء کے کسرہ اور اس کے ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب انڈیل دیں۔ یعنی ایسا کھولتا ہوا پانی کا عذاب جو ان سے الگ نہ ہوگا۔ اور یہ اس آیت ''يُصَبّ مِنْ فَوْق رُءُوسهمْ الْحَمِيم'' سے زیادہ بلیغ ہے۔ ان سے کہا جائے گا کہ اب اپنے کیئے کا مزہ چکھو یعنی عذاب چکھو کہ تم تو اپنے خیال میں بڑے صاحب عزت اور محترم کہے جاتے تھے۔ یعنی آپ کا یہ قول یہ دونوں پہاڑوں کے درمیان مجھ سے زیادہ عزت احترام والا کوئی نہیں۔ یہی وہ عذاب تم دیکھ رہو جس میں تم شک پیدا کر رہے تھے۔

گرم پانی کے سبب جہنمیوں کی آنتوں کے باہر نکل آنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دوزخیوں کے سر پر گرم پانی ڈالا جائے گا تو وہ گرم پانی اندر کو اترتا ہوا پیٹ تک پہنچ جائے گا اور ان چیزوں کو کاٹ ڈالے گا جو پیٹ کے اندر ہیں یہاں تک کہ وہ گرم پانی پیٹ کے اندر کی چیزوں کو کاٹتا اور گلاتا ہوا پیروں کے راستہ سے باہر نکل جائے گا اور صہر کے یہی معنی ہیں پھر وہ دوزخی کہ جس کے ساتھ گرم پانی کا یہ عمل ہوگا ویسا کا ویسا ہو جائے گا۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف، 244)

- صہر کے معنی گلنے اور پگھلنے کے ہیں اور یہ لفظ جس کی وضاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی قرآن کریم کی اس آیت میں آیا ہے۔ (يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ 19 يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ، الحج: 19) (اور) ان کے سر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑ دیا جائے گا جس سے پیٹ کی چیزیں (یعنی انتڑیاں) اور ان کی کھالیں سب گل جاویں گی پھر وہ ویسا کا ویسا ہی ہو جائے گا کا مطلب یہ ہے کہ دوزخیوں کے ساتھ گرم پانی کا یہ عمل عذاب کے طور پر مسلسل باقی رکھا جائے گا، یعنی اس عذاب کے بعد وہ اپنی سابق حالت پر واپس آ جائیں گے ان کی کھال جوں کی توں ہو جائے گی اور ان کی آنتیں پیٹ میں اپنی اپنی جگہ صحیح سالم ہو جائیں گی، تب پھر ان کے سر پر وہی گرم پانی ڈالا جائے گا جو اندر تک تاثیر کرتا ہوا پیٹ تک پہنچے گا اور آنتیں وغیرہ کو کاٹتا گلاتا ہوا دونوں پیروں کے راستہ باہر نکل جائے گا۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ○ فِي جَنَّٰتٍ وَّ عُيُونٍ ○ يَّلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَٰبِلِينَ ○
كَذَٰلِكَ قف وَ زَوَّجْنَٰهُم بِحُورٍ عِينٍ ○ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ ءَامِنِينَ ○
بیشک وہ صاحبانِ تقویٰ محفوظ مقام پر رہوں گے۔ باغات اور چشموں کے درمیان۔ وہ ریشم کی باریک اور موٹی پوشاک
پہنے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ایسا ہی ہوگا اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کے
جوڑے لگا دیں گے۔ وہ وہاں ہر قسم کے میوے سکون کے ساتھ طلب کریں گے

اہل جنت کے امن والے مقام اور جنتی نعمتوں کا بیان

"إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَام" مَجْلِس "أَمِين" يُؤْمَن فِيهِ الْخَوْف "فِي جَنَّات" بَسَاتِين "يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُس وَإِسْتَبْرَق" أَيْ مَا رَقَّ مِنْ الدِّيبَاج وَمَا غَلُظَ مِنْهُ "مُتَقَابِلِينَ" حَال أَيْ لَا يَنْظُر بَعْضهمْ إِلَى قَفَا بَعْض لِدَوَرَانِ الْأَسِرَّة بِهِمْ،

"كَذَلِكَ" يُقَدَّر قَبْله الْأَمْر "وَزَوَّجْنَاهُمْ" مِنْ التَّزْوِيج أَوْ قَرَنَّاهُمْ "بِحُورٍ عِين" بِنِسَاءٍ بِيض وَاسِعَات الْأَعْيُن حِسَانهَا،

"يَدْعُونَ" يَطْلُبُونَ الْخَدَم "فِيهَا" أَيْ الْجَنَّة أَنْ يَأْتُوا "بِكُلِّ فَاكِهَة" مِنْهَا "آمِنِينَ" مِنْ انْقِطَاعهَا

وَمَضَرَّتِهَا وَمِنْ كُلِّ مَخُوفٍ حَالٌ،

بیشک وہ صاحبانِ تقویٰ محفوظ مقام یعنی جگہ پر ہوں گے۔ جس میں خوف سے امن ہوگا۔ باغات اور چشموں کے درمیان۔ وہ ریشم کی باریک اور موٹی پوشاک پہنے ہوئے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ متقابلین یہ حال ہے۔ یعنی ان کے صوفوں کے گول ہونے کے سبب کوئی کسی جانب پشت نہ کرے گا۔ ایسا ہی ہوگا یہاں کذلک سے پہلے الأمر مقدر مانا جائے گا۔ اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کے جوڑے لگا دیں گے۔ وہ وہاں ہر قسم کے میوے سکون کے ساتھ طلب کریں گے۔ یعنی اہل جنت جنتی خادمین سے پھل وغیرہ طلب کریں گے۔ لہٰذا جنت میں انہیں ہر قسم کا پھل دیا جائے گا۔ جو ہر قسم کے نقصان اور ختم ہونے کے اندیشہ سے پاک ہوں گے۔ یہاں پر آمنین کے یدعون کی ضمیر سے حال ہے۔

اہل جنت کیلئے انعام کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صبح کو شام کو ایک بار اللہ کی راہ میں نکلنا دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے اور اگر جنتیوں میں سے کسی کی عورت (یعنی کوئی حور) زمین کی طرف جھانک لے تو مشرق ومغرب کے درمیان کو (یعنی دنیا کے اس کونے سے لے کر اس کونے تک کی تمام چیزوں کو) روشن ومنور کردے اور مشرق سے لے کر مغرب تک کی تمام فضاء کو خوشبو سے بھردے، نیز اس کے سر کی ایک اوڑھنی اس دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔"

(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 181)

صبح اور شام کی تخصیص معمول کا لحاظ رکھتے ہوئے ہے کہ عام طور پر فوج ولشکر کی روانگی میدان جنگ میں معرکہ آرائی اور حملہ وغیرہ کی ابتداء انہی اوقات میں ہوئی ہے۔ ورنہ یہاں نطق مراد ہے خواہ وہ صبح وشام کا وقت ہو یا کوئی اور وقت "اللہ کی راہ" سے مراد جہاد وغیرہ بھی ہے اور ہجرات بھی، اسی طرح حج، طلب علم اور ہر اس مقصد کے لئے گھر سے نکلنا اور سفر کرنا بھی مراد ہے جس کا مطمع نظر اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کا حصول اور بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اسی کے فرمان کی بجا آوری ہو یہاں تک کہ اپنے اہل وعیال کا نفقہ پورا کرنے کے لئے اور عبادت الٰہی اور احکام الٰہی کی بجا آوری میں دلجمی واطمینان اور حضور قلب کے حصول کی غرض سے رزق حلال کی تلاش میں نکلنا اور سفر کرنا بھی اللہ کی راہ میں نکلنے کا مفہوم رکھتا ہے! حاصل یہ ہے کہ "الہ کی راہ" میں گھر بار چھوڑ کر مصروف عمل رہنے والے لوگوں کو جو فضیلت اور مرتبہ حاصل ہوتا ہے اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگا دیا جائے کہ جو شخص محض ایک بار بھی اللہ کی راہ میں نکلتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اس کو جو اجر وثواب ملتا ہے یا اس کو آخرت میں جو نعمتیں حاصل ہوں گی وہ اس دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہیں! نیز ذکر چونکہ اللہ کے راستہ میں نکلنے کی فضیلت کا تھا جس کا اجر اللہ کے ہاں جنت ہے اس مناسبت سے جنت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت (یعنی حور) کی کچھ خوبیاں بھی بیان فرمائی گئیں۔ لفظ بینہما کی ضمیریں مشرق ومغرب کی طرف لوٹائی گئی ہیں، لیکن یہ ضمیریں آسمان وزمین کی طرف یا جنت اور زمین کی طرف بھی لوٹائی جاسکتی ہیں، ویسے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ جنت اور زمین کی طرف راجع ہوں کیونکہ عبارت میں بھی یہی دونوں صراحۃً مذکور ہیں۔

ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اگران حوروں میں سے کوئی کھاری سمندر میں تھوک دے تو اس کا سارا پانی میٹھا ہو جائے پھر وہاں یہ جس میوے کی طلب کریں گے موجود ہوگا جو مانگیں گے ملے گا ادھر ارادہ کیا ادھر موجود ہوا، خواہش ہوئی اور حاضر ہوا پھر نہایت بےفکری سے کی کا خوف نہیں ہوگا ختم ہو جانے کا کھٹکا نہیں ہوگا پھر فرمایا وہاں انہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر استثناء منقطع لا کر اس کی تاکید کردی۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَ وَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝
اور وہاں پہلی موت کے علاوہ کسی موت کا مزہ نہیں چکھنا ہوگا اور خدا انہیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

پہلی موت کے بعد دوبارہ موت نہ آنے کا بیان

"لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَى" أَيْ الَّتِي فِي الدُّنْيَا بَعْد حَيَاتهمْ فِيهَا قَالَ بَعْضهمْ إِلَّا بِمَعْنَى بَعْد،

اور وہاں پہلی موت کے علاوہ کسی موت کا مزہ نہیں چکھنا ہوگا یعنی جو موت دنیا میں ان کے زندگی کے بعد اس میں آئی تھی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں پر لفظ الا بہ معنی بعد کے آیا ہے۔ اور خدا انہیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

موت کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دینے کا بیان

ابو صالح حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن موت کو نمکین رنگ کے ایک دنبے کی شکل میں لایا جائے گا ابو کریب کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ اس دنبے کو جنت اور دوزخ کے درمیان لا کر کھڑا کر دیا جائے گا پھر اللہ فرمائے گا۔

اے جنت والو کیا تم اسے پہچانتے ہو جنتی اپنی گردنیں اٹھا کر دیکھیں گے اور کہیں گے جی ہاں یہ موت ہے پھر اللہ کی طرف سے حکم دیا جائے گا کہ اسے ذبح کر دیا جائے (پھر اُسے ذبح کر دیا جائے گا) پھر اللہ فرمائے گا اے جنت والو اب جنت میں ہمیشہ رہنا ہے موت نہیں ہے اور اے دوزخ والو اب تمہیں دوزخ میں رہنا ہے اب موت نہیں ہے راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ پڑھی (وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ) اور ان لوگوں کو حسرت کی دن سے ڈرایئے جب ہر بات کا فیصلہ ہو جائے گا اور وہ غفلت میں پڑے ہیں ایمان نہیں لاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک سے دنیا کی طرف ارشاد فرما رہے تھے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2680)

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ۝

یہ سب آپ کے پروردگار کا فضل وکرم ہے اور یہی انسان کے لئے سب سے بڑی کامیابی ہے۔ پس ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان سے آسان کر دیا ہے کہ شاید یہ لوگ نصیحت حاصل کرلیں۔ پھر آپ انتظار کریں اور یہ لوگ بھی انتظار کر ہی رہے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے وسیلہ کے سبب قرآن مجید کے آسان ہونے کا بیان

"فَضْلًا" مَصْدَر بِمَعْنَى تَفَضُّلًا مَنْصُوب بِتَفَضُّلٍ مُقَدَّرًا "فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ" سَهَّلْنَا الْقُرْآن "بِلِسَانِك" بِلُغَتِك لِتَفْهَمهُ الْعَرَب مِنْك "لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ" يَتَّعِظُونَ فَيُؤْمِنُونَ لَكِنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ، "فَارْتَقِبْ" انْتَظِرْ هَلَاكهمْ "إنَّهُمْ مُرْتَقِبُونَ" هَلَاكك وَهَذَا قَبْل نُزُول الْأَمْر بِجِهَادِهِمْ،

یہ سب آپ کے پروردگار کا فضل وکرم ہے۔ یہاں پر لفظ فضل یہ مصدر بہ معنی تفضّل جو تفضّل فعل مقدر کے منصوب ہے اور یہی انسان کے لئے سب سے بڑی کامیابی ہے۔ پس ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان سے آسان کر دیا ہے یعنی آپ کی لغت پر تا کہ اہل عرب اس کو سمجھ سکیں۔ کہ شاید یہ لوگ نصیحت حاصل کرلیں۔ تو ایمان لے آئیں۔ لیکن وہ ایمان نہ لائے۔ پھر آپ ان کی ہلاکت کا انتظار کریں اور یہ لوگ بھی ہلاکت کا انتظار کر ہی رہے ہیں۔ اور یہ حکم ان کے ساتھ جہاد کرنے سے پہلے نازل ہونے والا ہے۔

اہل جنت کی زبان عربی ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " تین اسباب کی بناء پر تمہیں عرب سے محبت رکھنی چاہئے ایک تو اس وجہ سے کہ میں عرب میں سے ہوں (اور ظاہر ہے کہ جو چیز حبیب کی طرف سے منسوب ہوتی ہے اس کو محبوب ہونا چاہئے) دوسرے اس وجہ سے کہ قرآن عربی زبان میں ہے (یعنی قرآن کریم اس زبان میں اترا ہے جو عرب کی زبان ہے اور ان کی زبان ولغت ہی کے ذریعہ اس کی فصاحت وبلاغت جانی جاتی ہے) اور تیسرے اس وجہ سے کہ جنتیوں کی زبان عربی ہے (اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 605)

جنتیوں کی زبان عربی ہے" سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ دوزخیوں کی زبان عربی نہیں ہوگی، بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عرب اور اہل عرب کو دنیا اور آخرت دونوں جگہ فضیلت وبرتری حاصل ہے نیز اس حدیث میں محبت کرنے کے صرف وہ تین اسباب بیان کئے گئے ہیں جو اس بارے میں نہایت اعلی ہیں ورنہ ان کے علاوہ اور بھی اسباب ووجوہ ہیں جن کے بناء پر عرب اور اہل عرب سے محبت کرنا یا محبت ہونا لازمی چیز ہے مثلاً یہ کہ اہل عرب ہی نے شارع علیہ السلام سے براہ راست دین وشریعت کا علم حاصل کیا اور پھر اس علم کو ہم تک پہنچایا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال، عادات اور معجزات کو منضبط ومحفوظ کیا اور اس سرمایہ کو ہم تک منتقل کیا، عرب اور اہل عرب دراصل اسلام کے مددگار اور ہماری ملی زندگی کی جوہری توانائی ہیں انہوں نے اسلام کی خاطر دنیا بھر سے لوہا لیا بڑی بڑی طاقتوں سے جنگیں کیں، جان ومال کی قربانیاں دے کر بڑے بڑے علاقے فتح کئے شہر شہر، قریہ قریہ، اسلام پھیلایا، اطراف عالم میں دین کا جھنڈا بلند کیا اور مسلمانوں کو جو عزت، برتری اور شان وشوکت حاصل ہوئی وہ

انہی کی جدو جہد اور کوششوں کا نتیجہ ہے ہماری ملی تاریخ کی تمام تر عظمت و سر بلندی انہی کی مرہون منت ہے، اہل عرب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، ان کی نسلی وانسانی خصوصیات اور خوبیوں کے امین ہیں اور نہ صرف یہ کہ ان کی زبان اہل جنت کی زبان ہوگی، بلکہ قبر میں منکر نکیر کا سوال بھی انہی کی زبان میں ہوگا اور انہی اسباب کی بناء پر کہا گیا ہے۔ **من اسلم فھو عربی۔"** جو بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوا وہ عربی ہے۔

کفار کیلئے ٹھکانہ دوزخ کے انتظار کا بیان

عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مرتا ہے تو (قبر کے اندر) صبح اور شام اس کا ٹھکانہ اس کے سامنے لایا جاتا ہے۔

اگر وہ جنتی ہوتا ہے تو جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا ٹھکانہ اس کا انتظار کر، یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اٹھا کر وہاں بھیجے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 124

سورہ دخان کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ دخان کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت جاثیہ ہے

سورت جاثیہ کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃ الْجَاثِیَۃ (مَکِّیَّۃ إِلَّا آیَاتھَا سِتّ أَوْ سَبع وَثَلَاثُونَ)

یہ سورہ جاثیہ ہے، اس کا نام سورہ شریعہ بھی ہے، یہ سورت مکّیہ ہے سوائے آیت (قُلْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًا بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ، الجاثیۃ: 14) کے، اس سورت میں چار رکوع، سینتیس آیات، چار سو اٹھاسی کلمات، دو ہزار ایک سو اکیانوے حروف ہیں۔

سورت جاثیہ کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کا نام جاثیہ ہے۔ اس سورت کی آیت مبارکہ ۲۸ میں لفظ جاثیہ کا استعمال ہوا ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن جب لوگ گھٹنے کے بل بیٹھے ہوں گے۔ اس مناسبت سے یہ سورت جاثیہ کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

حٰمٓ○ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ○ اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ○
حا، میم، حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ کتاب کا اتارا جانا اللہ کی جانب سے ہے جو بڑی
عزت والا بڑی حکمت والا ہے۔ بلاشبہ آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔

زمین وآسمانوں کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ پر قدرت پر دلائل کا بیان

"حم" اللّٰه أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِهِ "تَنْزِیل الْکِتَاب" الْقُرْآن مُبْتَدَأ "مِنَ اللّٰه" خَبَره "الْعَزِیز" فِی مُلْکه "الْحَکِیم" فِی صُنْعه،

"إِنَّ فِی السَّمَاوَات وَالْأَرْض" أَیْ فِی خَلْقهمَا "لَآیَات" دَالَّة عَلَی قُدْرَة اللّٰه وَوَحْدَانِیَّته تَعَالَی،

حا، میم، حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس کتاب کا اتارا جانا اللہ کی جانب سے ہے۔ یہاں پر لفظ کتاب مبتداء ہے اور من اللہ اس کی خبر ہے۔ جو اپنی بادشاہت میں غالب، اپنی صنعت میں بڑی حکمت والا ہے۔ بلاشبہ

آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں ایمان والوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو ہدایت فرماتا ہے کہ وہ قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر کریں۔ اللہ کی نعمتوں کو جانیں اور پہچانیں پھر ان کا شکر بجالائیں دیکھیں کہ اللہ کتنی بڑی قدرتوں والا ہے جس نے آسمان وزمین اور مختلف قسم کی تمام مخلوق کو پیدا کیا ہے فرشتے، جن، انسان، چوپائے، پرند، جنگلی جانور، درندے، کیڑے، پتنگے سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ سمندر کی بیشمار مخلوق کا خالق بھی وہی ایک ہے۔ دن کو رات کے بعد اور رات کو دن کے پیچھے وہی لا رہا ہے رات کا اندھیرا دن کا اجالا اسی کے قبضے کی چیزیں ہیں۔ حاجت کے وقت انداز کے مطابق بادلوں سے پانی وہی برساتا ہے رزق سے مراد بارش ہے اس لئے کہ اسی سے کھانے کی چیزیں اگتی ہیں۔ خشک بنجر زمین سبز وشاداب ہو جاتی ہے اور طرح طرح کی پیداوار اگاتی ہے۔ شمالی جنوبی پروا پچھوا تر وخشک کم وبیش رات اور دن کی ہوائیں وہی چلاتا ہے۔ بعض ہوائیں بارش کو لاتی ہیں بعض بادلوں کو پانی والا کر دیتی ہیں۔ بعض روح کی غذا بنتی ہیں اور بعض ان کے سوا کاموں کے لئے چلتی ہیں۔ پہلے فرمایا کہ اس میں ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ جاثیہ، بیروت)

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝
اور تمھارے پیدا کرنے میں اور ان جاندار چیزوں میں جنھیں وہ پھیلاتا ہے، ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو یقین رکھتے ہیں۔

زمین پر چلنے والے انسانوں وحیوانات سے استدلال قدرت کا بیان

"وَفِي خَلْقِكُمْ" أَيْ فِي خَلْق كُلّ مِنْكُمْ مِنْ نُطْفَة ثُمَّ عَلَقَة ثُمَّ مُضْغَة إلَى أَنْ صَارَ إنْسَانًا "وَمَا يَبُثّ" يُفَرِّق فِي الْأَرْض "مِنْ دَابَّة" هِيَ مَا يَدِبّ عَلَى الْأَرْض مِنْ النَّاس وَغَيْرهمْ "آيَات لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ" بِالْبَعْثِ،

اور تمھارے پیدا کرنے میں یعنی تم سب کو نطفہ سے پھر لوتھڑے سے پھر گوشت سے حتیٰ کہ وہ انسان بن گیا۔ اور ان جاندار چیزوں میں جنھیں وہ پھیلاتا ہے، دابہ ہر وہ چیز جو زمین پر چلے جیسے انسان وغیرہ ہیں۔ ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو لوگ بعث پر یقین رکھتے ہیں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

وما یبث من دابۃ ۔ واو عاطفہ۔ جملہ کا عطف خلقکم پر ہے ما موصولہ۔ یبث مضارع واحد مذکر غائب۔ بث (باب نصر) مصدر ضمیر فاعل اللہ کی طرف راجع ہے۔ دابۃ جانور، چلنے والا۔ رینگنے والا۔ پاؤں دھرنے والا۔ اسم فاعل کا صیغہ مذکر اور مونث، دنوں کے لئے مستعمل ہے ۃ وحدت کی ہے دواب جمع ہے (تمہاری) اور ان جانوروں کی پیدائش میں جن کو اللہ نے (زمین پر) پھیلا رکھا ہے یقین رکھنے والوں کے لئے بہت سے دلائل ہیں۔

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۝

اور رات اور دن کے بدلنے میں اور اس رزق میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا، پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیا اور ہواؤں کے پھیرنے میں ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں۔

دن رات کے اختلاف میں دلائل قدرت کا بیان

"وَ" فِي "اخْتِلَاف اللَّيْلِ وَالنَّهَار " ذَهَابهمَا وَمَجِيئُهُمَا "وَمَا أَنْزَلَ اللّٰه مِنَ السَّمَاء مِنْ رِزْق" مَطَر لِأَنَّهُ سَبَب الرِّزْق "فَأَحْيَا الْأَرْض بَعْد مَوْتهَا وَتَصْرِيف الرِّيَاح " تَقْلِيبهَا مَرَّة جَنُوبًا وَمَرَّة شِمَالًا وَبَارِدَة وَحَارَّة "آيَات لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ" الدَّلِيل فَيُؤْمِنُونَ.

اور رات اور دن کے بدلنے میں یعنی ان دونوں کے آنے جانے میں اور اس رزق میں جو اللہ نے آسمان سے بارش کے ذریعے اتارا، کیونکہ وہ رزق کا سبب ہے۔ پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیا اور ہواؤں کے پھیرنے میں جو کبھی جنوب سے چلتی ہیں اور کبھی شمال سے کبھی وہ ٹھنڈی ہوتی ہیں اور کبھی وہ گرم ہوتی ہیں۔ ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں دلائل ہیں جو سمجھتے ہیں۔ تاکہ وہ ایمان لے آئیں۔

رات اور دن کا یہ فرق واختلاف اس اعتبار سے بھی نشانی ہے کہ دونوں پوری باقاعدگی کے ساتھ ایک دوسرے کے بعد آتے ہیں، اور اس اعتبار سے بھی کہ ایک روشن ہے اور دوسرا تاریک، اور اس اعتبار سے بھی کہ ایک مدت تک بڑی تدریج دن بڑا اور رات چھوٹی ہوتی چلی جاتی ہے، پھر ایک وقت جا کر دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔ یہ مختلف قسم کے فرق واختلاف جو رات اور دن میں پائے جاتے ہیں اور ان سے جو عظیم حکمتیں وابستہ ہیں، وہ اس بات کی صریح علامت ہیں کہ سورج اور زمین اور موجودات زمین کا خالق ایک ہی ہے، اور ان دونوں کروں کو ایک ہی زبردست اقتدار نے قابو میں رکھا ہے، اور وہ کوئی اندھا بہرا بے حکمت اقتدار نہیں ہے بلکہ ایسا حکیمانہ اقتدار ہے جس نے یہ اٹل حساب قائم کر کے اپنی زمین کو زندگی کی ان بے شمار انواع کے لیے موزوں جگہ بنا دیا ہے جو نباتات، حیوانات اور انسان کی شکل میں اس نے یہاں پیدا کی ہیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ۝

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جنہیں ہم آپ پر پوری سچائی کے ساتھ تلاوت فرماتے ہیں، پھر اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد یہ لوگ کس بات پر ایمان لائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی آیات کے برحق ہونے کا بیان

"تِلْكَ" الْآيَات الْمَذْكُورَة "آيَات اللّٰه" حُجَجه الدَّالَّة عَلَى وَحْدَانِيّته "نَتْلُوهَا" نَقُصّهَا

"عَلَيْكَ بِالْحَقِّ" مُتَعَلِّق بِنَتْلُو "فَبِأَيِّ حَدِيث بَعْد اللّٰه" أَيْ حَدِيثه وَهُوَ الْقُرْآن "وَآيَاته" حُجَجه "يُؤْمِنُونَ" أَيْ كُفَّار مَكَّة أَيْ لَا يُؤْمِنُونَ وَفِي قِرَاءَة بِالتَّاءِ

یہ اللہ کی آیتیں ہیں یعنی جن کو ذکر کیا گیا ہے۔ جن کی دلالت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ہے۔ جنہیں ہم آپ پر پوری سچائی کے ساتھ تلاوت فرماتے ہیں، یہاں پر لفظ بالحق یہ نتلوا کے متعلق ہے۔ پھر اللہ اور اس کی آیتوں یعنی قرآن کے بعد یہ لوگ کس بات پر ایمان لائیں گے۔ یعنی کفار مکہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ ایک یؤمنون تاء کے ساتھ بھی آیا ہے۔

قرآن عظیم کی حقانیت کا بیان

مطلب یہ ہے کہ قرآن جو حق کی طرف نہایت صفائی اور وضاحت سے نازل ہوا ہے۔ اس کی روشن آیتیں تجھ پر تلاوت کی جا رہی ہیں۔ جسے یہ سن رہے ہیں اور پھر بھی نہ ایمان لاتے ہیں نہ عمل کرتے ہیں تو پھر آخر ایمان کس چیز پر لائیں گے؟ ان کے لئے ویل ہے اور ان پر افسوس ہے جو زبان کے جھوٹے کام کے گنہگار اور دل کے کافر ہیں اس کی باتیں سنتے ہوئے اپنے کفر انکار اور بد باطنی پر اڑے ہوئے ہیں گویا سنا ہی نہیں انہیں سنا دو کہ ان کے لئے اللہ کے ہاں دکھ کی مار ہے قرآن کی آیتیں ان کے مذاق کی چیز رہ گئی ہیں۔ تو جس طرح یہ میرے کلام کی آج اہانت کرتے ہیں کل میں انہیں ذلت کی سزا دوں گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرآن لے کر دشمنوں کے ملک میں نہ جاؤ ایسا نہ ہو کہ وہ اس کی اہانت و بیقدری کریں پھر اس ذلیل کرنے والے کا عذاب کا بیان فرمایا کہ ان خصلتوں والے لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ ان کے مال و اولاد اور ان کے وہ جھوٹے معبود جنہیں یہ زندگی بھر پوجتے رہے انہیں کچھ کام نہ آئیں گے انہیں زبردست اور بہت بڑے عذاب بھگتنے پڑیں گے پھر ارشاد ہوا کہ یہ قرآن سراسر ہدایت ہے اور اس کی آیت سے جو منکر ہیں ان کے لئے سخت اور المناک عذاب ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ جاثیہ، بیروت)

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ۝ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا
كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۝
بڑی ہلاکت ہے ہر سخت جھوٹے، گناہ گار کے لیے۔ جو اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جو اس پر پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں پھر اصرار
کرتا ہے تکبر کرتے ہوئے، گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں، تو آپ اسے دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔

سخت جھوٹے گناہگاروں کیلئے ہلاکت کا بیان

"وَيْل" كَلِمَة عَذَاب "لِكُلِّ أَفَّاك" كَذَّاب "أَثِيم" كَثِير الْإِثْم "يَسْمَع آيَات اللّٰه" الْقُرْآن "تُتْلَى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرّ" عَلَى كُفْره "مُسْتَكْبِرًا" مُتَكَبِّرًا عَنْ الْإِيمَان "كَأَنْ لَمْ يَسْمَعهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيم" مُؤْلِم،

یہاں پر لفظ ویل یہ کلمہ عذاب ہے۔ بڑی ہلاکت ہے ہر سخت جھوٹے، گناہ گار کے لیے۔ یعنی زیادہ گناہ کرنے والے کیلئے۔

جو اللہ کی اُن آیتوں یعنی قرآن کو سنتا ہے جو اس پر پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں پھر اپنے کفر پر اصرار کرتا ہے تکبّر کرتے ہوئے، گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں، یعنی ایمان لانے سے تکبر کرتا ہے۔ جیسے اس نے سنا ہی نہ ہو۔ تو آپ اسے دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔

سورہ جاثیہ آیت ۷ کے شان نزول کا بیان

کہا گیا ہے کہ یہ آیت نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی جو عجم کے قصّے کہانیاں سنا کر لوگوں کو قرآن پاک سننے سے روکتا تھا اور یہ آیت ہر ایسے شخص کے لئے عام ہے جو دین کو ضرر پہنچائے اور ایمان لانے اور قرآن سننے سے تکبر کرے۔

(تفسیر خزائن العرفان، سورہ جاثیہ، لاہور)

تکبر کے سبب دین حق کو نہ سمجھنے کا بیان

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس چیز کی مثال جسے اللہ نے مجھے دے کر بھیجا ہے یعنی علم اور ہدایت کثیر بارش کی مانند ہے جو زمین پر بوئی چنانچہ زمین کے اچھے ٹکڑے نے اسے قبول کر لیا یعنی اپنے اندر جذب کر لیا، اس سے بہت زیادہ خشک و ہری گھاس پیدا ہوئی اور زمین کا ایک ٹکڑا ایسا سخت تھا کہ اس کے اوپر پانی جمع ہو گیا اللہ نے اس سے بھی لوگوں کو نفع پہنچایا اور لوگوں نے اسے پیا اور پلایا اور کھیتی کو سیراب کیا اور یہ (بارش کا پانی) زمین کے ایسے ٹکڑے پر بھی (پہنچا) جو چٹیل سخت میدان تھا نہ تو اس نے پانی کو روکا اور نہ گھاس کو اگایا لہذا یہ سب (مذکورہ مثالیں) اس آدمی کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین کو سمجھا اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے میری وساطت سے بھیجی تھی اس نے اس سے نفع اٹھایا پس اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور اس آدمی کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین کو سمجھنے کے لئے تکبر کی وجہ سے سر نہیں اٹھایا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو جو میرے ذریعہ بھیجی گئی تھی قبول نہیں کیا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 147)

وَ اِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْـًٔا ﰳاتَّخَذَهَا هُزُوًاؕ اُولٰٓىٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌؕ مِنْ وَّرَآىٕهِمْ
جَهَنَّمُۚ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَیْـًٔا وَّ لَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَۚ وَ لَهُمْ
عَذَابٌ عَظِیْمٌؕ هٰذَا هُدًىۚ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ۠
اور جب وہ ہماری آیات میں سے کوئی چیز معلوم کر لیتا ہے تو اسے مذاق بنا لیتا ہے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسوا
کرنے والا عذاب ہے۔ اُن کے بعد دوزخ ہے اور جو انہوں نے کما رکھا ہے ان کے کچھ کام نہیں آئے گا اور نہ وہ بت،
جنہیں اللہ کے سوا انہوں نے کارساز بنا رکھا ہے، اور ان کے لئے بہت سخت عذاب ہے۔ یہ ہدایت ہے، اور جن لوگوں
نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کے لئے سخت ترین دردناک عذاب ہے۔

آیات قرآنی کا مذاق اڑانے والوں کیلئے اہانت والے عذاب کا بیان

"وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا" أَيْ الْقُرْآن "شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا" أَيْ مَهْزُوءًا بِهَا "أُولَئِكَ" أَيْ الْأَفَّاكُونَ "لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ" ذُو إِهَانَة، "مِنْ وَرَائِهِمْ" أَيْ أَمَامهمْ لِأَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا "جَهَنَّم وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَا كَسَبُوا" مِنْ الْمَال وَالْفِعَال "شَيْئًا وَلَا اتَّخَذُوا مِنْ دُون اللَّه" أَيْ الْأَصْنَام، "هَذَا" أَيْ الْقُرْآن "هُدًى" مِنْ الضَّلَالَة "وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبّهمْ لَهُمْ عَذَاب" حَظّ "مِنْ رِجْز" أَيْ عَذَاب "أَلِيم" مُوجِع

اور جب وہ ہماری آیات یعنی قرآن میں سے کوئی چیز معلوم کر لیتا ہے تو اسے مذاق بنا لیتا ہے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ یعنی اہانت والا عذاب ہوگا۔

اُن کے اس عرصہ حیات کے بعد دوزخ ہے اور جو مالِ دنیا و سامان انہوں نے کما رکھا ہے ان کے کچھ کام نہیں آئے گا اور نہ وہ بت ہی کام آئیں گے، جنہیں اللہ کے سوا انہوں نے کارساز بنا رکھا ہے، اور ان کے لئے بہت سخت عذاب ہے۔

یہ قرآن ہدایت ہے، یعنی ان کیلئے گمراہی سے ہدایت میں لانے والا ہے۔ اور جن لوگوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کے لئے سخت ترین دردناک عذاب ہے۔

اہل دوزخ کو ہر جانب سے جہنم کے گھیر لینے کا بیان

ورآء کا معنی آگے بھی اور پیچھے بھی، ادھر بھی اور ادھر بھی۔ اس لحاظ سے اس کے دو مطلب ہوئے۔ ایک یہ کہ ایسے لوگوں کو دنیا میں ذلت کا عذاب ہوگا پھر اس کے بعد ان کے لیے عذاب جہنم بھی تیار ہے۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ انہیں یہ معلوم ہی نہیں کہ اس ذلت کے عذاب کے بعد جہنم بھی ان کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔

یعنی مال و دولت کام آئے گی اور نہ آل اولاد اور نہ ان کے اچھے اعمال۔ کیونکہ دنیا میں اگر انہوں نے کچھ اچھے عمل کئے بھی ہوں گے وہ برباد ہو جائیں گے اور ان کے کسی کام نہ آئیں گے۔ وجہ یہ ہے کہ انہوں نے وہ کام اس نیت سے کئے ہی نہ تھے کہ وہ آخرت میں ان کے کام آئیں گے بلکہ ان کا آخرت پر یقین ہی نہیں تھا۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ط
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۝
اللہ ہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے قابو میں کر دیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں جہاز اور کشتیاں چلیں اور تا کہ تم اس کا فضل تلاش
کر سکو، اور اس لئے کہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔ اور اس نے تمہاری خاطر جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو

اپنی طرف سے مسخر کر دیا، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔

کائنات عالم میں مختلف چیزوں کی تسخیر کا بیان

"اللّٰه الَّذِی سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحر لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ" السُّفن "فِیهِ بِأَمْرِهِ" بِإِذْنِهِ "وَلِتَبْتَغُوا" تَطْلُبُوا بِالتِّجارَةِ، "وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَات" مِنْ شَمْس وَقَمَر وَنُجُوم وَمَاء وَغَيْره "وَمَا فِي الْأَرْض" مِنْ دَابَّة وَشَجَر وَنَبَات وَأَنْهَار وَغَيْرهَا أَيْ خَلَقَ ذَلِكَ لِمَنَافِعِكُمْ "جَمِيعًا" تَأْكِيد "مِنْهُ" حَال أَيْ سَخَّرَهَا كَائِنَة مِنْهُ تَعَالَى "إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَات لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ" فِيهَا فَيُؤْمِنُونَ

اللہ ہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے قابو میں کر دیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں جہاز اور کشتیاں چلیں اور تا کہ تم بحری راستوں سے بھی اس کا فضل تجارت کے ذریعے تلاش کر سکو، اور اس لئے کہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

اور اس نے تمہاری خاطر جو کچھ آسمانوں میں سورج، چاند، ستارے اور پانی وغیرہ ہے اور جو کچھ زمین میں جانور، درخت، نباتات اور نہریں وغیرہ ہیں۔ سب کو اپنی طرف سے مسخر کر دیا، یعنی ان سب کو تمہارے فائدے کیلئے بنایا۔ یہاں پر جمیعا منه اس حال ہے۔ یعنی ان میں ہونے والی چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔ تا کہ وہ ایمان لے آئیں۔

قرآن کریم میں فضل تلاش کرنے سے مراد عموماً کسب معاش کی جدوجہد ہوتی ہے۔ یہاں اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں سمندر میں کشتی رانی پر اس لئے قدرت دی گئی تا کہ اس کے ذریعہ تم تجارت کر سکو اور یہ بھی ممکن ہے کہ فضل تلاش کرنے کا کشتی رانی سے کوئی تعلق نہ ہو بلکہ یہ تسخیر بحر کی ایک مستقل قسم ہو اور مطلب یہ ہو کہ سمندر میں ہم نے بہت سی نفع بخش چیزیں پیدا کر کے سمندر کو تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے تا کہ تم انہیں تلاش کر کے نفع اٹھاؤ چنانچہ جدید سائنس کی رو سے یہ معلوم ہے کہ سمندر میں اس قدر معدنی ذخائر اور زمین کی پوشیدہ دولتیں ہیں کہ اتنی خشکی میں بھی نہیں ہیں۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًاۢ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ۝
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ۝
آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ وہ ان لوگوں کو نظر انداز کر دیں جو اللہ کے دنوں کی امید اور خوف نہیں رکھتے تا کہ وہ
ان لوگوں کو ان کا پورا بدلہ دے دے جو وہ کمایا کرتے تھے۔ جس نے کوئی نیک عمل کیا تو وہ اسی کے لیے ہے اور
جس نے برائی کی سو اسی پر ہے، پھر تم اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اچھے اور برے اعمال پر بدلہ دیا جانے کا بیان

"قُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا يَغْفِرُوا لِلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ" يَخَافُونَ "أَيَّام اللّٰه" وَقَائِعه أَيْ اغْفِرُوا لِلْكُفَّارِ مَا

وَقَعَ مِنهُمْ مِنَ الْأَذَى لَكُمْ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِجِهَادِهِمْ "لِيَجْزِيَ" أَيُ اللَّهُ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالنُّونِ "قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ" مِنَ الْغَفْرِ لِلْكُفَّارِ أَذَاهُمْ، "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ" عَمِلَ "وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا" أَسَاءَ "ثُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ" تَصِيرُونَ فَيُجَازِي الْمُصْلِحَ وَالْمُسِيءَ

آپ ایمان والوں سے فرما دیجئے کہ وہ ان لوگوں کو نظر انداز کر دیں جو اللہ کے دنوں کی آمد کی امید اور خوف نہیں رکھتے۔یعنی کفار کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر انہیں معاف کر دیں۔اور یہ حکم بھی ان کے ساتھ جہاد کرنے والے حکم سے پہلے نازل ہوا ہے تا کہ وہ ان لوگوں کو ان کے اعمال کا پورا بدلہ دے دے جو وہ کمایا کرتے تھے۔یعنی کفار کو ان کی تکالیف پر معاف کر دینا، یہاں پر لفظ یجزی ایک قرأت میں نون کے ساتھ بھی آیا ہے۔

جس نے کوئی نیک عمل کیا تو وہ اسی کے لیے ہے اور جس نے برائی کی سو اسی پر ہے، پھر تم اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔لہٰذا انہیں اچھے اور برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

سورہ جاثیہ آیت ۱۴ کے شان نزول کا بیان

عطاء کی روایت ہے کہ میں حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ یہاں (ایمان والوں سے) حضرت عمر خاص طور پر مراد ہیں اور خدا کے دنوں کی توقع رکھنے والوں سے عبداللہ بن ابی مراد ہے۔وہ اس طرح کہ مسلمان غزوہ بنو مصطلق میں بئر مریسع پر اترے تو عبداللہ نے اپنے غلام کو پانی لانے کے لیے بھیجا اس نے آنے میں کچھ دیر کر دی جب وہ آیا تو اس نے کہا تجھے کس نے روک لیا تھا؟ اس نے کہا عمر کے غلام نے وہ کنویں کی من پر بیٹھا تھا اور کسی ایک کو بھی اس وقت تک نہ لینے دیتا جب تک وہ نبی اور ابو بکر اپنے مولا کی مشک نہ بھر والیتا۔عبداللہ نے کہا ہماری اور ان لوگوں کی مثال اس مقولے کی طرح ہے کہ اپنے کتے کو موٹا کر تجھے کھا جائے اس کی بات حضرت عمر تک پہنچی وہ جلدی سے تلوار پکڑ کر اس کے ارادے سے نکلے کہ اللہ نے یہ آیت نازل کی۔

(نیسابوری 312،زاد المسیر 7۔357،قرطبی 16۔(161)

میمون بن مھران حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔(من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا) (سورہ بقرہ) کوئی ہے جو خدا کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے کو کئی گنا زیادہ دے گا۔

تو مدینہ میں ایک یہودی فنحاص کہنے لگا کہ محمد کا رب محتاج ہو گیا جب عمر نے یہ سنا تو اپنی تلوار لے کر تیزی سے اس کے طرف نکلے تو حضرت جبرائیل نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا بے شک آپ کا رب فرماتا ہے۔قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ مومنوں سے کہہ دو کہ جو لوگ خدا کے دنوں کی (جو اعمال کے بدلے کے لیے مقرر ہیں) توقع نہیں رکھتے ان سے درگزر کریں۔اور یہ بتایا کہ عمر تلوار لے کر اس یہودی کی طرف نکلا ہے رسول اللہ نے کسی کو حضرت عمر کے پیچھے بھیجا جب وہ آئے تو آپ نے فرمایا آپ اپنی تلوار رکھ دو انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ نے سچ فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ حق کو دے کر بھیجے گئے ہیں آپ نے فرمایا کیوں کہ تیرا رب فرماتا ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ)۔حضرت عمر نے کہا یقیناً جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے میرے چہرے پر غصے کو پسند نہیں فرماتا۔(نیسابوری 313، قرطبی 16-161)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ
وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت دی اور انھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور انھیں جہانوں پر فضیلت بخشی۔

بنی اسرائیل کو کتاب ونبوت دیئے جانے کا بیان

"وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيل الْكِتَاب" التَّوْرَاة "وَالْحُكْم" بِهِ بَيْن النَّاس "وَالنُّبُوَّة" لِمُوسَى وَهَارُونَ مِنْهُمْ "وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَات" الْحَلَالَاتِ كَالْمَنِّ وَالسَّلْوَى "وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ" عَالِمِي زَمَانهمْ الْعُقَلَاء،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب یعنی تورات اور حکم یعنی لوگوں کے درمیان فیصلہ اور حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو نبوت دی اور انھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا جیسے من وسلویٰ اور انھیں جہانوں پر فضیلت بخشی۔یعنی ان کے زمانے کے اہل عقل پر فضیلت دی۔

بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات کا بیان

بنی اسرائیل پر جونعمتیں رحیم وکریم اللہ نے انعام فرمائی تھیں ان کا ذکر فرمارہا ہے کہ کتابیں ان پر اتاریں رسول ان میں بھیجے حکومت انہیں دی۔بہترین غذائیں اور ستھری صاف چیزیں انہیں عطا فرمائیں اور اس زمانے کے اور لوگوں پر انہیں برتری دی اور انہیں امر دین کی عمدہ اور کھلی ہوئی دلیلیں پہنچادیں اور ان پر حجت اللہ قائم ہوگئی۔پھر ان لوگوں نے پھوٹ ڈالی اور مختلف گروہ بن گئے اور اس کا باعث بجز نفسانیت اور خودی کے اور کچھ نہ تھا اے نبی تیرا رب ان کے ان اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن خود ہی کر دے گا اس میں اس امت کو چوکنا کیا گیا ہے کہ خبردار تم ان جیسے نہ ہونا ان کی چال نہ چلنا اسی لئے اللہ جل وعلا نے فرمایا کہ تو اپنے رب کی وحی کا تابعدار بنا رہ مشرکوں سے کوئی مطلب نہ رکھ بے علموں کی ریس نہ کر یہ تجھے اللہ کے ہاں کیا کام آئیں گے؟ ان کی دوستیاں تو ان میں آپس میں ہی ہیں یہ تو اپنے ملنے والوں کو نقصان ہی پہنچایا کرتے ہیں۔

پرہیزگاروں کا ولی وناصر رفیق وکارساز پروردگار عالم ہے جو انہیں اندھیروں سے ہٹا کر نور کی طرف لے جاتا ہے اور کافروں کے دوست شیاطین ہیں جو انہیں روشنی سے ہٹا کر اندھیریوں میں جھونکتے ہیں یہ قرآن ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں دلائل کے ساتھ ہی ہدایت ورحمت ہے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ جاثیہ، بیروت)

وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوْا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ
اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○
اور ہم نے ان کو دین کے واضح دلائل اور نشانیاں دی ہیں مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا انہوں نے
اختلاف کیا محض باہمی حسد و عداوت کے باعث، بیشک آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن
اس امر کا فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کے پاس نبی کریم ﷺ کی بعثت کے علم کا بیان

"وَآتَيْنَاهُمْ بَيِّنَات مِنَ الْأَمْر " أَمْر الدِّين مِنْ الْحَلَال وَالْحَرَام وَبَعْثَة مُحَمَّد عَلَيْهِ أَفْضَل الصَّلَاة وَالسَّلَام "فَمَا اخْتَلَفُوا " فِي بَعْثَته "إِلَّا مِنْ بَعْد مَا جَاءَهُمُ الْعِلْم بَغْيًا بَيْنهمْ " أَيْ لِبَغْيٍ حَدَثَ بَيْنهمْ حَسَدًا لَهُ،

اور ہم نے ان کو دین کے واضح دلائل اور نشانیاں دی ہیں۔یعنی دین میں حلال وحرام کے احکام، اور حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس بعثتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم آ چکا انہوں نے اس سے اختلاف کیا محض باہمی حسد و عداوت کے باعث، بیشک آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن اس امر کا فیصلہ فرما دے گا جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

اور علم زوالِ اختلاف کا سبب ہوتا ہے اور یہاں ان لوگوں کے لئے اختلاف کا سبب ہوا، اس کا باعث یہ ہے کہ علم ان کا مقصود نہ تھا بلکہ مقصود ان کا جاہ و ریاست کی طلب تھی، اسی لئے انہوں نے اختلاف کیا۔

اور انہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلوہ افروزی کے بعد اپنے جاہ و ریاست کے اندیشہ سے آپ کے ساتھ حسد اور دشمنی کی اور کافر ہو گئے۔(تفسیر خزائن العرفان، سورہ جاثیہ، لاہور)

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○
پھر ہم نے آپ کو دین کے کھلے راستے پر مامور فرما دیا، سو آپ اسی راہ پر چلتے جایئے اور ان لوگوں کی
خواہشوں کو قبول نہ فرمایئے جنہیں علم ہی نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کی شریعت کا بیان

"ثُمَّ جَعَلْنَاك " يَا مُحَمَّد "عَلَى شَرِيعَة " طَرِيقَة "مِنَ الْأَمْر " أَمْر الدِّين "فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِع أَهْوَاء الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ" فِي عِبَادَة غَيْر اللَّه،

یا محمد ﷺ پھر ہم نے آپ کو دین کے کھلے راستے شریعت پر مامور فرما دیا، سو آپ اسی راہ پر چلتے جائیے اور ان لوگوں کی خواہشوں کو قبول نہ فرمائیے جنہیں علم ہی نہیں ہے۔ یعنی جو غیر اللہ کی عبادت کی حیثیت کو نہیں جانتے۔ کہ اس کی وجہ سے ہلاکت کتنی ہے۔

شریعت کے لغوی معنی ہیں، ملت اور منہاج۔ شاہراہ کو بھی شارع کہا جاتا ہے کہ وہ مقصد اور منزل تک پہنچاتی ہے پس شریعت سے مراد، وہ دین ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے تاکہ لوگ اس پر چل کر اللہ کی رضا کا مقصد حاصل کر لیں۔ آیت کا مطلب ہے، ہم نے آپ کو دین کے ایک واضح راستے یا طریقے پر قائم کر دیا ہے جو آپ کو حق تک پہنچا دے گا۔

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝
بلاشبہ وہ اللہ کے مقابلے میں ہرگز تیرے کسی کام نہ آئیں گے اور یقیناً ظالم لوگ، ان کے بعض بعض کے
دوست ہیں اور اللہ متقی لوگوں کا دوست ہے۔

اہل تقویٰ کیلئے اللہ تعالیٰ کی دوستی کا بیان

"اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا" يَدْفَعُوا "عَنْكَ مِنَ اللّٰه" مِنْ عَذَابه "شَيْئًا وَاِنَّ الظَّالِمِيْنَ" الْكَافِرِيْنَ

بلاشبہ وہ اللہ کے مقابلے میں ہرگز تیرے کسی کام نہ آئیں گے یعنی عذاب سے بچانے میں کام نہ آئیں گے۔ اور یقیناً ظالم لوگ، یعنی کافر لوگ ان کے بعض بعض کے دوست ہیں اور اللہ متقی لوگوں کا دوست ہے۔

یعنی حق کے مقابلہ میں سب بے انصاف اور ظالم لوگ مل بیٹھتے ہیں اور آپس میں اتحاد کر لیتے ہیں۔ اگرچہ ان میں خاصے باہمی اختلافات موجود ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں اللہ کے فرمانبرداروں اور اس سے ڈرنے والوں کا حامی و ناصر صرف اللہ ہوتا ہے جو ان کے سب کام سیدھے کئے جاتا ہے اور اس کی یہ کارسازی دائمی اور پائیدار ہے جو اس دنیا سے آگے آخرت میں بھی برقرار رہے گی۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝
یہ لوگوں کے لیے سمجھ کی باتیں ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں ہدایت اور رحمت ہے۔

قرآن مجید کا بصائر، ہدایت اور رحمت ہونے کا بیان

"هٰذَا" الْقُرْآن "بَصَائِر لِلنَّاسِ" مَعَالِم يَتَبَصَّرُونَ بِهَا فِي الْأَحْكَام وَالْحُدُود "وَهُدًى وَرَحْمَة لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ" بِالْبَعْثِ،

یہ قرآن لوگوں کے لیے سمجھ کی باتیں ہیں جو اس کے ذریعے احکام و حدود کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ اور ان لوگوں کے لیے جو بعث پر یقین رکھتے ہیں ہدایت اور رحمت ہے۔

یعنی اس قرآن میں بصیرت افروز دلائل تو سب لوگوں کے لیے موجود ہیں۔لیکن ان دلائل سے فائدہ صرف وہ لوگ اٹھا سکتے ہیں جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔پھر جو لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں انہیں یہ کتاب دنیا میں زندگی گزارنے کے طریقہ کی مکمل رہنمائی کرتی ہے۔اس طریقہ زندگی پر عمل کرنے سے انسان کی آخرت بھی سنور جاتی ہے۔یہ تو اللہ کی رحمت کا ایک پہلو ہوا کہ اس نے اس دنیا میں ہی اخروی زندگی کی فلاح ونجات کا طریقہ بتا دیا۔اور اللہ کی رحمت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ قرآن زندگی گزارنے اور اس دنیا میں پرامن رہنے کے لیے سب انسانوں کے لیے ایسے متناسب اور متوازن اصول پیش کرتا ہے۔جن سے سب لوگوں کے حقوق کی ٹھیک تعیین ہو جاتی ہے اور کسی کی حق تلفی نہیں ہوتی۔انسان کی عقل اگر ہزاروں سال بھی تجربے کرتی اور ٹھوکریں کھاتی پھرتی تب بھی ایسے متوازن اور متناسب اصول دریافت نہ کرسکتی تھی۔اللہ کی لوگوں پر خاص رحمت ہے کہ اس نے اس قرآن کے ذریعہ لوگوں کو ایسی ہدایات مفت میں دے دی ہیں۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ
سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝
کیا وہ لوگ جنھوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا،انھوں نے گمان کرلیا ہے کہ ہم انھیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے
جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے؟ ان کا جینا اور ان کا مرنا برابر ہوگا؟ برا ہے جو وہ فیصلہ کر رہے ہیں۔

آخرت میں عیش وآرام کا نظریہ رکھنے والے خود فریبی کفار کا بیان

"أَمْ" بِمَعْنَى هَمْزَةِ الْإِنْكَارِ "حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا" اكْتَسَبُوا "السَّيِّئَاتِ" الْكُفْر وَالْمَعَاصِي "أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات سَوَاء " خَبَر "مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتهمْ " مُبْتَدَأ وَمَعْطُوف وَالْجُمْلَة بَدَل مِنْ الْكَاف وَالضَّمِيرَانِ لِلْكُفَّارِ الْمَعْنَى : أَحَسِبُوا أَنْ نَجْعَلهُمْ فِي الْآخِرَة فِي خَيْر كَالْمُؤْمِنِينَ فِي رَغَد مِنْ الْعَيْش مُسَاوٍ لِعَيْشِهِمْ فِي الدُّنْيَا حَيْثُ قَالُوا لِلْمُؤْمِنِينَ : لَئِنْ بُعِثْنَا لَنُعْطَى مِنْ الْخَيْر مِثْل مَا تُعْطَوْنَ قَالَ تَعَالَى عَلَى وَفْق إنْكَاره بِالْهَمْزَةِ "سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ " أَيْ لَيْسَ الْأَمْر كَذَلِكَ فَهُمْ فِي الْآخِرَة فِي الْعَذَاب عَلَى خِلَاف عَيْشهمْ فِي الدُّنْيَا وَالْمُؤْمِنُونَ فِي الْآخِرَة فِي الثَّوَاب بِعَمَلِهِمْ الصَّالِحَات فِي الدُّنْيَا مِنْ الصَّلَاة وَالزَّكَاة وَالصِّيَام وَغَيْر ذَلِكَ وَمَا مَصْدَرِيَّة أَيْ بِئْسَ حُكْمًا حُكْمهمْ هَذَا

یہاں پر لفظ اَم یہ معنی ہمزہ انکاری ہے۔کیا وہ لوگ جنھوں نے برائیوں یعنی کفر ومعاصی کا ارتکاب کیا،انھوں نے گمان کرلیا ہے کہ ہم انھیں ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے؟ان کا جینا اور ان کا مرنا برابر ہوگا؟ یہاں پر لفظ سواء یہ خبر ہے۔اور محیاھم اور مماتھم یہ مبتداء ہے۔اور معطوف ہے۔اور جملہ کاف سے بدل ہے جبکہ دونوں اضمار کفار کی

جانب لوٹنے والی ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم آخرت میں اہل ایمان کی طرح ہوں گے۔ جس طرح وہ دنیا میں عیش وآرام میں ہیں۔ اور یہ بات انہوں نے مؤمنین سے کہی۔ کہ اگر ہم زندہ کیے بھی گئے تو اسی طرح ہمیں بھلائی عطا کی جائے گی۔ جس طرح تمہیں عطا کی جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ہمزہ انکاری کی صورت میں ارشاد فرمایا کہ برا ہے جو وہ فیصلہ کر رہے ہیں۔ کیونکہ ایسا نہیں ہوگا بلکہ ان کیلئے آخرت میں عذاب ہوگا۔ جبکہ دنیا میں ان کی عیاشی تھی اور ایمان کیلئے آخرت میں دنیا کے نیک اعمال نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ کے بدلے ثواب ہوگا۔ اور یہاں لفظ ماء یہ مصدر یہ ہے یعنی ان کا یہ فیصلہ کتنا برا ہے؟

سورہ جاثیہ آیت ۲۱ کے شان نزول کا بیان

مشرکینِ مکہ کی ایک جماعت نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ اگر تمہاری بات حق ہو اور مرنے کے بعد اٹھنا ہو تو بھی ہمیں ہی افضل رہیں گے جیسا کہ دنیا میں، ہم تم سے بہتر رہے، ان کی رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ جاثیہ، لاہور)

اصل دین چار چیزیں ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ مؤمن وکافر برابر نہیں جیسے اور آیت میں ہے کہ دوزخی اور جنتی برابر نہیں جنتی کامیاب ہیں یہاں بھی فرماتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کفر و برائی والے اور ایمان واچھائی والے موت وزیست میں دنیا وآخرت میں برابر ہو جائیں۔ یہ تو ہماری ذات اور ہماری صفت عدل کے ساتھ پرلے درجے کی بدگمانی ہے۔

مسند ابو یعلیٰ میں ہے حضرت ابوذر فرماتے ہیں چار چیزوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی بنا رکھی ہے جو ان سے ہٹ جائے اور ان پر عامل نہ بنے وہ اللہ سے فاسق ہو کر ملاقات کرے گا پوچھا گیا کہ وہ چاروں چیزیں کیا ہیں؟ فرمایا یہ کہ کامل عقیدہ رکھے کہ حلال حرام حکم اور ممانعت یہ چاروں صرف اللہ کی اختیار میں ہیں اس کے حلال کو حلال اس کے حرام بتائے ہوئے کو حرام ماننا، اس کے حکموں کو قابل تعمیل اور لائق تسلیم جاننا، اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے باز آ جانا اور حلال حرام امر ونہی کا مالک صرف اسی کو جاننا بس یہ دین کی اصل ہے۔

حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس طرح ببول کے درخت سے انگور پیدا نہیں ہو سکتے اسی طرح بدکار لوگ نیک کاروں کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے یہ حدیث غریب ہے۔

سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ کعبۃ اللہ کی نیو میں سے ایک پتھر نکلا تھا جس پر لکھا ہوا تھا کہ تم برائیاں کرتے ہوئے نیکیوں کی امید رکھتے ہو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی خاردار درخت میں سے انگور چننا چاہتا ہو۔ طبرانی میں ہے کہ حضرت تمیم داری رات بھر تہجد میں اسی آیت کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو عدل کے ساتھ پیدا کیا ہے وہ ہر ایک شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دے گا اور کسی پر اس کی طرف سے ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ جل وعلا فرماتا ہے کہ تم نے انہیں بھی دیکھا جو اپنی خواہشوں کو اللہ بنائے ہوئے ہیں۔ جس کام کی طرف طبیعت جھکی کر ڈالا جس سے دل رکا چھوڑ دیا۔ یہ آیت معتزلہ کے اس اصول کو رد کرتی ہے کہ اچھائی برائی عقلی ہے۔

حضرت امام مالک اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس کے دل میں جس کی عبادت کا خیال گذرتا ہے اسی کو پوجنے لگتا ہے اس کے بعد کے جملے کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بناء پر اسے مستحق گمراہی جان کر گمراہ کردیا دوسرا معنی یہ کہ اس کے پاس علم وحجت دلیل وسند آ گئی پھر اسے گمراہ کیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ جاثیہ، بیروت)

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝
اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور تاکہ ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ہر شخص کیلئے اعمال کی جزاء ہونے کا بیان

"وَخَلَقَ اللّٰه السَّمَوَات وَالْأَرْض بِالْحَقِّ" مُتَعَلِّق بِخَلَقَ لِيَدُلّ عَلَى قُدْرَته وَوَحْدَانِيّته "وَلِتُجْزَى كُلّ نَفْس بِمَا كَسَبَتْ" مِنْ الْمَعَاصِي وَالطَّاعَات فَلَا يُسَاوِي الْكَافِر الْمُؤْمِن

اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا یہاں پر لفظ بالحق یہ خلق کے متعلق ہے۔ تاکہ وہ اس کی قدرت وتوحید پر دلالت کرے۔ اور تاکہ ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے جو اس نے نافرمانی یا طاعات سے کمایا لہٰذا مؤمن اور کافر برابر نہیں ہیں۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

مخالف سرکش مخلص فرمانبردار کے برابر کیسے ہوسکتا ہے؟ مومنین جنّاتِ عالیات میں عزت وکرامت اور عیش وراحت پائیں گے اور کفار اسفلُ السافلین میں ذلّت واہانت کے ساتھ سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

نیک نیکی کا اور بد بدی کا، اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس عالم کی پیدائش سے اظہار عدل ورحمت مقصود ہے اور یہ پوری طرح قیامت ہی میں ہوسکتا ہے کہ اہل حق اور اہل باطل میں امتیاز کامل ہو، مومن مخلص درجاتِ جنت میں ہوں اور کافر نافرمان درکاتِ جہنم میں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ جاثیہ، بیروت)

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ
وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝
کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ ٹھہرا دیا ہے اور
اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگادی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے، پھر اسے اللہ کے بعد کون ہدایت کرسکتا ہے، سو کیا تم
نصیحت قبول نہیں کرتے۔

کفار کے کانوں، دلوں پر مہر ہونے کا بیان

"أَفَرَأَيْت" أَخْبِرْنِي "مَنْ اتَّخَذَ إِلَهه هَوَاهُ" مَا يَهْوَاهُ مِنْ حَجَر بَعْد حَجَر يَرَاهُ أَحْسَن "وَأَضَلَّهُ اللّٰه عَلَى عِلْم" مِنْهُ تَعَالَى: أَيْ عَالِمًا بِأَنَّهُ مِنْ أَهْل الضَّلَالَة قَبْل خَلْقه "وَخَتَمَ عَلَى سَمْعه

وَقَلْبه" فَلَمْ يَسْمَع الْهُدَى وَلَمْ يَعْقِلهُ "وَجَعَلَ عَلَى بَصَره غِشَاوَة" ظُلْمَة فَلَمْ يُبْصِر الْهُدَى وَيُقَدَّر هُنَا الْمَفْعُول الثَّانِي لِرَأَيْت أَيَهْتَدِي "فَمَنْ يَهْدِيه مِنْ بَعْد اللّٰه" أَيْ بَعْد إضْلَاله إيَّاهُ أَيْ لَا يَهْتَدِي "أَفَلَا تَذَكَّرُونَ" تَتَّعِظُونَ فِيهِ إدْغَام إحْدَى التَّاءَيْنِ فِي الذَّال،

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے یعنی وہ جس پتھر کو پسند کرتا اس کے بعد پھر کسی اور پتھر کو پسند کرتا ہے تو اسے معبود بنالیتا ہے۔اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ ٹھہرادیا ہے یعنی اللہ اس کی تخلیق سے پہلے ہی اسی گمراہ کو جاننے والا ہے۔اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگادی ہے لہٰذا وہ ہدایت کو نہیں سن سکتا۔اور نہ سمجھ سکتا ہے۔اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے، لہٰذا وہ ہدایت کو نہیں دیکھ سکتا۔یہاں پر لرأیت کا مفعول ثانی أیہدی مقدر ہے۔پھر اسے اللہ کے بعد کون ہدایت کرسکتا ہے، یعنی اس کے گمراہ ہوجانے کے بعد وہ کیسے ہدایت پائے گا۔پس کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے۔تذکرون میں ایک تاء کا ذال میں ادغام ہے۔

نفسانی خواہشات کو معبود بنالینے والے کا بیان

وہ شخص جس نے اپنی خواہشات نفسانی کو اپنا معبود بنالیا۔یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی کافر بھی اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا خدا یا معبود نہیں کہتا مگر قرآن کریم کی اس آیت نے یہ بتلایا کہ عبادت درحقیقت اطاعت کا نام ہے جو شخص خدا کی اطاعت کے مقابلے میں کسی دوسرے کی اطاعت اختیار کرے وہ ہی اس کا معبود کہلائے گا تو جس شخص کو حلال وحرام اور جائز ناجائز کی پروانہ ہو خدا تعالیٰ نے جس کو حرام کہا ہے وہ اس میں خدا کا حکم ماننے کے بجائے اپنے نفس کی پیروی کرے تو گو وہ اپنے نفس کو زبان سے اپنا معبود نہ کہے مگر حقیقتہ وہی اس کا معبود ہوا اسی مضمون کو کسی عارف نے ایک شعر میں کہا ہے۔

سودہ گشت از سجدہ راہ بتاں پیشانیم　　　　چند برخود تہمت دین مسلمانی نہم

اس میں خواہشات نفسانی کو بتوں سے تعبیر کیا ہے۔جس نے اپنی خواہشات کو ہی امام ومقتدا بنالیا اور ان کے پیچھے چلنے لگا تو گویا یہ خواہشات ہی اس کے بت ہیں۔

حضرت ابوامامہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ زیر آسمان دنیا میں جتنے معبودوں کی عبادت کی گئی ہے ان میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک ہوی ہے یعنی خواہش نفسانی ہے۔

حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دانشمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور مابعد الموت کے واسطے عمل کرے اور فاجر وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہش کے پیچھے چھوڑ دے اور اس کے باوجود اللہ سے آخرت کی بھلائی کی تمنا کرتا رہے اور حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے فرمایا کہ تمہاری بیماری تمہاری نفسانی خواہشات ہیں۔ہاں اگر تم ان کی مخالفت کرو تو یہ بیماری ہی تمہاری دوا بھی ہے۔(تفسیر قرطبی،سورہ جاثیہ، بیروت)

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ

وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ○

اور انھوں نے کہا ہماری اس دنیا کی زندگی کے سوا کوئی نہیں، ہم جیتے اور مرتے ہیں اور ہمیں زمانے کے سوا کوئی ہلاک

نہیں کرتا، حالانکہ انھیں اس کے بارے میں کچھ علم نہیں، وہ محض گمان کرر ہے ہیں۔

منکرین بعث کا موت کو مرورزمانہ سے تعبیر کرنے کا بیان

"وَقَالُوا" أَيْ مُنْكِرُو الْبَعْث "مَا هِيَ" أَيْ الْحَيَاة "إِلَّا حَيَاتنَا" الَّتِي فِي "الدُّنْيَا نَمُوت وَنَحْيَا" أَيْ يَمُوت بَعْض وَيَحْيَا بَعْض بِأَنْ يُولَدُوا "وَمَا يُهْلِكنَا إِلَّا الدَّهْر" أَيْ مُرُور الزَّمَان "وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ" الْمَقُول "مِنْ عِلْم إِنْ" مَا،

اور انھوں نے یعنی منکرین بعث نے کہا ہماری اس دنیا کی زندگی کے سوا کوئی زندگی نہیں، ہم یہیں جیتے اور مرتے ہیں یعنی یہاں پر بعض مرجاتے ہیں اور بعض زندہ ہوجاتے ہیں جس طرح وہ پیدا ہوتے ہیں۔اور ہمیں زمانے کے سوا کوئی ہلاک نہیں کرتا، یعنی زمانہ گزرجاتا ہے۔حالانکہ انھیں اس کے بارے میں کچھ علم نہیں، وہ محض گمان کرر ہے ہیں۔

دہریہ کفار کے رد کا بیان

دہریہ کفار اوران کے ہم عقیدہ مشرکین کا بیان ہورہا ہے کہ یہ قیامت کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا ہی ابتداء اور انتہاء ہے کچھ جیتے ہیں کچھ مرتے ہیں قیامت کوئی چیز نہیں فلاسفہ اور علم کلام کے قائل یہی کہتے تھے یہ لوگ ابتداء اور انتہاء کے قائل نہ تھے اور فلاسفہ میں سے جولوگ دھریہ اور دوریہ تھے وہ خالق کے بھی منکر تھے ان کا خیال تھا کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد زمانے کا ایک دور ختم ہوتا ہے اور ہر چیز اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہے اور ایسے کئی دور کے وہ قائل تھے دراصل یہ معقول سے بھی بیکار جھگڑتے تھے اور منقول سے بھی روگردانی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ گردش زمانہ ہی ہلاک کرنے والی ہے نہ کہ اللہ۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں اور بجز وہم وخیال کے کوئی سند وہ پیش نہیں کرسکتے۔

ابوداؤد وغیرہ کی صحیح حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم ایذاء دیتا ہے وہ دہر کو (یعنی زمانے کو) گالیاں دیتا ہے دراصل زمانہ میں ہی ہوں تمام کام میرے ہاتھ ہیں دن رات کا ہیر پھیر کرتا ہوں۔ایک روایت میں ہے دہر (زمانہ) کو گالی نہ دو اللہ ہی زمانہ ہے۔ابن جریر نے اسے ایک بالکل غریب سند سے وارد کیا ہے اس میں ہے اہل جاہلیت کا خیال تھا کہ ہمیں دن رات ہی ہلاک کرتے ہیں وہی ہمیں مارتے جلاتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں اسے نقل فرمایا وہ زمانے کو برا کہتے تھے پس اللہ عزوجل نے فرمایا مجھے ابن آدم ایذاء پہنچاتا ہے وہ زمانے کو برا کہتا ہے اور زمانہ میں ہوں میرے ہاتھ میں سب کام ہیں میں دن رات کا لے آنے لے جانے والا ہوں۔

ابن ابی حاتم میں ہے ابن آدم زمانے کو گالیاں دیتا ہے میں زمانہ ہوں دن رات میرے ہاتھ میں ہیں۔ اور حدیث میں ہے میں نے اپنے بندے سے قرض طلب کیا اس نے مجھے نہ دیا مجھے میرے بندے گالیاں دیں وہ کہتا ہے ہائے ہائے زمانہ اور زمانہ میں ہوں۔

امام شافعی اور ابو عبیدہ وغیرہ ائمہ لغت وتفسیر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے عربوں کو جب کوئی بلا اور شدت وتکلیف پہنچتی تو وہ اسے زمانے کی طرف نسبت کرتے اور زمانے کو برا کہتے دراصل زمانہ خود تو کچھ کرتا نہیں ہر کام کا کرتا دھرتا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لئے اس کا زمانے کا گالی دینا فی الواقع اسے برا کہنا تھا جس کی ہاتھ میں اور جس کے بس میں زمانہ ہے جو راحت ورنج کا مالک ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ عز اسمہ ہے پس وہ گالی حقیقی فاعل یعنی اللہ تعالیٰ پر پڑتی ہے اس لئے اس حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اور لوگوں کو اس سے روک دیا یہی شرح بہت ٹھیک اور بالکل درست ہے۔

امام ابن حزم وغیرہ نے اس حدیث سے جو یہ سمجھ لیا ہے کہ دہر اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام ہے یہ بالکل غلط ہے واللہ اعلم پھر ان بیعلموں کی کج بحثی بیان ہو رہی ہے کہ قیامت قائم ہونے کی اور دوبارہ جلائے جانے کی بالکل صاف دلیلیں جب انہیں دی جاتی ہیں اور قائل معقول کر دیا جاتا ہے تو چونکہ جب کچھ بن نہیں پڑتا جھٹ سے کہہ دیتے ہیں کہ اچھا پھر ہمارے مردہ باپ دادوں پردادوں کو زندہ کر کے ہمیں دکھا دو تو ہم مان لیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم اپنا پیدا کیا جانا اور مر جانا تو اپنی آنکھ سے دیکھ رہے ہو کہ تم کچھ نہ تھے اور اس نے تمہیں موجود کر دیا پھر وہ تمہیں مار ڈالتا ہے تو جو ابتدا پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ جی اٹھانے پر قادر کیسے نہ ہوگا؟ بلکہ عقلاً ہدایت (واضح طور پر) کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ جو شروع شروع کسی چیز کو بنا دے اس پر دوبارہ اس کا بنانا بہ نسبت پہلی دفعہ کے بہت آسان ہوتا ہے، پس یہاں فرمایا کہ پھر وہ تمہیں قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں جمع کرے گا۔ وہ دنیا میں تمہیں دوبارہ لانے کا نہیں جو تم کہہ رہے ہو کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر لاؤ۔ یہ تو دار عمل ہے دار جزا قیامت کا دن ہے یہاں تو ہر ایک کو تھوڑی بہت تاخیر مل جاتی ہے جس میں وہ اگر چاہے اس دوسرے گھر کے لئے تیاریاں کر سکتا ہے بس اپنی بے علمی کی بناء پر تمہیں اس کا انکار نہ کرنا چاہیے تم گو اسے دور جان رہے ہو لیکن دراصل وہ قریب ہی ہے تم گو اس کا آنا محال سمجھ رہے ہو لیکن فی الواقع اس کا آنا یقینی ہے مومن باعلم اور ذی عقل ہیں کہ وہ اس پر یقین کامل رکھ کر عمل میں لگے ہوئے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ جاثیہ، بیروت)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝
اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کی دلیل اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ کہتے ہیں
ہمارے باپ دادا کو لے آؤ، اگر تم سچے ہو۔

منکرین بعث کی طلب دلیل کا بیان

"وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا" مِنَ الْقُرْآنِ الدَّالَّةَ عَلَى قُدْرَتِنَا عَلَى الْبَعْثِ "بَيِّنَاتٍ" وَاضِحَاتٍ حَالٌ

"مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتُوا بِآبَائِنَا" أَحْيَاء "إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" أَنَّا نُبْعَث

اور جب ان کے سامنے قرآن سے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں جن کی دلالت ہماری قدرت علی البعث پر ہوتی ہے۔ یہاں پر بینات یہ حال ہے۔تو ان کی دلیل اس کے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ کہتے ہیں ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لے آ ؤ، اگر تم بعث کے بارے میں سچے ہو۔

یعنی جب قرآن کی آیات بابعث بعد الموت کے دلائل اس کو سنائی جاتے ہیں تو کہتا ہے کہ میں کسی دلیل کو نہیں مانوں گا۔بس اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھلا دو۔تب ہم تسلیم کریں گے کہ بیشک موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا حق ہے۔

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ٥
فرما دیجئے: اللہ ہی تمہیں زندگی دیتا ہے اور پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے پھر تم سب کو قیامت کے دن کی طرف جمع فرمائے گا
جس میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

زندگی و موت اللہ دینے والا ہے

"قُلِ اللَّه يُحْيِيكُمْ" حِين كُنْتُمْ نُطَفًا "ثُمَّ يُمِيتكُمْ ثُمَّ يَجْمَعكُمْ" أَحْيَاء "إِلَى يَوْم الْقِيَامَة لَا رَيْب" شَكّ "فِيهِ وَلَكِنَّ أَكْثَر النَّاس" وَهُمْ الْقَائِلُونَ مَا ذُكِرَ،

فرما دیجئے: اللہ ہی تمہیں زندگی دیتا ہے جس وقت تمہیں نطفہ تھے۔اور پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے پھر تم سب کو قیامت کے دن کی طرف جمع فرمائے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔اور وہ کہنے والے ہیں جن کو ذکر کیا گیا ہے۔

یعنی تم نہ اتفاقی طور پر پیدا ہوتے ہو اور نہ اپنے اختیار سے پیدا ہوتے ہو۔اسی طرح تمہاری موت نہ اتفاقی طور پر آتی ہے۔ اور نہ تمہارے اپنے اختیار سے آتی ہے بلکہ تمہاری زندگی اور تمہاری موت کی باگ ڈور مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔وہی تمہیں زندہ کرتا اور مارتا ہے۔اور جب چاہے گا تمہیں دوبارہ بھی زندہ اٹھا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔اس میں تمہارا اپنا عملی دخل یا اختیار کچھ بھی نہیں ہوگا۔

یعنی تمہیں متفرق طور پر زندہ نہیں کرے گا کہ کچھ لوگوں کو ایک وقت زندہ کیا۔دوسروں کو کسی اور وقت اور باقی کو کسی تیسرے وقت جیسا کہ اس دنیا میں ہوتا ہے بلکہ سب اگلوں پچھلوں کو ایک ہی وقت زندہ کر کے جمع کر دے گا اور وہ وقوع قیامت کے بعد ہوگا۔اس سے پہلے نہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ۝

اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن باطل والے خسارہ پائیں گے۔

قیامت کے دن کفار پر نقصان ظاہر ہو جانے کا بیان

"وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْض وَيَوْم تَقُوم السَّاعَة" يُبْدَل مِنْهُ "يَوْمَئِذٍ يَخْسَر الْمُبْطِلُونَ" الْكَافِرُونَ أَيْ يَظْهَر خُسْرَانهمْ بِأَنْ يَصِيرُوا إِلَى النَّار،

اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی یہاں پر " وَيَوْم تَقُوم السَّاعَة " " سے یومئذ بدل ہے۔ اس دن باطل والے یعنی کفار خسارہ پائیں گے۔ یعنی ان کا نقصان اس وقت ظاہر ہو جائے گا جب انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہود کا ایک عالم حاضر ہوا اور کہنے لگا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر زمینوں کو ایک انگلی پر پہاڑوں اور درختوں کو ایک انگلی پر پانی اور پانی کے نیچے کی تر مٹی کو ایک انگلی پر اور باقی تمام مخلوقات کو انگلی پر رکھے گا اور انگلیوں کو ہلاتے ہوئے فرمائے گا، میں ہوں بادشاہ میں ہوں اللہ (یہ سن کر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس یہودی عالم کی زبانی ان باتوں پر اظہار تعجب کرتے ہوئے مسکرائے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ، الزمر: 67) اور (افسوس ہے کہ) ان لوگوں نے (یعنی مشرکوں نے) خدائے تعالیٰ کی کچھ عظمت نہ کی۔ جیسی عظمت کرنا چاہئے تھی حالانکہ (اس کی وہ شان ہے کہ) ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور تمام آسمان لپٹے ہوں گے اس کے داہنے ہاتھ میں (اور کوئی دوسرا ایسا ہے پس) وہ پاک و برتر ہے ان کے شرک سے، اس روایت کو بخاری نے نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 96)

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝

اور آپ دیکھیں گے ہر گروہ گھٹنوں کے بل گرا ہوا بیٹھا ہوگا، ہر فرقے کو اس کی کتاب کی طرف بلایا جائے گا،

آج تمہیں ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

قیامت کے دن ہر امت کے جاثیہ ہونے کا بیان

"وَتَرَى كُلّ أُمَّة" أَيْ أَهْل دِين "جَاثِيَة" عَلَى الرُّكَب أَوْ مُجْتَمِعَة "كُلّ أُمَّة تُدْعَى إِلَى كِتَابهَا" كِتَاب أَعْمَالهَا وَيُقَال لَهُمْ "الْيَوْم تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" أَيْ جَزَاءَهُ،

اور آپ دیکھیں گے ہر گروہ یعنی اہل دین گھٹنوں کے بل گرا ہوا بیٹھا ہوگا یا اکٹھے بیٹھے ہوں گے، ہر فرقے کو اس کے اعمال کی کتاب کی طرف بلایا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ آج تمہیں ان اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں گویا کہ میں تمہیں جہنم کے پاس زانو پر جھکے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اور مرفوع حدیث میں جس میں صور وغیرہ کا بیان ہے یہ بھی ہے کہ پھر لوگ جدا جدا کر دیئے جائیں گے اور تمام امتیں زانو پر جھکیں پڑیں گی۔ اس میں دونوں حالتیں جمع کر دی ہیں پس دراصل دونوں تفسیروں میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝
یہ ہماری کتاب ہے جو تم پر حق کے ساتھ بولتی ہے، بے شک ہم لکھواتے جاتے تھے، جو تم عمل کرتے تھے۔ پھر جو لوگ تو
ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے سو انھیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا، یہی واضح کامیابی ہے۔

قیامت کے دن نامہ اعمال کی کتاب دیئے جانے کا بیان

"هٰذَا كِتَابُنَا " دِيوَان الْحَفَظَة "يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخ " نُثْبِت وَنَحْفَظ، "فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات فَيُدْخِلهُمْ رَبّهمْ فِي رَحْمَته " جَنَّته "ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْز الْمُبِين " الْبَيِّن الظَّاهِر،

یہ ہماری کتاب یعنی حفاظت کرنے والوں کا دیوان ہے جو تم پر حق کے ساتھ بولتی ہے، بے شک ہم لکھواتے جاتے تھے، اور محفوظ کرتے رہے ہیں۔ جو تم عمل کرتے تھے۔ پھر جو لوگ تو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے سو انھیں ان کا رب اپنی رحمت یعنی جنت میں داخل کرے گا، یہی واضح کامیابی ہے۔

نامہ اعمال پر گواہی کا بیان

پھر فرمایا ہر گروہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ جیسے ارشاد ہے (وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ، الزمر:69)، نامہ اعمال رکھا جائے گا اور نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا۔ آج تمہیں تمہارے ہر ہر عمل کا بدلہ بھرپور دیا جائے گا جیسے فرمان ہے آیت (يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ، القیامۃ:13)، انسان کو ہر اس چیز سے باخبر کر دیا جائے گا جو اس نے آگے بھیجی اور پیچھے چھوڑی اس کے اگلے پچھلے تمام اعمال ہوں گے بلکہ خود انسان اپنے حال پر خوب مطلع ہو جائے گا گو اپنے تمام تر حیلے سامنے لا ڈالے۔

یہ اعمال نامہ جو ہمارے حکم سے ہمارے امین اور سچے فرشتوں نے لکھا ہے وہ تمہارے اعمال کو تمہارے سامنے پیش کر دینے کے لئے کافی وافی ہیں جیسے ارشاد ہے (وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا

لِکِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً اِلَّا اَحْصٰھَا، الکہف:49)، یعنی نامہ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا تو تو دیکھے گا کہ گنہگار اس سے خوفزدہ ہو جائیں گے اور کہیں گے ہائے ہماری کم بختی اور عمل نامے کی تو یہ صفت ہے کہ کسی چھوٹے بڑے عمل کو قلم بند کئے بغیر چھوڑا ہی نہیں ہے جو کچھ انہوں نے کیا تھا سب سامنے حاضر پالیں گے۔ تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے محافظ فرشتوں کو حکم دے دیا تھا کہ وہ تمہارے اعمال لکھتے رہا کریں۔

حضرت ابن عباس وغیرہ فرماتے ہیں کہ فرشتے بندوں کے اعمال لکھتے ہیں پھر انہیں لے کر آسمان پر چڑھتے ہیں آسمان کے دیوان عمل کے رشتے اس نامہ اعمال کو لوح محفوظ میں لکھے ہوئے اعمال سے ملاتے ہیں جو ہر رات اس کی مقدار کے مطابق ان پر ظاہر ہوتا ہے جسے اللہ نے اپنی مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہی لکھا ہے تو ایک حرف کی کمی زیادتی نہیں پاتے پھر آپ نے اسی آخری جملے کی تلاوت فرمائی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ جاثیہ، بیروت)

وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَفَلَمْ تَکُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ فَاسْتَکْبَرْتُمْ وَکُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ○
وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّالسَّاعَۃُ لَا رَیْبَ فِیْھَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَۃُ
اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ○
اور جن لوگوں نے کفر کیا کیا میری آیتیں تم پر پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں، پس تم نے تکبر کیا اور تم مجرم لوگ تھے۔
اور جب کہا جاتا تھا کہ یقیناً اللہ کا وعدہ حق ہے اور جو قیامت ہے اس میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے ہم نہیں جانتے
قیامت کیا ہے، ہم تو محض معمولی سا گمان کرتے ہیں اور ہم ہرگز پورا یقین کرنے والے نہیں۔

کفار سے آیات سے منحرف ہونے کے بارے میں پوچھا جائے گا

"وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" فَیُقَال لَھُمْ "اَفَلَمْ تَکُنْ آیَاتِی" الْقُرْآن "تُتْلٰی عَلَیْکُمْ فَاسْتَکْبَرْتُمْ" تَکَبَّرْتُمْ "وَکُنْتُمْ قَوْمًا مُجْرِمِیْنَ" کَافِرِیْنَ، "وَاِذَا قِیْلَ" لَکُمْ اَیُّھَا الْکُفَّار "اِنَّ وَعْد اللّٰہ" بِالْبَعْثِ "حَقّ وَالسَّاعَۃ" بِالرَّفْعِ وَالنَّصْب "لَا رَیْب" شَکّ "فِیْھَا قُلْتُمْ مَا نَدْرِی مَا السَّاعَۃ اِنْ" "مَا "نَظُنّ اِلَّا ظَنًّا" قَالَ الْمُبَرِّد : اَصْلہ اِنْ نَحْنُ اِلَّا نَظُنّ ظَنًّا "وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ" اَنَّھَا آتِیَۃ

اور جن لوگوں نے کفر کیا اُن سے کہا جائے گا: کیا میری آیات یعنی قرآنی آیات تم پر پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں، پس تم نے تکبر کیا اور تم مجرم لوگ یعنی کفار تھے۔

اور جب کہا جاتا تھا اے کافرو! کہ یقیناً اللہ کا وعدہ بعث حق ہے اور جو قیامت ہے، یہاں پر لفظ ساعۃ یہ مرفوع اور منصوب دونوں طرح آیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں تو تم کہتے تھے ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے، ہم تو محض معمولی سا گمان کرتے ہیں۔ امام مبرد نے نحوی نے کہا ہے کہ ان نظن الا ظنا یہ اصل میں ان نحن الا نظن ظنا تھا۔ اور ہم ہرگز پورا یقین کرنے والے

نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے پنجہ میں لے لے گا اور آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں (یعنی بادشاہت میرے علاوہ اور کسی کو سزاوار نہیں میں ہی شہنشاہ ہوں) کہاں ہیں وہ لوگ جو زمین پر اپنی بادشاہی کا دعویٰ کرتے تھے؟۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 94)

زمین کو اپنے پنجہ میں لے لینے اور آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں لپیٹ لینے " سے مراد شاید اللہ تعالیٰ کا ان دونوں (زمین و آسمان) کو تبدیل کر دینا ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات یا یہ کہ یہ الفاظ دراصل حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور جلال سے کنایہ ہیں اور اس طرف اشارہ کرنے کے لئے ہیں کہ وہ عظیم کارنامے اور افعال جن کے سامنے پوری کائنات انسانی کی عقلیں حیران ہیں اللہ رب العزت کی نظر میں بالکل آسان کام ہے اور چونکہ آسمان کو زمین کی نسبت زیادہ شرف و عظمت حاصل ہے اس لئے اس کو دائیں ہاتھ سے زیادہ شرف و فضیلت رکھتا ہے، پس پروردگار زمین کو مٹھی میں لے گا اور آسمانوں کو داہنے ہاتھ پر، جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے لپیٹ لے گا۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۝
اور ان کے لیے ان اعمال کی برائیاں ظاہر ہو جائیں گی جو انھوں نے کیے اور انھیں وہ چیز گھیر لے گی جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

عذاب کا مذاق اڑانے والوں کو عذاب کے گھیر لینے کا بیان

"وَبَدَا" ظَهَرَ "لَهُمْ" فِي الْآخِرَة "سَيِّئَات مَا عَمِلُوا" فِي الدُّنْيَا أَيْ جَزَاؤُهَا "وَحَاقَ" نَزَلَ "بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ" أَيْ الْعَذَاب،

اور ان کے لیے ان اعمال کی برائیاں آخرت میں ظاہر ہو جائیں گی جو انھوں نے دنیا میں کیے اور انھیں وہ چیز یعنی ان کی جزاء عذاب سے گھیر لے گی جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

قیامت کے دن جھوٹ کے ظاہر ہو جانے کا بیان

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے ایک آدمی کی (مبالغہ آمیزی کے ساتھ) تعریف کرنی شروع کی (اور وہ شخص جس کی تعریف کر رہا تھا وہ وہاں موجود تھا) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف کرنے والے سے فرمایا۔ کہ افسوس ہے کہ تم پر تم نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی آپ نے یہ الفاظ تین بار دہرائے اور پھر یہ فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی کی تعریف کرنا ضروری سمجھے تو اس کو چاہیے کہ مثلا یوں کہے کہ فلاں شخص کے بارے یہ گمان رکھتا ہوں کہ وہ نیک آدمی ہے۔

جب کہ اس شخص کی حقیقی حالت سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے اور وہی ان کے اعمال کا حساب لینے والا ہے نیز اگر تعریف کرنے والا یہ گمان رکھتا ہے کہ اس نے جس شخص کی تعریف کی ہے وہ واقعتا ایسا ہی ہوتو اس صورت میں بھی وہ اللہ کی طرف سے کسی شخص پر جزم ویقین کے ساتھ حکم نہ لگائے۔ (بخاری، مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 764)

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○
اور کہا جائے گا آج ہم تمہیں بھلائے دیتے ہیں جس طرح تم نے اپنے اس دن کی پیشی کو بھلا دیا تھا اور تمہارا ٹھکانا
دوزخ ہے اور تمہارے لئے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

کفار کو جہنم میں چھوڑ کر بھلا دیئے جانے کا بیان

"وَقِيلَ الْيَوْم نَنْسَاكُمْ" نَتْرُككُمْ فِي النَّار "كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاء يَوْمكُمْ هَذَا" أَيْ تَرَكْتُمْ الْعَمَل لِلِقَائِهِ "وَمَأْوَاكُمْ النَّار وَمَا لَكُمْ مِنْ نَاصِرِينَ" مَانِعِينَ مِنْهُ،

اور کہا جائے گا آج ہم تمہیں بھلائے دیتے ہیں یعنی تمہیں جہنم میں چھوڑ دیتے ہیں۔ جس طرح تم نے اپنے اس دن کی پیشی کو بھلا دیا تھا یعنی تم اس دن کی ملاقات کیلئے عمل کو چھوڑ دیا تھا۔ اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے اور تمہارے لئے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔ یعنی تمہیں اس کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

جیسے حدیث میں آتا ہے۔ اللہ اپنے بعض بندوں سے کہے گا' کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ کیا میں نے تیرا اکرام نہیں کیا تھا؟ کیا میں نے گھوڑے اور بیل وغیرہ تیری ماتحتی میں نہیں دیئے تھے؟ تو سرداری بھی کرتا اور چنگی بھی وصول کرتا رہا۔ وہ کہے گا ہاں یہ تو ٹھیک ہے میرے رب! اللہ تعالیٰ پوچھے گا، کیا تجھے میری ملاقات کا یقین تھا؟ وہ کہے گا نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا پس آج میں بھی (تجھے جہنم میں ڈال کر) بھول جاؤں گا جیسے تو مجھے بھولے رہا (صحیح مسلم)

ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ
فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ○
یہ اس وجہ سے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنا رکھا تھا اور دنیوی زندگی نے تمہیں دھوکہ میں ڈال دیا تھا، سو آج نہ تو
وہ اس سے نکالے جائیں گے اور نہ ان سے توبہ کے ذریعے رضا جوئی قبول کی جائے گی۔

آخرت میں توبہ قبول نہ کیے جانے کا بیان

"ذَلِكُمْ بِأَنَّكُمْ اتَّخَذْتُمْ آيَات اللَّه" الْقُرْآن "هُزُوًا وَغَرَّتْكُمْ الْحَيَاة الدُّنْيَا" حَتَّى قُلْتُمْ لَا بَعْث وَلَا حِسَاب "فَالْيَوْم لَا يُخْرَجُونَ" بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُولِ "مِنْهَا" مِنْ النَّار "وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ" لَا يُطْلَب مِنْهُمْ أَنْ يُرْضُوا رَبّهمْ بِالتَّوْبَةِ وَالطَّاعَة لِأَنَّهَا لَا تَنْفَع يَوْمئِذٍ

یہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ کی آیتوں یعنی قرآن کو مذاق بنا رکھا تھا اور دنیوی زندگی نے تمہیں دھوکہ میں ڈال دیا تھا، یہاں تک کہ تم نے کہہ دیا تھا کوئی بعث وحساب نہ ہوگا۔ سو آج نہ تو وہ اس دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ یہاں پر لفظ یخرجون یہ معروف ومجہول دونوں طرح آیا ہے۔ اور نہ ان سے توبہ وطاعت کے ذریعے اللہ کی رضا جوئی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ اس کا دن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

قیامت کے دن توبہ کے مفید نہ ہونے کا بیان

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مغرب کی جانب ایک دروازہ بنایا ہے جو توبہ کے لئے ہے اور جس کا عرض ستر سال کی مسافت کے بقدر ہے اور یہ دروازہ اس وقت تک بند نہیں کیا جائے گا جب تک کہ آفتاب مغرب کی سمت سے نکلے یعنی مغرب کی سمت سے آفتاب کا نکلنا قبولیت توبہ کا مانع ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کہ اس دن آویں گی بعض نشانیاں تیرے پروردگار کی نہیں نفع دے گا کسی ایسی جان کو ایمان لانا جو پہلے سے ایمان نہیں لائی تھی کا یہی مطلب ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 877)

جو توبہ کے لئے ہے۔ کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کرنے والوں کے لئے کھلا ہوا ہے یا یہ کہ وہ توبہ کے صحیح ہونے اور توبہ کے قبول ہونے کی علامت ہے! حاصل یہ کہ جب آفتاب مغرب کی جانب سے نہیں نکلتا لوگوں کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے جس کا جی چاہے اپنے شرک وکفر سے توبہ کرے اور جس کا جی چاہے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اس دروازہ کے ذریعہ آخرت کی ابدی راحتوں اور سعادتوں کا مستحق ہو جائے۔ جب مغرب کی سمت سے آفتاب نکلے گا تو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا حدیث میں جس آیت کریمہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ پوری یوں ہے۔ آیت (يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا، الانعام: 158)۔ اس دن آویں گی بعض نشانیاں تیرے پروردگار کی (یعنی قرب قیامت پروردگار بعض نشانیاں ظاہر کرے گا ان ہی میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ ایک دن آفتاب مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا اس دن نہیں نفع دے گا کسی ایسی جان کو ایمان لانا جو پہلے سے (یعنی پروردگار کی نشانی ظاہر ہونے سے پہلے) ایمان لائی تھی اور اس جان کو کہ جس نے حالت ایمان بھلائی (یعنی توبہ) نہیں کی تھی (اس دن اس کی توبہ اس کو کوئی نفع نہیں دے گی)۔ اس آیت کا حاصل یہی ہے کہ جس دن آفتاب مغرب کی سمت سے طلوع ہوگا تو جو شخص اس سے پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا یا ایمان پر تو ہوگا مگر توبہ نہیں کی ہوگی اب نہ اس کا ایمان نفع پہنچائے گا نہ اس کی توبہ کوئی فائدہ پہنچائے گی۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○
تو اللہ ہی کے لیے سب خوبیاں ہیں آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور سارے جہاں کا رب ہے۔

تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کیلئے ہونے کا بیان

"فَلِلّٰهِ الْحَمْد" الْوَصْف بِالْجَمِيلِ عَلَى وَفَاء وَعْده فِي الْمُكَذِّبِينَ "رَبّ السَّمَاوَات وَرَبّ

الْأَرْض رَبّ الْعَالَمِينَ " خَالِق مَا ذُكِرَ وَالْعَالَم مَا سِوَى اللّٰه وَجُمِعَ لِاخْتِلَافِ أَنْوَاعه وَرَبّ بَدَل،

تو اللہ ہی کے لیے سب خوبیاں ہیں یعنی جھوٹوں پر اس کے وعدہ کے پورے ہونے پر اسی کیلئے وصف جمیل ہے۔آسمانوں کا رب اور زمین کا رب اور سارے جہاں کا رب ہے۔یعنی وہی عالم کا خالق ہے اور اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب عالم میں شامل ہے اور اس کی انواع کے مختلف ہونے کے سبب اس کو جمع لایا گیا ہے۔اور لفظ رب یہ لفظ اللہ سے بدل ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فللّٰہ الحمد: للہ میں لام اختصاص کا ہے۔الحمد کو اللہ کے ساتھ مختص کیا گیا ہے۔الحمد میں الف لام استغراق کا ہے یعنی ہر قسم کی تعریف وثناء صرف اور صرف اللہ ہی کو سزاوار ہے۔الحمد مبتدا ءللہ اس کی خبر۔خبر کو تاکید کے لئے مقدم لایا گیا ہے۔رب السموت ورب الارض ۔اللہ تعالیٰ کی صفت میں ہے۔رب العالمین ماقبل سے بدل ہے۔لفظ رب کی تکرار کے لئے ہے۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
اور اسی کے لیے بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں، اور وہی عزت وحکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کیلئے کبریائی ہونے کا بیان

"وَلَهُ الْكِبْرِيَاء " الْعَظَمَة "فِي السَّمَاوَات وَالْأَرْض " حَال أَيْ كَائِنَة فِيهِمَا "وَهُوَ الْعَزِيز الْحَكِيم" تَقَدَّمَ،

اور اسی کے لیے بڑائی یعنی عظمت ہے آسمانوں اور زمین میں، یعنی حال یہ ہے کہ اس کی عظمت ان دونوں میں ظاہر ہونے والی ہے۔اور وہی عزت وحکمت والا ہے۔جس کا بیان گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کیلئے عظمت و بڑائی ہونے کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر موجود نہ پایا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہی تھی کہ میرا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کو جا لگا (چنانچہ میں نے دیکھا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پاؤں مبارک کھڑے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہہ رہے تھے اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِه ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ، اے اللہ! میں تیری خوشنودی کے ذریعے تیرے غیظ وغضب سے (یعنی ان افعال سے جو مجھ پر یا میری امت پر تیرے غضب کا ذریعہ بنیں پناہ مانگتا ہوں، تیری معافی کے ذریعے تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اور تجھ سے (یعنی تیری رحمت کے ذریعے تیرے قہر سے) پناہ کا طلبگار ہوں۔میں تیری تعریف کا شمار واحاطہ نہیں کر سکتا۔تو ایسا ہی ہے جیسا

کہ خود تو نے اپنی تعریف کی ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 857)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے چھونے سے مرد کا وضو نہیں ٹوٹتا جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے کہ عورت کو چھونا ناقض وضو نہیں ہے۔ لا احصہ ثناء علیک کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار! مجھ میں اتنی طاقت وقوت نہیں ہے کہ تیری ایسی تعریف کر سکوں جو تیری شان کے لائق ہو۔ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف میں کہا ہے کہ آیت (فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ 36 وَلَهُ الْكِبْرِيَاۗءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ، الجاثیہ: 36۔37)" تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا، پروردگار جہانوں کا ہے اور زمین وآسمانوں میں اسی کے لئے بڑائی وبزرگی ہے اور وہ غالب ودانا ہے۔

سورہ جاثیہ کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ جاثیہ کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت احقاف ہے

سورت احقاف کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَةُ الْأَحْقَاف (مَكِّيَّةٌ إِلَّا الْآيَات 10 و15 و35 فَمَدَنِيَّةٌ وَآيَاتهَا 34 أَوْ 35)

سورہ احقاف مکیہ ہے، مگر بعض کے نزدیک اس کی چند آیتیں مدنی ہیں جیسے کہ آیت (قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ) -46 الأحقاف: 4) اور آیت (فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ بَلٰغٌ فَهَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ، الأحقاف:35) اور تین آیتیں (وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا، الأحقاف:15) اس سورت میں چار ۴ رکوع اور پینتیس آیات اور چھ سو چوالیس کلمات اور دو ہزار پانچ سو چھانوے حروف ہیں۔

سورت احقاف کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی آیت ۲۱ میں لفظ احقاف استعمال ہوا ہے جو یمن کی ایک وادی کا نام ہے۔ جہاں بسنے والی قوم کو اللہ کے عذاب ڈرایا گیا لیکن وہ ایمان نہ لائے جس کے سبب وہ ہلاک ہوئے۔ اسی واقعہ کی مناسبت سے یہ سورت احقاف کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

حٰمٓ ۝ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَمَّاۤ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝
حا، میم، حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس کتاب کا اتارنا اللہ کی طرف سے ہے جو سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ ہم نے آسمان وزمین اور ان چیزوں کو جو انکے درمیان میں ہیں حکمت کے ساتھ ایک میعاد معین کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہیں ان کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے۔ وہ اس سے اعراض کرنے والے ہیں۔

عذاب قیامت سے ڈرانے کے باوجود اعراض کرنے کا بیان

"حم" اللّٰه أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِهِ "تَنْزِيل الْكِتَاب" الْقُرْآن مُبْتَدَأ "مِنْ اللّٰه" خَبَره "الْعَزِيز" فِي مُلْكه "الْحَكِيم" فِي صُنْعه،

"مَا خَلَقْنَا السَّمَوَات وَالْأَرْض وَمَا بَيْنهمَا إلَّا" خَلْقًا "بِالْحَقِّ" لِيَدُلّ عَلَى قُدْرَتنَا وَوَحْدَانِيّتنَا "وَأَجَل مُسَمًّى" إلَى فَنَائِهِمَا يَوْم الْقِيَامَة "وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنْذِرُوا" خُوِّفُوا بِهِ مِنْ الْعَذَاب،

حا،میم ،حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔اس کتاب کا اتارنا اللہ کی طرف سے ہے۔یہاں پر لفظ تنزیل الکتاب یہ مبتداء ہے اور من اللہ اس کی خبر ہے۔جو اپنے ملک میں غالب،اپنی صنعت میں حکمت والا ہے۔ہم نے آسمان وزمین اوران چیزوں کو جوانکے درمیان میں ہیں حکمت کے ساتھ ایک میعاد معین یعنی قیامت تک کے لئے پیدا کیا ہے۔تا کہ ہماری قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرے۔اور جولوگ کافر ہیں ان کو جس چیز یعنی عذاب سے ڈرایا جاتا ہے۔وہ اس سے اعراض کرنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس قرآن کریم کواس نے اپنے بندے اوراپنے سچے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے اور بیان فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی بڑی عزت والا ہے جو کبھی کم نہ ہوگی۔اور ایسی زبردست حکمت والا ہے جس کا کوئی قول کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں پھر ارشاد فرماتا ہے کہ آسمان وزمین وغیرہ تمام چیزیں اس نے عبث اور باطل پیدا نہیں کیں بلکہ سراسر حق کے ساتھ اور بہترین تدبیر کے ساتھ بنائی ہیں اوران سب کے لئے وقت مقرر ہے جو نہ گھٹے نہ بڑھے۔اس رسول سے اس کتاب سے اور اللہ کے ڈراوے کی اورنشانیوں سے جو بد باطن لوگ بیپرواہی اور لاابالی کرتے ہیں انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے کس قدر خود اپنا ہی نقصان کیا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِيْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝
آپ فرمادیں کہ مجھے بتاؤ تو کہ جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کیا چیز تخلیق کی ہے یا آسمانوں میں ان کی کوئی شراکت ہے۔تم میرے پاس اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا علم کا کوئی بقیہ حصہ پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

مشرکین کے نظریہ شرک پر کوئی دلیل نہ ہونے کا بیان

"قُلْ أَرَأَيْتُمْ" أَخْبِرُونِي "مَا تَدْعُونَ" تَعْبُدُونَ "مِنْ دُون اللّٰه" أَيْ الْأَصْنَام مَفْعُول أَوَّل "أَرُونِي" أَخْبِرُونِي مَا تَأْكِيد "مَاذَا خَلَقُوا" مَفْعُول ثَانٍ "مِنْ الْأَرْض" بَيَان مَا "أَمْ لَهُمْ شِرْك" مُشَارَكَة "فِي" خَلْق "السَّمَاوَات" مَعَ اللّٰه وَأَمْ بِمَعْنَى هَمْزَة الْإِنْكَار "اِئْتُونِي بِكِتَاب" مُنَزَّل "مِنْ قَبْل

هَذَا" الْقُرْآن "أَوْ أَثَارَة" بَقِيَّة "مِنْ عِلْم" يُؤْثَر عَنْ الْأَوَّلِينَ بِصِحَّةِ دَعْوَاكُمْ فِي عِبَادَة الْأَصْنَام أَنَّهَا تُقَرِّبكُمْ إلَى اللَّه "إنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" فِي دَعْوَاكُمْ،

آپ فرمادیں کہ مجھے بتاؤ تو کہ جن بتوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ یہاں پر لفظ ما یہ تدعون کا مفعول اول ہے اور ارونی کا معنی اخبرونی ہے اور لفظ ما تاکید کیلئے آیا ہے۔ اور ماذا خلقوا یہ مفعول ثانی ہے اور من الارض ی لفظ ما کا بیان ہے۔ مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کیا چیز تخلیق کی ہے یا یہ دکھادو کہ آسمانوں کی تخلیق میں ان کی کوئی شراکت ہے۔ یہاں پر لفظ اُم بہ معنی ہمزہ انکاری ہے۔ تم میرے پاس اس قرآن سے پہلے کی کوئی کتاب یا اگلوں کے علم کا کوئی بقیہ حصہ جو منقول چلا آ رہا ہو جس طرح تمہارا یہ دعویٰ کہ بتوں کی عبادت کی وجہ یہ ہے کہ ان کی وجہ تمہارا اللہ کے قریب ہونا ہے۔ لہٰذا ثبوت کے طور پر پیش کرو اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

قل، ای قل یا محمد ۔صلی اللہ علیہ وسلم ۔ارایتم ۔ہمزہ استفہامیہ، تنبیہ کے طور پر آیا ہے۔ رایتم ماضی جمع مذکر حاضر رویۃ (باب فتح) مصدر رای مادہ۔ کیا تم نے دیکھا۔ اخبرونی: یعنی مجھے بتاؤ تو سہی بھلا تم نے غور سے دیکھا۔ اسی طرح الم تر۔ کیا تو نے نہیں دیکھا۔ کیا تجھے نہیں معلوم، یا حل تری۔ کیا تمہارا یہ خیال نہیں کہ

ما تدعون، ما موصولہ ہے تدعون جمع مذکر حاضر، دعاء (باب نصر) مصدر۔ تم پکارتے ہو۔ تم پوجا کرتے ہو۔ قل، فعل امر، کفار سے مندرجہ ذیل سوال پوچھنے کا ارشاد ہوا ہے۔ ان سے پوچھئے: کیا جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو (خدا سمجھ کر) بھلا تم نے کبھی ان کو (غور سے) دیکھا ہے۔ ان سے پوچھئے: جو انہوں نے زمین سے پیدا کیا ہے بھلا مجھے بھی تو دکھاؤ۔ ارونی اراءۃ (افعال) مصدر سے امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر، ن وقایہ۔ یٰ ضمیر متکلم۔ تم مجھے دکھاؤ۔

ماذا۔ ما استفہامیہ ہے اور ذا موصول۔ یا اگر کلمہ ماذا واحد لیا جاوے تو ماذا استفہامیہ بمعنی جو ہوگا۔ ان سے پوچھئے: ام لہم شرک فی السموت کیا آسمانوں (کی تخلیق) میں ان کا کچھ حصہ ہے۔

ان سے پوچھئے: ۔ایتونی بکتب من قبل ھذا ۔لاؤ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے (یعنی قرآن مجید سے قبل) اتری ہو (جس میں من دون اللہ کی پوجا کرنے یا اس کو خالق و معبود ٹھہرانے کی سند ہو)۔

ایتونی تم میرے پاس لاؤ۔ امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اتیان مصدر (باب ضرب) بصلہ ب۔ ن وقایہ ی ضمیر واحد متکلم۔

ان سے پوچھئے۔ او اثرۃ من علم ۔ای او ایتونی باثرۃ من علم یا لاؤ میرے پاس کوئی (دوسرا) علمی ثبوت۔ اثرۃ وہ روایت یا تحریر جس کا اثر باقی رہ گیا ہو۔ ان کنتم صدقین: اگر تم سچے ہو۔ اوپر متذکرۃ الصدر عبارت جواب شرط اور جملہ ہذا شرط۔ شرط کو موخر اور جواب شرط کو مقدم لایا گیا ہے۔

مشرکین سے بتوں کے متعلق پوچھنے کا بیان

ذرا ان مشرکین سے پوچھو تو کہ اللہ کے سوا جن کے نام تم پوجتے ہو جنہیں تم پکارتے ہو اور جن کی عبادت کرتے ہو ذرا مجھے بھی تو ان کی طاقت قدرت دکھاؤ بتاؤ تو زمین کے کس ٹکڑے کو خود انہوں نے بنایا ہے؟ یا ثابت تو کرو کہ آسمانوں میں ان کی شرکت کتنی ہے اور کہاں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ آسمان ہوں یا زمینیں ہوں یا اور چیزیں ہوں ان سب کا پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بجز اس کے کسی کو ایک ذرے کا بھی اختیار نہیں تمام ملک کا مالک وہی ہے وہ ہر چیز پر کامل تصرف اور قبضہ رکھنے والا ہے تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ کیوں اس کے سوا دوسروں کو اپنی مصیبتوں میں پکارتے ہو؟ تمہیں یہ تعلیم کس نے دی؟ کس نے یہ شرک تمہیں سکھایا؟ دراصل کسی بھلے اور سمجھدار شخص کی یہ تعلیم نہیں ہو سکتی۔ نہ اللہ نے یہ تعلیم دی ہے اگر تم اللہ کے سوا اوروں کی پوجا پر کوئی آسمانی دلیل رکھتے ہو تو اچھا اس کتاب کو تو جانے دو اور کوئی آسمانی صحیفہ ہی پیش کردو۔ اچھا نہ سہی اپنے مسلک پر کوئی دلیل علم ہی قائم کرو لیکن یہ تو جب ہو سکتا ہے کہ تمہارا یہ فعل صحیح بھی ہو اس باطل فعل پر تو نہ تو تم کوئی نقلی دلیل پیش کر سکتے ہو نہ عقلی ایک قرأت میں آیت (اواثرۃ من علم) یعنی کوئی صحیح علم کی نقل اگلوں سے ہی پیش کرو۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کسی کو پیش کرو جو علم کی نقل کرے۔ ابن عباس فرماتے ہیں اس امر کی کوئی بھی دلیل لے آؤ مسند احمد میں ہے اس سے مراد علمی تحریر ہے راوی کہتے ہیں میرا تو خیال ہے یہ حدیث مرفوع ہے۔ حضرت ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں مراد بقیہ علم ہے۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کسی مخفی دلیل کو ہی پیش کردو ان اور بزرگوں سے یہ بھی منقول ہے کہ مراد اس سے اگلی تحریریں ہیں۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کوئی خاص علم، اور یہ سب اقوال قریب قریب ہم معنی ہیں۔ مراد وہی ہے جو ہم نے شروع میں بیان کر دی امام ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (تفسیر جامع البیان، ابن ابی حاتم، احقاف، بیروت)

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ
غٰفِلُوْنَ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ۝
اور اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کون ہو سکتا ہے جو اللہ کے سوا ایسے کی عبادت کرتا ہے جو قیامت کے دن تک اسے جواب
نہ دے سکیں اور وہ ان کی دعاء وعبادت سے بے خبر ہیں۔ اور جب لوگ جمع کئے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے
اور ان کی عبادت سے ہی منکر ہو جائیں گے۔

قیامت کے دن بتوں کا اپنے عابدین کی عبادت سے انکار کر دینے کا بیان

"وَمَنْ" اسْتِفْهَام بِمَعْنَى النَّفْي أَيْ لَا أَحَد "أَضَلّ مِمَّنْ يَدْعُو" يَعْبُد "مِنْ دُون اللّٰه" أَيْ غَيْره "مَنْ لَا يَسْتَجِيب لَهُ إِلَى يَوْم الْقِيَامَة" وَهُمْ الْأَصْنَام لَا يُجِيبُونَ عَابِدِيهِمْ إِلَى شَيْء يَسْأَلُونَهُ أَبَدًا "وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ" عِبَادَتهمْ "غَافِلُونَ" لِأَنَّهُمْ جَمَاد لَا يَعْقِلُونَ، "وَإِذَا حُشِرَ النَّاس

كَانُوا " أَيْ الْأَصْنَام "لَهُمْ" لِعَابِدِيهِمْ "أَعْدَاء وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ" بِعِبَادَةِ عَابِدِيهِمْ "كَافِرِينَ" جَاحِدِينَ،

یہاں پر لفظ من استفہامیہ بہ معنی نفی ہے۔یعنی کوئی ایک بھی نہیں ہے۔اور اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اللہ کے سوا ایسے بتوں کی عبادت کرتا ہے جو قیامت کے دن تک اسے سوال کا جواب نہ دے سکیں یعنی وہ بت اپنے عابدین کی عبادت کا کوئی جواب نہیں دیتے۔اور وہ بت ان کی دعاء وعبادت سے ہی بے خبر ہیں۔کیونکہ وہ غیر عاقل جماد ہیں۔

اور جب لوگ قیامت کے دن جمع کئے جائیں گے تو وہ معبودانِ باطلہ بت ان کے یعنی اپنے عابدین دشمن ہوں گے اور اپنی برات کی خاطر ان کی عبادت سے ہی منکر ہو جائیں گے۔

قیامت کے دن بتوں کے عابد و معبود کی عداوت کا بیان

قیامت کے دن جب سب لوگ اکھٹے کئے جائیں گے تو یہ معبودان باطل اپنے عابدوں کے دشمن بن جائیں گے اور اس بات سے کہ یہ لوگ ان کی پوجا کرتے تھے صاف انکار کر جائیں گے جیسے اللہ عزوجل کا اور جگہ ارشاد ہے آیت (وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا، مریم: 81)، یعنی ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں تا کہ وہ ان کی عزت کا باعث بنیں۔ واقعہ ایسا نہیں بلکہ وہ تو ان کی عبادت کا انکار کر جائیں گے اور ان کے پورے مخالف ہو جائیں گے یعنی جب کہ یہ ان کے پورے محتاج ہونگے اس وقت وہ ان سے منہ پھیرلیں گے۔حضرت خلیل نے اپنی امت سے فرمایا تھا آیت (اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ، العنکبوت: 25)، یعنی تم نے اللہ کے سوا بتوں سے جو تعلقات قائم کر لئے ہیں اس کا نتیجہ قیامت کے دن دیکھو گے جب کہ تم ایک دوسرے سے انکار کر جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے اور تمہاری جگہ جہنم مقرر اور متعین ہو جائے گی اور تم اپنا مددگار کسی کو نہ پاؤ گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احقاف، بیروت)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝
اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا حق کے بارے میں،
جب وہ ان کے پاس آیا، کہتے ہیں یہ کھلا جادو ہے۔

کفار مکہ کا قرآن کو جادو کہنے کا بیان

"وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ " أَيْ أَهْل مَكَّة "آيَاتنَا" الْقُرْآن "بَيِّنَات" ظَاهِرَات حَال "قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا" مِنْهُمْ "لِلْحَقِّ" أَيْ الْقُرْآن "لَمَّا جَاءَهُمْ هَذَا سِحْر مُبِين" بَيِّن ظَاهِر

اور جب ان کے یعنی اہل مکہ کے سامنے ہماری واضح آیات یعنی قرآنی آیات پڑھی جاتی ہیں یہاں پر بینات حال ہے۔تو وہ

لوگ جنھوں نے کفر کیا حق یعنی قرآن کے بارے میں، جب وہ ان کے پاس آیا، کہتے ہیں یہ کھلا جادو ہے۔

جادوگر کہنے والی خاتون کے مسلمان ہو جانے کا بیان

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ کسی سفر میں ہم (صحابہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات بھر چلتے رہے جب صبح نزدیک ہوئی، تو سب سے پہلے جو شخص بیدار ہوا وہ ابوبکر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند سے بیدار نہ کیا جاتا تھا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بیدار ہوں پھر عمر بیدار ہوئے اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے پاس بیٹھ گئے اور بلند آواز سے تکبیر کہنے لگے یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ قوم میں سے ایک آدمی علیحدہ رہا اس نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے فلاں! تجھ کو ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے باز رکھا؟ اس نے عرض کیا مجھے جنابت پیش آ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مٹی سے تیمم کرلو! اس کے بعد اس نے نماز ادا کی اور مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند سواروں کے ہمراہ آگے بھیج دیا ہم لوگ سخت پیاسے تھے لیکن چلے جا رہے تھے۔ اچانک ہم کو ایک عورت ملی جو اپنے دو پیر بڑی مشکوں کے درمیان لٹکائے ہوئے تھی۔ ہم نے اس عورت سے پوچھا پانی کہاں ہے؟ اس نے کہا پانی نہیں ہے۔ ہم نے دریافت کیا تیرے گھر اور پانی کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ اس نے کہا ایک دن رات کا! پھر ہم نے کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چل۔ اس نے کہا کون رسول اللہ؟ ہم اس کو مجبور کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اس نے ویسا کہا جیسا ہم سے کہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس نے یہ بھی بیان کیا کہ وہ یتیم بچوں کی ماں ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی دونوں مشکوں کے کھولنے کا حکم دیا۔ اور ان کے دہانہ پر ہاتھ پھیرا چنانچہ ہم چالیس پیاسے آدمیوں نے خوب پانی پیا اور ہم سب سیراب ہو گئے اور ہم نے جس قدر مشکیں اور برتن ہمارے پاس تھے سب بھر لئے صرف ہم نے اونٹوں کو پانی نہ پلایا پھر بھی اس کی مشک زیادہ بھری ہونے کی وجہ سے پھٹنے والی تھی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کچھ پاس ہے۔ لے آؤ چنانچہ اس کے لئے روٹی کے ٹکڑے اور چھوہارے جمع کر دیئے گئے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس گئی اور اس نے کہا! میں نے ایک بڑے جادوگر کو دیکھا، لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ نبی ہے۔ اللہ نے اس کے ذریعے اس گاؤں کے لوگوں کو ہدایت کی وہ بھی مسلمان ہوگئی اور وہ سب بھی مسلمان ہو گئے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 825)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ط قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ط هُوَ اَعْلَمُ بِمَا
تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ط كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ط وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○
کیا وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کو گھڑ لیا ہے۔ آپ فرما دیں، اگر اسے میں نے گھڑا ہے تو تم میرے لئے اللہ سے کچھ بھی

اختیار نہیں رکھتے، اور وہ ان کو خوب جانتا ہے جو تم اس کے بارے میں طعنہ زنی کے طور پر کر رہے ہو۔ وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے، اور وہ بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

کفار کا قرآن پر بہتان وافتراء کا بیان

"أَمْ" بِمَعْنَى بَلْ وَهَمْزَةِ الْإِنْكَار "يَقُولُونَ افْتَرَاهُ" أَيِ الْقُرْآن "قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُه" فَرْضًا "فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّه " أَيْ مِنْ عَذَابه "شَيْئًا" أَيْ لَا تَقْدِرُونَ عَلَى دَفْع عَذَاب اللَّه عَنِّي إِذَا عَذَّبَنِي اللَّه "هُوَ أَعْلَم بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ" يَقُولُونَ فِي الْقُرْآن "كَفَى بِهِ" تَعَالَى "شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنكُمْ وَهُوَ الْغَفُور" لِمَنْ تَابَ "الرَّحِيم" بِهِ فَلَمْ يُعَاجِلكُمْ بِالْعُقُوبَة.

یہاں پر لفظ ام بہ معنی بل اور ہمزہ انکاری کے ہے۔ کیا وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو گھڑ لیا یعنی فرض کر لیا ہے۔ آپ فرما دیں: اگر اسے میں نے گھڑا ہے تو تم مجھے اللہ کے عذاب سے بچانے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے، یعنی جب وہ مجھے عذاب دے تو تم مجھ سے وہ عذاب دور کرنے کی کوئی طاقت نہیں رکھتے۔ اور وہ ان باتوں کو خوب جانتا ہے جو تم اس قرآن کے بارے میں طعنہ زنی کے طور پر کر رہے ہو۔ وہی اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے، اور وہ بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔ لہٰذا وہ تمہیں جلدی سزا دینے والا نہیں ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ام یقولون افتراہ ۔ ام بطور حرف اضراب استعمال ہوا ہے۔ **انتقال من حکایت شناعتهم السابقة الی حکایة ما هو اشنع منها** ۔ ان کے ایک قبیح امر سے دوسرے کی طرف انتقال جو پہلے قبیح امر سے بھی قبیح تر ہے، یہ بل (حرف اضراب) کی وہ صورت ہے کہ بل سے ماقبل کے حکم کو برقرار رکھتے ہوئے اس کے مابعد کو اس حکم اور زیادہ کر دیا جائے۔ مثلاً اور جگہ قرآن مجید میں ہے۔ **بل قالوا اضغاث احلام بل افتراہ بل هو شاعر** ، بلکہ انہوں نے کہا کہ یہ خیالات پریشان ہیں بلکہ اس نے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے) گھڑ لیا ہے بلکہ یہ شاعر ہے۔

مطلب یہ کہ ایک تو قرآن کو خیالات پریشاں کہتے ہیں پھر مزید اسے افترا بتاتے ہیں۔ پھر اس پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ (نعوذ باللہ) آپ کو شاعر سمجھتے ہیں۔

ان افتریتہ میں ان شرطیہ ہے افتریت ماضی واحد متکلم افتراء (افتعال) مصدر ہ ضمیر مفعول واحد مذکر غائب کا مرجع القرآن ہے۔ معنی یہ کہ:۔ اگر اس کو میں نے از خود گھڑ لیا ہے (اور اللہ کی طرف اس کو منسوب کر دیا ہے)۔

الفری (باب نصر) کے معنی چمڑے کے سینے اور درست کرنے کے لئے اسے کاٹنے کے ہیں۔ اور افراء (افعال) کے معنی اسے خراب کرنے کے لئے کاٹنے کے ہیں۔ افتراء (باب افتعال) کا لفظ اصلاح وفساد دونوں کے لئے آتا ہے لیکن اس کا زیادہ تر

استعمال فساد کے لئے ہی ہوتا ہے، اسی قرآن مجید میں جھوٹ، شرک ظلم کے موقعوں پر استعمال کیا گیا ہے۔

لاتملکون ۔ مضارع منفی جمع مذکر حاضر ملک (باب ضرب) تم اختیار نہیں رکھتے ہو، مطلب یہ کہ:۔ اگر میں نے اس قرآن مجید کو از خود گھڑ لیا ہے اور اللہ کے نام منسوب کر دیا ہے تو اس افتراء پر اللہ کی طرف سے مجھ پر جو عذاب آئے گا اس کو تم میرے اوپر سے دفع کرنے کی بالکل قدرت نہیں رکھتے۔ پھر میں کیوں ایسا کر کے اللہ کا عذاب اپنے اوپر لوں۔

ھو۔ ای اللہ۔ اعلم۔ علم سے افعل التفضیل کا صیغہ واحد مذکر ہے۔ وہ خوب جاننے والا ہے۔

بماتفیضون فیہ: ب بمعنی کو، ما موصولہ۔ تفیضون فیہ اس کا صلہ، فیہ کی ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع ما ہے۔ ترجمہ ہوگا:۔ وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم مشغول ہو۔ (ضیاء القرآن)۔

ما مصدریہ بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں فیہ کی ضمیر الحق یا القرآن کی طرف راجع ہے اور ترجمہ ہوگا: وہ خوب جانتا ہے جو جو باتیں تم قرآن کے باب میں بنا رہے ہو (ماجدی) وہ باتیں کیا تھیں؟ کافروں کی وحی من اللہ کے متعلق بدگوئی۔ آیات اللہ کی بابت طعن، ان کو کبھی جادو کہنا اور کبھی من گھڑت قرار دینا۔

تفیضون مضارع جمع مذکر حاضر افاضۃ (افعال) مصدر۔ جس کا استعمال جب باتوں کے متعلق ہوتا ہے تو باتوں میں خوض کرنے اور مشغول ہونے کے معنی ہوتے ہیں۔ تفیضون قرآن مجید میں دو جگہ استعمال ہوا ہے۔ دوسرا استعمال: اذ تفیضون فیہ (10:61) جب تم کسی (عمل) میں مصروف ہوتے ہو۔ (ف ی ض) مادہ۔

فاض الماء کے معنی کسی جگہ سے پانی کا اچھل کر بہ نکلنا کے ہیں۔ آنسوں کے بہنے کے لئے بھی آیا ہے مثلاً تری اعینھم تفیض من الدمع، تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔ پانی کے اوپر سے نیچے گرانے کے معنی میں بھی آیا ہے مثلاً ان افیضوا علینا من الماء ۔ کہ کسی قدر ہم پر پانی بہاؤ۔ اور عرفات سے واپسی کے متعلق ارشاد ہے:۔ فاذا افضتم من عرفات، جب تم عرفات سے واپس ہونے لگو۔

کفی بہ۔ کفی ماضی واحد مذکر غائب کفایۃ (باب ضرب) مصدر کافی ہونا کفی بہ۔ وہی کافی ہے۔ کفی باللہ شھیدا بطور گواہ اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔ یعنی اس کی گواہی دوسروں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ کفی بہ یہ فاعل کا قائم مقام ہے۔ یعنی اللہ کافی ہے۔ شھیدا حال ہے،

فائدہ: اللہ کی شہادت نبی کریم ﷺ اور منکرین کے متعلق یہ ہے کہ وہ رسول کریم صلی اللہ وسلم کے صدق و بلاغ اور مخالفین کے کذب وانکار کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ وھو الغفور الرحیم ۔ جملہ حالیہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ توبہ کرنے والوں اور ایمان لانے والوں کے لئے غفور اور رحیم ہے۔ وہ بہت بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

یعنی اگر بالفرض میں دل سے بناتا اور اس کو اللہ تعالیٰ کا کلام بتاتا تو وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہوتا اور اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے افتراء کرنے والے کو جلد عقوبت میں گرفتار کرتا ہے، تمہیں تو یہ قدرت نہیں کہ تم اس کی عقوبت سے بچا سکو یا اس کے عذاب کو دفع کرسکو تو

کس طرح ہوسکتا ہے کہ میں تمہاری وجہ سے اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ احقاف، لاہور)

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِىْ مَا يُفْعَلُ بِىْ وَلَا بِكُمْ ؕ
اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ○
آپ فرمادیں کہ میں کوئی پہلا رسول نہیں آیا اور میں اَز خود نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور نہ وہ جو تمہارے ساتھ
کیا جائے گا، میں صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔اور میں تو صرف واضح ڈر سنانے والا ہوں۔

نبی کریم ﷺ کا کفار کو سابقہ رسولان گرامی کی بعثت بیان کر کے رسالت سمجھانے کا بیان

"قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا" بَدِيعًا "مِنَ الرُّسُلِ" أَيْ لَسْتُ أَوَّلَ مُرْسَلٍ فَقَدْ سَبَقَ قَبْلِي كَثِيرُونَ مِنْهُمْ فَكَيْفَ تُكَذِّبُونِي "وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ" "فِي الدُّنْيَا أَأَخْرُجُ مِنْ بَلَدِي أَمْ أُقْتَلُ كَمَا فُعِلَ بِالْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي أَوْ تَرْمُونِي بِالْحِجَارَةِ أَمْ يُخْسَفُ بِكُمْ كَالْمُكَذِّبِينَ قَبْلَكُمْ "إنْ" مَا "أَتَّبِعُ إلَّا مَا يُوحَى إلَيَّ" أَيْ الْقُرْآنِ وَلَا أَبْتَدِعُ مِنْ عِنْدِي شَيْئًا "وَمَا أَنَا إلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ" بَيِّنُ الْإِنْذَارِ،

آپ فرمادیں کہ میں انسانوں کی طرف کوئی پہلا رسول نہیں آیا بلکہ مجھ سے قبل کثیر رسولان گرامی کی بعثت ہو چکی۔ لہٰذا تم میری تکذیب کیسے کر سکتے ہو۔ اور میں اَز خود (یعنی محض اپنی عقل و درایت سے) نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا کہ مجھے میرے شہر سے جلاوطنی پر مجبور کیا جائے گا یا شہید کیا جائے گا جس طرح مجھ پہلے انبیائے کرام کے ساتھ ہوا یا تم مجھے پتھر مارو گے۔ اور نہ وہ جو تمہارے ساتھ کیا جائے گا، یعنی تم پہلے لوگوں کی طرح زمین میں دھنسا دیئے جاؤ میرا علم تو یہ ہے کہ میں صرف اس وحی یعنی قرآن کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔ میں اس میں کوئی اپنی جانب سے کوئی چیز داخل کرنے والا نہیں ہوں۔ (وہی مجھے ہر شے کا علم عطا کرتی ہے) اور میں تو صرف اس علم بالوحی کی بنا پر واضح ڈر سنانے والا ہوں۔

سورہ احقاف آیت ۹ کے شان نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر سختیاں اور تکالیف بڑھ گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کھجور، درخت اور پانی والی سرزمین کی طرف ہجرت فرما رہے ہیں آپ ﷺ نے یہ اپنے صحابہ سے بیان کیا تو وہ حضرات بہت خوش ہوئے اور انہوں نے سوچا کہ اس میں مشرکین کی ان تکالیف سے کچھ تو کشائش ہوگی پھر وہ ایک عرصہ تک اسی طرح ٹھہرے رہے۔ اور انہوں نے آپ کو ہجرت فرماتے نہ دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم اس سرزمین کی طف جو آپ نے خواب میں دیکھی ہے کب ہجرت کریں گے؟ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے اور اللہ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی۔ وَمَآ اَدْرِىْ مَا يُفْعَلُ بِىْ وَلَا بِكُمْ۔ یعنی مجھے معلوم نہیں کہ اس سرزمین کی طرف جو میں نے خواب میں دیکھی ہے

نکلوں گا بھی یا نہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا وہ صرف ایک چیز تھی جو میں نے خواب میں دیکھی میں صرف نازل ہونے والی وحی کی پیروی کروں گا۔ (نیسابوری 314، زادالمسیر 7۔372، قرطبی 16۔185)

اہل ایمان کی بخشش کا نبی کریم ﷺ کے علم میں ہونے کا بیان

اس کے معنی میں مفسرین کی چند قول ہیں، ایک تو یہ کہ قیامت میں جو میرے اور تمہارے ساتھ کیا جائے گا؟ وہ مجھے معلوم نہیں، یہ معنی ہوں تو یہ آیت منسوخ ہے، مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ لات وعزیٰ کی قسم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارا اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یکساں حال ہے، انہیں ہم پر کچھ بھی فضیلت نہیں، اگر یہ قرآن انکا اپنا بنایا ہوا نہ ہوتا تو ان کا بھیجنے والا انہیں ضرور خبر دیتا کہ ان کے ساتھ کیا کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے آیت (لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا، الفتح:2) نازل فرمائی، صحابہ نے عرض کیا یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور کو مبارک ہو آپ کو تو معلوم ہو گیا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا، یہ انتظار ہے کہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا، الفتح:5) اور یہ آیت نازل ہوئی (وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا، الأحزاب:47) تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا کرے گا اور مومنین کے ساتھ کیا، دوسرا قول آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ آخرت کا حال تو حضور کو اپنا بھی معلوم ہے، مومنین کا بھی، مکذبین کا بھی، معنی یہ ہیں کہ دنیا میں کیا کیا جائے گا؟ یہ معلوم نہیں، اگر یہ معنی لئے جائیں تو بھی آیت منسوخ ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بھی بتادیا (لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ، الصّف:9) اور (وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ، الانفال:33) بہرحال اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضور کے ساتھ اور حضور کی امت کے ساتھ پیش آنے والے امور پر مطلع فرمادیا خواہ وہ دنیا کے ہوں یا آخرت کے اور اگر درایت بمعنی ادراک بالقیاس یعنی عقل سے جاننے کے معنی میں لیا جائے تو مضمون اور بھی زیادہ صاف ہے اور آیت کا اس کے بعد والا جملہ اس کا مؤید ہے، علامہ نیشاپوری نے اس آیت کے تحت میں فرمایا کہ اس میں نفی اپنی ذات سے جاننے کی ہے، من جہت الوحی جاننے کی نفی نہیں۔

(تفسیر خزائن العرفان، سورہ احقاف، لاہور)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

فرمادیجئے: ذرا بتاؤ تو اگر یہ اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کردیا ہو اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس جیسی کتاب پر گواہی دے پھر وہ ایمان لایا ہو اور تم غرور کرتے رہے۔ بیشک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔

قرآن مجید کی صداقت پر دلیل کا بنی اسرائیل سے ہونے کا بیان

"قُلْ أَرَأَيْتُمْ" أَخْبِرُونِي مَاذَا حَالُكُمْ "إِنْ كَانَ" أَيْ الْقُرْآن "مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ" جُمْلَة حَالِيَّة "وَشَهِدَ شَاهِد مِنْ بَنِي إِسْرَائِيل" هُوَ عَبْد اللّٰه بْن سَلَام "عَلَى مِثْله" أَيْ عَلَيْهِ أَنَّهُ مِنْ عِنْد اللّٰه "فَآمَنَ" الشَّاهِد "وَاسْتَكْبَرْتُمْ" تَكَبَّرْتُمْ عَنْ الْإِيمَان وَجَوَاب الشَّرْط بِمَا عُطِفَ عَلَيْهِ : أَلَسْتُمْ ظَالِمِينَ دَلَّ عَلَيْهِ "إِنَّ اللّٰه لَا يَهْدِي الْقَوْم الظَّالِمِينَ"

فرمادیجئے، ذرا بتاؤ تمہاری کیا حالت ہے؟ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کر دیا ہو۔ یہاں پر کفرتم بہ جملہ حالیہ ہے۔ اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس جیسی کتاب کے اترنے کے ذکر پر گواہی دے۔ اور وہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر وہ اس پر ایمان بھی لایا ہو۔ اور تم اس کے باوجود ایمان لانے غرور کرتے رہے (تو تمہارا انجام کیا ہوگا؟) یہ جواب شرط ہے جس کا اَلستم ظالمین پر عطف کیا گیا ہے۔ جس پر آنے والے جملے کی دلالت ہے جو یہ ہے، بیشک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔

سورت احقاف آیت ۱۰ کے شان نزول کا بیان

امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ عوف بن مالک اشجعی سے نقل کیا ہے نبی کریم ﷺ اور میں اکٹھے چلے یہاں تک کہ ہم یہود کی عید کے دن ان کے کنیسہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے ہمارا آنا پسند کیا رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا اے یہود کی جماعت تم مجھے اپنے میں سے بارہ آدمی دے دو جو یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ﷺ ہیں اللہ تعالیٰ آسمان تلے ہر یہودی سے غضب کو ہٹا دیں گے وہ سب خاموش رہے ان میں سے ایک نے بھی کوئی جواب نہ دیا آپ واپس ہوئے تو آپ کے پیچھے سے ایک شخص نے آواز دی اے محمد ﷺ اپنی جگہ پر کھڑے رہو وہ آپ کے قریب آیا اور کہا اے یہود کی جماعت تم مجھے اپنی جماعت میں سے کیسا جانتے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ کی قسم ہم اپنی جماعت میں تجھ سے بڑھ کر کتاب اللہ کو جاننے والا اور سمجھنے والا کوئی شخص نہیں پاتے اور نہ تجھ سے پہلے تیرے باپ سے اور اس سے پہلے تیرے دادا سے بڑھ کر کوئی شخص پاتے ہیں اس نے کہا پھر میں گواہی دیتا ہوں یہ وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ تم تورات میں پاتے ہو انہوں نے کہا تو نے جھوٹ بولا پھر انہوں نے اس کا رد کیا اور اس کی نسبت بری باتیں کہیں اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ۔

(معجم طبرانی الکبیر 18-46، مجمع الزوائد 7-106، طبری 16-11، مسند احمد 6-(25)

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی۔ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ ۔ ترجمہ۔ اور بنی اسرائیل میں سے ایک (کتاب) کی گواہی دے چکا اور ایمان لے آیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام سے منقول ہے کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی۔ (سیوطی 258، زاد المسیر 7-373، ابن کثیر 4-156)

سورت احقاف آیت ۱۰ کی تفسیر بہ روایت کا بیان

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے بیان کرتے ہیں کہ جب لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا ارداہ کیا تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے۔انہوں نے پوچھا کہ آپ کیوں آئے ہیں؟ عبداللہ کہنے لگے آپ کی مدد کے لئے۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ آپ جائیں اور لوگوں کو مجھ سے دور رکھیں کیونکہ آپ کا باہر رہنا میرے لئے اندر رہنے سے زیادہ فائدہ مند ہے۔عبداللہ بن سلام باہر نکلے اور لوگوں سے کہنے لگے کہ لوگو زمانہ جاہلیت میں میرا یہ نام تھا۔پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام عبداللہ رکھا اور میرے بارے میں کئی آیات نازل ہوئیں چنانچہ (وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْ اِسْرَا ءِيْلَ عَلٰى مِثْلِه فَاٰمَنَ وَاسْ تَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْ قَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ) اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ ایک ایسی کتاب پر گواہی دے کر ایمان بھی لے آیا اور تم اکڑے ہی رہے۔بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا)۔اور (كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ، یہ دونوں آیتیں میرے بارے میں ہی نازل ہوئیں۔(اور جان لو) کہ تم سے اللہ کی ایک تلوار چھپی ہوئی ہے اور فرشتے تمہارے اس شہر میں جس میں تمہارے نبی رہے پڑوسی ہیں۔لہٰذا تم لوگ اس شخص (عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔اللہ کی قسم اگر تم لوگوں نے اسے قتل کر دیا تو فرشتے تمہارا پڑوس چھوڑ دیں گے اور تم لوگوں پر اللہ کی وہ تلوار نکل آئے گی جو چھپی ہوئی تھی اور پھر اس کے بعد قیامت تک میان میں نہیں ڈالی جائے گی۔راوی کہتے ہیں کہ اس پر لوگ کہنے لگے کہ اس یہودی (عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور عثمان دونوں کو قتل کر دو۔یہ حدیث غریب ہے۔اس حدیث کو شعیب بن صفوان، عبدالملک بن عمیر سے وہ ابن محمد بن عبداللہ بن سلام سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن سلام سے نقل کرتے ہیں۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1204)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ
يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۝
اور ان لوگوں نے جنھوں نے کفر کیا، ان لوگوں سے کہا جو ایمان لائے اگر یہ کچھ بھی بہتر ہوتا تو یہ ہم سے پہلے اس کی طرف
نہ آتے اور جب انھوں نے اس سے ہدایت نہیں پائی تو ضرور کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے۔

ہدایت سے محروم لوگوں کا قرآن کو عدم بھلائی سے تعبیر کرنے کا بیان

"وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا" أَيْ فِي حَقّهمْ "لَوْ كَانَ" الْإِيمَان "خَيْرًا مَا سَبَقُونَا إِلَيْهِ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا" أَيْ الْقَائِلُونَ "بِهِ" أَيْ الْقُرْآن "فَسَيَقُولُونَ هَذَا" أَيْ الْقُرْآن "إِفْك" كَذِب،

اور ان لوگوں نے جنھوں نے کفر کیا، ان لوگوں کے حق میں کہا جو ایمان لائے اگر یہ ایمان کچھ بھی بہتر ہوتا تو یہ ہم سے پہلے اس کی طرف نہ آتے اور جب انھوں نے یعنی کہنے والوں نے اس سے یعنی قرآن سے ہدایت نہیں پائی تو وہ عنقریب ضرور کہیں گے

کہ یہ قرآن پرانا جھوٹ ہے۔

سورت احقاف آیت ۱۱ کے شان نزول کا بیان

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ کچھ مشرکین نے کہا ہم بہت عزت والے ہیں ہم ایسے ہیں اور ہم ایسے ہیں اگر اس دین میں بھلائی ہوتی تو فلاں اور فلاں اسے قبول کرنے میں ہم سے آگے نہ بڑھتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

عوف بن ابی شداد سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب کی ایک باندی تھی جو ان سے پہلے ایمان لے آئی اس کا نام زنین تھا عمر اس سے اس کے اسلام لانے پر اس قدر مارا کرتے یہاں تک کہ خود ہی نرم پڑ جاتے قریش کے کفار کہتے اگر اس دین میں بھلائی ہوتی تو زنین ہم سے سبقت نہ کرتی تو اس کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن سعد نے ضحاک اور حسن سے اسی طرح نقل کیا ہے
(سیوطی259،زادالمسیر 7۔375،قرطبی16۔189)

فقراء اہل ایمان کے سبب کفار کی سرکشی کا بیان

تکبر وغرور انسان کی عقل کو بھی مسخ کر دیتا ہے۔ متکبر آدمی اپنی عقل اور اپنے عمل کو معیار حسن وقبح و خیر وشر سمجھنے لگتا ہے جو چیز اس کو پسند نہ ہو خواہ دوسرے لوگ اس کو کتنا ہی اچھا سمجھیں یہ ان سب کو بیوقوف سمجھتا ہے حالانکہ خود بیوقوف ہے کفار کے اسی درجہ غرور تکبر کا اس آیت میں بیان ہے کہ اسلام و ایمان چونکہ ان کو پسند نہیں تھا تو دوسرے لوگ جو ایمان کے دلدادہ تھے ان کو یہ کہتے تھے کہ اگر یہ ایمان کوئی اچھی چیز ہوتی تو سب سے پہلے ہمیں پسند آتی، ان دوسرے غریب فقیر لوگوں کی پسند کا کیا اعتبار۔ ابن منذر وغیرہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ عمر بن خطاب جب مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

ان کی ایک کنیز جس کا نام زنیرہ تھا پہلے مسلمان ہوگئی تھی یہ اس کو اس کے اسلام پر مارتے اور دھمکاتے تھے کہ کسی طرح یہ اسلام کو چھوڑ دے اور کفار قریش کہا کرتے تھے کہ اسلام کوئی اچھی چیز ہوتی تو زنین جیسی حقیر عورت اس میں ہم سے آگے نہ ہوتی، اس کے متعلق آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری، سورہ احقاف، لاہور)

اہل ایمان غریبوں کیلئے مبارک ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام غربت میں شروع ہوا اور آخر میں بھی ایسا ہی ہو جائے گا لہٰذا غرباء کے لئے خوشخبری ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 156)

مطلب یہ ہے کہ اسلام کی ابتداء غریبوں سے ہوئی اور آخر میں بھی اسلام غریبوں میں ہی رہ جائے گا۔ یعنی ابتداء اسلام میں مسلمان غریب اور کم تھے جس کی وجہ سے انہیں اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسرے ملکوں کی طرف ہجرت کرنی پڑی، اسی طرح آخر میں بھی ایسا ہی ہوگا کہ اسلام غریبوں ہی کی طرف لوٹ آئے گا، لہٰذا ان غرباء کے لئے جن کے قلوب ایمان و اسلام کی روشنی سے پوری طرح منور ہوں گے خوش بختی و سعادت ہے۔ اس لئے کہ آخر زمانہ میں یہی بے چارے اسلام پر ثابت قدم رہیں گے اور کتاب وسنت کے علوم و معارف سے اپنی زندگیوں کو منور کریں گے۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ وَ هٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا
عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَ بُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝
اوراس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوااور رحمت تھی اور یہ ایک تصدیق کرنے والی کتاب عربی زبان میں ہے، تا کہ
ان لوگوں کوڈرائے جنھوں نے ظلم کیا اور نیکی کرنے والوں کے لیے بشارت ہو۔

قرآن مجید کا سابقہ کتب سماویہ کی تصدیق کرنے کا بیان

"وَمِنْ قَبْلِه" أَیْ الْقُرْآن "كِتَاب مُوسَى" أَیْ التَّوْرَاة "إِمَامًا وَرَحْمَة" لِلْمُؤْمِنِينَ بِهِ حَالَانِ "وَهَذَا" أَیْ الْقُرْآن "كِتَاب مُصَدِّق" لِلْكُتُبِ قَبْله "لِسَانًا عَرَبِيًّا" حَال مِنْ الضَّمِير فِي مُصَدِّق "لِيُنْذِر الَّذِينَ ظَلَمُوا" مُشْرِكِي مَكَّة "وَبُشْرَى لِلْمُحْسِنِينَ" الْمُؤْمِنِينَ

اوراس سے یعنی قرآن سے پہلے موسیٰ کی کتاب یعنی تورات ایمان والوں کیلئے پیشوااور رحمت تھی یہاں پرلفظ اماما اور رحمہ یہ دونوں حال ہیں۔اور یہ قرآن ایک تصدیق کرنے یعنی سابقہ کتب کی تصدیق کرنے والی کتاب عربی زبان میں ہے، یہاں پر لسان عربی یہ مصدق کی ضمیر سے حال ہے۔تا کہ ان لوگوں یعنی مشرکین مکہ کوڈرائے جنھوں نے ظلم کیا اور نیکی کرنے والوں یعنی اہل ایمان کے لیے بشارت ہو۔

نبی آخرالزمان ﷺ کی بعثت سے ہزاروں برس پہلے تورات نے جواصولی تعلیم دی تھی۔انبیاء واولیاء کی ایک کثیر تعداد اس تعلیم سے رہنمائی حاصل کرتی رہی۔اس کتاب نے بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے راستی اور ہدایت کی راہ ڈال دی اور یہ لوگوں پر اللہ کی بہت بڑی رحمت تھی۔اور یہ موجودہ کتاب قرآن بھی تورات کو سچا ثابت کرتا ہے۔گویا یہ دونوں کتابیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔اوران دونوں کتابوں میں مجرموں کے لیے وعید اور نیک لوگوں کے لیے جنت کی بشارت موجود ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
بے شک وہ لوگ جنھوں نے کہا ہمارارب اللہ ہے، پھرخوب قائم رہے،توان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
یہی لوگ اہل جنت ہیں جواس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔یہ ان اعمال کی جزا ہے جووہ کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کورب ماننے اوراس پراستقامت اختیار کرنے والوں کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبّنَا اللَّه ثُمَّ اسْتَقَامُوا" عَلَى الطَّاعَة "أُولَئِكَ أَصْحَاب الْجَنَّة خَالِدِينَ فِيهَا" حَال "جَزَاء" مَنْصُوب عَلَى الْمَصْدَر بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّر أَیْ يُجْزَوْنَ،

بے شک وہ لوگ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر اطاعت پر خوب قائم رہے، تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہی لوگ اہل جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ یہاں پر لفظ جزاء یہ اپنے فعل مقدر یجزون کی وجہ سے بر بنائے مصدریت منصوب ہے۔ یہ ان اعمال کی جزاء ہے جو وہ کیا کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ بکثرت یہ دعا مانگا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَلْبِی عَلٰی دِینِكَ، اے اللہ! میرے دل کو اپنے دین پر استقامت عطا فرما دیجئے۔ ایک مرد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ کو ہمارے بارے میں اندیشہ ہے حالانکہ ہم آپ پر ایمان لا چکے اور جو دین آپ لائے اس کی تصدیق کر چکے۔ فرمایا بلاشبہ دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ وہ ان کو پلٹ دیتے ہیں اور اعمش (راوی) نے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ بھی کیا۔

(سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 714)

استقامت اختیار کرنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ، النساء: 123) جو کوئی بھی کوئی برا عمل کرے گا تو اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا مسلمانوں کو اس سے بہت سخت پریشانی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میانہ روی اور استقامت اختیار کرو مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ جو اسے ٹھوکر لگتی ہے یا اسے کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے تو وہ بھی اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالرحمٰن بن محیصن مکہ مکرمہ کے رہنے والے ہیں۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2068)

حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر کچھ لوگ تیزی سے قوم ثمود کے کھنڈرات میں جانے لگے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کروادی کہ نماز تیار ہے ابو کبشہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں داخل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ کو پکڑا ہوا تھا اور فرما رہے تھے تم ایسی قوم پر کیوں داخل ہوتے ہو جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا؟ ایک آدمی کہنے لگا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم ان پر تعجب کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں اس سے زیادہ تعجب انگیز بات نہ بتاؤں؟ تم ہی میں کا ایک آدمی تمہیں ماضی اور مستقبل کے واقعات کی خبر دیتا ہے، لہٰذا استقامت اور سیدھا راستہ اختیار کرو، کیونکہ اللہ کو تمہارے عذاب میں مبتلا ہونے کی کوئی پروا نہیں ہوگی اور عنقریب ایک ایسی قوم آئے گی جو کسی بھی چیز کے ذریعے اپنا دفاع نہیں کر سکے گی۔ گذشتہ حدیث اس دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ (مسند احمد: جلد ہفتم: حدیث نمبر 1132)

حضرت عبداللہ بن سفیان بیان کرتے ہیں اپنے والد کے حوالے سے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ مجھے کسی ایسے اسلامی عمل کے بارے میں بتائیں جس کے بارے میں مجھے کسی اور سے دریافت نہ کرنا پڑے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ سے ڈرو اور پھر استقامت اختیار کرو۔ حضرت سفیان بیان کرتے ہیں میں نے عرض کی پھر اس کے بعد کون سی چیز ہے نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا اس کی حفاظت کرو۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 552)

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ
وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ
اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ
وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۝
اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی تاکید کی، اس کی ماں نے اسے ناگواری کی حالت میں اٹھائے رکھا
اور اسے ناگواری کی حالت میں جنا اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے، یہاں تک کہ جب
وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کو پہنچ گیا تو اس نے کہا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر
کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں وہ نیک عمل کروں جسے تو پسند کرتا ہے اور میرے لیے
میری اولاد میں اصلاح فرما دے، بے شک میں نے تیری طرف توبہ کی اور بے شک میں حکم ماننے والوں سے ہوں۔

والدین کے ساتھ نیکی کرنے کے حکم کا بیان

"وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَان بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا" وَفِي قِرَاءَة إِحْسَانًا أَيْ أَمَرْنَاهُ أَنْ يُحْسِن إِلَيْهِمَا فَنَصَبَ إِحْسَانًا عَلَى الْمَصْدَر بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّر وَمِثْله حُسْنًا "حَمَلَتْهُ أُمّه كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا" أَيْ عَلَى مَشَقَّة "وَحَمْله وَفِصَاله" مِنْ الرَّضَاع "ثَلَاثُونَ شَهْرًا" سِتَّة أَشْهُر أَقَلّ مُدَّة الْحَمْل وَالْبَاقِي أَكْثَر مُدَّة الرَّضَاع وَقِيلَ إِنْ حَمَلَتْ بِهِ سِتَّة أَوْ تِسْعَة أَرْضَعَتْهُ الْبَاقِي "حَتَّى" غَايَة لِجُمْلَةٍ مُقَدَّرَة أَيْ وَعَاشَ حَتَّى "إِذَا بَلَغَ أَشُدّهُ" هُوَ كَمَال قُوَّته وَعَقْله وَرَأْيه أَقَلّه ثَلَاث وَثَلَاثُونَ سَنَة أَوْ ثَلَاثُونَ "وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَة" أَيْ تَمَامهَا وَهُوَ أَكْثَر الْأَشُدّ "قَالَ رَبّ" إلَخْ نَزَلَ فِي أَبِي بَكْر الصِّدِّيق لَمَّا بَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَة بَعْد سَنَتَيْنِ مِنْ مَبْعَث النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آمَنَ بِهِ ثُمَّ آمَنَ أَبَوَاهُ ثُمَّ ابْنه عَبْد الرَّحْمَن وَابْن عَبْد الرَّحْمَن أَبُو عَتِيق "أَوْزِعْنِي" أَلْهِمْنِي "أَنْ أَشْكُر نِعْمَتك الَّتِي أَنْعَمْت" بِهَا "عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ" وَهِيَ التَّوْحِيد "وَأَنْ أَعْمَل صَالِحًا تَرْضَاهُ" فَأَعْتَقَ تِسْعَة مِنْ الْمُؤْمِنِينَ يُعَذَّبُونَ فِي اللّٰه "وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي" فَكُلّهمْ مُؤْمِنُونَ،

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی تاکید کی، یہاں پر لفظ احسانا ایک قرأت میں اس کا معنی امرناہ ہے یعنی وہ ان دونوں سے احسان کرے۔ اور یہ اپنے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ جو حسن کی مثل ہے۔

اس کی ماں نے اسے ناگواری یعنی مشقت کی حالت میں اٹھائے رکھا اور اسے ناگواری کی حالت میں جنا اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے، لہٰذا حمل کی مدت کم از کم چھ مہینے ہے۔ اور بقیہ اس کی اکثر مدت ہے۔ اور باقی اکثر مدت رضاعت ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر حمل چھ ماہ یا نو ماہ کی مدت وضع ہو تو بقیہ مدت رضاعت کی ہے۔ اور یہاں پر حتیٰ یہ جملہ مقدرہ کی غایت کیلئے آیا ہے۔ یعنی عاش، یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا یعنی اپنی طاقت، عقل اور رائے میں کمال کو پہنچا اور وہ کم از کم ۳۳ سال ہے یا ۳۰ سال ہے اور چالیس برس کو پہنچ گیا یعنی وہ مکمل ہو گیا اور وہ پختہ ہونے کی اکثر مدت ہے۔ تو اس نے کہا اے میرے رب!، الی آخرہ، یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ جب آپ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے دو سال بعد چالیس سال کی عمر میں پہنچے تو آپ نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے اس کے بعد آپ کے والدین ایمان لائے۔ اور آپ کے بیٹے عبد الرحمٰن ایمان لائے اور ان کے بیٹے ابوعتیق ایمان لائے۔ مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر توحید کا انعام کی ہے اور یہ کہ میں وہ نیک عمل کروں جسے تو پسند کرتا ہے پس آپ نے ۱۹ ایسے غلاموں کو آزاد کرایا جنہیں اللہ کے دین کی وجہ سے تکالیف دی جا رہی تھی۔ اور میرے لیے میری اولاد میں اصلاح فرما دے، یعنی وہ سب ایمان لے آئیں۔ بے شک میں نے تیری طرف توبہ کی اور بے شک میں حکم ماننے والوں سے ہوں۔

سورہ احقاف آیت ۱۵ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی، آپ کی عمر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو سال کم تھی، جب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تو آپ نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اختیار کی، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف بیس سال کی تھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہمراہی میں بغرضِ تجارت ملکِ شام کا سفر کیا، ایک منزل پر ٹھہرے، وہاں ایک بیری کا درخت تھا، حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے سایہ میں تشریف فرما ہوئے، قریب ہی ایک راہب رہتا تھا، حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے پاس چلے گئے، راہب نے آپ سے کہا یہ کون صاحب ہیں جو اس بیری کے سایہ میں جلوہ فرما ہیں۔

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابن عبد اللہ ہیں، عبد المطلب کے پوتے، راہب نے کہا خدا کی قسم یہ نبی ہیں، اس بیری کے سایہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے آج تک ان کے سوا کوئی نہیں بیٹھا، یہی نبی آخر الزماں ﷺ ہیں، راہب کی یہ بات حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں اثر کر گئی اور نبوت کا یقین آپ کے دل میں جم گیا اور آپ نے صحبت شریف کی ملازمت اختیار کی، سفر و حضر میں آپ سے جدا نہ ہوتے۔

جب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف چالیس سال کی ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی نبوت و

رسالت کے ساتھ سرفراز فرمایا تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ پر ایمان لائے اس وقت حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر اڑتیس سال کی تھی، جب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو انہوں [illegible]
([illegible] بیروت)

مدت حمل اور مدت رضاعت میں فقہی مذاہب کا بیان

اکثر مدت حمل امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک دو سال ہیں، امام مالک سے مختلف روایات منقول [illegible] پانچ سال، سات سال، امام شافعی کے نزدیک چار سال، امام احمد کی بھی مشہور روایت چار ہی سال کی ہے اور اکثر مدت رضاعت جس کے ساتھ حرمت رضاعت کے احکام متعلق ہوتے ہیں جمہور فقہاء کے نزدیک دو سال ہیں۔ امام مالک شافعی، احمد بن حنبل اور ائمہ حنفیہ میں سے ابو یوسف اور امام محمد سب اس پر متفق ہیں اور صحابہ کرام میں حضرت عمر و ابن عباس کا بھی یہ قول ہے (رواہ الدار قطنی علی مرتضی عبداللہ بن مسعود کا بھی یہی ارشاد ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ) صرف امام اعظم ابوحنیفہ سے یہ منقول ہے کہ ڈھائی سال تک بچہ کو دودھ پلایا جا سکتا ہے۔

جس کا حاصل جمہور حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر بچہ کمزور ہو، ماں کے دودھ کے سوا کوئی غذا دو سال تک بھی نہ لیتا ہو تو مزید چھ ماہ دودھ پلانے کی اجازت ہے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد ماں کا دودھ بچے کو پلانا حرام ہے مگر فتویٰ فقہائے حنفیہ کا بھی جمہور ائمہ کے مسلک پر ہے کہ دو سال کی مدت کے بعد اگر دودھ پلایا گیا تو اس سے حرمت رضاعت کے احکام ثابت نہیں ہوں گے۔ (تفسیر مظہری، سورہ احقاف، لاہور)

چالیس، ساٹھ اور نوے سال کی عمر کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب مسلمان بندہ چالیس سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس [illegible] کر دیتا ہے اور جب ساٹھ سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنی طرف جھکنا نصیب فرماتا ہے اور جب [illegible] آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی سال کا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں [illegible] برائیاں مٹا دیتا ہے اور جب نوے سال کا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرماتا ہے اور اس [illegible] کے گھرانے کے آدمیوں کے بارے میں اسے شفاعت کرنے والا بناتا ہے۔ اور آسمانوں میں لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ اللہ کی زمین میں [illegible] ہے۔ یہ حدیث دوسری سند سے مسند احمد میں بھی ہے۔

بنو امیہ کے دمشقی گورنر حجاج بن عبداللہ حلیمی فرماتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں تو میں نے نافرمانیوں اور گناہوں کو لوگوں کی شرم و حیا سے چھوڑا تھا اس کے بعد گناہوں کے چھوڑنے کا باعث خود ذات اللہ سے حیا تھی۔ عرب شاعر کہتا ہے بچپنے میں نا سمجھی کی حالت میں تو جو کچھ ہو گیا ہو گیا لیکن جس وقت بڑھاپے نے منہ دکھایا تو سر کی سفیدی نے خود ہی برائیوں سے کہہ دیا کہ اب تم کوچ کر جاؤ۔

حضرت عثمان غنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ مومن جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب آسان فرمادیتے ہیں اور جب ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو اس کو اپنی طرف رجوع وانابت نصیب فرمادیتے ہیں اور جب ستر سال کی عمر کو پہنچ جائے تو تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی سال کو پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حسنات کو قائم فرمادیتے ہیں اور اس کے سیئات کو مٹادیتے ہیں اور جب نوے سال کی عمر ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کو اپنے اہل بیت کے متعلق شفاعت کرنے کا حق دیدیتے ہیں اور آسمان میں اس کے نام کے ساتھ لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ اسیر اللہ فی الارض ہے یعنی زمین میں اللہ کی طرف سے قیدی ہے۔ (مسند ابی یعلی ومسند احمد بن حنبل)

چھ ماہ کی مدت میں بچے کو جنم دینے کا بیان

حضرت معمر بن عبداللہ جہنی فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے کے ایک شخص نے جہنیہ کی ایک عورت سے نکاح کیا چھ مہینے پورے ہوتے ہی اسے بچہ تولد ہوا اس کے خاوند نے حضرت عثمان سے ذکر کیا آپ نے اس عورت کے پاس آدمی بھیجا وہ تیار ہو کر آنے لگی تو ان کی بہن نے گریہ وزاری شروع کر دی اس بیوی صاحبہ نے اپنی بہن کو تسکین دی اور فرمایا کیوں روتی ہو اللہ کی قسم اس کی مخلوق میں سے کسی سے میں نہیں ملی میں نے کبھی کوئی برا فعل نہیں کیا تو دیکھو کہ اللہ کا فیصلہ میرے بارے میں کیا ہوتا ہے۔ جب حضرت عثمان کے پاس یہ آئیں تو آپ نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔

جب حضرت علی کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے خلیفۃ المسلمین سے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اس عورت کو نکاح کے چھ مہینے کے بعد بچہ ہوا ہے جو ناممکن ہے۔ یہ سن کر علی مرتضیٰ نے فرمایا کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ فرمایا ہاں پڑھا ہے فرمایا کیا یہ آیت نہیں پڑھی (وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا، الاحقاف:15) اور ساتھ ہی یہ آیت بھی (حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ،البقرۃ:233) پس مدت حمل اور مدت دودھ پلائی دونوں کے مل کر تیس مہینے اور اس میں سے جب دودھ پلائی کی کل مدت دو سال کے چوبیس وضع کر دئے جائیں تو باقی چھ مہینے رہ جاتے ہیں تو قرآن کریم سے معلوم ہوا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے اور اس بیوی صاحبہ کو بھی اتنی ہی مدت میں بچہ ہوا پھر اس پر زنا کا الزام کیسے قائم کر رہے ہیں؟ حضرت عثمان نے فرمایا واللہ یہ بات بہت ٹھیک ہے افسوس میرا خیال ہے میں اس طرف نہیں گیا جاؤ اس عورت کو لے آؤ پس لوگوں نے اس عورت کو اس حال پر پایا کہ اسے فراغت ہو چکی تھی۔ حضرت معمر فرماتے ہیں واللہ ایک کوا دوسرے کوے سے اور ایک انڈا دوسرے انڈے سے بھی اتنا مشابہ نہیں ہوتا جتنا اس عورت کا یہ بچہ اپنے باپ سے مشابہ تھا خود اس کے والد نے بھی اسے دیکھ کر کہا اللہ کی قسم اس بچے کے بارے میں مجھے اب کوئی شک نہیں رہا اور اسے اللہ تعالیٰ نے ایک ناسور کے ساتھ مبتلا کیا جو اس کے چہرے پر تھا وہ ہی اسے گھلاتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ احقاف، بیروت)

ماں کی شان کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا

رسول اللہ ﷺ میرے حسن سلوک کا کون زیادہ مستحق ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری ماں، عرض کیا پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری ماں، پوچھا پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری ماں پوچھا پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا باپ ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 931)

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ
فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝
یہی وہ لوگ ہیں کہ ہم ان سے وہ سب سے اچھے عمل قبول کرتے ہیں جو انھوں نے کیے اور ان کی برائیوں سے درگزر
کرتے ہیں، یہی جنت والوں میں ہیں۔ سچے وعدے کے مطابق جو ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

جنت کے وعدہ صدق کا بیان

"أُولَئِكَ" أَيْ قَائِلُو هَذَا الْقَوْل أَبُو بَكْر وَغَيْره "الَّذِينَ نَتَقَبَّل عَنْهُمْ أَحْسَن" بِمَعْنَى حَسَن "مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَز عَنْ سَيِّئَاتهمْ فِي أَصْحَاب الْجَنَّة" حَال أَيْ كَائِنِينَ فِي جُمْلَتهمْ "وَعْد الصِّدْق الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ" فِي قَوْله تَعَالَى "وَعَدَ اللَّه الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَات جَنَّات"

یہی وہ لوگ یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں جنہوں نے کہا ہے لہٰذا ہم ان سے وہ سب سے اچھے عمل قبول کرتے ہیں۔ یہاں پر اَحسن بہ معنی حسن ہے۔ جو انھوں نے کیے اور ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں، یہی جنت والوں میں ہیں۔ یہاں پر اصحاب الجنة یہ کائنین فی جملتهم سے حال ہے۔ سچے وعدے کے مطابق جو ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان مرد و عورتوں کیلئے جنتوں کا وعدہ کیا ہے۔

درگزر کرنے والوں کیلئے جنت کا بیان

ایسے مؤمن مسلمان جن کے یہ حالات ہوں جو اوپر گزرے ہیں ان کی حسنات قبول کر لی جاتی ہیں اور گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں یہ حکم بھی عام ہے، اگر اس کے سبب نزول صدیق اکبر ہوں تو وہ اس کے پہلے مصداق ہوں گے۔ حضرت علی کے ارشاد ذیل سے بھی آیت کے مفہوم کا عام ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں سند کے ساتھ محمد ابن حاطب کی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ کی خدمت میں حاضر تھا، اس وقت ان کے پاس کچھ دوسرے حضرات بھی موجود تھے جنہوں نے حضرت عثمان پر کچھ عیب لگائے اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ، ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ، بخدا اس آیت کے مصداق حضرت عثمان اور ان کے ساتھی ہیں۔ یہ بات حضرت علی نے تین مرتبہ فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احقاف، بیروت)

وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ
اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ○
اور جس نے اپنے والدین سے کہا تم سے بیزاری ہے، تم مجھے وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی
امتیں گزر چکیں اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کرنے لگے، تو ہلاک ہوگا، ایمان لے آ، بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے۔
تو وہ کہتا ہے، یہ اگلے لوگوں کے جھوٹے افسانوں کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

والدین سے تکلیف دہ کلام کرنے کی ممانعت کا بیان

"وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ" وَفِی قِرَاءَ ةٍ بِالْإِدْغَامِ أُرِیدَ بِهِ الْجِنْس "أُفٍّ" بِكَسْرِ الْفَاء وَفَتْحهَا بِمَعْنَی مَصْدَر أَیْ نَتْنًا وَقُبْحًا "لَكُمَا" أَتَضَجَّر مِنْكُمَا "أَتَعِدَانِنِی" وَفِی قِرَاءَ ةٍ بِالْإِدْغَامِ "أَنْ أُخْرَجَ" مِنْ الْقَبْر "وَقَدْ خَلَتْ الْقُرُون" الْأُمَم "مِنْ قَبْلِی" وَلَمْ تَخْرُج مِنْ الْقُبُور "وَهُمَا یَسْتَغِیثَانِ اللّٰه" یَسْأَلَانِهِ الْغَوْث بِرُجُوعِهِ وَیَقُولُونَ إِنْ لَمْ تَرْجِع "وَیْلك" أَیْ هَلَاكك بِمَعْنَی هَلَكْت "آمِنْ" بِالْبَعْثِ "إِنَّ وَعْد اللّٰه حَقّ فَیَقُول مَا هَذَا" أَیْ الْقَوْل بِالْبَعْثِ "إِلَّا أَسَاطِیر الْأَوَّلِینَ" أَكَاذِیبهمْ،

اور جس نے اپنے والدین سے کہا، تم سے بیزاری ہے، یہاں پر لفظ اُف ایک قرأت کے مطابق یہ ادغام کیساتھ آیا ہے۔ جس سے جنس مراد لی گئی ہے اور یہ لفظ فاء کی کسرہ اور اس کی فتحہ کے مصدری معنی کے طور پر بھی آیا ہے۔ یعنی تمہارے لئے بدبو اور قباحت ہے تم مجھے یہ وعدہ دیتے ہو، یہاں پر اَتعدانی یہ ایک ادغام کے ساتھ بھی آیا ہے۔ کہ میں قبر سے دوبارہ زندہ کر کے نکالا جاؤں گا۔ حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکیں۔ جبکہ وہ قبروں سے نہیں نکالی گئیں۔ اب وہ دونوں ماں باپ اللہ سے فریاد کرنے لگے یعنی ایمان کی طرف اس کے لوٹنے کیلئے لوٹنے کی مدد مانگتے ہیں۔ اور لڑکے سے کہا کہ اگر تو نہ لوٹا تو ہلاک ہوگا۔ جو بہ معنی ہلاکت ہے اے لڑکے ایمان لے آ، بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے۔ تو وہ جواب میں کہتا ہے: یہ بعث کا قول اگلے لوگوں کے جھوٹے افسانوں کے سوا کچھ نہیں ہیں یعنی ان کے جھوٹ ہیں۔

کافر فاجر کے والدین کی نافرمانی کرنے کا بیان

حضرت حسن اور حضرت قتادہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کافر فاجر ماں باپ کا نافرمان اور مر کر جی اٹھنے کا منکر ہے، ابن عساکر کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ چار شخصوں پر اللہ عزوجل نے اپنے عرش پر سے لعنت کی ہے اور اس پر فرشتوں نے آمین کہی ہے جو کسی مسکین کو بہکائے اور کہے کہ آ ؤ تجھے کچھ دوں گا اور جب وہ آئے تو کہدے کہ میرے پاس تو کچھ نہیں اور جو ماعون سے کہے سب حاضر ہے حالانکہ اس کے آگے کچھ نہ ہو۔ اور وہ لوگ جو کسی کو اس کے اس سوال کے جواب میں فلاں کا مکان

کونسا ہے؟ کسی دوسرے کا مکان بتا دیں اور وہ جو اپنے ماں باپ کو مارے یہاں تک کہ تنگ آ جائیں اور چیخ و پکار کرنے لگیں۔ پھر فرماتا ہے ہر ایک کے لئے اس کی برائی کے مطابق سزا ہے اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بلکہ اس سے بھی کم کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں جہنم کے درجے نیچے ہیں اور جنت کے درجے اونچے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احقاف، بیروت)

والدین کی نافرمانی کی ممانعت کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمائی کرنا، ناحق کسی کو مار ڈالنا اور جھوٹی قسم کھانا بڑے گناہ ہیں (صحیح البخاری) اور حضرت انس کی روایت میں " جھوٹی قسم کھانا" کے بجائے" جھوٹی گواہی دینا" کی الفاظ ہیں۔" (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 47)

عقوق" کے ایک معنی ایذاء دینے کے بھی آتے ہیں، لہٰذا شریعت نے نہ صرف یہ کہ والدین کی نافرمانی کو بڑا گناہ قرار دیا ہے بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ مسلمان ماں باپ کو نہ کوئی اذیت پہنچائی جائے اور نہ ان کو ناحق ستایا جائے، ویسے کافر ماں باپ کو بھی اذیت پہنچانے سے روکا گیا ہے، لیکن ان کو کفر کی لعنت سے نکالنے اور قبول اسلام پر آمادہ کرنے کے لئے ان کے ساتھ تھوڑے بہت سخت برتاؤ کی اجازت ہے، بشرطیکہ وہ سخت برتاؤ قطعی طور پر ناگزیر ہو اور اخلاق وانسانیت سے گرا ہوا نہ ہو۔

تفسیر عزیزی میں ارشاد ربانی (ایت وبالوالدین احسانا) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کا حکم بطور خاص تین باتوں کو شامل ہے اور یہ کہ ان کو کسی قسم کی اذیت نہ پہنچائے خواہ ہاتھ سے ہو یا زبان وغیرہ سے، یعنی نہ تو ان کو مار پیٹ کر تکلیف پہنچائے اور نہ ان کے ساتھ بدزبانی وبدکلامی کرے، دوسرے یہ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے جان ومال دونوں طرح سے ان کی خدمت کرے اور تیسرے یہ کہ ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرے اور وہ جس وقت اور جس ضرورت سے بلائیں فوراً ان کے پاس حاضر ہو جائے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا
خٰسِرِيْنَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝
یہی وہ لوگ ہیں جن پر بات ثابت ہوگئی ان امتوں سمیت جو جن وانس میں سے ان سے پہلے گزر چکیں، یقیناً وہ خسارہ پانے والے تھے۔

اور سب کے لئے ان اعمال کی وجہ سے جو انہوں نے کئے درجات مقرر ہیں تا کہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اہل ایمان اور جہنمیوں کے آخرت میں الگ درجات کا بیان

"أُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ" وَجَبَ "عَلَيْهِمْ الْقَوْل" بِالْعَذَابِ، "وَلِكُلّ" مِنْ جِنْس الْمُؤْمِن وَالْكَافِر "دَرَجَات" فَدَرَجَات الْمُؤْمِنِينَ فِي الْجَنَّة عَالِيَة وَدَرَجَات الْكَافِرِينَ فِي النَّار سَافِلَة "مِمَّا

عَمِلُوا" أَیْ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ الطَّاعَاتِ وَالْکَافِرُونَ مِنَ الْمَعَاصِی "وَلِیُوَفِّیَهُمْ" أَیْ اللّٰهُ وَفِی قِرَاءَ ةٍ بِالنُّونِ "أَعْمَالَهُمْ" أَیْ جَزَاءَهَا "وَهُمْ لَا یُظْلَمُونَ" شَیْئًا یُنْقَصُ لِلْمُؤْمِنِینَ وَیُزَادُ لِلْکُفَّارِ،

یہی وہ لوگ ہیں جن پر عذاب کی بات ثابت ہوگئی ان امتوں سمیت جو جن وانس میں سے ان سے پہلے گزر چکیں، یقیناً وہ خسارہ پانے والے تھے۔

اور سب یعنی مؤمن وکافر کے لئے ان نیک وبد اعمال کی وجہ سے جوانہوں نے کئے جنت میں اونچے اوردوزخ میں میں نیچے الگ الگ درجات مقرر ہیں۔یعنی اہل ایمان نے نیک اعمال کیےاور کفار نے برے اعمال کیے۔تا کہ اللہ ان کوان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے۔ایک قرأت میں یوفی کہ بہ جائے نوفی یعنی نون کے ساتھ آیا ہے۔اوران پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔کوئی چیز اہل ایمان سے کم نہ کی جائے گی اور کوئی چیز کفار پر زیادہ نہ کی جائے گی۔

یعنی منازل ومراتب ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک روز قیامت جنت کے درجات بلند ہوتے چلے جاتے ہیں اور جہنم کے درجات پست ہوتے چلے جاتے ہیں تو جن کے عمل اچھے ہوں وہ جنت کے اونچے درجے میں ہوں گے اور جو کفرومعصیّت میں انتہا کو پہنچ گئے ہوں وہ جہنم کے سب سے نیچے درجے میں ہوں گے۔

وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَلَی النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِکُمْ فِیْ حَیَاتِکُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ
فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا کُنْتُمْ تَسْتَکْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا کُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝
اور جس دن وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، آگ پر پیش کیے جائیں گے، تم اپنی نیکیاں اپنی دنیا کی زندگی میں لے جا چکے
اور تم ان سے فائدہ اٹھا چکے، سو آج تمھیں ذلت کے عذاب کا بدلہ دیا جائے گا، اس لیے کہ تم زمین میں کسی حق کے
بغیر تکبر کرتے تھے اور اس لیے کہ تم نافرمانی کیا کرتے تھے۔

کفار کودنیاوی آسائشیں یاد دلا کر جہنم میں ڈال دیئے جانے کا بیان

"وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِینَ کَفَرُوا عَلَى النَّارِ" بِأَنْ تُکْشَفَ لَهُمْ یُقَالُ لَهُمْ "أَذْهَبْتُمْ" بِهَمْزَةٍ وَبِهَمْزَتَیْنِ وَبِهَمْزَةٍ وَمَدَّةٍ وَبِهِمَا وَتَسْهِیلِ الثَّانِیَةِ "طَیِّبَاتِکُمْ" بِاشْتِغَالِکُمْ بِلَذَّاتِکُمْ "فِی حَیَاتِکُمْ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ" تَمَتَّعْتُمْ "بِهَا فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ" أَیْ الْهَوَانِ "بِمَا کُنْتُمْ تَسْتَکْبِرُونَ" تَتَکَبَّرُونَ "فِی الْأَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا کُنْتُمْ تَفْسُقُونَ" بِهِ وَتُعَذَّبُونَ بِهَا،

اور جس دن وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، آگ پر پیش کیے جائیں گے، اور دوزخ سے پردے ہٹا دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا۔تم اپنی نیکیاں اپنی دنیا کی زندگی میں لے جا چکے اور تم ان سے فائدہ اٹھا چکے، کلا، یہاں پر اَذْھبتم ایک ہمزہ اور دو ہمزوں کے ساتھ بھی آیا ہے۔ایک ہمزہ اور مدت کے ساتھ اوران دونوں کے ساتھ بھی اور دوسرے ہمزے کی تسہیل کے ساتھ بھی

آیا ہے۔یعنی دنیا لذتیں اٹھا چکے ہو۔سو آج تمہیں ذلت کے عذاب کا بدلہ دیا جائے گا، اس لیے کہ تم زمین میں کسی حق کے بغیر تکبر کرتے تھے اور اس لیے کہ تم نافرمانی کیا کرتے تھے۔لہٰذا اسی کے سبب تمہیں عذاب دیا جائے گا۔

دنیا لذات میں رہنے والے کفار کا بیان

کفار کو خطاب کر کے یہ کہا جائے گا کہ تم نے اگر کچھ اچھے کام دنیا میں کئے تھے تو ان کا بدلہ بھی تمہیں دنیوی نعمتوں اور عیش وعشرت کی صورت میں دیا جا چکا ہے اب آخرت میں تمہارا کچھ حصہ باقی نہیں رہا۔یہ خطاب کفار کو ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے نیک اعمال جو ایمان نہ لانے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک مقبول نہیں آخرت میں تو ان کی کوئی قیمت نہیں مگر دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کا بدلہ اس کو دیدیتے ہیں۔کفار فجار کو مال و دولت اور عزت وجاہت وغیرہ جو دنیا میں ملتا ہے وہ ان کے نیک اعمال، سخاوت، ہمدردی، سچائی وغیرہ کا بدلہ ہوتا ہے۔ مؤمنین کے لئے یہ حکم نہیں ہے کہ اگر ان کو دنیا میں کوئی نعمت مال و دولت وغیرہ مل جائیں تو آخرت کے حق سے محروم ہو جائیں۔

اس آیت میں کفار کو عتاب وعقاب ان کے دنیوی لذتوں میں منہمک رہنے کی بناء پر کیا گیا۔اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین نے لذائذ دنیا کو ترک کرنے کی عادت بنالی جیسا کہ ان کی سیرت اس پر شاہد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن بھیجنے کے وقت یہ وصیت فرمائی تھی کہ دنیا کے تنعم سے پرہیز کرتے رہنا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے تھوڑا رزق لینے پر راضی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہو جاتے ہیں۔(تفسیر بغوی، سورہ احقاف، بیروت)

حضرت ابو جعفر فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو دنیا میں کی ہوئی اپنی نیکیاں قیامت کے دن گم پائیں گے اور ان سے یہی کہا جائے گا۔پھر فرماتا ہے آج انہیں ذلت کے عذابوں کی سزا دی جائے گی ان کے تکبر اور ان کے فسق کی وجہ سے جیسا عمل ویسا ہی بدلہ ملا۔دنیا میں یہ ناز ونعمت سے اپنی جانوں کو پالنے والے اور نخوت و بڑائی سے اتباع حق کو چھوڑنے والے اور برائیوں اور نافرمانیوں میں ہمہ تن مشغول رہنے والے تھے تو آج قیامت کے دن انہیں اہانت اور رسوائی والے عذاب اور سخت دردناک سزائیں اور ہائے وائے اور افسوس وحسرت کے ساتھ جہنم کے نیچے کے طبقوں میں جگہ ملے گی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں ان سب باتوں سے محفوظ رکھے۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ احقاف، بیروت)

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ ۖ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ
أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ٥
اور (اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم) آپ قوم عاد کے بھائی (ہود علیہ السلام) کا ذکر کیجئے، جب انہوں نے احقاف میں
اپنی قوم کو ڈرایا حالانکہ اس سے پہلے اور اس کے بعد ڈرانے والے گزر چکے تھے کہ تم اللہ کے سوا کسی اور
کی پرستش نہ کرنا، مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر بڑے دن کا عذاب (نہ) آ جائے۔

حضرت ہود علیہ السلام اور وادی احقاف کا بیان

"وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ" هُوَ هُود عَلَيْهِ السَّلَام "إِذْ" إِلَخْ بَدَل اشْتِمَال "أَنْذَرَ قَوْمه" خَوَّفَهُمْ "بِالْأَحْقَافِ" وَادٍ بِالْيَمَنِ بِهِ مَنَازِلهم "وَقَدْ خَلَتْ النُّذُر" مَضَتْ الرُّسُل "مِنْ بَيْن يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفه" أَيْ مِنْ قَبْل هُود وَمِنْ بَعْده إِلَى أَقْوَامهمْ "أَنْ" أَيْ بِأَنْ قَالَ "لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّه" وَجُمْلَة "وَقَدْ خَلَتْ" مُعْتَرِضَة "إِنِّي أَخَاف عَلَيْكُمْ" إِنْ عَبَدْتُمْ غَيْر اللَّه،

اور (اے حبیب ﷺ) آپ قوم عاد کے بھائی ہود علیہ السلام کا ذکر کیجئے، یہاں پر اذ سے لے کر اُخا عاد تک یہ بدل اشتمال ہے۔ جب انہوں نے اَحقاف میں اپنی قوم کو ڈرایا۔ احقاف یمن کی ایک وادی ہے جہاں ان کے مکانات تھے۔ حالانکہ اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی کئی ڈرانے والے پیغمبر گزر چکے تھے یعنی ہود علیہ السلام سے پہلے اور ان کے بعد کئی اقوام گزر چکی ہیں فرمایا کہ تم اللہ کے سوا کسی اور کی پرستش نہ کرنا، یہاں پر جملہ قد خلت یہ معترضہ ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم غیر اللہ کی عبادت کی وجہ سے تم پر بڑے ہولناک دن کا عذاب نہ آ جائے۔

وادی احقاف والوں کی ہلاکت کا بیان

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کو جھٹلائے تو آپ اگلے انبیاء کے واقعات یاد کر لیجئے کہ ان کی قوم نے بھی ان کی تکذیب کی عادیوں کے بھائی سے مراد حضرت ہود پیغمبر ہیں علیہ السلام والصلوۃ۔ انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عاد اولیٰ کی طرف بھیجا تھا جو احقاف میں رہتے تھے احقاف جمع ہے حقف کی اور حقف کہتے ہیں ریت کے پہاڑ کو۔ مطلق پہاڑ اور غار اور حضرموت کی وادی جس کا نام برہوت ہے جہاں کفار کی روحیں ڈالی جاتی ہیں یہ مطلب بھی احقاف کا بیان کیا گیا ہے۔

قتادہ کا قول ہے کہ یمن میں سمندر کے کنارے ریت کے ٹیلوں میں ایک جگہ تھی جس کا نام شہر تھا یہاں یہ لوگ آباد تھے امام ابن ماجہ نے باب باندھا ہے کہ جب دعا مانگے تو اپنے نفس سے شروع کرے اس میں ایک حدیث لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہم پر اور عادیوں کے بھائی پر رحم کرے پھر فرماتا ہے کہ اللہ عزوجل نے ان کے اردگرد کے شہروں میں بھی اپنے رسول مبعوث فرمائے تھے۔ جیسے اور آیت میں ہے آیت (**فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ**، البقرۃ:66) اور جیسے اللہ جل وعلا کا فرمان ہے آیت (**فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ**، فصلت:13)، پھر فرماتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم موحد بن جاؤ ورنہ تمہیں اس بڑے بھاری دن میں عذاب ہوگا۔ جس پر قوم نے کہا کیا تو ہمیں ہمارے معبودوں سے روک رہا ہے؟ جا جس عذاب سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے وہ لے آ۔ یہ تو اپنے ذہن میں اسے محال جانتے تھے تو جرات کر کے جلد طلب کیا۔ جیسے کہ اور آیت میں ہے آیت (**يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا**، الشوریٰ:18) یعنی ایمان نہ لانے والے ہمارے عذابوں کے جلد آنے کی خواہش کرتے ہیں۔ اس

کے جواب میں ان کے پیغمبر نے کہا کہ اللہ ہی کو بہتر علم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احقاف، بیروت)

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ
اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَ اُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ لٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝
وہ کہنے لگے کہ کیا آپ ہمارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ کردیں، پس وہ لے آئیں
جس سے ہمیں ڈرا رہے ہیں اگر آپ سچوں میں سے ہیں۔ اس نے کہا یہ علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تمھیں
وہ پیغام پہنچاتا ہوں جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اور لیکن میں تمھیں ایسے لوگ دیکھتا ہوں کہ تم جہالت برتتے ہو۔

کفار کا عذاب کا مطالبہ کرنے کا بیان

"قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا" لِتَصْرِفَنَا عَنْ عِبَادَتهَا "فَأْتِنَا بِمَا تَعِدنَا" مِنْ الْعَذَاب عَلَى عِبَادَتهَا "إِنْ كُنْت مِنَ الصَّادِقِينَ" فِي أَنَّهُ يَأْتِينَا، "قَالَ" هُود "إِنَّمَا الْعِلْم عِنْد اللّٰه" هُوَ الَّذِي يَعْلَم مَتَى يَأْتِيكُمْ الْعَذَاب "وَأُبَلِّغكُمْ مَا أُرْسِلْت بِهِ" إِلَيْكُمْ "وَلَكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ" بِاسْتِعْجَالِكُمْ الْعَذَاب،

وہ کہنے لگے کہ کیا آپ ہمارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ کردیں، یعنی ہمیں اپنے معبودوں کی عبادت سے پھیر دیں۔ پس وہ عذاب لے آئیں جس کے سبب ہمیں بتوں کی عبادت سے ڈرا رہے ہیں اگر آپ اس کے لانے پر سچوں میں سے ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام نے کہا یہ علم تو اللہ ہی کے پاس ہے یعنی وہ جانتا ہے کہ وہ تم پر عذاب کب لائے گا۔ اور میں تمھیں وہ پیغام پہنچاتا ہوں جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اور لیکن میں تمھیں ایسے لوگ دیکھتا ہوں کہ تم جلدی عذاب کو طلب کر کے جہالت برتتے ہو۔

اگر وہ تمہیں اسی لائق جانے گا تو تم پر عذاب بھیج دے گا۔ میرا منصب تو صرف اتنا ہی ہے کہ میں اپنے رب کی رسالت تمہیں پہنچا دوں لیکن میں جانتا ہوں کہ تم بالکل بے عقل اور بیوقوف لوگ ہو اب اللہ کا عذاب آ گیا انہوں نے دیکھا کہ ایک کالا ابر ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے چونکہ خشک سالی تھی گرمی سخت تھی یہ خوشیاں منانے لگے کہ اچھا ہوا ابر چڑھا ہے اور اسی طرف رخ ہے اب بارش برسے گی۔ دراصل ابر کی صورت میں یہ وہ قہر الٰہی تھا جس کے آنے کی وہ جلدی مچا رہے تھے اس میں وہ عذاب تھا جسے حضرت ہود سے یہ طلب کر رہے تھے وہ عذاب ان کی بستیوں کی تمام ان چیزوں کو بھی جن کی بربادی ہونے والی تھی تہس نہس کرتا ہوا آیا اور اسی کا اسے اللہ کا حکم تھا جیسے اور آیت میں ہے آیت (مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ، الذاریات:42) یعنی جس چیز پر وہ گذر جاتی تھی اسے چورا چورا کر دیتی تھی۔ پس سب کے سب ہلاک و تباہ ہو گئے ایک بھی نہ بچ سکا۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

توجب انھوں نے اسے ایک بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کا رخ کیے ہوئے دیکھا تو انھوں نے کہا یہ بادل ہے جو ہم پر مینہ برسانے والا ہے۔ بلکہ یہ وہ ہے جو تم نے جلدی مانگا تھا، آندھی ہے، جس میں دردناک عذاب ہے۔

قوم ہود پر بادل کی صورت میں عذاب آنے کا بیان

"فَلَمَّا رَأَوْهُ" أَيْ مَا هُوَ الْعَذَاب "عَارِضًا" سَحَابًا عَرَضَ فِي أُفُق السَّمَاء "مُسْتَقْبِل أَوْدِيَتهمْ قَالُوا هَذَا عَارِض مُمْطِرنَا" أَيْ مُمْطِر إيَّانَا "بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ" مِنْ الْعَذَاب "رِيح" بَدَل مِنْ مَا "فِيهَا عَذَاب أَلِيم" مُؤْلِم،

توجب انھوں نے اسے یعنی عذاب کوایک بادل کی صورت میں اپنی وادیوں کا رخ کیے ہوئے دیکھا جو دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر پھیل گیا۔ تو انھوں نے کہا یہ بادل ہے جو ہم پر مینہ برسانے والا ہے۔ بلکہ یہ وہ عذاب ہے جو تم نے جلدی مانگا تھا، آندھی ہے، یہاں پر لفظ ریح یہ ما سے بدل ہے۔ جس میں دردناک عذاب ہے۔

سورت احقاف آیت ۲۴ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بادل دیکھتے تو اندر آتے اور باہر جاتے پھر جب بارش ہونے لگتی تو خوش ہو جاتے۔ فرماتی ہیں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معلوم نہیں شاید یہ اس طرح جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ (فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ، پھر جب انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک ابر ہے جو ہم پر برسے گا۔ (نہیں) بلکہ یہ وہی ہے جسے تم جلدی چاہتے تھے یعنی آندھی جس میں دردناک عذاب ہے)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1205)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ جب کبھی ابر یا آندھی دیکھتے تو آپ ﷺ کے چہرے پر فکر معلوم ہوتی۔ میں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ لوگ تو جب بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش ہوگی۔ لیکن میں دیکھتی ہوں کہ جب بادل آئے تو آپ کے چہرہ پر ناگواری معلوم ہوتی ہے؟" آپ نے فرمایا: "عائشہ رضی اللہ عنہا! مجھے یہ خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ کہیں اس میں عذاب نہ ہو۔ ایک قوم (عاد) پر آندھی کا عذاب آیا۔ جب انہوں نے بادل دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسنے والا ہے۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر)

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

جو ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے برباد کر دے گی، پس وہ اس طرح ہو گئے کہ ان کے رہنے کی جگہوں کے سوا

کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی، اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو بدلہ دیتے ہیں۔

عذاب کے طوفان کا زمین وآسمان کے درمیان معلق کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا بیان

"تُدَمِّرُ" تُهْلِكُ "كُلَّ شَيْءٍ" مَرَّتْ عَلَيْهِ "بِأَمْرِ رَبِّهَا" بِإِرَادَتِهِ أَيْ كُلَّ شَيْءٍ أَرَادَ إِهْلَاكَهُ بِهَا فَأَهْلَكَتْ رِجَالَهُمْ وَنِسَاءَهُمْ وَصِغَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ طَارَتْ بِذَلِكَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَمَزَّقَتْهُ وَبَقِيَ هُودٌ وَمَنْ آمَنَ مَعَهُ "فَأَصْبَحُوا لَا يُرَى إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ كَذَلِكَ" كَمَا جَزَيْنَاهُمْ "نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ" غَيْرَهُمْ،

جو ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے برباد کر دے گی، یہاں پر ہر چیز سے مراد ہر چیز کی ہلاکت کا ارادہ ہے۔ پس ان کے مرد عورتیں، ان کے چھوٹے اور ان کے اموال کو ہلاک کر دیا اور وہ اس طرح انہیں زمین وآسمان کے درمیان تک لے اڑا۔ اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جبکہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان والے محفوظ رہے۔ پس وہ اس طرح ہو گئے کہ ان کے رہنے کی جگہوں کے سوا کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی، اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو بدلہ دیتے ہیں۔ یعنی ان کے علاوہ بھی مجرموں کو ہم ایسے ہی سزا دیتے ہیں۔

چنانچہ اس آندھی کے عذاب نے ان کے مردوں، عورتوں، چھوٹوں، بڑوں کو ہلاک کر دیا، ان کے اموال آسمان وزمین کے درمیان اڑتے پھرتے تھے، چیزیں پارہ پارہ ہو گئیں، حضرت ہود علیہ السلام نے اپنے اور اپنے اوپر ایمان لانے والوں کے گرد ایک خط کھینچ دیا تھا ہوا، جب اس خط کے اندر آتی تو نہایت نرم، پاکیزہ، فرحت انگیز، سرد۔ اور وہی ہوا قوم پر شدید، سخت، مہلک، اور یہ حضرت ہود علیہ السلام کا ایک معجزہ عظیمہ تھا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ احقاف، لاہور)

سات رات اور آٹھ دن مسلسل ہوا کا وہ غضب ناک طوفان چلا جس کے سامنے درخت، آدمی اور جانوروں کی حقیقت تنکوں سے زیادہ نہ تھی۔ ہر چیز ہوا نے اکھاڑ پھینکی اور چاروں طرف تباہی نازل ہوگئی۔ آخر مکانوں کے کھنڈرات کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ دیکھ لیا! اللہ کے مجرموں کا حال یہ ہوتا ہے۔ چاہیے کہ ان واقعات کو سن کر ہوش میں آؤ۔ ورنہ تمہارا بھی یہی حال ہو سکتا ہے۔

قوم کے عاد کے قاصد کے معروف واقعہ کا بیان

حضرت حارث کہتے ہیں میں علا ابن حضرمی کی شکایت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہا تھا ربذہ میں مجھے بنو تمیم کی ایک بڑھیا ملی جس کے پاس سواری وغیرہ نہ تھی مجھ سے کہنے لگی اے اللہ کے بندے میرا ایک کام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کیا تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دے گا؟ میں نے اقرار کیا اور انہیں اپنی سواری پر بٹھا لیا اور مدینہ شریف پہنچا میں نے دیکھا کہ مسجد شریف لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے سیاہ رنگ جھنڈا لہرا رہا ہے اور حضرت بلال تلوار لٹکائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہیں میں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ تو لوگوں نے مجھ سے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرو بن عاص کو کسی طرف بھیجنا چاہتے ہیں میں ایک طرف بیٹھ گیا جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی منزل یا اپنے خیمے میں تشریف لے گئے تو میں

بھی گیا اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر آپ کی خدمت میں باریاب ہوا۔

السلام علیکم کی تو آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے اور بنو تمیم کے درمیان کچھ رنجش تھی؟ میں نے کہا ہاں اور ہم ان پر غالب رہے تھے اور اب میرے اس سفر میں بنو تمیم کی ایک نادار بڑھیا راستے میں مجھے ملی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ میں اسے اپنے ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچاؤں چنانچہ میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں اور وہ دروازہ پر منتظر ہے آپ نے فرمایا اسے بھی اندر بلالو چنانچہ وہ آ گئیں میں نے کہا یا رسول اللہ اگر آپ ہم میں اور بنو تمیم میں کوئی روک کر سکتے ہیں تو اسے کر دیجئے اس پر بڑھیا کو حمیت لاحق ہوئی اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بول اٹھی کہ پھر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا مضطر کہاں قرار کرے گا؟ میں نے کہا سبحان اللہ میری تو وہی مثل ہوئی کہ "اپنے پاؤں میں آپ ہی کلہاڑی ماری" مجھے کیا خبر تھی کہ یہ میری ہی دشمنی کرے گی؟ ورنہ میں اسے لاتا ہی کیوں؟ اللہ کی پناہ واللہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھی مثل عادیوں کے قاصد کے ہو جاؤں۔

آپ نے دریافت فرمایا کہ عادیوں کے قاصد کا واقعہ کیا ہے؟ باوجود یکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے بہ نسبت میرے بہت زیادہ واقف تھے لیکن آپ کے فرمان پر میں نے وہ قصہ بیان کیا کہ عادیوں کی بستیوں میں جب سخت قحط سالی ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک قاصد قیل نامی روانہ کیا، یہ راستے میں معاویہ بن بکر کے ہاں آ کر ٹھہرا اور شراب پینے لگا اور اس کی دونوں کنیزوں کا گانا سننے میں جن کا نام جرادہ تھا اس قدر مشغول ہوا کہ مہینہ بھر تک یہیں پڑا رہا پھر چلا اور جبال مہرہ میں جا کر اس نے دعا کی کہ اللہ تو خوب جانتا ہے میں کسی مریض کی دوا کے لئے یا کسی قیدی کا فدیہ ادا کرنے کے لئے تو آیا نہیں الٰہی عادیوں کو وہ پلا جو تو نے انہیں پلانے والا ہے۔ چنانچہ چند سیاہ رنگ بادل اٹھے اور ان میں سے ایک آواز آئی کہ ان میں سے جسے تو چاہے پسند کر لے چنانچہ اس نے سخت سیاہ بادل کو پسند کر لیا اسی وقت ان میں سے ایک آواز آئی کہ اسے راکھ اور خاک بنانے والا کر دے تاکہ عادیوں میں سے کوئی باقی نہ رہے۔ کہا اور مجھے جہاں تک علم ہوا ہے یہی ہے کہ ہواؤں کے مخزن میں سے صرف پہلے ہی سوراخ سے ہوا چھوڑی گئی تھی جیسے میری اس انگوٹھی کا حلقہ اسی سے سب ہلاک ہو گئے۔

ابو وائل کہتے ہیں یہ بالکل ٹھیک نقل ہے عرب میں دستور تھا کہ جب کسی قاصد کو بھیجتے تو کہہ دیتے کہ عادیوں کے قاصد کی طرح نہ کرنا۔ یہ روایت ترمذی نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احقاف، بیروت)

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْئِدَةً
فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا
يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۝
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے انھیں ان چیزوں میں قدرت دی جن میں ہم نے تمھیں قدرت نہیں دی اور ہم نے ان
کے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تو نہ ان کے کان ان کے کسی کام آئے اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل،

کیونکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انھیں اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

کفار کے کان، آنکھ اور دلوں کا حق سے دور ہونے کا بیان

"وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا" فِي الَّذِي "إِنْ" نَافِيَة أَوْ زَائِدَة "مَكَّنَّاكُمْ" يَا أَهْل مَكَّة "فِيهِ" مِنْ الْقُوَّة وَالْمَال "وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا" بِمَعْنَى أَسْمَاعًا "وَأَبْصَارًا وَأَفْئِدَة" قُلُوبًا "فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ سَمْعهمْ وَلَا أَبْصَارهمْ وَلَا أَفْئِدَتهمْ مِنْ شَيْء" أَيْ شَيْئًا مِنْ الْإِغْنَاء وَمِنْ زَائِدَة "إِذْ" مَعْمُولَة لِأَغْنَى وَأُشْرِبَتْ مَعْنَى التَّعْلِيل "كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّه" بِحُجَجِهِ الْبَيِّنَة "وَحَاقَ" نَزَلَ "بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ" أَيْ الْعَذَاب،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے انھیں ان چیزوں میں قدرت دی۔ یہاں پر لفظ اِن نافیہ ہے یا زائدہ ہے۔ اے اہل مکہ جن میں ہم نے تمھیں قدرت نہیں دی یعنی طاقت اور مال میں انہیں قوت دی۔ اور ہم نے ان کے لیے کان، یہاں پر سمع بہ معنی اسماع آئے اور آنکھیں، اور دل بنائے تو نہ ان کے کان ان کے کسی کام آئے اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل، یعنی ان میں سے کوئی چیز ان کے کام نہ آئی۔ یہاں پر من زائدہ ہے۔ اور اِذ یہ اغنیٰ کا معمول ہے۔ جس معنی تعلیل کیلئے آیا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے یعنی واضح دلیل ہونے کے باوجود انکار کرتے تھے۔ اور انھیں اس چیز یعنی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

مغضوب شدہ قوموں کی نشاندہی کا بیان

ارشاد ہوتا ہے کہ اگلی امتوں کو جو اسباب دنیوی مال واولاد وغیرہ ہماری طرف سے دیئے گئے تھے ویسے تو تمہیں اب تک مہیا بھی نہیں ان کے بھی کان آنکھیں اور دل تھے لیکن جس وقت انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور ہمارے عذابوں کا مذاق اڑایا تو بالاخران کے ظاہری اسباب انہیں کچھ کام نہ آئے اور وہ سزائیں ان پر برس پڑیں جن کی یہ ہمیشہ ہنسی کرتے رہے تھے۔ پس تمہیں انکی طرح نہ ہونا چاہیے ایسا نہ ہو کہ انکے سے عذاب تم پر بھی آجائیں اور تم بھی ان کی طرح جڑ سے کاٹ دیئے جاؤ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اے اہل مکہ تم اپنے آس پاس ہی ایک نظر ڈالو اور دیکھو کہ کس قدر قومیں نیست ونابود کردی گئی ہیں اور کس طرح انہوں نے اپنے کرتوت بدلے پائے ہیں احقاف جو یمن کے پاس ہے۔

حضر موت کے علاقہ میں ہے یہاں کے بسنے والے عادیوں کے انجام پر نظر ڈالو تمہارے اور شام کے درمیان ثمودیوں کا جو حشر ہوا اسے دیکھو اہل یمن اور اہل مدین کی قوم سبا کے نتیجہ پر غور کرو تم تو اکثر غزوات اور تجارت وغیرہ کے لئے وہاں سے آتے جاتے رہتے ہو، بحیرہ قوم لوط سے عبرت حاصل کرو وہ بھی تمہارے راستے میں ہی پڑتا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، احقاف، بیروت)

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○

اور بیشک ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر ڈالا جو تمہارے ارد گرد تھیں اور ہم نے اپنی نشانیاں بار بار ظاہر کیں
تا کہ وہ رجوع کرلیں۔ پھر ان لوگوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی جنھیں انھوں نے قرب حاصل کرنے کے لیے اللہ
کے سوا معبود بنایا؟ بلکہ وہ ان سے گم ہو گئے اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور جو وہ بہتان باندھتے تھے۔

عذاب کے وقت معبودان باطلہ کے غائب ہو جانے کا بیان

"وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَى" أَيْ مِنْ أَهْلِهَا كَثَمُودِ وَعَادٍ وَقَوْم لُوط "وَصَرَّفْنَا الْآيَات" كَرَّرْنَا الْحُجَج الْبَيِّنَات،

"فَلَوْلَا" هَلَّا "نَصَرَهُمْ" بِدَفْعِ الْعَذَاب عَنْهُمْ "الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُون اللَّه " أَيْ غَيْره "قُرْبَانًا" مُتَقَرَّبًا بِهِمْ إلَى اللَّه "آلِهَة" مَعَهُ وَهُمْ الْأَصْنَام وَمَفْعُول اتَّخَذَ الْأَوَّل ضَمِير مَحْذُوف يَعُود عَلَى الْمَوْصُول أَيْ هُمْ وَقُرْبَانًا الثَّانِي وَآلِهَة بَدَل مِنْهُ "بَلْ ضَلُّوا" غَابُوا "عَنْهُمْ" عِنْد نُزُول الْعَذَاب "وَذَلِكَ" أَيْ اتِّخَاذهمْ الْأَصْنَام آلِهَة قُرْبَانًا "إفْكهمْ" كَذِبهمْ "وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ" يَكْذِبُونَ وَمَا مَصْدَرِيَّة أَوْ مَوْصُولَة وَالْعَائِد مَحْذُوف أَيْ فِيهِ،

اور (اے اہل مکہ!) بیشک ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر ڈالا جو تمہارے ارد گرد تھیں جس طرح ثمود اور قوم عاد اور قوم لوط ہے۔ اور ہم نے اپنی نشانیاں یعنی دلائل بار بار ظاہر کیے۔ تا کہ وہ کفر سے رجوع کرلیں۔

پھر ان لوگوں نے ان کی عذاب کو دور کر کے مدد کیوں نہ کی جنھیں انھوں نے قرب حاصل کرنے کے لیے اللہ کے سوا معبود بنایا؟ یعنی وہ جو بت ہیں۔ یہاں پر اتخذ وا کا مفعول اول ضمیر محذوف ہے جو موصول کی جانب لوٹنے والی ہے۔ اور وہ ضمیر ھم ہے۔ جبکہ قربانا یہ مفعول ثانی ہے۔ اور اسی سے الہہ بدل ہے۔ بلکہ وہ ان سے گم ہو گئے یعنی عذاب نازل ہونے کے وقت وہ غائب ہو گئے اور یہ بتوں کو معبود بنانا تا کہ قرب حاصل ہو جائے ان کا جھوٹ تھا اور جو وہ بہتان باندھتے تھے۔ یہاں پر لفظ ما مصدریہ ہے یا موصولہ ہے اور اس میں لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے یعنی فیہ ہے۔

پھر فرماتا ہے ہم نے اپنی نشانیوں اور آیتوں سے خوب واضح کر دیا ہے تا کہ لوگ برائیوں سے بھلائیوں کی طرف لوٹ آئیں پھر فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا جن جن معبودان باطل کی پرستش شروع کر رکھی تھی گو اس میں ان کا اپنا خیال تھا کہ اس کی وجہ سے ہم قرب الٰہی حاصل کریں گے، لیکن کیا ہمارے عذابوں کے وقت جبکہ ان کو ان کی مدد کی پوری ضرورت تھی انہوں نے ان کی کسی طرح مدد کی؟ ہرگز نہیں بلکہ ان کی احتیاج اور مصیبت کے وقت وہ گم ہو گئے ان سے بھاگ گئے ان کا پتہ بھی نہ چلا الغرض ان کا پوجنا صریح غلطی تھی غرض جھوٹ تھا اور صاف افتراء اور فضول بہتان تھا کہ یہ انہیں معبود سمجھ رہے تھے پس ان کی عبادت کرنے میں اور ان پر اعتماد کرنے میں یہ دھوکے میں اور نقصان میں ہی رہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احقاف، بیروت)

وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ

قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝

اور جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا جو قرآن غور سے سنتے تھے۔ پھر جب وہ وہاں حاضر ہوئے

تو انہوں نے کہا: خاموش رہو، پھر جب ختم ہو گیا تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے والے بن کر واپس گئے۔

نبی کریم ﷺ سے قرآن سن کر جنات کے اسلام قبول کرنے کا بیان

"وَ" "إِذْ صَرَفْنَا" أَمَلْنَا "إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ" جِنّ نَصِيبِينَ بِالْيَمَنِ أَوْ جِنّ نِينَوَى وَكَانُوا سَبْعَة أَوْ تِسْعَة (وَكَانَ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَطْنِ نَخْل يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ الْفَجْر) رَوَاهُ الشَّيْخَانِ "يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآن فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا" أَيْ قَالَ بَعْضهمْ لِبَعْضٍ "أَنْصِتُوا" اصْغَوْا لِاسْتِمَاعِهِ "فَلَمَّا قُضِيَ" فُرِغَ مِنْ قِرَاءَته "وَلَّوْا" رَجَعُوا "إِلَى قَوْمهمْ مُنْذِرِينَ" مُخَوِّفِينَ قَوْمهمْ الْعَذَاب إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا وَكَانُوا يَهُودًا وَقَدْ أَسْلَمُوا،

اور اے حبیب ﷺ جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا۔ وہ نصیبین جن جو یمن یا نینوئی کے تھے۔ جو سات یا نو تھے۔ اور نبی کریم ﷺ اس وقت بطن نخلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز فجر پڑھا رہے تھے۔ اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ جو قرآن غور سے سنتے تھے۔ پھر جب وہ وہاں یعنی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے آپس میں کہا خاموش رہو، پھر جب پڑھنا ختم ہو گیا یعنی آپ ﷺ قرأت سے فارغ ہوئے۔ تو وہ اپنی قوم کی طرف عذاب ڈر سنانے والے بن کر واپس گئے۔ یعنی انہوں نے اپنی قوم کو ڈرایا کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو عذاب ہوگا اور وہ یہودی تھے پس اب انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا۔

طائف سے واپسی پر جنات نے کلام الٰہی سنا، شیطان بوکھلایا

مسند امام احمد میں حضرت زبیر سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ یہ واقعہ نخلہ کا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز عشاء ادا کر رہے تھے، یہ سب جنات سمٹ کر آپ کے اردگرد بھیڑ کی شکل میں کھڑے ہو گئے ابن عباس کی روایت میں ہے کہ یہ جنات (نصیبین) کے تھے تعداد میں سات تھے کتاب دلائل النبوۃ میں بروایت ابن عباس مروی ہے کہ نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو سنانے کی غرض سے قرآن پڑھا تھا نہ آپ نے انہیں دیکھا آپ تو اپنے صحابہ کے ساتھ عکاظ کے بازار جا رہے تھے ادھر یہ ہوا تھا شیاطین کے اور آسمانوں کی خبروں کے درمیان روک ہو گئی تھی اور ان پر شعلے برسنے شروع ہو گئے تھے۔ شیاطین نے آ کر اپنی قوم کو یہ خبر دی تو انہوں نے کہا کوئی نہ کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے جاؤ تلاش کرو پس یہ نکل کھڑے ہوئے ان میں کی جو جماعت عرب کی طرف متوجہ ہوئی تھی وہ جب یہاں پہنچی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوق عکاظ کی طرف جاتے ہوئے نخلہ میں

اپنے اصحاب کی نماز پڑھا رہے تھے ان کے کانوں میں جب آپ کی تلاوت کی آواز پہنچی تو یہ ٹھہر گئے اور کان لگا کر بغور سننے لگے اسکے بعد انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ بس یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے تمہارا آسمانوں تک پہنچنا موقوف کردیا گیا ہے یہاں سے فوراً ہی واپس لوٹ کر اپنی قوم کے پاس پہنچے اور ان سے کہنے لگے ہم نے عجیب قرآن سنا جو نیکی کا رہبر ہے ہم تو اس پر ایمان لا چکے اور اقرار کرتے ہیں کہ اب ناممکن ہے کہ اللہ کے ساتھ ہم کسی اور کو شریک کریں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احقاف، بیروت)

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ
يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ٠
انھوں نے کہا اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے، اس کی تصدیق
کرنے والی ہے جو اس سے پہلے ہے، وہ حق کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

جنات کا اپنی قوم کو دعوت اسلام دینے کا بیان

"قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا" هُوَ الْقُرْآن "أُنْزِلَ مِنْ بَعْد مُوسَى مُصَدِّقًا لِمَا بَيْن يَدَيْهِ" أَيْ تَقَدَّمه كَالتَّوْرَاةِ "يَهْدِي إِلَى الْحَقّ" الْإِسْلَام "وَإِلَى طَرِيق مُسْتَقِيم" أَيْ طَرِيقه

انھوں نے کہا اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک ایسی کتاب یعنی قرآن سنا ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کیا گیا ہے، اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے تورات ہے، وہ حق یعنی اسلام کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

عطاء نے کہا چونکہ وہ جن دین یہودیت پر تھے اس لئے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا اور حضرت علیہ السلام کی کتاب کا نام نہ لیا۔ بعض مفسرین نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب کا نام نہ لینے کا باعث یہ ہے کہ اس میں صرف مواعظ ہیں، احکام بہت ہی کم ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ احقاف، لاہور)

اب بیان ہورہا ہے جنات کے اس وعظ کا جو انہوں نے اپنی قوم میں کیا۔ فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کو سنا ہے جو حضرت موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے حضرت عیسیٰ کی کتاب انجیل کا ذکر اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ دراصل توراۃ پوری کرنے والی تھی۔ اس میں زیادہ تر وعظ کے اور دل کو نرم کرنے کے بیانات تھے حرام حلال کے مسائل بہت کم تھے پس اصل چیز توراۃ ہی رہی اسی لئے ان مسلم جنات نے اسی کا ذکر کیا اور اسی بات کو پیش نظر رکھ کر حضرت ورقہ بن نوفل نے جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضرت جبرائیل کے اول دفعہ آنے کا حال سنا تو کہا تھا کہ واہ واہ یہی تو وہ مبارک وجود اللہ کے رازداں کا ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس آیا کرتے تھے کاش کہ میں اور کچھ زمانہ زندہ رہتا، الخ، پھر قرآن کی اور صفت بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے سے پہلے تمام آسمانی کتابوں کو سچا بتلاتا ہے۔

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ٠
اے ہماری قوم! تم اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول کرلو اور ان پر ایمان لے آؤ، اللہ تمہارے گناہ بخش

دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔

نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کے سبب گناہوں سے بخشش کا بیان

"يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّه" مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْإِيمَان "وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِر" اللَّه "لَكُمْ مِنْ ذُنُوبكُمْ" أَيْ بَعْضهَا لِأَنَّ مِنْهَا الْمَظَالِم وَلَا تُغْفَر إِلَّا بِرِضَا أَصْحَابهَا "وَيُجِرْكُمْ مِنْ عَذَاب أَلِيم" مُؤْلِم،

اے ہماری قوم! تم اللہ کی طرف بلانے والے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا کر آپ کی بات قبول کر لو اور ان پر ایمان لے آؤ تو اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور گناہوں میں بعض ایسے مظالم ہیں جن حقوق العباد ہیں اور صاحب حق کی مرضی کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔ اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔

پھر کہتے ہیں اے ہماری قوم اللہ کے داعی کی دعوت پر لبیک کہو۔ اس میں دلالت ہے اس امر کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس کی دونوں جماعتوں کی طرف اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اس لئے کہ آپ نے جنات کو اللہ کی طرف دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کریم کی وہ سورت پڑھی جس میں ان دونوں جماعتوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور ان کے نام احکام جاری فرمائے ہیں اور وعدہ وعید بیان کیا ہے یعنی سورہ الرحمن۔ پھر فرماتے ہیں ایسا کرنے سے وہ تمہارے بعض گناہ بخش دے گا۔ لیکن یہ اس صورت میں ہوسکتا ہے جب لفظ من کو زائدہ نہ مانیں، چنانچہ ایک قول مفسرین کا یہ بھی ہے اور قاعدے کے مطابق اثبات کے موقعہ پر لفظ من بہت ہی کم زائد آتا ہے اور اگر زائد مان لیا جائے تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور تمہیں اپنے المناک عذاب سے وہ چھٹکارا پالیں گے یہی ان کی نیک اعمالیوں کا بدلہ ہے اور اگر اس سے زیادہ مرتبہ بھی انہیں ملنے والا ہوتا تو اس مقام پر یہ مومن جن اسے ضرور بیان کر دیتے۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ مومن جن جنت میں نہیں جائیں گے اس لئے کہ وہ ابلیس کی اولاد سے ہیں اور اولاد ابلیس جنت میں نہیں جائے گی۔ لیکن حق یہ ہے کہ مومن جن مثل ایماندار انسانوں کے ہیں اور وہ جنت میں جگہ پائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ احقاف، بیروت)

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات قبول نہیں کرے گا تو وہ زمین میں عاجز نہیں کر سکے گا اور نہ ہی اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار ہوں گے۔ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

گمراہوں کیلئے عذاب سے بچنے کا کوئی وسیلہ نہ ہونے کا بیان

"وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِي اللَّه فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْض" أَيْ لَا يُعْجِز اللَّه بِالْهَرَبِ مِنْهُ فَيَفُوتهُ

"وَلَيْسَ لَهُ" لِمَنْ لَا يُجِبْ "مِنْ دُونِهِ" أَيِ اللّٰهِ "أَوْلِيَاء" أَنْصَار يَدْفَعُونَ عَنْهُ الْعَذَاب "أُولَئِكَ" الَّذِينَ لَمْ يُجِيبُوا "فِي ضَلَال مُبِين" بَيِّن ظَاهِر

اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات قبول نہیں کرے گا تو وہ زمین میں بھاگ کر اللہ کو عاجز نہیں کر سکے گا یعنی ایسا نہ ہوگا کہ وہ عذاب سے اپنے آپ کو بچالے۔ اور نہ ہی اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار ہوں گے۔ یعنی کوئی مددگار نہ ہوں گے جو ان کو عذاب سے بچائیں۔ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ومن: واؤ عاطفہ من شرطیہ ہے۔ من لا یجب داعی اللہ جملہ شرط ہے۔ اور فلیس بمعجز فی الارض۔ جواب شرط ہے۔ لا یجب مضارع منفی واحد مذکر غائب (مضارع مجزوم بوجہ عمل من شرطیہ ہے) جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہ کرے گا۔

فلیس بمعجز۔ اس میں ف جواب شرط کا ہے لیس فعل ناقص واحد مذکر غائب۔ وہ نہیں ہے۔ معجز اسم فاعل واحد مذکر۔ اعجاز (افعال) مصدر۔ عاجز کرنے والا۔ تھکا دینے والا۔ تو وہ زمین پر خدا کو عاجز نہیں کر سکے گا۔ (کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دینا چاہے اور وہ اس کی دسترس سے بچ نکلے۔ اولئک: یعنی جو لوگ اللہ کے داعی کے کہنے کو نہ مانیں گے۔ ضلل مبین: موصوف وصفت کھلی گمراہی۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ
عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِ َۧ الْمَوْتٰی ؕ بَلٰٓی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○
اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کے پیدا کرنے سے نہیں تھکا،
وہ اس بات پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کردے؟ کیوں نہیں! یقیناً وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ مخلوقات کی تخلیق کے سبب تھکنے سے بے نیاز ہے

"أَوَلَمْ يَرَوْا" يَعْلَمُوا أَيْ مُنْكِرُو الْبَعْث "أَنَّ اللّٰه الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَات وَالْأَرْض ,وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ" لَمْ يَعْجِز عَنْهُ "بِقَادِرٍ" خَبَر أَنَّ وَزِيدَتْ الْبَاء فِيهِ لِأَنَّ الْكَلَام فِي قُوَّة أَلَيْسَ اللّٰه بِقَادِرٍ "عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى بَلَى" هُوَ قَادِر عَلَى إِحْيَاء الْمَوْتَى،

اور کیا انھوں یعنی منکرین بعث نے نہیں دیکھا کہ بے شک وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کے پیدا کرنے سے نہیں تھکا، یعنی وہ اس سے عاجز نہ ہوا۔ وہ اس بات پر قادر ہے، یہاں پر لفظ بقادر یہ ان کی خبر ہے۔ اور اس میں باء کو زیادہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ کلام میں قوت کیلئے جو "أَلَيْسَ اللّٰهِ بِقَادِرٍ" میں ہے۔ کہ مردوں کو زندہ کردے؟ کیوں نہیں! یقیناً وہ ہر

چیز پر خوب قادر ہے۔یعنی وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا ان لوگوں نے جو مرنے کے بعد جینے کے منکر ہیں اور قیامت کے دن جسموں سمیت جی اٹھنے کو محال جانتے ہیں یہ نہیں دیکھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کل آسمانوں اور تمام زمینوں کو پیدا کیا اور ان کی پیدائش نے اسے کچھ نہ تھکایا بلکہ صرف ہو جا کے کہنے سے ہی ہو گئیں کون تھا جو اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتا یا مخالفت کرتا بلکہ حکم برداری سے راضی خوشی ڈرے دبتے سب موجود ہو گئے، کیا اتنی کامل قدرت وقوت والا مردوں کے زندہ کر دینے کی سکت نہیں رکھتا؟ چنانچہ دوسری آیت میں ہے آیت (لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ، غافر:57)یعنی انسانوں کی پیدائش سے تو بہت بھاری اور مشکل اور بہت بڑی اہم پیدائش آسمان وزمین کی ہے لیکن اکثر لوگ بےسمجھ ہیں۔ جب زمین وآسمان کو اس نے پیدا کر دیا تو انسان کا پیدا کر دینا خواہ ابتدأ ہو خواہ دوبارہ ہو اس پر کیا مشکل ہے؟ اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ ہاں وہ ہر شے پر قادر ہے اور انہی میں سے موت کے بعد زندہ کرتا ہے کہ اس پر بھی وہ صحیح طور پر قادر ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى
وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝
اور جس دن وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، آگ پر پیش کیے جائیں گے، کیا یہ حق نہیں ہے؟ کہیں گے کیوں نہیں،
ہمارے رب کی قسم! وہ کہے گا پھر چکھو عذاب اس کے بدلے جو تم کفر کیا کرتے تھے۔

کفار کو عذاب کے وقت عذاب کے برحق ہونے کا پوچھ لیا جائے گا

"وَيَوْم يُعْرَض الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّار" بِأَنْ يُعَذَّبُوا بِهَا يُقَال لَهُمْ "أَلَيْسَ هَذَا" التَّعْذِيب "بِالْحَقِّ"

اور جس دن وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، آگ پر پیش کیے جائیں گے، یعنی ان کو آگ کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔تو ان سے کہا جائے گا کیا یہ عذاب دینا حق نہیں ہے؟ کہیں گے کیوں نہیں، ہمارے رب کی قسم! وہ کہے گا پھر چکھو عذاب اس کے بدلے جو تم کفر کیا کرتے تھے۔

پھر اللہ جل وعلا کافروں کو ڈراتا ہے کہ قیامت والے دن جہنم میں ڈالے جائیں گے اس سے پہلے جہنم کے کنارے پر انہیں کھڑا کر کے ایک مرتبہ پھر لا جواب اور بے حجت کیا جائے گا اور کہا جائے گا کیوں جی ہمارے وعدے اور یہ دوزخ کے عذاب اب تو صحیح نکلے یا اب بھی شک وشبہ اور انکار وتکذیب ہے؟ یہ جادو تو نہیں تمہاری آنکھیں تو اندھی نہیں ہو گئیں؟ جو دیکھ رہے ہو صحیح دیکھ رہے ہو یا درحقیقت صحیح نہیں؟ اب سوائے اقرار کے کچھ نہ بن پڑے گا جواب دیں گے کہ ہاں ہاں سب حق ہے جو کہا گیا تھا وہی نکلا قسم اللہ کی اب ہمیں رتی برابر بھی شک نہیں۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ
مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝
پس آپ صبر کیے جائیں جس طرح عالی ہمت پیغمبروں نے صبر کیا تھا اور آپ ان کے لئے جلدی نہ فرمائیں،
جس دن وہ اس کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو گویا وہ دن کی ایک گھڑی کے سوا ٹھہرے ہی نہیں
تھے، پیغام کا پہنچایا جانا ہے، نافرمان قوم کے سوا دیگر لوگ ہلاک نہیں کیے جائیں گے۔

کفار کی جانب سے پہنچائی جانے والی تکالیف پر صبر کرنے کا بیان

"فَاصْبِرْ" عَلَى أَذَى قَوْمك "كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْم" ذَوُو الثَّبَات وَالصَّبْر عَلَى الشَّدَائِد "مِنَ الرُّسُل" قَبْلك فَتَكُون ذَا عَزْم وَمِنْ لِلْبَيَانِ فَكُلّهمْ ذَوُو عَزْم وَقِيلَ لِلتَّبْعِيضِ فَلَيْسَ مِنْهُمْ آدَم لِقَوْلِهِ تَعَالَى "وَلَمْ نَجِد لَهُ عَزْمًا" وَلَا يُونُس لِقَوْلِهِ تَعَالَى "وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوت" "وَلَا تَسْتَعْجِل لَهُمْ" لِقَوْمِك نُزُول الْعَذَاب بِهِمْ قِيلَ كَأَنَّهُ ضَجِرَ مِنْهُمْ فَأَحَبَّ نُزُول الْعَذَاب بِهِمْ فَأُمِرَ بِالصَّبْرِ وَتَرْك الِاسْتِعْجَال لِلْعَذَابِ فَإِنَّهُ نَازِل لَا مَحَالَة "كَأَنَّهُمْ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ" مِنَ الْعَذَاب فِي الْآخِرَة لِطُولِهِ "لَمْ يَلْبَثُوا" فِي الدُّنْيَا فِي ظَنّهمْ "بَلَاغ" هَذَا الْقُرْآن تَبْلِيغ مِنَ اللَّه إِلَيْكُمْ "فَهَلْ" أَيْ لَا "يُهْلَك" عِنْد رُؤْيَة الْعَذَاب "إِلَّا الْقَوْم الْفَاسِقُونَ" أَيْ الْكَافِرُونَ،

اے حبیب ﷺ! پس آپ اپنی قوم کی تکالیف پر صبر کیے جائیں جس طرح دوسرے عالی ہمت پیغمبروں نے صبر کیا تھا یعنی جو آپ سے پہلے تھے جو مشکلات پر صبر کرتے اور ثابت قدم رہتے تھے۔ جبکہ آپ ﷺ بھی اولوالعزم شان والے ہیں۔ اور جب یہاں من بیانیہ ہو تو سب کے سب اولوالعزم ہوں گے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں پر من تبعیضیہ ہے لہٰذا ان میں سے آدم علیہ السلام نہ ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وَلَمْ نَجِد لَهُ عَزْمًا" اور یونس علیہ السلام بھی ان میں شمار نہ ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوت"

اور آپ ان منکروں کے لئے طلب عذاب میں جلدی نہ فرمائیں، یعنی آپ ﷺ نے ان کی تکالیف پہنچانے کے سبب جلد عذاب کو پسند کیا تو آپ سے کہا گیا کہ آپ صبر کریں۔ اور جلد عذاب طلب کرنے کو رہنے دیں کیونکہ عذاب تو ان پر یقیناً آنے والا ہے۔ جس دن وہ اس عذاب کے طوالت کو آخرت میں دیکھیں گے جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو خیال کریں گے گویا وہ دنیا میں دن کی ایک گھڑی کے سوا ٹھہرے ہی نہیں تھے، یہ قرآن اللہ کی طرف سے پیغام کا پہنچایا جانا ہے، کیا وہ عذاب کو دیکھنے کے وقت ہلاک نہ ہوں گے۔ ہاں البتہ نافرمان قوم کے سوا دیگر لوگ ہلاک نہیں کیے جائیں گے۔

نبی کریم ﷺ کے اولعزم رسول ہونے اور صبر کا بیان

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا پھر بھوکے ہی رہے پھر روزہ رکھا پھر بھوکے ہی رہے اور پھر روزہ رکھا پھر فرمانے لگے عائشہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق تو دنیا ہے ہی نہیں۔ عائشہ دنیا کی بلاؤں اور مصیبتوں پر صبر کرنے اور دنیا کی خواہش کی چیزوں سے اپنے تئیں بچائے رکھنے کا حکم اولوالعزم رسول کئے گئے اور وہی تکلیف مجھے بھی دی گئی ہے جوان عالی ہمت رسولوں کو دی گئی تھی۔ قسم اللہ کی میں بھی انہی کی طرح اپنی طاقت بھر صبر و سہار سے ہی کام لوں گا اللہ کی قوت کے بھروسے پر یہ بات زبان سے نکال رہا ہوں۔ پھر فرمایا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ عذابوں میں مبتلا کئے جائیں اس کی جلدی نہ کرو۔ جیسے اور آیت میں ہے آیت (فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ، القلم:44)، یعنی کافروں کو مہلت دو، انہیں تھوڑی دیر چھوڑ دو پھر فرماتا ہے جس دن یہ ان چیزوں کا مشاہدہ کرلیں گے جن کے وعدے آج دیئے جاتے ہیں اس دن انہیں معلوم ہونے لگے گا کہ دنیا میں صرف دن کا کچھ ہی حصہ گذارا ہے اور آیت میں ہے آیت (كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا، النازعات:46) یعنی جس دن یہ قیامت کو دیکھ لیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا دنیا میں صرف ایک صبح یا ایک شام ہی گذاری تھی (وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ، یونس:45) یعنی جس دن ہم انہیں جمع کریں گے تو یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ گویا دن کی ایک ساعت ہی دنیا میں رہے تھے پھر فرمایا پہنچا دینا ہے۔

اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ دنیا کا ٹھہرنا صرف ہماری طرف سے ہماری باتوں کے پہنچا دینے کے لئے تھا دوسرے یہ کہ یہ قرآن صرف پہنچا دینے کیلئے ہے یہ کھلی تبلیغ ہے پھر فرماتا ہے سوائے فاسقوں کے اور کسی کو ہلاکی نہیں۔ یہ اللہ جل وعلا کا عدل ہے کہ جو خود ہلاک ہوا اسے ہی وہ ہلاک کرتا ہے عذاب اسی کو ہوتے ہیں جو خود اپنے ہاتھوں اپنے لئے عذاب مہیا کرے اور اپنے آپ کو مستحق عذاب کردے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ احقاف، بیروت)

سورہ احقاف کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ احقاف کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار رہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت محمد ہے

سورت محمد کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَةَ الْقِتَال أَوْ مُحَمَّد (مَدَنِيَّة إِلَّا الْآيَة 13 أَوْ مَكِّيَّة وَآيَاتهَا ثَمَان أَوْ تِسْع وَثَلَاثُونَ آيَة)

سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدنیہ ہے، اس میں چار ۴ رکوع اور اڑتیس آیات، پانچ سو اٹھاون کلمات، دو ہزار چار سو چھتر حروف ہیں۔

سورت محمد کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی دوسری آیت میں نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی محمد ﷺ آیا ہے کہ اس پر ایمان لائے جو آپ ﷺ کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ لہٰذا اسی مناسبت سے یہ سورت مبارکہ لفظ محمد (ﷺ) کے نام کے معروف ہوئی ہے۔

(1) الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ٥
وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا، اس نے ان کے اعمال برباد کر دیے۔

کفار مکہ کا دوسروں کو بھی ایمان سے روکنے کا بیان

"الَّذِينَ كَفَرُوا" مِنْ أَهْل مَكَّة "وَصَدُّوا" غَيْرهمْ "عَنْ سَبِيل اللَّه" أَيْ الْإِيمَان "أَضَلَّ" أَحْبَطَ "أَعْمَالهمْ" كَإِطْعَامِ الطَّعَام وَصِلَة الْأَرْحَام فَلَا يَرَوْنَ لَهَا فِي الْآخِرَة ثَوَابًا وَيُجْزَوْنَ بِهَا فِي الدُّنْيَا مِنْ فَضْله تَعَالَى

وہ لوگ یعنی اہل مکہ جنھوں نے کفر کیا اور دوسروں کو اللہ کے راستے یعنی ایمان سے روکا، اس نے ان کے اعمال برباد کر دیے۔ جس طرح کھانا کھلانا ہے اور صلہ رحمی کرنا ہے۔ لہٰذا وہ آخرت میں اس کا ثواب نہ دیکھیں گے۔

کفار کے اعمال باطل ہو جانے کا بیان

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ کفار مکہ نے جو کچھ بھی اعمال کیے ہوں خواہ بھوکوں کو کھلایا ہو یا اسیروں کو چھڑایا ہو یا غریبوں کی

مدد کی ہو یا مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ کی عمارت میں کوئی خدمت کی ہو سب برباد ہوئی، آخرت میں اس کا کچھ ثواب نہیں۔ ضحاک کا قول ہے کہ مراد یہ ہے کہ کفار نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جو مکر سوچے تھے اور حیلے بنائے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے وہ تمام کام باطل کر دیئے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ محمد، لاہور)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝
اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اس پر ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل کی گئی
ہے اور وہی ان کے رب کی جانب سے حق ہے اللہ نے ان کے گناہ ان سے مٹا دیئے اور ان کا حال سنوار دیا۔

قرآن مجید کا نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے کا بیان

"وَالَّذِينَ آمَنُوا" أَيْ الْأَنْصَار وَغَيْرهمْ "وَعَمِلُوا الصَّالِحَات وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّد" أَيْ الْقُرْآن "وَهُوَ الْحَقّ مِنْ رَبّهمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ" غَفَرَ لَهُمْ "سَيِّئَاتهمْ وَأَصْلَحَ بَالهمْ" حَالهمْ فَلَا يَعْصُونَهُ،

اور جو لوگ یعنی انصار وغیرہ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اس قرآن پر ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا گیا۔ اور وہی ان کے رب کی جانب سے حق ہے اللہ نے ان کے گناہ ان کے نامہ اعمال سے مٹا دیئے اور ان کا حال سنوار دیا۔ پس اب وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ ایک دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا "یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، فرض نماز پڑھو فرض زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔

یہ سن کر دیہاتی نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں نہ تو اس پر کچھ زیادہ کروں گا اور نہ اس میں سے کچھ کم کروں گا، جب وہ دیہاتی چلا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو آدمی کسی جنتی آدمی کو دیکھنے کی سعادت اور مسرت حاصل کرنا چاہے وہ اس آدمی کو دیکھ لے۔ (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 13)

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ
مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝
یہ اس لیے کہ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے باطل کی پیروی کی اور بے شک جو لوگ ایمان لائے وہ اپنے

رب کی طرف سے حق کے پیچھے چلے۔اسی طرح اللہ لوگوں کے لیے ان کے حالات بیان کرتا ہے۔

اتباع حق کے سبب گناہوں کی بخشش کا بیان

"ذٰلِكَ" أَیْ إِضْلَال الْأَعْمَال وَتَكْفِير السَّيِّئَات "بِأَنَّ" بِسَبَبِ أَنَّ "الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِل" الشَّيْطَان "وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقّ" الْقُرْآن "مِنْ رَبّهمْ كَذٰلِكَ" أَیْ مِثْل ذٰلِك الْبَيَان "يَضْرِب اللّٰه لِلنَّاسِ أَمْثَالهمْ" يُبَيِّن أَحْوَالهمْ أَیْ فَالْكَافِر يُحْبِط عَمَله وَالْمُؤْمِن يَغْفِر لَهُ،

یہ یعنی اعمال کی بربادی اور گناہوں کو مٹا دینا اس لیے کہ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے باطل یعنی شیطان کی پیروی کی اور بے شک جو لوگ ایمان لائے وہ اپنے رب کی طرف سے حق یعنی قرآن کے پیچھے چلے۔اسی طرح یعنی یہ مثال بیان کے طور پر ہے۔اللہ لوگوں کے لیے ان کے حالات بیان کرتا ہے۔یعنی ان کے احوال کو بیان کرتا ہے۔لہٰذا کافر کا عمل برباد ہو جائے گا جبکہ مؤمن کیلئے بخشش ہوگی۔

اللہ تعالیٰ حق کی پیروی کرنے والوں اور باطل کی پیروی کرنے والوں کی ٹھیک ٹھاک مثالیں بیان کرتا ہے۔حق کی پیروی کرنے والوں کی صورت حال یہ ہوگی کہ ان کی نیکیاں برقرار رہیں گی اور گناہ معاف کردیے جائیں گے۔اور باطل کی پیروی کرنے والوں کی صورت حال یہ ہوگی کہ ان کی نیکیاں برباد اور گناہ لازم و برقرار رہیں گے۔کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوتا۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا
بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ ذٰلِكَ ط وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ
وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاْ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ط وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝
پھر جب تمہارا مقابلہ کافروں سے ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو، یہاں تک کہ جب تم انہیں خوب قتل کر چکو تو مضبوطی سے
باندھ لو، پھر اس کے بعد یا تو احسان کر کے یا فدیہ لے کر یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے (یعنی صلح و امن
کا اعلان کردے)۔یہی ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے انتقام لے لیتا مگر تاکہ تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعے
آزمائے، اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کردیے گئے تو وہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔

کفار سے جہاد کرنے کا بیان

"فَإِذَا لَقِيتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْب الرِّقَاب" مَصْدَر بَدَل مِنْ اللَّفْظ بِفِعْلِهِ أَیْ فَاضْرِبُوا رِقَابهمْ

أَیْ اُقْتُلُوهُمْ وَعَبَّرَ بِضَرْبِ الرِّقَابِ لِأَنَّ الْغَالِبَ فِی الْقَتْلِ أَنْ یَكُونَ بِضَرْبِ الرَّقَبَةِ "حَتَّى إِذَا أَثْخَنْتُمُوهُمْ" أَكْثَرْتُمْ فِیهِمُ الْقَتْلَ "فَشُدُّوا" فَأَمْسِكُوا عَنْهُمْ وَأْسِرُوهُمْ وَشُدُّوا "الْوَثَاقَ" مَا یُوثَقُ بِهِ الْأَسْرَى "فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ" مَصْدَرٌ بَدَلٌ مِنَ اللَّفْظِ بِفِعْلِهِ أَیْ تَمُنُّونَ عَلَیْهِمْ بِإِطْلَاقِهِمْ مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ "وَإِمَّا فِدَاءً" تُفَادُونَهُمْ بِمَالٍ أَوْ أَسْرَى مُسْلِمِینَ "حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ" أَیْ أَهْلُهَا "أَوْزَارَهَا" أَثْقَالَهَا مِنَ السِّلَاحِ وَغَیْرِهِ بِأَنْ یُسْلِمَ الْكُفَّارُ أَوْ یَدْخُلُوا فِی الْعَهْدِ وَهَذِهِ غَایَةٌ لِلْقَتْلِ وَالْأَسْرِ "ذَلِكَ" خَبَرُ مُبْتَدَإٍ مُقَدَّرٍ أَیْ الْأَمْرُ فِیهِمْ مَا ذُكِرَ "وَلَوْ یَشَاءُ اللَّهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ" بِغَیْرِ قِتَالٍ "وَلَكِنْ" أَمَرَكُمْ بِهِ "لِیَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ" مِنْهُمْ فِی الْقِتَالِ فَیَصِیرُ مَنْ قُتِلَ مِنْكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَمِنْهُمْ إِلَى النَّارِ "وَالَّذِینَ قُتِلُوا" وَفِی قِرَاءَةٍ قَاتَلُوا الْآیَةُ نَزَلَتْ یَوْمَ أُحُدٍ وَقَدْ فَشَا فِی الْمُسْلِمِینَ الْقَتْلُ وَالْجِرَاحَاتُ "فِی سَبِیلِ اللَّهِ فَلَنْ یُضِلَّ" یُحْبِطَ

پھر جب تمہارا مقابلہ کافروں سے ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو، یہاں پر لفظ ضرب یہ مصدر بہ لفظ فعل ہے یعنی اضربوا رقابہم یعنی ان کو قتل کر دو اور یہاں لفظ رقاب یعنی گردن کو قتل سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ غالب طور پر قتل کرنا گردن سے آسان ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم انہیں خوب قتل کر چکو یعنی ان کے زیادہ قتل کر چکو۔ تو بقیہ قیدیوں کو مضبوطی سے باندھ لو، اور وثاق وہ چیز ہے جس کے ساتھ قیدیوں کو باندھا جائے۔ پھر اس کے بعد یا تو انہیں بلا معاوضہ احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ یعنی معاوضہ ء رہائی لے کر آزاد کر دو۔ یہاں پر لفظ منا یہ اپنے فعل کے بدلے میں بہ طور مصدر آیا ہے۔ اس کو فعل تمنون ہے جس کا اطلاق غیر چیز پر ہوتا ہے۔ اور یا پھر ان سے مال یا مسلمان قیدیوں کے تبادلے میں رہا کر دو۔ یہاں تک کہ جنگ کرنے والی مخالف فوج اپنے ہتھیار رکھ دے یعنی صلح وامن کا اعلان کر دے۔ یعنی کفار اسلام لے آئیں یا وہ عہد میں داخل ہو جائیں۔ یہ قتل اور قید کی غایت ہے۔ یہی حکم ہے، یہاں پر لفظ ذلک یہ مبتداء مقدر کی خبر ہے اور وہ الامر ذلک ہے۔ یعنی اس معاملہ کا حکم یہی ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے بغیر جنگ انتقام لے لیتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا تا کہ تم میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائے، یعنی تم سے جو جہاد پر جائے اور شہید ہو جائے تو وہ جنت میں جائے اور ان کفار میں سے جو قتل ہو وہ دوزخ میں جائے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے۔ یہاں پر لفظ قتلوا ایک قرأت میں قاتلوا آیا ہے۔ اور یہ آیت غزوہ احد کے دن نازل ہوئی۔ جس وقت مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں قتل اور زخم عام ہو چکے تھے۔ تو وہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔

سورہ محمد آیت ۴ کے شان نزول کا بیان

حضرت قتادہ سے اس فرمان باری تعالیٰ کے بارے میں منقول ہے۔ وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ، فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ یہ آیت غزوہ احد کے دن نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ لوگوں کی جماعت میں تھے جن میں زخمی اور قتل ہونے والے بہت زیادہ تھے مشرکین نے اس دن نعرہ لگایا ہبل بلند ہے اور مسلمانوں نے نعرہ لگایا اللہ زیادہ بلند و برتر

ہے مشرکین نے کہا ہمارے ساتھ عزیٰ ہے تمہارے ساتھ کوئی عزیٰ نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کہو کہ اللہ ہمارا مولیٰ (حامی وناصر) ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ (سیوطی 261، قرطبی 16۔225)

قیدیوں کے فدیہ وعدم فدیہ میں فقہی مذاہب کا بیان

امام قرطبی اس آیت کے تحت قیدیوں سے متعلق احکام ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آیت انفال نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا بھی ممنوع کر دیا تو بلا معاوضہ چھوڑنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا۔ اور سورہ محمد کی آیت مذکورہ نے ان دونوں چیزوں کو جائز قرار دیا ہے اس لئے اکثر صحابہ اور ائمہ فقہاء نے فرمایا کہ سورہ محمد کی اس آیت نے سورہ انفال کی آیت کو منسوخ کر دیا تفسیر مظہری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حسن اور عطاء اور اکثر صحابہ و جمہور فقہاء کا یہی قول ہے اور ائمہ فقہاء میں سے ثوری، شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن عباس نے فرمایا کہ غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی قلت تھی اس وقت من وفداء کی ممانعت آئی اور پھر جب مسلمانوں کی شوکت وتعداد بڑھ گئی تو سورہ محمد میں من وفداء کی اجازت دے دی گئی۔

تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہی قول صحیح اور مختار ہے کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل فرمایا اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے اس پر عمل فرمایا اس لئے یہ آیت سورہ انفال کی آیت کے لئے ناسخ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سورہ انفال کی آیت غزوہ بدر کے وقت نازل ہوئی جو ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 6 ہجری غزوہ حدیبیہ میں جن قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد فرمایا ہے وہ سورہ محمد کی اس آیت مذکورہ کے مطابق ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے کہ اہل مکہ میں سے اسی آدمی اچانک جبل تنعیم سے اترے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے خبر پا کر قتل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زندہ گرفتار کر لیا پھر بلا معاوضہ آزاد کر دیا۔ اسی پر سورہ فتح کی یہ آیت نازل ہوئی (آیت) **وھو الذی کف ایدیھم عنکم و ایدیکم عنھم ببطن مکۃ من بعد ان اظفرکم علیھم**، امام اعظم ابوحنیفہ کا مشہور مذہب ان کی ایک روایت کے مطابق یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ یا معاوضہ لے کر آزاد کرنا جائز نہیں اسی لئے علماء حنفیہ نے سورہ محمد کی آیت مذکورہ کو امام اعظم کے نزدیک منسوخ اور سورہ انفال کی آیت کو ناسخ قرار دیا ہے مگر تفسیر مظہری نے یہ واضح کر دیا کہ سورہ انفال کی آیت پہلے اور سورہ محمد کی آیت بعد میں نازل ہوئی ہے اس لئے وہی ناسخ اور انفال کی آیت منسوخ ہے اور امام اعظم کا مختار مذہب بھی جمہور صحابہ وفقہاء کے مطابق آزاد کر دینے کے جواز کا نقل کیا ہے جبکہ مسلمانوں کی مصلحت اس میں ہو، اور فرمایا کہ یہی اصح اور مختار ہے۔

علماء حنفیہ میں سے علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں اسی طرف مائل ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ قدوری اور ہدایہ کی روایت کے مطابق امام اعظم کے نزدیک قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد نہیں کیا جا سکتا اور یہ ایک روایت ہے، امام اعظم ابوحنیفہ سے مگر انہی سے دوسری روایت سیر کبیر میں جمہور کے قول کے مطابق جواز کی منقول ہے اور یہی ان دونوں روایتوں میں اظہر ہے اور امام طحاوی نے معانی الآثار میں اسی کو ابوحنیفہ کا مذہب قرار دیا ہے۔

سورہ محمد اور سورہ انفال کی دونوں آیتیں جمہور صحابہ وائمہ کے نزدیک منسوخ نہیں، مسلمانوں کے حالات اور ضرورت کے تابع امام المسلمین کو اختیار ہے کہ ان میں جس صورت کو مناسب سمجھے اختیار کر لے۔ قرطبی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو کبھی قتل کیا گیا ہے اور کبھی غلام بنایا گیا اور کبھی فدیہ لے کر چھوڑ اگیا اور کبھی بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا گیا۔ فدیہ لینے میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے بدلے میں مسلمان قیدی آزاد کرا لئے جائیں اور یہ بھی کہ ان سے کچھ مال لے کر چھوڑ اجائے، دونوں قسم کی صورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت ہیں اس تفصیل کو نقل کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں جن آیتوں کو ناسخ منسوخ کہا گیا در حقیقت وہ سب محکم ہیں ان میں سے کوئی منسوخ نہیں، اس لئے کہ جب کفار قید ہو کر ہمارے قبضے میں آئیں تو امام المسلمین کو چار چیزوں کا اختیار ہے کہ مناسب سمجھے تو قتل کر دے اور مصلحت مسلمانوں کی سمجھے تو ان کو غلام اور لونڈی بنالے، اور فدیہ لے کر چھوڑنے میں مصلحت ہو تو فدیہ مال کا یا مسلمان قیدیوں کا لے کر چھوڑ دے یا بغیر کسی معاوضہ کے آزاد کر دے۔ قرطبی نے یہ تفصیل نقل کر کے لکھا ہے **وھذا القول یروی من اھل المدینتہ و الشافعی و ابی عبیدہ وحکاہ الطحاوی مذھبا عن ابی حنیفتہ و المشھود ما قدمناہ**، یعنی علمائے مدینہ کا یہی قول ہے اور یہی قول امام شافعی اور ابوعبید کا ہے اور امام طحاوی نے ابوحنیفہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے اگر چہ مشہور مذہب ان کا اس کے خلاف ہے۔ (قرطبی ص228 ج۱۶، بیروت)

جنگی قیدیوں سے متعلق فقہی تصریحات کا بیان

اس سلسلے میں فقہائے اسلام نے تین تصریحات اور بھی کی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر قیدی اسلام قبول کر لے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ قیدی صرف اسی وقت تک قتل کیا جا سکتا ہے جب تک وہ حکومت کی تحویل میں ہو۔ تقسیم یا بیع کے ذریعہ سے اگر وہ کسی شخص کی ملک میں جا چکا ہو تو پھر اسے قتل نہیں کیا جا سکتا۔ تیسرے یہ کہ قیدی کو قتل کرنا ہو تو بس سیدھی طرح قتل کر دیا جائے، عذاب دے دے کر نہ مارا جائے۔

جنگی قیدیوں کے بارے میں عم حکم جو دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یا ان پر احسان کرو، یا فدیے کا معاملہ کر لو۔ احسان میں چہ چیزیں شامل ہیں: ایک یہ کہ قید کی حالت میں ان سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ قتل یا دائمی قید کے بجائے ان کو غلام بنا کر افراد مسلمین کے حوالہ کر دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ جزیہ لگا کر ان کو ذمی بنا لیا جائے۔ چوتھے یہ کہ ان کو بلا معاوضہ رہا کر دیا جائے۔

فدیے کا معاملہ کرنے کی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ مالی معاوضہ لے کر انہیں چھوڑا جائے۔ دوسرے یہ کہ رہائی کی شرط کے طور پر کوئی خاص خدمت لینے کے بعد چھوڑ دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ اپنے ان آدمیوں سے جو دشمن کے قبضے میں ہوں، ان کا تبادلہ کر لیا جائے۔

ان سب مختلف صورتوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے مختلف اوقات میں حسب موقع عمل فرمایا ہے۔ خدا کی شریعت نے اسلامی حکومت کا کسی ایک ہی شکل کا پابند نہیں کر دیا ہے۔ حکومت جس وقت جس طریقے کو مناسب ترین پائے اس پر عمل کر سکتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عمل سے یہ ثابت ہے کہ ایک جنگی قیدی جب ایک حکومت کی قید میں رہے، اس کی غذا اور لباس، اور اگر وہ بیمار یا زخمی ہو تو اس کا علاج، حکومت کے ذمہ ہے۔ قیدیوں کو بھوکا ننگا رکھنے، یا ان کو عذاب دینے کا کوئی جواز اسلامی شریعت میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس حسن سلوک اور فیاضانہ برتاؤ کی ہدایت بھی کی گئی ہے اور عملاً بھی اسی کی نظیریں سنت میں ملتی ہیں۔ جنگ بدر کے قیدیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کے گھروں میں بانٹ دیا اور ہدایت فرمائی کہ استوصوا بالاسارى خيراً، ان قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ ان میں سے ایک قیدی، ابوعزیز کا بیان ہے کہ مجھے جن انصاریوں کے گھر میں رکھا گیا تھا وہ صبح شام مجھ کو روٹی کھلاتے تھے اور خود صرف کھجوریں کھا کر رہ جاتے تھے۔ ایک اور قیدی سہیل بن عمرو کے متعلق حضور سے کہا گیا کہ یہ بڑا آتش بیان مقرر ہے، آپ کے خلاف تقریریں کرتا رہا ہے، اس کے دانت تڑوا دیجیے۔ حضور نے جواب دیا اگر میں اس کے دانت تڑواؤں تو اللہ میرے دانت توڑ دے گا اگرچہ میں نبی ہوں (سیرت بن ہشام)۔ یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال جب گرفتار ہو کر آئے تو جب تک وہ قید میں رہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عمدہ کھانا اور دودھ ان کے لیے مہیا کیا جاتا رہا۔ (سیرت ابن ہشام)

یہی طرز عمل صحابہ کرام کے دور میں بھی رہا۔ جنگی قیدیوں سے بُرے سلوک کی کوئی نظیر اس دور میں نہیں ملتی۔

قیدیوں کے معاملے میں یہ شکل اسلام نے سرے سے اپنے ہاں رکھی ہی نہیں ہے کہ ان کو ہمیشہ قید رکھا جائے اور حکومت ان سے جبری محنت لیتی رہے۔ اگر ان کے ساتھ یا ان کی قوم کے ساتھ تبادلہ اسیران جنگ یا فدیے کا کوئی معاملہ طے نہ ہو سکے تو ان کے معاملے میں احسان کا طریقہ یہ رکھا گیا ہے کہ انہیں غلام بنا کر افراد کی ملکیت میں دے دیا جائے اور ان کے مالکوں کو ہدایت کی جائے کہ وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی اس طریقے پر عمل کیا گیا ہے، صحابہ کرام کے عہد میں بھی یہ جاری رہا ہے،

اور فقہائے اسلام بالاتفاق اس جواز کے قائل ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات جان لینی چاہیے کہ جو شخص قید میں آنے سے پہلے اسلام قبول کر چکا ہو اور پھر کسی طرح گرفتار ہو جائے وہ تو آزاد کر دیا جائے گا، مگر جو شخص قید ہونے کے بعد اسلام قبول کرے، یا کسی شخص کی ملکیت میں دے دیے جانے کے بعد مسلمان ہو تو یہ اسلام اس کے لیے آزادی کا سبب نہیں بن سکتا۔

مسند احمد، مسلم اور ترمذی میں حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ بنی عقیل کا اک شخص گرفتار ہو کر آیا اور اس نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لو قلتها وانت تملك امرك افلحت كل الفلاح۔ اگر یہ بات تو نے اس وقت کہی ہوتے جب تو آزاد تھا تو یقیناً فلاح پا جاتا۔ یہی بت حضرت عمرؓ نے فرمائی ہے کہ اذا اسلم الاسير في ايدى المسلمين فقش امن من القتل وهو رفيق جب قیدی مسلمانوں کے قبضے میں آنے کے بعد مسلمان ہو تو وہ قتل سے تو محفوظ ہو جائے گا مگر غلام رہے گا۔ اسی بنا پر فقہائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ قید ہونے کے بعد مسلمان ہونے والا غلامی سے نہیں بچ سکتا

(السير الكبير، امام محمد)

اور یہ بات سراسر معقول بھی ہے۔ اگر ہمارا قانون یہ ہوتا کہ جو شخص بھی گرفتار ہونے کے بعد اسلام قبول کر لے گا وہ آزاد کر دیا جائے گا تو آخر وہ کونسا نادان قیدی ہوتا جو کلمہ پڑھ کر رہائی نہ حاصل کر لیتا۔

قیدیوں کے ساتھ احسان کی تیسری صورت اسلام میں یہ رکھی گئی ہے کہ جزیہ لگا کر ان کو دارالاسلام کی ذمی رعایا بنالیا جائے اور وہ اسلامی مملکت میں اسی طرح آزاد ہو کر رہیں جس طرح مسلمان رہتے ہیں۔

امام محمد السیر الکبیر میں لکھتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کو غلام بنانا جائز ہے اس پر جزیہ لگا کر اسے ذمی بنالینا بھی جائز ہے۔ اور ایک دوسرے جگہ فرماتے ہیں مسلمانوں کے فرمانروا کو یہ حق ہے کہ ان پر جزیہ اور ان کی زمینوں پر خراج لگا کر انہیں اصلاً آزاد قرار دے دے۔ اس طریقے پر بالعموم ان حالات میں حل کیا گیا ہے جبکہ قید ہونے والے لوگ جس علاقے کے باشندے ہوں وہ مفتوح ہو کر اسلامی مملکت میں شامل ہو چکا ہو۔ مثال کے طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے معاملہ میں یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا، اور پھر حضرت عمرؓ نے سواد عراق اور دوسرے علاقوں کی فتح کے بعد بڑے پیمانے پر اس کی پیروی کی۔ ابوعبید نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ عراق کی فتح کے بعد اس علاقے کے سرکردہ لوگوں کا ایک وفد حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین، پہلے اہل ایران ہم پر مسلط تھے۔ انہیں نے ہم کو بہت ستایا، بڑا برا برتاؤ ہمارے ساتھ کیا اور طرح طرح کی زیادتیاں ہم پر کرتے رہے۔ پھر جب خدا نے آپ لوگوں کو بھیجا تو ہم آپ کی آمد سے بڑے خوش ہوئے اور آپ کے مقابلے میں نہ کوئی مدافعت ہم نے کی نہ جنگ میں کوئی حصہ لیا۔ اب ہم نے سنا ہے کہ آپ ہمیں غلام بنالینا چاہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا تم کو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جاؤ، یا جزیہ قبول کر کے آزاد رہو۔ ان لوگوں نے جزیہ قبول کر لیا اور وہ آزاد چھوڑ دیے گئے۔ ایک اور جگہ اسی کتاب میں ابوعبید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کو لکھا کہ جنگ میں جو لوگ پکڑے گئے ہیں ان میں سے ہر کاشت کار اور کسان کو چھوڑ دو۔

احسان کی چوتھی صورت یہ ہے کہ قیدی کو بلا کسی فدیے اور معاوضے کے یونہی رہا کر دیا جائے۔ یہ ایک خاص رعایت ہے جو اسلامی حکومت صرف اسی حالت میں کر سکتی ہے جبکہ کسی خاص قیدی کے حالات اس کے متقاضی ہوں۔ یا تو قع ہو کی یہ رعایت اس قیدی کو ہمیشہ کے لیے ممنون احسان کر دے گی اور وہ دشمن سے دوست یا کافر مومن بن جائے گا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ دشمن قوم کے اسی شخص کو اس لیے چھوڑ دینا کہ وہ پھر ہم سے لڑنے آ جائے کسی طرح بھی تقاضائے مصلحت نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے فقہائے اسلام نے بالعموم اس کی مخالفت کی ہے اور اس کے جواز کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ اگر امام مسلمین قیدیوں کو، یا ان میں سے بعض کو بطور احسان چھوڑ دینے میں مصلحت پائے تو ایسا کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ (السیر الکبیر)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس کی بہت سی نظیریں ملتی ہیں اور قریب قریب سب میں مصلحت کا پہلو نمایاں ہے۔

جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق آپ نے فرمایا **لو کان المطعم بن عدیّ حیًّا ثم کلّمنی فی هؤلاء النتنی لترکتهم له** (بخاری، ابوداؤد، مسند احمد)

اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے ان گھناؤنے لوگوں کے بارے میں بات کرتا تو میں اس کی خاطر انہیں یونہی چھوڑ دیتا۔ یہ بات حضور ﷺ نے اس لیے فرمائی تھی کہ آپ جب طائف سے مکہ معظمہ واپس ہوئے تھے اس وقت مطعم ہی نے آپ کو اپنی پناہ میں لیا تھا اور اس کے لڑکے ہتھیار باندھ کر اپنی حفاظت میں آپ کو حرم میں لے گئے تھے۔ اس لیے آپ اس کے احسان کا بدلہ اس طرح اتارنا چاہتے تھے۔

بخاری، مسلم، اور مسند احمد کی روایت ہے کہ یمامہ کے سردار ثمامہ بن اُثال جب گرفتار ہو کر آئے تو حضور ﷺ نے ان سے پوچھا ثمامہ، تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کا خون کچھ قیمت رکھتا ہے، اگر مجھ پر احسان کریں گے تو ایسے شخص پر کریں گے جو احسان ماننے والا ہے، اور اگر آپ مال لینا چاہتے ہیں تو مانگیے، آپ کو دیا جائے گا۔ تین دن تک آپ ان سے یہی بات پوچھتے رہے اور وہ یہی جواب دیتے رہے۔ آخر کو آپ نے حکم دیا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔ رہائی پاتے ہی وہ قریب کے ایک نخلستان میں گئے، نہا دھو کر واپس آئے، کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے اور عرض کیا کہ آج سے پہلے کوئی شخص میرے لیے آپ سے اور کوئی دین آپ کے دین سے بڑھ کر مبغوض نہ تھا، مگر اب کوئی شخص اور کوئی دین مجھے آپ سے اور آپ کے دین سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے۔ پھر وہ عمرہ کے لیے مکے گئے اور وہاں قریش کے لوگوں کو نوٹس دے دیا کہ آج کے بعد کوئی غلہ تمہیں یمامہ سے نہ پہنچے گا جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسی ہی کیا اور مکہ والوں کو حضور ﷺ سے التجا کرنی پڑی کہ یمامہ سے ہمارے غلہ کی رسد بند نہ کرائیں۔

بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے آپ نے زبیر بن باطا اور عمرو بن سعد (یا ابن سعدیٰ) کی جان بخشی کی۔ زبیر کو اس لیے چھوڑا کہ اس نے جاہلیت کے زمانے میں جنگ معاث کے موقع پر حضرت ثابت بن قیس انصاری کو پناہ دی تھی، اس لیے آپ نے اس کے حضرت ثابت کے حوالہ کر دیا تا کہ ان کے احسان کا بدلہ ادا کر دیں۔ اور عمو بن سعد کو اس لیے چھوڑا کہ جب بنی قریظہ حضور کے ساتھ بدعہدی کر رہے تھے اس وقت یہی شخص اپنے قبیلے کو غداری سے منع کر رہا تھا۔ (کتاب الاموال لابی عبید)

غزوہ بنی المصطلق کے بعد جب اس قبیلے کے قیدی لائے گئے اور لوگوں میں تقسیم کر دیے گئے، اس وقت حضرت جویریہ جس شخص کے حصے میں آئی تھیں اس کو ان کا معاوضہ ادا کر کے آپ نے انہیں رہا کرایا اور پھر ان سے خود نکاح کر لیا۔ اس پر تمام مسلمانوں نے یہ کہ کر اپنے اپنے حصے کے قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ یہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہو چکے ہیں۔ اس طرح سو 100 خاندانوں کے آدمی رہا ہو گئے۔ (مسند احمد۔ طبقات ابن سعد۔ سیرت ابن ہشام)

صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ کے 80 آدمی تنعیم کی طرف سے آئے اور فجر کی نماز کے قریب انہوں نے آپ کے کیمپ پر اچانک شبخون مارنے کا ارادہ کیا۔ مگر وہ سب کے سب پکڑ لیے گئے اور حضور ﷺ نے سب کو چھوڑ دیا تا کہ اس نازک موقع پر یہ معاملہ لڑائی کا موجب نہ بن جائے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، مسند احمد)

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے چند آدمیوں کو مستثنیٰ کر کے تمام اہل مکہ کو بطور احسان معاف کر دیا، اور جنہیں مستثنیٰ کیا تھا ان میں

سے بھی تین چار کے سوا کوئی قتل نہ کیا گیا۔ سارا عرب اس بات کو جانتا تھا کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر کیسے کیسے ظلم کیے تھے۔ اس کے مقابلہ میں فتح پا کر جس عالی حوصلگی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں معاف فرمایا اس سے اہل عرب کو یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ ان کا سابقہ کسی جبار سے نہیں بلکہ ایک نہایت رحیم و شفیق اور فیاض رہنما سے ہے۔ اسی بنا پر فتح مکہ کے بعد پورے جزیرۃ العرب کو مسخر ہونے میں دو سال سے زیادہ دیر نہ لگی۔

جنگ حنین کے بعد جب قبیلہ ہوازن کا وفد اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے حاضر ہوا تو سارے قیدی تقسیم کیے جا چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا یہ لوگ تایب ہو کر آئے ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس دے دیے جائیں۔ تم میں سے جو کوئی بخوشی اپنے حصے میں آئے ہوئے قیدی کو بلا معاوضہ چھوڑنا چاہے وہ اس طرح چھوڑ دے، اور جو معاوضہ لینا چاہے اس کو ہم بیت المال میں آنے والی پہلی آمدنی سے معاوضہ دے دیں گے: چنانچہ چھ ہزار قیدی رہا کر دیے گئے اور جن لوگوں نے معاوضہ لینا چاہا انہیں حکومت کی طرف سے معاوضہ دے دیا گیا، (بخاری، ابوداؤد، مسند احمد، طبقات ابن سعد)۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو کہ تقسیم ہو چکنے کے بعد حکومت قیدیوں کو خود رہا کر دینے کی مجاز نہیں رہتی، بلکہ یہ کام ان لوگوں کی رضامندی سے، یا ان کو معاوضہ دے کر کیا جا سکتا ہے جن کی ملکیت میں قیدی دیے جا چکے ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام کے دور میں بھی بطور احسان قیدیوں کو رہا کرنے کی نظیریں مسلسل ملتی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اشعث بن قیس کندی کو رہا کیا، اور حضرت عمرؓ نے ہرمزان کو اور مناذر اور میسان کے قیدیوں کو آزادی عطا کی۔

(کتاب الاموال لابی عبید)

مالی معاوضہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کی مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف جنگ بدر کے موقع پر ملتی ہے جب کہ فی قیدی ایک ہزار سے چار ہزار تک کی رقمیں لے کر ان کو رہا کیا گیا (طبقات ابن سعد۔ کتاب الاموال)

صحابۂ کرام کے دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی اور فقہائے اسلام نے بالعموم اس کا ناپسند کیا ہے، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم روپیہ لے کر دشمن کے ایک آدمی کو چھوڑ دیں تا کہ وہ پھر ہمارے خلاف تلوار اٹھائے۔ لیکن چونکہ قرآن میں فدیہ لینے کی اجازت دی گئی ہے، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اس پر عمل بھی کیا ہے، اس لیے ایسا کرنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔

امام محمد السیر الکبیر میں کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو اس کی ضرورت پیش آئے تو وہ مالی معاوضہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ سکتے ہیں۔ کوئی خدمت لے کر چھوڑنے کی مثال بھی جنگ بدر کے موقع پر ملتی ہے۔ قریش کے قیدیوں میں سے جو لوگ مالی فدیہ دینے کے قابل نہ تھے، ان کی رہائی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط عائد کر دی کہ وہ انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

(مسند احمد، طبقات ابن سعد، کتاب الاموال)

قیدیوں کے تبادلے کی متعدد مثالیں ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ملتی ہیں۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک مہم پر بھیجا اور اس میں چند قیدی گرفتار ہوئے۔ ان میں ایک نہایت خوبصورت عورت بھی تھی جو حضرت سلمہ بن اکوع

کے حصے میں آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باصرار اس کو حضرت سلمہ سے مانگ لیا اور پھر اسے مکہ بھیج کر اس کے بدلے کئی مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا۔ (مسلم۔ ابوداؤد۔ طحاوی۔ کتاب الاموال لابی عبید۔ طبقات ابن سعد)

حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ قبیلہ ثقیف نے مسلمانوں کے دو آدمیوں کو قید کرلیا۔ اس کچھ مدت بعد ثقیف کے حلیف قبیلے، بنی عُقیل کا ایک آدمی مسلمانوں کے پاس گرفتار ہوگیا۔ حضور ﷺ نے اس کو طائف بھیج کر اس کے بدلے ان دونوں مسلمانوں کو رہا کرالیا۔ (مسلم، ترمذی، مسند احمد)

قیدیوں میں باہمی تبادلے میں مذاہب اربعہ

فقہاء میں سے امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد تبادلہ اسیران کو جائز رکھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کا ایک قول یہ ہے کہ تبادلہ نہیں کرنا چاہیے، مگر دوسرا قول ان کا بھی یہی ہے کہ تبادلہ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ جو قیدی مسلمان ہوجائے اسے تبادلہ میں کفار کے حوالہ نہ کیا جائے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام نے اسیران جنگ کے معاملہ میں ایک ایسا وسیع ضابطہ بنایا ہے جس کے اندر ہر زمانے اور ہر طرح کے حالات میں اس مسئلے سے عہدہ برآ ہونے کی گنجائش ہے۔ جو لوگ قرآن مجید کی اس آیت کا بس یہ مختصر سا مطلب لے لیتے کہ جنگ میں قید ہونے والوں کو یا تو بطور احسان چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے کر رہا کردیا جائے، وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ جنگی قیدیوں کا معاملہ کتنے مختلف پہلو رکھتا ہے، اور مختلف زمانوں میں وہ کتنے مسائل پیدا کرتا رہا ہے اور آئندہ کرسکتا ہے۔

(سیر صغیر، از امام محمد علیہ الرحمہ، بتصرف، بیروت)

سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝
وہ ضرور انھیں راستہ دکھائے گا اور ان کا حال درست کردے گا۔ اور انھیں اس جنت میں داخل کرے گا جس کی اس نے انھیں
پہچان کروادی ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوط رکھے گا۔

شہداء کیلئے دنیا و آخرت میں بھلائی و جنت ہونے کا بیان

"سَيَهْدِيهِمْ" فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَة إِلَى مَا يَنْفَعهُمْ "وَيُصْلِح بَالهمْ" حَالهمْ فِيهِمَا وَمَا فِي الدُّنْيَا لِمَنْ لَمْ يُقْتَل وَأُدْرِجُوا فِي قُتِلُوا تَغْلِيبًا

"وَيُدْخِلهُمْ الْجَنَّة عَرَّفَهَا" بَيَّنَهَا "لَهُمْ" فَيَهْتَدُونَ إِلَى مَسَاكِنهمْ مِنْهَا وَأَزْوَاجهمْ وَخَدَمهمْ مِنْ غَيْر اسْتِدْلَال

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّه" أَيْ دِينه وَرَسُوله "يَنْصُركُمْ" عَلَى عَدُوّكُمْ "وَيُثَبِّت

أَقْدَامكُمْ" يُثَبِّتكُمْ فِي الْمُعْتَرَك

وہ ضرور انھیں دنیا اور آخرت میں راستہ دکھائے گا اور ان کا حال یعنی ان دونوں کا حال درست کر دے گا۔ اور جو کچھ دنیا میں ہے یہ اس شخص کیلئے ہے جو شہید نہیں ہوا۔ لیکن بہ طور تغلیب اس کو بھی شہداء میں شامل کر دیا جائے گا۔

اور انھیں اس جنت میں داخل کرے گا جس کی اس نے انھیں پہچان کروادی ہے۔ لہٰذا وہ جنت میں اپنے مکانوں کی جانب اور اپنی ازواج کی جانب اور اپنے خادمین کی طرف بغیر بتائے پہنچ جائیں گے۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرو گے تو وہ تمہارے دشمن پر تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے قدموں کو مضبوط رکھے گا۔ یعنی تمہارے قدموں کو لغزش سے بچائے گا۔

اہل جنت کا اپنے گھروں سے مانوس ہو جانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے دین حق دے کر بھیجا ہے کہ تم دنیا میں جس طرح اپنی بیبیوں اور گھروں سے واقف اور مانوس ہو اس سے بھی زیادہ اپنے جنت کے مقام اور وہاں کی بیبیوں سے واقف اور مانوس ہو جاؤ گے۔ (رواہ ابن جریر وطبرانی وابو یعلی والبیہقی)

اور بعض روایتوں میں ہے کہ ایک فرشتہ ہر ایک جنتی کے لئے مقرر کر دیا جائے گا جو ان کا اپنے مقام جنت اور وہاں کی بیبیوں سے تعارف کرائے گا۔

وہ منازلِ جنت میں نو وارد، نا آشنا کی طرح نہ پہنچیں گے جو کسی مقام پر جاتا ہے تو اس کو ہر چیز کے دریافت کرنے کی حاجت درپیش ہوتی ہے بلکہ وہ واقف کارانہ داخل ہوں گے، اپنے منازل اور مساکن پہچانتے ہوں گے، اپنی زوجہ اور خدام کو جانتے ہوں گے، ہر چیز کا موقع ان کے علم میں ہوگا گویا کہ وہ ہمیشہ سے یہیں کے رہنے بسنے والے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، محمد، لاہور)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ○
اور جن لوگوں نے کفر کیا سو ان کے لیے ہلاکت ہے اور اس نے ان کے اعمال برباد کر دیے۔ یہ اس لیے کہ بے شک
انھوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کی تو اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔

قرآن کے احکام کو پسند نہ کرنے کے سبب کفار کی بربادی کا بیان

"وَالَّذِينَ كَفَرُوا" مِنْ أَهْل مَكَّة مُبْتَدَأ خَبَره تَعِسُوا يَدُلّ عَلَيْهِ "فَتَعْسًا لَهُمْ" أَيْ هَلَاكًا وَخَيْبَة مِنْ اللَّه "وَأَضَلَّ أَعْمَالهمْ" عُطِفَ عَلَى تَعِسُوا،

"ذَلِكَ" التَّعْس وَالْإِضْلَال "بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّه" مِنْ الْقُرْآن الْمُشْتَمِل عَلَى التَّكَالِيف

اور جن لوگوں یعنی اہل مکہ نے کفر کیا۔ یہاں پر والذین کفروا یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر تعسوا ہے جس کے حذف ہونے پر تعسا

لھم دلالت کرنے والا ہے۔ان کے لیے ہلاکت و بربادی ہے اور اس نے ان کے اعمال برباد کر دیے۔اس کا عطف تعسوا پر ہے۔یہ بربادی و گمراہی اس لیے ہے کیونکہ انھوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل کی۔جو قرآن ہے اور وہ احکام پر مشتمل ہے۔لہٰذا اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔

تعسا کے لغوی مفہوم کا بیان

تعسًا کے معنی ٹھوکر کھا کر گرنا اور پھر اٹھ نہ سکنا ہے یا کسی گڑھے میں گر کر ہلاک ہو جانا ہے (مفردات) گویا اللہ کے دین کی مدد کرنے والوں کے تو اللہ تعالیٰ پاؤں جما دیتا ہے اس کے برعکس منکروں کو منہ کے بل گرا کر ہلاک کر دیا جاتا ہے اور مومنوں کی تو مدد کی جاتی ہے جبکہ کافروں کے سب کیے کرائے پر پانی پھیر دیا جاتا ہے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا۝ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ۝
کیا انہوں نے زمین میں سفر و سیاحت نہیں کی کہ وہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے۔اللہ نے
ان پر ہلاکت و بربادی ڈال دی۔اور کافروں کے لئے اسی طرح کی بہت سی ہلاکتیں ہیں۔یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ
ان لوگوں کا ولی و مددگار ہے جو ایمان لائے ہیں اور بیشک کافروں کے لئے کوئی ولی و مددگار نہیں ہے۔

کفار کی ہلاکت و بربادیوں کے باعث عبرت ہونے کا بیان

"أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْض فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَة الَّذِينَ مِنْ قَبْلهمْ دَمَّرَ اللَّه عَلَيْهِمْ" أَهْلَكَ أَنْفُسهمْ وَأَوْلَادهمْ وَأَمْوَالهمْ "وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالهَا" أَيْ أَمْثَال عَاقِبَة مَا قَبْلهمْ "ذَلِكَ" نَصْر الْمُؤْمِنِينَ وَقَهْر الْكَافِرِينَ "بِأَنَّ اللَّه مَوْلَى" وَلِيّ وَنَاصِر

کیا انہوں نے زمین میں سفر و سیاحت نہیں کی کہ وہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے۔اللہ نے ان پر ہلاکت و بربادی ڈال دی۔یعنی ان کو اور ان کی اولادوں کو اور ان کے اموال کو ہلاک کر دیا۔اور کافروں کے لئے اسی طرح کی بہت سی ہلاکتیں ہیں۔جس طرح ان سے پہلے ہلاک ہوئے ہیں۔یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ ان لوگوں کا ولی و مددگار ہے جو ایمان لائے ہیں اور بیشک کافروں کے لئے کوئی ولی و مددگار نہیں ہے۔کیونکہ مدد کرنے والا تو اللہ ہی ہے۔

اس آیت کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ پہلی قوموں نے سرکشی کی راہ اختیار کی تو اللہ نے مختلف قسم کے عذاب بھیج کر انہیں تباہ و برباد کر دیا تھا۔اسی طرح کے عذاب بھیج کر ان موجودہ کافروں کو بھی تباہ کر سکتا ہے۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جس طرح کافروں کو دنیا میں طرح طرح کی سزائیں دی ہیں۔اسی طرح کئی طرح کی سزائیں آخرت میں بھی دے گا۔

غزوہ احد کے اختتام پر ابوسفیان کی نعرہ بازی اور اس کے جواب کا بیان

کافر یہ سمجھتے ضرور ہیں کہ ان کی دیویاں اور دیوتا ان کی مدد کو پہنچتے ہیں حالانکہ یہ محض ان کا وہم ہوتا ہے۔ دور نبوی کے حق و باطل کے معرکوں میں صرف غزوہ احد ہی وہ جنگ ہے جس میں ابتداء مسلمانوں کو ان کی اپنی ہی غلطی سے عارضی طور پر شکست سے دوچار ہونا پڑا اور آخر میں میدان برابر رہا۔ ابوسفیان نے اپنی اتنی سی کامیابی کو بھی غنیمت سمجھ کر اپنے سب سے بڑے دیوتا اور بت ہبل کا نعرہ لگاتے ہوئے کہا کہ ہبل سربلند ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے کہا اسے یہ جواب دو! اَللّٰهُ اَعْلٰی وَاَجَلّ، سربلند تو صرف اللہ ہے اور وہی بزرگ و برتر ہے) پھر ابوسفیان نے کہا: لنا عُزّٰی ولا عُزّٰی لکم (ہمارے لیے تو عزت دینے والی دیوی عزیٰ ہے اور تمہارے لیے کوئی عزیٰ نہیں) آپ نے مسلمانوں سے فرمایا: (اَللّٰهُ مولٰنا وَلَا مَولٰی لَكُم) (ہمارا تو اللہ حامی و ناصر ہے لیکن تمہارا کوئی حامی و ناصر نہیں) آپ کا جواب اسی آیت کی تفسیر تھا۔ چنانچہ ہوا بھی ایسا ہی۔ ابوسفیان جب احد کے میدان کو چھوڑ کر کئی میل مکہ کی طرف جا چکا تو اسے خیال آیا کہ اس جنگ کا فیصلہ تو کچھ بھی نہ ہوا لہٰذا واپس جا کر مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کر کے اسے نتیجہ خیز بنانا چاہیے۔ لیکن اللہ نے مسلمانوں کی نصرت کا یہ سبب پیدا کر دیا کہ مسلمان خود اس سے پہلے ہی ابوسفیان کے لشکر کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ جب ابوسفیان کو یہ صورت حال معلوم ہوئی تو اللہ نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے مکہ کی راہ لی۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری، بیروت)

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ○
بیشک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی،
اور جن لوگوں نے کفر کیا اور فائدے اٹھا رہے ہیں اور کھا رہے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں سو دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہے۔

ایمان والوں کیلئے جنت جبکہ کفار کیلئے دوزخ ہونے کا بیان

"اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات جَنَّات تَجْرِي مِنْ تَحْتهَا الْأَنْهَار وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُوْنَ" فِي الدُّنْيَا "وَيَأْكُلُوْنَ كَمَا تَأْكُل الْأَنْعَام" أَيْ لَيْسَ لَهُمْ هَمّ إلَّا بُطُونهمْ وَفُرُوجهمْ وَلَا يَلْتَفِتُوْنَ إلَى الْآخِرَة "وَالنَّار مَثْوًى لَهُمْ" مَنْزِل وَمُقَام وَمَصِير،

بیشک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اور جن لوگوں نے کفر کیا اور دنیوی فائدے اٹھا رہے ہیں اور اس طرح کھا رہے ہیں جیسے چوپائے جانور کھاتے ہیں۔ یعنی ان کے ہاں شہوت پیٹ اور شہوت فروج کے سوا کوئی چیز اہم ہی نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ آخرت کی طرف کوئی توجہ کرتے ہیں۔ لہٰذا دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہے۔ یعنی ان کے رہنے کی جگہ ہے۔

دنیا میں چند روز غفلت کے ساتھ اپنے انجام و مآل کو فراموش کیئے ہوئے۔ اور انہیں تمیز نہ ہو کہ وہ اس کھانے کے بعد وہ ذبح کیئے جائیں گے، یہی حال کفار کا ہے جو غفلت کے ساتھ دنیا طلبی میں مشغول ہیں اور آنے والی مصیبتوں کا خیال بھی نہیں کرتے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْۤ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝
اور کتنی ہی بستیاں تھیں جن کے باشندے آپ کے اس شہر سے زیادہ طاقتور تھے جس نے آپ کو نکال دیا ہے،
ہم نے انہیں ہلاک کر ڈالا پھر ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔

بڑے بڑے شہروں والے کفار کی ہلاکتوں کا بیان

"وَكَاَيِّنْ" وَكَمْ "مِنْ قَرْيَة" أُرِيدَ بِهَا أَهْلهَا "هِيَ أَشَدّ قُوَّة مِنْ قَرْيَتك" مَكَّة أَيْ أَهْلهَا "الَّتِي أَخْرَجَتْك" رُوعِيَ لَفْظ قَرْيَة "أَهْلَكْنَاهُمْ" رُوعِيَ مَعْنَى قَرْيَة الْأُولَى "فَلَا نَاصِر لَهُمْ" مِنْ إهْلَاكنَا،

اور کتنی ہی بستیاں تھیں یعنی بستیوں والے تھے۔ جن کے باشندے آپ کے اس شہر مکّہ کے باشندوں سے زیادہ طاقتور تھے جنہوں نے آپ کو (بصورتِ ہجرت) نکال دیا ہے، یہاں پر لفظ اخرجتک میں لفظ قریہ کی رعایت کی گئی ہے۔ ہم نے انہیں بھی ہلاک کر ڈالا، یہاں پر پہلے لفظ قریہ کے معنی کی رعایت کی گئی ہے۔ پھر ان کا کوئی مددگار نہ ہوا جو انہیں ہلاکت سے بچا سکتا۔

سورت محمد آیت ۱۳ کے شان نزول کا بیان

جب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی اور غار کی طرف تشریف لے چلے تو مکّہ مکرمہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کے شہروں میں تو اللہ تعالیٰ کو بہت پیارا ہے اور اللہ تعالیٰ کے شہروں میں تو مجھے بہت پیارا ہے، اگر مشرکین مجھے نہ نکالتے تو میں تجھ سے نہ نکلتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مسند ابویعلی، ج ۵، ص ۶۹، بیروت)

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ۝
تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہے اس شخص کی طرح ہے جس کے لیے اس کے
برے اعمال مزین کر دیے گئے اور انھوں نے اپنی خواہشوں کی پیروی کی؟

اہل ایمان اور کفار میں کوئی مماثلت نہ ہونے کا بیان

"أَفَمَنْ كَانَ عَلَى بَيِّنَة" حُجَّة وَبُرْهَان "مِنْ رَبّه" وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ "كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوء عَمَله" فَرَآهُ حَسَنًا وَهُمْ كُفَّار مَكَّة "وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ" فِي عِبَادَة الْأَوْثَان أَيْ لَا مُمَاثَلَة بَيْنهمَا،

تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہے اور وہ اہل ایمان ہیں۔ اس شخص کی طرح ہے جس کے لیے

اس کے برے اعمال مزین کر دیے گئے جن کو وہ دیکھ کر اچھا سمجھتا ہے۔ اور وہ کفار مکہ ہیں۔ اور انھوں نے بتوں کی پوجا کر کے اپنی خواہشوں کی پیروی کی؟ لہٰذا ان دونوں میں کسی قسم کی کوئی مماثلت نہیں۔

یعنی ایک شخص نہایت شرح صدر اور فہم و بصیرت کے ساتھ سچائی کی صاف اور کشادہ سڑک پر بیکھٹکے چلا جا رہا ہے، اور دوسرا اندھیرے میں پڑا ٹھوکریں کھاتا ہے، جس کو سیاہ و سفید یا نیک و بد کی کچھ تمیز نہیں، حتیٰ کہ اپنی بدتمیزی سے برائی کو بھلائی سمجھتا ہے اور خواہشات کی پیروی میں اندھا ہو رہا ہے، کیا ان دونوں کا مرتبہ اور انجام برابر ہو جائے گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ حق تعالیٰ کی شان حکومت و عدل کے منافی ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ
طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ
الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۝
جس جنت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہوں گی جس میں کبھی تغیر نہ
آئے گا، اور دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا ذائقہ اور مزہ کبھی نہ بدلے گا، اور شراب (طہور) کی نہریں ہوں گی جو پینے
والوں کے لئے سراسر لذت ہے، اور خوب صاف کئے ہوئے شہد کی نہریں ہوں گی، اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے
پھل ہوں گے اور ان کے رب کی جانب سے بخشائش ہوگی، ان لوگوں کی طرح ہو سکتا ہے جو ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے
ہیں اور جنہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو وہ ان کی آنتوں کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

اہل جنت اور دوزخیوں میں کوئی برابری نہ ہونے کا بیان

"مَثَل" أَيْ صِفَة "الْجَنَّة الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ" الْمُشْتَرَكَة بَيْن دَاخِلِيهَا مُبْتَدَأ خَبَره "فِيهَا أَنْهَار مِنْ مَاء غَيْر آسِن" بِالْمَدِّ وَالْقَصْر كَضَارِبٍ وَحَذِر أَيْ غَيْر مُتَغَيِّر بِخِلَافِ مَاء الدُّنْيَا فَيَتَغَيَّر بِعَارِضٍ "وَأَنْهَار مِنْ لَبَن لَمْ يَتَغَيَّر طَعْمه" بِخِلَافِ لَبَن الدُّنْيَا لِخُرُوجِهِ مِنْ الضُّرُوع "وَأَنْهَار مِنْ خَمْر لَذَّة" لَذِيذَة "لِلشَّارِبِينَ" بِخِلَافِ خَمْر الدُّنْيَا فَإِنَّهَا كَرِيهَة عِنْد الشُّرْب "وَأَنْهَار مِنْ عَسَل مُصَفًّى" بِخِلَافِ عَسَل الدُّنْيَا فَإِنَّهُ بِخُرُوجِهِ مِنْ بُطُون النَّحْل يُخَالِط الشَّمْع وَغَيْره "وَلَهُمْ فِيهَا" أَصْنَاف "مِنْ كُلّ الثَّمَرَات وَمَغْفِرَة مِنْ رَبّهمْ" فَهُوَ رَاضٍ عَنْهُمْ مَعَ إحْسَانه إلَيْهِمْ بِمَا ذُكِرَ بِخِلَافِ سَيِّد الْعَبِيد فِي الدُّنْيَا فَإِنَّهُ قَدْ يَكُون مَعَ إحْسَانه إلَيْهِمْ سَاخِطًا عَلَيْهِمْ "كَمَنْ هُوَ خَالِد فِي النَّار" خَبَر مُبْتَدَأ مُقَدَّر أَيْ أَمَّنْ هُوَ فِي هَذَا النَّعِيم "وَسُقُوا مَاء حَمِيمًا".

أَيْ شَدِيْد الْحَرَارَة "فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ" أَيْ مَصَارِينهم فَخَرَجَتْ مِنْ أَدْبَارهمْ وَهُوَ جَمْع مِعًى بِالْقَصْرِ وَأَلِفه عَنْ يَاء لِقَوْلِهِمْ مِعَيَان،

جس جنت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے جو اس میں داخل ہونے والوں میں مشترک ہے۔اس کی صفت یہ ہے، یہاں پر جنت مبتداء اور فیہا انہار اس کی خبر ہے۔اس میں ایسے پانی کی نہریں ہوں گی جس میں کبھی تغیر نہ آئے گا، جس طرح دنیا کے پانی میں کسی عارضے کی وجہ سے تبدیلی آتی ہے۔اور لفظ آسن کو مد اور بغیر مد کے بھی پڑھا گیا ہے۔جس طرح ضارب اور حذر ہے۔اور اس میں ایسے دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا ذائقہ اور مزہ کبھی نہ بدلے گا، بہ خلاف دنیا کے دودھ کے جو تھنوں سے نکالا جاتا ہے اور ایسے شراب طہور کی نہریں ہوں گی جو پینے والوں کے لئے سراسر لذت ہے، جبکہ دنیاوی شراب پینے کے وقت بدمزہ ہو جاتی ہے اور خوب صاف کئے ہوئے شہد کی نہریں ہوں گی، جبکہ دنیا میں شہد جب مکھی کے پیٹ سے خارج ہوتا ہے تو اس میں موم وغیرہ کی ملاوٹ ہو جاتی ہے۔اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی جانب سے ہر طرح کی بخشائش ہوگی یعنی وہ ان احسانات کے باوجود ان سے راضی ہوگا جبکہ دنیا میں بعض اوقات احسان کرنے والے احسان کے سبب ناراض ہو جایا کرتے ہیں۔(کیا یہ پرہیزگار) ان لوگوں کی طرح ہو سکتا ہے جو ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں یہ مبتدائے مقدر کی خبر ہے اور وہ اُمن ھو فی ھذا النعیم ہے۔اور جنہیں کھولتا ہوا پانی جو سخت گرم ہوگا وہ پلایا جائے گا تو وہ ان کی آنتوں کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔یعنی وہ آنتوں کو کاٹ کر ان کی دبروں کی جانب سے نکل جائے گا اور لفظ امعاء یہ معی کی جمع ہے اور قصر کے ساتھ آیا ہے اور اس کا الف یاء کے بدلے میں آیا ہوا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کا تثنیہ میعان آتا ہے۔

جنت کی نہروں اور مشروبات کا بیان

حکیم ابن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" جنت میں پانی کا دریا ہے اور شہد کا دریا ہے اور دودھ کا دریا ہے اور شراب کا دریا ہے اور پھر (جنتیوں کے داخل ہونے کے بعد) ان دریاؤں سے نہریں نکلیں گی۔" (ترمذی) دارمی نے اس روایت کو معاویہ سے نقل کیا ہے۔(مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 215)

ظاہر ہے کہ حدیث میں مذکورہ دریاؤں سے مراد ان نہروں کے چشمے اور منبع ہیں جن کا ذکر قرآن کی اس آیت میں کیا گیا ہے۔ (فِيْهَا اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّاۗءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى، محمد:15)"اس (جنت) میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں ذرا تغیر نہ ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں شراب کی ہیں جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوں گی اور بہت سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل صاف شفاف ہوگا۔" یہ نہریں وہ ہوں گی جو حدیث میں مذکورہ دریاؤں سے نکلیں گی اور پھر ان نہروں سے چھوٹی چھوٹی نہریں شاخ در شاخ نکل کر ابرار واخیار کے خیموں کی طرف جاری ہونگی اور محلات کے نیچے بہیں گیں۔بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حدیث میں جن دریاؤں کا ذکر ہے وہ دراصل وہی نہریں ہے جن کو قرآن کی مذکورہ آیت میں " نہر " ہی

کے نام سے ذکر کیا گیا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ حدیث میں ان کو "دریا" سے تعبیر کیا گیا ہے اور قرآن نے ان کو ان کے معنی "جاری ہونے اور بہنے کی مناسبت سے نہر کا نام دیا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا
قَالَ اٰنِفًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ○
اور ان میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جو آپ کی طرف صرف کان لگائے سنتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے
نکل کر جاتے ہیں تو ان لوگوں سے پوچھتے ہیں جنہیں علم عطا کیا گیا ہے کہ ابھی انہوں نے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے) کیا فرمایا تھا؟ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔

منافقین کا خطبہ جمعہ توجہ سے نہ سننے کا بیان

"وَمِنْهُمْ" أَيْ الْكُفَّار "مَنْ يَسْتَمِع إِلَيْك" فِي خُطْبَة الْجُمُعَة وَهُمْ الْمُنَافِقُونَ "حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدك قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْم" لِعُلَمَاء الصَّحَابَة مِنْهُمْ ابْن مَسْعُود وَابْن عَبَّاس اسْتِهْزَاء وَسُخْرِيَّة "مَاذَا قَالَ آنِفًا" بِالْمَدِّ وَالْقَصْر أَيْ السَّاعَة أَيْ لَا نَرْجِع إِلَيْهِ "أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّه عَلَى قُلُوبهمْ" بِالْكُفْرِ "وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ" فِي النِّفَاق،

اور ان میں سے یعنی کفار میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جو آپ کی طرف دل اور دھیان لگائے بغیر صرف کان لگائے جمعہ کا خطبہ سنتے رہتے ہیں اور وہ منافقین ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے نکل کر باہر جاتے ہیں تو ان لوگوں سے پوچھتے ہیں جنہیں علم نافع عطا کیا گیا ہے۔ جس طرح صحابہ کرام میں سے علماء صحابہ جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان سے بہ طور استہزاء و مذاق پوچھتے ہیں کہ ابھی انہوں نے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) کیا فرمایا تھا؟ یہاں پر لفظ آنفا یہ مد اور بغیر مد کے بھی آیا ہے جس کا معنی ساعت یعنی گھڑی ہے۔ معنی یہ ہے کہ انہوں نے کیا کہا کیونکہ ہم نے ان کی جانب کوئی توجہ نہیں کی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے کفر کے ساتھ مہر لگا دی ہے اور وہ منافقت میں اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔

سورہ محمد آیت ١٦ کے شان نزول کا بیان

ابن جریج سے روایت ہے کہ مومنین اور منافقین دونوں نبی کی مجلس میں جمع ہوتے مومنین آپ کی بات کو پوری توجہ سے سنتے اور یاد کر لیتے جبکہ منافقین بے توجہی سے سنتے اور یاد نہ کرتے جب مجلس سے باہر نکلتے تو مومنین سے پوچھتے ابھی حضرت نے کیا کہا اس بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل کی ۔وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ) (سیوطی 262، قرطبی 16۔238)

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ ○ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ
اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰهُمْ ○
اور وہ لوگ جنھوں نے ہدایت قبول کی اس نے انھیں ہدایت میں بڑھا دیا اور انھیں ان کا تقویٰ عطا کر دیا۔تو وہ کس چیز
کا انتظار کر رہے ہیں سوائے قیامت کے کہ وہ ان پر اچانک آ جائے ، پس یقیناً اس کی نشانیاں آ چکیں ، پھر ان
کے لیے ان کی نصیحت کیسے ممکن ہوگی ، جب وہ ان کے پاس آ جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہدایت والوں کیلئے تقویٰ میں اضافہ فرما دیتا ہے

"وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا" وَهُمُ الْمُؤْمِنُونَ "زَادَهُمْ" اللّٰه "هُدَى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ" أَلْهَمَهُمْ مَا يَتَّقُونَ بِهِ النَّار،

"فَهَلْ يَنْظُرُونَ" مَا يَنْتَظِرُونَ أَيْ كُفَّار مَكَّة "إِلَّا السَّاعَة أَنْ تَأْتِيهِمْ" بَدَل اشْتِمَال مِنْ السَّاعَة أَيْ لَيْسَ الْأَمْر إِلَّا أَنْ تَأْتِيهِمْ "بَغْتَة" فَجْأَة "فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطهَا" عَلَامَاتهَا : مِنْهَا بَعْثَة النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَانْشِقَاق الْقَمَر وَالدُّخَان "فَأَنَّى لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ" السَّاعَة "ذِكْرَاهُمْ" تُذَكِّرهُمْ أَيْ لَا يَنْفَعهُمْ،

اور وہ لوگ جنھوں نے ہدایت قبول کیا اور اہل ایمان ہیں۔اس نے یعنی اللہ نے انھیں ہدایت میں بڑھا دیا اور انھیں ان کا تقویٰ عطا کر دیا۔جس کی وجہ سے جہنم سے ڈرتے ہیں۔تو وہ کفار مکہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سوائے قیامت کے کہ وہ ان پر اچانک آ جائے ، یہاں پر لفظ الساعہ یہ تاتیہم سے بدل اشتمال ہے۔یعنی ایسا معاملہ نہیں رہا کہ اب قیامت نہ آئے بلکہ وہ اچانک آئے گی۔پس یقیناً اس کی نشانیاں آ چکیں ، اور ان میں سے نبی کریم ﷺ کی بعثت ہے اور شق قمر ہے اور دھواں ہے ، پھر ان کے لیے ان کی نصیحت کیسے ممکن ہوگی ، جب وہ ان کے پاس آ جائے گی۔یعنی تب نصیحت ان کیلئے کوئی فائدے مند نہ ہوگی۔

قیامت کی اشراط وعلامات کا بیان

شرط (را کے جزم کے ساتھ) کے معنی ہیں۔کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ وابستہ کرنا یا کسی چیز کا لازم کرنا جیسا کہ یوں کہا جائے اگر ایسا ہو تو ایسا ہوگا ! اس کی جمع "شروط" آتی ہے "شرط" (را کے زبر کے ساتھ) کے معنی ہیں علامت یعنی وہ چیز جو کسی وقوع پذیر ہونے والی چیز کو ظاہر کرے ! اس کی جمع "اشراط" ہے پس یہاں سے "اشراط" سے مراد وہ نشانیاں اور علامتیں ہیں جو قیامت کے وقوع پذیر ہونے کو ظاہر کریں گی۔ویسے لغت میں "شرط" کے معنی کسی چیز کا اول ، مال کا زوال اور چھوٹا و کمتر مال" لکھے ہیں۔"ساعۃ "شب و روز کے اجزاء میں سے کسی بھی ایک جزء کو کہتے ہیں یہ لفظ "موجودہ وقت" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔پس قیامت یا قیامت کے آنے کو ساعت اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ جب اس کا وقت غیر معلوم ہے تو وہ کسی بھی وقت آ سکتی ہے یہاں تک آنے

والالمحہ یہ احتمال رکھتا ہے کہ اسی وقت قیامت نہ آ جائے۔ علماء نے وضاحت کی ہے کہ اشراط ساعت یعنی قیامت کی علامتوں سے مراد وہ نسبتاً چھوٹی چیزیں ہیں جو قیامت آنے سے پہلے وقوع پذیر ہوں گی اور جن کو لوگ قیامت کی علامتیں تسلیم نہیں کریں گے مثلاً لونڈی کا اپنے مالک کو جننا، فلک بوس عمارتیں بنانا اور ان پر فخر کرنا، جہل و نادانی، زنا کاری اور شراب خوری کی کثرت، مردوں کی کمی اور عورتوں کی زیادتی، امانتوں میں خیانت و بدیانتی، لڑائیوں اور فتنہ فساد کی زیادتی اور اس طرح کی دوسری برائیوں کا ذکر اس باب میں آئے گا۔ "اشراط" کی وضاحت اس معنی کے ساتھ اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ بڑی علامتیں کہ جو قیامت کے بالکل قریب ظاہر ہوں گی۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰكُمْ ۝
تو جان لو کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے
گناہوں کی معافی مانگو، اور اللہ جانتا ہے دن کو تمہارا پھرنا اور رات کو تمہارا آرام لینا۔

نبی کریم ﷺ کا اہل ایمان کیلئے بخشش طلب کرنے کا بیان

"فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَه إِلَّا اللَّه" أَيْ دُمْ يَا مُحَمَّد عَلَى عِلْمك بِذَلِكَ النَّافِع فِي الْقِيَامَة "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِك" لِأَجْلِهِ قِيلَ لَهُ ذَلِكَ مَعَ عِصْمَته لِتَسْتَنّ بِهِ أُمَّته وَقَدْ فَعَلَهُ قَالَ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (إِنِّي لَأَسْتَغْفِر اللَّه فِي كُلّ يَوْم مِائَة مَرَّة) "وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَات" فِيهِ إِكْرَام لَهُمْ بِأَمْرِ نَبِيّهمْ بِالِاسْتِغْفَارِ لَهُمْ "وَاَللَّه يَعْلَم مُتَقَلَّبكُمْ" مُتَصَرَّفكُمْ لِأَشْغَالِكُمْ فِي النَّهَار "وَمَثْوَاكُمْ" مَأْوَاكُمْ إِلَى مَضَاجِعكُمْ بِاللَّيْلِ أَيْ هُوَ عَالِم بِجَمِيعِ أَحْوَالكُمْ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْء مِنْهَا فَاحْذَرُوهُ وَالْخِطَاب لِلْمُؤْمِنِينَ وَغَيْرهمْ

تو جان لو کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور اے محبوب ﷺ تم اپنے اس علم پر جو قیامت کے دن کیلئے بھی فائدے مند ہے اسی پر قائم رہو۔ اور اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو، یعنی آپ کی وجہ سے بخشش ہوگی۔ کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے باوجود عصمت کے ایسا اس لئے فرمایا کہ تا کہ امت کیلئے پیروی کا سبب بن جائے۔ اور آپ ﷺ نے ایسا کیا ہے اور فرمایا کہ میں ہر دن سو بار اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ لہٰذا آپ اہل ایمان مرد و عورتوں کیلئے بخشش طلب کریں۔ اور اس میں ان کیلئے اعزاز ہے۔ کیونکہ ان کے نبی کریم ﷺ سے ان کیلئے بخشش طلب کرنے کا کہا جا رہا ہے۔ اور اللہ جانتا ہے دن کو تمہارا پھرنا یعنی دن کے کاروبار میں مصروف ہونا اور رات کو تمہارا آرام لینا۔ یعنی آرامگاہوں کو جانتا ہے۔ یعنی وہ تمہارے تمام احوال کو جاننے والا ہے لہٰذا اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ پس تم اس سے ڈرو اور یہ خطاب اہل ایمان وغیرہ کو ہے۔

یہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ ان کے لئے مغفرت طلب فرمائیں اور آپ شفیع، مقبول الشفاعت ہیں۔ اس کے بعد مومنین وغیر مومنین سب سے عام خطاب ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری زندگی بھی تمہارے لئے خیر ہے کیونکہ مجھ پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے اور میں تم کو حلال وحرام کی خبر دیتا ہوں۔ اور میری وفات میں بھی تمہارے لئے خیر ہے کیونکہ ہر جمعرات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں نیک اعمال پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور جو تمہارے گناہ ہوتے ہیں ان کیلئے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی التجاء کرتا ہوں۔ (الوفاء باحوال المصطفیٰ ص ۸۱۰، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ
رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى
لَهُمْ ۝ طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۝
اور ایمان والے کہتے ہیں کہ کوئی سورت کیوں نہیں اتاری جاتی؟ پھر جب کوئی واضح سورت نازل کی جاتی ہے اور اس میں
جہاد کا ذکر کیا جاتا ہے تو آپ ایسے لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے ملاحظہ فرماتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں
جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو۔ پس ان کیلئے بہتر تھا کہ فرمانبرداری اور اچھی گفتگو بہتر ہے،
پھر جب حکم جہاد قطعی ہو گیا تو اگر وہ اللہ سے سچے رہتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔

ایمان والوں کا جہاد کیلئے محکم سورت کو طلب کرنے کا بیان

"وَيَقُول الَّذِينَ آمَنُوا" طَلَبًا لِلْجِهَادِ "لَوْلَا" هَلَّا "نُزِّلَتْ سُورَة" فِيهَا ذِكْر الْجِهَاد "فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَة مُحْكَمَة" أَيْ لَمْ يُنْسَخ مِنْهَا شَيْء "وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَال" أَيْ طَلَبه "رَأَيْت الَّذِينَ فِي قُلُوبهمْ مَرَض" أَيْ شَكّ وَهُمْ الْمُنَافِقُونَ "يَنْظُرُونَ إلَيْك نَظَرَ الْمَغْشِيّ عَلَيْهِ مِنْ الْمَوْت" خَوْفًا مِنْهُ وَكَرَاهَة لَهُ أَيْ فَهُمْ يَخَافُونَ مِنْ الْقِتَال وَيَكْرَهُونَهُ "فَأَوْلَى لَهُمْ" مُبْتَدَأ خَبَره، "طَاعَة وَقَوْل مَعْرُوف" أَيْ حَسَن لَك "فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْر" أَيْ فُرِضَ الْقِتَال "فَلَوْ صَدَقُوا اللَّه" فِي الْإِيمَان وَالطَّاعَة وَجُمْلَة لَوْ جَوَاب إذَا،

اور ایمان والے کہتے ہیں کہ حکم جہاد سے متعلق کوئی سورت کیوں نہیں اتاری جاتی؟ یعنی ایسی سورت نازل کیوں نہ ہوئی جس میں جہاد کا ذکر ہو۔ پھر جب کوئی واضح سورت نازل کی جاتی ہے یعنی جس میں سے کچھ بھی منسوخ نہیں ہے۔ اور اس میں صریحاً جہاد کا ذکر کیا جاتا ہے یعنی جہاد طلب کیا جاتا ہے۔ تو آپ ایسے لوگوں کو جن کے دلوں میں شک ونفاق کی بیماری کو ملاحظہ فرماتے ہیں اوہ منافقین ہیں۔ کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے وہ شخص دیکھتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو۔ یعنی موت کے

خوف سے اوراس کو ناپسند کرنے کی وجہ سے وہ جہاد کرنے سے ڈرتے ہیں اور جہاد کو پسند نہیں کرتے۔لہٰذا انہیں جہاد کا کہنا آپ کیلئے بہتر ہے۔ یہاں پر فاولی لہم یہ مبتداء ہے اور طاعۃ وقول معروف یہ خبر ہے۔پس ان کیلئے بہتر تھا۔فرمانبرداری اوراچھی گفتگو ان کے حق میں بہتر ہے، پھر جب حکم جہاد قطعی اور پختہ ہو گیا یعنی ان پر فرض کر دیا گیا۔تو اگر وہ اللہ سے اپنے ایمان اور طاعت میں سچے رہتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ یہاں پر جملہ لو یہ اذا کا جواب ہے۔

سورت محمد آیت ۲۱ کے شان نزول کا بیان

مومنین کو جہاد فی سبیل اللہ تعالیٰ کا بہت ہی شوق تھا، وہ کہتے تھے کہ ایسی سورت کیوں نہیں اترتی جس میں جہاد کا حکم ہوتا کہ ہم جہاد کریں، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ محمد، لاہور)

لفظ محکمہ کے لغوی واصطلاحی مفہوم کا بیان

سورۃ محکمۃ، محکمہ کے لفظی معنی مضبوط و مستحکم کے ہیں اس لغوی معنی کے اعتبار سے تو قرآن کی ہر سورت محکمہ ہے لیکن اصطلاح شرع میں محکم بمقابلہ منسوخ استعمال ہوتا ہے، یہاں سورۃ کے ساتھ محکمہ کی قید کا اضافہ اس لئے ہے کہ عمل کا شوق تو جبھی پورا ہو سکتا ہے جبکہ وہ سورت منسوخ نہ ہو، اور قتادہ نے فرمایا کہ جتنی سورتوں میں قتال وجہاد کے احکام آئے ہیں وہ سب محکمہ ہیں، یہاں چونکہ اصل مقصود حکم جہاد اور اس پر عمل ہے اس لئے سورت کے ساتھ محکمہ کا لفظ بڑھا کر ذکر جہاد کی طرف اشارہ کر دیا جس کی آگے تصریح آ رہی ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ محمد، بیروت)

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ○
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ○
پھر یقیناً تم قریب ہو اگر تم حاکم بن جاؤ کہ زمین میں فساد کرو اور اپنے رشتوں کو بالکل ہی قطع کر دو۔ یہی وہ لوگ ہیں
جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان کو بہرا کر دیا ہے اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔

زمین فساد کرنے والے ظالم لوگوں کا بیان

"فَهَلْ عَسَيْتُمْ" بِكَسْرِ السِّين وَفَتْحهَا وَفِيهِ الْتِفَات عَنْ الْغَيْبَة إلَى الْخِطَاب أَيْ لَعَلَّكُمْ "إنْ تَوَلَّيْتُمْ" أَعْرَضْتُمْ عَنْ الْإِيمَان "أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْض وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامكُمْ" أَيْ تَعُودُوا إلَى أَمْر الْجَاهِلِيَّة مِنْ الْبَغْي وَالْقِتَال، "أُولَئِكَ" أَيْ الْمُفْسِدُونَ "الَّذِينَ لَعَنَهُمْ اللَّه فَأَصَمَّهُمْ" عَنْ اسْتِمَاع الْحَقّ "وَأَعْمَى أَبْصَارهمْ" عَنْ طَرِيق الْهُدَى

پھر یقیناً تم قریب ہو، یہاں پر لفظ عسیتم یہ سین کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔اوراس میں غیبت سے خطاب کی جانب التفات ہے۔اگر تم حاکم بن جاؤ تو ایمان سے اعراض کرو کہ زمین میں فساد کرو اور اپنے رشتوں کو بالکل ہی قطع کر دو۔یعنی تم دور

جاہلیت کی بغاوت وقتل کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

یہی وہ فسادی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان کے کانوں کو حق سننے سے بہرا کر دیا ہے اور ان کی آنکھوں راہ حق کو دیکھنے کو اندھا کر دیا ہے۔

صلہ رحمی کرنے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کامل صلہ رحم کرنے والا شخص وہ نہیں ہے جو بدلہ چکائے بلکہ کامل صلہ رحم کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کی قرابت کو منقطع کیا جائے تو وہ اس قرابت کو قائم رکھے۔

(بخاری، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 854)

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اس قرابت دار کے ساتھ بدلہ کے طور پر احسان اور نیک سلوک کرنا چاہے جس نے اس کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کیا ہے تو اس کو حقیقی معنی میں صلہ رحمی نہیں کہیں گے بلکہ احسان چکانا کہیں گے ہاں اگر اس نے ایسے قرابت دار کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کیا جس نے خود اس کی قرابت کا کوئی لحاظ نہیں رکھا ہے اور کبھی اس کے ساتھ کوئی احسان اور نیک سلوک کیا تو اس کا حسان و نیک سلوک بے شک کامل صلہ رحم کہلائے گا اور اس سے معلوم ہوا کہ صلہ رحمی کا کامل ترین جذبہ وہ ہے جس کی بنیاد بدلہ چکانے پر نہ ہو بلکہ محض حق شناسی اور حق ادائیگی کے احساس پر ہو خواہ خود اس کا حق کسی نے ادا کیا ہو یا نہ کیا ہو چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ جوان مرد وہی شخص ہے جو اپنا حق کسی سے طلب نہ کرے اور خود دوسروں کا حق ادا کرے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ○
تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا کچھ دلوں پر ان کے قفل پڑے ہوئے ہیں؟

دلوں پر اقفال کے سبب حق کو نہ سمجھ سکنے کا بیان

"أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآن" فَيَعْرِفُونَ الْحَق "أَمْ" بَلْ "عَلَى قُلُوب" لَهُمْ "أَقْفَالهَا" فَلَا يَفْهَمُونَهُ

تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے، تا کہ وہ حق کو پہچان لیتے۔ یہاں پر اَم بہ معنی بل ہے۔ بلکہ کچھ دلوں پر ان کے قفل پڑے ہوئے ہیں؟ لہٰذا وہ کچھ نہیں سمجھ سکتے۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت فرما رہے تھے ایک نوجوان یمنی نے کہا بلکہ ان پر ان کے قفل ہیں جب تک اللہ نہ کھولے اور الگ نہ کرے پس حضرت عمر کے دل میں یہ بات رہی یہاں تک کہ اپنی خلافت کے زمانے میں اس سے مدد لیتے رہے۔ پھر فرماتا ہے جو لوگ ہدایت ظاہر ہو چکنے کے بعد ایمان سے الگ ہو گئے اور کفر کی طرف لوٹ گئے دراصل شیطان نے اس کار بد کو ان کی نگاہوں میں اچھا دکھا دیا ہے اور انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ دراصل ان کا یہ کفر سزا ہے ان کے اس نفاق کی جو ان کے دل میں تھا جس کی وجہ سے وہ ظاہر کے خلاف اپنا باطن رکھتے تھے۔ کافروں سے مل جل کر انہیں اپنا

کرنے کے لئے ان سے باطن میں باطل پر موافقت کر کے کہتے تھے گھبراؤ نہیں ابھی ابھی ہم بھی بعض امور پر تمہارا ساتھ دیں گے لیکن یہ باتیں اس اللہ سے تو چھپ نہیں سکتیں جو اندرونی اور بیرونی حالات سے یکسر اور یکساں واقف ہو جو راتوں کے وقت کی پوشیدہ اور راز کی باتیں بھی سنتا ہو جس کے علم کی انتہا نہ ہو۔ پھر فرماتا ہے ان کا کیا حال ہوگا؟ جبکہ فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کو آئیں گے اور ان کی روحیں جسموں میں چھپتی پھریں گی۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ محمد، بیروت)

إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ○
بیشک جو لوگ پیٹھ پھیر کر پیچھے لوٹ گئے اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہو چکی تھی شیطان نے انہیں اچھا
کر کے دکھایا، اور انہیں طویل زندگی کی امید دلائی۔

منافقت کے ساتھ مرتد ہو جانے والوں کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا" بِالنِّفَاقِ "عَلَى أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَان سَوَّلَ" أَيْ زَيَّنَ "لَهُمْ وَأُمْلِيَ لَهُمْ" بِضَمِّ أَوَّله وَبِفَتْحِهِ وَاللَّام وَالْمُمْلِي الشَّيْطَان بِإِرَادَتِهِ تَعَالَى فَهُوَ الْمُضِلّ لَهُمْ

بیشک جو لوگ منافقت کے ساتھ پیٹھ پھیر کر پیچھے لوٹ گئے اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہو چکی تھی شیطان نے انہیں کفر کی طرف واپس پلٹنا دھوکہ دہی سے اچھا کر کے دکھایا، یہاں پر اُملی یہ حرف اول کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی انہیں دھوکہ دینے والا شیطان ہے جو اللہ کی طرف سے مہلت یافتہ ہے۔ اور انہیں دنیا میں طویل زندگی کی امید دلائی۔

قتادہ نے کہا کہ یہ کفار اہل کتاب کا حال ہے جنہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانا اور آپ کی نعت وصفت اپنی کتاب میں دیکھی، پھر باوجود جاننے پہچاننے کے کفر اختیار کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ضحاک وسدی کا قول ہے کہ اس سے منافق مراد ہیں جو ایمان لا کر کفر کی طرف پھر گئے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ محمد، لاہور)

اس میں شیطان کی طرف دو کاموں کی نسبت کی گئی۔ ایک تسویل جس کے معنی تزئین کے ہیں کہ بری چیز یا برے عمل کو کسی کی نظروں میں اچھا اور مزین کر دے۔ دوسرا املاء، جس کے معنے امہال اور مہلت دینے کے ہیں مراد یہ ہے کہ شیطان نے اول تو ان کے برے اعمال کو ان کی نظروں میں اچھا اور مزین کر کے دکھلایا پھر ان کو ایسی طویل آرزوؤں اور امیدوں میں الجھا دیا جو پوری ہونے والی نہیں۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ ۖ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ○
یہ اس لئے کہ انہوں نے ان لوگوں سے کہا جو اللہ کی نازل کردہ کتاب کو ناپسند کرتے تھے کہ ہم بعض امور میں تمہاری
پیروی کریں گے، اور اللہ ان کے خفیہ مشورہ کرنے کو خوب جانتا ہے۔

منافقین کا نبی کریم ﷺ کے خلاف مشرکین کی مدد کرنے کا بیان

"ذَٰلِكَ" أَيْ إِضْلَالهم "بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّه " أَيْ لِلْمُشْرِكِينَ "سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْض الْأَمْر" أَيْ الْمُعَاوَنَة عَلَى عَدَاوَة النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَثْبِيط النَّاس عَنْ الْجِهَاد مَعَهُ قَالُوا ذَلِكَ سِرًّا فَأَظْهَرَهُ اللَّه تَعَالَى "وَاَللَّه يَعْلَم إسْرَارهمْ" بِفَتْحِ الْهَمْزَة جَمْع سِرّ وَبِكَسْرِهَا مَصْدَر،

یہ گمراہی اس لئے ہے کہ انہوں نے ان لوگوں یعنی مشرکین سے کہا جو اللہ کی نازل کردہ کتاب کو ناپسند کرتے تھے کہ ہم بعض امور میں تمہاری پیروی کریں گے، یعنی ہم نبی کریم ﷺ کی عداوت میں تمہارا ساتھ دیں گے۔ اور لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد پر جانے روکیں گے انہوں نے اس بات کو بہ طور راز کہا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ظاہر کر دیا۔ اور اللہ ان کے خفیہ مشورہ کرنے کو خوب جانتا ہے۔ یہاں پر لفظ اُسرار یہ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے جو سر کی جمع ہے جو کسرہ کے ساتھ ہے اور مصدر ہے۔

یعنی منافقوں نے یہود وغیرہ سے کہا کہ گو ہم ظاہر میں مسلمان ہو گئے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے ساتھ ہرگز تم سے نہ لڑیں گے بلکہ موقع ملا تو تم کو مدد دیں گے اور اس قسم کے کاموں میں تمہاری بات مانیں گے۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا
مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ○
تو کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کرینگے، ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہوں گے۔ یہ اس لیے کہ بے شک
انھوں نے اس چیز کی پیروی کی جس نے اللہ کو ناراض کر دیا اور اس کی خوشنودی کو برا جانا تو اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔

اللہ کی رضا کو پسند نہ کرنے والوں کے اعمال کی بربادی کا بیان

"فَكَيْفَ" حَالهمْ "إذْ تَوَفَّتْهُمْ الْمَلَائِكَة يَضْرِبُونَ" حَال مِنْ الْمَلَائِكَة "وُجُوههمْ وَأَدْبَارهمْ" ظُهُورهمْ بِمَقَامِع مِنْ حَدِيد، "ذَلِكَ" التَّوَفِّي عَلَى الْحَالَة الْمَذْكُورَة "بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّه وَكَرِهُوا رِضْوَانه" أَيْ الْعَمَل بِمَا يُرْضِيه،

تو کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روح قبض کرینگے، یہاں پر لفظ یضربون یہ ملائکہ سے حال ہے۔ ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر لوہے سے مارتے ہوں گے۔

یہ یعنی ذکر کردہ حالت اس لیے ہے کہ بے شک انھوں نے اس چیز کی پیروی کی جس نے اللہ کو ناراض کر دیا اور اس کی خوشنودی کو برا جانا یعنی ایسا عمل جس پر وہ راضی ہو اس کو پسند نہ کیا۔ تو اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے۔

یعنی آج تو جہاد سے گریز کی راہ اختیار کر کے اپنی جانوں کو بچانے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں مگر اس دن اپنے آپ کو کیسے بچا

سکیں گے جب فرشتے ان کی جان نکالنے کے لیے آئیں گے اور لوہے کے گرزوں سے انہیں خوب مار رہے ہوں گے۔ یہ آیت بھی منجملہ ان آیات کے ہیں جن سے عذاب قبر یا عذاب برزخ ثابت ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ عذاب قیامت کے دن کے عذاب سے پہلے ہوگا۔ قیامت کے عذاب کی نسبت سے ہلکا ہوگا اور مرنے کے ساتھ ہی شروع ہو جائے گا۔

اور وہ بات رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں جہاد کو جانے سے روکنا اور کافروں کی مدد کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ وہ بات توریت کے ان مضامین کا چھپانا ہے جن میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت شریف ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ محمد، لاہور)

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ○ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ
فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ○
کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ ان کے کینوں اور عداوتوں کو ہرگز ظاہر نہ فرمائے گا۔
اور اگر ہم چاہیں تو ضرور تجھے وہ لوگ دکھا دیں، پھر یقیناً تو انھیں ان کی نشانی سے پہچان لے گا اور تو انھیں بات کے
انداز سے ضرور ہی پہچان لے گا اور اللہ تمھارے اعمال جانتا ہے۔

منافقین کے دلوں کی مرض کو ظاہر کر دیئے جانے کا بیان

"أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَنْ لَنْ يُخْرِجَ اللَّه أَضْغَانهمْ" يُظْهِر أَحْقَادهمْ عَلَى النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِينَ، "وَلَوْ نَشَاء لَأَرَيْنَاكَهُمْ" عَرَّفْنَاكَهُمْ وَكُرِّرَتْ اللَّام فِي "فَلَعَرَفْتهمْ بِسِيمَاهُمْ" عَلَامَتهمْ "وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ" الْوَاو لِقَسَمٍ مَحْذُوف وَمَا بَعْدهَا جَوَابه "فِي لَحْن الْقَوْل" أَيْ مَعْنَاهُ إذَا تَكَلَّمُوا عِنْدك بِأَنْ يَعْرِضُوا بِمَا فِيهِ تَهْجِين أَمْر الْمُسْلِمِينَ،

کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ ان کے کینوں اور عداوتوں کو ہرگز ظاہر نہ فرمائے گا۔ یعنی وہ ان کی عداوت کو نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان پر ظاہر نہ کرے گا۔

اور اگر ہم چاہیں تو ضرور آپ کو وہ لوگ دکھا دیں، یعنی ہم ان کو پہچان تمہیں کرا دیں یہاں پر لعرف میں لام مکرر ہے۔ پھر یقیناً آپ انھیں ان کی نشانی یعنی پیشانیوں سے پہچان لیں گے۔ اور آپ انھیں بات کے انداز سے ضرور ہی پہچان لیں گے، یہاں پر واؤ قسمیہ جو محذوف ہے اور اس کا مابعد اس کا جواب ہے۔ معنی یہ ہے کہ جب وہ آپ کے پاس کلام کریں گے تو وہ ایسی تعریض کریں گے جس سے اہل ایمان کی حقارت ہو۔ اور اللہ تمھارے اعمال جانتا ہے۔

منافقین کو ظاہر کر دیئے جانے کا بیان

ضغان جمع ضغن کی ہے جس کے معنی مخفی عداوت اور حسد و کینہ کے ہیں۔ منافقین جو اسلام کا دعویٰ اور ظاہر میں رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار اور باطن میں عداوت و کینہ رکھتے تھے ان کے بارے میں نازل ہوا کہ یہ لوگ اللہ رب العالمین کو عالم الغیب جانتے ہوئے اس بات سے کیوں بے فکر ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے باطنی راز اور مخفی عداوت کو لوگوں پر ظاہر کر دیں۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ برات میں ان کے ایسے اعمال و افعال اور حرکتوں کا پتہ دے دیا جن سے منافقین کے نفاق کا پتہ چل جائے اور وہ پہچانے جائیں، اسی لئے سورہ برات کو فاضحہ بھی کہا جاتا ہے یعنی رسوا کرنے والی کیونکہ اس نے منافقین کی خاص خاص علامتیں ظاہر کر دی ہیں۔

جو شخص اپنے دل میں کوئی بات چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے وجود پر اس چیز کی چادر اڑھا دیتے ہیں۔ اگر وہ چیز کوئی اچھی بھلی ہے تو وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے اور بری ہے تو وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے اور بعض روایات حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ منافقین کی ایک جماعت کا آپ کو شخصی طور پر بھی علم دے دیا گیا تھا۔

جیسا کہ مسند احمد میں عقبہ ابن عمرو کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں خاص خاص منافقین کے نام لے کر ان کو مجلس سے اٹھا دیا اس میں چھتیس آدمیوں کے نام شمار کئے گئے ہیں۔ (ابن کثیر، سورت محمد، بیروت)

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَاْ اَخْبَارَكُمْ ۝
اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے یہاں تک کہ تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو
ظاہر کر دیں اور تمہاری خبریں ظاہر کر دیں۔

جہاد کے ذریعے آزمائش کرنے کا بیان

"وَلَنَبْلُوَنَّكُم" نَخْتَبِرَنَّكُمْ بِالْجِهَادِ وَغَيْره "حَتّٰى نَعْلَم" عِلْم ظُهُور "الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ" فِي الْجِهَاد وَغَيْره "وَنَبْلُو" نُظْهِر "أَخْبَاركُمْ" مِنْ طَاعَتكُمْ وَعِصْيَانكُمْ فِي الْجِهَاد وَغَيْره بِالْيَاءِ وَالنُّون فِي الْأَفْعَال الثَّلَاثَة،

اور ہم ضرور تمہاری آزمائش یعنی جہاد وغیرہ کے ذریعے آزمایا کریں گے یہاں تک کہ تم میں سے ثابت قدمی کے ساتھ جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو بھی ظاہر کر دیں یعنی تم میں سے مجاہدین اور صبر کرنے والے کون ہیں۔ اور تمہاری منافقانہ بزدلی کی مخفی خبریں بھی ظاہر کر دیں۔ یعنی کون جہاد کے حکم میں طاعت کرتے ہیں اور کون جہاد کے حکم وغیرہ میں نافرمانی کرتے ہیں۔

یہاں پر تینوں افعال یاء اور نون کے ساتھ آئے ہیں۔

تاکہ ظاہر ہو جائے کہ طاعت و اخلاص کے دعوے میں تم میں سے کون اچھا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ۝

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان پر ہدایت
واضح ہو چکی تھی وہ اللہ کا ہرگز کچھ نقصان نہیں کر سکیں گے اور اللہ ان کے اعمال کو نیست و نابود کر دے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے سبب اعمال کے ضائع ہو جانے کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيل اللَّه" طَرِيق الْحَقّ "وَشَاقُّوا الرَّسُول" خَالَفُوهُ "مِنْ بَعْد مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ الْهُدَى" هُوَ مَعْنَى سَبِيل اللَّه "لَنْ يَضُرُّوا اللَّه شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالهمْ" يُبْطِلهَا مِنْ صَدَقَة وَنَحْوهَا فَلَا يَرَوْنَ لَهَا فِي الْآخِرَة ثَوَابًا نَزَلَتْ فِي الْمُطْعِمِينَ مِنْ أَصْحَاب بَدْر أَوْ فِي قُرَيْظَة وَالنَّضِير،

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ان پر ہدایت واضح ہو چکی تھی اور وہ اللہ کا راستہ ہے۔ وہ اللہ کا ہرگز کچھ نقصان نہیں کر سکیں گے (یعنی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت کو گھٹا نہیں سکیں گے)، اور اللہ ان کے سارے اعمال کو (مخالفتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باعث) نیست و نابود کر دے گا۔ یعنی جو انہوں نے صدقہ وغیرہ کیا ہوگا وہ آخرت میں اس کو نہیں دیکھ سکیں گے۔ یہ آیت اصحاب بدر یا بنو قریظہ یا بنو نضیر کے کھانا کھلانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

سورت محمد آیت ۳۲ کے شانِ نزول کا بیان

جنگ بدر کے لئے جب قریش نکلے تو وہ سال قحط کا تھا، لشکر کا کھانا قریش کے دولتمندوں نے نوبت بنوبت اپنے ذمہ لے لیا تھا، مکہ مکرمہ سے نکل کر سب سے پہلا کھانا ابو جہل کی طرف سے تھا، جس کے لئے اس نے دس اونٹ ذبح کئے تھے، پھر صفوان نے مقامِ عُسفان میں نو اونٹ، پھر سہل نے مقامِ قدید میں دس، یہاں سے وہ لوگ سمندر کی طرف پھر گئے اور رستہ گم ہو گیا، ایک دن ٹھہرے، وہاں شیبہ کی طرف سے کھانا ہوا، نو اونٹ ذبح ہوئے، پھر مقامِ ابواء میں پہنچے، وہاں مُقَیِّس جمحی نے نو اونٹ ذبح کئے۔ حضرت عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرف سے بھی دعوت ہوئی، اس وقت تک آپ مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے، آپ کی طرف سے دس اونٹ ذبح کئے گئے، پھر حارث کی طرف سے نو، اور ابو البختری کی طرف سے بدر کے چشمے پر دس اونٹ۔ ان کھانا دینے والوں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ محمد، لاہور)

فائدہ۔ اور وہ صدقہ وغیرہ کسی چیز کا ثواب نہ پائیں گے کیونکہ جو کام اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہو اس کا ثواب ہی کیا؟

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝
اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کیا کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کیا کرو اور اپنے اعمال برباد مت کرو۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا بیان

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللّٰه وَأَطِیعُوا الرَّسُول وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالکُمْ" بِالْمَعَاصِي مَثَلًا

اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کیا کرو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کیا کرو اور نافرمانی کے سبب اپنے اعمال برباد مت کرو۔

سورت محمد آیت ۳۳ کے شان نزول کا بیان

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ جیسے شرک کی وجہ سے تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں اسی طرح ایمان کی برکت سے کوئی گناہ ضرر نہیں کرتا۔ ان کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی گئی اور بتایا گیا کہ مومن کے لئے اطاعت خدا اور رسول ضروری ہے گناہوں سے بچنا لازم ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ محمد، لاہور)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت جنت میں داخل ہوگی مگر وہ آدمی جس نے انکار کیا اور سرکشی کی وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، پھر پوچھا گیا "وہ کون آدمی ہے جس نے انکار کیا اور سرکشی کی" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی نے میری اطاعت وفرمانبرداری کی وہ جنت میں داخل ہوا۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا اور سرکشی کی۔ (صحیح البخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 140)

صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قبول کرنے والا اور سرکشی اختیار کرنے والا کون ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ جس نے میری اطاعت نہیں کی اور میرے احکام وفرمان سے روگردانی کی وہ سرکش ہے جو جنت کا مستحق نہیں ہوگا بلکہ اپنی سرکشی اور نافرمانی کی بناء پر اللہ کے عذاب کا مستوجب گردانا جائے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝
بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا پھر اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے تو اللہ انہیں کبھی نہ بخشے گا۔

اللہ کی راہ سے روکنے والے کفار کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰه" طَرِيقه وَهُوَ الْهُدَى "ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّار فَلَنْ يَغْفِر اللّٰه لَهُمْ" نَزَلَتْ فِي أَصْحَاب الْقَلِيب،

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا یعنی ہدایت کی راہ سے روک دیا۔ پھر اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے تو اللہ انہیں کبھی نہ بخشے گا۔ یہ آیت اصحاب قلیب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

سورت محمد آیت ۳۴ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت اہل قلیب کے حق میں نازل ہوئی۔ قلیب بدر میں ایک کنواں ہے جس میں مقتول کفار ڈالے گئے تھے ابوجہل اور اس

کے ساتھی، اور حکم آیت کا ہر کافر کے لئے عام ہے جو کفر پر مرا ہو، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت نہ فرمائے گا، اس کے بعد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب فرمایا جاتا ہے اور حکم میں تمام مسلمان شامل ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ محمد، لاہور)

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ٥
پس تم ہمت نہ ہارو اور ان سے صلح کی درخواست نہ کرو، اور تم ہی غالب رہو گے، اور اللہ تمہارے ساتھ ہے
اور وہ تمہارے اعمال ہرگز کم نہ کرے گا۔

ایمان والوں کیلئے سبق استقامت کا بیان

"فَلَا تَهِنُوْا" تَضْعُفُوا "وَتَدْعُوْا إِلَى السَّلْم" بِفَتْحِ السِّين وَكَسْرهَا أَيْ الصُّلْح مَعَ الْكُفَّار إِذَا لَقِيتُمُوهُمْ "وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ" حُذِفَ مِنْهُ وَاو لَام الْفِعْل : الْأَغْلَبُونَ الْقَاهِرُونَ "وَاَللَّه مَعَكُمْ" بِالْعَوْنِ وَالنَّصْر "وَلَنْ يَتِرَكُمْ" يُنْقِصكُمْ "أَعْمَالكُمْ" أَيْ ثَوَابهَا،

پس تم ہمت نہ ہارو یعنی کمزوری نہ دیکھاؤ اور ان متحارب کافروں سے صلح کی درخواست نہ کرو (کہیں تمہاری کمزوری ظاہر نہ ہو)، یہاں پر لفظ سلم یہ سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور تم ہی غالب رہو گے، یہاں پر اعلون میں لام فعل کی واؤ حذف کیا گیا ہے۔ یعنی غالب و طاقتور ہونے والے ہو۔ اور اللہ کی مدد اور نصرت تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال کا ثواب ہرگز کم نہ کرے گا۔

مصلحت کے مطابق حکم کے اجراء کا بیان

امام قرطبی اس آیت کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے، بعض نے کہا یہ آیت (وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، الانفال: 61) کی ناسخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے صلح کی طرف مائل ہونے کو منع فرمایا جب کہ صلح کی حاجت نہ ہو اور بعض علماء نے کہا کہ یہ آیت منسوخ ہے اور آیت " وَاِنْ جَنَحُوْا " اس کی ناسخ، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور دونوں آیتیں دو مختلف وقتوں اور مختلف حالتوں میں نازل ہوئیں، اور ایک قول یہ ہے کہ آیت (وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، الانفال: 61) کا حکم ایک معین قوم کے ساتھ خاص ہے اور یہ آیت عام ہے کہ کفار کے ساتھ معاہدہ جائز نہیں مگر عند الضرورت جب کہ مسلمان ضعیف ہوں اور مقابلہ نہ کر سکیں۔
(تفسیر قرطبی، سورت محمد، بیروت)

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ٥
بس دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور تماشا ہے، اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو وہ تمہیں تمہارے ثواب
عطا فرمائے گا اور تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرے گا۔

دنیاوی مصروفیات کا محض کھیل وتماشہ ہونے کا بیان

"إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا " أَيْ الِاشْتِغَال فِيهَا "لَعِب وَلَهْو وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا " اللّٰه وَذَٰلِكَ مِنْ أُمُور الْآخِرَة "يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلكُمْ أَمْوَالكُمْ" جَمِيعهَا بَلْ الزَّكَاة الْمَفْرُوضَة فِيهَا،

بس دنیا کی زندگی میں مصروف ہونا تو محض کھیل اور تماشا ہے، اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقوٰی اختیار کرو یعنی اللہ سے ڈرو کیونکہ یہ امور آخرت میں سے ہے۔ تو وہ تمہیں تمہارے اعمال پر کامل ثواب عطا فرمائے گا اور تم سے تمہارے مال طلب نہیں کرے گا۔ بلکہ ان میں زکوٰۃ کی مقدار کو فرض کیا ہے۔

سخاوت کے فائدے اور بخل کے نقصانات کا بیان

دنیا کی حقارت اور اس کی قلت وذلت بیان ہو رہی ہے کہ اس سے سوائے کھیل تماشے کے اور کچھ حاصل نہیں ہاں جو کام اللہ کے لئے کئے جائیں وہ باقی رہ جاتے ہیں پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی ذات بےپرواہ ہے تمہارے بھلے کام تمہارے ہی نفع کیلئے ہیں وہ تمہارے مالوں کا بھوکا نہیں اس نے تمہیں جو خیرات کا حکم دیا ہے وہ صرف اس لئے کہ تمہارے ہی غرباء، فقراء کی پرورش ہو اور پھر تم دار آخرت میں مستحق ثواب بنو۔ پھر انسان کے بخل اور بخل کے بعد دلی کینے کے ظاہر ہونے کا حال بیان فرمایا فال کے نکالنے میں یہ تو ہوتا ہی ہے کہ مال انسان کو محبوب ہوتا ہے اور اس کا نکالنا اس پر گراں گذرتا ہے۔

پھر بخیلوں کی بخیلی کے وبال کا ذکر ہو رہا ہے کہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے مال کو روکنا دراصل اپنا ہی نقصان کرنا ہے کیونکہ بخیلی کا وبال اسی پر پڑے گا۔ صدقے کی فضیلت اور اسکے اجر سے محروم بھی رہے گا۔ اللہ سب سے غنی ہے اور سب اس کے در کے بھکاری ہیں۔ غناء اللہ تعالیٰ کا وصف لازم ہے اور احتیاج مخلوق کا وصف لازم ہے۔ نہ یہ اس سے کبھی الگ ہوں نہ وہ اس سے پھر فرماتا ہے اگر تم اس کی اطاعت سے روگرداں ہو گئے اس کی شریعت کی تابعداری چھوڑ دی تو وہ تمہارے بدلے تمہارے سوا اور قوم لائے گا جو تم جیسی نہ ہوگی بلکہ وہ سننے اور ماننے والے حکم بردار، نافرمانیوں سے بیزار ہوں گے۔

ابن ابی حاتم اور ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو صحابہ نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہیں جو ہمارے بدلے لائے جاتے اور ہم جیسے نہ ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی کے شانے پر رکھ کر فرمایا یہ اور ان کی قوم اگر دین ثریا کے پاس بھی ہوتا تو اِسے فارس کے لوگ لے آتے، اس کے ایک راوی مسلم بن خالد زنجی کے بارے میں ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ محمد، بیروت)

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ۝
اگر انہیں تم سے طلب کرے اور زیادہ طلب کرے تم بخل کرو گے اور وہ بخل تمہارے دلوں کے میل ظاہر کر دے گا۔

خرچ نہ کرنے کے سبب دلوں میں میل ہونے کا بیان

"إِنْ يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ" يُبَالِغ فِي طَلَبهَا "تَبْخَلُوا وَيُخْرِج" الْبُخْل "أَضْغَانكُمْ" لِدِينِ الْإِسْلَام،

اگر انہیں تم سے طلب کرے اور زیادہ طلب کرے یعنی طلب کرنے میں اضافہ کرے۔ تو تم بخل کرو گے اور وہ بخل تمہارے دلوں کے میل جو دین اسلام کے بارے میں ہے اس کو ظاہر کردے گا۔

حفا کا لغوی معنی کسی چیز کی طلب میں مبالغہ اور اصرار ہے پھر اسی مبالغہ اور اصرار سے بعض دفعہ تنگ کرنے کے معنی بھی پیدا ہوجاتے ہیں اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تم سے سارے ہی مال کا مطالبہ کرلیتا کیونکہ یہ مال اسی کا دیا ہوا تھا تو کتنے لوگ ایسے ہوسکتے ہیں جو فراخ دلی اور خندہ پیشانی سے اس حکم پر لبیک کہیں گے۔ اکثر ایسے ہی لوگ ہوں گے جو بخل اور تنگ دلی کا ثبوت دیں گے اور مال خرچ کرتے وقت ان کے دل کی کبیدگی اور گھٹن از خود ظاہر ہوجائے گی۔

هَآنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ
نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ○
یاد رکھو! تم وہ لوگ ہو جنہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے تو تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو بخل کرتے ہیں،
اور جو کوئی بھی بخل کرتا ہے وہ محض اپنی جان ہی سے بخل کرتا ہے، اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو، اور اگر تم رُوگردانی
کرو گے تو وہ تمہاری جگہ بدل کر دوسری قوم کو لے آئے گا پھر وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے۔

مالوں میں بخل کرنے کی مذمت کا بیان

"هَا أَنْتُمْ" يَا "هَؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوا فِي سَبِيل اللّٰه" مَا فُرِضَ عَلَيْكُمْ "فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخَل وَمَنْ يَبْخَل فَإِنَّمَا يَبْخَل عَنْ نَفْسه" يُقَال بَخِلَ عَلَيْهِ وَعَنْهُ "وَاللّٰه الْغَنِيّ" عَنْ نَفَقَتكُمْ "وَأَنْتُمْ الْفُقَرَاء" إِلَيْهِ "وَإِنْ تَتَوَلَّوْا" عَنْ طَاعَته "يَسْتَبْدِل قَوْمًا غَيْركُمْ" أَيْ يَجْعَلهُمْ بَدَلكُمْ "ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالكُمْ" فِي التَّوَلِّي عَنْ طَاعَته بَلْ مُطِيعِينَ لَهُ عَزَّ وَجَلَّ،

یاد رکھو! تم وہ لوگ ہو جنہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے یعنی جو تم پر فرض کیا گیا ہے۔ تو تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو بخل کرتے ہیں، اور جو کوئی بھی بخل کرتا ہے وہ محض اپنی جان ہی سے بخل کرتا ہے، کیونکہ اسی کو اس پر اس کیلئے بخیل کہا جاتا ہے۔ اور اللہ تمہارے خرچ سے بے نیاز ہے اور تم سب اسی کے محتاج ہو، اور اگر تم حکم الٰہی سے رُوگردانی کرو گے تو وہ تمہاری جگہ بدل کر دوسری قوم کو لے آئے گا۔ یعنی تمہارے بدلے میں لائے گا۔ پھر وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے۔ یعنی اطاعت سے اعراض میں تمہارے جیسے نہ ہوں گے بلکہ وہ اللہ عزوجل کے فرمانبردار ہوں گے۔

اہل فارس لوگوں کے ایمان کی تعریف کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ، اور اگر تم نہ مانو گے تو وہ اور قوم سوائے تمہارے بدل دے گا پھر وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے)۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہماری جگہ کون لوگ آئیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا یہ اور اس کی قوم یہ اور اس کی قوم۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں کلام ہے۔ عبداللہ بن جعفر بھی یہ حدیث علاء بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1208)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بعض صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ہم لوگ روگردانی کریں تو وہ ہماری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے گا۔ وہ کون لوگ ہیں جو ہماری طرح نہیں ہوں گے؟ راوی کہتے ہیں کہ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا یہ اور اس کے ساتھی اور اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا (بلند ستارہ) میں بھی لٹکتا ہوتا تو اہلِ فارس میں سے چند لوگ اسے لے آتے۔

عبداللہ بن جعفر بن نجیض علی بن مدینی کے والد ہیں۔ علی بن حجر عبداللہ بن جعفر سے بہت کچھ روایت کرتے ہیں۔ پھر علی یہی حدیث اسماعیل بن جعفر سے اور وہ عبداللہ بن جعفر بن نجیح سے نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1209)

سورہ محمد تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ محمد کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت فتح ھے

سورت فتح کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَۃُ الْفَتْح (مَدَنِیَّۃ نَزَلَتْ فِی الطَّرِیْقِ عِنْدَ الِانْصِرَاف مِنْ الْحُدَیْبِیَۃ وَ آیَاتھَا 29)

سورہ فتح مدنیہ ہے، اس میں چار ۴ رکوع انتیس آیات پانچ سو اڑسٹھ کلمات دو ہزار پانچ سو انسٹھ حروف ہیں۔ اور یہ سورت حدیبیہ سے واپسی پر نازل ہوئی ہے۔

سورت فتح کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی پہلی آیت مبارکہ جس میں لفظ فتح مبین آیا ہے۔ جس کو تاریخ اسلام میں فتح مکہ کہتے ہیں۔ لہٰذا اسی فتح مبین کی مناسبت کی وجہ سے یہ سورت فتح کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت فتح کے شان نزول کا بیان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپ رہے، میں نے دوبارہ عرض کیا تو اس مرتبہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا۔ تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا تو میں نے اپنے اونٹ کو چلایا اور ایک کنارے ہو گیا پھر (حضرت عمر رضی اللہ اپنے آپ سے) کہنے اے ابن خطاب تیری ماں تجھ پر روئے۔ تو نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ سوال کیا اور کسی مرتبہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا۔ تو اسی کے لائق ہے کہ تیرے بارے میں قرآن نازل ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ابھی ٹھہرا بھی نہیں تھا کہ کسی پکارنے والا کی آواز سنی جو مجھے بلا رہا تھا۔ چنانچہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن خطاب! آج رات مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی جو میرے نزدیک ان سب چیزوں سے پیاری ہے جن پر سورج نکلتا ہے اور وہ یہ ہے (اِنَّـا فَتَـحْـنَـا لَكَ فَتْـحًـا مُّبِيْنًـا، بے شک ہم آپ کو کھلم کھلا فتح دی)۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1210)

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًاۙ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ

وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًاۙ وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا

بیشک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح عطا دی۔تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے

اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کردے اور تمہیں سیدھی راہ دکھادے۔اور اللہ آپ کو نہایت باعزت مدد ونصرت سے نوازے۔

نبی کریم ﷺ کیلئے فتح مبین کی بشارت کا بیان

"إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ" قَضَيْنَا بِفَتْحِ مَكَّة وَغَيْرهَا فِي الْمُسْتَقْبَل عِنْوَة بِجِهَادِك "فَتْحًا مُبِينًا" بَيِّنًا ظَاهِرًا،

"لِيَغْفِر لَك اللَّه" بِجِهَادِك "مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبك وَمَا تَأَخَّرَ" مِنْهُ لِتُرَغِّب أُمَّتك فِي الْجِهَاد وَهُوَ مُؤَوَّل لِعِصْمَةِ الْأَنْبِيَاء عَلَيْهِمْ الصَّلَاة وَالسَّلَام بِالدَّلِيلِ الْعَقْلِيّ الْقَاطِع مِنْ الذُّنُوب وَاللَّام لِلْعِلَّةِ الْغَائِيَّة فَمَدْخُولهَا مُسَبَّب لَا سَبَب "وَيُتِمّ" بِالْفَتْحِ الْمَذْكُور "نِعْمَته" إنْعَامه "عَلَيْك وَيَهْدِيَك" بِهِ "صِرَاطًا" طَرِيقًا "مُسْتَقِيمًا" يُثَبِّتك عَلَيْهِ وَهُوَ دِين الْإِسْلَام

"وَيَنْصُرك اللَّه" بِهِ "نَصْرًا عَزِيزًا" ذَا عِزّ لَا ذُلّ لَهُ،

بیشک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح عطا دی۔یعنی آپ کے جہاد کے سبب مستقبل میں ہم نے فتح مکہ وغیرہ کا فیصلہ کردیا ہے جو ظاہر والی عظیم فتح ہے۔تا کہ اللہ تمہارے سبب یعنی آپ کے جہاد کے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے،اس میں آپ کی امت کو جہاد کی طرف ترغیب ہے۔اور اور یہی انبیائے کرام علیہم السلام کی عصمت کیلئے تاویل ہے۔کیونکہ عصمت انبیاء کا ثبوت دلیل عقلی قطعی سے ہے۔جو انبیائے کرام علیہم السلام کے معصوم عن الخطاء ہونے پر ہے۔اور یہاں پر لام علت غائیہ کیلئے آیا ہے لہٰذا اس کا مدخول مسبب ہے سبب نہیں ہے۔اور مذکورہ فتح کے ذریعے اپنی نعمتیں یعنی انعام کو تم پر تمام کردے اور تمہیں سیدھی راہ دکھادے۔یعنی آپ کو اس پر ثابت قدم رکھے۔اور وہ دین اسلام ہے۔اور اللہ آپ کو نہایت باعزت مدد ونصرت سے نوازے۔یعنی ایسی عزت والی مدد جس میں کوئی کمزوری نہ ہو۔

سورت فتح آیت ا کے شان نزول کا بیان

(اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا) ۔48الفتح:1) حدیبیہ سے واپس ہوتے ہوئے حضور ﷺ پر نازل ہوئی،حضور ﷺ کو اس کے نازل ہونے سے بہت خوشی حاصل ہوئی اور صحابہ نے حضور ﷺ کو مبارکبادیں دیں۔(بخاری ومسلم وترمذی)

حدیبیہ ایک کنواں ہے مکہ مکرمہ کے نزدیک۔مختصر واقعہ یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا کہ حضور مع اپنے اصحاب کے امن کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے،کوئی حلق کئے ہوئے،کوئی قصر کئے ہوئے اور کعبہ معظمہ میں داخل ہوئے،کعبہ کی کنجی

لی، طواف فرمایا، عمرہ کیا، اصحاب کو اس خواب کی خبر دی، سب خوش ہوئے، پھر حضور ﷺ نے عمرہ کا قصد فرمایا اور ایک ہزار چار سو اصحاب کے ساتھ یکم ذی القعدہ ۶ ھ ہجری کو روانہ ہوگئے، ذوالحلیفہ میں پہنچ کر وہاں مسجد میں دو رکعتیں پڑھ کر عمرہ کا احرام باندھا اور حضور کے ساتھ اکثر اصحاب نے بھی، بعض اصحاب نے جحفہ سے احرام باندھا، راہ میں پانی ختم ہوگیا، اصحاب نے عرض کیا کہ پانی لشکر میں بالکل باقی نہیں ہے سوائے حضور کے آفتابہ کے کہ اس میں تھوڑا سا ہے، حضور نے آفتابہ میں دستِ مبارک ڈالا تو انگشت ہائے مبارک سے چشمے جوش مارنے لگے تمام لشکر نے پیا، وضو کئے، جب مقامِ عُسفان میں پہنچے تو خبر آئی کہ کفار قریش بڑے سروسامان کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہیں، جب حدیبیہ پر پہنچے تو اس کا پانی ختم ہوگیا، ایک قطرہ نہ رہا، گرمی بہت شدید تھی، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنوئیں میں کلی فرمائی، اس کی برکت سے کنواں پانی سے بھر گیا، سب نے پیا، اونٹوں کو پلایا۔ یہاں کفار قریش کی طرف سے حال معلوم کرنے کے لئے کئی شخص بھیجے گئے، سب نے جا کر یہی بیان کیا کہ حضور عمرہ کے لئے تشریف لائے ہیں، جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔

لیکن انہیں یقین نہ آیا، آخر کار انہوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو جو طائف کے بڑے سردار اور عرب کے نہایت متموّل شخص تھے تحقیق حال کے لئے بھیجا، انہوں نے آ کر دیکھا کہ حضور دستِ مبارک دھوتے ہیں تو صحابہ تبرک کے لئے غسالہ شریف حاصل کرنے کے لئے ٹوٹے پڑتے ہیں، اگر کبھی تھوکتے ہیں تو لوگ اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جس کو وہ حاصل ہوجاتا ہے وہ اپنے چہروں اور بدن پر برکت کے لئے ملتا ہے، کوئی بال جسمِ اقدس کا گرنے نہیں پاتا اگر احیاناً جدا ہوا تو صحابہ اس کو بہت ادب کے ساتھ لیتے اور جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں، جب حضور کلام فرماتے ہیں تو سب ساکت ہوجاتے ہیں۔ حضور کے ادب و تعظیم سے کوئی شخص نظر اوپر کو نہیں اٹھا سکتا۔

عروہ نے قریش سے جا کر یہ سب حال بیان کیا اور کہا کہ میں بادشاہانِ فارس و روم و مصر کے درباروں میں گیا ہوں، میں نے کسی بادشاہ کی یہ عظمت نہیں دیکھی جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان کے اصحاب میں ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ تم ان کے مقابل کامیاب نہ ہوسکو گے، قریش نے کہا ایسی بات مت کہو، ہم اس سال انہیں واپس کردیں گے، وہ اگلے سال آئیں، عروہ نے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تمہیں کوئی مصیبت پہنچے۔ یہ کہہ کر وہ معہ اپنے ہمراہیوں کے طائف واپس چلے گئے اور اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں مشرّف بہ اسلام کیا، یہیں حضور نے اپنے اصحاب سے بیعت لی، اس کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں، بیعت کی خبر سے کفار خوف زدہ ہوئے اور ان کے اہل الرائے نے یہی مناسب سمجھا کہ صلح کرلیں، چنانچہ صلح نامہ لکھا گیا اور سالِ آئندہ حضور کا تشریف لانا قرار پایا اور یہ صلح مسلمانوں کے حق میں بہت نافع ہوئی بلکہ نتائج کے اعتبار سے فتح ثابت ہوئی، اسی لئے اکثر مفسرین فتح سے صلحِ حدیبیہ مراد لیتے ہیں اور بعض تمام فتوحاتِ اسلام جو آئندہ ہونے والی تھیں۔ اور ماضی کے صیغہ سے تعبیر ان کے یقینی ہونے کی وجہ سے ہے۔ (خازن وروح البیان، تفسیر خزائن العرفان، سورہ فتح)

امت کیلئے گناہوں کی دعائے بخشش کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری زندگی بھی تمہارے لئے خیر ہے

کیونکہ مجھ پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے اور میں تم کو حلال وحرام کی خبر دیتا ہوں۔ اور میری وفات میں بھی تمہارے لئے خیر ہے کیونکہ ہر جمعرات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں نیک اعمال پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور جو تمہارے گناہ ہوتے ہیں ان کیلئے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی التجاء کرتا ہوں۔ (الوفاء باحوال المصطفیٰ ص ۸۱۰، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

(4) هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَّعَ إِيمَانِهِمْ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ط
وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝
وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں تسکین نازل فرمائی تا کہ ان کے ایمان پر مزید ایمان کا اضافہ ہو، اور آسمانوں
اور زمین کے سارے لشکر اللہ ہی کے لئے ہیں، اور اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔

اہل ایمان کے دلوں پر نزول سکون کا بیان

"هُوَ الَّذِي أَنزَلَ السَّكِينَةَ" الطُّمَأْنِينَة "فِي قُلُوب الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانهمْ" بِشَرَائِع الدِّين كُلَّمَا نَزَلَ وَاحِدَة مِنْهَا آمَنُوا بِهَا وَمِنْهَا الْجِهَاد "وَلِلَّهِ جُنُود السَّمَاوَات وَالْأَرْض" فَلَوْ أَرَادَ نَصْر دِينه بِغَيْرِكُمْ لَفَعَلَ "وَكَانَ اللَّه عَلِيمًا" بِخَلْقِهِ "حَكِيمًا" فِي صُنْعه أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ،

وہی ذات ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں تسکین یعنی اطمینان نازل فرمایا تا کہ ان کے ایمان پر مزید ایمان کا اضافہ ہو یعنی شریعت اسلامیہ کے احکام کیونکہ جب ایک حکم نازل ہوتا تو وہ اس پر ایمان لاتے اور ان میں سے جہاد کا حکم ہے، اور آسمانوں اور زمین کے سارے لشکر اللہ ہی کے لئے ہیں، کیونکہ اگر وہ دین کی مدد تمہارے علاوہ کسی اور سے چاہتا تو ایسا بھی کر سکتا تھا۔ اور اللہ اپنی مخلوق کو خوب جاننے والا، اپنی صنعت میں بڑی حکمت والا ہے۔ یعنی وہ ہمیشہ انہی اوصاف کے ساتھ متصف رہنے والا ہے۔

سکینہ کے معنی ہیں اطمینان رحمت اور وقار کے۔ فرمان ہے کہ حدیبیہ والے دن جن باایمان صحابہ نے اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لی اللہ نے ان کے دلوں کو مطمئن کر دیا اور ان کے ایمان اور بڑھ گئے۔

اس سے حضرت امام بخاری وغیرہ ائمہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ دلوں میں ایمان بڑھتا ہے اور اسی طرح گھٹتا بھی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کے لشکروں کی کمی نہیں وہ اگر چاہتا تو خود ہی کفار کو ہلاک کر دیتا۔ ایک فرشتے کو بھیج دیتا تو وہ ان سب کو برباد اور بینشان کر دینے کے لئے بس تھا لیکن اس نے اپنی حکمت بالغہ سے ایمانداروں کو جہاد کا حکم دیا جس میں اس کی حجت بھی پوری ہو جائے اور دلیل بھی سامنے آ جائے اس کا کوئی کام علم وحکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ ایمانداروں کو

اپنی بہترین نعمتیں اس بہانے عطا فرمائے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فتح، بیروت)

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ
تا کہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ان باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہیں، ہمیشہ ان میں
رہنے والے اور ان سے ان کی برائیاں دور کرے اور یہ ہمیشہ سے اللہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے۔

اہل ایمان کیلئے دائمی کامیابی کا بیان

"لِيُدْخِل" مُتَعَلِّق بِمَحْذُوفٍ أَيْ أَمَرَ بِالْجِهَادِ،

یہاں پر لیدخل کا متعلق محذوف یعنی اُمر بالجہاد ہے۔ تا کہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ان باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہیں، ہمیشہ ان میں رہنے والے اور ان سے ان کی برائیاں دور کرے اور یہ ہمیشہ سے اللہ کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے۔

سورت فتح آیت ۵ کے شان نزول کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی (لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ، تو آپ حدیبیہ سے واپس آرہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی ہے کہ مجھے زمین پر موجود ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یہ خوشگوار بات مبارک ہو یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بارے میں تو بتا دیا لیکن معلوم نہیں کہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا، تا کہ ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بہشتوں میں داخل کرے، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں، ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ان پر سے ان کے گناہ دور کر دیئے جائیں گے اور اللہ کے ہاں یہ بڑی کامیابی ہے)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اور اس باب میں مجمع بن جاریہ سے بھی روایت ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1211)

وَّ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ
عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۙ
اور ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے جو اللہ کے بارے میں

گمان کرنے والے ہیں، برا گمان، انھی پر بری گردش ہے اور اللہ ان پر غصے ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی اور

ان کے لیے جہنم تیار کی اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔

منافقین اور مشرکین وغیرہ کیلئے جہنم ہونے کا بیان

"وَيُعَذِّب الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَات وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَات الظَّانِّينَ بِاَللَّهِ ظَنّ السَّوْء " بِفَتْحِ السِّين وَضَمّهَا فِي الْمَوَاضِع الثَّلَاثَة ظَنُّوا أَنَّهُ لَا يَنْصُر مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِينَ "عَلَيْهِمْ دَائِرَة السَّوْء " بِالذُّلِّ وَالْعَذَاب "وَغَضِبَ اللّٰه عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ" أَبْعَدَهُمْ "وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّم وَسَاءَتْ مَصِيرًا" مَرْجِعًا،

اور تا کہ ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے جو اللہ کے بارے میں گمان کرنے والے ہیں، برا گمان، انھی پر بری گردش ہے یہاں پر لفظ سوء یہ سین کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ تینوں مقامات پر آیا ہے۔ کیونکہ ان کا گمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ اور اہل ایمان کی مدد نہ کرے گا۔ یہ ان کی بری گردش یعنی ذلت وعذاب کے ساتھ ہے۔ اور اللہ نے ان پر غضب فرمایا اور اس نے ان پر لعنت کی یعنی وہ رحمت سے دور ہوئے۔ اور ان کے لیے جہنم تیار کی اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔

منافقین کے توہمات اور ان کی سزا کا بیان

غزوہ حدیبیہ میں کوئی منافق شریک نہ ہوا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اس غزوہ میں اموال غنیمت کا کوئی قصہ ہی نہ تھا۔ اور مسلمان محض رضائے الٰہی کے لئے عمرہ کرنے جا رہے تھے تو کافروں نے مسلمانوں کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا اور حالات کشیدہ ہوتے گئے تو یہ خبریں مدینہ میں پہنچ رہی تھیں۔ چنانچہ منافقوں نے خوب بغلیں بجانا شروع کر دیں کہ پہلے تو قریش مکہ یہاں اپنے وطن سے بہت دور آ کر لڑائی کرتے تھے لیکن اب مسلمان خود ان کے گھر پہنچ گئے ہیں۔ اب یہ وہاں سے بچ کر کبھی نہ آ سکیں گے۔ اس صلح سے اور مسلمانوں کے بخیر و عافیت واپس مدینہ پہنچ جانے سے منافقوں کی دل کی جلن میں مزید اضافہ ہو گیا اور ان کے در پردہ کئی منصوبوں پر پانی پھر گیا یہی ان کے لئے کافی سزا تھی۔

دوسری طرف مشرکین مکہ اس بات پر بغلیں بجا رہے تھے کہ وہ مسلمانوں سے اپنی من مانی شرائط ان تسلیم کروانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ حالانکہ بعد میں یہی شرائط ان کی جڑ کاٹ دینے والی ثابت ہوئیں۔ سب سے توہین آمیز شرط یہ تھی کہ اگر مکہ سے کوئی مسلمان اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مدینہ چلا جائے تو مسلمان اسے واپس کر دیں گے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ آ جائے تو قریش مکہ اسے مسلمانوں کو واپس نہیں کریں گے۔ اس شرط کا جو نتیجہ نکلا اس کا حال ہم ابتدا میں لکھ چکے ہیں۔ دوسری شرط یہ تھی کہ قبائل عرب میں سے جو کوئی فریقین میں سے کسی کا حلیف بننا چاہے بن سکتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے

اور بنوبکر قریش مکہ کے۔ بنوخزاعہ اور بنوبکر میں جھگڑا ہوگیا تو قریش مکہ نے صلح نامہ حدیبیہ کے علی الرغم بدعہدی کر کے اپنے حلیف بنو بکر کی مدد کی اور بنوخزاعہ پر زیادتی کی۔

چنانچہ مشرکین مکہ کی یہی بدعہدی فتح مکہ، ان پر وبال اور ان کے زوال کا سبب بن گئی۔ تیسری شرط یہ تھی کہ فریقین دس سال تک جنگ نہیں کریں گے۔ اس شرط کا حشر یہ ہوا کہ جب بنوخزاعہ نے جا کر مدینہ میں آپ سے فریاد کی اور قریش مکہ کی زیادتی اور بدعہدی کا ذکر کیا تو اس معاہدہ کو برقرار رکھنے کے لئے خود ابوسفیان کو مدینہ جا کر منتیں کرنا پڑیں۔ پھر بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا۔ اور چوتھی شرط یہ تھی کہ مسلمان اگلے سال آ کر عمرہ کریں گے۔

اور تین دن کے لئے مشرکین مکہ اس شہر کو خالی کر دیں گے۔ اس شرط پر ٹھیک طور پر عمل درآمد ہوا۔ اور یہ مسلمانوں کی انتہائی دیانتداری اور شرافت تھی کہ وہ اپنے عہد کو ملحوظ رکھتے ہوئے عمرہ کر کے تین دن کے بعد واپس چلے گئے۔ مسلمانوں کے بجائے کوئی اور ہوتا تو جس طرح شہر خالی پڑا تھا فوراً اس پر قبضہ کر لیتا۔ اور یہ خطرہ مشرکین مکہ کو بھی محسوس ہونے لگا تھا۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے منافقوں اور مشرکوں کی آرزوؤں اور تدبیروں کو نہ صرف ناکام بنایا بلکہ ان کی تدبیریں انہی پر الٹ پڑیں۔ بعد میں انہیں جو عذاب دنیا میں دیکھنے پڑے یا آخرت میں ان سے دوچار ہونا پڑے گا۔ وہ مستزاد ہیں۔ (سیرت ابن اسحاق)

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۝
اور اللہ ہی کی ملک ہیں آسمانوں اور زمین کے سب لشکر، اور اللہ عزت و حکمت والا ہے۔

زمین وآسمان کے سب لشکر اللہ کیلئے ہیں

"وَلِلّٰهِ جُنُود السَّمَاوَات وَالْأَرْض وَكَانَ اللّٰه عَزِيزًا" فِي مُلْكه "حَكِيمًا" فِي صُنْعه أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذٰلِكَ،

اور اللہ ہی کی ملک ہیں آسمانوں اور زمین کے سب لشکر، اور اللہ اپنے ملک میں عزت والا، اپنی صنعت میں حکمت والا ہے۔ وہ ہمیشہ ان اوصاف کے ساتھ متصف رہنے والا ہے۔

یہ لشکر فرشتے ہوں یا ہوائیں ہوں غرضیکہ جتنے بھی باطنی اسباب ہیں۔ سب اللہ کے قبضہ میں ہیں وہ ان سے یہ کام بھی لے سکتا ہے کہ میدان جنگ میں ان سے مسلمانوں کی مدد کرے اور کافروں کو پٹوا دے اور یہ کام بھی لے سکتا ہے کہ بدکردار لوگوں کے مکر و فریب کی چالوں کو انہی پر الٹ دے اور حالات ہی ایسے پیدا کر دے کہ وہ خود ہی اپنے پھیلائے ہوئے جال میں پھنس جائیں۔ اور یہ سب کچھ اس کی اپنی حکمت اور صوابدید پر منحصر ہے۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا۝
بیشک ہم نے آپ کو مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اوصاف شاہد، مبشر اور نذیر ہونے کا بیان

"إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا" عَلَى أُمَّتِكَ فِي الْقِيَامَةِ "وَمُبَشِّرًا" لَهُمْ فِي الدُّنْيَا "وَنَذِيرًا" مُنْذِرًا مُخَوِّفًا فِيهَا مَنْ عَمِلَ سُوءًا بِالنَّارِ،

بیشک ہم نے آپ کو روز قیامت گواہی دینے کے لئے اعمال واحوال امت کا مشاہدہ فرمانے والا اور دنیا میں خوشخبری سنانے والا اور اس میں برے عمل سے ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ کیونکہ اس کا سبب دوزخ ہے۔

تفسیر میں قرطبی نے لکھا ہے کہ انبیاء کی یہ گواہی اپنے زمانے کے موجودہ لوگوں کے متعلق ہوگی کہ ان کی دعوت حق کو کس نے قبول کیا اور کس نے نافرمانی کی، اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گواہی اپنے زمانے کے لوگوں کے متعلق ہوگی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ گواہی تمام امت کے اعمال اطاعات وسیئات پر ہوگی کیونکہ بعض روایات کے مطابق امت کے اعمال صبح شام رسول اللہ ﷺ کے سامنے فرشتے پیش کرتے ہیں اس لئے آپ تمام امت کے اعمال سے باخبر ہوں گے۔

اور بشیر کے معنی بشارت دینے والا، نذیر کے معنی ڈرانے والا، مراد یہ ہے کہ آپ امت کے مومنین اور اطاعت کرنے والوں کو جنت کی بشارت دینے والے ہیں اور کفار فجار کو عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ فتح، بیروت)

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝
تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو۔

ایمان کے بعد بھی نبی کریم ﷺ کی تعظیم وتکریم کے فرض ہونے کا بیان

"لِيُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ" بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ فِيهِ وَفِي الثَّلَاثَةِ بَعْده "وَيُعَزِّرُوهُ" يَنْصُرُوهُ وَقُرِءَ بِزَايَيْنِ مَعَ الْفَوْقَانِيَّة "وَيُوَقِّرُوهُ" يُعَظِّمُوهُ وَضَمِيرهَا لِلَّهِ أَوْ لِرَسُولِهِ "وَيُسَبِّحُوهُ" أَيْ اللَّه "بُكْرَة وَأَصِيلًا" بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيّ،

تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، یہاں پر لتومنو یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے اور بعد والے تینوں افعال میں بھی ایسا ہے۔ اور رسول ﷺ کی تعظیم کرو یعنی آپ ﷺ کی مدد کرو۔ یہاں پر لفظ تعزروہ کو دو زاؤں کے ساتھ بھی مع فوقانیہ کے پڑھا گیا ہے۔ توقیر کرو یعنی آپ ﷺ کی تعظیم کرو۔ اور اس کی ضمیر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی جانب لوٹنے والی ہے۔ اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تعزروہ اور توقروہ میں ضمیر مفعول کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے یہاں وقف تام ہے۔ اور تسبحوا سے نیا سلسلہ کلام شروع ہوتا ہے اور یہاں مفعول کا مرجع اللہ کی ذات ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرو۔ (تفسیر قرطبی، سورہ فتح، بیروت)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

بیشک جولوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

پھر جس شخص نے بیعت کو توڑا تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی اپنی جان پر ہوگا اور جس نے بات کو پورا کیا

جس پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا تو وہ عنقریب اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

حدیبیہ میں بیعت رضوان کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ " بَيْعَة الرِّضْوَان بِالْحُدَيْبِيَةِ "إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّه" هُوَ نَحْو "مَنْ يُطِعِ الرَّسُول فَقَدْ أَطَاعَ اللَّه" "يَد اللَّه فَوْق أَيْدِيهِمْ" الَّتِي بَايَعُوا بِهَا النَّبِيّ أَيْ هُوَ تَعَالَى مُطَّلِع عَلَى مُبَايَعَتهمْ فَيُجَازِيهِمْ عَلَيْهَا "فَمَنْ نَكَثَ" نَقَضَ الْبَيْعَة "فَإِنَّمَا يَنْكُث" يَرْجِع وَبَال نَقْضه "عَلَى نَفْسه وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّه فَسَيُؤْتِيهِ" بِالْيَاءِ وَالنُّون،

اے حبیب ﷺ! بیشک جولوگ آپ سے مقام حدیبیہ پر بیعت رضوان کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اور یہ فرمان الٰہی ایسے جیسے "مَنْ يُطِعِ الرَّسُول فَقَدْ أَطَاعَ اللَّه" ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ یعنی جنہوں نے آپ ﷺ کی بیعت کی اللہ تعالیٰ ان کی بیعت پر مطلع ہے لہٰذا ان کو جزاء دی جائے گی۔ پھر جس شخص نے بیعت کو توڑا تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی اپنی جان پر ہوگا یعنی اس بیعت توڑنے کا نقصان بھی اسی پر ہوگا۔ اور جس نے اس بات کو پورا کیا جس کے پورا کرنے پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا تو وہ عنقریب اسے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ یہاں پر لفظ یؤتی یہ یاء اور نون کے ساتھ بھی آیا ہے۔

بیعت رضوان سے متعلق بعض تاریخی واقعات کا بیان

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس نے راہ اللہ میں تلوار اٹھالی اس نے اللہ سے بیعت کرلی اور حدیث میں ہے حجر اسود کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کھڑا کرے گا اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے بولے گا اور جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہے اس کی گواہی دے گا اسے بوسہ دینے والا دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنے والا ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی پھر فرماتا ہے جو بیعت کے بعد عہد شکنی کرے اس کا وبال خود اسی پر ہوگا اللہ کا وہ کچھ نہ بگاڑے گا اور جو اپنی بیعت کو نبھا جائے وہ بڑا ثواب پائے گا یہاں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت الرضوان ہے جو ایک ببول کے درخت تلے حدیبیہ کے میدان میں ہوئی تھی اس دن بیعت کرنے والے صحابہ کی تعداد تیرہ سو چودہ سو یا پندرہ سو تھی ٹھیک یہ ہے کہ چودہ سو تھی اس واقعہ کی حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

بخاری شریف میں ہے، ہم اس دن چودہ سو تھے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے آپ نے اس پانی میں ہاتھ رکھا پس آپ کی

انگلیوں کے درمیان سے اس پانی کی سوتیں ابلنے لگیں۔ یہ حدیث مختصر ہے اس حدیث سے جس میں ہے کہ صحابہ سخت پیاسے ہوئے پانی تھا نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکال کر دیا انہوں نے جا کر حدیبیہ کے کنویں میں اسے گاڑ دیا اب تو پانی جوش کے ساتھ ابلنے لگا یہاں تک کہ سب کو کافی ہوگیا حضرت جابر سے پوچھا گیا کہ اس روز تم کتنے تھے؟ فرمایا چودہ سو لیکن اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی اس قدر تھا کہ سب کو کافی ہو جاتا، بخاری کی روایت میں ہے کہ "پندرہ سو تھے" حضرت جابر سے ایک روایت میں پندرہ سو بھی مروی ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں فی الواقع تھے تو پندرہ سو اور یہی حضرت جابر کا قول تھا پھر آپ کو کچھ وہم سا ہو گیا اور چودہ سو فرمانے لگے ابن عباس سے مروی ہے کہ سوا پندرہ سو تھے۔ لیکن آپ سے مشہور روایت چودہ سو کی ہے! اکثر راویوں اور اکثر سیرت نویس بزرگوں کا یہی قول ہے کہ چودہ سو تھے ایک روایت میں ہے اصحاب شجرہ چودہ سو تھے اور اس دن آٹھواں حصہ مہاجرین کا مسلمان ہوا۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ حدیبیہ والے سال رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ سات سو صحابہ کو لے کر زیارت بیت اللہ کے ارادے سے مدینہ سے چلے قربانی کے ستر اونٹ بھی آپ کے ہمراہ تھے ہر دس اشخاص کی طرف سے ایک اونٹ ہاں حضرت جابر سے روایت ہے کہ آپ کے ساتھی اس دن چودہ سو تھے ابن اسحاق اسی طرح کہتے ہیں اور یہ ان کے اوہام میں شمار ہے، بخاری و مسلم جو محفوظ ہے وہ یہ کہ ایک ہزار کئی سو تھے۔

اس بیعت کا سبب سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو بلوایا کہ آپ کو مکہ بھیج کر قریش کے سرداروں سے کہلوائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی بھڑائی کے ارادے سے نہیں آئے بلکہ آپ بیت اللہ شریف کے عمرے کے لئے آئے ہیں لیکن حضرت عمر نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے خیال سے تو اس کام کے لئے آپ حضرت عثمان کو بھیجیں کیونکہ مکہ میں میرے خاندان میں سے کوئی نہیں یعنی بنو عدی بن کعب کا قبیلہ نہیں جو میری حمایت کرے آپ جانتے ہیں کہ قریش سے میں نے کتنی کچھ اور کیا کچھ دشمنی کی ہے اور وہ مجھ سے وہ کس قدر خار کھائے ہوئے ہیں مجھے تو وہ زندہ ہی نہیں چھوڑیں گے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رائے کو پسند فرما کر جناب عثمان ذوالنورین کو ابوسفیان اور سرداران قریش کے پاس بھیجا آپ جا ہی رہے تھے کہ راستے میں یا مکہ میں داخل ہوتے ہی ابان بن سعید بن عاص مل گیا اور اس نے آپ کو اپنے آگے سواری پر بٹھا لیا اپنی امان میں انہیں اپنے ساتھ مکہ میں لے گیا آپ قریش کے بڑوں کے پاس گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا انہوں نے کہا کہ اگر آپ بیت اللہ شریف کا طواف کرنا چاہیں تو کر لیجئے آپ نے جواب دیا کہ یہ ناممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے میں طواف کرلوں، اب ان لوگوں نے جناب ذوالنورین کو روک لیا ادھر لشکر اسلام میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان کو شہید کر ڈالا گیا، اس وحشت اثر خبر نے مسلمانوں کو اور خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا صدمہ پہنچایا اور آپ نے فرمایا کہ اب تو ہم بغیر فیصلہ کئے یہاں سے نہیں ہٹیں گے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بلوایا اور ان سے بیعت لی ایک درخت تلے یہ بیعت

الرضوان ہوئی۔ لوگ کہتے ہیں یہ بیعت موت پر لی تھی یعنی لڑتے لڑتے مر جائیں گے لیکن حضرت جابر کا بیان ہے کہ موت پر بیعت نہیں لی تھی بلکہ اس اقرار پر کہ ہم لڑائی سے بھاگیں گے نہیں جتنے مسلمان صحابہ اس میدان میں تھے سب نے آپ سے یہ رضامندی بیعت کی سوائے جد بن قیس کے جو قبیلہ بنو سلمہ کا ایک شخص تھا یہ اپنی اونٹنی کی آڑ میں چھپ گیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمان کی شہادت کی افواہ غلط تھی اس کے بعد قریش نے سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص کو آپ کے پاس بھیجا یہ لوگ ابھی یہیں تھے کہ بعض مسلمانوں اور بعض مشرکوں میں کچھ تیز کلامی شروع ہو گئی نوبت یہاں تک پہنچی کہ سنگ باری اور تیر باری بھی ہوئی اور دونوں طرف کے لوگ آمنے سامنے ہو گئے ادھر ان لوگوں نے حضرت عثمان وغیرہ کو روک لیا ادھر یہ لوگ رک گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا کر دی کہ روح القدس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور بیعت کا حکم دے گئے آؤ اللہ کا نام لے کر بیعت کر جاؤ اب کیا تھا مسلمان بیتابانہ دوڑے ہوئے حاضر ہوئے آپ اس وقت درخت تلے تھے سب نے بیعت کی اس بات پر کہ وہ ہرگز ہرگز کسی صورت میں میدان سے منہ موڑنے کا نام نہ لیں گے اس سے مشرکین کانپ اٹھے اور جتنے مسلمان ان کے پاس تھے سب کو چھوڑ دیا اور صلح کی درخواست کرنے لگے۔

بیہقی میں ہے کہ بیعت کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی عثمان تیرے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو گئے ہوئے ہیں پس آپ نے خود اپنا ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھا گویا حضرت عثمان کی طرف سے بیعت کی۔ پس حضرت عثمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ان کے اپنے ہاتھ سے بہت افضل تھا۔ اس بیعت میں سب سے پہل کرنے والے حضرت ابوسنان اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے سب سے آگے بڑھ کر فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ پھیلایئے تاکہ میں بیعت کر لوں آپ نے فرمایا کس بات پر بیعت کرتے ہو؟ جواب دیا جو آپ کے دل میں ہو اس پر آپ کے والد کا نام وہب تھا

صحیح بخاری میں شریف میں حضرت نافع سے مروی ہے کہ لوگ کہتے ہیں حضرت عمر کے لڑکے حضرت عبداللہ نے اپنے والد سے پہلے اسلام قبول کیا دراصل واقعہ یوں نہیں۔ بات یہ ہے کہ حدیبیہ والے سال حضرت عمر نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو ایک انصاری کے پاس بھیجا کہ جا کر اپنے گھوڑے لے آؤ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے بیعت لے رہے تھے حضرت عمر کو اس کا علم نہ تھا یہ اپنے طور پوشیدگی سے لڑائی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے تو یہ بیعت سے مشرف ہوئے پھر گھوڑا لینے گئے اور گھوڑا لا کر حضرت عمر کے پاس آئے اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیعت لے رہے ہیں اب جناب فاروق آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اس بنا پر لوگ کہتے ہیں کہ بیٹے کا اسلام باپ سے پہلے کا ہے۔

بخاری کی دوسری روایت میں ہے لوگ الگ الگ درختوں تلے آرام کر رہے تھے کہ حضرت عمر نے دیکھا کہ ہر ایک کی نگاہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہیں اور لوگ آپ کو گھیرے ہوئے ہیں حضرت عبداللہ سے فرمایا جاؤ ذرا دیکھو تو کیا ہو رہا ہے؟ یہ آئے دیکھا کہ بیعت ہو رہی ہے تو بیعت کر لی پھر جا کر حضرت عمر کو خبر کی چنانچہ آپ بھی فوراً آئے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت جابر کا

بیان ہے کہ جب ہم نے بیعت کی ہے اس وقت حضرت عمر فاروق آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور آپ ایک ببول کے درخت تلے تھے۔

حضرت معقل بن یسار کا بیان ہے کہ اس موقعہ پر درخت کی ایک جھکی ہوئی شاخ کو آپ کے سر سے اوپر کو اٹھا کر میں تھامے ہوئے تھا ہم نے آپ سے موت پر بیعت نہیں کی بلکہ نہ بھاگنے پر۔ حضرت سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں ہم نے مرنے پر بیعت کی تھی آپ فرماتے ہیں ایک مرتبہ بیعت کر کے میں ہٹ کر ایک طرف کو کھڑا ہو گیا تو آپ نے مجھ سے فرمایا سلمہ تم بیعت نہیں کرتے؟ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے تو بیعت کر لی آپ نے فرمایا خیر آؤ بیعت کرو چنانچہ میں نے قریب جا کر پھر بیعت کی۔ حدیبیہ کا وہ کنواں جس کا ذکر اوپر گذرا صرف اتنے پانی کا تھا کہ پچاس بکریاں بھی آسودہ نہ ہو سکیں آپ فرماتے ہیں کہ دوبارہ بیعت کر لینے کے بعد آپ نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ میں بیسپر ہوں تو آپ نے مجھے ایک ڈھال عنایت فرمائی پھر لوگوں سے بیعت لینی شروع کر دی پھر آخری مرتبہ میری طرف دیکھ کر فرمایا سلمہ تم بیعت نہیں کرتے؟ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی مرتبہ جن لوگوں نے بیعت کی میں نے ان کے ساتھ ہی بیعت کی تھی پھر بیچ میں دوبارہ بیعت کر چکا ہوں آپ نے فرمایا اچھا پھر سہی چنانچہ اس آخری جماعت کے ساتھ بھی میں نے بیعت کی آپ نے پھر میری طرف دیکھ کر فرمایا سلمہ تمہیں ہم نے جو ڈھال دی تھی وہ کیا ہوئی؟ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عامر سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ ان کے پاس دشمن کا وار روکنے والی کوئی چیز نہیں میں نے وہ ڈھال انہیں دے دی تو آپ ہنسے اور فرمایا تم بھی اس شخص کی طرح ہو جس نے اللہ سے دعا کی کہ اے الٰہی میرے پاس کسی ایسے کو بھیج دے جو مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہو۔

پھر اہل مکہ سے صلح کی تحریک کی آمد و رفت ہوئی اور صلح ہو گئی میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ کا خادم تھا ان کے گھوڑے کی اور ان کی خدمت کیا کرتا تھا وہ مجھے کھانے کو دے دیتے تھے میں تو اپنا گھر بار بال بچے مال دولت سب راہ اللہ میں چھوڑ کر ہجرت کر کے چلا آیا تھا، جب صلح ہو چکی ادھر کے لوگ ادھر ادھر کے ادھر آنے لگے تو میں ایک درخت تلے جا کر کانٹے وغیرہ ہٹا کر اس کی جڑ سے لگ کر سو گیا اچانک مشرکین مکہ میں سے چار شخص وہیں آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ گستاخانہ کلمات سے آپس میں باتیں کرنے لگے مجھے بڑا برا معلوم ہوا میں وہاں سے اٹھ کر دوسرے درخت تلے چلا گیا، اب لوگوں نے اپنے ہتھیار اتارے درخت پر لٹکا کر وہاں لیٹ گئے تھوڑی دیر گذری ہوگی جو میں نے سنا کہ وادی کے نیچے کے حصہ سے کوئی منادی ندا کر رہا ہے کہ اے مہاجر بھائیو حضرت دہیم قتل کر دیئے گئے میں نے جھٹ سے تلوار تان لی اور اسی درخت تلے گیا جہاں چاروں سوئے ہوئے تھے جاتے ہی پہلے تو ان کے ہتھیار قبضے میں کئے اور اپنے ایک ہاتھ میں انہیں دبا کر دوسرے ہاتھ سے تلوار تول کر ان سے کہا سنو اس اللہ کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت دی ہے تم میں سے جس نے بھی سر اٹھایا میں اس کا سر قلم کر دوں گا جب وہ اسے مان چکے میں نے کہا اٹھو اور میرے آگے آگے چلو چنانچہ ان چاروں کو لے کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ادھر میرے چچا حضرت عامر بھی مکرز نامی عبلات کے ایک مشرک کو گرفتار کر کے لائے اور بھی اسی طرح کے ستر مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر کیے گئے تھے آپ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا انہیں چھوڑ دو برائی کی ابتداء بھی انہی کے سر رہے اور پھر اس کی تکرار کے ذمہ دار بھی یہی رہیں چنانچہ ان سب کو رہا کر دیا گیا اسی کا بیان آیت (وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا، الفتح:24)، میں ہے۔ حضرت سعید بن مسیب کے والد بھی اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ کا بیان ہے کہ اگلے سال جب ہم حج کو گئے تو اس درخت کی جگہ ہم پر پوشیدہ رہی ہم معلوم نہ کر سکے کہ کس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہم نے بیعت کی تھی اب اگر تم پر یہ پوشیدگی کھل گئی ہو تو تم جانو۔

ایک روایت میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج زمین پر جتنے ہیں ان سب پر افضل تم لوگ ہو۔ آپ فرماتے ہیں اگر میری آنکھیں ہوتیں تو میں تمہیں اس درخت کی جگہ دکھا دیتا، حضرت سفیان فرماتے ہیں اس جگہ کی تعین میں بڑا اختلاف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جن لوگوں نے اس بیعت میں شرکت کی ہے ان میں سے کوئی جہنم میں نہیں جائے گا۔ (بخاری ومسلم، تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ فتح، بیروت)

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَاۤ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ
يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا
اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○
عنقریب دیہاتیوں میں سے وہ لوگ جو پیچھے رہ گئے تھے آپ سے کہیں گے کہ ہمارے اموال اور اہل وعیال نے ہمیں
مشغول کر رکھا تھا۔ پس آپ ہمارے لئے بخشش طلب کریں۔ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں
نہیں ہیں۔ آپ فرما دیں کہ کون ہے جو تمہیں اللہ کے خلاف بچانے کا اختیار رکھتا ہو اگر اس نے تمہارے نقصان کا ارادہ
فرما لیا ہو یا تمہارے نفع کا ارادہ فرما لیا ہو، بلکہ اللہ تمہارے کاموں سے اچھی طرح باخبر ہے۔

مقام حدیبیہ پر نہ جانے والوں کے عذر کی تکذیب کا بیان

"سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَاب" حَوْلَ الْمَدِينَة أَيْ الَّذِينَ خَلَّفَهُمْ اللّٰه عَنْ صُحْبَتك لَمَّا طَلَبْتهمْ لِيَخْرُجُوا مَعَك إِلَى مَكَّة خَوْفًا مِنْ تَعَرُّض قُرَيْش لَك عَام الْحُدَيْبِيَة إِذَا رَجَعْت مِنْهَا "شَغَلَتْنَا أَمْوَالنَا وَأَهْلُونَا " عَنْ الْخُرُوج مَعَك "فَاسْتَغْفِرْ لَنَا " اللّٰه مِنْ تَرْك الْخُرُوج مَعَك قَالَ تَعَالَى مُكَذِّبًا لَهُمْ "يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ" أَيْ مِنْ طَلَب الِاسْتِغْفَار وَمَا قَبْله "مَا لَيْسَ فِي قُلُوبهمْ" فَهُمْ كَاذِبُونَ فِي اعْتِذَارهمْ "قُلْ فَمَنْ" اسْتِفْهَام بِمَعْنَى النَّفْي أَيْ لَا أَحَد "يَمْلِك لَكُمْ مِنْ اللّٰه شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا " بِفَتْحِ الضَّاد وَضَمّهَا "أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللّٰه بِمَا تَعْمَلُونَ

خَبِيرًا" أَىْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَٰلِكَ،

عنقریب دیہاتیوں یعنی جو مدینہ کے گردونواح میں سے وہ لوگ جو حدیبیہ میں شرکت سے پیچھے رہ گئے تھے۔یعنی جب آپ نے انہیں طلب فرمایا کہ وہ مکہ مکرمہ میں آپ کے ساتھ چلیں تو حدیبیہ والے سال انہیں قریش سے تعرض کا اندیشہ ہوا۔آپ سے معذرۃً یہ کہیں گے کہ ہمارے اموال اور اہل وعیال نے ہمیں مشغول کر رکھا تھا اس لئے ہم آپ کی معیت سے محروم رہ گئے،سو آپ ہمارے لئے اللہ سے بخشش طلب کریں۔تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں یعنی استغفار ومعافی مانگ رہے ہیں۔اور جو اس سے پہلے بات کہی ہے۔جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔لہٰذا یہ اپنے عذر میں جھوٹے ہیں۔آپ فرمادیں کہ کون ہے،یہاں پر لفظ من بہ معنی نفی ہے یعنی کوئی ایک بھی نہیں ہے۔جو تمہیں اللہ کے (فیصلے کے) خلاف بچانے کا اختیار رکھتا ہو اگر اس نے تمہارے نقصان کا ارادہ فرمالیا ہو،یہاں پر لفظ ضرا یہ ضاد کے فتحہ کے اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔یا تمہارے نفع کا ارادہ فرمالیا ہو،بلکہ اللہ تمہارے کاموں سے اچھی طرح باخبر ہے۔یعنی وہ ہمیشہ اس صفت کے ساتھ متصف ہے۔

قبیلہ غِفار ومُزَینہ وجُہَینہ واشجع واسلم کے جب کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سالِ حدیبیہ بہ نیتِ عمرہ مکہ مکرمہ کا ارادہ فرمایا تو حوالیِ مدینہ کے گاؤں والے اور اہل بادیہ بخوف قریش آپ کے ساتھ جانے سے رکے باوجود یہ کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرہ کا احرام باندھا تھا اور قربانیاں ساتھ تھیں اور اس سے صاف ظاہر تھا کہ جنگ کا ارادہ نہیں ہے پھر بھی بہت سے اعراب پر جانا بار ہوا اور وہ کام کا حیلہ کر کے رہ گئے اور ان کا گمان یہ تھا کہ قریش بہت طاقتور ہیں،مسلمان ان سے بچ کر نہ آئیں گے،سب وہیں ہلاک ہوجائیں گے،اب جب کہ مددِ الٰہی سے معاملہ ان کے خیال کے بالکل خلاف ہوا تو انہیں اپنے نہ جانے پر افسوس ہوگا اور معذرت کریں گے۔(تفسیر خزائن العرفان،سورہ فتح،لاہور)

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ
ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا ۢ بُوْرًا ۝
بلکہ تم نے یہ گمان کیا تھا کہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اہل ایمان اب کبھی بھی پلٹ کر اپنے گھر والوں کی طرف نہیں آئیں
گے اور یہ تمہارے دلوں میں خوب آراستہ کر دیا گیا تھا اور تم نے بہت ہی برا گمان کیا،اور تم ہلاک ہونے والی قوم بن گئے۔

گمان نفس کے سبب حدیبیہ میں ساتھ نہ جانے والوں کا بیان

"بَلْ" فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِلانْتِقَالِ مِنْ غَرَضٍ إِلَى آخَرَ "ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ" أَىْ أَنَّهُمْ يُسْتَأْصَلُونَ بِالْقَتْلِ فَلَا يَرْجِعُونَ "وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ" هٰذَا وَغَيْرَهُ "وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا" جَمْعُ بَائِرٍ أَىْ هَالِكِينَ عِنْدَ اللّٰهِ بِهٰذَا الظَّنِّ

یہاں پر لفظ بل دونوں مقامات پر ایک مقصد سے دوسرے کی جانب منتقل ہونے کے معنی کیلئے آیا ہے۔ بلکہ تم نے یہ گمان کیا تھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم اب کبھی بھی پلٹ کر اپنے گھر والوں کی طرف نہیں آئیں گے اور یہ گمان تمہارے دلوں میں تمہارے نفس کی طرف سے خوب آراستہ کر دیا گیا تھا یعنی یہ لوگ قتل کے ذریعے ختم ہو جائیں لہٰذا کبھی بھی لوٹ کر نہ آئیں گے۔ اور تم نے بہت ہی برا یعنی یہ اور اس طرح کا اور برا گمان کیا، اور تم ہلاک ہونے والی قوم بن گئے۔ یہاں پر لفظ بورا یہ بائر کی جمع ہے۔ یعنی اس گمان کے سبب اللہ کے ہاں ہلاک ہونے والی قوم ہو۔

صاف طور پر تمہارا نفاق اس کے باعث تھا تمہارے دل ایمان سے خالی ہیں اللہ پر بھروسہ نہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں بھلائی کا یقین نہیں اس وجہ سے تمہاری جانیں تم پر گراں ہیں تم اپنی نسبت تو کیا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی یہی خیال کرتے تھے کہ یہ قتل کر دیئے جائیں گے ان کی بھوسی اڑا دی جائے گی ان میں سے ایک بھی نہ بچ سکے گا جو ان کی خبر تو لا کر دے، ان بدخیالیوں نے تمہیں نامرد بنا رکھا تھا تم دراصل برباد شدہ لوگ ہو کہا گیا ہے کہ (بورا) لغت عمان ہے جو شخص اپنا عمل خالص نہ کرے اپنا عقیدہ مضبوط نہ بنالے اسے اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ میں عذاب کرے گا گو دنیا میں وہ بہ خلاف اپنے باطن کے ظاہر کرتے رہے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ملک اپنی شہنشاہی اور اپنے اختیارات کا بیان فرماتا ہے کہ مالک ومتصرف وہی ہے بخشش اور عذاب پر قادر وہ ہے لیکن ہے غفور اور رحیم جو بھی اس کی طرف جھکے وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جو اس کا در کھٹکھٹائے وہ اس کے لئے اپنا دروازہ کھول دیتا ہے خواہ کتنے ہی گناہ کئے ہوں جب توبہ کرے اللہ قبول فرما لیتا ہے اور گناہ بخش دیتا ہے بلکہ رحم اور مہربانی سے پیش آتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فتح، بیروت)

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝
اور جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان نہ لائے تو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لانے والوں کیلئے جہنم ہونے کا بیان

"وَمَنْ لَمْ يُؤْمِن بِاَللَّهِ وَرَسُوله فَإِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَعِيرًا" نَارًا شَدِيدَة

اور جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لائے تو ہم نے کافروں کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ جس کی آگ سخت ہے۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے بدظنی رکھے یا مسلمان ہونے کے باوجود اس کی ہمدردیاں اسلام دشمن گروہ کے ساتھ ہوں وہ ایماندار نہیں رہتا بلکہ غیر مومن ہوتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اسی آیت کا اگلا حصہ یہ وضاحت کر رہا ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے اور اسے آخرت میں کافروں جیسا ہی عذاب ہوگا۔ اگرچہ اس دنیا میں ایمانداروں میں ہی ملا جلا رہا ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝
اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے، وہ بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے
اور اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

زمین وآسمان کی بادشاہت اللہ کیلئے ہونے کا بیان

"وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَوَات وَالْأَرْض يَغْفِر لِمَنْ يَشَاء وَيُعَذِّب مَنْ يَشَاء وَكَانَ اللّٰه غَفُورًا رَحِيمًا" أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِمَا ذُكِرَ

اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے، وہ بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ وہ ہمیشہ انہی اوصاف کے ساتھ متصف ہے جن کا ذکر کیا گیا ہے۔

یعنی وہ جسے چاہے فائدہ پہنچا سکتا ہے خواہ حالات اس کے برعکس نظر آ رہے ہوں۔ اسی طرح وہ جسے چاہے ذلیل ورسوا کر سکتا ہے اس لئے یہ کائنات ساری کی ساری اس کی مملوک ہے اور ظاہری اور باطنی اسباب اسی کے قبضہ قدرت ہیں۔ جن میں وہ ہر طرح سے تصرف کر سکتا ہے۔ ہاں اگر تم اپنے برے اعمال اور بدباطنی سے باز آ جاؤ تو وہ تمہیں معاف بھی کر دے گا۔ کیونکہ حقیقتاً وہ اپنے بندوں پر مہربانی کا سلوک کرنے سے ہی خوش ہوتا ہے۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ج يُرِيْدُوْنَ
اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ط قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ج فَسَيَقُوْلُوْنَ
بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ط بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝
جب تم اَموالِ غنیمت کو حاصل کرنے کی طرف چلو گے تو پیچھے رہ جانے والے لوگ کہیں گے، ہمیں بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے
پیچھے ہو کر چلیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے فرمان کو بدل دیں۔ فرما دیجئے: تم ہرگز ہمارے پیچھے نہیں آ سکتے اسی طرح اللہ نے
پہلے سے فرما دیا تھا۔ سو اب وہ کہیں گے، بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو، بات یہ ہے کہ یہ لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہیں۔

خیبر کی غنائم کے حصول کا بیان

"سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ" الْمَذْكُورُونَ "إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَانِم" هِيَ مَغَانِم خَيْبَر "لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا" اتْرُكُونَا "نَتَّبِعكُمْ" لِنَأْخُذ مِنْهَا "يُرِيدُونَ" بِذَلِكَ "أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَام اللّٰه" وَفِي قِرَاءَة: كَلِم اللّٰه بِكَسْرِ اللَّام أَيْ مَوَاعِيده بِغَنَائِم خَيْبَر أَهْل الْحُدَيْبِيَة خَاصَّة "قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَلِكُمْ قَالَ اللّٰه مِنْ قَبْل" أَيْ قَبْل عَوْدنَا "فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا" أَنْ نُصِيب مَعَكُمْ مِنْ الْغَنَائِم

فَقُلْتُمْ ذَلِكَ "بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ" مِنَ الدِّين "إِلَّا قَلِيلًا" مِنْهُمْ،

جب تم خیبر کے اَموالِ غنیمت کو حاصل کرنے کی طرف چلو گے۔ یعنی جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ تو سفرِ حدیبیہ میں پیچھے رہ جانے والے لوگ کہیں گے، ہمیں بھی اجازت دو کہ ہم تمہارے پیچھے ہو کر چلیں۔ تاکہ ہم بھی ان غنائم سے کچھ حاصل کریں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے فرمان کو بدل دیں۔ ایک قرأت کے مطابق کلم اللہ میں لام کے کسرہ کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی خاص طور پر اہل حدیبیہ کیلئے ملنے والی غنائم کو بدل دیں۔ فرما دیجئے، تم ہرگز ہمارے پیچھے نہیں آ سکتے اسی طرح اللہ نے پہلے سے فرما دیا تھا۔ یعنی ہمارے لوٹنے سے پہلے۔ سو اب وہ کہیں گے، بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو، کہ غنائم میں ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ تو تم اس طرح کہہ دینا کہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ دین کو بہت ہی کم سمجھتے ہیں۔

اہل حدیبیہ کی تخصیص سے متعلق بیان

علماء نے فرمایا کہ یہ تخصیص اہل حدیبیہ کا وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اس کا قرآن میں کہیں صراحۃ ذکر نہیں، بلکہ یہ تخصیص اہل حدیبیہ کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے وحی غیر متلو کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر حدیبیہ میں فرمایا تھا، اسی کو اس جگہ کلام اللہ اور قال اللہ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ احکام قرآن کے جو احکام احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں وہ بھی حسب تصریح اس آیت کے کلام اللہ اور قول اللہ میں داخل ہیں۔ جو ملحدین احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجت دین نہیں مانتے یہ آیتیں ان کے الحاد کو کھولنے کے لئے کافی ہیں، رہا یہ معاملہ کہ اسی سورت میں جو سفر حدیبیہ کے شروع میں نازل ہوئی ہے یہ الفاظ قرآن میں موجود ہیں (آیت) اثابھم فتحا قریبا، اور باتفاق مفسرین یہاں فتح قریب سے فتح خیبر مراد ہے تو اس طرح قرآن میں فتح خیبر کا اور اس کے غنائم اہل حدیبیہ کو ملنے کا وعدہ آ گیا وہی اس لفظ کلام اللہ اور قال اللہ کی مراد ہو سکتی ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں غنیمت کا وعدہ تو ہے مگر اس کا کہیں ذکر نہیں کہ یہ غنیمت اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص ہوگی دوسرے اس میں شریک نہ ہو سکیں گے یہ تخصیص تو بلاشبہ حدیث رسول ہی سے معلوم ہوئی ہے وہی کلام اللہ اور قال اللہ کا مصداق ہے اور بعض حضرات نے جو سورہ توبہ کی آیت کو اس کا مصداق قرار دیا ہے یعنی (آیت) فاستاذنوك للخروج فقل لن تخرجوا معی ابدا ولن تقاتلوا معی عدوا انکم رضیتم بالقعود اول مرة تو اس لئے صحیح نہیں کہ یہ آیات غزوہ تبوک کے متعلق آئی ہیں اور وہ غزوہ خیبر کے بعد سن 9 ہجری میں ہوا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ فتح، بیروت)

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○

آپ دیہاتیوں میں سے پیچھے رہ جانے والوں سے فرما دیں کہ تم عنقریب ایک سخت جنگ جو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے تم ان سے جنگ کرتے رہو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے، سو اگر تم حکم مان لو گے تو اللہ تمہیں بہترین اجر عطا فرمائے گا۔

اور اگر تم رُوگردانی کرو گے جیسے تم نے پہلے رُوگردانی کی تھی تو وہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

سخت جنگجو قوم سے جہاد کے ذریعے آزمائش کا بیان

"قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَاب" الْمَذْكُورِينَ اخْتِبَارًا "سَتُدْعَوْنَ إِلَى قَوْم أُولِي" أَصْحَاب "بَأْس شَدِيد" قِيلَ هُمْ بَنُو حَنِيفَة أَصْحَاب الْيَمَامَة وَقِيلَ فَارِس وَالرُّوم "تُقَاتِلُونَهُمْ" حَال مُقَدَّرَة هِيَ الْمَدْعُوّ إِلَيْهَا فِي الْمَعْنَى "أَوْ" هُمْ "يُسْلِمُونَ" فَلَا تُقَاتِلُونَ "فَإِنْ تُطِيعُوا" إِلَى قِتَالهمْ "يُؤْتِكُمْ اللَّه أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْل يُعَذِّبكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا" مُؤْلِمًا،

آپ مذکورہ دیہاتیوں میں سے پیچھے رہ جانے والوں سے فرما دیں کہ تم عنقریب ایک سخت جنگ جو قوم سے جہاد کی طرف بلائے جاؤ گے۔ کہا گیا ہے وہ بنو حنیفہ یمامہ کے رہنے والے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اہل فارس و روم ہیں۔ تم ان سے جنگ کرتے رہو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے، یہاں پر حال مقدرہ ہے یعنی ان کو دعوت دیتے رہو گے۔ اور اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو ان سے جنگ نہ کرنا۔ سو اگر تم حکم مان لو گے تو اللہ تمہیں بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ اور اگر تم رُوگردانی کرو گے جیسے تم نے پہلے رُوگردانی کی تھی تو وہ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

سخت جنگو قوم سے متعلق مختلف اقوال کا بیان

وہ سخت لڑاکا قوم جن سے لڑنے کی طرف یہ بلائے جائیں گے کونسی قوم ہے؟ اس میں کئی اقوال ہیں ایک تو یہ کہ اس سے مراد قبیلہ ہوازن ہے دوسرے یہ کہ اس سے مراد قبیلہ ثقیف ہے تیسرے یہ کہ اس سے مراد قبیلہ بنو حنیف ہے چوتھے یہ کہ اس سے مراد اہل فارس ہیں پانچویں یہ کہ اس سے مراد رومی ہیں چھٹے یہ کہ اس سے مراد بت پرست ہیں بعض فرماتے ہیں اس سے مراد کوئی خاص قبیلہ یا گروہ نہیں بلکہ مطلق جنگجو قوم مراد ہے جو ابھی تک مقابلہ میں نہیں آئی۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں اس سے مراد کوئی خاص قبیلہ یا گروہ نہیں بلکہ مطلق جنگجو قوم مراد ہے جو ابھی تک مقابلہ میں نہیں آئی حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں اس سے مراد کرد لوگ ہیں ایک مرفوع حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم ایک ایسی قوم سے نہ لڑو جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی اور ناک بیٹھی ہوئی ہوگی ان کے منہ مثل تہ بہ تہ ڈھالوں کے ہوں گے۔

حضرت سفیان فرماتے ہیں اس سے مراد ترک ہیں ایک حدیث میں ہے کہ تمہیں ایک قوم سے جہاد کرنا پڑے گا جن کی جوتیاں بال دار ہوں گی۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں اس سے مراد کرد لوگ ہیں پھر فرماتا ہے کہ ان سے جہاد و قتال تم پر مشروع کر دیا گیا ہے اور یہ حکم باقی ہی رہے گا اللہ تعالیٰ ان پر تمہاری مدد کرے گا یا یہ کہ وہ خود بخود بغیر لڑے بھڑے دین اسلام قبول کر لیں گے پھر ارشاد ہوتا ہے اگر تم مان لو گے اور جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہو جاؤ گے اور حکم کی بجا آوری کرو گے تو تمہیں بہت ساری نیکیاں ملیں گی اور اگر تم نے وہی

کیا جو حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا یعنی بزدلی سے بیٹھے رہے جہاد میں شرکت نہ کی احکام کی تعمیل سے جی چرایا تو تمہیں المناک عذاب ہو گا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فتح، بیروت)

لَيۡسَ عَلَى الۡاَعۡمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الۡاَعۡرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الۡمَرِيۡضِ حَرَجٌ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ
وَرَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۚ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبۡهُ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۝
نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرے گا وہ اسے بہشتوں میں داخل فرمادے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی،
اور جو شخص منہ پھیرے گا وہ اسے دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

معذور لوگوں کیلئے جہاد سے رخصت ہونے کا بیان

"لَيۡسَ عَلَى الۡأَعۡمَى حَرَج وَلَا عَلَى الۡأَعۡرَج حَرَج وَلَا عَلَى الۡمَرِيض حَرَج" فِي تَرۡك الۡجِهَاد "وَمَنۡ يُطِعِ اللّٰه وَرَسُوله يُدۡخِلهُ" بِالۡيَاءِ وَالنُّون "جَنَّات تَجۡرِي مِنۡ تَحۡتهَا الۡأَنۡهَار وَمَنۡ يَتَوَلَّ يُعَذِّبهُ" بِالۡيَاءِ وَالنُّون،

جہاد سے رہ جانے میں نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ ہی بیمار پر کوئی گناہ ہے، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے گا وہ اسے بہشتوں میں داخل فرمادے گا، یہاں پر یدخل یاء اور نون کے ساتھ بھی آیا ہے۔ جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی، اور جو شخص اطاعت سے منہ پھیرے گا وہ اسے دردناک عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ یہاں پر یعذب یاء اور نون کے ساتھ بھی آیا ہے۔

ترک جہاد میں صحیح عذر والوں کیلئے رعایت کا بیان

پھر جہاد کے ترک کرنے کے جو صحیح عذر ہیں ان کا بیان ہو رہا ہے پس دو عذر تو وہ بیان فرمائے جو لازمی ہیں یعنی اندھاپن اور لنگڑاپن اور ایک عذر وہ بیان فرمایا جو عارضی ہے جیسے بیماری کہ چند دن رہی پھر چلی گئی۔ پس یہ بھی اپنی بیماری کے زمانہ میں معذور ہیں ہاں تندرست ہونے کے بعد یہ معذور نہیں پھر جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار جنتی ہے اور جو جہاد سے بیرغبتی کرے اور دنیا کی طرف سراسر متوجہ ہو جائے، معاش کے پیچھے معاد کو بھول جائے اس کی سزا دنیا میں ذلت اور آخرت کی دکھ مار ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جب اوپر کی آیات میں جہاد کی شرکت سے ہٹنے والوں کے لئے عذاب کی وعید آئی (آیت) وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا كَمَا تَوَلَّيۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا، تو کچھ معذور لوگ جو صحابہ کرام میں تھے ان کو فکر ہوئی کہ ہم تو شرکت جہاد کے قابل نہیں، کہیں ہم بھی اس وعید میں شامل نہ ہوں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اندھے، لنگڑے اور بیمار کو حکم

جہاد سے مستثنٰی کر دیا گیا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ فتح، بیروت)

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَافِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ
السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۝
بیشک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔ تو اللہ نے جانا جو
ان کے دلوں میں ہے۔ تو ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔ اور بہت سے اموالِ غنیمت
جو وہ حاصل کر رہے ہیں، اور اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

فتح خیبر کے ذریعے غنائم وانعام کا بیان

"لَقَدْ رَضِيَ اللَّه عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَك " بِالْحُدَيْبِيَةِ "تَحْت الشَّجَرَة " هِيَ سَمُرَة وَهُمْ أَلْف وَثَلَثمِائَةِ أَوْ أَكْثَر ثُمَّ بَايَعَهُمْ عَلَى أَنْ يُنَاجِزُوا قُرَيْشًا وَأَنْ لَا يَفِرُّوا مِنْ الْمَوْت "فَعَلِمَ" اللَّه "مَا فِي قُلُوبهمْ " مِنْ الصِّدْق وَالْوَفَاء "فَأَنْزَلَ السَّكِينَة عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا " هُوَ فَتْح خَيْبَر بَعْد انْصِرَافهمْ مِنْ الْحُدَيْبِيَة، "وَمَغَانِم كَثِيرَة يَأْخُذُونَهَا" مِنْ خَيْبَر "وَكَانَ اللَّه عَزِيزًا حَكِيمًا" أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ

بیشک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔ جو حدیبیہ کے پاس ہے اور وہ اصحاب ایک ہزار تین سو یا اس سے زیادہ تھے۔ پھر انہوں نے اس بات پر بیعت کی کہ وہ قریش سے لڑیں گے اور وہ موت فرار اختیار نہ کریں گے۔ تو اللہ نے ظاہر فرما دیا جو ان کے دلوں میں صدق اور وفاء ہے۔ تو ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔ اور وہ فتح خیبر ہے جو حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد ہوئی۔

اور بہت سے اموالِ غنیمت بھی جو وہ خیبر سے حاصل کر رہے ہیں، اور اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔ وہ ہمیشہ انہی اوصاف سے متصف رہنے والا ہے۔

درخت کے نیچے بیعت لینے کا بیان

حدیبیہ میں چونکہ ان بیعت کرنے والوں کو رضائے الٰہی کی بشارت دی گئی اس لئے اس بیعت کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں، اس بیعت کے سبب باسبابِ ظاہر یہ پیش آیا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اشراف قریش کے پاس مکہ مکرمہ بھیجا کہ انہیں خبر دیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت اللہ کی زیارت کے لئے بقصدِ عمرہ تشریف لائے ہیں، آپ کا ارادہ جنگ کا نہیں ہے اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ جو کمزور مسلمان وہاں ہیں انہیں اطمینان دلا دیں کہ مکہ مکرمہ عنقریب فتح ہوگا اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب فرمائے گا، قریش اس بات پر متفق رہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سال تو تشریف نہ لائیں

اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگر آپ کعبہ معظمہ کا طواف کرنا چاہیں تو کریں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ میں بغیر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طواف کروں یہاں مسلمانوں نے کہا کہ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے خوش نصیب ہیں جو کعبہ معظمہ پہنچے اور طواف سے مشرف ہوئے، حضور نے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ وہ ہمارے بغیر طواف نہ کریں گے۔

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ مکرّمہ کے ضعیف مسلمانوں کو حسبِ حکم فتح کی بشارت بھی پہنچائی، پھر قریش نے حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک لیا، یہاں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کردیئے گئے، اس پر مسلمانوں کو بہت جوش آیا اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے کفار کے مقابل جہاد میں ثابت رہنے پر بیعت لی، یہ بیعت ایک بڑے خاردار درخت کے نیچے ہوئی، جس کو عرب میں سَمُرَہ کہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا بایاں دستِ مبارک داہنے دستِ اقدس میں لیا اور فرمایا کہ یہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی بیعت ہے اور فرمایا یارب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیرے اور تیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام میں ہیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نورِ نبوت سے معلوم تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید نہیں ہوئے جبھی تو ان کی بیعت لی، مشرکین اس بیعت کا حال سن کر خائف ہوئے اور انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج دیا۔

حدیث شریف میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ (مسلم شریف، تفسیر خزائن العرفان، سورہ فتح، لاہور)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کیلئے فضیلت بیعت کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بیعت رضوان کا حکم دیا تو اس وقت حضرت عثمان غنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندہ خصوصی کی حیثیت سے مکہ گئے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے (جاں نثاری کی) بیعت لی اور (جب تمام مسلمان بیعت کرچکے۔

اور حضرت عثمان وہاں موجود نہیں تھے تو) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان! اللہ (کے دین) اور اللہ کے رسول کے کام پر گئے ہوئے ہیں اور (یہ کہہ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ہاتھ جو حضرت عثمان کی طرف سے تھا باقی تمام صحابہ کے ان ہاتھوں سے کہیں افضل و بہتر تھا جوان کے اپنی طرف سے تھے۔

(ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 682)

بیعت رضوان" اس بیعت کو کہتے ہیں جو مکہ سے تقریبا پندرہ سولہ میل کے فاصلہ پر مقام حدیبیہ میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں سے لی تھی۔ یہ نام قرآن کریم کی اس آیت سے ماخوذ ہے جو اسی واقعہ سے متعلق نازل ہوئی تھی۔ (لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ، الفتح: 18)" بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں

سے خوش ہوا جب کہ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت (سمر) کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

اس واقعہ کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ ذی قعدہ ۶ ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل اسلام کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ عمرہ کے لئے مکہ روانہ ہوئے جب حدیبیہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ قریش مکہ نے مسلمانوں کو عمرہ کے لئے مکہ میں داخل ہونے کی اجازت سے انکار کر دیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو اپنا نمائندہ خصوصی بنا کر قریش مکہ کے پاس روانہ کیا تا کہ وہ ان کو سمجھائیں۔ کہ مسلمانوں کی آمد کا مقصد جنگ و جدال نہیں ہے بلکہ صرف عمرہ کرنا ہے لہٰذا اہل مکہ کو چاہئے کہ مسلمانوں کو عمرہ کے لئے مکہ میں داخل ہونے دیں، حضرت عثمان اپنے مشن پر مکہ میں تھے کہ یہاں حدیبیہ میں مشہور ہو گیا کہ حضرت عثمان کو اہل مکہ نے قتل کر دیا ہے یہ شہرت سن کر۔ یہ شہرت سن کر مسلمانوں میں سخت اضطراب و ہیجان پیدا ہو گیا اور طے ہوا کہ خون عثمان کا بدلہ لیا جائے گا، چنانچہ اسی موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر تمام مسلمانوں سے اس بات کا عہد و اقرار لیا کہ اپنی جانوں کی بازی لگا کر خون عثمان کا بدلہ اہل مکہ سے لیں گے، صحابہ میں ایک ایک آدمی آتا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مار کر بیعت کرتا تھا، جب سب لوگ بیعت کر چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کو حضرت عثمان کے ہاتھ کے قائم مقام کیا اور اس ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مار کر گویا حضرت عثمان کی طرف سے بیعت کی۔

اس طرح حضرت عثمان کو خصوصی فضیلت حاصل ہوئی، کہ اگر وہ خود اس موقعہ پر موجود ہوتے اور اپنا ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مار کر بیعت کرتے جیسا کہ اور لوگوں نے کیا تو ان کو یہ شرف نصیب نہ ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک ان کے ہاتھ کے قائم مقام ہوا اور اس بناء پر ان کی طبیعت گویا سب لوگوں کی طبیعت سے افضل واشرف رہی۔ پس اس موقع پر ان کا غیر موجود ہونا ان کے مرتبہ میں نقصان کا باعث نہ ہوا بلکہ فضیلت اور منقبت کا سبب بن گیا بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جس ہاتھ کو حضرت عثمان کے ہاتھ کے قائم مقام کیا تھا وہ بایاں ہاتھ تھا لیکن زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ دایاں ہاتھ تھا۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ
وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝
اللہ نے تم سے بہت سی غنائم کا وعدہ کیا جنہیں تم حاصل کرو گے، پھر اس نے تمہیں یہ جلدی عطا کر دی اور لوگوں کے ہاتھ
تم سے روک دیے اور تا کہ یہ ایمان والوں کے لیے ایک نشانی بنے اور وہ تمہیں سیدھے راستے پر چلائے۔

فتوحات کے ذریعے حصول غنائم کا بیان

"وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا" مِنَ الْفُتُوحَاتِ "فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهِ" غَنِيمَةَ خَيْبَرَ "وَكَفَّ

أَيْدِيَ النَّاس عَنْكُمْ" فِي عِيَالِكُمْ لَمَّا خَرَجْتُمْ وَهَمَّتْ بِهِمْ الْيَهُود فَقَذَفَ اللّٰه فِي قُلُوبِهِمْ الرُّعْب "وَلِتَكُونَ" أَيْ الْمُعَجَّلَة عَطْف عَلَى مُقَدَّر أَيْ لِتَشْكُرُوهُ "آيَة لِلْمُؤْمِنِينَ" فِي نَصْرهمْ "وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا" أَيْ طَرِيق التَّوَكُّل عَلَيْهِ وَتَفْوِيض الْأَمْر إلَيْهِ تَعَالَى

اللہ نے تم سے بہت سی غنائم کا وعدہ کیا جنھیں تم فتوحات کے ذریعے حاصل کرو گے، پھر اس نے تمھیں یہ خیبر کی غنائم جلدی عطا کر دی ہیں اور لوگوں کے ہاتھ تم سے یعنی تمہارے عیال سے روک دیے جب تم جہاد کیلئے نکلے تو یہود نے تمہارے اہل وعیال کا ارادہ کیا لیکن اللہ نے ان پر رعب طاری کر دیا۔اور تا کہ یہ ایمان والوں کے لیے ایک نشانی بنے، یہاں پر لتکون کا عطف لتشکروا مقدرہ پر ہے۔یعنی ان کی مدد میں اہل ایمان کیلئے نشانی بن جائے۔اور تا کہ وہ تمھیں سیدھے راستے پر چلائے۔یعنی توکل کرنے کا راستہ اور اپنے آپ کو اسی کے سپرد کر دینا ہے۔

فتح خیبر اور فاتح خیبر کا بیان

حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن فرمایا: کل میں یہ جھنڈا (کہ جو کمانداری کی علامت ہے) ایسے شخص کو عطا کروں گا کہ جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا اور وہ شخص اللہ اور اللہ کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اس کو دوست رکھتے ہیں" چنانچہ تمام صحابہ نے اس انتظار اور شوق میں پوری رات جاگ کر گزاری کہ دیکھئے کل صبح یہ سرفرازی کس کے حصہ میں آتی ہے اور جب) صبح ہوئی تو ہر شخص اس آرزو کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ جھنڈا اسی کو ملے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (تمام صحابہ پر نظر ڈال کر فرمایا کہ "علی ابن ابی طالب کہاں ہیں" دراصل حضرت علی آشوب چشم میں مبتلا ہو گئے تھے اور اس وجہ سے اس وقت وہاں حاضر نہیں تھے) صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آنکھوں نے ان کو پریشان کر رکھا ہے (اور اس عذر کی بنا پر وہ یہاں موجود نہیں ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کو بھیج کر ان کو بلوالو، چنانچہ حضرت علی کو بلا کر لایا گیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈالا اور وہ آنکھیں ایک دم اس طرح اچھی ہو گئیں جیسے ان میں کوئی تکلیف اور خرابی تھی نہیں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جھنڈا عطا فرمایا۔حضرت علی (اس سرفرازی سے بہت خوش ہوئے اور) بولے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ان لوگوں (دشمنوں سے) اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک وہ ہماری طرح مسلمان نہ ہو جائیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اور نرمی و بردباری کے ساتھ چل کر ان (دشمنوں) علاقہ میں پہنچو، پھر (سب سے پہلے) ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان کو اللہ کے وہ حقوق بتاؤ جو اسلام میں ان پر عائد ہوتے ہیں (اور پھر اگر وہ دعوت اسلام کو ٹھکرا دیں تو ان سے جزیہ طلب کرو، اگر وہ جزیہ پر صلح کرنے سے انکار کر دیں تو پھر آخر میں ان کے خلاف اعلان جنگ کرو اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں یا جزیہ دے کر اسلامی نظام کی سیاسی اطاعت قبول کرنے پر تیار نہ ہو جائیں) پس (اے علی) اللہ کی قسم، یہ بات کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے، تمہیں ملنے والے سرخ اور چوپائیوں سے کہیں

بہتر ہے۔" (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 704)

خیبر "ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے ساٹھ میل دور ملک شام کی سمت واقع ہے، یہ غزوہ ۷ھ میں پیش آیا تھا۔ "بس" (اے علی) اللہ کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی جو راہ نمائی فرمائی تھی کہ کفار کو اپنے اسلام کی دعوت دین تو اسی کی تاکید کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے کے جملے قسم کھا کر ارشاد فرمائے، اس پر تاکید راہنمائی کی وجہ یہ احساس تھا کہ جنگ وقتال کی صورت میں اگرچہ مال غنیمت مثلا اعلی وعمدہ اونٹ اور چوپائے وغیرہ حاصل ہوتے ہیں لیکن اگر کفار کو نرمی وبردباری کے ساتھ اسلام کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ دعوت اکثر بارآور ہو جاتی ہے اور مخالفین اسلام کی بڑی تعداد جنگ وجدل کے بغیر مسلمان ہو جاتی ہے جو اسلام کا اصل منشاء ومقصد ہے علامہ ابن ہمام نے اسی بنیاد پر بڑی پیاری بات کہی ہے کہ: ایک مؤمن کا پیدا کرنا ہزار کفار کو معدوم کرنے سے بہتر ہے۔

وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرًا ۝
اور کئی، جن پر تم قادر نہیں ہوئے۔ یقیناً اللہ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

اللہ کے علم میں متعدد مغانم کے ہونے کا بیان

"وَأُخْرَى" صِفَة مَغَانِم مُقَدَّرًا مُبْتَدَأ "لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا" هِيَ مِنْ فَارِس وَالرُّوم "قَدْ أَحَاطَ اللَّه بِهَا" عَلِمَ أَنَّهَا سَتَكُونُ لَكُمْ "وَكَانَ اللَّه عَلَى كُلّ شَيْء قَدِيرًا" أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ

یہاں پر اخری یہ مغانم مقدرہ متبراء کی صفت ہے۔ اور کئی اور غنائم کا بھی، جن پر تم قادر نہیں ہوئے۔ وہ اہل فارس وروم کی طرف سے ہیں۔ یقیناً اللہ نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے یعنی اس کے علم میں ہے کہ وہ تمہارے لئے ہیں۔ اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ وہ ہمیشہ ان اوصاف کے ساتھ متصف ہے۔

مراد اس سے یا مغانمِ فارس وروم ہیں یا خیبر جس کا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے وعدہ فرمایا تھا اور مسلمانوں کو امید کامیابی تھی، اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح دی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ فتحِ مکہ ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ہر فتح ہے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عطا فرمائی۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝
اور اگر کافر لوگ تم سے جنگ کرتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے، پھر وہ نہ کوئی دوست پاتے اور نہ مددگار
(مگر اللہ کو صرف یہ ایک ہی نہیں بلکہ کئی فتوحات کا دروازہ تمہارے لئے کھولنا مقصود تھا)۔

صلح حدیبیہ کے بعض مخفی فوائد کا بیان

"وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا" بِالْحُدَيْبِيَةِ "لَوَلَّوُا الْأَدْبَار ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا" يَحْرُسهُمْ

اور اگر کافر لوگ حدیبیہ میں تم سے جنگ کرتے تو وہ ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے، پھر وہ نہ کوئی دوست پاتے اور نہ مددگار یعنی ان کا کوئی کارساز نہیں۔ (مگر اللہ کو صرف یہ ایک ہی نہیں بلکہ کئی فتوحات کا دروازہ تمہارے لئے کھولنا مقصود تھا)۔

یعنی لڑائی ہوتی تو تم ہی غالب رہتے اور کفار پیٹھ پھیر کر بھاگتے کوئی مدد کر کے ان کو آفت سے نہ بچا سکتا۔ مگر اللہ کی حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ فی الحال صلح ہو جائے۔ اور اس کی عظیم الشان برکات سے مسلمان مستفید ہوں۔

حدیبیہ کے موقع پر ابو جندل کی قید کا بیان

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن تین باتوں پر صلح کی تھی۔ اول تو یہ کہ (مکہ کے) مشرکین میں سے جو شخص (مسلمان ہو کر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مشرکین کے پاس واپس کر دیں گے اور مسلمانوں میں سے جو شخص مشرکین کے پاس آئے گا اس کو مشرکین واپس نہیں کریں گے، دوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (حج وعمرہ کے لئے اس سال مکہ میں داخل نہ ہوں بلکہ) آئندہ سال مکہ آئیں اور صرف تین دن مکہ میں ٹھہریں اور سوم یہ کہ (آئندہ سال) مکہ میں جب داخل ہوں تو اپنے تمام ہتھیار، تلوار، کمان اور اسی طرح کی دوسری چیزیں غلاف میں رکھ کر لائیں۔ اس موقع پر ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں پہنچے کہ ان کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئیں تھیں جن کی وجہ سے وہ کود (کود کر چل رہے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مشرکین کے پاس واپس بھیج دیا۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1134)

جلبان چمڑے کا ایک تھیلا ہوتا تھا جس کا مصرف یہ تھا کہ جب لوگ سفر کرتے تو نیام سمیت تلواریں اور دوسرے ہتھیار وغیرہ اس میں رکھ کر گھوڑے کی زین کے پچھلے حصہ میں لٹکا دیتے تھے۔ یہاں جلبان یعنی غلاف میں ہتھیاروں کو رکھ کر لانے کی شرط سے مشرکین کی مراد یہ تھی کہ جب آئندہ سال مسلمان مکہ آئیں تو اپنے ہتھیار ننگے کھلے لے کر شہر میں نہ داخل ہوں بلکہ ان کو نیام وغیرہ میں رکھیں تا کہ اس طرح مسلمانوں کے غلبہ ان کی طاقت کی فوقیت وبرتری اور ان کے جنگی ارادوں کا اظہار نہ ہو۔

حضرت ابو جندل ابن سہیل جن کے بارے میں پچھلی حدیث کے ضمن میں بھی بیان کیا جا چکا ہے، مکہ ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے اور جن دنوں صلح حدیبیہ ہوئی ہے وہ مشرکین مکہ کی قید میں تھے، چنانچہ وہ کسی طرح مکہ سے بھاگ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حدیبیہ پہنچے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ صلح کے پیش نظر ان کو مشرکین کے حوالے کر دیا اور انہیں صبر و استقامت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ ابو جندل! صبر واستقامت کی راہ اختیار کرو اور آخرت کے اجر وثواب کی امید رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بھی اور دوسرے ضعیف وبے بس لوگوں کے لئے بھی (جلد ہی) خلاصی ونجات اور شادمانی کے سامان پیدا کر دے گا۔

علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل مکہ کی ان شرائط کو قبول کرنا جو بظاہر مسلمانوں کے لئے سوہان روح اور ان کی ملی حمیت ووقار کے منافی تھیں، اس وجہ سے تھا کہ ایک تو اس وقت مسلمان بہر حال کمزور وخستہ حال تھے اور ان میں اتنی مادی طاقت اور ان کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے جن کے ذریعہ وہ اہل مکہ کا مقابلہ کر پاتے، دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ سے

کسی جنگ کے ارادے سے نہیں چلے تھے بلکہ عمرہ کے لئے روانہ ہوئے تھے اور اس کے لئے احرام بھی باندھ چکے تھے، ادھر حدود حرم کی عظمت اور ان کے شرعی تقاضوں کا لحاظ بھی ضروری تھا، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ کرنے کا حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مصلحتیں تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھیں۔ چنانچہ انجام کار اس معاہدہ صلح کے بہت زیادہ فائدے ظاہر ہوئے کہ اسلام کی اشاعت وتبلیغ کے ایسے مواقع میسر آئے جنہوں نے دور دراز تک کی فضا کو مسلمانوں کے حق میں بدل دیا اور اسلام کی آواز چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مکہ کی فتح عظیم عطا فرمائی، وہاں کے لوگوں کو اسلام کے دامن میں پہنچا دیا اور اس طرح یہ ثابت ہو گیا کہ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کی پیش کردہ شرائط پر معاہدہ صلح کر کے اپنے جذبہ امن پسندی وانسانیت نوازی ہی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اپنی بے مثال سیاسی بصیرت وبالغ نظری اور دور اندیشی کا نمونہ بھی پیش کیا اور سب سے بڑھ کر حقیقت میں منشاء الٰہی اور حکم الٰہی کی فرماں برداری کی اور کمال عبودیت کا اظہار کیا۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِىْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝
اللہ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے، اور آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مدد جبکہ کفار کو شکست دیتا ہے

"سُنَّةَ اللّٰه" مَصْدَر مُؤَكِّد لِمَضْمُونِ الْجُمْلَة قَبْله مِنْ هَزِيمَة الْكَافِرِينَ وَنَصْر الْمُؤْمِنِينَ أَىْ سَنَّ اللّٰه ذٰلِكَ سُنَّة "الَّتِى قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْل وَلَنْ تَجِد لِسُنَّةِ اللّٰه تَبْدِيلًا" مِنْهُ

یہ اللہ کی سنت ہے یہاں پر لفظ سنت یہ مصدر ہے جو ماقبل مضمون جملہ کی تاکید کیلئے آئی ہے۔ یعنی کفار کی شکست اور مؤمنین کی مدد ہے۔ اور اللہ کی سنت تو پہلے سے چلی آ رہی ہے، اور آپ اللہ کے دستور میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

یعنی جب اہل حق اور باطل کا کسی فیصلہ کن موقع پر مقابلہ ہو جائے تو آخر کار اہل حق غالب اور اہل باطل مغلوب ومقہور کیے جاتے ہیں یہ ہی عادت اللہ کی ہمیشہ سے چلی آتی ہے جس میں کوئی تبدل وتغیر نہیں۔ ہاں یہ شرط ہے کہ اہل حق بحیثیت مجموعی پوری طرح حق پرستی پر قائم رہیں۔ اور بعض نے (وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا) کے معنی یوں کیے ہیں کہ اللہ قانون کوئی دوسرا نہیں بدل سکتا۔ یعنی کسی اور کو قدرت نہیں کہ وہ کام نہ ہونے دے جو سنت اللہ کے موافق ہونا چاہیے تھا

وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ ۢ بَعْدِ
اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝
اور وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے، اس کے بعد کہ
تمہیں ان پر فتح دے دی اور اللہ اس کو جو تم کرتے ہو، ہمیشہ سے خوب دیکھنے والا ہے۔

۸۰ افراد کی رہائی کا صلح حدیبیہ کا باعث بن جانے کا بیان

"وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيهِمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّة" بِالْحُدَيْبِيَةِ "مِنْ بَعْد أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ" فَإِنَّ ثَمَانِينَ مِنْهُمْ طَافُوا بِعَسْكَرِكُمْ لِيُصِيبُوا مِنكُمْ فَأُخِذُوا وَأُتِيَ بِهِمْ إِلَى رَسُول اللَّه صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَفَا عَنْهُمْ وَخَلَّى سَبِيلهمْ فَكَانَ ذَلِكَ سَبَب الصُّلْح "وَكَانَ اللَّه بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا" بِالْيَاءِ وَالتَّاء أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ،

اور وہی ذات ہے جس نے مکہ کی وادی حدیبیہ میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے روک دیے، اس کے بعد کہ تمھیں ان پر فتح دے دی۔ پس ان کے ۸۰ افراد نے تمہارے لشکر کو گھیر لیا تا کہ وہ تم پر حملہ کریں لیکن وہ گرفتار کر لیے گئے اور جب انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ تو آپ ﷺ نے انہیں معاف کر دیا اور انہیں رہا کر دیا یہ ہی واقعہ صلح کا باعث بنا۔ اور اللہ اس کو جو تم کرتے ہو، ہمیشہ سے خوب دیکھنے والا ہے۔ یہاں پر لفظ تعملون یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان اوصاف کے ساتھ متصف رہتا ہے۔

سورت فتح آیت ۲۴ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تنعیم کے پہاڑ سے مکہ والوں کے اسی آدمی جو کہ اسلحہ سے مسلح تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترے وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو غفلت میں رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنا چاہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو پکڑ کر پھر چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی اور وہی ہے جس نے وادی مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ان پر غالب کر دیا تھا۔

(صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 182)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تنعیم کے پہاڑ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی طرف اسی (۸۰) کافر نکلے۔ صبح کی نماز کا وقت تھا وہ لوگ چاہتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں لیکن سب کے سب پکڑے گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ یعنی وہ ایسا ہے کہ اس نے ان کے تم سے اور تمہارے ان سے ہاتھ روک دیئے) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1212)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ (وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى ، اور ان کو پرہیز گاری کی بات پر قائم رکھا اور اس کے لائق اور قابل بھی تھے)۔ کلمۃ التقوی سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1213)

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۝

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو بھی، جو اپنی جگہ پہنچنے سے رکے پڑے رہے، اور اگر کئی ایسے مومن مرد اور مومن عورتیں، جنہیں تم جانتے بھی نہیں ہو کہ تم انہیں پامال کر ڈالو گے اور تمہیں بھی لاعلمی میں ان کی طرف سے کوئی سختی اور تکلیف پہنچ جائے گی تا کہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل فرمالے۔ اگر الگ الگ ہو کر ایک دوسرے سے ممتاز ہو جاتے تو ہم ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب کی سزا دیتے۔

صلح حدیبیہ کے بعض اسباب وحکمتوں کا بیان

"هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِد الْحَرَام" أَيْ عَنْ الْوُصُول إِلَيْهِ "وَالْهَدْي" مَعْطُوف عَلَى كم "مَعْكُوفًا" مَحْبُوسًا حَال "أَنْ يَبْلُغ مَحِلّه" أَيْ مَكَانه الَّذِي يُنْحَر فِيهِ عَادَة وَهُوَ الْحَرَم بَدَل اشْتِمَال "وَلَوْلَا رِجَال مُؤْمِنُونَ وَنِسَاء مُؤْمِنَات" مَوْجُودُونَ بِمَكَّة مَعَ الْكُفَّار "لَمْ تَعْلَمُوهُمْ" بِصِفَةِ الْإِيمَان "أَنْ تَطَئُوهُمْ" أَيْ تَقْتُلُوهُمْ مَعَ الْكُفَّار لَوْ أُذِنَ لَكُمْ فِي الْفَتْح بَدَل اشْتِمَال مِنْ هُمْ "فَتُصِيبكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّة" أَيْ إِثْم "بِغَيْرِ عِلْم" مِنْكُمْ بِهِ وَضَمَائِر الْغَيْبَة لِلصِّنْفَيْنِ بِتَغْلِيبِ الذُّكُور وَجَوَاب لَوْلَا مَحْذُوف أَيْ لَأُذِنَ لَكُمْ فِي الْفَتْح لَكِنْ لَمْ يُؤْذَن فِيهِ حِينَئِذٍ "لِيُدْخِل اللّٰه فِي رَحْمَته مَنْ يَشَاء" كَالْمُؤْمِنِينَ الْمَذْكُورِينَ "لَوْ تَزَيَّلُوا" تَمَيَّزُوا عَنْ الْكُفَّار "لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ" مِنْ أَهْل مَكَّة حِينَئِذٍ بِأَنْ نَأْذَن لَكُمْ فِي فَتْحهَا "عَذَابًا أَلِيمًا" مُؤْلِمًا،

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روک دیا یعنی اس میں پہنچنے سے روک لیا۔ اور قربانی کے جانوروں کو بھی، یہاں پر لفظ ہدی کا عطف کم ضمیر پر ہے۔ جو اپنی جگہ پہنچنے سے رکے پڑے رہے، یعنی اس جگہ سے روکا جہاں پر عام طور قربانی کی جاتی ہے اور وہ حرم ہے۔ یہاں پر لفظ ان یبلغ یہ ہدی سے بدل اشتمال ہے۔ اور اگر کئی ایسے مومن مرد اور مومن عورتیں مکہ میں کفار کے ساتھ موجود نہ ہوتیں، جنہیں تم جانتے بھی نہیں ہو یعنی ان کی صفت ایمان سے مطلع نہیں ہوئے۔ کہ تم انہیں پامال کر ڈالو گے۔ یعنی کفار کے ہمراہ انہیں بھی قتل کر دو گے اگر تمہیں فتح کا حکم دے دیا جاتا۔ یہاں پر لفظ ان تطوہم یہ ھم ضمیر سے بدل اشتمال ہے اور تمہیں بھی لاعلمی میں ان کی طرف سے کوئی سختی اور تکلیف پہنچ جائے گی۔ یہاں ضمائر کا غائب جو بہ طور غلبہ مذکر لائی گئی ہیں۔ اور لولا کا جواب محذوف ہے۔ یعنی لاذن

لکم فی الفتح، تو ہم تمہیں اسی موقع پر ہی جنگ کی اجازت دے دیتے۔ مگر فتح مکہ کو مؤخر اس لئے کیا گیا۔ تاکہ اللہ جسے چاہے صلح کے نتیجے میں اپنی رحمت میں داخل فرمالے۔ جس طرح اہل ایمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر وہاں کے کافر اور مسلمان الگ الگ ہوکر ایک دوسرے سے ممتاز ہوجاتے تو ہم ان میں سے کافروں یعنی کفار مکہ کو دردناک عذاب کی سزا دیتے۔ یعنی اگر تمہیں فتح کی اجازت دے دی جاتی۔

سورت فتح آیت ۲۵ کے شان نزول کا بیان

ابو جمعہ جنید بن سبیع سے روایت ہے کہ میں حالت کفر میں شروع دن میں نبی کریم ﷺ کے خلاف لڑائی کرتا رہا اور آخر دن میں حالت اسلام میں آپ کی معیت میں لڑائی کی ہم تین مرد تھے اور ہمارے ساتھ سات عورتیں تھیں اور یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ۔وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنٰتٌ ۔(سیوطی 265، مسند ابی یعلی 3-129، مجمع الزوائد 9-398)

اہل ایمان کا مسجد حرام کے اصل حقدار ہونے کا بیان

مشرکین عرب جو قریش تھے اور جو ان کے ساتھ اس عہد پر تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں گے ان کی نسبت قرآن خبر دیتا ہے کہ دراصل یہ لوگ کفر پر ہیں انہوں نے ہی تمہیں مسجد حرام بیت اللہ شریف سے روکا ہے حالانکہ اصلی حقدار اور زیادہ لائق بیت اللہ کے تم ہی لوگ تھے پھر ان کی سرکشی اور مخالفت نے انہیں یہاں تک اندھا کر دیا کہ اللہ کی راہ کی قربانیوں کو بھی قربان گاہ تک نہ جانے دیا یہ قربانیاں تعداد میں ستر تھیں۔

پھر فرماتا ہے کہ سردست تمہیں لڑائی کی اجازت نہ دینے میں یہ راز پوشیدہ تھے کہ ابھی چند کمزور مسلمان مکے میں ایسے ہیں جو ان ظالموں کی وجہ سے نہ اپنے ایمان کو ظاہر کر سکے ہیں نہ ہجرت کر کے تم میں مل سکے ہیں اور نہ تم انہیں جانتے ہو تو یوں دفعۃً اگر تمہیں اجازت دے دی جاتی اور تم اہل مکہ پر چھاپہ مارتے تو وہ سچے پکے مسلمان بھی تمہارے ہاتھوں شہید ہو جاتے اور بے علمی میں تم ہی مستحق گناہ اور مستحق دیت بن جاتے، پاس ان کفار کی سزا کو اللہ نے کچھ اور پیچھے ہٹا دیا تا کہ ان کمزور مسلمانوں کو چھٹکارا مل جائے اور بھی جن کی قسمت میں ایمان ہے وہ ایمان لے آئیں۔ اگر یہ مومن ان میں نہ ہوتے تو یقیناً ہم تمہیں ان کفار پر ابھی اسی وقت غلبہ دے دیتے اور ان کا نام مٹا دیتے۔

حضرت جنید بن سبیع فرماتے ہیں صبح کو میں کافروں کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑ رہا تھا لیکن اسی شام کو اللہ تعالیٰ نے میرا دل پھیر دیا میں مسلمان ہو گیا اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑ رہا تھا، ہمارے ہی بارے میں یہ آیت (لولا رجال) الخ، نازل ہوئی ہے ہم کل نو شخص تھے سات مرد و عورتیں (طبرانی) اور روایت میں ہے کہ ہم تین مرد تھے اور نو عورتیں تھیں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اگر یہ مومن ان کافروں میں ملے جلے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ اسی وقت مسلمانوں کے ہاتھوں ان کافروں کو سخت سزا دیتا یہ قتل کر دیئے جاتے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فتح، بیروت)

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۠

جب ان لوگوں نے جنھوں نے کفر کیا، اپنے دلوں میں ضد رکھ لی، جو جاہلیت کی ضد تھی تو اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اتار دی اور انھیں تقویٰ کی بات پر قائم رکھا اور وہ اس کے زیادہ حق دار اور اس کے لائق تھے اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

معاہدہ حدیبیہ کر لینے کے سبب پابند تقویٰ ہو جانے کا بیان

"إِذْ جَعَلَ " مُتَعَلِّق بِعَذَّبْنَا "الَّذِينَ كَفَرُوا" فَاعِل "فِي قُلُوبهمْ الْحَمِيَّة" الْأَنَفَة مِنْ الشَّيْء "حَمِيَّة الْجَاهِلِيَّة" بَدَل مِنْ الْحَمِيَّة وَهِيَ صَدّهمْ النَّبِيّ وَأَصْحَابه عَنْ الْمَسْجِد الْحَرَام "فَأَنْزَلَ اللَّه سَكِينَته عَلَى رَسُوله وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ" فَصَالَحُوهُمْ عَلَى أَنْ يَعُودُوا مِنْ قَابِل وَلَمْ يَلْحَقهُمْ مِنْ الْحَمِيَّة مَا لَحِقَ الْكُفَّار حَتَّى يُقَاتِلُوهُمْ "وَأَلْزَمَهُمْ" أَيْ الْمُؤْمِنِينَ "كَلِمَة التَّقْوَى" لَا إلَه إلَّا اللَّه مُحَمَّد رَسُول اللَّه وَأُضِيفَتْ إلَى التَّقْوَى لِأَنَّهَا سَبَبهَا "وَكَانُوا أَحَقّ بِهَا" بِالْكَلِمَةِ مِنْ الْكُفَّار "وَأَهْلهَا" عَطْف تَفْسِيرِيّ "وَكَانَ اللَّه بِكُلِّ شَيْء عَلِيمًا" أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَّصِفًا بِذَلِكَ وَمِنْ مَعْلُومه تَعَالَى أَنَّهُمْ أَهْلهَا.

یہاں پر لفظ اذ جعل یہ عذبنا سے متعلق ہے۔ اور جعل کا فاعل الذین کفروا ہے اور جاہلیت یہ حمیت سے بدل ہے۔ جب ان لوگوں نے جنھوں نے کفر کیا، اپنے دلوں میں ضد رکھ لی، جو جاہلیت کی ضد تھی۔ کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو آپ ﷺ کے اصحاب کو مسجد حرام سے روک لیا۔ تو اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اتار دی۔ پس ان سے صلح کر لی گئی کہ وہ آئندہ سال آئیں گے جو حمیت کفار کو لاحق ہوئی وہ انہیں لاحق نہیں ہوئی کہ وہ ان سے جہاد کرتے۔ اور انھیں تقویٰ کی بات پر قائم رکھا، جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، ﷺ ہے یعنی یہ سبب تقویٰ ہے۔ اس لئے اسی جانب اضافت کی گئی ہے۔ اور وہ کفار کی بہ نسبت اس کلمہ کے زیادہ حق دار تھے اور اور اس کے لائق تھے یہ عطف تفسیری ہے۔ اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان اوصاف کے ساتھ متصف رہتا ہے۔ اور ان کا اس تقویٰ کا اہل ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے علوم میں سے ہے۔

کفار کا بہ وقت صلح حمیت جاہلیہ کے اظہار کا بیان

پھر فرماتا ہے جبکہ یہ کافر اپنے دلوں میں غیرت وحمیت جاہلیت کو جما چکے تھے صلح نامہ میں آیت (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) لکھنے سے انکار کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھوانے سے انکار کیا، پس اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے نبی اور مومنوں کے دل کھول دیئے ان پر اپنی سکینت نازل فرما کر انہیں مضبوط کر دیا اور تقوے کے کلمے پر انہیں جما دیا

یعنی آیت (لا الہ الا اللہ) پر جیسے ابن عباس کا فرمان ہے اور جیسے کہ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں موجود ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں جب تک کہ وہ آیت (لا الہ الا اللہ) نہ کہہ لیں جس نے آیت (لا الہ الا اللہ کہہ لیا اس نے مجھ سے اپنے مال کو اور اپنی جان کو بچالیا مگر حق اسلام کی وجہ سے اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ایک قوم کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا آیت (اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ، الصافات:35) یعنی ان سے کہا جاتا تھا کہ سوائے اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں تو یہ تکبر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جل ثناء نے یہاں مسلمانوں کی تعریف بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ یہی اس کے زیادہ حقدار اور یہی اس کے قابل بھی تھے۔ یہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے انہوں نے اس سے تکبر کیا اور مشرکین قریش نے اسی سے حدیبیہ والے دن تکبر کیا پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک مدت معینہ تک کے لئے صلح نامہ مکمل کر لیا، ابن جریر میں بھی یہ حدیث ان ہی زیادتیوں کے ساتھ مروی ہے لیکن بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پچھلے جملے راوی کے اپنے ہیں یعنی حضرت زہری کا قول ہے جو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ گویا حدیث میں ہی ہے مجاہد فرماتے ہیں اس سے مراد وہ اخلاص ہے

عطا فرماتے ہیں وہ کلمہ یہ ہے حدیث (لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له الملك وله الحمد وهو على كل شی قدیر) حضرت فرماتے ہیں اس سے مراد حدیث (لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ) ہے حضرت علی فرماتے ہیں اس سے حدیث (لا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر) مراد ہے یہی قول حضرت ابن عمر کا حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ کی وحدانیت کی شہادت ہے جو تمام تقوے کی جڑ ہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں اس سے مراد حدیث (لا الہ الا اللہ) بھی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے۔

حضرت عطا خراسانی فرماتے ہیں کلمہ تقویٰ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے حضرت زہری فرماتے ہیں آیت (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) مراد ہے حضرت قتادہ فرماتے ہیں مراد حدیث (لا الہ الا اللہ) ہے پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے اسے معلوم ہے کہ مستحق خیر کون ہے؟ اور مستحق شر کون ہے؟

حضرت ابی بن کعب کی قرأت اسی طرح ہے (اذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیۃ حمیۃ الجاھلیۃ ولو حمیتم کما حموا الفسد المسجد الحرام) یعنی کافروں نے جس وقت اپنے دل میں جاہلانہ ضد پیدا کر لی اگر اس وقت تم بھی ان کی طرح ضد پر آ جاتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مسجد حرام میں فساد برپا ہو جاتا جب حضرت عمر کو اس قرأت کی خبر پہنچی تو بہت تیز ہوئے لیکن حضرت ابی نے فرمایا یہ تو آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا جاتا رہتا تھا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کو سکھاتا تھا آپ اس میں سے مجھے بھی سکھاتے تھے اس پر جناب عمر فاروق نے فرمایا آپ ذی علم اور قرآن دان ہیں آپ کو جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے وہ پڑھیئے اور سکھایئے۔ (سنن نسائی، تفسیر ابن کثیر، سورہ فتح، بیروت)

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ
رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝
بیشک اللہ نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کوحقیقت کے عین مطابق سچا خواب دکھایا تھا کہ تم لوگ، اگر اللہ نے چاہا
تو ضرور بالضرور مسجد حرام میں داخل ہوگے امن وامان کے ساتھ، اپنے سر منڈوائے ہوئے اور بال کتروائے ہوئے،
تم خوفزدہ نہیں ہوگے، پس وہ جانتا تھا جو تم نہیں جانتے تھے سو اس نے اس سے بھی پہلے ایک فوری فتح عطا کردی۔

فتح مکہ اور نبی کریم ﷺ کے خواب کا بیان

"لَقَدْ صَدَقَ اللّٰه رَسُوله الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ" رَأَى رَسُول اللّٰه صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّوْم عَام الْحُدَيْبِيَة قَبْل خُرُوجه أَنَّهُ يَدْخُل مَكَّة هُوَ وَأَصْحَابه آمِنِينَ وَيَحْلِقُونَ وَيُقَصِّرُونَ فَأَخْبَرَ بِذَلِكَ أَصْحَابه فَفَرِحُوا فَلَمَّا خَرَجُوا مَعَهُ وَصَدَّهُمْ الْكُفَّار بِالْحُدَيْبِيَةِ وَرَجَعُوا وَشَقَّ عَلَيْهِمْ ذَلِكَ وَرَابَ بَعْض الْمُنَافِقِينَ نَزَلَتْ وَقَوْله (بِالْحَقِّ مُتَعَلِّق بِصَدَقَ أَوْ حَال مِنْ الرُّؤْيَا وَمَا بَعْدهَا "لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِد الْحَرَام إنْ شَاءَ اللّٰه" لِلتَّبَرُّكِ "آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسكُمْ" أَيْ جَمِيع شُعُورهَا "وَمُقَصِّرِينَ" بَعْض شُعُورهَا وَهُمَا حَالَانِ مُقَدَّرَتَان "لَا تَخَافُونَ" أَبَدًا "فَعَلِمَ" فِي الصُّلْح "مَا لَمْ تَعْلَمُوا" مِنْ الصَّلَاح "فَجَعَلَ مِنْ دُون ذَلِكَ" أَيْ الدُّخُول "فَتْحًا قَرِيبًا" هُوَ فَتْح خَيْبَر , وَتَحَقَّقَتْ الرُّؤْيَا فِي الْعَام الْقَابِل،

- بیشک اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حقیقت کے عین مطابق سچا خواب دکھایا تھا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے سال حالت نیند میں مدینہ منورہ سے خروج سے پہلے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب مکہ میں امن کے ساتھ داخل ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے حلق کروائے ہیں اور قصر کروا رہے ہیں۔ جب نبی کریم ﷺ نے اس کی اطلاع صحابہ کرام کو دی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکہ شریف کی طرف خروج کیا اور کفار نے آپ کو حدیبیہ کے مقام پر روک لیا اور واپس بھجوا دیا۔ تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشکل لگا۔ اور بعض منافقین نے شک کیا تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا، یعنی بالحق جو صدق کے متعلق ہے یا رؤیا سے حال ہے۔ اور اس کا مابعد اس کی تفسیر ہے۔ کہ تم لوگ، اگر اللہ نے چاہا تو ضرور بالضرور مسجد حرام میں بہ طور برکت داخل ہوگے امن وامان کے ساتھ، کچھ اپنے سر منڈوائے ہوئے اور کچھ بال کتروائے ہوئے۔ محلق تمام بال منڈوانے والا جبکہ مقصر بعض بال کتروانے والا، اور یہ دونوں لاتخافون سے حال مقدرہ ہیں۔ اس حال میں کہ تم خوفزدہ نہیں ہوگے، پس وہ صلح حدیبیہ کو اس خواب کی تعبیر کے پیش خیمہ کے طور پر جانتا تھا جو تم نہیں جانتے تھے سو اس نے اس فتح مکہ سے بھی پہلے ایک فوری فتح حدیبیہ سے پلٹتے ہی فتح خیبر عطا کردی اور اس سے اگلے سال فتح مکہ اور داخلہ حرم عطا فرما دیا۔ جس

سے خواب کی تعبیر ثابت ہوگئی۔

سورت فتح آیت ۲۷ کے شان نزول کا بیان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کا قصد فرمانے سے قبل مدینہ طیبہ میں خواب دیکھا تھا کہ آپ مع اصحاب کے مکہ معظمہ میں بامن داخل ہوئے اور اصحاب نے سر کے بال منڈائے، بعض نے ترشوائے، یہ خواب آپ نے اپنے اصحاب سے بیان فرمایا تو انہیں خوشی ہوئی اور انہوں نے خیال کیا کہ اسی سال وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے، جب مسلمان حدیبیہ سے بعد صلح کے واپس ہوئے اور اس سال مکہ مکرمہ میں داخلہ نہ ہوا تو منافقین نے تمسخر کیا، طعن کئے اور کہا کہ وہ خواب کیا ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس خواب کے مضمون کی تصدیق فرمائی کہ ضرور ایسا ہوگا چنانچہ اگلے سال ایسا ہی ہوا اور مسلمان اگلے سال بڑے شان وشکوہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ فتح، بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ آپ مکہ میں گئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ آپ نے اس کا ذکر اپنے اصحاب سے مدینہ شریف میں ہی کر دیا تھا حدیبیہ والے سال جب آپ عمرے کے ارادے سے چلے تو اس خواب کی بنا پر صحابہ کو یقین کامل تھا کہ اس سفر میں ہی کامیابی کے ساتھ اس خواب کا ظہور دیکھ لیں گے۔ وہاں جا کر جو رنگت بدلی ہوئی دیکھی یہاں تک کہ صلح نامہ لکھ کر بغیر زیارت بیت اللہ واپس ہونا پڑا تو ان صحابہ پر نہایت شاق گذرا۔ چنانچہ حضرت عمر نے تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا بھی کہ آپ نے تو ہم سے فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف سے مشرف ہوں گے آپ نے فرمایا یہ صحیح ہے لیکن یہ تو میں نے نہیں کہا تھا کہ اسی سال ہوگا؟ حضرت عمر نے فرمایا ہاں یہ تو نہیں فرمایا تھا آپ نے فرمایا پھر جلدی کیا ہے؟ تم بیت اللہ میں جاؤ گے ضرور اور طواف بھی یقیناً کرو گے۔

پھر حضرت صدیق سے یہی کہا اور ٹھیک یہی جواب پایا۔ اس آیت میں جو ان شاء اللہ ہے یہ استثناء کے لئے نہیں بلکہ تحقیق اور تاکید کے لئے ہے اس مبارک خواب کی تاویل کو صحابہ نے دیکھ لیا اور پورے امن واطمینان کے ساتھ مکہ میں گئے اور وہاں جا کر احرام کھولتے ہوئے بعض نے اپنا سر منڈوایا اور بعض نے بال کتروائے۔ صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم کرے لوگوں نے کہا حضرت اور کتروانے والوں پر بھی۔ آپ نے دوبارہ بھی یہی فرمایا پھر لوگوں نے وہی کہا آخر تیسری یا چوتھی دفعہ میں آپ نے کتروانے والوں کے لئے بھی رحم کی دعا کی۔ پھر فرمایا بیخوف ہو کر یعنی مکہ جاتے وقت بھی امن وامان سے ہو گے اور مکہ کا قیام بھی بیخوفی کا ہوگا چنانچہ عمرۃ القضاء میں یہی ہوا یہ عمرہ ذی قعدہ سنہ ۷ ہجری میں ہوا تھا۔ حدیبیہ سے آپ ذی قعدہ کے مہینے میں لوٹے ذی الحجہ اور محرم تو مدینہ شریف میں قیام رہا صفر میں خیبر کی طرف گئے اس کا کچھ حصہ تو از روئے جنگ فتح ہوا اور کچھ حصہ از روئے صلح مسخر ہوا یہ بہت بڑا علاقہ تھا اس میں کھجوروں کے باغات اور کھیتیاں بکثرت تھیں، یہیں کے یہودیوں کو آپ نے بطور خادم یہاں رکھ کر ان سے یہ معاملہ طے کیا کہ وہ باغوں اور کھیتیوں کی حفاظت اور خدمت کریں

اور پیداوار کا نصف حصہ دے دیا کریں۔

خیبر کی تقسیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان ہی صحابہ میں کی جو حدیبیہ میں موجود تھے ان کے سوا کسی اور کو اس جنگ میں آپ نے حصہ دار نہیں بنایا، سوائے ان لوگوں کے جو حبشہ کی ہجرت سے واپس آئے تھے جو حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے وہ سب اس فتح خیبر میں بھی ساتھ تھے۔ حضرت ابو دجانہ، سماک بن خرشہ کے سوا جیسے کہ اس کا پورا بیان اپنی جگہ ہے یہاں سے آپ سالم وغنیمت لئے ہوئے واپس تشریف لائے اور ماہ ذوالقعدہ سنہ ۷ ہجری میں مکہ کی طرف باارادہ عمرہ اہل حدیبیہ کو ساتھ لے کر آپ روانہ ہوئے، ذوالحلیفہ سے احرام باندھا قربانی کے لئے ساٹھ اونٹ ساتھ لئے اور لبیک پکارتے ہوئے ظہران میں پہنچے جہاں سے کعبہ کے بت دکھائی دیتے تھے تو آپ نے تمام نیزے بھالے تیر کمان بطن یاجج میں بھیج دیئے، مطابق شرط کے صرف تلواریں پاس رکھ لیں اور وہ بھی میان میں تھیں ابھی آپ راستے میں ہی تھے جو قریش کا بھیجا ہوا آدمی مکرز بن حفص آیا اور کہنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی عادت تو توڑنے کی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آپ تیر اور نیزے لے کر آ رہے ہیں آپ نے فرمایا نہیں تو ہم نے وہ سب یاجج بھیج دیے ہیں اس نے کہا یہی ہمیں آپ کی ذات سے امید تھی آپ ہمیشہ سے بھلائی اور نیکی اور وفاداری ہی کرنے والے ہیں سرداران کفار تو بوجہ غیظ وغضب اور رنج وغم کے شہر سے باہر چلے گئے کیونکہ وہ تو آپ کو اور آپ کے اصحاب کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے تھے اور لوگ جو مکہ میں رہ گئے تھے وہ مرد عورت بچے تمام راستوں پر اور کوٹھوں پر اور چھتوں پر کھڑے ہو گئے اور ایک استعجاب کی نظر سے اس مخلص گروہ کو اس پاک لشکر کو اس اللہ کی فوج کو دیکھ رہے تھے آپ نے قربانی کے جانور ذی طوی میں بھیج دیئے تھے خود آپ اپنی مشہور و معروف سواری اونٹنی قصوا پر سوار تھے آگے آگے آپ کے اصحاب تھے جو برابر لبیک پکار رہے تھے حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے

باسم الذی لا دین الا دینه بسم الذی محمد رسوله

خلوا بنی الكفار عن سبيله اليوم نضربكم علی تاويله

كما ضربنا كم علی تنزيله ضربا يزيل الهام عن مقيله

ويذهل الخليل عن خليله قد انزل الرحمن فی تنزيله

فی صحف تتلی علی رسوله بان خير القتل فی سبيله

يارب انی مومن بقيله

یعنی اس اللہ عزوجل کے نام جس کے دین کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں۔ اس اللہ کے نام سے جس کے رسول حضرت محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) اے کافروں کے بچو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے ہٹ جاؤ آج ہم تمہیں آپ کے لوٹنے پر بھی ویسا ہی ماریں گے جیسا آپ کے آنے پر مارا تھا وہ مار جو دماغ کو اس کے ٹھکانے سے ہٹا دے اور دوست کو دوست سے بھلا دے۔

اللہ تعالیٰ رحم والے نے اپنی وحی میں نازل فرمایا ہے جو ان صحیفوں میں محفوظ ہے جو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلاوت کئے جاتے ہیں کہ سب سے بہتر موت شہادت کی موت ہے جو اس کی راہ میں ہو۔ اے میرے پروردگار میں اس بات پر ایمان لا چکا ہوں۔ بعض روایتوں میں الفاظ میں کچھ ہیر پھیر بھی ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ اس عمرے کے سفر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم (مرالظہران) میں پہنچے تو صحابہ نے سنا کہ اہل مکہ کہتے ہیں یہ لوگ بوجہ لاغری اور کمزوری کے اٹھ بیٹھ نہیں سکتے یہ سن کر صحابہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنی سواریوں کے چند جانور ذبح کر لیں ان کا گوشت کھائیں اور شوربا پئیں اور تازہ دم ہو کر مکہ میں جائیں آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو تمہارے پاس جو کھانا ہو اسے جمع کرو چنانچہ جمع کیا دستر خوان بچھایا اور کھانے بیٹھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب نے کھا پی لیا اور توشے دان بھر لئے۔ آپ مکہ شریف آئے سیدھے بیت اللہ گئے قریشی حطیم کی طرف بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چادر کے پلے دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لئے اور اصحاب سے فرمایا یہ لوگ تم میں سستی اور لاغری محسوس نہ کریں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فتح، بیروت)

هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝
وہی ہے جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہدایت اور دین حق عطا فرما کر بھیجا تاکہ
اسے تمام ادیان پر غالب کر دے، اور اللہ ہی گواہ کافی ہے۔

دین اسلام کے دین حق ہونے کا بیان

"هُوَ الَّذِی أَرْسَلَ رَسُوله بِالْهُدَى وَدِين الْحَقّ لِيُظْهِرهُ" أَيْ دِين الْحَقّ "عَلَى الدِّين كُلّه" عَلَى جَمِيع بَاقِي الْأَدْيَان "وَكَفَى بِاَللَّهِ شَهِيدًا" أَنَّك مُرْسَل بِمَا ذُكِرَ كَمَا قَالَ اللَّه تَعَالَى،

وہی ہے جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت اور دین حق عطا فرما کر بھیجا تاکہ اسے تمام بقیہ ادیان پر غالب کر دے، اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت وحقانیت پر اللہ ہی گواہ کافی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

گذشتہ آیات میں جو فتوحات اور غنائم کے وعدے اور اہل حدیبیہ کے خصوصاً اور تمام صحابہ کے عموماً فضائل اور بشارتیں مذکور ہوئے ہیں اب خاتمہ سورت میں ان مضامین کی تلخیص و تاکید ہے اور چونکہ یہ سب نعمتیں اور بشارتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور تصدیق کی بنا پر ہوئیں اس لئے اس تصدیق و اطاعت کی مزید تاکید کے لئے نیز منکرین رسالت محمدیہ پر رد کرنے کے لئے اور صلح حدیبیہ کے وقت جو بعض مسلمانوں کے دلوں میں کچھ شکوک پیدا ہو گئے تھے ان کے ازالہ کے لئے ان آیات میں آپ کی رسالت کا اثبات بلکہ تمام دنیا کے دینوں پر آپ کے دین کو غالب کرنے کی بشارت دی گئی ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۚ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جولوگ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی معیت اور سنگت میں ہیں کافروں پر بہت سخت اور زورآور ہیں آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں۔ آپ انہیں کثرت سے رکوع کرتے ہوئے، سجود کرتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں۔ ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجدوں کا اثر ہے۔ ان کے یہ اوصاف تورات میں ہیں اور ان کے اوصاف انجیل میں ہیں۔ وہ کھیتی کی طرح ہیں جس نے اپنی باریک سی کونپل نکالی، پھر اسے طاقتور اور مضبوط کیا، پھر وہ موٹی اور دبیز ہوگئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کاشتکاروں کو کیا ہی اچھی لگنے لگی تاکہ ان کے ذریعے وہ کافروں کے دل جلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں

"مُحَمَّد" مُبْتَدَأ "رَسُول اللّٰه" خَبَره "وَالَّذِين مَعَهُ" أَيْ أَصْحَابه مِنْ الْمُؤْمِنِينَ مُبْتَدَأ خَبَره "أَشِدَّاء" غِلَاظ "عَلَى الْكُفَّار" لَا يَرْحَمُونَهُمْ "رُحَمَاء بَيْنهمْ" خَبَر ثَانٍ أَيْ مُتَعَاطِفُونَ مُتَوَادُّونَ كَالْوَالِدِ مَعَ الْوَلَد "تَرَاهُمْ" تُبْصِرهُمْ "رُكَّعًا سُجَّدًا" حَالَانِ "يَبْتَغُونَ" مُسْتَأْنَف يَطْلُبُونَ "فَضْلًا مِنْ اللّٰه وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ" عَلَامَتهمْ مُبْتَدَأ "فِي وُجُوههمْ" خَبَره وَهُوَ نُور وَبَيَاض يُعْرَفُونَ بِهِ فِي الْآخِرَة أَنَّهُمْ سَجَدُوا فِي الدُّنْيَا "مِنْ أَثَر السُّجُود" مُتَعَلِّق بِمَا تَعَلَّقَ بِهِ الْخَبَر أَيْ كَائِنَة وَأُعْرِبَ حَالًا مِنْ ضَمِيره الْمُنْتَقِل إلَى الْخَبَر "ذَلِكَ" الْوَصْف الْمَذْكُور "مَثَلهمْ" صِفَتهمْ مُبْتَدَأ "فِي التَّوْرَاة" خَبَره "وَمَثَلهمْ فِي الْإِنْجِيل" مُبْتَدَأ خَبَره "كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ" بِسُكُونِ الطَّاء وَفَتْحهَا : فِرَاخه "فَآزَرَهُ" بِالْمَدِّ وَالْقَصْر قَوَّاهُ وَأَعَانَهُ "فَاسْتَغْلَظَ" غَلُظَ "فَاسْتَوَى" قَوِيَ وَاسْتَقَامَ "عَلَى سُوقه" أُصُوله جَمْع سَاق "يُعْجِب الزُّرَّاع" أَيْ زُرَّاعه لِحُسْنِهِ مِثْل الصَّحَابَة رَضِيَ اللّٰه عَنْهُمْ بِذَلِكَ لِأَنَّهُمْ بَدَءُوا فِي قِلَّة وَضَعْف فَكَثُرُوا وَقَوُوا عَلَى أَحْسَن الْوُجُوه "لِيَغِيظ بِهِمْ الْكُفَّار" مُتَعَلِّق بِمَحْذُوفٍ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْله أَيْ شُبِّهُوا بِذَلِكَ "وَعَدَ اللّٰه الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات مِنْهُمْ" الصَّحَابَة وَمِنْ لِبَيَانِ الْجِنْس لَا لِلتَّبْعِيضِ

لِاَنَّهُمْ كُلَّهُمْ بِالصِّفَةِ الْمَذْكُوْرَة "مَغْفِرَة وَّأَجْرًا عَظِيمًا" الْجَنَّة وَهُمَا لِمَنْ بَعْدَهُمْ أَيْضًا فِي آيَات

یہاں پر لفظ محمد (ﷺ) مبتداء ہے اور رسول اللہ اس کی خبر ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اہل ایمان صحابہ ہیں یہاں پر والذین معہ مبتداء ہے اور اشداء اس کی خبر ہے۔ وہ کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں یہاں پر رحماء بینھم یہ خبر ثانی ہے۔ یعنی آپس میں اس طرح ایک دوسرے پر رحم دل ہیں جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے کیلئے رحم دل ہوتا ہے آپ انہیں کثرت سے رکوع کرتے ہوئے، سجود کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، یہاں پر رکعا اور سجدا یہ دونوں حال ہیں۔ وہ صرف اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں۔ یہ جملہ مستأنفہ ہے۔ ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجدوں کا اثر ہے جو بصورتِ نور نمایاں ہے۔ یہاں پر سیماہم مبتداء ہے اور فی وجوہم اس کی خبر ہے۔ اور وہ ایک نور ہے جس کے ذریعے وہ قیامت کے دن پہچانے جائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے دنیا میں اللہ کو سجدہ کیا ہے من اثر السجود اسی سے متعلق ہے جس سے متعلق خبر ہے اور کائنۃ ہے۔ اور من اثر السجود خبر سے متعلق کائنۃ سے حال ہے۔ جو خبر کی جانب لوٹنے والی ہے۔ ان کے یہ اوصاف تورات میں بھی مذکور ہیں یہاں پر ذلک مثلھم یہ مبتداء اور خبر ہیں۔ اور ان کے یہی اوصاف انجیل میں بھی مرقوم ہیں۔ وہ (صحابہ ہمارے محبوبِ مکرم ﷺ کی) کھیتی کی طرح ہیں جس نے سب سے پہلے اپنی باریک سی کونپل نکالی، یہاں پر مثلھم مبتداء اور کزرع الخ اس کی خبر ہے۔ اور لفظ شطاء یہ طاء کے فتحہ اور سکون کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی اس نے اپنی کونپل نکالی۔ پھر اسے طاقتور اور مضبوط کیا، لفظ فآزرہ یہ مد اور بغیر مد کے بھی آیا ہے۔ پھر وہ موٹی اور دبیز ہوگئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ یعنی اپنی جڑ پر یہاں پر سوق یہ ساق کی جمع ہے۔ (اور جب سرسبز و شاداب ہو کر لہلہائی تو) کاشتکاروں کو کیا ہی اچھی لگنے لگی۔ یہاں کھیتی سے تشبیہ اس لئے دی گئی ہے کہ ابتداء میں وہ تھوڑے اور کمزور تھے جبکہ بعض انہیں کثرت و طاقت ملی۔ (اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسی طرح ایمان کے تناور درخت بنایا ہے) تاکہ ان کے ذریعے وہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جلنے والے) کافروں کے دل جلائے، یہاں پر لیغیظ کا متعلق محذوف ہے جس پر اس کا ماقبل دلالت کرنے والا ہے۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کھیتی سے تشبیہ دی ہے۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے۔ یہاں پر لفظ من یہ جنس کیلئے آیا ہے بعض کیلئے نہیں آیا لہٰذا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صفت مذکورہ کے ساتھ متصف رہنے والے ہیں۔ مغفرت اور اجرِ عظیم یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ جس طرح بعد کی آیات میں آیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کا بیان

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ چہروں پر سجدوں کے اثر سے علامت ہونے سے مراد اچھے اخلاق ہیں مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں خشوع اور تواضع ہے، حضرت منصور حضرت مجاہد سے کہتے ہیں میرا تو یہ خیال تھا کہ اس سے مراد نماز کا نشان ہے جو ماتھے پر پڑ جاتا ہے آپ نے فرمایا یہ تو ان کی پیشانیوں پر بھی ہوتا ہے جن کے دل فرعون سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں حضرت سدی فرماتے ہیں

نمازان کے چہرے اچھے کر دیتی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے جورات کو بکثرت نماز پڑھے گا اس کا چہرہ دن کو خوبصورت ہوگا۔
حضرت جابر کی روایت سے ابن ماجہ کی ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مضمون ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے بعض بزرگوں کا قول ہے کہ نیکی کی وجہ سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے چہرے پر روشنی آتی ہے روزی میں کشادگی ہوتی ہے لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے اندرونی پوشیدہ حالات کی اصلاح کرے اور بھلائیاں پوشیدگی سے کرے اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کی سلوٹوں پر اور اسکی زبان کے کناروں پر ان نیکیوں کو ظاہر کر دیتا ہے الغرض دل کا آئینہ چہرہ ہے جو اس میں ہوتا ہے اس کا اثر چہرہ پر ہوتا ہے پس مومن جب اپنے دل کو درست کر لیتا ہے اپنا باطن سنوار لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی لوگوں کی نگاہوں میں سنوار دیتا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں جو شخص اپنے باطن کی اصلاح کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی آراستہ و پیراستہ کر دیتا ہے، طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص جیسی بات کو پوشیدہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی کی چادر اڑھا دیتا ہے اگر وہ پوشیدگی بھلی ہے تو بھلائی کی اور اگر بری ہے تو برائی کی۔ لیکن اس کا ایک راوی عراقی متروک ہے۔ مسند احمد میں آپ کا فرمان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی ٹھوس چٹان میں گھس کر جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ اس میں کوئی سوراخ ہو کوئی عمل کرے گا اللہ اسے بھی لوگوں کے سامنے رکھ دے گا برائی ہو تو یا بھلائی ہو تو۔ مسند کی اور حدیث میں ہے نیک طریقہ، اچھا خلق، میانہ روی نبوۃ کے پچیسویں حصہ میں سے ایک حصہ ہے۔ الغرض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نیتیں خالص تھیں اعمال اچھے تھے پس جس کی نگاہ ان کے پاک چہروں پر پڑتی تھی اسے ان کی پاکبازی جچ جاتی تھی اور وہ ان کے چال چلن اور ان کے اخلاق اور ان کے طریقہ کار پر خوش ہوتا تھا۔

حضرت امام مالک کا فرمان ہے کہ جن صحابہ نے شام کا ملک فتح کیا جب وہاں کے نصرانی ان کے چہرے دیکھتے تو بیساختہ پکار اٹھتے اللہ کی قسم یہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں سے بہت ہی بہتر و افضل ہیں۔ فی الواقع ان کا یہ قول سچا ہے اگلی کتابوں میں اس امت کی فضیلت و عظمت موجود ہے اور اس امت کی صف اول ان کے بہتر بزرگ اصحاب رسول ہیں اور خود ان کا ذکر بھی اگلی اللہ کی کتابوں میں اور پہلے کے واقعات میں موجود ہے۔ پس فرمایا یہی مثال ان کی توراۃ میں ہے۔

پھر فرماتا ہے اور ان کی مثال انجیل کی مانند کھیتی کے بیان کی گئی ہے جو اپنا سبزہ نکالتی ہے پھر اسے مضبوط اور قوی کرتی ہے پھر وہ طاقتور اور موٹا ہو جاتا ہے اور اپنی بال پر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے اب کھیتی والے کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے؟ اسی طرح اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ انہوں نے آپ کی تائید و نصرت کی پس وہ آپ کے ساتھ وہی تعلق رکھتے ہیں جو پٹھے اور سبزے کو کھیتی سے تھا یہ اس لئے کہ کفار جھنپیں۔

حضرت امام مالک نے اس آیت سے رافضیوں کے کفر پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ صحابہ سے چڑتے اور ان سے بغض رکھنے والا کافر ہے۔ علماء کی ایک جماعت بھی اس مسئلہ میں امام صاحب کے ساتھ ہے صحابہ کرام کے فضائل میں اور ان کی لغزشوں سے چشم

پوشی کرنے میں بہت سی احادیث آئی ہیں خود اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریفیں بیان کیں اور ان سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے کیا ان کی بزرگی میں یہ کافی نہیں؟ پھر فرماتا ہے ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کے گناہ معاف اور انکا اجر عظیم اور رزق کریم ثواب جزیل اور بدلہ کبیر ثابت یاد رہے کہ (منھم) میں جو (من) ہے وہ یہاں بیان جنس کے لئے ہے اللہ کا یہ سچا اور اٹل وعدہ ہے جو نہ بدلے نہ خلاف ہو ان کے قدم بقدم چلنے والوں ان کی روش پر کاربند ہونے والوں سے بھی اللہ کا یہ وعدہ ثابت ہے لیکن فضیلت اور سبقت کمال اور بزرگی جو انہیں ہے امت میں سے کسی کو حاصل نہیں اللہ ان سے خوش اللہ ان سے راضی یہ جنتی ہو چکے اور بدلے پالئے۔

صحیح مسلم شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے صحابہ کو برا نہ کہو ان کی بے ادبی اور گستاخی نہ کرو اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے تین پاؤ اناج بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کے اجر کو بھی نہیں پا سکتا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ فتح، بیروت)

سورہ فتح کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ فتح کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت حجرات ہے

سورت حجرات کی آیات وکلمات کا بیان

سُورَةُ الْحُجُرَات (مَدَنِيَّة وَ آيَاتهَا ثَمَانِي عَشْرَة آيَة)

سورہ حجرات مدنیہ ہے، اس میں دو رکوع، اٹھارہ آیات، تین سو تینتالیس کلمات اور ایک ہزار چار سو چھہتر حروف ہیں۔

سورت حجرات کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت کی آیت چار میں لفظ حجرات استعمال ہوا ہے جس کا معنی حجرہ یا مکان یا گھر ہے۔ اور اس میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے آداب سکھائے گئے ہیں۔ اسی مناسبت کے سبب اس سورت کا نام حجرات ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝
اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے آگے نہ بڑھا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو
(کہ کہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے ادبی نہ ہو جائے)، بیشک اللہ سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

نبی کریم ﷺ سے تقدم کی ممانعت کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا " مِنْ قَدَّمَ بِمَعْنَى تَقَدَّمَ أَيْ لَا تُقَدِّمُوا بِقَوْلٍ وَلَا فِعْل "بَيْن يَدَيِ اللَّه وَرَسُوله " الْمُبَلِّغ عَنْهُ أَيْ بِغَيْرِ إذْنهمَا "وَاتَّقُوا اللَّه إنَّ اللَّه سَمِيع " لِقَوْلِكُمْ "عَلِيم" بِفِعْلِكُمْ نَزَلَتْ فِي مُجَادَلَة أَبِي بَكْر وَعُمَر رَضِيَ اللَّه عَنْهُمَا عِنْد النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي تَأْمِير الْأَقْرَع بْن حَابِس أَوْ الْقَعْقَاع بْن مَعْبَد وَنَزَلَ فِيمَنْ رَفَعَ صَوْته عِنْد النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اے ایمان والو! آگے نہ بڑھو یہ لفظ "قدم" سے ماخوذ ہے اور تقدم کے معنی میں ہے یعنی تم عملی طور پر اور زبانی طور پر آگے بڑھنے کی (کوشش نہ کرو) اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کرنے والے ہیں یعنی ان دونوں کی اجازت کے بغیر (ایسا نہ کرو) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے تمہاری باتوں کو اور جاننے والا

ہے تمہارے کام کو۔ یہ آیت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی بحث کے بارے میں نازل ہوئی جو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اقرع بن حابس یا قعقاع بن معبد کو امیر مقرر کرنے کے بارے میں کی تھی۔

سورت حجرات آیت ا کے شان نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ بنو تمیم کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی تو ابوبکر نے کہا قعقاع بن معبد کو ان پر امیر مقرر کر دیجیے اور عمر نے کہا بلکہ اقرع بن حابس کو امیر بنا دیجیے ابوبکر نے کہا تم نے محض میری مخالفت کا ارادہ کیا ہے اور عمر نے کہا میں نے تمہاری مخالفت کا ارادہ نہیں کیا اس بات پر دونوں کا جھگڑا ہوا یہاں تک کہ دونوں کی آوازیں بلند ہوئیں تو اس بارے میں اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ الی قوله وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ ،مومنو! (کسی کے جواب میں) خدا اور اس کے رسول ﷺ سے پہلے نہ بول اٹھا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو بے شک خدا سنتا جانتا ہے۔ اے اہل ایمان اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو زور سے نہ بولا نہ کرو۔ جو لوگ تم کو حجروں کے باہر سے آوازیں دیتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں اور اگر وہ صبر کیے رہتے یہاں تک کہ تم خود نکل کر ان کے پاس آتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔

(نیسابوری 317، بخاری 4566، زاد المسیر 7۔454، تفسیر قرطبی 16۔300، ابن کثیر 4۔205)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ
كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ٥
اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور ان کے ساتھ
اس طرح بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو (ایسا نہ ہو)
کہ تمہارے سارے اعمال ہی غارت ہو جائیں اور تمہیں شعور تک بھی نہ ہو۔

بارگاہ رسالت ﷺ میں آواز بلند کرنے کی ممانعت کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتكُمْ " إذَا نَطَقْتُمْ "فَوْق صَوْت النَّبِيّ " إذَا نَطَقَ "وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ " إذَا نَاجَيْتُمُوهُ "كَجَهْرِ بَعْضكُمْ لِبَعْضٍ " بَلْ دُون ذَلِكَ إجْلَالًا لَهُ "أَنْ تَحْبَط أَعْمَالكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ" أَيْ خَشْيَة ذَلِكَ بِالرَّفْعِ وَالْجَهْر الْمَذْكُورَيْنِ،

یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنی آواز کو بلند کیا تھا۔

اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو جب تم بات کرو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے جب وہ بات کر رہے ہوں اور تم انہیں اس طرح سے نہ بلاؤ جب تم انہیں پکارتے ہو جس طرح ایک دوسرے کو بلاتے ہو بلکہ ان کی تعظیم کرتے ہوئے

دوسرے طریقے سے مخاطب کرو (یا ہلکی آواز میں مخاطب کرو) ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے یعنی اس آواز کو بلند کرنے اور بلانے کے طریقے کے حوالے سے ڈرتے ہوئے جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔

سورت حجرات آیت ۲ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت ثابت بن قیس بن شماس کے حق میں نازل ہوئی انہیں ثقلِ سماعت تھا اور آواز ان کی اونچی تھی، بات کرنے میں آواز بلند ہو جایا کرتی تھی، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور کہنے لگے کہ میں اہل نار سے ہوں، حضور نے حضرت سعد سے ان کا حال دریافت فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ وہ میرے پڑوسی ہیں اور میرے علم میں انہیں کوئی بیماری تو نہیں ہوئی، پھر آ کر حضرت ثابت سے اس کا ذکر کیا، ثابت نے کہا، یہ آیت نازل ہوئی اور تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں تو میں جہنمی ہو گیا، حضرت سعد نے یہ حال خدمتِ اقدس میں عرض کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ اہل جنت سے ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ حجرات، بیروت)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اقرع بن حابس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! انہیں ان کی قوم پر عامل مقرر کر دیجئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا انہیں عامل نہ بنائیے۔

چنانچہ دونوں میں تکرار ہو گئی یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگے کہ تمہارا مقصد صرف مجھ سے اختلاف کرنا ہے۔ انہوں نے فرمایا میرا مقصد آپ کی مخالفت نہیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ، اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ بلند آواز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار کیا کرو جیسا کہ تم ایک دوسرے سے کیا کرتے ہو)۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات کرتے تو ان کی آواز اس وقت تک سنائی نہ دیتی جب تک سمجھا کر بات نہ کرتے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1214)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ
لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝
بیشک جو لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں (ادب و نیاز کے باعث) اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہی وہ
لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چن کر خالص کر لیا ہے۔ ان ہی کے لئے بخشش ہے اور اجرِ عظیم ہے۔

بارگاہ رسالت ﷺ کا ادب کرنے والوں کیلئے عظیم ثواب ہونے کا بیان

وَنَزَلَ فِيمَنْ كَانَ يَخْفِض صَوْته عِنْد النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَبِي بَكْر وَعُمَر وَغَيْرهمَا

رَضِیَ اللّٰہ عَنْھُمْ

"إِنَّ الَّذِینَ یَغُضُّونَ أَصْوَاتھمْ عِنْد رَسُول اللّٰہ أُولٰئِکَ الَّذِینَ امْتَحَنَ " اخْتَبَرَ "اللّٰہ قُلُوبھمْ لِلتَّقْوٰی" أَیْ لِتَظْھَر مِنھُمْ "لَھُمْ مَغْفِرَۃ وَأَجْر عَظِیم" الْجَنَّۃ،

یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنی آواز پست کرتے تھے جیسے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور دیگر حضرات۔ بے شک وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں کہ امتحان لیا ہے یعنی خبر معلوم کی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی تقویٰ کے لئے، یعنی تقویٰ کو ان سے ظاہر کر دے۔ ان لوگوں کے لئے عظیم اجر ہے اور بخشش ہے۔

صحابہ کرام کا نبی کریم ﷺ کی تعظیم کیلئے آوازں کو پست کر لینے کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی (لاترفعوا اصواتکم) تو ابوبکر نے قسم اٹھائی کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ایسے گفتگو کیا کروں گا کہ جیسے کوئی خفیہ بات کرنے والا کرتا ہے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ، جو لوگ پیغمبر خدا کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں خدا نے ان کے دل تقویٰ کے لیے آزمالیے ہیں ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔ (نیسابوری 317، قرطبی 16۔308، زادالمیسر 7۔457)

طارق حضرت ابوبکر سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی پر یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے قسم اٹھالی کہ میں رسول اللہ ﷺ سے رازدان (اور بھیدی) کی طرح ہی بات کروں گا۔ (مستدرک 3۔47۔ مجمع الزوائد 7۔108)

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ○
بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر (آپ کے بلند مقام و مرتبہ اور آدابِ تعظیم کی) سمجھ نہیں رکھتے۔

نبی کریم ﷺ کی دعوت پر آنے کے آداب کا بیان

وَنَزَلَ فِی قَوْم جَاءُوا وَقْت الظَّھِیرَۃ وَالنَّبِیّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی مَنْزِله فَنَادَوْہُ "إِنَّ الَّذِینَ یُنَادُونَك مِنْ وَرَاء الْحُجُرَات " حُجُرَات نِسَائِہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَمْع حُجْرَۃ وَھِیَ مَا یُحْجَر عَلَیْہِ مِنْ الْأَرْض بِحَائِطٍ وَنَحْوہ وَکَانَ کُلّ وَاحِد مِنْھُمْ نَادَی خَلْف حُجْرَۃ لِأَنَّھُمْ لَمْ یَعْلَمُوہُ فِی أَیّ حُجْرَۃ مُنَادَاۃ الْأَعْرَاب بِغِلْظَۃٍ وَجَفَاء "أَکْثَرھمْ لَا یَعْقِلُونَ" فِیمَا فَعَلُوہُ مَحَلّك الرَّفِیع وَمَا یُنَاسِبهُ مِنْ التَّعْظِیم

یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو دوپہر کے وقت آئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنے گھر میں موجود تھے۔ انہوں نے بلند آواز میں پکارا (ارشاد باری تعالیٰ ہے) بے شک وہ لوگ جو تمہیں حجرے کے باہر سے بلاتے ہیں اس

سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حجرات ہیں۔لفظ حجرہ کی جمع ہے اور اس سے مراد زمین کا وہ حصہ ہے جسے چار دیواری کے ذریعے محفوظ کر دیا جائے۔ان لوگوں میں سے ہر ایک نے آپ کو ہر ایک حجرے کے باہر سے بلایا کیونکہ انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ اس وقت کون سے حجرے میں ہیں اور انہوں نے دیہاتیوں کے مخصوص انداز میں بدتمیزی کے ساتھ بلایا تھا۔(ارشاد باری تعالیٰ ہے) ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے اس چیز کے بارے میں جو وہ کر رہے ہوتے ہیں اور آپ کی بلند شان کے بارے میں نہیں جانتے۔پھر جو مناسب تعظیم ہے اس کے بارے میں بھی نہیں جانتے۔

سورت حجرات آیت ۴ کے شان نزول کا بیان

ابو مسلم بجلی کہتے ہیں کہ میں نے زید بن ارقم کو یہ بیان کرتے سنا کہ نبی کریم ﷺ اپنے حجرہ میں تھے کہ آپ کے پاس کچھ لوگ آئے اور آپ کو بلند آواز سے یا محمد یا محمد کہہ کر پکارنا شروع کر دیا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ) محمد بن اسحاق اور کچھ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ یہ آیت بنو تمیم کے بد اخلاق اور اجڈ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ان کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور مسجد میں داخل ہو گیا اور آپ کو آپ کے حجرے کے باہر سے بلند آواز سے پکارنا شروع کر دیا اے محمد ﷺ باہر نکلو ہماری مدح زینت ہے اور ہماری مذمت عیب ہے نبی کریم ﷺ کو ان کے شور و غل سے بہت اذیت پہنچی آپ باہر تشریف لائے تو انہوں نے کہا اے محمد ﷺ ہم تمہارے پاس تمہارے مقابلے میں تفاخر کے لیے آئے ہیں ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ان میں اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن، زبرقان بن بدر اور قیس بن عاصم بھی تھے۔(نیسابوری 319، سیوطی 268، قرطبی 16۔309)

نبی کریم ﷺ کی خدمت حاضر ہونے کے آداب کا بیان

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت بیان کرتا ہے جو آپ کے مکانوں کے پیچھے سے آپ کو آوازیں دیتے اور پکارتے ہیں جس طرح اعراب میں دستور تھا تو فرمایا کہ ان میں سے اکثر بیعقل ہیں پھر اس کی بابت ادب سکھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ چاہیے تھا کہ آپ کے انتظار میں ٹھہر جاتے اور جب آپ مکان سے باہر نکلتے تو آپ سے جو کہنا ہوتا کہتے۔نہ کہ آوازیں دے کر باہر سے پکارتے۔دنیا اور دین کی مصلحت اور بہتری اسی میں تھی پھر حکم دیتا ہے کہ ایسے لوگوں کو توبہ استغفار کرنا چاہیے کیونکہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔یہ آیت حضرت اقرع بن حابس تمیمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کا نام لے کر پکارا یا محمد! یا محمد! آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے کہا سنئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا تعریف کرنا بڑائی کا سبب ہے اور میرا مذمت کرنا ذلت کا سبب ہے آپ نے فرمایا ایسی ذات محض اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔بشر بن غالب نے حجاج کے سامنے بشر بن عطارد وغیرہ سے کہا کہ تیری قوم بنو تمیم کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔

جب حضرت سعید بن جبیر سے اس کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا اگر وہ عالم ہوتے تو اس کے بعد کی آیت (یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ، الحجرات:17) پڑھ دیتے وہ کہتے کہ ہم اسلام لائے اور بنو اسد نے آپ کو تسلیم کرنے میں کچھ دیر نہیں کی۔

حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ کچھ عرب جمع ہوئے اور کہنے لگے ہمیں اس شخص کے پاس لے چلو اگر وہ سچا نبی ہے تو سب سے زیادہ اس سے سعادت حاصل کرنے کے مستحق ہم ہیں اور اگر وہ بادشاہ ہے تو ہم اس کے پروں تلے پل جائیں گے میں نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا پھر وہ لوگ آئے اور حجرے کے پیچھے سے آپ کا نام لے کر آپ کو پکارنے لگے اس پر یہ آیت اتری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کان پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیری بات سچی کر دی اللہ تعالیٰ نے تیری بات سچی کر دی،

(تفسیر جامع البیان، سورہ حجرات، بیروت)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے اس قول (اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ، بے شک جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں اکثر ان میں سے عقل نہیں رکھتے)۔ کا سبب نزول بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ میری تعریف عزت اور میری ذلت ذلت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شان تو اللہ رب العزت کی ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1215)

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ٥
اور اگر وہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود ہی ان کی طرف باہر تشریف لے آتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا،
اور اللہ بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

صبر اپنانے کا بیان

"وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا " أَنَّهُمْ فِي مَحَلّ رَفْع بِالِابْتِدَاءِ وَقِيلَ فَاعِل لِفِعْلٍ مُقَدَّر أَيْ ثَبَتَ "حَتَّى تَخْرُج إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَاَللَّه غَفُور رَحِيم" لِمَنْ تَابَ مِنْهُمْ ، وَنَزَلَ فِي الْوَلِيد بْن عُقْبَة وَقَدْ بَعَثَهُ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إلَى بَنِي الْمُصْطَلِق مُصَدِّقًا فَخَافَهُمْ لِتِرَةٍ كَانَتْ بَيْنه وَبَيْنهمْ فِي الْجَاهِلِيَّة فَرَجَعَ وَقَالَ إنَّهُمْ مَنَعُوا الصَّدَقَة وَهَمُّوا بِقَتْلِهِ فَهَمَّ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِغَزْوِهِمْ فَجَاءُوا مُنْكِرِينَ مَا قَالَهُ عَنْهُمْ

اور اگر وہ صبر سے کام لیں۔ یہ محل رفع میں ہے مبتدا ہونے کی وجہ سے اور ایک قول کے مطابق یہ محذوف فعل ثَبَتَ کا فاعل ہے یعنی یہ بات ثابت ہے یہاں تک کہ آپ نکل کر ان کے پاس جائیں تو یہ ان کے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا ہے رحم کرنے والا ہے اس شخص کے لئے جو ان میں سے توبہ کر لے۔

یہ ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق کی طرف بھیجا تھا تا کہ ان سے صدقات وصول کرے۔ اسے ان لوگوں کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ ہوا کیونکہ اس کے اور ان قبیلوں والوں کے درمیان زمانہ جاہلیت سے اختلاف چلا آ رہا تھا وہ واپس آیا اور بولا: انہوں نے صدقہ دینے سے انکار کردیا ہے۔ صحابہ کرام نے ان کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ جنگ کرنے کا فیصلہ کیا تو وہ لوگ آئے اور انہوں نے اس بات کا انکار کیا جو اس شخص نے ان لوگوں کے حوالے سے بیان کی تھی۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ
بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ۝
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کرلو، ایسا نہ ہو کہ
تم کسی قوم کو لاعلمی کی وجہ سے نقصان پہنچادو، پھر جو تم نے کیا اس پر پشیمان ہو جاؤ۔

فاسق کی خبر پر تحقیق کر لینے کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ" خَبَر "فَتَبَيَّنُوا" صِدْقه مِنْ كَذِبه وَفِي قِرَاءَة فَتَثَبَّتُوا مِنْ الثَّبَات "أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا" مَفْعُول لَهُ أَيْ خَشْيَة ذَلِكَ "بِجَهَالَةٍ" حَال مِنْ الْفَاعِل ; أَيْ جَاهِلِينَ "فَتُصْبِحُوا" تَصِيرُوا "عَلَى مَا فَعَلْتُمْ" مِنْ الْخَطَأ بِالْقَوْمِ "نَادِمِينَ" وَأَرْسَلَ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ سَلَّمَ إلَيْهِمْ بَعْد عَوْدهمْ إلَى بِلَادهمْ خَالِدًا فَلَمْ يَرَ فِيهِمْ إلَّا الطَّاعَة وَالْخَيْر فَأَخْبَرَ النَّبِيّ بِذَلِكَ

(ارشاد باری تعالیٰ ہے) اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق شخص خبر لے کر تمہارے پاس آئے یعنی اطلاع لے کر تو تم تحقیق کرلو اس کے سچ یا جھوٹ ہونے کی۔ ایک قرات کے مطابق لفظ 'فتثبتوا' ہے جو لفظ ثبات سے ماخوذ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم پر حملہ کردو یہ مفعول لہ ہے یعنی اس بات سے بچتے ہوئے جہالت کی وجہ سے یہ لفظ فاعل کا حال ہے یعنی ناواقفیت کی حالت میں، تو تم ہو جاؤ گے یعنی بن جاؤ گے نادم وہ جو تم نے کیا ہے اس کے اوپر یعنی کسی قوم کے ساتھ جو غلطی کی وجہ سے کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اپنے علاقے واپس چلے جانے کے بعد ان کی طرف حضرت خالد کو بھیجا تو حضرت خالد نے ان میں صرف اطاعت اور بھلائی ہی پائی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حوالے سے آگاہ کیا۔

سورت حجرات آیت ۶ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ نے اسے بنو مصطلق کی طرف زکوۃ صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا اس کے اور ان کے درمیان زمانہ جاہلیت میں کچھ عداوت تھی جب قوم کو اس کی آمد کی خبر پہنچی تو وہ اللہ اور اس کے

رسول کی تعظیم کی خاطر اس کے خیر مقدم کے لیے نکلے تو شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ یہ تجھے قتل کرنا چاہتے ہیں چنانچہ وہ راستے سے ہی رسول اللہ کے پاس واپس لوٹ آیا اور کہا بنو مصطلق نے صدقات دینے سے انکار کر دیا اور انہوں نے قتل کا ارادہ بھی کیا رسول اللہ کو ان پر بہت غصہ آیا اور آپ نے ان کے خلاف جہاد کا ارادہ فرمالیا دوسری طرف جب ان لوگوں کو ولید کی واپسی کی خبر ہوئی تو وہ رسول اللہ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہم نے آپ کے قاصد کی آمد کے بارے میں سنا تو ہم اس کے خیر مقدم اور اکرام کے لیے نکلے تا کہ اللہ کے حق کو اسے ادا کریں لیکن یہ واپس لوٹ گیا تو ہمیں اس بات کا ڈر ہوا شاید اسے آپ کے ہم پر غضب کا خط ملا ہو جس کی وجہ سے یہ واپس لوٹ گیا ہم اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا (ابن کثیر 4۔208، قرطبی 16۔(311)

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ کا حارث کی طرف اس کے پاس جمع کردہ زکوۃ وصول کرنے کے لیے بھیجا ولید رستے میں پہنچا تو اس پر خوف طاری ہو گیا جس کی وجہ سے یہ واپس آ گیا اور حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ حارث نے مجھے زکوۃ دینے سے نہ صرف منع کر دیا ہے بلکہ میرے قتل کا ارادہ بھی کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے حارث کی طرف ایک جماعت بھیجی ادھر سے حارث بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی طرف نکلا اس کا اس جماعت سے سامنا ہوا یہ مدینہ سے باہر نکل چکا تھا ان سے ملا تو انہوں نے کہا یہ ہے حارث۔ جب یہ ان کے قریب ہوا تو اس نے ان سے پوچھا تمہیں کس کی طرف بھیجا گیا تھا انہوں نے کہا تیری طرف اس نے وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تیری طرف ولید بن عقبہ کو قاصد بنا کر بھیجا اس نے واپس جا کر یہ کہا کہ تو نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے قتل کا ارادہ بھی کیا اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے محمد کو حق دے کر بھیجا ہے نہ وہ میرے پاس آیا اور نہ ہی میں نے اسے دیکھا ہے جب حارث رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا تو نے زکوۃ دینے سے انکار کیوں کیا اور میرے قاصد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے نہیں میں نے تو آپ کا قاصد کو دیکھا بھی نہیں اور نہ ہی وہ میرے پاس آیا ہے اور میں بھی صرف آپ کے قاصد کے رکنے کی وجہ سے آپ کی طرف آ رہا تھا کہ شاید اس کا نہ آنا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی کی وجہ سے نہ ہو اس پر سورہ حجرات کی یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی، سورت حجرات، بیروت)

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ
الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝
اور جان لو کہ تم میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) موجود ہیں، اگر وہ بہت سے کاموں میں تمہارا کہنا مان لیں
تو تم بڑی مشکل میں پڑ جاؤ گے لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت عطا فرمائی اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ
فرمادیا اور کفر اور نافرمانی اور گناہ سے تمہیں متنفر کر دیا، ایسے ہی لوگ دین کی راہ پر ثابت اور گامزن ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی اطاعت کے حکم کا بیان

"وَاعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ " فَلا تَقُولُوا الْبَاطِل فَإِنَّ اللَّه يُخبِرهُ بِالْحَالِ "لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَمْرِ " الَّذِي تُخْبِرُونَ بِهِ عَلَى خِلَاف الْوَاقِع فَيَرَتَّب عَلَى ذَلِكَ مُقْتَضَاهُ "لَعَنِتُّمْ" لَأَثِمْتُمْ دُونه إِثْم التَّسَبُّب إِلَى الْمُرَتَّب "وَلَكِنَّ اللَّه حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَان وَزَيَّنَهُ" حَسَّنَهُ "فِي قُلُوبكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْر وَالْفُسُوق وَالْعِصْيَان" اسْتِدْرَاك مِنْ حَيْثُ الْمَعْنَى دُون اللَّفْظ لِأَنَّ مَنْ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْإِيمَان إِلَخْ غَايَرَتْ صِفَته صِفَة مَنْ تَقَدَّمَ ذِكْره "أُولَئِكَ هُمْ" فِيهِ الْتِفَات عَنْ الْخِطَاب "الرَّاشِدُونَ" الثَّابِتُونَ عَلَى دِينهمْ

یہ بات جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے اور تم جھوٹی بات نہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں حقیقت حال کے بارے میں اطلاع کر دے گا۔ اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لے جو تم انہیں اطلاع دیتے ہو جو خلاف واقعہ ہوتی ہیں اور وہ اس کے مقتضیٰ پر عمل کرے تو تم لوگ گنہگار ہو جاؤ گے وہ گنہگار نہیں ہوں گے چونکہ یہاں پر سبب بننے کو نتیجے کا گناہ مقرر کیا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب کر دیا ہے اور اسے آراستہ کر دیا ہے یعنی خوشنما کر دیا ہے تمہارے دلوں میں اور اس نے تمہارے لیے کفر کو اور گناہ کو ناپسند کیا ہے۔ یہ معنوی اعتبار سے استدراک ہے اور لفظی اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ جس شخص کے لئے ایمان کو محبوب کر دیا جائے اس شخص کی صفات اس شخص کی صفت سے مختلف ہو جاتی ہیں جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں یہاں خطاب کی طرف التفات ہے جو ہدایت یافتہ ہیں یعنی اپنے دین پر ثابت ہیں۔

سورت حجرات آیت ۷ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابونضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ نے یہ آیت پڑھی (وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ، اور جان لو کہ تم میں اللہ کا رسول موجود ہے۔ اگر وہ بہت سے باتوں میں تمہارا کہا مانے تو تم پر مشکل پڑ جائے)۔ اور فرمایا کہ یہ آیت تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نازل کی گئی جب کہ تمہارے آئمہ اور اس کے بہترین لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ تھے کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی چیزوں میں تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ گے تو آج تم لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ یہ حدیث غریب حسن ہے۔ علی بن مدینی کہتے ہیں میں نے یحییٰ بن سعید سے مستمر بن دیان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1217)

حق تعالیٰ نے جو فراست اور دانش اپنے رسول کو عنایت فرمائی ہے وہ تمہیں حاصل نہیں ہے اس لئے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری رائے پر چلا کریں تو بہت سے معاملات میں نقصان و مصیبت میں پڑ جاؤ گے اور کہیں شاذ و نادر تمہاری رائے ہی میں مصلحت ہو اور تم اطاعت رسول کیلئے اپنی رائے کو چھوڑ دو جس سے تمہیں کچھ دنیوی نقصان بھی پہنچ جاوے تو اس میں اتنی مضرت نہیں جتنی تمہاری رائے کے تابع ہو کر چلنے میں ہے کیونکہ اس صورت میں اگر کچھ دنیوی نقصان ہو بھی گیا تو اطاعت رسول کا اجر و ثواب

اس کا بہتر بدل موجود ہے اور لفظ عنتم، عنت سے مشتق ہے جس کے معنی گناہ کے بھی آتے ہیں اور کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کے بھی یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورت حجرات، بیروت)

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○
(یہ) اللہ کے فضل اور (اس کی) نعمت (یعنی تم میں رسولِ اُمّی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور موجودگی)
کے باعث ہے، اور اللہ خوب جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا باعث فضل ونعمت ہونے کا بیان

"فَضْلًا مِنَ اللَّه " مَصْدَر مَنْصُوب بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّر أَيْ أَفْضَل "وَنِعْمَة" مِنْهُ "وَاَللَّه عَلِيم " بِهِمْ "حَكِيم" فِي إنْعَامه عَلَيْهِمْ

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے یہ مصدر ہے اور محذوف فعل کا منصوب ہے یعنی افضل اور یہ اس کی طرف سے نعمت ہے اور وہ علم رکھنے والا ہے ان لوگوں کے بارے میں اور حکمت والا ہے ان پر انعام کرنے کے حوالے سے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فضلا من اللہ ونعمۃ: فضلا و نعمۃ مفعول لہ ہیں حب، زین، کرہ کے۔ یعنی اللہ کی طرف سے تحبیب، تزئین، تکریہ، اس کے فضل اور نعمت کے لئے تھی۔ یعنی فضل ونعمت کی وجہ سے تھی۔

بیضاوی لکھتے ہیں:۔ فضلا من اللہ ونعمۃ تعلیل لکرہ او حبب وما بینھما اعتراض ۔ فضلا من اللہ ونعمۃ تعلیل ہے کرہ کی یا حبب کی اور دونوں کے مابین جملہ معترضہ ہے۔

واللہ علیم حکیم: اور اللہ مومنین کے احوال کو خوب جانتا ہے اور حکیم مسلمانوں پر فضل وانعام (کا مصلحت شناس ہے) بتوفیق اسباب کرتا ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ج فَاِنْ م بَغَتْ اِحْدٰهُمَا
عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ج فَاِنْ فَآءَتْ
فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○
اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کریں تو ان کے درمیان صلح کرا دیا کرو، پھر اگر ان میں سے ایک (گروہ)
دوسرے پر زیادتی اور سرکشی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم
کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ رجوع کر لے تو دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے

کام لو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو بہت پسند فرماتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی سواری دراز گوش کی بے ادبی کرنے کی ممانعت کا بیان

"وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ " الْـآيَة نَـزَلَتْ فِي قَضِيَّة هِيَ أَنَّ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ حِـمَارًا وَمَرَّ عَلَى ابْن أُبَيّ فَبَالَ الْحِمَار فَسَدَّ ابْن أُبَيّ أَنْفه فَقَالَ ابْن رَوَاحَة : وَاَللّٰه لَبَوْل حِمَاره أَطْيَب رِيحًا مِنْ مِسْكك فَكَانَ بَيْن قَوْمَيْهِمَا ضَرْب بِالْأَيْدِي وَالنِّعَال وَالسَّعَف "اقْتَتَلُوا" جُمِعَ نَـظَرًا إلَى الْمَعْنَى لِأَنَّ كُلّ طَائِفَة جَمَاعَة وَقُرِءَ اقْتَتَلَتَا "فَأَصْلِحُوا بَيْنهمَا " ثُنِّيَ نَظَرًا إلَى اللَّفْظ "فَإِنْ بَغَتْ " تَعَدَّتْ "إحْـدَاهُـمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيء " تَرْجِع "إلَى أَمْر اللّٰه" الْحَق "فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنهمَا بِالْعَدْلِ" بِالْإِنْصَافِ "وَأَقْسِطُوا" اعْدِلُوا،

اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ یہ آیت ایک مقدمے کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ یہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گدھے پر سوار ہوئے۔ آپ "ابن ابی" کے پاس سے گزرے۔ گدھے نے پیشاب کر دیا تو ابن ابی نے اپنی ناک کے اوپر کپڑا رکھ لیا تو ابن رواحہ نے کہا اللہ کی قسم! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کا پیشاب تمہاری مشک کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار ہے تو اس بات پر لوگوں کے درمیان ہاتھوں، لاٹھیوں اور جوتوں کے ذریعے لڑائی ہوگئی (ارشاد باری تعالیٰ ہے) اگر وہ آپس میں لڑ پڑیں اس کو معنی کا لحاظ کرتے ہوئے جمع کے طور پر لایا گیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک گروہ ایک جماعت تھا اور ایک قرات کے مطابق اس کو لفظ "اقتلتا" بھی پڑھا گیا ہے تو ان کے درمیان صلح کراؤ تو یہاں پر لفظ کے اعتبار سے تثنیہ کا لفظ لایا گیا ہے۔ پس اگر کوئی سرکشی اختیار کرے یعنی حد سے تجاوز کرے یعنی ان میں سے ہر ایک دوسرے کیخلاف تو اس سے لڑو جو حد سے تجاوز کرتا ہو یہاں تک کہ وہ واپس آجائے یہاں پر لفظ تَفِیٔ ترجع کے معنی میں ہے جس کا مطلب لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف یعنی حق کی طرف تو اگر وہ لوٹ آئیں تو ان دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرواد و اور انصاف کرو یعنی عدل سے کام لو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

سورت حجرات آیت ۹ کے شان نزول کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دراز گوش پر سوار تشریف لے جاتے تھے، انصار کی مجلس پر گزر ہوا، وہاں تھوڑا سا توقف فرمایا، اس جگہ دراز گوش نے پیشاب کیا تو ابن اُبَی نے ناک بند کر لی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضور کے دراز گوش کا پیشاب تیرے مشک سے بہتر خوشبو رکھتا ہے، حضور تو تشریف لے گئے، ان دونوں میں بات بڑھ گئی اور ان دونوں کی قومیں آپس میں لڑ گئیں اور ہاتھا پائی تک نوبت پہنچی تو سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے اور ان میں صلح کرا دی اس معاملہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (نیسابوری 324، سیوطی 270، بخاری 2545، ابن کثیر 4-211)

دو متحارب "مسلمان جماعتوں" میں صلح کرانا ہر مسلمان کا فرض ہے

یہاں حکم ہو رہا ہے کہ اگر مسلمانوں کی کوئی دو جماعتیں لڑنے لگ جائیں تو دوسرے مسلمانوں کو چاہیے کہ ان میں صلح کرا دیں

آپس میں لڑنے والی جماعتوں کو مومن کہنا اس سے حضرت امام بخاری نے استدلال کیا ہے کہ نافرمانی گو کتنی ہی بڑی وہ انسان کو ایمان سے الگ نہیں کرتی۔ خارجیوں کا اوران کے موافق معتزلہ کا مذہب اس بارے میں خلاف حق ہے، اسی آیت کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دے رہے تھے آپ کے ساتھ منبر پر حضرت حسن بن علی بھی تھے آپ کبھی ان کی طرف دیکھتے کبھی لوگوں کی طرف اور فرماتے کہ میرا یہ بچہ سید ہے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی بڑی جماعتوں میں صلح کرادے گا۔ آپ کی یہ پیش گوئی سچی نکلی اور اہل شام اور اہل عراق میں بڑی لمبی لڑائیوں اور بڑے ناپسندیدہ واقعات کے بعد آپ کی وجہ سے صلح ہوگئی۔ (بخاری ومسلم)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝
بات یہی ہے کہ اہل ایمان بھائی ہیں۔ سو تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اہل ایمان کا آپس میں بھائی بھائی ہونے کا بیان

"إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَة" فِي الدِّين "فَأَصْلِحُوا بَيْن أَخَوَيْكُمْ" إِذَا تَنَازَعَا وَقُرِءَ إِخْوَتكُمْ بِالْفَوْقَانِيَّة

بے شک اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ دینی اعتبار سے تو تم صلح کروادو اپنے بھائیوں کے درمیان جب وہ آپس میں لڑ پڑیں اس کو ''ت'' کے ساتھ یعنی بین اخوتکم بھی پڑھا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو یعنی صلح کروانے کے معاملے میں تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن بندوں کی مثال ان کی آپس میں محبت اور اتحاد اور شفقت میں جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کے اعضاء میں سے کسی عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس کے سارے جسم کو نیند نہیں آئے اور بخار چڑھ جانے میں اس کا شریک ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2085)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ
نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ
بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝
اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے وہ لوگ ان (تمسخر کرنے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں
ہی دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے وہی عورتیں ان (مذاق اڑانے والی عورتوں) سے بہتر ہوں، اور نہ
آپس میں طعنہ زنی اور الزام تراشی کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھا کرو، کسی کے ایمان (لانے) کے بعد

اے فاسق و بدکردار کہنا بہت ہی برا نام ہے، اور جس نے توبہ نہیں کی سو وہی لوگ ظالم ہیں۔

غریب مسلمانوں کے مذاق اڑانے کی ممانعت کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَر " الْآيَة نَزَلَتْ فِي وَفْد تَمِيم حِين سَخِرُوا مِنْ فُقَرَاء الْمُسْلِمِينَ كَعَمَّارٍ وَصُهَيْبٍ وَالسُّخْرِيَّة : الِازْدِرَاء وَالِاحْتِقَار "قَوْم" أَيْ رِجَال مِنْكُمْ "مِنْ قَوْم عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ" عِنْد اللَّه "وَلَا نِسَاء" مِنْكُمْ "مِنْ نِسَاء عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسكُمْ" لَا تَعِيبُوا فَتُعَابُوا أَيْ لَا يَعِبْ بَعْضكُمْ بَعْضًا "وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ" لَا يَدْعُو بَعْضكُمْ بَعْضًا بِلَقَبٍ يَكْرَههُ وَمِنْهُ يَا فَاسِق يَا كَافِر "بِئْسَ الِاسْم" أَيْ الْمَذْكُور مِنْ السُّخْرِيَّة وَاللَّمْز وَالتَّنَابُز "الْفُسُوق بَعْد الْإِيمَان" بَدَل مِنْ الِاسْم أَنَّهُ فِسْق لِتَكَرُّرِهِ عَادَة "وَمَنْ لَمْ يَتُبْ" مِنْ ذَلِكَ،

اے ایمان والو! مذاق نہ اڑاؤ۔ یہ آیت بنوتمیم کے وفد کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب انہوں نے غریب مسلمانوں حضرت عمار اور حضرت صہیب کا مذاق اڑایا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: مذاق نہ کرو، یہاں پر سخریت کا مطلب ایک دوسرے کو حقیر سمجھنا ہے۔ کوئی ایک گروہ یعنی تم میں سے ایک گروہ کسی دوسرے گروہ کو، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور نہ ہی عورتیں یعنی تم میں سے دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ہوسکتا ہے کہ وہ عورتیں ان سے بہتر ہوں اور تم ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو یعنی تم ایک دوسرے کے اوپر کوئی عیب نہ لگاؤ کہ تمہارا عیب بیان کیا جائے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کرو اور ایک دوسرے کو برے ناموں سے بھی یاد نہ کرو یعنی ایسے القاب سے نہ بلاؤ جو ناپسندیدہ ہوں۔ جن میں اے فاسق اور اے کافر کہنا شامل ہے۔ برا نام اس سے مراد مذاق، طعنہ زنی اور برے القاب سے پکارنا ہے، فسق ہے۔ ایمان لانے کے بعد یہاں پر لفظ فسوق الاسم کا بدل ہے تاکہ یہ مقصد حاصل ہو جائے کہ اگر کوئی شخص کے طور پر اس طرح کرتا رہے تو وہ فسق ہو جاتا ہے اور جو شخص توبہ نہ کرے برے عمل سے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

مسلمانوں سے مذاق کرنے کی ممانعت کا بیان

تحریہ کی ممانعت کا قرآن کریم نے اتنا اہتمام فرمایا کہ اس میں مردوں کو الگ مخاطب فرمایا عورتوں کو الگ، مردوں کو لفظ قوم سے تعبیر فرمایا کیونکہ اصل میں یہ لفظ مردوں ہی کے لئے وضع کیا گیا ہے اگرچہ مجازاً و توسعاً عورتوں کو اکثر شامل ہو جاتا ہے اور قرآن کریم نے عموماً لفظ قوم مردوں عورتوں دونوں ہی کے لئے استعمال کیا ہے مگر یہاں لفظ قوم خاص مردوں کے لئے استعمال فرمایا اس کے بالمقابل عورتوں کا ذکر لفظ نساء سے فرمایا اور دونوں میں یہ ہدایت فرمائی کہ جو مرد کسی دوسرے مرد کے ساتھ استہزاء و تمسخر کرتا ہے اس کو کیا خبر ہے کہ شاید وہ اللہ کے نزدیک استہزاء کرنے والے سے بہتر ہو، اسی طرح جو عورت کسی دوسری عورت کے ساتھ استہزاء و تمسخر کا معاملہ کرتی ہے اس کو کیا خبر ہے شاید وہی اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو۔ قرآن میں مردوں کا مردوں کے ساتھ اور عورتوں

کا عورتوں کے ساتھ استہزاء کرنے اور اس کی حرمت کا ذکر فرمایا حالانکہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ یا کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ استہزاء کرے تو وہ بھی اس حرمت میں داخل ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ عورتوں اور مردوں کا اختلاط ہی شرعاً ممنوع اور مذموم ہے جب اختلاط نہیں تو تمسخر کا تحقق ہی نہیں ہوگا۔ حاصل آیت کا یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے بدن یا صورت یا قد وقامت وغیرہ میں کوئی عیب نظر آوے تو کسی کو اس پر ہنسنے یا استہزاء کرنے کی جرات نہ کرنا چاہئے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ شاید وہ اپنے صدق واخلاص وغیرہ کے سبب اللہ کے نزدیک اس سے بہتر اور افضل ہو۔ اس آیت کو سن کر سلف صالحین کا حال یہ ہو گیا تھا کہ عمرو بن شرجیل نے فرمایا کہ میں اگر کسی شخص کو بکری کے تھنوں سے منہ لگا کر دودھ پیتے دیکھوں اور اس پر مجھے ہنسی آ جائے تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں بھی ایسا ہی نہ ہو جاؤں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں اگر کسی کتے کے ساتھ بھی استہزاء کروں تو مجھے ڈر ہوتا ہے کہ میں خود کتا نہ بنا دیا جاؤں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ حجرات، بیروت)

مسلمانوں میں عیب تلاش کرنے کی ممانعت کا بیان

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی صورتوں اور ان کے مال و دولت پر نظر نہیں فرماتا بلکہ ان کے قلوب اور اعمال کو دیکھتا ہے قرطبی نے فرمایا کہ اس حدیث سے ایک ضابطہ اور اصل یہ معلوم ہوئی کہ کسی شخص کے معاملہ میں اس کے ظاہری حال کو دیکھ کر کوئی قطعی حکم لگا دینا درست نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جس شخص کے ظاہری اعمال و افعال کو ہم بہت اچھا سمجھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ جو اس کے باطنی حالات اور قلبی کیفیات کو جانتا ہے وہ اس کے نزدیک مذموم ہو اور جس شخص کے ظاہری حال اور اعمال برے ہیں ہوسکتا ہے کہ اس کے باطنی حالات اور قلبی کیفیات اس کے اعمال بد کا کفارہ بن جائیں اس لئے جس شخص کو بری حالت یا برے اعمال میں مبتلا دیکھو تو اس کی اس حالت کو تو برا سمجھو مگر اس شخص کو حقیر و ذلیل سمجھنے کی اجازت نہیں، دوسری چیز جس کی ممانعت اس آیت میں کی گئی ہے وہ لمز ہے۔ لمز کے معنی کسی میں عیب نکالنے اور عیب ظاہر کرنے یا عیب پر طعنہ زنی کرنے کے ہیں آیت میں ارشاد فرمایا وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ، یعنی تم اپنے عیب نہ نکالو۔ یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم میں ہے لاتقتلوا انفسکم، جس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو، دونوں جگہ اپنے آپ کو قتل کرنے یا اپنے عیب نکالنے سے مراد یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو اور اس عنوان سے تعبیر کرنے میں حکمت یہ بتلانا ہے کہ کسی دوسرے کو قتل کرنا ایک حیثیت سے اپنے آپ ہی کو قتل کرنا ہے کیونکہ اکثر تو ایسا واقع ہو ہی جاتا ہے کہ ایک نے دوسرے کو قتل کیا دوسرے کے حمایتی لوگوں نے اس کو قتل کر دیا اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اصل بات یہ ہے کہ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں اپنے بھائی کو قتل کرنا گویا خود اپنے آپ کو قتل کرنا اور بے دست و پا بنانا ہے یہی معنی یہاں وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ میں ہیں کہ تم جو دوسروں کے عیب نکالو اور طعنہ دو تو یاد رکھو کہ عیب سے تو کوئی انسان عادۃً خالی نہیں ہوتا، تم اس کے عیب نکالو گے تو وہ تمہارے عیب نکالے گا جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا کہ وفیک عیوب وللناس اعین، یعنی تم میں بھی کچھ عیوب ہیں اور لوگوں کی آنکھیں ہیں جو ان کو دیکھتی ہیں تم کسی کے عیب نکالو گے اور طعنہ زنی کرو گے تو وہ تم پر یہی عمل کریں گے اور بالفرض اگر اس نے صبر

بھی کیا تو بات وہی ہے کہ اپنے ایک بھائی کی بدنامی اور تذلیل پر غور کریں تو اپنی ہی تذلیل وتحقیر ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ حجرات، بیروت)

برے ناموں سے پکارنے کی ممانعت کا بیان

تیسری چیز جس سے آیت میں ممانعت کی گئی ہے وہ کسی دوسرے کو برے لقب سے پکارنا ہے جس سے وہ ناراض ہوتا ہو، جیسے کسی کو لنگڑا لولا یا اندھا کانا کہہ کر پکارنا یا اس لفظ سے اس کا ذکر کرنا اسی طرح جو نام کسی شخص کی تحقیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہو اس نام سے اس کو پکارنا، حضرت ابوجبیرہ انصاری نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو ہم میں اکثر آدمی ایسے تھے جن کے دو یا تین نام مشہور تھے اور ان میں سے بعض نام ایسے تھے جو لوگوں نے اس کو عار دلانے اور تحقیر و توہین کے لئے مشہور کر دیئے تھے۔ آپ کو یہ معلوم نہ تھا بعض اوقات وہی برا نام لے کر آپ اس کو خطاب کرتے تو صحابہ عرض کرتے کہ یا رسول اللہ وہ اس نام سے ناراض ہوتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ آیت میں تنابزو بالالقاب سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا برا عمل کیا ہو اور پھر اس سے تائب ہو گیا ہو اس کے بعد اس کو اس برے عمل کے نام سے پکارنا، مثلاً چور یا زانی یا شرابی وغیرہ جس نے چوری، زنا، شراب سے توبہ کر لی ہو اس کو اس پچھلے عمل سے عار دلانا اور تحقیر کرنا حرام ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ایسے گناہ پر عار دلائے جس سے اس نے توبہ کر لی ہے تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ اس کو اسی گناہ میں مبتلا کر کے دنیا و آخرت میں رسوا کرے گا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ حجرات، بیروت)

حضرت ابوجبیرہ بن ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص کے دو دو تین تین نام کرتے تھے۔ چنانچہ بعض ناموں سے پکارا جانا وہ اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ، اور نہ ایک دوسرے کے نام دھرو)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس حدیث کو ابوسلمہ بشیر بن مفضل سے وہ داؤد بن ابی ہند سے وہ ابوشعبی سے وہ ابوجبیرہ بن ضحاک سے اسی کی مانند نقل کرتے ہیں۔ ابوجبیرہ ثابت بن ضحاک انصاری کے بھائی ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1216)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا
وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا
فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝
اے ایمان والو! زیادہ تر گمانوں سے بچا کرو بیشک بعض گمان (ایسے) گناہ ہوتے ہیں (جن پر اُخروی سزا واجب ہوتی
ہے) اور (کسی کے عیبوں اور رازوں کی) جستجو نہ کیا کرو اور نہ پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کی برائی کیا کرو، کیا تم میں سے
کوئی شخص پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس سے نفرت کرتے ہو۔ اور (ان تمام
معاملات میں) اللہ سے ڈرو بیشک اللہ توبہ کو بہت قبول فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اکثر گمان سے بچنے کا بیان

"یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ" أَيْ مُؤْثِمٌ وَهُوَ كَثِيرٌ كَظَنِّ السَّوْءِ بِأَهْلِ الْخَيْرِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَهُمْ كَثِيرٌ بِخِلَافِهِ بِالْفُسَّاقِ مِنْهُمْ فَلَا إِثْمَ فِيهِ فِي نَحْوِ مَا يَظْهَرُ مِنْهُمْ "وَلَا تَجَسَّسُوا" حُذِفَ مِنْهُ إِحْدَى التَّاءَيْنِ لَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِ الْمُسْلِمِينَ وَمَعَايِبَهُمْ بِالْبَحْثِ عَنْهَا "وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا" لَا يَذْكُرْهُ بِشَيْءٍ يَكْرَهُهُ وَإِنْ كَانَ فِيهِ "أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ أَيْ لَا يَحْسُنُ بِهِ "فَكَرِهْتُمُوهُ" أَيْ فَاغْتِيَابُهُ فِي حَيَاتِهِ كَأَكْلِ لَحْمِهِ بَعْدَ مَمَاتِهِ وَقَدْ عُرِضَ عَلَيْكُمُ الثَّانِي فَكَرِهْتُمُوهُ فَاكْرَهُوا الْأَوَّلَ "وَاتَّقُوا اللَّهَ" أَيْ عِقَابَهُ فِي الِاغْتِيَابِ بِأَنْ تَتُوبُوا مِنْهُ "إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ" قَابِلٌ تَوْبَةَ التَّائِبِينَ "رَحِيمٌ" بِهِمْ

اے ایمان والو! بکثرت گمان کرنے سے بچو! بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔یعنی گناہ میں مبتلا کر دیتے ہیں اور اس سے مراد نیک مومنوں کے بارے میں بدگمانی کرنا ہے اور یہ بہت بری بات ہے اور اس کے برعکس مسلمانوں کے بارے میں ایسی بدگمانی گناہ نہیں ہے، ان کاموں کے حوالے سے جو ان سے ظاہر ہوتے ہیں اور تم تجسس نہ کرو۔اس میں ایک ت کو حذف کر دیا گیا ہے یعنی مسلمانوں کی پوشیدہ باتوں اور عیب جاننے کی کوشش نہ کرو تا کہ تم ان کے بارے میں بحث کرو اور تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے یعنی ایسی بات کے ساتھ اس کا تذکرہ نہ کرے جو اسے ناپسند ہو۔اگر چہ وہ اس میں موجود ہو۔کیا کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔یہاں پر لفظ میتاً کو شد کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے اور تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا جا سکتا ہے یعنی وہ اس بات کا احساس نہیں کرتا پس تم اس بات کو پسند نہیں کرو گے یعنی زندگی میں اس شخص کی غیبت کرنا بالکل اس طرح ہے جیسے مرنے کے بعد اس شخص کا گوشت کھانا ہے تو جب تم دوسری بات کو ناپسند کرتے ہو تو پہلی کو بھی اسی طرح ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو یعنی غیبت کرنے کے معاملے میں جو عذاب ہوگا اس سے بچنے کی کوشش کرو اور اس سے توبہ کرو۔بے شک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے یعنی توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔اور رحم کرنے والا یعنی ان لوگوں پر۔

سورت حجرات آیت ۱۲ کے شان نزول کا بیان

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جہاد کے لئے روانہ ہوتے اور سفر فرماتے تو ہر دو مال داروں کے ساتھ ایک غریب مسلمان کو کر دیتے کہ وہ غریب ان کی خدمت کرے وہ اسے کھلائیں پلائیں ہر ایک کا کام چلے اسی طرح حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو آدمیوں کے ساتھ کئے گئے تھے، ایک روز وہ سو گئے اور کھانا تیار نہ کر سکے تو ان دونوں نے انہیں کھانا طلب کرنے کے لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، حضور کے خادمِ مطبخ حضرت اُسامہ تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے پاس کچھ رہا نہ تھا، انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس کچھ نہیں، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے یہی آ کر کہہ دیا تو ان دونوں رفیقوں نے کہا کہ اُسامہ (رضی

اللہ تعالیٰ عنہ) نے بخل کیا، جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، فرمایا میں تمہارے منہ میں گوشت کی رنگت دیکھتا ہوں، انہوں نے عرض کیا ہم نے گوشت کھایا ہی نہیں، فرمایا تم نے غیبت کی اور جو مسلمان کی غیبت کرے اس نے مسلمان کا گوشت کھایا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ حجرات، لاہور)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ
لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝
اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں (بڑی بڑی) قوموں اور قبیلوں میں
(تقسیم) کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں
زیادہ پرہیزگار ہو، بیشک اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے۔

لوگوں کی پہچان کیلئے قبائل ہونے کا بیان

"يَا أَيُّهَا النَّاس إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَر وَأُنْثَى" آدَم وَحَوَّاء "وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا" جَمْع شَعْب بِفَتْحِ الشِّين هُوَ أَعْلَى طَبَقَات النَّسَب "وَقَبَائِل" هِيَ دُون الشُّعُوب وَبَعْدهَا الْعَمَائِر ثُمَّ الْبُطُون ثُمَّ الْأَفْخَاذ ثُمَّ الْفَصَائِل آخِرهَا مِثَاله خُزَيْمَة : شَعْب كِنَانَة : قَبِيلَة قُرَيْش : عِمَارَة بِكَسْرِ الْعَيْن قُصَيّ : بَطْن هَاشِم : فَخِذ الْعَبَّاس : فَصِيلَة "لِتَعَارَفُوا" حُذِفَ مِنْهُ إِحْدَى التَّاءَيْنِ لِيَعْرِف بَعْضكُمْ بَعْضًا لَا لِتَفَاخَرُوا بِعُلُوِّ النَّسَب وَإِنَّمَا الْفَخْر بِالتَّقْوَى "إِنَّ أَكْرَمكُمْ عِنْد اللَّه أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّه عَلِيم" بِكُمْ "خَبِير" بِبَوَاطِنِكُمْ،

اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے ایک مرد سے اور ایک عورت سے یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا سے۔ اور ہم نے تمہیں قبیلوں کی شکل میں بنایا ہے۔ یہاں پر لفظ شعوب شعب کی جمع ہے۔ ش پر زبر پڑھی جائے گی اور اس سے مراد نسب کا سب سے اعلیٰ ترین طبقہ ہے اور شعوب سے نیچے قبیلہ ہوتا ہے اس کے بعد عمائر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد بطون ہیں اس کے بعد افخاذ ہیں پھر فصائل ہیں جو سب سے آخر میں ہیں۔

اس کی مثال یہ ہے خزیمہ شعب ہے کنانہ قبیلہ ہے قریش عمارہ ہے اس میں ع پر زیر پڑھی جائے گی۔ قصی بطن ہے اور ہاشم فخذ ہے۔ عباس فصیلہ ہے (یہ اس لیے بنائے ہیں) تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان جاؤ یہاں پر ایک ت کو حذف کیا گیا ہے تاکہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو جان لے اس لیے نہیں کہ تم ایک دوسرے کے مقابلے میں نسب کی بلندی کے اعتبار سے فخر کرو کیونکہ فخر صرف تقویٰ کی وجہ سے کیا جا سکتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم رکھنے والا ہے اور خبر رکھنے والا ہے تمہارے باطن کے بارے میں۔

سورت حجرات آیت ۱۳ کے شان نزول کا بیان

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بازارِ مدینہ میں ایک حبشی غلام ملاحظہ فرمایا جو یہ کہہ رہا تھا کہ جو مجھے خریدے اس سے میری یہ شرط ہے کہ مجھے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں پانچوں نمازیں ادا کرنے سے منع نہ کرے، اس غلام کو ایک شخص نے خرید لیا، پھر وہ غلام بیمار ہوگیا تو سید عالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی عیادت کے لئے تشریف لائے، پھر اس کی وفات ہوگئی اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے دفن میں تشریف لائے، اس پر لوگوں نے کچھ کہا، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔
(تفسیر خزائن العرفان، سورہ حجرات، لاہور)

معیار شان تقویٰ ہونے کا بیان

یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا تو قریش مکہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پا گئے ان کو یہ روز بد دیکھنا نہیں پڑا اور حارث بن ہشام نے کہا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کالے کوے کے سوا کوئی آدمی نہیں جڑا کہ جو مسجد حرام میں اذان دے۔ ابوسفیان بولے کہ میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ میں کچھ کہوں گا تو آسمانوں کا مالک ان کو خبر کردے گا، چنانچہ جبرئیل امین تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تمام گفتگو کی اطلاع دی، آپ نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے کیا کہا تھا انہوں نے اقرار کرلیا اسی پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے بتلایا کہ فخر وعزت کی چیز درحقیقت ایمان اور تقویٰ ہے جس سے تم لوگ خالی اور حضرت بلال آراستہ ہیں اس لئے وہ تم سب سے افضل واشرف ہیں (تفسیر بغوی، سورہ حجرات، بیروت)

تمام لوگوں کا آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے زمانہ جاہلیت کا فخر اور اپنے آباء واجداد کی وجہ تکبر کرنا دور کردیا ہے۔ اب لوگ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اللہ کے نزدیک متقی اور کری ہے۔

دوسرا وہ جو اللہ کے نزدیک بدکار بدبخت اور ذلیل ہے۔ تمام لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ، اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قومیں جو بنائی ہیں تاکہ تمہیں آپس میں پہچان ہو۔ بے شک زیادہ عزت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا اخبردار ہے)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو عبداللہ بن دینار کی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کے متعلق صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یحییٰ بن معین وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ علی بن مدینی کے والد ہیں اور باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1218)

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ
وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝
دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، آپ فرما دیجئے: تم ایمان نہیں لائے، ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ابھی
ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو تو
وہ تمہارے اعمال (کے ثواب میں) سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا، بیشک اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اہل اعراب کے قبول ایمان کا بیان

"قَالَتِ الْأَعْرَاب" نَفَر مِنْ بَنِي أَسَد "آمَنَّا" صَدَّقْنَا بِقُلُوبِنَا "قُلْ" لَهُمْ "لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا" انْقَدْنَا ظَاهِرًا "وَلَمَّا" أَيْ: لَمْ "يَدْخُل الْإِيمَان فِي قُلُوبكُمْ" إلَى الْآن لَكِنَّهُ يُتَوَقَّع مِنْكُمْ "وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّه وَرَسُوله" بِالْإِيمَانِ وَغَيْره "لَا يَلِتْكُمْ" بِالْهَمْزِ وَتَرْكه وَبِإِبْدَالِهِ أَلِفًا: لَا يُنْقِصكُمْ "مِنْ أَعْمَالكُمْ" أَيْ مِنْ ثَوَابهَا "شَيْئًا إنَّ اللَّه غَفُور" لِلْمُؤْمِنِينَ "رَحِيم" بِهِمْ

دیہاتی یہ کہتے ہیں اس سے مراد بنو اسد کا ایک گروہ ہے، ہم ایمان لائے یعنی ہم نے اپنے دلوں کے ذریعے تصدیق کی تم ان سے فرمادو کہ تم لوگ ایمان نہیں لائے بلکہ تم لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ یعنی ظاہری طور پر اطاعت کی ہے اور جب ایسا ہے کہ ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ابھی تک۔ لیکن اس کی تم سے توقع کی جاسکتی ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی ایمان کے ذریعے یا اس کے علاوہ تو کمی نہیں ہوگی۔ اس میں لفظ ہمزہ کو پڑھا جاسکتا ہے اور ترک بھی کیا جاسکتا ہے الف کی شکل میں بدل کر یعنی وہ کمی نہیں کرے گا تمہارے اعمال میں سے یا اس کے ثواب کے اعتبار سے کسی بھی چیز کی۔ بے شک اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا ہے مومنوں کی اور رحم کرنے والا ہے ان پر۔

سورت حجرات آیت ۱۴ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت بنو اسد بن خزیمہ کے دیہاتیوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس قحط سالی کے سال مدینہ آئے اور توحید اور رسالت کی شہادت ظاہری مگر حقیقتاً مومن نہ تھے انہوں نے مدینہ کے رستوں کو گوبھوں کے ردی حصے سے خراب کر دیا اور اس کے نرخ بڑھا دیا یہ رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے کہ ہم بوجھ اور عیال کے ساتھ آپ کے پاس آئے ہیں اور ہم نے فلاں قبیلے کی طرح آپ سے قتال نہیں کیا آپ ہمیں اپنے صدقات میں سے کچھ مال عطا کیجیے اور آپ پر احسان جتلانا شروع کر دیا اس پر اللہ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (نیسابوری 327، زاد المسیر 7-475، ابن کثیر 4-219، قرطبی 16-348)

قبیلہ بنی اسد کے لوگوں کے اقرار اسلام کرانے کا بیان

امام بغوی کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ قبیلہ بنی اسد کے چند آدمی مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قحط شدید کے زمانے میں حاضر ہوئے، یہ لوگ دل سے تو مومن تھے نہیں محض صدقات حاصل کرنے کے لئے اپنے اسلام لانے کا اظہار کیا اور چونکہ واقع میں مومن نہ تھے اسلامی احکام وآداب سے بے خبر اور غافل تھے انہوں نے مدینہ کے راستوں پر غلاظت و نجاست پھیلا دی اور بازاروں میں اشیاء ضرورت کی قیمت بڑھادی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک تو جھوٹا دعویٰ ایمان لانے کا کیا، دوسرے آپ کو دھوکا دینا چاہا۔

تیسرے آپ پر احسان جتلایا کہ دوسرے لوگ تو ایک زمانہ تک آپ سے برسر پیکار رہے آپ کے خلاف جنگیں لڑیں پھر مسلمان ہوئے ہم بغیر کسی جنگ کے خود آپ کے پاس حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اس لئے ہماری قدر کرنی چاہئے جو شان رسالت میں ایک طرح کی گستاخی بھی تھی کہ اپنے مسلمان ہو جانے کا احسان آپ پر جتلایا اور مقصود اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مسلمانوں کی صدقات سے اپنی مفلسی دور کریں اور اگر یہ واقعی اور سچے مسلمان ہی ہو جاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا احسان تھا خود اپنا ہی نفع تھا اس پر آیات مذکورہ نازل ہوئیں جن میں ان کے جھوٹے دعوے کی تکذیب اور احسان جتلانے پر مذمت کی گئی ہے۔

(آیت) وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا، چونکہ ان کے دلوں میں ایمان نہ تھا جھوٹا دعویٰ صرف ظاہری افعال کی بناء پر کر رہے تھے اس لئے قرآن نے ان کے ایمان کی نفی اور دعوائے ایمان کے غلط ہونے کو بیان کر کے یہ فرمایا کہ تمہارا آمنا کہنا تو جھوٹ ہے تم زیادہ سے زیادہ اسلمنا کہہ سکتے ہو کیونکہ اسلام کے لفظی معنی ظاہری افعال میں اطاعت کرنے کے ہیں اور یہ لوگ اپنے دعوائے ایمان کو سچا ثابت کرنے کے لئے کچھ اعمال مسلمانوں جیسے کرنے لگے تھے اس لئے لفظی اعتبار سے ایک درجہ کی اطاعت ہو گئی اس لئے لغوی معنی کے اعتبار سے اسلمنا کہنا صحیح ہو سکتا ہے۔ (تفسیر بغوی، سورت حجرات، بیروت)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ
مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انھوں نے شک نہیں کیا اور انھوں نے اپنے مالوں
اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں۔

ایمان میں لوگوں کے سچے ہونے کا بیان

"إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ" أَيْ الصَّادِقُونَ فِي إِيمَانهمْ كَمَا صَرَّحَ بِهِ بَعْد "الَّذِينَ آمَنُوا بِاَللَّهِ وَرَسُوله لَمْ يَرْتَابُوا" لَمْ يَشُكُّوا فِي الْإِيمَان "وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسهمْ فِي سَبِيل اللَّه" فَجِهَادهمْ يَظْهَر بِصِدْقِ إِيمَانهمْ "أُولَئِكَ هُمْ الصَّادِقُونَ" فِي إِيمَانهمْ لَا مَنْ قَالُوا آمَنَّا وَلَمْ يُوجَد مِنْهُمْ

غَيْرُ الْإِسْلَامِ

بے شک اہل ایمان! یعنی جو لوگ اپنے ایمان میں سچے ہوں جیسا کہ اس کے بعد اس کی تصدیق کی گئی ہے۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر انہوں نے شک نہیں کیا یعنی اپنے ایمان کے بارے میں شک کا شکار نہیں ہوئے اور انہوں نے اپنی جانوں کے ذریعے اور اموال کے ذریعے اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو ان کا یہ جہاد ان کے ایمان کی سچائی کو ظاہر کرتا ہے۔ یہی لوگ سچے ہیں اپنے ایمان کے حوالے سے' نہ کہ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے حالانکہ ان سے صرف اسلام کا اظہار ہوتا ہے۔

اس آیت میں مومنوں اور منافقوں کا تقابل پیش کر کے بتایا گیا ہے کہ حقیقی مومن اللہ، اس کے وعدوں اور اس کے رسول پر پوری طرح یقین رکھتے ہیں۔ وہ مفاد پرست نہیں ہوتے لہٰذا جو کچھ اللہ اور اس کا رسول کہے فوراً اس کی اطاعت کرتے اور بوقت ضرورت جان و مال کی قربانیاں بھی پیش کر دیتے ہیں۔ اور منافقوں کی طرح حیلوں بہانوں سے فرار کی راہ اختیار نہیں کرتے۔ ایسے ہی لوگ راستباز ہوتے ہیں۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○
فرما دیجئے: کیا تم اللہ کو اپنی دین داری جتلا رہے ہو، حالانکہ اللہ ان چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں
اور جو زمین میں ہیں، اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔

اپنی دینداری کو جتلانے کا بیان

"قُلْ لَهُمْ "أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ" مُضَعَّف عَلِمَ بِمَعْنَى شَعَرَ أَيْ أَتُشْعِرُونَهُ بِمَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ فِي قَوْلكُمْ آمَنَّا

تم فرما دو یعنی ان سے' کیا تم اللہ تعالیٰ کو بتاؤ گے اپنے دین کے بارے میں؟ یہ لفظ علم سے باب تفعیل کے وزن پر ہے اور یہ شعور کے معنی میں ہے۔ کیا تم اسے یہ شعور دلاؤ گے کہ تم اپنے قول "آمنا" کے ذریعے کس حالت میں ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہا یہ تھا کہ ہم اسلام لے آئے اور ان کا یہ اسلام لانا چڑھتے سورج کو سلام کرنے کے مترادف تھا۔ وہ اسلام لا کر اپنے جان و مال کی حفاظت اور اموال غنائم سے اپنا حصہ طلب کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ جیسا تم اسلام لا رہے ہو۔ اللہ کو اس کا ٹھیک پتا ہے اور جن اغراض کے تحت لا رہے ہو وہ بھی معلوم ہے۔

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۚ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ
عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○

اے محبوب وہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے، تم فرماؤ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو۔

اسلام کو قبول کرنا بھی احسان الٰہی ہونے کا بیان

"يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا" مِنْ غَيْرِ قِتَال بِخِلَافِ غَيْرهمْ مِمَّنْ أَسْلَمَ بَعْد قِتَاله مِنْهُمْ "قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامكُمْ" مَنْصُوب بِنَزْعِ الْخَافِض الْبَاء وَيُقَدَّر قَبْل أَنْ فِي الْمَوْضِعَيْنِ "بَلِ اللَّه يَمُنّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" فِي قَوْلكُمْ آمَنَّا

تم فرمادو یعنی ان سے، کیا تم اللہ تعالیٰ کو بتاؤ گے اپنے دین کے بارے میں؟ یہ لفظ علم سے باب تفعیل کے وزن پر ہے اور یہ شعور کے معنی میں ہے۔ کیا تم اسے یہ شعور دلاؤ گے کہ تم اپنے قول "آمنا" کے ذریعے کس حالت میں ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

لوگ تم پر احسان کرتے ہیں، وہ اسلام لائے ہیں یعنی کسی جنگ کے بغیر جبکہ اس کے برعکس دوسرے لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ جنگ کرنے کے بعد۔ تم فرمادو تم لوگ مجھ پر اپنے اسلام کے ذریعے احسان نہ کرو۔ اسے منصوب پڑھا گیا ہے کیونکہ نصب دینے والی "ب" کو وہاں سے ہٹالیا گیا ہے اور یہاں پر دونوں جگہ پر "اَنْ" سے پہلے یہ مقدر ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی ہے اگر تم سچے ہوئے اپنے قول "آمنّا" کے حوالے سے۔

سورت حجرات آیت ۱۷ کے شان نزول کا بیان

عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے کہ عرب کے کچھ لوگوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ ہم اسلام لائے اور ہم نے آپ سے فلاں قبیلہ کی طرح قتال نہیں کیا تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بزار نے سعید بن جبیر کے طریق سے حضرت ابن عباس سے اس کے مثل روایت نقل کیا ہے۔

اور ابن ابی حاتم نے حسن سے اس کے مثل روایت نقل کی ہے اور یہ کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب مکہ فتح ہو چکا تھا محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے کہ قبیلہ بنواسد کے دس افراد نو ہجری کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے ان میں طلحہ بن خولید بھی تھے رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ انہوں نے سلام کیا اور ان کے متکلم نے کہا یارسول اللہ ہم نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور آپ اللہ کے بندے اور رسول ﷺ ہیں یارسول اللہ ﷺ ہم خود آپ کے پاس آئے ہیں آپ نے ہماری طرف کوئی جماعت نہیں بھیجی۔

اور ہم اپنے سے پچھلوں کے لیے سلامتی ہیں اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ حضرت سعید بن جبیر سے روایت

ہے کہ بنو اسد کے دیہاتیوں کی ایک جماعت نبی کی خدمت میں آئی اور کہا ہم آپ کے پاس آئے ہیں اور آپ سے قتال نہیں کیا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (سیوطی 272، ابن ابی حاتم رازی)

یہاں لفظ ایمان فرمانے سے شبہ نہ کیا جائے کہ اس کا ایمان ہونا تسلیم کر لیا گیا، بات یہ ہے کہ یہاں بطور فرض کے گفتگو ہے جس میں ان کی طرف سے حکایت کی گئی ہے جیسا ان کنتم صدقین میں قرینہ ہے، یعنی اگر بالفرض تمہارے دعوے کے موافق اس کو ایمان مان لیا جائے تو بھی خدا ہی کا احسان ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝
بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کے سب غیب جانتا ہے، اور اللہ جو عمل بھی تم کرتے ہو اسے خوب دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کے ظاہر و پوشیدہ کو جاننے والا ہے

"إِنَّ اللَّه يَعْلَم غَيْب السَّمَاوَات وَالْأَرْض " أَيْ مَا غَابَ فِيهِمَا "وَاَللَّه بَصِير بِمَا يَعْمَلُونَ " بِالْيَاءِ وَالتَّاء لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْء مِنْهُ

بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے' آسمانوں اور زمین کے غیب کے بارے میں یعنی جو بھی ان دونوں میں غیب کی حالت میں ہے اور اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے اس چیز کو جو تم عمل کرتے ہو اس کو ''ی'' اور ''ت'' کے ساتھ (غائب اور حاضر) سے پڑھا گیا ہے۔ اس پر اس میں سے کوئی بھی چیز نہیں ہے۔

پس اپنے ایمان واسلام کے بارے میں زبانی کلامی دعوے کرنے اور ان کو زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اصل ضرورت جس چیز کی ہے وہ ہے صدق ایمان اور صفاءِ عمل وکردار، کیونکہ معاملہ اس اللہ وحدہ لاشریک کے ساتھ ہے۔ جو آسمانوں اور زمین کی سب چھپی باتوں کو جانتا ہے، اور پوری طرح جانتا ہے، اور وہ تمہارے ان اعمال کو بھی پوری طرح دیکھ رہا ہے جو تم لوگ ظاہر کرتے ہو، اور ان کو بھی جو تم لوگ چھپاتے ہو، کیونکہ اسکے یہاں غیب وشہادت اور نہاں وعیاں دونوں ایک برابر ہیں۔

سورہ حجرات کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ حجرات کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت ق ھے

سورت ق کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَۃ ق (مَکِّیَّۃ اِلَّا آیۃ 38 فَمَدَنِیَّۃ و آیاتا 45)

سورہ ق مکیہ ہے، اس میں تین رکوع، پینتالیس آیات، تین سوستاون کلمات اور ایک ہزار چار سو چورانوے حروف ہیں۔

سورت ق کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کا آغاز حرف ق جو حروف مقطعات میں سے ہے اس کے ساتھ ہوا ہے۔ پس اسی سبب سے یہ سورت ق کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت ق کی نماز میں قرأت کا بیان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیثی سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نمازوں میں کونسی سورت پڑھا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: ق وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ، اور اقتربت الساعۃ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں بکثرت سورہ ق تلاوت فرماتے تھے، (یہ سورت خاصی بڑی ہے) مگر اس کے باوجود نماز ہلکی رہتی تھی۔ (تفسیر قرطبی، سورت ق، بیروت)

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تلاوت کا خاص اثر تھا کہ بڑی سے بڑی سورت اور طویل سے طویل نماز بھی پڑھنے والوں پر ہلکی رہتی تھی۔

ق ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۞ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ
هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ۞ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ۞
ق، حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ قسم ہے قرآن کی جو بہت بڑی شان والا ہے۔
بلکہ ان لوگوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈر سنانے والا آ گیا ہے، سو کافر کہتے ہیں،
یہ عجیب بات ہے۔ کیا جب ہم مر گئے اور ہم مٹی ہو گئے؟ یہ واپس لوٹنا بہت دور ہے۔

کفار مکہ کا ایمان لانے کی بجائے بعث پر اظہار تعجب کرنے کا بیان

"ق" اللّٰہ أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِهِ "وَالْقُرْآن الْمَجِيد" الْكَرِيم مَا آمَنَ كُفَّار مَكَّة بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِر مِنْهُمْ" رَسُول مِنْ أَنْفُسهمْ يُخَوِّفهُمْ بِالنَّارِ بَعْد الْبَعْث "فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا" الْإِنْذَار،

"أَإِذَا" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيل الثَّانِيَة وَإِدْخَال أَلِف بَيْنهمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ "مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا" نَرْجِع ؟ "ذَلِكَ رَجْع بَعِيد" فِي غَايَة الْبُعْد،

ق، حقیقی معنی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ قسم ہے قرآن مجید کی جو بہت بڑی شان والا ہے۔ جبکہ کفار مکہ نبی کریم ﷺ پر ایمان نہ لائے۔ بلکہ ان لوگوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈر سنانے والا آ گیا ہے، جس انہیں بعث کے بعد جہنم میں ڈال دیئے جانے سے ڈراتا ہے۔ پس کافر کہتے ہیں یہ ڈر سنانا عجیب بات ہے۔ یہاں پر دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ ثانی کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں ان کے درمیان الف کو داخل کیا جائے گا۔ کیا جب ہم مر گئے اور ہم مٹی ہو گئے؟ تو کیا واپس لوٹ آئیں گے؟ یہ واپس لوٹنا بہت دور ہے۔ یعنی بعد کی انتہاء ہے۔

قرآن مجید کی صداقت کا بیان

جس کی عدالت و امانت اور صدق و راست بازی کو وہ خوب جانتے ہیں اور یہ بھی ان کے دل نشین ہے کہ ایسے صفات کا شخص سچا، ناصح ہوتا ہے باوجود اس کے ان کا سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور حضور کے انذار سے تعجب و انکار کرنا قابلِ حیرت ہے۔ (تفسیر خازن، سورہ ق، بیروت)

سورہ ق میں بیشتر مضامین آخرت اور قیامت اور مردوں کے زندہ ہونے اور حساب و کتاب سے متعلق ہیں اور یہی مناسبت ہے اس کو اس سے پہلی سورہ حجرات سے کہ اس کے آخر میں انہی مضامین کا ذکر تھا۔ سورہ ق کی ایک خاص اہمیت اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ ام ہشام بنت حارثہ بن النعمان کہتی ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب میرا مکان تھا) دو سال کے قریب ہمارا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تنور (جس میں روٹی پکتی تھی) ایک ہی تھا، مجھے سورہ ق پوری اس طرح حفظ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت ہر جمعہ کو منبر پر خطبہ میں تلاوت فرماتے تھے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ ق، بیروت)

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ○
بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ○
بیشک ہم جانتے ہیں کہ زمین ان سے کتنا کم کرتی ہے، اور ہمارے پاس کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے۔
بلکہ انہوں نے حق کو جھٹلا دیا جب وہ ان کے پاس آ چکا سو وہ خود الجھن اور اضطراب کی بات میں ہیں۔

کفار کا قرآن مجید کو کہانت وغیرہ کہہ دینے کا بیان

"قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُص الْأَرْض" تَأْكُل "مِنْهُمْ وَعِنْدنَا كِتَاب حَفِيظ " هُوَ اللَّوْح الْمَحْفُوظ فِيهِ جَمِيع الْأَشْيَاء الْمُقَدَّرَة

"بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ" بِالْقُرْآنِ "لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ " فِي شَأْن النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقُرْآن "فِي أَمْر مَرِيج " مُضْطَرِب قَالُوا مَرَّة : سَاحِر وَسِحْر وَمَرَّة : شَاعِر وَشِعْر وَمَرَّة : كَاهِن وَكَهَانَة،

بیشک ہم جانتے ہیں کہ زمین ان کے جسموں سے کھا کھا کر کتنا کم کرتی ہے، اور ہمارے پاس ایسی کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے۔ اور لوح محفوظ ہے جس میں تمام اشیائے مقدرہ ہیں۔ بلکہ عجیب اور فہم وادراک سے بعید بات تو یہ ہے کہ انہوں نے حق یعنی قرآن کو جھٹلا دیا جب وہ یعنی نبی کریم ﷺ اور قرآن ان کے پاس آ چکا پس وہ خود ہی الجھن اور اضطراب کی بات میں پڑے ہیں۔ یعنی کبھی ساحر اور سحر کبھی شاعر اور شعر اور کبھی کاہن اور کہانت کہہ دیا۔

اللہ تعالیٰ کے علم سے کچھ مخفی نہ ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ کا علم تو اتنا وسیع اور محیط ہے کہ مرنے کے بعد انسان کا ایک ایک جز اس کی نظر میں ہے، وہ جانتا ہے کہ مردے کے کس کس حصہ کو زمین نے کھا لیا ہے، کیونکہ اس کی کچھ ہڈیاں تو اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہیں کہ ان کو زمین نہیں کھاتی اور جن کو زمین کھا کر مٹی کر دیتی ہے پھر وہ مٹی دنیا جہان کے جس گوشہ میں پہنچتی ہے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہے، جب وہ چاہے گا سب کو ایک جگہ جمع کر دے گا اور ذرا غور کرو تو اس وقت ہر انسان کا جسم جن اجزاء سے مرکب چلتا پھرتا نظر آتا ہے اس میں بھی تو ساری دنیا کے مختلف گوشوں کے اجزاء جمع ہیں، کوئی غذا کی صورت میں کوئی دوا کی صورت میں سارے عالم کے مختلف شہروں اور جنگلوں کے اجزاء ہی تو ہیں جن سے یہ موجودہ جسم مرکب ہوا ہے، پھر اس کے لئے کیا دشوار ہے کہ دوبارہ ان اجزاء کو دنیا میں منتشر کرنے کے بعد پھر ایک جگہ جمع کر دے اور صرف یہی نہیں کہ اب مرنے اور مٹی ہونے کے بعد انسان کے یہ اجزاء اس کے علم میں آئے ہوں، بلکہ انسان کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اس کی زندگی کا ہر ہر لمحہ اور اس میں پیدا ہونے والے تغیرات اور پھر مرنے کے بعد اس پر کیا کیا حالات پیش آئیں گے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس پہلے سے لکھا ہوا لوح محفوظ میں موجود ہے۔

پھر جو ایسا علیم و بصیر ہے اور جس کی قدرت اتنی کامل اور سب چیزوں پر حاوی ہے اس کے متعلق یہ تعجب کرنا خود قابل تعجب ہے، مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ کی یہ تفسیر حضرت ابن عباس اور مجاہد اور جمہور مفسرین سے منقول ہے۔ (تفسیر بحر محیط، سورہ ق، بیروت)

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝
تو کیا انھوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے کیسے اسے بنایا اور اسے سجایا اور اس میں کوئی درزیں نہیں ہیں۔

تحقیق آسمان سے دلیل بعث کا بیان

"اَفَلَمْ یَنْظُرُوْا" بِعُیُونِهِمْ مُعْتَبِرِینَ بِعُقُولِهِمْ حِین أَنْکَرُوا الْبَعْث "إِلَی السَّمَاء" کَائِنَة "فَوْقهمْ کَیْفَ بَنَیْنَاهَا" بِلَا عَمَد "وَزَیَّنَّاهَا" بِالْکَوَاکِبِ "وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوج" شُقُوق تَعِیبهَا،

تو کیا انھوں نے اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا یعنی اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنی عقلوں س عبرت حاصل نہیں کی۔ جبکہ انہوں نے بعث کا انکار کردیا ہے۔ کہ ہم نے کیسے اسے بنایا یعنی ان کے اوپر کس طرح بغیر ستونوں کے کھڑا کردیا ہے۔ اور اسے ستاروں کے ذریعے سجایا اور اس میں کوئی درزیں نہیں ہیں۔ یعنی کوئی عیب دار کرنے والا شگاف نہیں ہے۔

یہ لوگ جس چیز کو ناممکن خیال کرتے تھے پروردگار عالم اس سے بھی بہت زیادہ بڑھے چڑھے ہوئے اپنی قدرت کے نمونے پیش کررہا ہے کہ آسمان کو دیکھو اس کی بناوٹ پر غور کرو اس کے روشن ستاروں کو دیکھو اور دیکھو کہ اتنے بڑے آسمان میں ایک سوراخ، ایک چھید، ایک شگاف، ایک دراڑ نہیں چنانچہ سورہ تبارک میں فرمایا آیت (اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ،الملک:3)، اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کیے تو اللہ کی اس صفت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر بار بار غور کر اور دیکھ تیری نگاہ نامراد اور عاجز ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ق، بیروت)

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِیْجٍ ۝ۙ
اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں ہم نے بہت بھاری پہاڑ رکھے اور ہم نے اس میں ہر قسم کے خوش نما پودے اُگائے۔

اثبات زمین کیلئے پہاڑوں کو بنانے کا بیان

"وَالْأَرْض" مَعْطُوف عَلَی مَوْضِع إِلَی السَّمَاء کَیْفَ "مَدَدْنَاهَا" دَحَوْنَاهَا عَلَی وَجْه الْمَاء "وَأَلْقَیْنَا فِیهَا رَوَاسِیَ" جِبَالًا تُثَبِّتهَا "وَأَنْبَتْنَا فِیهَا مِنْ کُلّ زَوْج" صِنْف "بَهِیج" یُبْهِج بِهِ لِحُسْنِهِ،

اور اسی طرح ہم نے زمین کو پھیلایا یہاں پر لفظ الارض کا الی سماء کے محل پر عطف ہے۔ ہم نے اس کو پانی پر کس طرح پھیلا رکھا ہے۔ اور اس میں ہم نے بہت بھاری پہاڑ رکھے یعنی ایسے پہاڑ جو اس کو ثابت رکھتے ہیں۔ اور ہم نے اس میں ہر قسم کے خوش نما پودے اُگائے۔ کہ ان کی خوبصورتی سے خوشی حاصل کی جائے۔

پھر فرمایا زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور بچھا دیا اور اس میں پہاڑ جما دیئے تا کہ ہل نہ سکے کیونکہ وہ ہر طرف سے پانی سے گھری ہوئی ہے اور اس میں ہر قسم کی کھیتیاں پھل سبزے اور قسم قسم کی چیزیں اگا دیں جیسے اور جگہ ہے ہر چیز کو ہم نے جوڑ جوڑ پیدا کیا تا کہ تم نصیحت و عبرت حاصل کرو۔ (بھیج) کے معنی خوشنما، خوش منظر، بارونق۔ پھر فرمایا آسمان و زمین اور ان کے علاوہ قدرت کے اور

نشانات دانائی اور بینائی کا ذریعہ ہیں ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے ڈرنے والا اور اللہ کی طرف رغبت کرنے والا ہو۔

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ○ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ○
ہر اس بندے کو دکھانے اور یاد دلانے کے لیے جو رجوع کرنے والا ہے۔اور ہم نے آسمان سے ایک بہت بابرکت
پانی اتارا، پھر ہم نے اس کے ساتھ باغات اور کاٹی جانے والی کے دانے اگائے۔

اہل بصیرت کیلئے زمین وآسمان کے عجائب کا بیان

"تَبْصِرَةً" مَفْعُول لَهُ أَيْ فَعَلْنَا ذٰلِكَ تَبْصِيرًا مِنَّا "وَذِكْرٰى" تَذْكِيرًا "لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ" رَجَّاعٍ إِلَى طَاعَتِنَا،

"وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا" كَثِيرَ الْبَرَكَةِ "فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ" بَسَاتِينَ "وَحَبَّ" الزَّرْعِ "الْحَصِيدِ" الْمَحْصُودِ،

یہاں پر لفظ تبصرۃ یہ مفعول لہ ہے۔ ہر اس بندے کو دکھانے اور یاد دلانے کے لیے جو رجوع کرنے والا ہے۔یعنی جو ہماری اطاعت کی جانب رجوع کرنے والا ہے۔اور ہم نے آسمان سے ایک بہت بابرکت پانی اتارا،یعنی جس میں کثیر برکت ہے۔پھر ہم نے اس کے ساتھ باغات اور کاٹی جانے والی کھیتی کے دانے اگائے

نفع دینے والا پانی برسانے سے استدلال قدرت کا بیان

پھر فرماتا ہے ہم نے نفع دینے والا پانی آسمان سے برسا کر اس سے باغات بنائے اور وہ کھیتیاں بنائیں جو کاٹی جاتی ہیں اور جن کے اناج کھلیان میں ڈالے جاتے ہیں اور اونچے اونچے کھجور کے درخت اگا دیئے جو بھرپور میوے لادتے اور لدے رہتے ہیں یہ مخلوق کی روزیاں ہیں اور اسی پانی سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کر دیا وہ لہلہانے لگی اور خشکی کے بعد تر و تازہ ہوگئی۔اور چٹیل سوکھے میدان سرسبز ہوگئے یہ مثال ہے موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی اور ہلاکت کے بعد آباد ہونے کی یہ نشانیاں جنہیں تم روزمرہ دیکھ رہے ہو کیا تمہاری رہبری اس امر کی طرف نہیں کرتیں ؟ کہ اللہ مردوں کے جلانے پر قادر ہے چنانچہ اور آیت میں ہے آیت (لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ، غافر:57)یعنی آسمان وزمین کی پیدائش انسانی پیدائش سے بہت بڑی ہے اور آیت میں ہے آیت (اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يُّـحْيِۦ الْمَوْتٰى بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، الاحقاف:33)یعنی کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کر دیا اور ان کی پیدائش سے نہ تھکا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو جلادے؟ بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے آیت (وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ،فصلت:39)،یعنی تو دیکھتا ہے کہ

زمین بالکل خشک اور بنجر ہوتی ہے ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں جس سے وہ لہلہانے اور پیداوار اگانے لگتی ہے کیا یہ میری قدرت کی نشانی نہیں بتاتی؟ کہ جس ذات نے اسے زندہ کر دیا وہ مردوں کے جلانے پر بلاشک وشبہ قادر ہے یقیناً وہ تمام تر چیزوں پر قدرت رکھتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ق، بیروت)

(10) وَالنَّخلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلعٌ نَضِيدٌ (11) رِزْقًا لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ

وَالنَّخلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلعٌ نَّضِيدٌ○ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ط كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ○
اور کھجوروں کے درخت لمبے لمبے، جن کے تہ بہ تہ خوشے ہیں۔ بندوں کو روزی دینے کے لیے اور ہم نے
اس کے ساتھ ایک مردہ شہر کو زندہ کر دیا، اسی طرح نکلنا ہے۔

نباتات کی خلقت سے استدلالِ بعث کا بیان

"وَالنَّخل بَاسِقَات" طِوَالًا حَال مُقَدَّرَة "لَهَا طَلْع نَضِيد" مُتَرَاكِب بَعْضه فَوْق بَعْض "رِزْقًا لِلْعِبَادِ" مَفْعُول لَهُ "وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلَدًا مَيْتًا" يَسْتَوِي فِيهِ الْمُذَكَّر وَالْمُؤَنَّث "كَذَلِكَ" أَيْ مِثْل هَذَا الْإِحْيَاء "الْخُرُوج" مِنْ الْقُبُور فَكَيْفَ تُنْكِرُونَهُ وَالِاسْتِفْهَام لِلتَّقْرِيرِ وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ نَظَرُوا وَعَلِمُوا مَا ذُكِرَ،

اور کھجوروں کے درخت لمبے لمبے، یہاں پر لفظ طوالا یہ حال مقدرہ ہے۔ جن کے تہ بہ تہ خوشے ہیں۔ یعنی وہ آپ میں جڑے ہوئے ہیں۔ یہاں پر لفظ رزقا یہ مفعول لہ ہے۔ بندوں کو روزی دینے کے لیے اور ہم نے اس کے ساتھ ایک مردہ شہر کو زندہ کر دیا، اسی طرح نکلنا ہے۔ جس میں تذکیر وتانیث برابر ہے۔ اسی طرح اس زندگی کی مثال ہے کہ جب قبروں سے نکالا جائے گا۔ لہٰذا وہ اس کا انکار کیسے کر سکتے ہیں۔ اور یہ استفہام تقریری ہے۔ اور معنی یہ ہے جب انہوں نے غور کیا اور سمجھ لیا ہے جو ذکر کیا گیا ہے۔

نباتات کی روئیدگی سے بعث بعد الموت پر دلیل کا بیان

عرب کے اور بالخصوص مکہ اور اس کے اردگرد کے پہاڑ سخت خشک قسم کے پہاڑ ہیں جہاں کوئی ہریاول نظر نہیں آتی۔ شدید گرمی پڑتی ہے اور وہاں کچھ علاقے ایسے بھی ہیں جہاں کئی کئی سال بارش نہیں ہوتی۔ لیکن جب بارش ہوتی ہے تو وہاں بھی کچھ نہ کچھ سبزہ اگ آتا ہے۔ گھاس اگ آتی ہے اور حشرات الارض بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ میدانی علاقوں میں تو یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ شاید وہاں پچھلے سال کی گھاس کی جڑیں کچھ نہ کچھ باقی رہ گئی ہوں گی یا کوئی نہ کوئی زمینی کیڑا ہی کسی پناہ گاہ میں پناہ لے کر بچ گیا ہوگا اور بارش میں اس کی نسل پھلنے پھولنے لگی ہوگی یا کسی درخت کا بیج ہی زمین میں پڑا ہوگا اور اس میں ابھی زندگی کی رمق باقی ہوگی اور بارش ہونے پر وہ اگ آیا ہوگا۔ لیکن ایسے علاقے جو سخت گرم اور پتھریلے ہیں۔ وہاں تو کسی بیج یا زمینی کیڑے کے اگلی بارش کے موسم تک

زندہ رہ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آخر ایسے علاقوں میں حشرات الارض یا نباتات کہاں سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ نباتات اور حشرات الارض کے بیج کے بغیر بھی یہ چیزیں زمین سے برآمد کر سکتا ہے۔ تو یقیناً ہزار ہا برس کے مرے ہوئے اور زمین میں ملے ہوئے انسانوں کو بھی زندہ کر کے زمین سے نکال سکتا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ○ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ○ لا
وَاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ط كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ○
ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا اور کنویں والوں نے اور ثمود نے۔ اور عاد اور فرعون نے اور لوط کے بھائیوں نے،
اور درختوں کے جھنڈ والوں نے اور تبع کی قوم نے، ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرے عذاب کا وعدہ ثابت ہو گیا۔

سابقہ اقوام کفر کی تکذیب اور قریش کفار کی تکذیب کا بیان

"كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ" تَأْنِيثُ الْفِعْلِ بِمَعْنَى قَوْمٍ "وَأَصْحَابُ الرَّسِّ" هِيَ بِئْرٌ كَانُوا مُقِيمِينَ عَلَيْهَا بِمَوَاشِيهِمْ يَعْبُدُونَ الْأَصْنَامَ وَنَبِيُّهُمْ : قِيلَ حَنْظَلَةُ بْنُ صَفْوَانَ وَقِيلَ غَيْرُهُ "وَثَمُودُ" قَوْمُ صَالِحٍ "وَعَادٌ" قَوْمُ هُودٍ،

"وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ" الْغَيْضَةِ قَوْمُ شُعَيْبٍ "وَقَوْمُ تُبَّعٍ" هُوَ مَلِكٌ كَانَ بِالْيَمَنِ أَسْلَمَ وَدَعَا قَوْمَهُ إِلَى الْإِسْلَامِ فَكَذَّبُوهُ "كُلٌّ" مِنَ الْمَذْكُورِينَ "كَذَّبَ الرُّسُلَ" كَقُرَيْشٍ "فَحَقَّ وَعِيدِ" وَجَبَ نُزُولُ الْعَذَابِ عَلَى الْجَمِيعِ فَلَا يَضِيقُ صَدْرُكَ مِنْ كُفْرِ قُرَيْشٍ بِكَ،

ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا یہاں پر لفظ نوح کے فعل کو مؤنث اس لئے لایا گیا کیونکہ قوم مؤنث ہے۔ اور کنویں والوں نے یعنی وہ کنواں جہاں وہ اپنے مویشیوں کے ساتھ رہتے تھے۔ اور وہ بتوں کو پوجا کرتے تھے اور کہا گیا ہے کہ ان کے نبی حنظلہ بن صفوان اور ان کے علاوہ بھی کہا گیا ہے۔ اور ثمود نے جو حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی۔ اور عاد جو ہود علیہ السلام کی قوم تھی۔ اور فرعون نے اور لوط کے بھائیوں نے، اور درختوں کے جھنڈ والوں نے جو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی۔ اور تبع کی قوم نے، تبع یہ یمن کا بادشاہ تھا اس نے اسلام قبول کیا اور جب اس نے اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلایا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ ان سب یعنی مذکورہ افراد نے رسولوں کو جھٹلایا جس طرح قریش نے تکذیب کی ہے۔ تو میرے عذاب کا وعدہ ثابت ہو گیا۔ یعنی عذاب کا نازل کرنا ان پر سب پر لازم ہو گیا۔ لہٰذا آپ کے سینہ مبارک میں قریش کے کفر کی وجہ سے مشکل نہ آئے۔

اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو ان عذابوں سے ڈرا رہا ہے جو ان جیسے جھٹلانے والوں پر ان سے پہلے آ چکے ہیں جیسے کہ نوح کی قوم جنہیں اللہ تعالیٰ نے پانی میں غرق کر دیا اور اصحاب رس جن کا پورا قصہ سورہ فرقان کی تفسیر میں گذر چکا ہے اور ثمود اور عاد اور امت لوط جسے زمین میں دھنسا دیا اور اس زمین کو سڑا ہوا دلدل بنا دیا یہ سب کیا تھا؟ ان کے کفر، ان کی سرکشی، اور مخالفت حق کا نتیجہ تھا اصحاب ایکہ

سے مراد قوم شعیب ہے علیہ الصلوۃ والسلام اور قوم تبع سے مراد یمانی ہیں، سورہ دخان میں ان کا واقعہ بھی گزر چکا ہے اور وہیں اس کی پوری تفسیر ہے یہاں دوہرانے کی ضرورت نہیں۔

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ط بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ٥
تو کیا ہم پہلی دفعہ پیدا کرنے کے ساتھ تھک کر رہ گئے ہیں؟ بلکہ وہ ایک نئے پیدا کیے جانے کے متعلق شک میں مبتلا ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا تھکاوٹ سے پاک ہونے کا بیان

"أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّل" أَيْ لَمْ نَعْيَ بِهِ فَلَا نَعْيَا بِالْإِعَادَةِ "بَلْ هُمْ فِي لَبْس" شَكّ "مِنْ خَلْق جَدِيد" وَهُوَ الْبَعْث،

تو کیا ہم پہلی دفعہ پیدا کرنے کے ساتھ تھک کر رہ گئے ہیں؟ پس ہم نہ پہلے تھکے ہیں اور نہ آئندہ پیدا کر کے تھکیں گے۔ بلکہ وہ ایک نئے پیدا کیے جانے کے متعلق شک میں مبتلا ہیں۔ اور وہ دوبارہ زندہ ہونا ہے۔

یعنی دوبارہ نئے سرے سے پیدا کرنے میں انہیں فضول دھوکا لگ رہا ہے۔ جس نے پہلی بار پیدا کیا دوسری مرتبہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے؟ کیا یہ گمان کرتے ہو کہ (معاذ اللہ) وہ پہلی دفعہ دنیا کو بنا کر تھک گیا ہوگا؟ اس قادر مطلق کی نسبت ایسے توہمات قائم کرنا سخت جہالت اور گستاخی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ٥
اور بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم ان وسوسوں کو جانتے ہیں جو اس کا نفس ڈالتا ہے۔
اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

اللہ تعالیٰ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَان وَنَعْلَم" حَال بِتَقْدِيرِ نَحْنُ "مَا" مَصْدَرِيَّة "تُوَسْوِس" تُحَدِّث "بِهِ" الْبَاء زَائِدَة وَالضَّمِير لِلْإِنْسَانِ "وَنَحْنُ أَقْرَب إِلَيْهِ" بِالْعِلْمِ "مِنْ حَبْل الْوَرِيد" الْإِضَافَة لِلْبَيَانِ وَالْوَرِيدَانِ عِرْقَانِ بِصَفْحَتَيْ الْعُنُق،

اور بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے یہاں پر لفظ نعلم یہ نحن کی تقدیر سے حال ہے۔ اور ما مصدر یہ ہے۔ اور ہم ان وسوسوں کو بھی جانتے ہیں جو اس کا نفس اس کے دل و دماغ میں ڈالتا ہے۔ یہاں پر بہ میں باء زائدہ ہے اور ضمیر انسان کی جانب لوٹنے والی ہے اور ہم علم کے اعتبار سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ یہاں پر اضافت بیانیہ ہے۔ اور ورید سے مراد گردن کی دو رگیں ہیں۔

شیطان کا خون کی طرح انسانی رگوں میں گردش کرنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے اندر شیطان اس طرح دوڑتا پھرتا ہے جیسے رگوں میں خون گردش کرتا رہتا ہے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم ،مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 64)

مطلب یہ کہ شیطان انسان کو بہکانے کی کامل قدرت رکھتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ مختلف صورتوں میں اچھے انسانوں اور نیک بندوں کو نیکی و بھلائی کے راستہ پر چلنے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے بلکہ انسان کی داخلی کائنات میں گھس کر اس کے ذہن وفکر اور اس کے قلب ودماغ کو پراگندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے قرب کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اس کو اس جیسی دس نیکیون کے برابر ثواب ملتا ہے اور اس سے بھی زیادہ دیتا ہوں جس کو چاہتا ہوں اس کو اس سے صدق واخلاص کے مطابق سات سوگنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب دیتا ہوں جو شخص کوئی برائی کرتا ہے تو اس کو اسی برائی کے برابر سزا ملتی ہے یا میں اسے بھی معاف کردیتا ہوں۔ جو شخص اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعے ایک بالشت (یعنی بقدر قلیل) میری طرف آتا ہے تو میں ایک گز اس کی طرف آتا ہوں (یعنی میں اس کی توجہ والتفات سے کہیں زیادہ اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھولتا ہوں) جو شخص میری طرف ایک گز آتا ہے میں اس کی جانب دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کے برابر بڑھتا ہوں۔

جو شخص میری طرف اپنی چال سے آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں اور جو شخص زمین کے برابر بھی گناہ لے کر مجھ سے ملے گا بشرطیکہ اس نے میرے ساتھ شریک نہ کیا ہو یعنی شرک میں مبتلا نہ ہو تو اگر میں چاہوں گا تو اس کو زمین کے برابر ہی مغفرت عطا کروں گا۔ (مسلم ،مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 786)

اللہ تعالیٰ کتنا رحیم وکریم ہے اس کی رحمت کتنی وسیع ہے اپنے بندوں پر وہ کتنا مہربان ہے اس کی شان عفو کسی قدر بے پایاں ہے اور اس کا فضل کس قدر بے کراں ہے اس کا ایک ہلکا سا اندازہ اس حدیث سے ہو جاتا ہے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر بندہ اللہ کی طرف تھوڑی سی بھی توجہ اور رجوع کرتا ہے تو اس کی طرف بارگاہ الٰہی سے اس کی توجہ کہیں زیادہ توجہ، التفات اور رحمت اس کی طرف منعطف ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے ولی کو ایذاء پہنچاتا ہے تو میں اس کے ساتھ اپنی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں اور میرا کوئی بندہ مومن میرا تقرب (اعمال میں سے) ایسی کسی چیز کے ذریعہ حاصل نہیں کرتا جو میرے نزدیک ہو جیسے ادائیگی فریضہ کے ذریعہ میرا تقرب حاصل ہے ہمیشہ نوافل کے ذریعے (یعنی ان طاعات وعبادات کے ذریعہ جو فرائض کے علاوہ اور فرائض سے زائد ہیں میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا دوست بنا لیتا ہوں۔ (کیونکہ وہ فرائض ونوافل دونوں کو اختیار کرتا ہے) اور جب میں اسے اپنا دوست بنا لیتا

ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ سنتا ہے میں اس کی بینائی بن جاتا ہوں وہ اسی کے ذریعہ دیکھتا ہے میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ پکڑتا ہے میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور وہ برائیوں اور مکروہات سے میری پناہ چاہتا ہے۔

تو میں اسے پناہ دیتا ہوں اور جس کام کو میں کرنے والا ہوں اس میں اس طرح تردد نہیں کرتا جس طرح کہ میں بندہ مومن کی جان قبض کرنے میں تردد کرتا ہوں کیونکہ وہ موت کو پسند نہیں کرتا حالانکہ اس کی ناپسندیدگی کو میں ناپسند کرتا ہوں اور موت سے کسی حال میں مفر نہیں ہے۔ (بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 787)

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ۝
جب دو لینے والے لے لیتے ہیں جو دائیں طرف اور بائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ کوئی بھی بات
نہیں بولتا مگر اس کے پاس ایک تیار نگران ہوتا ہے۔

کراما کاتبین کا نامہ اعمال کو لکھ لینے کا بیان

"إِذْ" مَنْصُوبَة بِاذْكُرْ مُقَدَّرًا "يَتَلَقَّى" يَأْخُذ وَيُثْبِت "الْمُتَلَقِّيَانِ" الْمَلَكَانِ الْمُوَكَّلَانِ بِالْإِنْسَانِ مَا يَعْمَلهُ "عَنِ الْيَمِين وَعَنِ الشِّمَال" مِنْهُ "قَعِيد" أَيْ قَاعِدَانِ وَهُوَ مُبْتَدَأ خَبَره مَا قَبْله، "مَا يَلْفِظ مِنْ قَوْل إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيب" حَافِظ "عَتِيد" حَاضِر وَكُلّ مِنْهُمَا بِمَعْنَى الْمُثَنَّى،

یہاں پر لفظ اذ یہ اذکر مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور یتلقی کا معنی یأخذ اور یثبت ہے۔ جب دو لینے والے فرشتے اس کے ہر قول و فعل کو تحریر میں لے لیتے ہیں یعنی جو وہ عمل کرتا ہے۔ جو دائیں طرف اور بائیں طرف بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں پر قعید جو قاعدان کے معنی میں مبتداء ہے اور اس کا ماقبل اس کی خبر ہے۔ وہ کوئی بھی بات نہیں بولتا مگر اس کے پاس ایک تیار نگران ہوتا ہے۔

یہاں پر عتید اور قعید یہ دونوں تثنیہ کے معنی میں ہیں۔

دائیں جانب تھوکنے ممانعت اور کراما کاتبین کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی آدمی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے سامنے نہ تھوکے اس لئے کہ وہ جب تک نماز کی حالت میں ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے مناجات (سرگوشی) کرتا ہے اور اسے اپنے دائیں طرف بھی نہیں تھوکنا چاہیے کیونکہ دائیں طرف ایک فرشتہ ہوتا ہے ہاں بائیں طرف یا قدموں کے نیچے تھوک لے اور پھر اسے زمین میں دبا دے۔ ابوسعید کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ بلکہ اپنے بائیں قدم کے نیچے تھوک لے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 675)

اس حدیث میں نمازی کو اس آدمی سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہو کر اس سے سرگوشی کرتا ہے لہٰذا جس

طرح اس موقع پر وہ آدمی اپنے مالک کی عزت احترام کے تمام آداب کو ملحوظ رکھتا ہے اسی طرح نمازی کے لئے بھی واجب ہے کہ جب وہ اپنے پروردگار حقیقی کے سامنے نماز کے لئے کھڑا ہو تو حضوری کے تمام شرائط و آداب کو پورا پورا خیال رکھے۔ اور اس سلسلے میں ایک اہم ادب یہ ہے کہ اپنے سامنے نہ تھوکے، گو رب قدوس کی ذات پاک جہت و سمت کی قیود سے پاک ہے تاہم سامنے نہ تھوکنے کی قید لگا کر آداب حضوری کے راستے سے روشناس کرایا جا رہا ہے کہ پروردگار عالم کے دربار میں حاضری کے وقت ایسا کوئی طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ جو رب ذوالجلال کی شان وعظمت و کبریائی کی منافی ہو۔ "فرشتے" سے مراد یا کراما کاتبین کے علاوہ وہ فرشتہ ہے جو خاص طور پر نماز کے وقت نمازی کی تائید اور اس کی رہبری اور اس کی دعا پر آمین کہنے کے لئے حاضر ہوتا ہے لہٰذا نمازی پر واجب ہے کہ اس فرشتے کی مہمانی کا خیال کرتے ہوئے کراما کاتبین سے زیادہ اس کا اکرام و احترام کرے کیونکہ کراما کاتبین تو ہر وقت ہی ساتھ رہتے ہیں اور اس کے اکرام و احترام کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ دوران نماز اپنی دائیں طرف نہ تھوکے کہ یہ فرشتہ اسی سمت رہتا ہے۔ یا پھر "فرشتے" سے مراد کراماً کاتبین ہے کہ اس صورت میں کہا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دائیں طرف تھوکنے سے اس لئے منع فرمایا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ دائیں طرف کا فرشتہ جو بندے کے نیک اعمال لکھنے پر مقرر ہے بائیں طرف کے فرشتے سے جو بندہ کے برے اعمال لکھنے پر متعین ہے رتبے کے اعتبار سے زیادہ افضل ہے جس طرح کہ دائیں سمت بائیں سمت سے افضل ہوتی ہے یا رحمت کا فرشتے عذاب کے فرشتہ سے زیادہ افضل ہوتا ہے۔

وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝ وَنُفِخَ
فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۝ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝
اور موت کی بے ہوشی حق کے ساتھ آئے گی۔ یہ ہے وہ جس سے تو بھاگتا تھا۔ اور صور پھونکا جائے گا، یہی وعید کا دن ہے۔
اور ہر شخص آئے گا، اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہی دینے والا ہے۔

قیامت کے دن فرشتوں کا ہانک کر لوگوں کو جمع کرنے کا بیان

"وَجَاءَتْ سَكْرَة الْمَوْت " غَمْرَته وَشِدَّته "بِالْحَقِّ" مِنْ أَمْر الْآخِرَة حَتَّى الْمُنْكِر لَهَا عِيَانًا وَهُوَ نَفْس الشِّدَّة "ذَلِكَ" أَيْ الْمَوْت "مَا كُنْت مِنْهُ تَحِيد" تَهْرَب وَتَفْزَع "وَنُفِخَ فِي الصُّور" لِلْبَعْثِ "ذَلِكَ" أَيْ يَوْم النَّفْخ "يَوْم الْوَعِيد" لِلْكُفَّارِ بِالْعَذَابِ،

"وَجَاءَتْ" فِيهِ "كُلّ نَفْس" إلَى الْمَحْشَر "مَعَهَا سَائِق" مَلَك يَسُوقهَا إلَيْهِ "وَشَهِيد" يَشْهَد عَلَيْهَا بِعَمَلِهَا وَهُوَ الْأَيْدِي وَالْأَرْجُل وَغَيْرهَا وَيُقَال لِلْكَافِرِ،

اور موت کی بے ہوشی یعنی اپنی شدت وسکرات حق کے ساتھ آئے گی۔ اور یہ امر آخرت ہے اور جو اس کا منکر ہے وہ بھی کھلی آنکھوں اس کو دیکھ لے گا۔ اور وہ نفس شدت ہے۔ یہ موت ہے وہ جس سے تو بھاگتا تھا۔ یعنی خوف زدہ ہوتا اور بھاگتا تھا۔ اور دوبارہ

زندہ کرنے کیلئے صور پھونکا جائے گا، یہی کفار کیلئے عذاب ہی وعید کا دن ہے۔ اور ہر شخص محشر کے دن آئے گا، اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا فرشتہ ہوگا اور ایک گواہی دینے والا جو اس کے عمل کی گواہی دے گا اور وہ اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ ہوں گے اور کفار سے کہا جائے گا۔

سکرات موت پر مدد طلب کرنے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سکرات الموت میں مبتلا تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک پیالہ رکھا ہوا تھا جس میں پانی تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیالہ میں اپنا ہاتھ ڈبوتے پھر اپنے چہرہ مبارک پر پھیرتے اور یہ فرماتے تھے۔ دعا (اللھم اعنی علی منکرات الموت او سکرات الموت) ۔ اے اللہ موت کی سخت دور کرنے کے ساتھ میری مدد فرما۔ "موت کی سختی" کے بجائے "موت کی شدت" فرماتے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 43)

سکرات الموت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھ کو پانی میں تر کر کے چہرہ مبارک پر اس لئے پھیرتے تھے تاکہ موت کی سختی اور شدت کی وجہ سے جو حرارت اور گرمی پیدا ہو گئی تھی اس میں تخفیف ہو جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کی سختی اور شدت کے بارہ میں علماء نے کئی وجہیں بیان کی ہیں ان میں سے ایک توجیہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سکرات الموت کی یہ کیفیت اس لئے طاری ہوئی تاکہ امت کے لوگ اس کے سبب سے اپنی موت کے بارہ میں زیادہ پریشان اور ہراساں نہ ہوں جب امتی یہ دیکھیں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح جسد مبارک سے جدائی حاصل کی تو وہ اپنے بارہ میں صبر کے دامن کو پکڑے رہیں گے جس کی وجہ سے ان کی جان کنی میں آسانی ہوگی۔

جو اس کے عملوں کی گواہی دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہانکنے والا فرشتہ ہوگا اور گواہ خود اس کا اپنا نفس۔ ضحاک کا قول ہے کہ ہانکنے والا فرشتہ ہے اور گواہ اپنے اعضائے بدن ہاتھ، پاؤں وغیرہ۔ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بَرسرِ منبر فرمایا کہ ہانکنے والا بھی فرشتہ ہے اور گواہ بھی فرشتہ۔ (تفسیر جمل، سورہ ق، بیروت)

لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ○
وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِيْدٌ ○ اَلْقِيَا فِیْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ○
بلاشبہ یقیناً تو اس سے بڑی غفلت میں تھا، سو ہم نے تجھ سے تیرا پردہ دور کر دیا، تو تیری نگاہ آج بہت تیز ہے۔ اور اس کا ساتھی
کہے گا یہ ہے وہ جو میرے پاس تیار ہے۔ جہنم میں پھینک دو، تم دونوں ہر زبردست ناشکرے کو، جو بہت عناد رکھنے والا ہے۔

دنیا کے غافل انسان کو موت کے وقت ساری غفلتیں دیکھا دی جائیں گی

"لَقَدْ كُنْتَ" "فِی الدُّنْيَا" "فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا" "النَّازِل بِكَ الْيَوْم" "فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ" "أَزَلْنَا

غَفۡلَتك بِمَا تُشَاهِدهُ الۡيَوۡم "فَبَصَرك الۡيَوۡم حَدِيد" حَادّ تُدۡرِك بِهِ مَا أَنۡكَرۡته فِي الدُّنۡيَا، "وَقَالَ قَرِينه" الۡمَلَك الۡمُوَكَّل بِهِ "هَذَا مَا" أَيۡ الَّذِي "لَدَيَّ عَتِيد" حَاضِر فَيُقَال لِمَالِكٍ، "أَلۡقِيَا فِي جَهَنَّم" أَيۡ : أَلۡقِ أَلۡقِ أَوۡ أَلۡقِيَن وَبِهِ قَرَأَ الۡحَسَن فَأُبۡدِلَتۡ النُّون أَلِفًا "كُلّ كَفَّار عَنِيد" مُعَانِد لِلۡحَقِّ،

بلاشبہ یقیناً تو دنیا میں اس سے بڑی غفلت میں تھا، پس آج کے دن یہ حکم لا کر ہم نے تجھ سے تیرا پردہ دور کر دیا، یعنی تجھ سے تیری غفلت کو دور کر دیا ہے جس کی وجہ سے تو خود اپنی نظروں سے اس مصیبت کو دیکھ رہا ہے۔ تو تیری نگاہ آج بہت تیز ہے۔ لہٰذا آج اسی کو دیکھ جس میں دنیا میں تو انکار کرتا تھا۔ اور اس کا ساتھی فرشتہ کہے گا یہ ہے وہ جو میرے پاس تیار ہے۔ یعنی دوزخ کے نگران فرشتے سے کہے گا کہ جہنم میں پھینک دو، تم دونوں فرشتے ہر زبردست ناشکرے کو، یہاں پر لفظ اُلقین کو نون خفیفہ کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور یہ حسن کی قرأت ہے کہ یہاں پر نون خفیفہ کو الف کے ساتھ بدلہ ہے۔ جو بہت عناد رکھنے والا ہے۔ یعنی جو حق کے ساتھ عناد رکھنے والا ہے۔

ہمارے اعمال کے گواہ ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ جو فرشتہ ابن آدم کے اعمال پر مقرر ہے وہ اس کے اعمال کی شہادت دے گا اور کہے گا کہ یہ ہے میرے پاس تفصیل بلاکم وکاست حاضر ہے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں یہ اس فرشتے کا کلام ہوگا جسے سائق کہا گیا ہے جو اس کو محشر میں لے آیا تھا۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ وہ اس فرشتے پر بھی اور گواہی دینے والے فرشتے دونوں پہ مشتمل ہے اب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے فیصلے عدل وانصاف سے کرے گا۔ (القیا) تثنیہ کا صیغہ ہے بعض نحوی کہتے ہیں کہ بعض عرب واحد کو (تثنیہ) کر دیا کرتے ہیں جیسے کہ حجاج کا مقولہ مشہور ہے کہ وہ اپنے جلاد سے کہتا تھا (اضربا عنقہ) تم دونوں اس کی گردن مار دو حالانکہ جلاد ایک ہی ہوتا تھا۔ ابن جریر نے اسکی شہادت میں عربی کا ایک شعر بھی پیش کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ دراصل یہ نون تاکید ہے جس کی تسہیل الف کی طرف کر لی ہے لیکن یہ بعید ہے اس لئے کہ ایسا تو وقف کی حالت میں ہوتا ہے بظاہر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب اوپر والے دونوں فرشتوں سے ہوگا لانے والے فرشتے نے اسے حساب کے لئے پیش کیا اور گواہی دینے والے نے گواہی دے دی تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو حکم دے گا کہ اسے جہنمی آگ میں ڈال دو جو بدترین جگہ ہے اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہر کافر اور ہر حق کے مخالف اور ہر حق کے نہ ادا کرنے والے اور ہر نیکی صلہ رحمی اور بھلائی سے خالی رہنے والے اور ہر حد سے گذر جانے والے خواہ وہ مال کے خرچ میں اسراف کرتا ہو خواہ بولنے اور چلنے پھرنے میں اللہ کے احکام کی پرواہ نہ کرتا ہو اور ہر شک کرنے والے اور ہر اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے کے لئے یہی حکم ہے کہ اسے پکڑ کر سخت عذاب میں ڈال دو۔

پہلے حدیث گذر چکی ہے کہ جہنم قیامت کے دن لوگوں کے سامنے اپنی گردن نکالے گی اور با آواز بلند پکار کر کہے گی جسے تمام

محشر کا مجمع سنے گا کہ میں تین قسم کے لوگوں پر مقرر کی گئی ہوں ہر سرکش حق کے مخالف کے لئے اور ہر مشرک کے لئے اور ہر تصویر بنانے والے کے لئے پھر وہ ان سب سے لپٹ جائے گی۔ مسند کی حدیث میں تیسری قسم کے لوگ وہ بتائے ہیں جو ظالمانہ قتل کرنے والے ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ق، بیروت)

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ۝ نِ الَّذِىْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰـهُ
فِى الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ۝ قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰـكِنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ ۢ بَعِيْدٍ ۝
جو نیکی سے روکنے والا ہے، حد سے بڑھ جانے والا ہے، شک کرنے اور ڈالنے والا ہے۔ جس نے اللہ کے ساتھ
دوسرا معبود ٹھہرا رکھا تھا سو تم اسے سخت عذاب میں ڈال دو۔ اس کا ساتھی کہے گا، اے ہمارے رب! اسے
میں نے گمراہ نہیں کیا بلکہ یہ پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا تھا۔

شیطان کا لوگوں کو اپنی جانب بلا کر گمراہ کرنے کا بیان

"مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ" كَالزَّكَاةِ "مُعْتَدٍ" ظَالِم "مُرِيب" شَاكّ فِي دِينه "الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللّٰه إِلٰهًا آخَر" مُبْتَدَأ ضُمِّنَ مَعْنَى الشَّرْط خَبَره "فَأَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَاب الشَّدِيد" تَفْسِيره مِثْل مَا تَقَدَّمَ "قَالَ قَرِينه" الشَّيْطَان "رَبّنَا مَا أَطْغَيْته" أَضْلَلْته "وَلٰكِنْ كَانَ فِي ضَلَال بَعِيد" فَدَعَوْته فَاسْتَجَابَ لِي وَقَالَ هُوَ أَطْغَانِي بِدُعَائِهِ لَهُ،

جو نیکی سے روکنے والا ہے، حد سے بڑھ جانے والا ظالم ہے، دین میں شک کرنے والا جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہرا رکھا تھا سو تم اسے سخت عذاب میں ڈال دو۔ یہاں پر مبتداء معنی شرط کو لازم کیے ہوئے ہے۔ اور فالقیاہ اس کی خبر ہے۔ اور عذاب ڈالنے والا ہے۔ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ اب اس کا دوسرا ساتھی شیطان کہے گا: اے ہمارے رب! اسے میں نے گمراہ نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا تھا۔ جب میں نے اس کو بلایا تو اس نے میری بات کو تسلیم کر لیا۔ جبکہ کافر نے کہا کہ اسی نے مجھے اپنی جانب بلا کر گمراہ کیا ہے۔

قیامت کے دن شیطان کا گمراہی کو گمراہ کی جانب منسوب کرنے کا بیان

پھر فرمایا اس کا ساتھی کہے گا اس سے مراد شیطان ہے جو اس کے ساتھ موکل تھا یہ اس کافر کو دیکھ کر اپنی برات کرے گا اور کہے گا کہ میں نے اسے نہیں بہکایا بلکہ یہ تو خود گمراہ تھا باطل کو از خود قبول کر لیتا تھا حق کا اپنے آپ مخالف تھا جیسے دوسری آیت میں ہے کہ شیطان جب دیکھے گا کہ کام ختم ہوا تو کہے گا اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں تو وعدہ خلاف ہوں ہی میرا کوئی زور تو تم پر تھا ہی نہیں میں نے تم سے کہا تم نے فوراً مان لیا اب مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنی جانوں کو ملامت کرو نہ میں تمہیں کام دے سکوں گا نہ تم میرے کام آ سکو تم جو مجھے شریک بنا رہے تھے تو میں پہلے ہی سے ان کا انکاری تھا ظالموں کے لئے المناک عذاب ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ

انسان سے اور اس کے ساتھی شیطان سے فرمائے گا کہ میرے سامنے نہ جھگڑو کیونکہ انسان کہہ رہا ہوگا کہ اللہ اس نے مجھے جبکہ میرے پاس نصیحت آ چکی گمراہ کر دیا اور شیطان سے کہے گا اللہ میں نے اسے گمراہ نہیں کیا۔

تو اللہ انہیں تو تو میں میں سے روک دے گا اور فرمائے گا میں تو اپنی حجت ختم کر چکا رسولوں کی زبانی یہ سب باتیں تمہیں سنا چکا تھا تمہیں کتابیں بھیج دی تھیں اور ہر ہر طریقہ سے ہر طرح سے تمہیں سمجھا بجا دیا تھا۔ ہر شخص پر اتمام حجت ہو چکی اور ہر شخص اپنے گناہوں کا آپ ذمہ دار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ق، بیروت)

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْکُمْ بِالْوَعِیْدِ۝ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَآ
اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ۝ یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ۝
فرمایا میرے پاس جھگڑا مت کرو، حالانکہ میں نے تو تمھاری طرف ڈرانے کا پیغام پہلے بھیج دیا تھا۔ میری بارگاہ میں فرمان بدلا نہیں
جاتا اور نہ ہی میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔ جس دن ہم جہنم سے کہیں گے کیا تو بھر گئی؟ اور وہ کہے گی کیا کچھ مزید ہے؟

قیامت کے دن کوئی کسی بھی ظلم کے نہ ہونے کا بیان

"قَالَ" تَعَالَی "لَا تَخْتَصِمُوا لَدَیَّ" أَیْ مَا یَنْفَع الْخِصَام هُنَا "وَقَدْ قَدَّمْت إلَیْکُمْ" فِی الدُّنْیَا "بِالْوَعِیدِ" بِالْعَذَابِ فِی الْآخِرَة لَوْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَا بُدّ مِنْهُ

"مَا یُبَدَّل" یُغَیَّر "الْقَوْل لَدَیَّ" فِی ذَلِكَ "وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِیدِ" فَأُعَذِّبهُمْ بِغَیْرِ جُرْم وَظَلَّام بِمَعْنَی ذِی ظُلْم لِقَوْلِهِ "لَا ظُلْم الْیَوْم"

"یَوْم" نَاصِبه ظَلَّام "نَقُول" بِالنُّونِ وَالْیَاء "لِجَهَنَّم هَلْ امْتَلَأْت" اسْتِفْهَام تَحْقِیق لِوَعْدِهِ بِمَلْئِهَا "وَتَقُول" بِصُورَةِ الِاسْتِفْهَام کَالسُّؤَالِ "هَلْ مِنْ مَزِید" أَیْ لَا أَسَع غَیْر مَا امْتَلَأْت بِهِ أَیْ قَدْ امْتَلَأْت،

فرمایا میرے پاس جھگڑا مت کرو، یعنی یہاں جھگڑنے کا تمہارا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ حالانکہ میں نے تو تمھاری طرف دنیا میں ڈرانے کا پیغام یعنی آخرت میں آنے والے عذاب کی وعید کو پہلے بھیج دیا تھا۔ کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو وہ عذاب لازمی طور پر تم پر آئے گا۔ میری بارگاہ میں فرمان بدلا نہیں جاتا اور نہ ہی میں بندوں پر ظلم کرنے والا ہوں۔ یعنی بغیر جرم کے سزا دینے والا نہیں ہوں اور لفظ ظلام بہ معنی ذی ظلم یعنی ظلم کرنے والا ہے۔ جبکہ آج کے دن کوئی ظلم نہ ہوگا۔ یہاں پر لفظ یوم کا ناصب ظلام ہے۔ اور لفظ نقول یہ نون اور یاء کے ساتھ بھی آیا ہے۔ جس دن ہم جہنم سے کہیں گے کیا تو بھر گئی؟ یہ استفہام تحقیقی بھرنے کے وعدے سے متعلق ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ استفہام کی صورت میں پوچھے گا جس طرح سوال کیا جاتا ہے۔ اور وہ کہے گی کیا کچھ مزید ہے؟ یعنی جتنے میں بھر گئی ہوں اس سے زیادہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

دوزخ کا زیادہ جہنمیوں کو طلب کرنے کا بیان

سیدنا انس کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "دوزخی دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو دوزخ یہی کہتی رہے گی کہ کچھ اور بھی ہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس پر رکھ دے گا اس وقت وہ کہے گی، بس بس (میں بھر گئی") (بخاری۔ کتاب التفسیر)

اور دوسرے یہ کہ جہنم اس دن اس قدر غیظ وغضب میں بھڑک رہی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے اس سوال پر وہ جواب دے گی کہ جتنے مجھ میں داخل ہونے کے مستحق ہیں سب کو لے آؤ میں آج کسی کو چھوڑوں گی نہیں۔

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ۝ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ
وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ۝ نِادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ۝
اور جنت پرہیز گاروں کے لیے قریب کر دی جائے گی، جو کچھ دور نہ ہوگی۔ یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر اس شخص کے لیے
جو بہت رجوع والا، خوب حفاظت کرنے والا ہو۔ جو رحمان سے بغیر دیکھے ڈر گیا اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔ اس میں سلامتی
کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یہی ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔ ان کے لیے جو کچھ وہ چاہیں گے اس میں ہوگا اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔

جنت کو اہل تقویٰ کے قریب کر دیئے جانے کا بیان

"وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّة" قُرِّبَتْ "لِلْمُتَّقِينَ" مَكَانًا "غَيْر بَعِيد" مِنْهُمْ فَيَرَوْنَهَا وَيُقَال لَهُمْ: "هَذَا الْمَرْئِيّ "مَا تُوعَدُونَ" بِالتَّاءِ وَالْيَاء فِي الدُّنْيَا وَيُبْدَل مِنْ لِلْمُتَّقِينَ قَوْله: "لِكُلِّ أَوَّاب" رَجَّاع إِلَى طَاعَة اللَّه "حَفِيظ" حَافِظ لِحُدُودِهِ،

"مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَن بِالْغَيْبِ" خَافَهُ وَلَمْ يَرَهُ "وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُنِيب" مُقْبِل عَلَى طَاعَته وَيُقَال لِلْمُتَّقِينَ أَيْضًا "اُدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ" سَالِمِينَ مِنْ كُلّ مَخُوف أَوْ مَعَ سَلَام أَيْ سَلِّمُوا وَادْخُلُوا "ذَلِكَ" الْيَوْم الَّذِي حَصَلَ فِيهِ الدُّخُول "يَوْم الْخُلُود" الدَّوَام فِي الْجَنَّة "لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيد" زِيَادَة عَلَى مَا عَمِلُوا وَطَلَبُوا،

اور جنت یعنی جنت کا مقام پرہیز گاروں کے لیے قریب کر دی جائے گی، جو کچھ دور نہ ہوگی۔ لہٰذا وہ اس کو دیکھیں گے اور ان سے کہا جائے گا یہی دیکھی جانے والی جنت ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا تھا، یہاں پر لفظ توعدون یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے اور متقین سے بدل ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کی طاعت کی جانب بہت رجوع والا، اس کی حدود کی خوب حفاظت کرنے والا ہو۔ جو رحمان سے بغیر دیکھے ڈر گیا یعنی اس نے رحمٰن کو دیکھا نہیں لیکن ڈر گیا۔ اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔ یعنی اطاعت کو قبول کرنے والا دل لے کر آیا۔ تو اہل تقویٰ سے کہا جائے گا کہ اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یعنی ہر قسم کے خوف سے سلامتی کے ساتھ یا سلام کے ساتھ یعنی سلام کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ۔ یہی ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔ جس میں دخول حاصل ہوا

ہے۔یعنی ہمیشہ جنت میں رہنا ہے۔ان کے لیے جو کچھ وہ چاہیں گے اس میں ہوگا اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔یعنی جس کا انہیں علم ہوا اور جس کو انہوں نے طلب کیا اس سے بھی زیادہ ہوگا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جنت اور دوزخ آپس میں تکرار کرنے لگیں۔دوزخ نے کہا کہ مجھ میں وہ لوگ آئیں گے جو متکبر اور جابر ہیں اور جنت کہے گی کہ مجھ میں تو کمزور اور ناتواں قسم کے لوگ داخل ہوں گے۔اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا: "تو میری رحمت ہے، میں تیری وجہ سے اپنے جن بندوں پر چاہوں گا رحمت کروں گا" اور دوزخ سے فرمایا: "تو میرا عذاب ہے، میں تیری وجہ سے اپنے جن بندوں کو چاہوں گا عذاب دوں گا۔

اور ان میں سے ہر ایک کو بھر دیا جائے گا۔دوزخ تو کسی طرح نہیں بھرے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا پاؤں اس پر رکھ دے گا۔تب وہ کہے گی کہ بس بس، اور بھر کر سمٹ جائے گی اور اللہ تعالیٰ اپنی کسی مخلوق پر ظلم نہیں کرے گا۔رہی جنت تو اسے پر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اور خلقت پیدا کر دے گا" (بخاری۔کتاب التفسیر)

اہل جنت کی خواہش کے مطابق عطاء ہونے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں اگر کسی شخص کو اولاد کی خواہش ہوگی تو حمل اور وضع حمل، پھر بچے کا بڑھنا یہ سب ایک ساعت میں ہو جائے گا۔ وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ، یعنی ہمارے پاس ایسی نعمتیں بھی ہیں جن کی طرف انسان کا وہم وخیال بھی نہیں جا سکتا اس لئے وہ ان کی خواہش بھی نہیں کر سکتا، حضرت انس اور جابر نے فرمایا کہ یہ مزید نعمت حق تعالیٰ کی زیارت بلا کیف ہے جو اہل جنت کو حاصل ہوگی، اس مضمون کی احادیث خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی آیت للذین احسنوا الحسنی و زیادة کی تفسیر میں روایت کی گئی ہے اور بعض روایات میں ہے کہ اہل جنت کو زیارت حق سبحانہ و تعالیٰ جمعہ کے روز ہوا کرے گی۔(تفسیر قرطبی، سورہ ق، بیروت)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝
اور ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی نسلیں ہلاک کر دیں، جو پکڑنے میں ان سے زیادہ سخت تھیں۔پس انھوں نے شہروں
کو چھان مارا، کیا بھاگنے کی کوئی جگہ ہے؟ بلاشبہ اس میں اس شخص کے لیے یقیناً نصیحت ہے جس کا کوئی دل ہو،
یا کان لگائے، اس حال میں کہ وہ (دل سے) حاضر ہو۔

کفار قریش سے پہلے کفار کی کثیر امم کی ہلاکتوں کا بیان

"وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلهمْ مِنْ قَرْن" أَيْ أَهْلَكْنَا قَبْل كُفَّار قُرَيْش قُرُونًا كَثِيرَة مِنْ الْكُفَّار "هُمْ أَشَدّ بَطْشًا" قُوَّة "فَنَقَّبُوا" فَتَّشُوا "فِي الْبِلَاد هَلْ مِنْ مَحِيص" لَهُمْ أَوْ لِغَيْرِهِمْ مِنْ الْمَوْت فَلَمْ

يَجِدُوا،

"إِنَّ فِي ذَلِكَ" الْمَذْكُور "لَذِكْرَى" لَعِظَة "لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْب" عَقْل "أَوْ أَلْقَى السَّمْع" اسْتَمَعَ الْوَعْظ "وَهُوَ شَهِيد" حَاضِر بِالْقَلْبِ،

اور ہم نے کفار قریش سے پہلے کتنی ہی نسلیں ہلاک کر دیں، جو کافروں کی کثیر امم تھیں۔ جو پکڑنے میں ان سے زیادہ سخت تھیں۔ پس انھوں نے شہروں کو چھان مارا، کیا ان کیلئے اور ان کے علاوہ دوسروں کیلئے بھاگنے کی کوئی جگہ ہے؟ تو انہوں نے کہیں کوئی جگہ نہ پائی۔ بلا شبہ اس میں یعنی مذکور میں اس شخص کے لیے یقیناً نصیحت ہے جس کا کوئی دل یعنی عقل ہو، یا کان لگائے تا کہ نصیحت کو سنے۔ اس حال میں کہ وہ دل سے حاضر ہو۔

ارشاد ہوتا ہے کہ یہ کفار تو کیا چیز ہیں؟ ان سے بہت زیادہ قوت وطاقت اور اسباب تعداد کے لوگوں کو اسی جرم پر ہم تہ وبالا کر چکے ہیں جنہوں نے شہروں میں اپنی یادگاریں چھوڑی ہیں زمین میں خوب فساد کیا۔ لمبے لمبے سفر کرتے تھے ہمارے عذاب دیکھ کر بچنے کی جگہ تلاش کرنے لگے مگر یہ کوشش بالکل بیسود تھی اللہ کی قضاوقدر اور اس کی پکڑ دھکڑ سے کون بچ سکتا تھا؟ پس تم بھی یادرکھو کہ جس وقت میرا عذاب آ گیا بغلیں جھانکتے رہ جاؤ گے اور بھوسی کی طرح اڑا دیئے جاؤ گے۔ ہر عقلمند کے لئے اس میں کافی عبرت ہے اگر کوئی ایسا بھی ہو جو سمجھ داری کے ساتھ دھیان لگائے وہ بھی اس میں بہت کچھ پا سکتا ہے یعنی دل کو حاضر کر کے کانوں سے سنے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا
اور ہمیں کسی قسم کی تھکاوٹ نے نہیں چھوا۔

ہفتہ کے روز آرام سے متعلق نظریہ یہود کی تردید کا بیان

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَاوَات وَالْأَرْض وَمَا بَيْنهمَا فِي سِتَّة أَيَّام" أَوَّلهَا الْأَحَد وَآخِرهَا الْجُمُعَة "وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوب" تَعَب نَزَلَ رَدًّا عَلَى الْيَهُود فِي قَوْلهمْ: إِنَّ اللَّه اسْتَرَاحَ يَوْم السَّبْت وَانْتِفَاء التَّعَب عَنْهُ لِتَنَزُّهِهِ تَعَالَى عَنْ صِفَات الْمَخْلُوقِينَ وَلِعَدَمِ الْمُمَاسَّة بَيْنه وَبَيْن غَيْره "إِنَّمَا أَمْره إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُول لَهُ كُنْ فَيَكُون"

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا یعنی ان کی تخلیق کا پہلا دن یوم الاحد جبکہ آخری دن جمعہ تھا۔ اور ہمیں کسی قسم کی تھکاوٹ نے نہیں چھوا۔ یہ آیت یہود کے رد میں نازل ہوئی کیونکہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے دن آرام کیا۔ یہاں اس بات کی نفی کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی صفات سے پاک ہے کیونکہ اس کے درمیان اور مخلوق کے درمیان کوئی مجانسبت ومناسبت وغیرہ نہیں ہے بلکہ وہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ لفظ کن کہہ دیتا تو وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔

یہود کے نظریہ راحت کی تردید کا بیان

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے آسمانوں کو زمین کو اور اسکے درمیان کی چیزوں کو چھ روز میں پیدا کر دیا اور وہ تھکا نہیں اس میں بھی موت کے بعد کی زندگی پر اللہ کے قادر ہونے کا ثبوت ہے کہ جو ایسی بڑی مخلوق کو اولاً پیدا کر چکا ہے اس پر مردوں کا جلانا کیا بھاری ہے؟ حضرت قتادہ کا فرمان ہے کہ ملعون یہود کہتے تھے کہ چھ دن میں مخلوق کو رچا کر خالق نے ساتویں روز آرام کیا اور یہ دن ہفتہ کا تھا اس کا نام ہی انہوں نے یوم الراحت رکھ چھوڑا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اس واہی خیال کی تردید کی کہ ہمیں تھکن ہی نہ تھی آرام کیسا؟ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ ق، بیروت)

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝
وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝
پس آپ ان باتوں پر جو وہ کہتے ہیں صبر کیجئے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے طلوع آفتاب سے پہلے اور
غروب آفتاب سے پہلے۔ اور رات کے بعض اوقات میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی۔

نمازوں کے اوقات میں حمد کے ساتھ تسبیح پڑھنے کا بیان

"فَاصْبِرْ" خِطَاب لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "عَلٰى مَا يَقُولُونَ" أَيْ الْيَهُود وَغَيْرهمْ مِنَ التَّشْبِيه وَالتَّكْذِيب "وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّك" صَلِّ حَامِدًا "قَبْل طُلُوع الشَّمْس" أَيْ صَلَاة الصُّبْح "وَقَبْل الْغُرُوب" أَيْ صَلَاة الظُّهْر وَالْعَصْر،
"وَمِنَ اللَّيْل فَسَبِّحْهُ" أَيْ صَلِّ الْعِشَاءَيْنِ "وَأَدْبَار السُّجُود" بِفَتْحِ الْهَمْزَة جَمْع دُبُر وَكَسْرهَا مَصْدَر أَدْبَرَ أَيْ صَلِّ النَّوَافِل الْمَسْنُونَة عَقِب الْفَرَائِض وَقِيلَ الْمُرَاد حَقِيقَة التَّسْبِيح فِي هٰذِهِ الْأَوْقَات مُلَابِسًا لِلْحَمْدِ،

پس آپ ان یعنی یہود وغیرہ کی باتوں پر جو وہ تشبیہ وتکذیب۔ کہتے ہیں صبر کیجئے، یہاں نبی کریم ﷺ سے خطاب ہے۔ اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے طلوع آفتاب سے پہلے یعنی نماز فجر اور غروب آفتاب سے پہلے۔ یعنی نماز ظہر اور عصر اور رات کے بعض اوقات میں بھی اس کی تسبیح کیجئے یعنی نماز مغرب وعشاء۔ اور نمازوں کے بعد بھی۔ یہاں پر لفظ ادبار یہ ہمزہ کے فتحہ جو دبر کی جمع ہے۔ اور کسرہ کے ساتھ بھی اُدبر مصدر ہے یعنی مسنون نوافل جو فرائض کے بعد ہوتے ہیں۔ اور کہا گیا ہے ان اوقات میں حمد کے ساتھ تسبیح پڑھنا مراد ہے۔

پھر فرمان ہوتا ہے کہ یہ جھٹلانے اور انکار کرنے والے جو کہتے ہیں اسے صبر سے سنتے رہو اور انہیں مہلت دو ان کو چھوڑ دو اور سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے اور رات کو اللہ کی پاکی اور تعریف کیا کرو۔ معراج سے پہلے صبح اور عصر کی نماز فرض تھی اور

رات کی تہجد آپ پر اور آپ کی امت پر ایک سال تک واجب رہی اس کے بعد رہی اس کے بعد آپ کی امت سے اس کا وجوب منسوخ ہو گیا اس کے بعد معراج والی رات پانچ نمازیں فرض ہوئیں جن میں فجر اور عصر کی نمازیں جوں کی توں رہیں۔ پس سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے مراد فجر کی اور عصر کی نماز ہے مسند احمد میں ہے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا تم اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور اسے اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو جس کے دیکھنے میں کوئی دھکا پیلی نہیں پس اگر تم سے ہو سکے تو خبردار سورج نکلنے سے پہلے کی اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نمازوں سے غافل نہ ہو جایا کرو، پھر آپ نے آیت (وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِهَا وَمِنۡ اٰنَآئِ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرۡضٰى، طٰہٰ:130) پڑھی یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

نماز فجر اور عصر کی زیادہ تاکید کا بیان

سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی کہتے ہیں کہ ایک رات ہم آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چاند کو دیکھا جو چودھویں رات کا تھا۔ عنقریب تم (جنت میں) اپنے پروردگار کو یوں بے تکلف دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو اور تمہیں کوئی تکلیف محسوس نہ ہوگی۔ پھر اگر تم ایسا کر سکو کہ تم سے طلوع آفتاب سے پہلے کی نماز (فجر) اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز (عصر) قضا نہ ہونے پائے تو ایسا ضرور کرو۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت پڑھی۔ (فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ، الحجر:98)

(بخاری۔ کتاب التفسیر)

نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ کی فضیلت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس مقصد سے حاضر ہوئیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی خادم مانگیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی ملاقات نہ ہو سکی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتادوں جو خادم سے بہتر ہے۔ (اور وہ یہ ہے) ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت سبحان اللہ تینتیس بار اور الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار پڑھ لیا کرو۔

(مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 920)

سونے کے وقت ان تسبیحات کا پڑھنا دن بھر کی مشقت ومحنت وکوفت اور ہر قسم کے رنج وغم کو دور کرتا ہے۔

وَاسۡتَمِعۡ يَوۡمَ يُنَادِ الۡمُنَادِ مِنۡ مَّكَانٍ قَرِيۡبٍ ۝ يَّوۡمَ يَسۡمَعُوۡنَ الصَّيۡحَةَ بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوۡمُ الۡخُرُوۡجِ ۝
اور خوب سن لیجئے جس دن ایک پکارنے والا قریبی جگہ سے پکارے گا۔ جس دن لوگ سخت چنگھاڑ کی آواز کو
بالیقین سنیں گے، یہی قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا۔

اسرافیل کالوگوں کو پکار کر جمع کرنے کا بیان

"وَاسْتَمِعْ" يَا مُخَاطَب مَقُولِي "يَوْم يُنَادِ الْمُنَادِ" هُوَ إِسْرَافِيل "مِنْ مَكَان قَرِيب" مِنْ السَّمَاء وَهُوَ صَخْرَة بَيْت الْمَقْدِس أَقْرَب مَوْضِع مِنْ الْأَرْض إِلَى السَّمَاء يَقُول : أَيَّتهَا الْعِظَام الْبَالِيَة وَالْأَوْصَال الْمُتَقَطِّعَة وَاللُّحُوم الْمُتَمَزِّقَة وَالشُّعُور الْمُتَفَرِّقَة إِنَّ اللَّه يَأْمُركُنَّ أَنْ تَجْتَمِعْنَ لِفَصْلِ الْقَضَاء

"يَوْم" بَدَل مِنْ يَوْم قَبْله "يَسْمَعُونَ" أَيْ الْخَلْق كُلّهمْ "الصَّيْحَة بِالْحَقِّ" بِالْبَعْثِ وَهِيَ النَّفْخَة الثَّانِيَة مِنْ إِسْرَافِيل وَيُحْتَمَل أَنْ تَكُون قَبْل نِدَائِهِ وَبَعْده "ذَلِكَ" أَيْ يَوْم النِّدَاء وَالسَّمَاع "يَوْم الْخُرُوج" مِنْ الْقُبُور وَنَاصِب يَوْم يُنَادِي مُقَدَّرًا أَيْ يَعْلَمُونَ عَاقِبَة تَكْذِيبهمْ.

اور اے مخاطب! اس دن کا حال خوب سن لیجئے جس دن ایک پکارنے والا قریبی جگہ سے پکارے گا۔ اور وہ اسرافیل ہوگا جو جو آسمان س قریبی جگہ پر پکارے گا۔ اور وہ بیت المقدس کا پتھر ہے جو زمین سے آسمان کی جانب قریبی مکان ہے۔ وہ کہے گا اے بوسیدہ ہو جانیوالی ہڈیو! اکھڑ جانے والے جوڑ واور ریزہ ریزہ ہونے والے گوشت اور بال، اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم آج کے دن جمع ہو جاؤ جو فیصلے کا دن ہے۔ یہاں پر لفظ یوم یہ ماقبل یوم سے بدل ہے۔ جس دن لوگ یعنی ساری مخلوق سخت چنگھاڑ کی آواز کو بالیقین سنیں گے، یہی بعث اور اسرافیل کا صور ثانی ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اس نداء سے پہلے ہوگا یا بعد میں ہوگا۔ یعنی نداء کا دن جو سنا جائے گا۔ یہی قبروں سے نکلنے کا دن ہوگا۔ یہاں پر لفظ یوم یہ ینادی کے مقدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی وہ اپنی تکذیب کے انجام عذاب کو جان لیں گے۔

جب ہم سب قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو حکم دے گا کہ بیت المقدس کے پتھر پر کھڑا ہو کر یہ آواز لگائے کہ اے سڑی گلی ہڈیو اور اے جسم کے متفرق اجزاء اللہ تمہیں جمع ہو جانے کا حکم دیتا ہے تا کہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے، پس مراد اس سے صور ہے یہ حق اس شک وشبہ اور اختلاف کو مٹا دے گا جو اس سے پہلے تھا یہ قبروں سے نکل کھڑے ہونے کا دن ہوگا ابتداءً یہ پیدا کرنا پھر لوٹانا اور تمام خلائق کو ایک جگہ لوٹا لانا یہ ہمارے ہی بس کی بات ہے۔

اس وقت ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ہم دیں گے تمام بھلائی برائی کا عوض ہر ہر شخص کو پالے گا زمین پھٹ جائے گی اور سب جلدی جلدی اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے مخلوقات کے بدن اگنے لگیں گے جس طرح کیچڑ میں پڑا ہوا دانہ بارش سے اگ جاتا ہے۔ جب جسم کی پوری نشو ونما ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم دے گا۔ تمام روحیں صور کے سوراخ میں ہوں گی ان کے صور پھونکتے ہی روحیں آسمان کے درمیان پھرنے لگ جائیں گی اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے عزت وجلال کی قسم ہر روح اپنے اپنے جسم میں چلی جائے جسے اس نے دنیا میں آباد رکھا تھا۔ پس ہر روح

اپنے اپنے اصلی جسم میں جا ملے گی اور جس طرح زہریلے جانور کا اثر چوپائے کے رگ وریشہ میں بہت جلد پہنچ جاتا ہے اس طرح اس جسم کے رگ وریشے میں فوراً روح دوڑ جائے گی اور ساری مخلوق اللہ کے فرمان کے ماتحت دوڑتی ہوئی جلد از جلد میدان محشر میں حاضر ہو جائے گی یہ وقت ہوگا جو کافروں پر بہت ہی سخت ہوگا۔ فرمان باری ہے آیت (يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا، الاسراء:52)، یعنی جس دن وہ تمہیں پکارے گا تم اس کی تعریفیں کرتے ہوئے جواب دو گے اور سمجھتے ہو گے کہ تم بہت ہی کم ٹھہرے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ق، بیروت)

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ۝ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ۝
بیشک ہم ہی زندہ رکھتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔ جس دن زمین ان سے پھٹے گی،
اس حال میں کہ وہ تیز دوڑنے والے ہوں گے، یہ ایسا اکٹھا کرنا ہے جو ہمارے لیے نہایت آسان ہے۔

زمین کے پھٹنے اور لوگوں کے تیز دوڑ کر جانے کا بیان

"يَوْم" بَدَل مِنْ يَوْم قَبْله وَمَا بَيْنهمَا اعْتِرَاض "تَشَقَّق" بِتَخْفِيفِ الشِّين وَتَشْدِيدهَا بِإِدْغَامِ التَّاء الثَّانِيَة فِي الْأَصْل فِيهَا "الْأَرْض عَنْهُمْ سِرَاعًا" جَمْع سَرِيع حَال مِنْ مُقَدَّر أَيْ فَيَخْرُجُونَ مُسْرِعِينَ "ذَلِكَ حَشْر عَلَيْنَا يَسِير" فِيهِ فَصْل بَيْن الْمَوْصُوف وَالصِّفَة بِمُتَعَلِّقِهَا لِلِاخْتِصَاصِ وَهُوَ لَا يَضُرّ وَذَلِكَ إِشَارَة إِلَى مَعْنَى الْحَشْر الْمُخْبَر بِهِ عَنْهُ وَهُوَ الْإِحْيَاء بَعْد الْفَنَاء وَالْجَمْع لِلْعَرْضِ وَالْحِسَاب،

بیشک ہم ہی زندہ رکھتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔

یہاں پر بھی لفظ یوم یہ ماقبل یوم سے بدل ہے۔ اور ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ اور لفظ تشقق یہ شین کے تخفیف اور تشدید کے ساتھ تائے ثانیہ کے ادغام کے ساتھ بھی آیا ہے۔ جس دن زمین ان سے پھٹے گی، یہاں پر لفظ سراعا یہ سریع کی جمع ہے۔ جو سراعا سے حال ہے۔ اور اس حال میں کہ وہ تیز دوڑنے والے ہوں گے، یہ ایسا اکٹھا کرنا ہے جو ہمارے لیے نہایت آسان ہے۔ اس میں موصوف اور صفت کے درمیان فصل موجود ہے جو اختصاص کیلئے ہے لہٰذا وہ نقصان دہ نہیں ہے۔ اور یہاں معنی حشر کی جانب اشارہ ہے۔ جو ذلک کا مخبر بہ ہے اور وہ فناء کے بعد زندہ کرنا ہے۔ اور حساب وکتاب کیلئے جمع کرنا ہے۔

ملک شام کی جانب دوڑنے کا بیان

جب زمین پھٹ کر یہ سب مردے نکل آئیں گے اور دوڑتے ہوں گے۔ حدیث سے معلوم ہے کہ یہ دوڑنا ملک شام کی طرف ہوگا، جہاں صخرہ بیت المقدس پر اسرافیل علیہ السلام ندا کرتے ہوں گے۔ جامع ترمذی میں حضرت معاویہ بن حیدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک سے ملک شام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہاں سے اس طرف (یعنی شام

کی طرف) تم سب اٹھائے جاؤ گے کچھ لوگ سوار کچھ پیدا اور بعض کو چہروں کے بل گھسیٹ کر قیامت کے روز اس میدان میں لایا جائے گا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ ق، بیروت)

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ۝
ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں، پس قرآن کے ذریعے
اس شخص کو نصیحت فرمایئے جو میرے وعدہ عذاب سے ڈرتا ہے۔

قرآن کے ذریعے اہل ایمان کو نصیحت کرنے کا بیان

"نَحْنُ أَعْلَم بِمَا يَقُولُونَ" أَيْ كُفَّار قُرَيْش "وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ" تُجْبِرهُمْ عَلَى الْإِيمَان وَهَذَا قَبْل الْأَمْر بِالْجِهَادِ "فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَاف وَعِيد" وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ،

ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کفار قریش کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہیں، یعنی انہیں زبردستی ایمان پر مجبور کرنے والے نہیں ہیں۔ اور یہ حکم جہاد والے حکم سے پہلے کا ہے۔ پس قرآن کے ذریعے اس شخص کو نصیحت فرمایئے جو میرے وعدہ عذاب سے ڈرتا ہے۔ اور وہ اہل ایمان ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے مکلف نہیں ہیں کہ ایمان لانے پر مجبور کریں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف تبلیغ و دعوت ہے، وہ کرتے رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ذکر سے وہی نصیحت حاصل کرے گا جو اللہ سے اور اس کی سزا کی دھمکیوں سے ڈرتا اور اس کے وعدوں پر یقین رکھتا ہوگا اسی لئے حضرت قتادہ یہ دعا فرماتے 'اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں سے کر جو تیری وعیدوں سے ڈرتے اور تیرے وعدوں کی امید رکھتے ہیں۔ اے احسان کرنے والے رحم فرمانے والے۔ اور یہ حکم جہاد والے کے نازل سے پہلے کا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، بہ تصرف، سورہ ق، لاہور)

سورہ ق کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات۔ کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ ق کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُورَۃُ الذّٰرِیٰت

یہ قرآن مجید کی سورت زاریات ھے

سورت ذاریات کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَۃُ الذَّارِیَات (مَکِّیَّۃٌ وَآیَاتُھَا سِتُّوْنَ)

سورہ ذاریات مکیہ ہے، اس میں تین رکوع، ساٹھ آیات، تین سو ساٹھ کلمات، ایک ہزار دو سو انتالیس حروف ہیں۔

سورت ذاریات کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کا پہلا لفظ ہی ذاریات ہے جس کا معنیٰ مٹی کو اڑانے والی ہوائیں ہے۔ یہاں پر ان ہواؤں کے کمال اور ان کی طاقت وقدرت کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہوا میں طاقت رکھی ہے۔ پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت ذاریات کے نام سے معروف ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًاۙ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًاۙ فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًاۙ
فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًاۙ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌۙ
اُڑا کر بکھیر دینے والی ہواؤں کی قسم، اور بارِ گراں اٹھانے والی بدلیوں کی قسم۔ پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں۔
اور کام تقسیم کرنے والے فرشتوں کی قسم۔ بیشک جو وعدہ تم سے کیا جارہا ہے بالکل سچا ہے۔

اُڑا کر لے جانے والی ہواؤں کی قسم کا بیان

"وَالذَّارِيَات" الرِّيَاح تَذْرُو التُّرَاب وَغَيْره "ذَرْوًا" مَصْدَر وَيُقَال تَذْرِيهِ ذَرْيًا: تَهُبّ بِهِ "فَالْحَامِلَات" السُّحُب تَحْمِل الْمَاء "وِقْرًا" ثِقَلًا مَفْعُول الْحَامِلَات "فَالْجَارِيَات" السُّفُن تَجْرِي عَلَى وَجْه الْمَاء "يُسْرًا" بِسُهُولَةٍ مَصْدَر فِي مَوْضِع الْحَال أَيْ مُيَسَّرَة "فَالْمُقَسِّمَات أَمْرًا" الْمَلَائِكَة تَقْسِم الْأَرْزَاق وَالْأَمْطَار وَغَيْرهَا بَيْن الْبِلَاد وَالْعِبَاد "إِنَّمَا تُوعَدُونَ" مَا مَصْدَرِيَّة أَيْ وَعْدهمْ بِالْبَعْثِ وَغَيْره "لَصَادِق" لَوَعْد صَادِق،

اُڑا کر بکھیر دینے والی ہواؤں کی قسم جو گرد و غبار وغیرہ کو اڑاتی ہیں۔ یہاں پر لفظ ذروا یہ مصدر ہے اور تذر یہ ذروا بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ چیزوں کو اٹھانے والی ہیں۔ اور پانی کا بارِ گراں اٹھانے والی بدلیوں کی قسم، یہاں پر لفظ ثقلا یہ حاملات کا مفعول ہے پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے پانی پر چلتی ہیں یہاں پر لفظ یسرا مصدر ہے جس کا معنی آسانی ہے اور حال یعنی میسرہ کے جگہ پر واقع ہے، اور کام تقسیم کرنے والے فرشتوں کی قسم۔ یعنی وہ فرشتے جو لوگوں اور شہروں کے درمیان رزق، اور بارش وغیرہ کو تقسیم کرتے ہیں بیشک آخرت کا جو وعدہ تم سے کیا جارہا ہے، یہاں پر لفظ ما، یہ مصدر یہ ہے۔ یعنی ان سے بعث وغیرہ کا وعدہ کیا جارہا ہے۔ جو بالکل سچا ہے۔

ذاریات سے متعلق ابن الکواء کے سوالات کا بیان

خلیفۃ المسلمین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کوفے کے منبر پر چڑھ کر ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ قرآن کریم کی جس آیت کی بابت اور جس سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت تم کوئی سوال کرنا چاہتے ہو کرلو۔ اس پر ابن الکواء نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ (ذاریات) سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا، پوچھا (حاملات) سے؟ فرمایا ابر۔ کہا (جاریات) سے؟ فرمایا کشتیاں، کہا (مقسمات) سے؟ فرمایا فرشتے اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی آئی ہے۔ بزار میں ہے (صبیغ) تمیمی امیر المومنین حضرت عمر کے پاس آیا اور کہا بتاؤ (ذاریات) سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا۔ اور اسے اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا نہ ہوتا تو میں کبھی یہ مطلب نہ کہتا۔ پوچھا (مقسمات) سے کیا مراد ہے؟ فرمایا فرشتے اور اسے بھی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا ہے۔ پوچھا (جاریات) سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا کشتیاں۔ یہ بھی میں نے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا تو تجھ سے نہ کہتا۔

پھر حکم دیا کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں چنانچہ اسے درے مارے گئے اور ایک مکان میں رکھا گیا جب زخم اچھے ہو گئے تو بلوا کر پھر کوڑے پٹوائے، اور سوار کرا کر حضرت ابو موسیٰ کو لکھ بھیجا کہ یہ کسی مجلس میں نہ بیٹھنے پائے کچھ دنوں بعد یہ حضرت موسیٰ کے پاس آئے اور بڑی سخت تاکیدی قسمیں کھا کر انہیں یقین دلایا کہ اب میرے خیالات کی پوری اصلاح ہو چکی اب میرے دل میں بد عقیدگی نہیں رہی جو پہلے تھی۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰ نے جناب امیر المومنین کی خدمت میں اس کی اطلاع دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میرا خیال ہے کہ اب وہ واقعی ٹھیک ہو گیا ہے۔ اس کے جواب میں دربار خلافت سے فرمان پہنچا کہ پھر انہیں مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دے دی جائے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ذاریات، بیروت)

وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۝ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝
اور بلاشبہ جزا یقیناً واقع ہونے والی ہے۔ قسم ہے آسمان کی جو راستوں والا ہے۔ کہ بلاشبہ تم یقیناً
ایک اختلاف والی بات میں پڑے ہوئے ہو۔ اس وہی پھرتا ہے۔ جسے پھیر دیا گیا۔

نبی کریم ﷺ اور قرآن پر ایمان لانے سے پھرنے والوں کا بیان

"وَإِنَّ الدِّيْن" الْجَزَاء بَعْد الْحِسَاب "لَوَاقِع" لَا مَحَالَة "وَالسَّمَاء ذَات الْحُبُك" جَمْع حَبِيكَة

كَطَرِيقَةٍ وَطَرِيق أَيْ صَاحِبَة الطُّرُق فِي الْخِلْقَة كَالطَّرِيقِ فِي الرَّمْل،
"إِنَّكُمْ" يَا أَهْل مَكَّة فِي شَأْن النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقُرْآن "لَفِي قَوْل مُخْتَلِف" قِيلَ شَاعِر سَاحِر كَاهِن شِعْر سِحْر كَهَانَة،
"يُؤْفَكُ" يُصْرَف "عَنْهُ" عَنْ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقُرْآن أَيْ عَنْ الْإِيمَان بِهِ "مَنْ أُفِكَ" صُرِفَ عَنْ الْهِدَايَة فِي عِلْم اللَّه تَعَالَى،

اور بلاشبہ جزا یعنی حساب کے یقیناً واقع ہونے والی ہے۔جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے۔قسم ہے آسمان کی جو راستوں والا ہے۔یہاں پر لفظ حبک یہ حبیکہ کی جمع ہے جس طرح طریق یعنی طرق والا یہ طریقہ کی جمع ہے۔لہٰذا وہ آسمان خلقت کے اعتبار سے ایسے ہیں کہ جن میں ایسے راستے ہیں جس طرح ریتلے علاقوں میں ریت کے راستے ہوتے ہیں۔اے اہل مکہ! بے شک تم یقیناً نبی کریم ﷺ اور قرآن کے بارے میں ایک اختلاف والی بات میں پڑے ہوئے ہو یعنی کبھی انہیں ساحر، شاعر، اور کاہن یا قرآن کو سحر، شعر، اور کہانت کہہ دیا جاتا ہے۔۔اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پر ایمان لانے سے وہی پھرتا ہے جسے علم ازلی سے پھیر دیا گیا۔یعنی جس کو علم الٰہی کے مطابق ہدایت سے پھیر دیا گیا ہو۔

آسمانی راستوں کا بیان

یہاں پر لفظ حبک، حبیکہ کی جمع ہے، کپڑے کی بناوٹ میں جو دھاریاں ہو جاتی ہیں ان کو حبک کہا جاتا ہے، وہ چونکہ راستہ اور سڑک کے مشابہ ہوتی ہیں اس لئے راستوں کو بھی حبک کہہ دیا جاتا ہے، بہت سے حضرات مفسرین نے اس جگہ یہی معنی مراد لئے ہیں کہ قسم ہے آسمان کی جو راستوں والا ہے، راستوں سے وہ راستے بھی مراد ہو سکتے ہیں جن سے فرشتے آتے جاتے ہیں اور اس سے مراد ستاروں اور سیاروں کے راستے اور ان کے مدار بھی ہو سکتے ہیں جو دیکھنے والوں کو آسمان میں نظر آتے ہیں اور چونکہ یہ بناوٹ کی دھاریاں کپڑے کی زینت اور حسن بھی ہوتی ہیں، اس لئے بعض حضرات مفسرین نے یہاں حبک کے معنی زینت اور حسن کیلئے ہیں کہ قسم ہے آسمان کی جو حسن و زینت والا ہے، یہ قسم جس مضمون کے لئے آئی ہے وہ (اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ) میں مذکور ہے، بظاہر اس کے مخاطب مشرکین مکہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مختلف اور متضاد باتیں کہا کرتے تھے، کبھی مجنون، کبھی جادوگر، کبھی شاعر وغیرہ کے لغو خطابات دیتے تھے اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کے مخاطب عام امت کے لوگ مسلم و کافر سب ہوں اور قول مختلف سے مراد یہ ہو کہ بعض تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور تصدیق کرتے ہیں، بعض انکار و مخالفت سے پیش آتے ہیں۔(تفسیر مظہری، سورہ ذاریات، لاہور)

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ۝ يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ۝ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ۝ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ۝

اندازے لگانے والے مارے گئے۔ وہ جو خود بڑی غفلت میں بھولے ہوئے ہیں۔ پوچھتے ہیں جزا کا دن کب ہے؟
جس دن وہ آگ پر تپائے جائیں گے۔ اپنے جلنے کا مزہ چکھو، یہی ہے جسے تم جلدی مانگتے تھے۔

ملعون کفار عذاب تعجیل والوں کے وعدہ کے پورے ہونے کا بیان

"قُتِلَ الْخَرَّاصُونَ" لُعِنَ الْكَذَّابُونَ أَصْحَاب الْقَوْل الْمُخْتَلِف "الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَة" جَهْل يَغْمُرهُمْ "سَاهُونَ" غَافِلُونَ عَنْ أَمْر الْآخِرَة،

"يَسْأَلُونَ" النَّبِيّ اسْتِفْهَام اسْتِهْزَاء "أَيَّانَ يَوْم الدِّين" أَيْ مَتَى مَجِيئُهُ وَجَوَابهمْ : يَجِيء

"يَوْم هُمْ عَلَى النَّار يُفْتَنُونَ" أَيْ يُعَذَّبُونَ فِيهَا وَيُقَال لَهُمْ حِين التَّعْذِيب :

"ذُوقُوا فِتْنَتكُمْ" تَعْذِيبكُمْ "هَذَا" التَّعْذِيب "الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ" فِي الدُّنْيَا اسْتِهْزَاء

انکل لگانے والے مارے گئے۔ یعنی اختلاف کرنے والوں کی جھوٹی باتوں کے سبب لعنت کی گئی ہے۔ وہ جو خود بڑی غفلت میں بھولے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ جہالت میں غرق اور آخرت سے غافل ہیں۔ وہ نبی کریم ﷺ سے پوچھتے ہیں یعنی یہ استفہام بہ طور مذاق ہے۔ جزا کا دن کب ہے؟ یعنی وہ دن کب آئے گا۔ تو ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جس دن وہ آگ پر تپائے جائیں گے۔ اس وقت وہ دن آجائے گا۔ یعنی اس میں دن میں انہیں عذاب دیا جائے گا۔ اور ان سے عذاب دیئے جانے کے وقت کہا جائے گا۔ اپنے جلنے کا مزہ چکھو، یہی عذاب ہے جسے تم دنیا میں بہ طور مذاق جلدی مانگتے تھے۔

آخرت سے انکار بلا دلیل ہے اور محض وہم وقیاس ہے۔ یعنی جو لوگ عقیدہ آخرت کے منکر ہیں ان کے پاس کوئی علمی بنیاد نہیں۔ آخرت کا علم نہ انسان کو مشاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ محسوسات اور ادراکات سے۔ اس کے متعلق علمی بات جو کہی جا سکتی ہے وہ یہی ہے کہ اس کے ہونے اور نہ ہونے کے یعنی دونوں طرح کے امکانات موجود ہیں۔ آخرت کے قائم ہونے کے متعلق تو بہت سے دلائل بھی موجود ہیں۔ سب پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کی یہی تعلیم رہی ہے پھر کائنات کا نظام بھی اس پر قوی دلیل ہے تو کیوں نہ اس احتمال کو تسلیم کیا جائے جس کی تائید میں بے شمار دلائل مل جاتے ہیں۔ اور اس کے نہ ہونے کے لیے اگر کوئی دلیل موجود نہیں تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ محض ان کا وہم وگمان ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝
كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝
بے شک متقی لوگ بہشتوں میں اور چشموں میں ہوں گے۔ لینے والے ہوں گے جو ان کا رب انھیں دے گا، یقیناً وہ اس سے پہلے
نیکی کرنے والے تھے۔ وہ رات کے بہت تھوڑے حصے میں سوتے تھے۔ اور رات کے پچھلے پہروں میں مغفرت طلب کرتے تھے۔

اہل جنت کیلئے جنت کو قریب کر دینے کا بیان

"إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّات " بَسَاتِين "وَعُيُون" تَجْرِي فِيهَا "آخِذِينَ" حَال مِنْ الضَّمِير فِي خَبَر إِنَّ "مَا آتَاهُمْ " أَعْطَاهُمْ "رَبّهمْ" مِنْ الثَّوَاب "إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْل ذَلِكَ" أَيْ دُخُولهمْ الْجَنَّة "مُحْسِنِينَ" فِي الدُّنْيَا،

"كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْل مَا يَهْجَعُونَ " يَنَامُونَ وَمَا زَائِدَة وَيَهْجَعُونَ خَبَر كَانَ وَقَلِيلًا ظَرْف أَيْ يَنَامُونَ فِي زَمَن يَسِير مِنْ اللَّيْل وَيُصَلُّونَ أَكْثَره "وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ" يَقُولُونَ : اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا،

بے شک متقی لوگ بہشتوں میں اور چشموں میں ہوں گے۔ یعنی جن کے نیچے چشمے جاری ہوں گے۔ یہاں پر لفظ آخذین ضمیر سے حال ہے جو لفظ اِن کی خبر میں ہے۔ یعنی جو ان کا رب انہیں عطا کرے گا۔ وہ ثواب لینے والے ہوں گے جو ان کا رب انھیں دے گا، یقیناً وہ اس سے پہلے یعنی جنت میں داخل ہونے سے پہلے دنیا میں نیکی کرنے والے تھے۔ وہ رات کے بہت تھوڑے حصے میں سوتے تھے۔ یہاں پر لفظ ما یہ زائدہ ہے۔ اور یہجون یہ کان کی خبر ہے اور قلیلا یہ ظرف ہے یعنی وہ رات میں بہت کم وقت سوتے ہیں۔ اور رات کے پچھلے پہروں میں اٹھ اٹھ کر مغفرت طلب کرتے تھے۔ اور یوں کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہمیں بخشش دے۔

اہل جنت کی عبادت کے احوال کا بیان

حضرت زید بن اسلم سے قبیلہ بنو تمیم کے ایک شخص نے کہا اے ابو سلمہ یہ صفت تو ہم میں نہیں پائی جاتی کہ ہم رات کو بہت کم سوتے ہوں بلکہ ہم تو بہت کم وقت عبادت اللہ میں گذارتے ہیں تو آپ نے فرمایا وہ شخص بھی بہت ہی خوش نصیب ہے جو نیند آئے تو سو جائے اور جاگے تو اللہ سے ڈرتا رہے، حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں جب شروع شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف میں تشریف لائے تو لوگ آپ کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے اور اس مجمع میں میں بھی تھا واللہ آپ کے مبارک چہرہ پر نظر پڑتے ہی اتنا تو میں نے یقین کر لیا کہ یہ نورانی چہرہ کسی جھوٹے انسان کا نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلی بات جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میرے کان میں پڑی یہ تھی کہ آپ نے یہ فرمایا اے لوگو کھانا کھلاتے رہو اور صلہ رحمی کرتے رہو اور سلام کیا کرو اور راتوں کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں نماز ادا کرو تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کے اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا حصہ اندر سے نظر آتا ہے یہ سن کر حضرت موسیٰ اشعری نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کن کے لئے ہیں؟ فرمایا ان کے لئے جو نرم کلام کریں اور دوسروں کو کھلاتے پلاتے رہیں اور جب لوگ سوتے ہوں یہ نمازیں پڑھتے رہیں۔

حضرت زہری اور حضرت حسن فرماتے ہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ رات کا اکثر حصہ تہجد گذاری میں نکالتے ہیں حضرت ابن عباس اور حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ رات کا بہت کم حصہ وہ سوتے ہیں۔

حضرت ضحاک (کانوا قلیلا) کو اس سے پہلے کے جملے کے ساتھ ملاتے ہیں اور (من اللیل) سے ابتداء بتاتے ہیں لیکن اس قول میں بہت دوری اور تکلف ہے۔ پھر اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے سحر کے وقت وہ استغفار کرتے ہیں مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں اور مفسرین فرماتے ہیں راتوں کو قیام کرتے ہیں اور صبح کے ہونے کے وقت اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ذاریات، بیروت)

وَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ○ وَ فِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ○
وَ فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ○
اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والے اور محروم کے لیے ایک حصہ تھا۔ اور زمین میں صاحبان ایقان کے لئے
بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور خود تمہارے نفوس میں، سو کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔

اپنے اموال سے سائل ومحروم شخص کو دینے کا بیان

"وَفِی أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوم" الَّذِی لَا يَسْأَل لِتَعَفُّفِهِ "وَفِی الْأَرْض" مِنْ الْجِبَال وَالْبِحَار وَالْأَشْجَار وَالثِّمَار وَالنَّبَات وَغَيْرهَا "آيَات" دَلَالَات عَلَى قُدْرَة اللّٰه سُبْحَانه وَتَعَالَى وَوَحْدَانِيَّته،

"وَفِی أَنْفُسكُمْ" آيَات أَيْضًا مِنْ مَبْدَأ خَلْقكُمْ إلَى مُنْتَهَاهُ وَمَا فِی تَرْكِيب خَلْقكُمْ مِنْ الْعَجَائِب "أَفَلَا تُبْصِرُونَ" ذَلِكَ فَتَسْتَدِلُّونَ بِهِ عَلَى صَانِعه وَقُدْرَته،

اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والے اور محروم کے لیے ایک حصہ تھا۔ یعنی جو شخص سوال کرنے سے بچتا ہو۔ اور زمین پہاڑ، سمندر، درخت، پھل اور نباتات وغیرہ ہیں ان میں کامل یقین والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ یعنی ایسے دلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں۔ اور خود تمہارے نفوس میں بھی ہیں یعنی تمہاری تخلیق کی ابتداء سے لے کر انتہاء تک جو تمہاری تخلیق میں عجائب ہیں۔، پس کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ تا کہ تم ان سے ان کے بنانے والے اور بنانے والی کی قدرت پر استدلال کر سکو۔

محروم کے بارے میں تفسیری تصریحات کا بیان

پھر ان کا یہ وصف بیان کیا جاتا ہے کہ جہاں یہ نمازی ہیں اور حق اللہ ادا کرتے ہیں وہاں لوگوں کے حق بھی نہیں بھولتے زکوۃ دیتے ہیں سلوک احسان اور صلہ رحمی کرتے ہیں ان کے مال میں ایک مقررہ حصہ مانگنے والوں اور ان حقداروں کا ہے جو سوال سے

بچتے ہیں۔

ابوداؤد وغیرہ میں ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سائل کا حق ہے گو وہ گھوڑ سوار ہو (محروم) وہ ہے جس کا کوئی حصہ بیت المال میں نہ ہو خود اس کے پاس کوئی کام کاج نہ ہو صنعت وحرفت یاد نہ ہو جس سے روزی کما سکے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ کچھ سلسلہ کمانے کا کر رکھا ہے لیکن اتنا نہیں پاتے کہ انہیں کافی ہو جائے، حضرت ضحاک فرماتے ہیں وہ شخص جو مالدار تھا لیکن مال تباہ ہو گیا چنانچہ یمامہ میں جب پانی کی طغیانی آئی اور ایک شخص کا تمام مال اسباب بہالے گئی تو ایک صحابی نے فرمایا یہ محروم ہے اور بزرگ مفسرین فرماتے ہیں محروم سے مراد وہ شخص ہے جو حاجت کے باوجود کسی سے سوال نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مسکین صرف وہی لوگ نہیں جو گھومتے پھرتے ہیں اور جنہیں ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں تم دے دیا کرتے وہ بلکہ حقیقتاً وہ لوگ بھی مسکین ہیں جو اتنا نہیں پاتے کہ انہیں حاجت نہ رہے اپنا حال قال ایسا رکھتے ہیں کہ کسی پر ان کی حاجت وافلاس ظاہر ہو اور کوئی انہیں صدقہ دے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عمر بن عبدالعزیز مکے شریف جا رہے تھے کہ راستے میں ایک کتا پاس آ کر کھڑا ہو گیا آپ نے ذبح کردہ بکری کا ایک شانہ کاٹ کر اس کی طرف ڈال دیا اور فرمایا لوگ کہتے ہیں یہ بھی محروم میں سے ہے۔ حضرت شعبی فرماتے ہیں میں تو عاجز آ گیا لیکن محروم معنی معلوم نہ کر سکا۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں محروم وہ ہے جس کے پاس مال نہ رہا ہو خواہ وجہ کچھ بھی ہو۔ یعنی حاصل ہی نہ کر سکا کمانے کھانے کا سلیقہ ہی نہ ہو یا کام ہی نا چلتا ہو یا کسی آفت کے باعث جمع شدہ مال ضائع ہو گیا ہے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ ذاریات، بیروت)

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ○ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ○
اور آسمان میں تمہارا رزق ہے اور وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم بیشک
یہ قرآن حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔

دنیا میں بدیہی امور سے آخرت کی بداہت پر استدلال کا بیان

"وَفِي السَّمَاء رِزْقكُمْ" أَيْ الْمَطَر الْمُسَبِّب عَنْهُ النَّبَات الَّذِي هُوَ رِزْق "وَمَا تُوعَدُونَ" مِنْ الْمَآب وَالثَّوَاب وَالْعِقَاب أَيْ مَكْتُوب ذَلِكَ فِي السَّمَاء،

"فَوَرَبّ السَّمَاء وَالْأَرْض إنَّهُ" أَيْ مَا تُوعَدُونَ "لَحَقّ مِثْل مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ" بِرَفْعِ مِثْل صِفَة وَمَا مَزِيدَة وَبِفَتْحِ اللَّام مُرَكَّبَة مَعَ مَا الْمَعْنَى : مِثْل نُطْقكُمْ فِي حَقِيقَته أَيْ مَعْلُومِيَّته عِنْدكُمْ ضَرُورَة صُدُوره عَنْكُمْ،

اور آسمان میں تمہارا رزق بھی ہے یعنی بارش جو نباتات وغیرہ کا سبب ہے وہی رزق ہے۔ اور وہ سب کچھ بھی جس کا تم سے

وعدہ کیا جاتا ہے۔ یعنی تمہارے لئے ثواب اور عذاب جو آسمان میں لکھ دیا گیا ہے۔ تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم! بیشک یہ حق ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔ یہاں پر مثل بہ صفت مرفوع ہے اور ما زائدہ ہے اور مثل کا لام فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے جب وہ ما کے ساتھ مرکب ہو جس کا معنی یہ ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے ایسے ہی حقیقت ہے جیسے تمہارا گفتگو کرنا ہے۔ یعنی جیسے تمہارا کلام کرنا بداہت سے ثابت ویسے ہی وعدہ اس وقت بداہت کے ساتھ پورا ہونے والا ہے۔

بارش کے سبب رزق عطاء کرنے کا بیان

آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ اس کے بے غبار و بے تکلف تفسیر وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں اختیار کی گئی، یعنی آسمان میں ہونے سے مراد آسمان میں لوح محفوظ کے اندر لکھا ہونا مراد ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہر انسان کا رزق اور جو کچھ اس سے وعدے کئے گئے اور اس کا جو کچھ انجام ہونا ہے وہ سب لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

حدیث میں حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے مقررہ رزق سے بچنے اور بھاگنے کی بھی کوشش کرے تو رزق اس کے پیچھے پیچھے بھاگے گا جیسے موت سے انسان بھاگ نہیں سکتا ایسے ہی رزق سے بھی فرار ممکن نہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ ذاریات، بیروت)

انسانی کلام کی بداہت سے قیام قیامت پر استدلال کا بیان

جس طرح تمہیں اپنے اپنے کلام کرنے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا اسی طرح قیامت کا آنا بھی ایسا ہی واضح ہے اور کھلا ہوا ہے، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، انسان کے محسوسات جو دیکھنے، سننے، چکھنے، چھونے اور سونگھنے سے متعلق ہیں، ان سب میں سے اس جگہ نطق یعنی بولنے کو خاص طور سے انتخاب شاید اس لئے کیا کہ مذکورہ سب محسوسات میں کبھی کبھی کسی مرض وغیرہ کے سبب سے التباس ہو جاتا ہے، دیکھنے سننے میں فرق ہو جانا معروف ہے، بیماری میں ذائقہ بعض اوقات خراب ہو کر میٹھے کو کڑوا بتلانے لگتا ہے، مگر نطق و گویائی ایسی چیز ہے کہ اس میں کسی دھوکہ اور تلبیس کا شائبہ نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ ذاریات، بیروت)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ
قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۝ لا فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ
قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝
کیا آپ کے پاس ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے۔ جب وہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے سلام پیش کیا،
ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی سلام کہا، یہ اجنبی لوگ ہیں۔ پھر جلدی سے اپنے گھر کی طرف گئے اور ایک فربہ بچھڑے کی یخنی لے
آئے۔ پھر اسے ان کے سامنے پیش کر دیا، فرمانے لگے، کیا تم نہیں کھاؤ گے۔ پھر ان سے دل میں ہلکی سے گھبراہٹ محسوس کی۔
وہ کہنے لگے، آپ گھبرایئے نہیں، اور ان کو علم و دانش والے بیٹے (اسحاق علیہ السلام) کی خوشخبری سنا دی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمان فرشتوں کے آنے کا بیان

"هَلْ أَتَاكَ" خِطَاب لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "حَدِيث ضَيْف إِبْرَاهِيم الْمُكْرَمِينَ" وَهُمْ مَلَائِكَة اثْنَا عَشَر أَوْ عَشَرَة أَوْ ثَلَاثَة مِنْهُمْ جِبْرِيل،

"إِذْ" ظَرْف لِحَدِيثِ ضَيْف "دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا" أَيْ هَذَا اللَّفْظ "قَالَ سَلَام" أَيْ هَذَا اللَّفْظ "قَوْم مُنْكَرُونَ" لَا نَعْرِفهُمْ قَالَ ذَلِكَ فِي نَفْسه وَهُوَ خَبَر مُبْتَدَأ مُقَدَّر أَيْ هَؤُلَاءِ،

"فَرَاغَ" مَالَ "إِلَى أَهْله" سِرًّا "فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِين" وَفِي سُورَة هُود "بِعِجْلٍ حَنِيذ" أَيْ مَشْوِيّ "فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ" عَرَضَ عَلَيْهِمْ الْأَكْل فَلَمْ يُجِيبُوا،

"فَأَوْجَسَ" أَضْمَرَ فِي نَفْسه "مِنْهُمْ خِيفَة قَالُوا لَا تَخَفْ" إِنَّا رُسُل رَبّك "وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيم" ذِي عِلْم كَثِير وَهُوَ إِسْحَاق كَمَا ذُكِرَ فِي هُود،

کیا آپ کے پاس ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے۔اس میں نبی کریم ﷺ سے خطاب ہے۔جب وہ فرشتے ان کے پاس آئے۔اوروہ بارہ یادس یا تین فرشتے تھے جن میں حضرت جبرائیل بھی تھے۔یہاں پر لفظ اذ یہ حدیث ضیف کیلئے ظرف ہے تو انہوں نے سلام پیش کیا یعنی انہوں نے لفظ سلام کہا، ابراہیم علیہ السلام نے بھی جواباً سلام کہا، ساتھ ہی دل میں سوچنے لگے کہ یہ اجنبی لوگ ہیں۔یہاں پر قوم منکرون یہ مبتداء مقدر کی خبر ہے وہ ھؤلاء ہے۔پھر جلدی سے یعنی خاموشی سے اپنے گھر کی طرف گئے اور ایک فربہ بچھڑے کی یخنی لے آئے۔اور سورہ ہود میں آیا ہے کہ بعجل حنیذ یعنی بھنا ہوا بچھڑا لائے۔پھر اسے ان کے سامنے پیش کر دیا، فرمانے لگے کیا تم نہیں کھاؤ گے۔یعنی کیا تمہیں کھانا نہیں کھاؤ گے تو انہوں نے کوئی توجہ نہ کی۔نہ کوئی جواب دیا پھر ان کے نہ کھانے سے دل میں ہلکی سے گھبراہٹ محسوس کی۔وہ فرشتے کہنے لگے آپ گھبرائیے نہیں، ہم آپ کے رب کی طرف سے بھیجے گئے فرشتے ہیں۔اور ان کو علم و دانش والے بیٹے اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری سنادی۔یعنی کثیر علم رکھنے والے اور وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں جن کا ذکر سورہ ہود میں آیا ہے۔

فرشتوں کی دعوت کے واقعہ کا بیان

یہ فرشتے حضرت جبرائیل حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام تھے۔جو خوبصورت نوجوان انسانوں کی شکل میں آئے تھے ان کے چہروں پر ہیبت وجلال تھا حضرت ابراہیم اب ان کے لئے کھانے کی تیاری میں مصروف ہو گئے اور چپ چاپ بہت جلد اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ذرا سی دیر میں تیار بچھڑے کا گوشت بھنا بھنایا ہوا لے آئے اور انکے سامنے رکھ دیا اور فرمایا آپ کھاتے کیوں نہیں؟ اس سے ضیافت کے آداب معلوم ہوئے کہ مہمان سے پوچھے بغیر ہی ان پر شروع سے احسان رکھنے سے پہلے آپ چپ چاپ انہیں خبر کئے بغیر ہی چلے گئے اور بہ عجلت بہتر سے بہتر جو چیز پائی اسے تیار کر کے لے آئے۔تیار فربہ کم عمر بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لے آئے اور کہیں اور رکھ کر مہمان کی کھینچ تان نہ کی بلکہ ان کے سامنے ان کے پاس لا کر رکھا۔پھر انہیں

یوں نہیں کہتے کہ کھاؤ کیونکہ اس میں بھی ایک حکم پایا جاتا ہے۔

بلکہ نہایت تواضع اور پیار سے فرماتے ہیں آپ تناول فرمانا شروع کیوں نہیں کرتے؟ جیسے کوئی شخص کسی سے کہے کہ اگر آپ فضل وکرم احسان وسلوک کرنا چاہیں تو کیجئے پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خلیل اللہ اپنے دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے جیسے کہ اور آیت میں ہے آیت (فَلَمَّا رَآ اَیۡدِیَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَیۡهِ نَكِرَهُمۡ وَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِیۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰی قَوۡمِ لُوۡطٍ، ھود:70)، یعنی آپ نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہیں تو دہشت زدہ ہو گئے اور دل میں خوف کھانے لگے اس پر مہمانوں نے کہا ڈرو مت ہم اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جو قوم لوط کی ہلاکت کے لئے آئے ہیں آپ کی بیوی صاحبہ جو کھڑی ہوئی سن رہی تھیں وہ سن کر ہنس دیں تو فرشتوں نے انہیں خوشخبری سنائی کہ تمہارے ہاں حضرت اسحاق پیدا ہوں گے اور ان کے ہاں حضرت یعقوب اس پر بیوی صاحبہ کو تعجب ہوا اور کہا ہائے افسوس اب میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ میں تو بڑھیا پھوس ہو گئی ہوں اور میرے شوہر بھی بالکل بوڑھے ہو گئے۔ یہ سخت تر تعجب کی چیز ہے فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے کاموں سے تعجب کرتی ہو؟ خصوصاً تم جیسی ایسی پاک گھرانے کی عورت؟ تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ تعریفوں کے لائق اور بڑی بزرگی اور اعلیٰ شان والا ہے۔

یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ بشارت حضرت ابراہیم کو دی گئی کیونکہ بچے کا ہونا دونوں کی خوشی کا موجب ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ بشارت سن کر آپ کی اہلیہ صاحبہ کے منہ سے زور کی آواز نکل گئی اور اپنے تئیں دو ہتڑ مار کر ایسی عجیب وغریب خبر کو سن کر حیرت کے ساتھ کہنے لگیں کہ جوانی میں تو میں بانجھ رہی اب میاں بیوی دونوں بوڑھے ہو گئے تو مجھے حمل ٹھہرے گا؟ اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا کہ یہ خوشخبری کچھ ہم اپنی طرف سے نہیں دے رہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرمایا ہے کہ ہم تمہیں یہ خبر پہنچائیں۔ وہ حکمت والا اور علم والا ہے۔ تم جس عزت وکرامت کے مستحق ہو وہ خوب جانتا ہے اور اس کا فرمان ہے کہ تمہارے ہاں اس عمر میں بچہ ہوگا اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں نہ اس کا کوئی فرمان حکمت سے خالی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ذاریات، بیروت)

فَاَقۡبَلَتِ امۡرَاَتُهٗ فِیۡ صَرَّةٍ فَصَكَّتۡ وَجۡهَهَا وَقَالَتۡ عَجُوۡزٌ عَقِیۡمٌ ۝
قَالُوۡا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡحَكِیۡمُ الۡعَلِیۡمُ ۝
پھر ان کی بیوی حیرت وحسرت کی آواز نکالتے ہوئے متوجہ ہوئیں اور تعجب سے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں،
بوڑھیا بانجھ عورت۔ کہا ایسے ہی ہوگا، تمہارے رب نے فرمایا ہے۔ بیشک وہ بڑی حکمت والا بہت علم والا ہے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا بڑھاپے میں بچے کی خوشخبری پر اظہار تعجب کا بیان

"فَاَقْبَلَتْ امْرَاَته" سَارَّة "فِي صَرَّة" صَيْحَة حَال أَيْ جَاءَتْ صَائِحَة "فَصَكَّتْ وَجْههَا" لَطَمَتْهُ "وَقَالَتْ عَجُوز عَقِيم" لَمْ تَلِد قَطُّ وَعُمْرهَا تِسْع وَتِسْعُونَ سَنَة وَعُمْر إِبْرَاهِيم مِائَة سَنَة أَوْ

عُمْره مِائَة وَعِشْرُونَ سَنَة وَعُمْرهَا تِسْعُونَ سَنَة، "قَالُوا كَذَلِك " أَيْ مِثْل قَوْلنَا فِي الْبِشَارَة "قَالَ رَبّك إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيم" فِي صُنْعه "الْعَلِيم" بِخَلْقِهِ،

پھران کی بیوی سارہ حیرت وحسرت کی آواز نکالتے ہوئے متوجہ ہوئیں یہاں پر فی صرۃ حال ہے۔یعنی ازراہ تعجب آئیں اور تعجب سے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگی کیا بوڑھیا بانجھ عورت بچہ جنے گی؟ جو بچہ نہ جن سکتی ہو اور اس وقت ان کی عمر ۹۹ سال تھی جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک ۱۲۰ سال اور ان کی زوجہ کی عمر ۹۰ سال تھی۔۔فرشتوں نے کہا ایسے ہی ہوگا، جس طرح ہم نے بشارت دے دی ہے۔تمہارے رب نے فرمایا ہے۔بیشک وہ اپنی صنعت میں بڑی حکمت والا، اپنی مخلوق میں بہت علم والا ہے۔

صرۃ کے معنی غیر معمولی آواز کے ہیں صریر قلم سے نکلنے والی آواز کو کہا جاتا ہے، مراد یہ ہے کہ حضرت سارہ نے جب سنا کہ فرشتے ابراہیم علیہ السلام کو بچے کی پیدائش کی خوشخبری دے رہے ہیں اور یہ ظاہر تھا کہ بچہ بیوی سے پیدا ہوتا ہے، بیوی حضرت سارہ ہی تھیں تو سمجھیں کہ یہ خوشخبری ہم دونوں ہی کے لئے ہے، تو غیر اختیاری طور پر ان کے منہ سے کچھ الفاظ حیرت وتعجب کے نکلے اور کہا عَجُوزٌ عَقِيمٌ کہ اول تو میں بڑھیا، پھر بانجھ یعنی جوانی میں بھی اولاد کے قابل نہیں تھی، اب بڑھاپے میں یہ کیسے ہوگا جس کے جواب میں فرشتوں نے فرمایا کذلک، یعنی اللہ تعالیٰ کو سب قدرت ہے، یہ کام یونہی ہوگا۔

چنانچہ جس وقت اس بشارت کے مطابق حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت سارہ کی عمر ننانوے سال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال کی تھی۔(تفسیر قرطبی، سورہ ذاریات، بیروت)

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝
لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝
کہا اے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہارا بنیادی مقصد کیا ہے۔انہوں نے کہا ہم مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔تاکہ ہم ان پر
مٹی کے پتھر پھینکیں۔حد سے گزر جانے والوں کے لئے آپ کے رب کی طرف سے نشان لگا دیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرشتوں سے آمد کا مقصد پوچھنے کا بیان

"قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ" شَأْنكُمْ "قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْم مُجْرِمِينَ" كَافِرِينَ هُمْ قَوْم لُوط "لِنُرْسِل عَلَيْهِمْ حِجَارَة مِنْ طِين" مَطْبُوخ بِالنَّارِ،

"مُسَوَّمَة" مُعَلَّمَة عَلَيْهَا اسْم مَنْ يُرْمَى بِهَا "عِنْد رَبّك" ظَرْف لَهَا "لِلْمُسْرِفِينَ" بِإِتْيَانِهِمْ الذُّكُور مَعَ كُفْرهمْ،

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہارا بنیادی مقصد کیا ہے۔انہوں نے کہا ہم مجرم قوم یعنی قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔تاکہ ہم ان پر مٹی کے پتھر کھنگر پھینکیں۔یعنی وہ مٹی کے پتھر جنہیں آگ سے پکایا گیا ہو۔(وہ پتھر جن پر) حد

سے گزر جانے والوں کے لئے آپ کے رب کی طرف سے نشان لگا دیا گیا ہے۔ یعنی ان پتھروں پر نشان سے مراد جس شخص کو انہوں نے ہلاک کرنا تھا اس کی علامت پر لگی ہوئی تھی۔ حد سے بڑھنے کا معنی یہ ہے کہ مردوں کے پاس آتے تھے۔

خطب کے لغوی مفہوم کا بیان

خطب بمعنی حال، معاملہ، مقصد خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اور یہ لفظ عام طور پر کسی ناپسندیدہ معاملہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یعنی جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ یہ فرشتے ہیں اور فرشتے انسانی شکل میں غیر معمولی حالات میں ہی آیا کرتے ہیں۔ بیٹے کی بشارت سے ان کا اپنا ڈر تو دور ہو گیا تاہم ابھی اصل حیرت کا معاملہ باقی تھا۔ لہٰذا آپ نے فرشتوں سے پوچھا کہ آپ کس مہم پر تشریف لائے ہیں اور کیا مقصد ہے؟

نشان زدہ کنکریوں کے ذریعے ہلاک کرنے کا بیان

یعنی کنکریاں اللہ کی طرف سے خاص علامت لگی ہوئی ہوں گی، بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر کنکری پر اس شخص کا نام لکھا تھا جس کو ہلاک کرنے کے لئے یہ بھیجی گئی تھی اور وہ جس طرف بھاگا اس کنکری نے اس کا تعاقب کیا اور دوسری آیات میں جو اس قوم کا عذاب یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جبرائیل امین نے اس پورے شہر کو اٹھا کر پلٹ دیا تو یہ اس کے منافی نہیں کہ پہلے یہ پتھراؤ کیا گیا ہو اس کے بعد پوری زمین کا تختہ الٹا دیا گیا ہو۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ○
وَ تَرَكْنَا فِيْهَاۤ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○
پھر ہم نے ہر اس شخص کو باہر نکال دیا جو اس میں اہل ایمان میں سے تھا۔ سو ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر
کے سوا نہیں پایا۔ اور ہم نے اس میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی چھوڑ دی جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔

قوم لوط کی ہلاکت کا باعث عبرت ہونے کا بیان

"فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا" أَيْ قُرَى قَوْم لُوط "مِنَ الْمُؤْمِنِينَ" لِإِهْلَاكِ الْكَافِرِينَ "فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْر بَيْت مِنَ الْمُسْلِمِينَ" وَهُمْ لُوط وَابْنَتَاهُ وُصِفُوا بِالْإِيمَانِ وَالْإِسْلَام أَيْ هُمْ مُصَدِّقُونَ بِقُلُوبِهِمْ عَامِلُونَ بِجَوَارِحِهِمْ الطَّاعَات،

"وَتَرَكْنَا فِيهَا" بَعْد إِهْلَاك الْكَافِرِينَ "آيَة" عَلَامَة عَلَى إِهْلَاكهمْ "لِلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَاب الْأَلِيم" فَلَا يَفْعَلُونَ مِثْل فِعْلهمْ،

پھر ہم نے ہر اس شخص کو قوم لوط کی بستی سے باہر نکال دیا جو اس میں اہل ایمان میں سے تھا۔ سو ہم نے اس بستی میں مسلمانوں کے ایک گھر کے سوا اور کوئی گھر نہیں پایا۔ اس میں حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی دو صاحبزادیاں تھیں۔ ان کو ایمان سے موصوف کیا

ہے اور اسلام یہ ہے کہ انہوں نے دلوں سے تصدیق کی اور اعضاء سے اطاعت کی۔ اور ہم نے اس میں یعنی ان کفار کی ہلاکت کے بعد ان لوگوں کے لیے ایک نشانی چھوڑ دی جو ان کی ہلاکت پر دلیل ہے۔ یہ دلیل ان لوگوں کیلئے ہے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔ پس وہ ان کی مثل نہیں کرتے۔

قوم لوط میں مسلمانوں کا صرف ایک گھرانہ تھا:۔ یہ سیدنا لوط علیہ السلام کا گھرانہ تھا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ کل تیرہ افراد تھے جو اس تباہ کن عذاب سے بچے تھے۔ ان کی بیوی بھی تباہ ہو جانے والوں میں شامل تھی۔ ممکن ہے آپ پر ایمان لانے والوں نے بھی آپ کے ہی گھر میں پناہ لے رکھی ہو۔ واضح رہے کہ سیدنا لوط علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمان ہی کے لقب سے نوازا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک دین حق صرف اسلام ہی ہے اور سب نبیوں پر ایمان لانے والے مسلمان ہی ہوتے تھے۔ اور ابتداء مسلمان ہی کہلاتے تھے۔ بعد میں ہر نبی کی امت نے اپنے لیے علیحدہ علیحدہ نام رکھ لیے تھے۔ پھر وہ انہیں ناموں سے متعارف ہونے لگے۔

وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰـهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ○ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ
سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ○ فَاَخَذْنٰـهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰـهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ○
اور موسیٰ میں جب ہم نے انہیں فرعون کی طرف واضح دلیل دے کر بھیجا۔ تو اس نے اپنے اراکینِ سلطنت سمیت
رُوگردانی کی اور کہنے لگا، جادوگر یا دیوانہ ہے۔ پس ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا، پھر انھیں سمندر میں
پھینک دیا، اس حال میں کہ وہ قابل ملامت کام کرنے والا تھا۔

فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت میں نشان عبرت کا بیان

"وَفِي مُوسَى" مَعْطُوف عَلَى فِيهَا الْمَعْنَى: وَجَعَلْنَا فِي قِصَّة مُوسَى آيَة "إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَى فِرْعَوْن" مُلْتَبِسًا "بِسُلْطَانٍ مُبِين" بِحُجَّةٍ وَاضِحَة
"فَتَوَلَّى" أَعْرَضَ عَنْ الْإِيمَان "بِرُكْنِهِ" مَعَ جُنُوده لِأَنَّهُمْ لَهُ كَالرُّكْنِ "وَقَالَ" لِمُوسَى هُوَ "سَاحِر أَوْ مَجْنُون"
"فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُوده فَنَبَذْنَاهُمْ" طَرَحْنَاهُمْ "فِي الْيَمّ" الْبَحْر فَغَرِقُوا "وَهُوَ" أَيْ فِرْعَوْن "مُلِيم" آتٍ بِمَا يُلَام عَلَيْهِ مِنْ تَكْذِيب الرُّسُل وَدَعْوَى الرُّبُوبِيَّة -

یہاں پر لفظ فی موسیٰ میں اس معنی پر معطوف ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں بھی نشانیاں ہیں۔ جب ہم نے انہیں فرعون کی طرف واضح دلیل دے کر بھیجا۔ یعنی جس میں واضح حجت تھی۔ تو اس نے اپنے اراکینِ سلطنت سمیت ایمان لانے سے رُوگردانی کی یعنی اس کا جنود مثل رکن ہے۔ اور کہنے لگا: یہ جادوگر یا دیوانہ ہے۔ پس ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا، پھر

انھیں سمندر میں پھینک دیا، اس حال میں کہ وہ قابل ملامت کام کرنے والا تھا۔ کیونکہ اس بد بخت نے ہمارے رسل کی تکذیب کی اور ربوبیت کا دعویٰ کر دیا۔

انجام تکبر

ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح قوم لوط کے انجام کو دیکھ کر لوگ عبرت حاصل کر سکتے ہیں اسی قسم کا فرعونیوں کا واقعہ ہے ہم نے ان کی طرف اپنے کلیم پیغمبر حضرت موسیٰ کو روشن دلیلیں اور واضح براہان دے کر بھیجا لیکن ان کے سردار فرعون نے جو تکبر کا مجسمہ تھا حق کے ماننے سے عناد کیا اور ہمارے فرمان کو بے پرواہی سے ٹال دیا اس دشمن الٰہی نے اپنی طاقت وقوت کے گھمنڈ پر اپنے راج لشکر کے بل بوتے پر رب کے فرمان کی عزت نہ کی اور اپنے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر حضرت موسیٰ کی ایذاء رسانی پر اتر آیا اور کہنے لگا کہ موسیٰ یا تو جادوگر ہے یا دیوانہ ہے پس اس ملامتی کافر، فاجر، معاند متکبر شخص کو ہم نے اس کے لاؤ لشکر سمیت دریا برد کر دیا۔

(تفسیر ابن کثیر، سورہ ذاریات، بیروت)

وَ فِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ○مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ○
اور عاد میں، جب ہم نے ان پر بانجھ (خیر و برکت سے خالی) آندھی بھیجی۔ وہ جس چیز پر بھی گزرتی تھی
اسے ریزہ ریزہ کیے بغیر نہیں چھوڑتی تھی۔

قوم عاد کی ہلاکت میں نشان عبرت کا بیان

"وَفِی" إِهْلَاكِ "عَادٍ" آيَة "إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ الرِّيح الْعَقِيم" هِيَ الَّتِي لَا خَيْر فِيهَا لِأَنَّهَا لَا تَحْمِل الْمَطَر وَلَا تُلَقِّح الشَّجَر وَهِيَ الدَّبُور

"مَا تَذَر مِنْ شَيْء" نَفْس أَوْ مَال "أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ" كَالْبَالِي الْمُتَفَتِّت -

اور قوم عاد کی ہلاکت میں بھی نشانی ہے، جب ہم نے ان پر بانجھ خیر و برکت سے خالی آندھی بھیجی۔ کیونکہ وہ ہوا نہ تو بارش کو اٹھانے والی تھی اور نہ ہی درختوں کو بار آور کرنے والی ہے کہا گیا ہے کہ وہ جنوبی ہوا ہے۔ وہ جس چیز یعنی مال یا جان پر بھی گزرتی تھی اسے بوسیدہ ہڈی کی طرح ریزہ ریزہ کیے بغیر نہیں چھوڑتی تھی۔

ہوا کے ذریعے قوم عاد پر عذاب آنے کا بیان

حضرت ابووائل قبیلہ ربیعہ کے ایک شخص سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں مدینہ آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، وہاں قوم عاد کے قاصد کا ذکر آیا تو میں نے کہا کہ میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں بھی اس کی طرح ہو جاؤں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ قوم عاد کا قاصد کیسا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اچھے واقف کار سے آپ کا واسطہ پڑا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب قوم عاد پر قحط پڑا تو قیل (ایک آدمی کا نام) کو بھیجا گیا وہ بکر بن معاویہ کے پاس ٹھہرا۔ اس نے

اسے شراب پلائی اور دو خوش آواز گانے والیوں نے اسے گانا سنایا پھر وہ مہرہ کے پہاڑوں کا ارادہ کر کے نکلا اور چل دیا۔ پھر دعا کی کہ یا اللہ میں کسی بیماری کے علاج یا کسی قیدی کو چھڑانے کیلئے نہیں آیا کہ میں فدیہ دوں۔ لہٰذا تو اپنے بندے کو جو پلانا ہو پلا۔ ساتھ ہی ساتھ بکر بن معاویہ کو بھی پلا۔ اسطرح وہ بکر بن معاویہ کے شراب پلانے کا شکریہ ادا کرتا تھا۔ پھر اس کے لئے کئی بدلیاں آئیں جن میں سے اس نے کالی بدلی پسند کی پھر کہا گیا کہ جلی ہوئی راکھ لے لو جو قوم عاد کے کسی فرد کو نہ چھوڑے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم عاد پر صرف اس انگوٹھی کے حلقے کے برابر ہوا چھوڑی گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھی (اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ، مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ، اور قوم عاد میں بھی (عبرت ہے) جب ہم نے ان پر سخت آندھی بھیجی جو کسی چیز کو نہ چھوڑتی جس پر سے وہ گزرتی مگر اسے بوسیدہ ہڈیوں کی طرح کر دیتی۔ یہ حدیث کئی راوی سلام ابو منذر سے وہ عاصم بن ابوالنجود سے وہ ابووائل سے اور وہ حارث بن حسان سے نقل کرتے ہیں۔ انہیں حارث بن یزید بھی کہا جاتا ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1221)

وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ○ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ○
اور ثمود میں بھی جبکہ ان سے کہا گیا کہ تم ایک معیّنہ وقت تک فائدہ اٹھا لو۔ پھر انھوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی تو انھیں
کڑک نے پکڑ لیا اور وہ دیکھ رہے تھے۔ پھر نہ انھوں نے کسی طرح کھڑے ہونے کی طاقت پائی اور نہ وہ بدلہ لینے والے تھے۔

قوم ثمود کی ہلاکت میں نشان عبرت کا بیان

"وَفِيْ" إهْلَاك "ثَمُود" آيَة "إذْ قِيلَ لَهُمْ" بَعْد عَقْر النَّاقَة "تَمَتَّعُوا حَتَّى حِين" إلَى انْقِضَاء آجَالكُمْ كَمَا فِي آيَة،

"فَعَتَوْا" تَكَبَّرُوا "عَنْ أَمْر رَبّهمْ" أَيْ عَنْ امْتِثَاله "فَأَخَذَتْهُمْ الصَّاعِقَة" بَعْد مُضِيّ الثَّلَاثَة أَيَّام أَيْ الصَّيْحَة الْمُهْلِكَة "وَهُمْ يَنْظُرُونَ" أَيْ بِالنَّهَارِ

"فَلَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَام" أَيْ مَا قَدَرُوا عَلَى النُّهُوض حِين نُزُول الْعَذَاب "وَمَا كَانُوا مُنْتَصِرِينَ" عَلَى مَنْ أَهْلَكَهُمْ،

اور قوم ثمود کی ہلاکت میں بھی عبرت کی نشانی ہے جبکہ ان سے کہا گیا اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے بعد ان سے کہا گیا کہ تم ایک معیّنہ وقت تک فائدہ اٹھا لو۔ یہاں تک کہ تمہاری موت آنے والی ہے جس طرح آیت میں آیا ہے۔ پھر انھوں نے اپنے رب کے حکم یعنی اس کی مثل احکام سے سرکشی کی یعنی تکبر کیا۔ تو تین دن گزر جانے کے بعد انھیں کڑک نے پکڑ لیا جو ہلاک کرنے والی کڑک تھی۔ اور وہ دن میں دیکھ رہے تھے۔ پھر نہ انھوں نے کسی طرح کھڑے ہونے کی طاقت پائی یعنی عذاب کے وقت ان کے پاس کھڑے ہونے کی بھی طاقت نہ تھی۔ اور نہ وہ اپنے ہلاکت کا بدلہ لینے والے تھے۔ جس نے انہیں ہلاک کیا۔

گرنے والی بجلی کا عذاب:۔ صاعقۃ آسمان سے گرنے والی بجلی کو کہتے ہیں اور وہ جس چیز پر گرتی ہے اسے جلا کر خاکستر بنا دیتی ہے۔ قوم ثمود کا قصہ بھی پہلے بہت سے مقامات پر گزر چکا ہے۔ ان پر جو عذاب نازل ہوا اس کے لیے کہیں صیحہ (زبردست چیخ، کڑک، دھماکہ) کا لفظ آیا ہے اور کہیں رجفۃ (زلزلہ) کا۔ گویا ان پر زمین سے عذاب آیا تھا اور آسمان سے بھی اور ہر مقام پر کسی ایک پہلو کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ○ وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ○
اور اس سے پہلے نوح (علیہ السلام) کی قوم کو، بیشک وہ سخت نافرمان لوگ تھے۔ اور آسمانی کائنات کو ہم نے بڑی قوت
کے ذریعہ سے بنایا اور یقیناً ہم وسعت اور پھیلاؤ دیتے جا رہے ہیں۔

قوم نوح کی ہلاکت میں نشان عبرت کا بیان

"وَقَوْمِ نُوح " بِالْجَرِّ عُطِفَ عَلَى ثَمُود أَيْ وَفِي إِهْلَاكِهِمْ بِمَا فِي السَّمَاء وَالْأَرْض آيَة وَبِالنَّصْبِ أَيْ وَأَهْلَكْنَا قَوْم نُوح "مِنْ قَبْل" أَيْ قَبْل إِهْلَاك هَؤُلَاءِ الْمَذْكُورِينَ "وَالسَّمَاء بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ" بِقُوَّةٍ "وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ" قَادِرُونَ يُقَال: آدَ الرَّجُل يَئِيد قَوِيَ وَأَوْسَعَ الرَّجُل: صَارَ ذَا سِعَة وَقُوَّة،

اور اس سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم کو بھی ہلاک کیا، یہاں پر لفظ قوم ماقبل لفظ ثمود پر عطف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے یعنی ان کی ہلاکت میں ان سب کیلئے جو زمین و آسمان میں ہے نشانی ہے۔ اور لفظ قوم منصوب بھی آیا ہے جب اس سے پہلے اہلکنا مقدر ہو یعنی" وَأَهْلَكْنَا قَوْمَ نُوح "یعنی ان مذکورہ اقوام سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کیا۔ بیشک وہ سخت نافرمان لوگ تھے۔ اور آسمانی کائنات کو ہم نے بڑی قوت کے ذریعہ سے بنایا یعنی اپنے دست قدرت سے بنایا ہے۔ اور یقیناً ہم اس کائنات کو وسعت اور پھیلاؤ دیتے جا رہے ہیں۔ جس طرح کہا جاتا ہے "آدَ الرَّجُل يَئِيد قَوِيَ" آدمی طاقتور ہو گیا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے "وَأَوْسَعَ الرَّجُل" آدمی وسعت و طاقت والا ہے۔

آسمان کی پیدائش کا بھی یہی حال ہے یہاں آسمان سے مراد پہلا آسمان یا کوئی خاص آسمان نہیں بلکہ یہاں سماء سے مراد فضائے بسیط ہے جب کہ اس آیت (ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ،البقرۃ:29) میں بھی سماء سے مراد فضائے بسیط ہے۔ جس میں لاتعداد مجمع النجوم اور کہکشائیں ہیئت دانوں کو ورطہ حیرت میں ڈال کر ان کے علم کو ہر آن چیلنج کر رہی ہیں۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ ہیئت دان جوں جوں پہلے سے زیادہ طاقتور اور جدید قسم کی دوربینیں ایجاد کر رہے ہیں توں توں اس بات کا بھی انکشاف ہو رہا ہے کہ کائنات میں ہر آن مزید وسعت پیدا ہو رہی ہے۔ سیاروں کے درمیانی فاصلے بھی بڑھ رہے ہیں اور نئے نئے اجرام بھی مشاہدہ میں آ رہے ہیں۔

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ۝ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝

اور زمین کو ہم ہی نے فرش بنایا سو ہم کیا خوب سنوارنے اور سیدھا کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے ہر چیز سے دو جوڑے پیدا فرمائے تاکہ تم دھیان کرو اور سمجھو۔

زمین کے فرش ہونے سے استدلال الوہیت کا بیان

"وَالْاَرْضَ فَرَشْنَاهَا" مَهَّدْنَاهَا "فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ" نَحْنُ "وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ" مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهِ: خَلَقْنَا "خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ" صِنْفَيْنِ كَالذَّكَرِ وَالْاُنْثَى وَالسَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَالشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَالسَّهْلِ وَالْجَبَلِ وَالصَّيْفِ وَالشِّتَاءِ وَالْحُلْوِ وَالْحَامِضِ وَالنُّوْرِ وَالظُّلْمَةِ "لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ" بِحَذْفِ إِحْدَى التَّاءَيْنِ مِنَ الْاَصْلِ فَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ خَالِقَ الْاَزْوَاجِ فَرْدٌ فَتَعْبُدُوْهُ۔

اور سطحِ زمین کو ہم ہی نے قابلِ رہائش فرش بنایا سو ہم کیا خوب سنوارنے اور سیدھا کرنے والے ہیں۔ یہاں پر من کل شئی یہ خلقنا کے متعلق ہے۔ اور ہم نے ہر چیز سے دو جوڑے پیدا فرمائے یعنی مذکر ومؤنث، آسمان وزمین، شمس وقمر، میدان وپہاڑ، اور گرامی وسردی اور میٹھا کڑوا اور نور وظلمت کو بنایا ہے۔ تاکہ تم دھیان کرو اور سمجھو۔ یہاں پر تذکرون میں دونوں تاؤں میں سے ایک تاء کو حذف کیا گیا ہے۔ پس تم سجھ لو کہ جوڑے کو پیدا کرنے والا فرد ہے لہٰذا تم اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔

ہر چیز کے جوڑے اور زوج کے مختلف مفہوم کا بیان

زوج کا لفظ عربی میں تین معنوں میں آتا ہے۔ (۱) متضاد اشیاء جیسے دن اور رات، دھوپ اور سایہ، روشنی اور تاریکی، سیاہی اور سفیدی، خوشی اور رنج، خوشحالی اور تنگدستی وغیرہ۔ (۲) ہم مثل اشیاء کے لیے جیسے پاؤں کے دونوں جوتے ایک دوسرے کا زوج ہیں۔ اسی طرح ہر دور کے مشرک ایک دوسرے کا زوج ہیں۔ ایک ہی نوعیت کے مجرم ایک دوسرے کا زوج ہیں۔ (۳) نر ومادہ کے لیے مثلاً خاوند بیوی کا زوج ہے، بیوی خاوند کی زوج ہے۔ ہر نر مادہ کا زوج ہے اور ہر مادہ نر کا زوج ہے۔ اور اس آیت میں غالباً اسی قسم کے زوج مراد ہیں۔ جانداروں میں ایک دوسرے کا زوج تو سب کے مشاہدہ میں آچکا ہے۔ نباتات میں بھی یہ سلسلہ قائم ہے۔ بار بردار ہوائیں نر درختوں کا تخم مادہ درختوں پر ڈال دیتی ہیں تو تب ہی ان میں پھل لگتا اور پکتا ہے اور جدید تحقیق کے مطابق یہ سلسلہ جمادات میں بھی پایا جاتا ہے۔ بجلی کا مثبت اور منفی ہونا یا ایک حقیر سے ذرہ میں الیکٹرون اور پروٹون کا مثبت اور منفی ہونا انسان کے علم میں آچکا ہے۔ مقناطیس میں بھی مثبت اور منفی سرے ہوتے ہیں۔ اور جمادات تو کیا ہر چیز ذرات ہی کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اس نر ومادہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ چلایا کہ ان دونوں کے ملاپ سے ایک تیسری چیز وجود میں آتی ہے جس میں بعض دفعہ تو اصل نر اور مادہ کے کچھ کچھ خواص موجود ہوتے ہیں اور بعض دفعہ یہ تیسری چیز ایسی چیز پیدا ہوتی ہے جس کے خواص پہلی دونوں چیزوں سے بالکل جداگانہ ہوتے ہیں اور اسی چیز کا نام کیمیا یا کیمسٹری ہے۔ انسان کا علم جس حد تک پہنچ چکا ہے وہ بہرحال محدود ہے۔ جبکہ وحی الٰہی پورا

علم ہے، جس میں یہ خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے ہیں اور ان میں غور کرنے سے انسان کو اللہ کی قدرت کاملہ سے متعلق بہت سبق ملتے اور اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ وَ لَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ
اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ
پس تم اللہ کی طرف دوڑ چلو، بیشک میں اس کی طرف سے تمہیں کھلا ڈر سنانے والا ہوں۔ اور اللہ کے سوا
کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ، بیشک میں اس کی جانب سے تمہیں کھلا ڈر سنانے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کے حکم کا بیان

"فَفِرُّوا إِلَى اللَّه" أَيْ إِلَى ثَوَابه مِنْ عِقَابه بِأَنْ تُطِيعُوهُ وَلَا تَعْصُوهُ "إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِير مُبِين" بَيِّن الْإِنْذَار،

"وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّه إِلَهًا آخَر إِنِّي لَكُمْ مِنْهُ نَذِير مُبِين" يُقَدَّر قَبْل فَفِرُّوا قُلْ لَهُمْ،

پس تم اللہ کی طرف دوڑ چلو، یعنی اس کے عذاب سے بچتے ہوئے اس کے ثواب کی جانب چلو اس طرح کہ تم اس کی اطاعت کرو اور نافرمانی نہ کرو۔ بیشک میں اس کی طرف سے تمہیں کھلا ڈر سنانے والا ہوں۔ اور اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ، بیشک میں اس کی جانب سے تمہیں کھلا ڈر سنانے والا ہوں۔ یہاں پر ففروا سے پہلے قل لہم مقدر مانا جائے گا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا مراد یہ ہے کہ اپنے گناہوں سے بھاگو اللہ کی طرف توبہ کے ذریعہ، ابوبکر وراق او جنید بغدادی نے فرمایا کہ نفس وشیطان معاصی کی طرف دعوت دینے والے ہیں اور بہکانے والے ہیں، تم ان سے بھاگ کر اللہ کی طرف پناہ لو تو وہ تمہیں ان کے شر سے بچالیں گے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ ذاریات، بیروت)

كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۚ
اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس بھی کوئی رسول نہیں آیا مگر انہوں نے یہی کہا کہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔

کفار اقوام کی تکذیب انبیاء میں مماثلت کا بیان

"كَذَلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلهمْ مِنْ رَسُول إِلَّا قَالُوا" هُوَ "سَاحِر أَوْ مَجْنُون" أَيْ مِثْل تَكْذِيبهمْ لَك بِقَوْلِهِمْ إِنَّك سَاحِر أَوْ مَجْنُون تَكْذِيب الْأُمَم قَبْلهمْ رُسُلهمْ بِقَوْلِهِمْ ذَلِكَ

اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس بھی کوئی رسول نہیں آیا مگر انہوں نے یہی کہا کہ یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔ یعنی جس طرح انہوں نے آپ کو ساحر یا مجنون کہہ کر آپ کی تکذیب کی ہے۔ اس سے پہلے بھی کوئی امتوں نے اپنے رسولان گرامی کی ایسے ہی تکذیب کی ہے۔

تبلیغ میں صبر وضبط کی اہمیت کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ کفار جو آپ کو کہتے ہیں وہ کوئی نئی بات نہیں ان سے پہلے کا کافروں نے بھی اپنے اپنے زمانہ کے رسولوں سے یہی کہا ہے، کافروں کا یہ قول سلسلہ بہ سلسلہ یونہی چلا آیا ہے جیسے آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کر کے جاتا ہو سچ تو یہ ہے کہ سرکشی اور سرتابی میں یہ سب یکساں ہیں اس لئے جو بات پہلے والوں کے منہ سے نکلی وہی ان کی زبان سے نکلتی ہے کیونکہ سخت دلی میں سب ایک سے ہیں پس آپ چشم پوشی کیجئے یہ مجنون کہیں جادوگر کہیں آپ صبر وضبط سے سن لیں ہاں نصیحت کی تبلیغ نہ چھوڑیئے اللہ کی باتیں پہچانتے چلے جایئے۔ جن دلوں میں ایمان کی قبولیت کا مادہ ہے وہ ایک نہ ایک روز راہ پر لگ جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ ذاریات، بیروت)

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۝
کیا انھوں نے ایک دوسرے کو اس کی وصیت کی ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ سرکش لوگ ہیں۔
سو آپ ان سے نظرِ التفات ہٹالیں پس آپ پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

سرکشی کرنے والے لوگوں سے امید نصیحت نہ ہونے کا بیان

"أَتَوَاصَوْا بِهِ" كُلّهمْ اسْتِفْهَام بِمَعْنَى النَّفْي "بَلْ هُمْ قَوْم طَاغُونَ" جَمَعَهُمْ عَلَى هَذَا الْقَوْل طُغْيَانهمْ "فَتَوَلَّ" أَعْرِضْ "عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُومٍ" لِأَنَّك بَلَّغْتهمْ الرِّسَالَة،

کیا انھوں نے ایک دوسرے کو اس بات کی وصیت کی ہے؟ نہیں، یہاں پر استفہام بہ معنی نفی ہے۔ بلکہ یہ خود ہی سرکش لوگ ہیں۔ یعنی ان کی سرکشی نے ان کو اس قول پر جمع کیا ہوا ہے۔ پس آپ ان سے نظرِ التفات ہٹالیں پس آپ پر (اُن کے ایمان نہ لانے کی) کوئی ملامت نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کی رسالت ان تک پہنچ چکی ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اتواصوابہ۔ ہمزہ استفہامیہ انکار اور تنبیہ کے لئے آتا ہے۔ تواصوا مضارع جمع مذکر غائب۔ تواصی (تفاعل) مصدر بمعنی ایک دوسرے کو نصیحت کرنا۔ وصیت کرنا۔ کہہ مرنا۔ بہ میں ضمیرہ کا مرجع ان کا وہ قول کہ رسول یا تو ساحر ہے یا مجنون۔ ترجمہ ہوگا:۔ کیا ان کے اگلے اور پچھلوں کو یہی وصیت کرتے چلے آئے تھے؟

بل ہم قوم طاغون: بل حرف اضراب ہے۔ ماقبل کے ابطال اور مابعد کی تصدیق کے لئے آیا ہے۔ نہیں یہ بات نہیں بلکہ یہ لوگ فطرتاً سرکش و نافرمان تھے۔

طاغون: اسم فاعل جمع مذکر طغیان (باب فرح) مصدر بمعنی سرکش، نافرمان، معصیت میں حد سے بڑھ جانا، سمندر کا جوش مارنا۔ طاغی کی جمع بحالت رفع ہے۔ مطلب: نہیں یہ نہیں کہ ان کے اگلے پچھلوں کو وصیت کرتے چلے آئے تھے بلکہ دراصل یہ لوگ

فطرتاً ہی سرکش و نافرمان و باغی تھے۔

وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝
اور آپ نصیحت کرتے رہیں کہ بیشک نصیحت مومنوں کو فائدہ دیتی ہے۔اور میں نے جنات اور انسانوں کو
صرف اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اختیار کریں۔

جن وانس کی تخلیق میں مقصد عبادت ہونے کا بیان

"وَذَكِّرْ" عِظْ بِالْقُرْآنِ "فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنْفَع الْمُؤْمِنِينَ" مَنْ عَلِمَ اللّٰه تَعَالَى أَنَّهُ يُؤْمِن "وَمَا خَلَقْت الْجِنّ وَالْإِنْس إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" وَلَا يُنَافِي ذٰلِكَ عَدَم عِبَادَة الْكَافِرِينَ لِأَنَّ الْغَايَة لَا يَلْزَم وُجُودهَا كَمَا فِي قَوْلك : بَرَيْت هٰذَا الْقَلَم لِأَكْتُب بِهِ فَإِنَّك قَدْ لَا تَكْتُب بِهِ،

اور آپ قرآن کے ساتھ نصیحت کرتے رہیں کہ بیشک نصیحت مومنوں کو فائدہ دیتی ہے۔کیونکہ جس نے ایمان لانا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔اور میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اختیار کریں۔یہ حکم کفار کی عدم عبادت کے منافی نہیں ہے۔کیونکہ غایت اس کے وجود کو لازم نہیں ہوا کرتی۔جس طرح تیرا یہ قول ہے۔کہ میں یہ قلم لکھنے کیلئے بنایا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ اس قلم سے نہیں لکھ رہے ہوتے۔

پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فرمان ہے کہ میں نے انسانوں اور جنوں کو کسی اپنی ضرورت کے لئے نہیں پیدا کیا بلکہ صرف اس لئے کہ میں انہیں ان کے نفع کے لئے اپنی عبادت کا حکم دوں وہ خوشی ناخوشی میرے معبود برحق ہونے کا اقرار کریں مجھے پہچانیں حضرت سدی فرماتے ہیں بعض عبادتیں نفع دیتی ہیں اور بعض عبادتیں بالکل نفع نہیں پہنچاتیں جیسے قرآن میں ایک جگہ ہے کہ اگر تم ان کافروں سے پوچھو کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو گو یہ بھی عبادت ہے مگر مشرکوں کو کام نہ آئے گی غرض عابد سب ہیں خواہ عبادت ان کے لئے نافع ہو یا نہ ہو، اور حضرت ضحاک فرماتے ہیں اس سے مراد مسلمان انسان اور ایمان والے جنات ہیں۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں پڑھایا ہے حدیث (اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ،الذاریات:58) یہ حدیث ابوداؤد ترمذی اور نسائی میں بھی ہے امام ترمذی اسے حسن صحیح بتاتے ہیں۔غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بندگی کیلئے پیدا کیا ہے اب اس کی عبادت یکسوئی کے ساتھ جو بجالائے گا کسی کو اس کا شریک نہ کرے گا وہ اسے پوری پوری جزا عنایت فرمائے گا اور جو اس کی نافرمانی کرے گا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک کرے گا وہ بدترین سزائیں بھگتے گا اللہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ کل مخلوق ہر حال اور ہر وقت میں اس کی پوری محتاج ہے بلکہ محض بید ست و پا اور سراسر فقیر ہے خالق رزاق اکیلا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ ذاریات، بیروت)

مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○
نہ میں ان سے کوئی رزق چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ بے شک اللہ ہی بے حد رزق
دینے والا، طاقت والا، نہایت مضبوط ہے۔

اللہ تعالیٰ سب کو رزق عطا کرنے والا ہے

"مَا أُرِيد مِنْهُمْ مِنْ رِزْق" لِي وَلِأَنْفُسِهِمْ وَغَيْرهمْ "وَمَا أُرِيد أَنْ يُطْعِمُونِ" وَلَا أَنْفُسهمْ وَلَا غَيْرهمْ"إِنَّ اللَّه هُوَ الرَّزَّاق ذُو الْقُوَّة الْمَتِين" الشَّدِيد

نہ میں ان سے کوئی رزق چاہتا ہوں یعنی نہ خود ان سے اور نہ ان کے سواسے، اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ یعنی نہ وہ خود اور نہ اس کے سوا، بے شک اللہ ہی بے حد رزق دینے والا، طاقت والا، نہایت مضبوط ہے۔

مسند احمد میں حدیث قدسی ہے کہ اے ابن آدم میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا میں تیرا سینہ تونگری اور بے نیازی سے پر کر دونگا اور تیری فقیری روک دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو اشغال سے بھر دوں گا اور تیری فقیری کو ہرگز بند نہ کروں گا ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث شریف ہے، امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں خالد کے دونوں لڑکے حضرت حبہ اور حضرت سواء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کسی کام میں مشغول تھے یا کوئی دیوار بنا رہے تھے یا کسی چیز کو درست کر رہے تھے ہم بھی اسی کام میں لگ گئے جب کام ختم ہوا تو آپ نے ہمیں دعا دی اور فرمایا سر ہل جانے تک روزی سے مایوس نہ ہونا دیکھو انسان جب پیدا ہوتا ہے ایک سرخ بوٹی ہوتا ہے بدن پر ایک چھلکا بھی نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ اسے سب کچھ دیتا ہے (مسند احمد)

بعض آسمانی کتابوں میں ہے اے ابن آدم میں نے تجھے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اس لئے تو اس سے غفلت نہ کر تیرے رزق کا میں ضامن ہوں تو اس میں بیجا تکلیف نہ کر مجھے ڈھونڈ تا کہ مجھے پالے جب تو نے مجھے پالیا تو یقین مان کہ تو نے سب کچھ پالیا اور اگر میں تجھے نہ ملا تو سمجھ لے کہ تمام بھلائیاں تو کھو چکا سن تمام چیزوں سے زیادہ محبت تیرے دل میں میری ہونی چاہیے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ ذاریات، بیروت)

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ○
فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ○
پس یقیناً ان لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم کیا، ان کے ساتھیوں کی مثل کی طرح ایک باری ہے، سو وہ مجھ سے جلدی
نہ مانگیں غرض ان کافروں کے لئے اس دن کے آنے سے بڑی خرابی ہوگی جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

کفار مکہ کیلئے دوسرے کفار کی طرح عذاب ہونے کا بیان

"فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا" أَنْفُسهمْ بِالْكُفْرِ مِنْ أَهْل مَكَّة وَغَيْرهمْ "ذَنُوبًا" نَصِيبًا مِنْ الْعَذَاب "مِثْل ذَنُوب" نَصِيب "أَصْحَابهمْ" الْهَالِكِينَ قَبْلهمْ "فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ" بِالْعَذَابِ إنْ أَخَّرْتهمْ إلَى يَوْم الْقِيَامَة،

"فَوَيْل" شِدَّة عَذَاب "لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ" فِي "يَوْمهمْ الَّذِي يُوعَدُونَ" أَيْ يَوْم الْقِيَامَة

پس یقیناً ان لوگوں یعنی اہل مکہ وغیرہ کے لیے جنھوں نے کفر کر کے ظلم کیا، ان کے ساتھیوں کی باری کی طرح عذاب کی ایک باری ہے، پس وہ مجھ سے جلدی عذاب نہ مانگیں۔ کیونکہ میں نے اس کو قیامت کے دن تک کیلئے مؤخر کر دیا ہے۔ غرض ان کافروں کے لئے اس دن کے آنے سے بڑی خرابی یعنی سخت عذاب ہوگا جس کا ان سے اس دن میں یعنی قیامت کے دن میں وعدہ کیا جاتا ہے۔

لفظ ذنوب کے مفہوم اور اس پر مرتب ہونے والے عذاب کا بیان

لفظ ذنوب بفتح الذال اصل میں بڑے ڈول کو کہا جاتا ہے اور بستی کے عام کنوؤں پر پانی بھرنے کے لئے بغرض سہولت بھرنے والوں کے نمبر اور باری مقرر کر لی جاتی ہے، ہر ایک پانی بھرنے والا اپنی باری میں پانی بھرتا ہے، اس لئے یہاں لفظ ذنوب کے معنی باری اور حصہ کے لئے گئے ہیں، مراد یہ ہے کہ جس طرح پچھلی امتوں کو اپنے اپنے وقت میں عمل کرنے کا موقع اور باری دی گئی جن لوگوں نے اپنی باری میں کام نہیں کیا وہ ہلاک و برباد اور گرفتار عذاب ہوئے، اسی طرح موجودہ مشرکین کی بھی باری اور وقت مقرر ہے، اگر اس وقت تک یہ اپنے کفر سے باز نہ آئے تو خدا کا عذاب ان کو کبھی تو اسی دنیا میں اور نہیں تو آخرت میں ضرور پکڑیگا، اس لئے ان کو فرما دیجئے کہ اپنی جلد بازی سے باز آ جاؤ یعنی یہ کفار جو بطور تکذیب و انکار کے یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم واقعی مجرم ہیں اور مجرمین پر عذاب آنا آپ کے قول سے ثابت ہے تو پھر ہم پر عذاب کیوں نہیں آ جاتا؟ ان کا جواب یہ ہے کہ عذاب اپنے مقررہ وقت پر اور اپنی باری پر آتا ہے، تمہاری باری بھی آنے والی ہے جلد بازی نہ کرو۔ (تفسیر قرطبی، مظہری، سورہ ذاریات، بیروت)

پھر فرماتا ہے یہ کافر میرے عذاب کو جلدی کیوں مانگ رہے ہیں؟ وہ عذاب تو انہیں اپنے وقت پر پہنچ کر ہی رہیں گے جیسے ان سے پہلے کافروں کو پہنچے قیامت کے دن جس دن کا ان سے وعدہ ہے انہیں بڑی خرابی ہوگی۔

سورہ ذاریات کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ ذاریات کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ و شرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار رہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت طور ہے

سورت طور کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃُ الطُّور (مَكِّيَّة وَآيَاتهَا تِسع وَأَرْبَعُونَ)

سورہ طور مکّیہ ہے، اس میں دو رکوع، انچاس آیات، تین سو بارہ کلمات، ایک ہزار پانچ سو حروف ہیں۔

سورت طور کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کا پہلا لفظ ہی طور ہے اور طور اس پہاڑ کا نام ہے جہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کیا۔ لہٰذا اسی مناسبت کے سبب یہ سورت طور کے نام سے معروف ہوئی ہے۔

سورت کی تلاوت وقرأت کا بیان

حضرت جبیر بن مطعم فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں "سورہ طور" پڑھتے ہوئے سنا ہے آپ سے زیادہ خوش آواز اور آپ سے زیادہ اچھی قرأت والا میں نے تو کسی کو نہیں سنا۔ (موطا امام مالک)

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں زمانہ حج میں میں بیمار تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اپنا حال کہا تو آپ نے فرمایا تم سواری پر سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے پیچھے طواف کرلو، چنانچہ میں نے سواری پر بیٹھ کر طواف کیا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے ایک کونے میں نماز پڑھ رہے تھے اور آیت (وَالطُّوْرِ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ،الطور: 1) کی تلاوت فرما رہے تھے۔ (بخاری)

وَالطُّوْرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝
وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۝
قسم ہے طور کی، اور لکھی ہوئی کتاب کی، ایسے ورق میں جو کھلا ہوا ہے۔ اور آباد گھر کی، اور اونچی اٹھائی ہوئی
چھت کی، اور اُبلتے ہوئے سمندر کی قسم۔

کلام کی تاکید کیلئے قسموں کو اٹھانے کا بیان

"وَالطُّور" أَيْ الْجَبَل الَّذِي كَلَّمَ اللّٰه عَلَيْهِ مُوسَى "فِي رَقّ مَنْشُور" أَيْ التَّوْرَاة أَوْ الْقُرْآن

"وَالْبَيْتِ الْمَعْمُور" هُوَ فِي السَّمَاء الثَّالِثَة أَوْ السَّادِسَة أَوْ السَّابِعَة بِحِيَالِ الْكَعْبَة يَزُورهُ كُلّ يَوْم سَبْعُونَ أَلْف مَلَك بِالطَّوَافِ وَالصَّلَاة لَا يَعُودُونَ إلَيْهِ أَبَدًا "وَالسَّقْف الْمَرْفُوع" أَيْ السَّمَاء "وَالْبَحْر الْمَسْجُور" أَيْ الْمَمْلُوء،

قسم ہے طور یعنی وہ پہاڑ جہاں پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا۔کی، اور لکھی ہوئی کتاب یعنی تورات یہ قرآن کی، ایسے ورق میں جو کھلا ہوا ہے۔اور آباد گھر کی، بیت المعمور وہ گھر جو تیسرے آسمان یا چھٹے یا ساتویں آسمان پر کعبہ شریف کے مد مقابل ہے۔وہاں پر زیارت ہر دن ستر ہزار فرشتے آتے ہیں جو وہاں طواف ونماز کے ذریعے زیارت کرتے ہیں۔اور دوبارہ کبھی بھی ان کی باری نہیں آتی۔اور اونچی اٹھائی ہوئی چھت یعنی آسمان کی، اور اُبلتے ہوئے یعنی بھرے ہوئے سمندر کی قسم۔

لفظ طور کے مفہوم کا بیان

طور کے معنی عبرانی زبان میں پہاڑ کے ہیں جس پر درخت اگتے ہوں، یہاں طور سے مراد وہ طور سینین ہے جو ارض مدین میں واقع ہے، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ سے شرف ہم کلامی نصیب ہوا، بعض روایات حدیث میں ہے کہ دنیا میں چار پہاڑ جنت کے ہیں ان میں سے ایک طور ہے۔(تفسیر قرطبی، سورہ طور، بیروت)

کتاب مسطور کے مفہوم کا بیان

لفظ رق دراصل پتلی باریک کھال کے لئے بولا جاتا ہے، جو لکھنے کے واسطے کاغذ کی جگہ بنائی جاتی تھی، مراد اس سے وہ چیز ہے جس پر لکھا گیا ہو، اس لئے اس کا ترجمہ کاغذ سے کر دیا جاتا ہے اور کتاب مسطور سے مراد تو انسان کا نامہ اعمال ہے جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں لکھا گیا ہے اور بعض مفسرین نے اس سے مراد قرآن کریم قرار دیا ہے۔(تفسیر قرطبی، سورہ طور، بیروت)

لفظ رق کے لغوی مفہوم کا بیان

رَقٌّ بمعنی پتلا اور نرم ہونا اور رق ہر وہ چیز ہے جو پتلی اور نرم ہو۔مثلاً درختوں کے پتے جھلی، پتلا چمڑہ اور کاغذ وغیرہ (مفردات)

اور کتب سماویہ عموماً جھلی اور پتلے چمڑے پر لکھے جاتی تھیں۔تاکہ امتداد زمانہ کا ساتھ دے سکیں اور خراب نہ ہوں۔اور نشر کے معنی کھولنا بھی ہے اور پھیلانا بھی۔پہلے معنی کے لحاظ سے اس کا مطلب ہوگا وہ کتاب جس کے صفحات کھلے ہوئے ہیں، کہتے ہیں نَشَرْتُ الْكِتَابَ ثُمَّ طَوَيْتُه، میں نے کتاب کھولی پھر بند کر دی اور اس سے مراد کوئی بھی آسمانی کتاب ہو سکتی ہے بلکہ لوح محفوظ بھی اور ربط مضمون یا طور کے ذکر کے لحاظ سے تورات کی تختیاں بھی۔اور دوسرے معنی کے لحاظ سے اس سے مراد اہل کتاب کی کتابوں کا وہ مجموعہ ہے جو دور نبوی میں بھی دستیاب تھا، نایاب نہیں تھا اور لوگوں میں معروف ومشہور تھا۔

بیت معمور کی مراد کا بیان

بیت المعمور ساتویں آسمان میں عرش کے سامنے کعبہ شریف کے بالکل مقابل ہے، یہ آسمان والوں کا قبلہ ہے، ہر روز ستر ہزار

فرشتے اس میں طواف و نماز کے لئے حاضر ہوتے ہیں، پھر کبھی انہیں لوٹنے کا موقع نہیں ملتا۴ ہر روز نئے ستر ہزار حاضر ہوتے ہیں۔

حدیث معراج میں بصحت ثابت ہوا ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتویں آسمان میں بیت المعمور کو ملاحظہ فرمایا۔

آباد گھر" سے مراد حضرت حسن بصری کے نزدیک بیت اللہ، یعنی خانہ کعبہ ہے جو کبھی حج اور عمرہ اور طواف و زیارت کرنے والوں سے خالی نہیں رہتا۔ اور حضرت علی، ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، قتادہ، ضحاک، ابن زید اور دوسرے مفسرین اس سے مراد وہ بیت معمور لیتے ہیں جس کا ذکر معراج کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

جس کی دیوار سے آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ٹیک لگائے دیکھا تھا۔ مجاہد، قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ جس طرح خانہ کعبہ اہل زمین کے لیے خدا پرستوں کا مرکز و مرجع ہے، اسی طرح ہر آسمان میں اس کے باشندوں کے لیے ایسا ہی ایک کعبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کے لیے ایسی ہی مرکزیت رکھتا ہے۔ ان ہی میں سے ایک کعبہ وہ تھا جس کی دیوار سے ٹیک لگائے حضرت ابراہیم علیہ السلام معراج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر آئے تھے، اور اس سے حضرت ابراہیم کی مناسبت فطری تھی کیونکہ آپ ہی زمین والے کعبہ کے بانی ہیں۔ اس تشریح کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ دوسری تفسیر حضرت حسن بصری کی تفسیر کے خلاف نہیں پڑتی، بلکہ دونوں کو ملا کر ہم یوں سمجھ سکتے ہیں کہ یہاں قسم صرف زمین ہی کے کعبہ کی نہیں کھائی گئی ہے بلکہ اس میں ان تمام کعبوں کی قسم بھی شامل ہے جو ساری کائنات میں موجود ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ طور، بیروت)

سقف مرفوع سے مراد عرش ہونے کا بیان

اس سے مراد آسمان ہے جو زمین کے لئے بمنزلہ چھت کے ہے۔ قرآن نے دوسرے مقام پر اسے 'محفوظ چھت' کہا ہے، بعض نے اس سے عرش مراد لیا ہے جو تمام مخلوقات کے لئے چھت ہے۔ (وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا، الانبیاء:32)۔

بعض نے اس سے عرش مراد لیا ہے جو تمام مخلوقات کے لیے چھت ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ طور، بیروت)

بحر مسجور کے مفہوم کا بیان

مسجور کے معنی ہیں بھڑکے ہوئے۔ بعض کہتے ہیں، اس سے وہ پانی مراد ہے جو زیر عرش ہے جس سے قیامت والے دن بارش نازل ہوگی، اس سے مردہ جسم زندہ ہو جائیں گے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد سمندر ہیں ان میں قیامت والے دن آگ بھڑک اٹھے گی۔ جیسے فرمایا واذا البحار سجرت اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے۔ اور بعض نے مسجور کے معنی مملوء بھرے ہوئے کے لیے ہیں یعنی فی الحال سمندروں میں آگ تو نہیں ہے البتہ وہ پانی سے بھرے ہوئے ہیں امام طبری نے اس قول کو اختیار کیا ہے اس کے اور بھی کئی معنی بیان کیے گئے ہیں۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ طور، بیروت)

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ۝ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا۝
وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا۝ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ۝

بیشک آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہو کر رہے گا۔ اسے کوئی ہٹانے والا نہیں۔ جس دن آسمان سخت تھرتھراہٹ
کے ساتھ لرزے گا۔ اور پہاڑ چلنے لگیں گے۔ تو اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔

وقوع عذاب کے برحق ہونے کا بیان

"إِنَّ عَذَاب رَبّك لَوَاقِع " لَنَازِل بِمُسْتَحِقِّهِ "مَا لَهُ مِنْ دَافِع " عَنْهُ "يَوْم" مَعْمُول لَوَاقِع "تَمُور السَّمَاء مَوْرًا " تَتَحَرَّك وَتَدُور "وَتَسِير الْجِبَال سَيْرًا" تَصِير هَبَاء مَنْثُورًا وَذَلِكَ فِي يَوْم الْقِيَامَة "فَوَيْل " شِدَّة عَذَاب "يَوْمئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ" أَيْ الْمُكَذِّبِينَ لِلرُّسُلِ،

بیشک آپ کے رب کا عذاب ضرور واقع ہو کر رہے گا۔ جو عذاب کا حقدار ہوگا۔ اسے کوئی ہٹانے والا نہیں۔ یعنی اس سے عذاب کو دور کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ یہاں یوم لواقع کا معمول ہے۔ جس دن آسمان سخت تھرتھراہٹ کے ساتھ لرزے گا۔ یعنی حرکت میں آئے گا اور گھومنے لگے گا۔ اور پہاڑ چلنے لگیں گے۔ یعنی وہ قیامت کے دن میں ریزہ ریزہ ہو کر غبار کی طرح اڑنے لگیں گے۔ تو اس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے۔ ویل سے مراد عذاب کی سختی ہے۔ جو رسولان گرامی کی تکذیب کرنے والوں کیلئے ہے۔

عذاب واقع اور جبیر بن مطعم کے قبول اسلام کا بیان

حضرت جبیر بن مطعم فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مدینہ طیبہ اس لئے آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر کے قیدیوں کے متعلق گفتگو کروں، میں پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھ رہے تھے اور آواز مسجد سے باہر تک پہنچ رہی تھی، جب یہ آیت پڑھی اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَه مِنْ دَافِعٍ ،اچانک میری یہ حالت ہوئی کہ گویا میرا دل خوف سے پھٹ جائے گا، میں نے فوراً اسلام قبول کیا، مجھے اس وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس جگہ سے ہٹ نہیں سکوں گا کہ مجھ پر عذاب آجائے گا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ طور، بیروت)

یوم تمور کے مفہوم کا بیان

مور کا لغوی مفہوم، تمور۔ مار میں بنیادی تصور حرکت اور تیز رفتاری ہے اَلنَّاقَةُ تَمُوْرُ فِی سَیْرِهَا بمعنی اونٹنی کا تیز رفتاری کی وجہ سے غبار اڑاتے چلے جانا (مفردات) اور مور بمعنی غبار بن کر ہوا میں اڑنا (فقہ اللغۃ) اور مَارَ الشَّیُ بمعنی کسی چیز کا تیز رفتاری کی وجہ سے آگے پیچھے ہلنا، لرزنا اور توازن کھو دینا (منجد) گویا اس دن آسمان کے انجر پنجر ہل جائیں گے وہ کانپنے، لرزنے، ہچکولے کھانے، ڈگمگانے اور بالآخر ذرات کی شکل میں تبدیل ہو کر اڑنے لگے گا۔

یعنی وہ پہاڑ جو زمین کی ڈگمگاہٹ اور ہچکولوں کو بند کرنے کے لیے زمین پر پھیلائے گئے تھے ان کی زمین میں اپنی گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی اور وہ خود تیزی سے اڑتے پھریں گے اور ایسا معلوم ہوگا جیسے وہ دھنکی ہوئی روئی کے گالے ہیں جو اڑ رہے ہیں۔ اس طرح زمین و آسمان کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے گا۔

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ۝ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا۝ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ۝ اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ۝
جو باطل میں پڑے غفلت کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ جس دن کو وہ دھکیل دھکیل کر آتش دوزخ کی طرف لائے جائیں گے۔ یہی ہے وہ آگ جسے تم جھٹلاتے تھے۔ سو کیا یہ جادو ہے یا تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔

کفر کے سبب دنیا کی غفلتوں میں پڑے رہنے کا بیان

"اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ" بَاطِلٍ "يَلْعَبُوْنَ" أَيْ يَتَشَاغَلُوْنَ بِكُفْرِهِمْ "يَوْمَ يُدَعُّوْنَ إِلَى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا" يُدْفَعُوْنَ بِعُنْفٍ بَدَلٌ مِنْ يَوْمِ تَمُوْرُ وَيُقَالُ لَهُمْ تَبْكِيتًا: "هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ" "أَفَسِحْرٌ هٰذَا" الْعَذَابُ الَّذِيْ تَرَوْنَ كَمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ فِي الْوَحْيِ هٰذَا سِحْرٌ،

جو اپنے کفر کی وجہ سے باطل بے ہودگی میں پڑے غفلت کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ جس دن کو وہ دھکیل دھکیل کر آتش دوزخ کی طرف لائے جائیں گے۔ یعنی دھکیل دیئے جائیں گے۔ یہاں لفظ یوم تمور سے بدل ہے۔ اور انہیں لاجواب کرنے کے طور پر کہہ دیا جائے گا۔ یہی ہے وہ آگ جسے تم جھٹلاتے تھے۔ پس کیا یہ عذاب جادو ہے جو تم دیکھ رہے ہو جس طرح تم وحی کے بارے میں کہتے تھے کہ جادو ہے یا تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔

کفار کے ہاتھ گردنوں سے باندھ کر جہنم میں ڈال دیئے جانے کا بیان

اور جہنم کے خازن کافروں کے ہاتھ گردنوں سے اور پاؤں پیشانیوں سے ملا کر باندھیں گے اور انہیں منہ کے بل جہنم میں ڈھکیل دیں گے اور ان سے کہا جائے گا۔

یعنی فرشتے ان کو سخت ذلت کے ساتھ دھکیلتے ہوئے دوزخ کی طرف لے جائیں گے اور وہاں پہنچا کر کہا جائے گا کہ یہ وہ آگ حاضر ہے جس کو تم جھوٹ جانتے تھے۔

یہ ان سے اس لئے کہا جائے گا کہ وہ دنیا میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سحر کی نسبت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہماری نظر بندی کر دی ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ طور، لاہور)

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْۤا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝
اس میں داخل ہو جاؤ، پھر تم صبر کرو یا صبر نہ کرو، تم پر برابر ہے، تمہیں صرف انہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے۔

کفار کا آتش دوزخ پر صبر کرنے یا نہ کرنے کے برابر ہونے کا بیان

"اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْا" عَلَيْهَا "أَوْ لَا تَصْبِرُوْا" صَبْرُكُمْ وَجَزَعُكُمْ "سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ" لِأَنَّ صَبْرَكُمْ

لَا يَنفَعُكُمْ "إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ" أَيْ جَزَاءَهُ،

اس میں داخل ہو جاؤ، پھر تم اس پر صبر کرو یا صبر نہ کرو، لہٰذا تمہارا صبر کرنا نہ کرنا تم پر برابر ہے، کیونکہ تمہارا صبر تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔ تمہیں صرف انہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے رہے تھے۔ یعنی انہی اعمال کی جزاء ہے۔

تم نے دنیا میں یہ طے کر لیا تھا کہ جو کچھ بھی ہو ہم کبھی اس دعوت حق کو قبول نہیں کریں گے اور پھر اپنی اس ہٹ دھری پر ڈٹ گئے تھے۔ اسی طرح تمہارے عذاب میں کمی نہیں کی جائے گی تم چیخو چلاؤ یا صبر کر کے عذاب برداشت کرتے جاؤ۔ اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّ نَعِيمٍ ۝ فٰكِهِينَ بِمَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ۝
بیشک پرہیزگار باغوں اور چین میں ہیں۔ خوش اور لطف اندوز ہوں گے ان سے جن سے ان کے رب نے
انہیں نوازا ہوگا، اور ان کا رب انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

پرہیزگاروں کا عذاب سے محفوظ رہنے کا بیان

"فَاكِهِينَ" مُتَلَذِّذِينَ "بِمَا" مَصْدَرِيَّة "آتَاهُمْ" أَعْطَاهُمْ "رَبّهمْ وَوَقَاهُمْ رَبّهمْ عَذَاب الْجَحِيم" عَطْفًا عَلَى آتَاهُمْ أَيْ بِإِتْيَانِهِمْ وَوِقَايَتهمْ وَيُقَال لَهُمْ:

بیشک پرہیزگار باغوں اور چین میں ہیں۔ خوش اور لطف اندوز ہوں گے ان عطاؤں سے جن سے ان کے رب نے انہیں نوازا ہوگا، یہاں پر لفظ فاکہین سے مراد لذیذ پھل ہیں اور ما مصدریہ ہے۔ اور اٰتاہم سے اعطاہم ہے۔ اور ان کا رب انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ یہاں پر وقاہم کا عطف اٰتاہم پر ہے۔ جو اتیان ووقوع کے معنی میں ہے۔ اُن سے کہا جائے گا۔

اہل جنت کی جنت کی نعمتوں کا بیان

اللہ تعالیٰ نیک بختوں کا انجام بیان فرما رہا ہے کہ عذاب و سزا جو ان بدبختوں کو ہو رہا ہے یہ اس سے محفوظ کر کے جنتوں میں پہنچا دیئے گئے جہاں کی بہترین نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہر طرح خوش حال خوش دل ہیں قسم قسم کے کھانے طرح طرح کے پینے بہترین لباس، عمدہ عمدہ سواریاں، بلند و بالا مکانات اور ہر طرح کی نعمتیں انہیں مہیا ہیں کسی قسم کا ڈر خوف نہیں اللہ فرما چکا ہے کہ تمہیں میرے عذابوں سے نجات مل گئی غرض دکھ سے دور، سکھ سے مسرور، راحت ولذت میں مخمور ہیں جو چیز سامنے آتی ہے وہ ایسی ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہو نہ کسی کان نے سنا ہو نہ کسی دل پر خیال تک گذرا ہو پھر اللہ کی طرف سے بار بار مہمان نوازی کے طور پر ان سے کہا جاتا ہے کہ کھاتے پیتے رہو خوش گوار خوش ذائقہ بے تکلف مزید مرغوب چیزیں تمہارے لئے مہیا ہیں پھر ان کا دل خوش کرنے حوصلہ بڑھانے اور طبیعت میں امنگ پیدا کرنے کے لئے ساتھ ہی اعلان ہوتا ہے کہ یہ تو تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جو تم اس جہان میں کر آئے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ طور، بیروت)

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا ۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَ زَوَّجْنٰـهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ○

تم ان اعمال کے صلہ میں جوتم کرتے رہے تھے خوب مزے سے کھاؤ اور پیو۔وہ صف در صف بچھے ہوئے تختوں پر تکیے لگائے ہوں گے،اور ہم گوری رنگت ،دلکش آنکھوں والی حوروں کوان کی زوجیت میں دے دیں گے۔

اہل جنت کیلئے کھانے پینے کا بیان

"كُـلُـوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا" حَـال أَيْ : مُهَنَّئِينَ "بِمَا" الْبَاء سَبَبِيَّة "مُتَّكِئِينَ" حَـال مِنْ الضَّمِير الْمُسْتَكِن فِي قَوْله "عَلَى سُرَر مَصْفُوفَة" بَعْضهَا إلَى جَنْب بَعْض "وَزَوَّجْنَاهُمْ" عُطِفَ عَلَى جَنَّات أَيْ قَرَنَّاهُمْ "بِحُورٍ عِين" عِظَام الْأَعْيُن حِسَانهَا،

تم ان نیک اعمال کے صلہ میں جوتم کرتے رہے تھے خوب مزے سے کھاؤ اور پیو۔یہاں پر لفظ ہینئا حال ہے جو مہنئین کے معنی میں ہے۔اور بما میں باء برائے سبب ہے۔اور متکئین یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فی جنات کی ضمیر سے حال ہے۔وہ صف در صف بچھے ہوئے تختوں پر تکیے لگائے ایک دوسرے کی جانب بیٹھے ہوں گے،اور ہم گوری رنگت اور دلکش آنکھوں والی حوروں کو ان کی زوجیت میں دے دیں گے۔یہاں پر زوجنا ہم کا عطف جنات پر یعنی قرنا ہم کے معنی میں ہے۔اور حور عین سے مراد بڑی بڑی آنکھوں والی حسینا ئیں ہیں۔

اہل جنت کے تاج وتخت کا بیان

مرصع اور جڑاؤ شاہانہ تخت پر بڑی بے فکری اور فارغ البالی سے تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے ستر ستر سال گذر جائیں گے انہیں ضرورت نہ ہوگی کہ اٹھیں یا ہلیں جلیں بیشمار سلیقہ شعار ادب دان خدام ہر طرح کی خدمت کے لئے کمر بستہ جس چیز کو جی چاہے آن کی آن میں موجود آنکھوں کا نور دل کا سرور وافر و موفور سامنے بے انتہاء خوبصورت خوب سیرت گورے گورے پنڈے والی بڑی بڑی رسیلی آنکھوں والی بہت سی حوریں پاک دل عفت مآب عصمت خوش دل بہلانے اور خواہش پوری کرنے کے لئے سامنے کھڑی ہر ایک نعمت ورحمت چاروں طرف بکھری ہوئی پھر بھلا انہیں کس چیز کی کمی۔ستر سال کے بعد جب دوسری طرف مائل ہوتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ وہاں اور ہی منظر ہے ہر چیز نئی ہے ہر نعمت جوبن پر ہے اس طرف کی حوروں پر نظریں ڈالتے ہیں تو ان کے نور کی چکا چوند حیرت میں ڈال دیتی ہے ان کی پیاری پیاری بھولی بھالی شکلیں اچھوتے پنڈے اور کنوار۔پنے کی شرمیلی نظریں اور جوانی کا بانکپن دل پر مقناطیسی اثر ڈالتا ہے جنتی کچھ کہے اس سے پہلے ہی وہ اپنی شیریں کلامی سے عجیب انداز سے کہتی ہیں شکر ہے کہ آپکا التفات ہماری طرف بھی ہوا غرض اسی طرح من مانی نعمتوں سے مست ہو رہے ہیں۔پھر ان جنتیوں کے تخت باوجود قطار وار ہونے کے اس طرح نہ ہوں گے کہ کسی کو کسی کی پیٹھ ہو بلکہ آمنے سامنے ہوں گے جیسے اور جگہ ہے آیت (وَنَـزَعْـنَـا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِـلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ 47)-15 الحجر:47) تختوں پر ہوں گے اور ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے پھر فرماتا ہے ہم نے انکے نکاح میں حوریں دے رکھی ہیں جو کبھی دل میلا نہ کریں جب آنکھ پڑے جی خوش ہو جائے اور ظاہری خوبصورتی کی تو کسی

سے تعریف ہی کیا ہو سکتی ہے؟ انکے اوصاف کے بیان کی حدیثیں وغیرہ کئی مقامات پر گذر چکی ہیں اسلئے انہیں یہاں وارد کرنا کچھ چنداں ضروری نہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ طور، بیروت)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ
مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ○
اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان میں ان کی پیروی کی، ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے۔
اور ہم ان کے ثوابِ اعمال سے بھی کوئی کمی نہیں کریں گے، ہر شخص اپنے ہی عمل میں گرفتار ہوگا۔

اہل ایمان کی چھوٹی اولاد کو جنت میں والدین سے ملا دینے کا بیان

"وَالَّذِينَ آمَنُوا" مُبْتَدَأ "وَاتَّبَعَتْهُمْ" وَأَتْبَعْنَاهُمْ وَفِي قِرَاءَة وَاتَّبَعَتْهُمْ مَعْطُوف عَلَى آمَنُوا "ذُرِّيَّتهمْ" وَفِي قِرَاءَة ذُرِّيَّاتهمْ الصِّغَار وَالْكِبَار "بِإِيمَانٍ" مِنْ الْكِبَار وَمِنْ أَوْلَادهمْ الصِّغَار "أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتهمْ" خَبَر الْمَذْكُورِينَ فِي الْجَنَّة فَيَكُونُونَ فِي دَرَجَتهمْ وَإِنْ لَمْ يَعْمَلُوا تَكْرِمَة لِلْآبَاءِ بِاجْتِمَاعِ الْأَوْلَاد إلَيْهِمْ "وَمَا أَلَتْنَاهُمْ" بِفَتْحِ اللَّام وَكَسْرهَا نَقَصْنَاهُمْ "مِنْ عَمَلهمْ مِنْ" زَائِدَة "شَيْء" يُزَاد فِي عَمَل الْأَوْلَاد "كُلّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ" مِنْ عَمَلٍ خَيْر أَوْ شَرّ "رَهِين" مَرْهُون يُؤَاخَذ بِالشَّرِّ وَيُجَازَى بِالْخَيْرِ،

یہاں پر والذین آمنوا مبتداء ہے۔ اور واتبعتھم سے واتبعناھم ہے اور ایک قرأت میں واتبعتھم ہے۔ اور اس کا عطف آمنوا پر ہے۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد یعنی چھوٹی یا بڑی اولاد جبکہ بڑی اولاد نے ایمان میں ان کی پیروی کی، ہم ان کی چھوٹی اولاد کو بھی درجاتِ جنت میں ان کے ساتھ ملا دیں گے۔ یہ مذکورین فی الجنت کی خبر ہے۔ خواہ ان کے اپنے عمل اس درجہ کے نہ بھی ہوں یہ صرف ان کے صالح آباء کے اکرام میں ہوگا۔ لہٰذا ان کو جمع کر دیا جائے گا۔ اور ہم ان صالح آباء کے ثوابِ اعمال سے بھی کوئی کمی نہیں کریں گے، یہاں پر لفظ التنا ہم لام کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے جس کا معنی کم کرنا ہے۔ اور من عملھم میں من زائدہ ہے۔ یعنی اولاد کے عمل میں اضافہ کیا جائے گا علاوہ اس کے ہر شخص اپنے ہی عمل کی جزا و سزا میں گرفتار ہوگا۔ یعنی جو اس نے اچھا یا برا عمل کیا ہوگا۔ یعنی برے عمل پر پکڑ ہوگی جبکہ اچھے عمل پر جزاء دی جائے گی۔

اہل جنت کا اپنی اولاد سے ملنے کا بیان

اللہ تعالیٰ جل شانہ اپنے فضل و کرم اور لطف و رحم اپنے احسان اور انعام کا بیان فرماتا ہے کہ جن مومنوں کی اولاد بھی ایمان میں اپنے باپ دادا کی راہ میں لگ جائے لیکن اعمال صالحہ میں اپنے بڑوں سے کم ہو پروردگار ان کے نیک اعمال کا بدلہ بڑھا چڑھا کر

انہیں ان کے بڑوں کے درجے میں پہنچا دے گا تا کہ بڑوں کی آنکھیں چھوٹوں کو اپنے پاس دیکھ کر ٹھنڈی رہیں اور چھوٹے بھی اپنے بڑوں کے پاس ہشاش بشاش رہیں ان کے عملوں کی بڑھوتری ان کے بزرگوں کے اعمال کی کمی سے نہ کی جائے گی بلکہ محسن و مہربان اللہ انہیں اپنے معمور خزانوں میں سے عطا فرمائے گا۔

حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر یہی فرماتے ہیں۔ایک مرفوع حدیث بھی اس مضمون کی مروی ہے ایک اور روایت میں ہے کہ جب جنتی شخص جنت میں جائے گا اور اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں کو نہ پائے گا تو دریافت کرے گا کہ وہ کہاں ہیں جواب ملے گا کہ وہ تمہارے مرتبہ تک نہیں پہنچے یہ کہے گا باری تعالیٰ میں نے تو اپنے لئے اور انکے لئے نیک اعمال کئے تھے چنانچہ حکم دیا جائے گا اور انہیں بھی ان کے درجے میں پہنچا دیا جائے گا۔

یہ بھی مروی ہے کہ جنتیوں کے بچوں نے ایمان قبول کیا اور نیک کام کئے وہ تو ان کے ساتھ ملا دیئے جائیں گے لیکن ان کے جو چھوٹے بچے چھٹ پن ہی میں انتقال کر گئے تھے وہ بھی ان کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے۔حضرت ابن عباس، شعبی، سعید بن جبیر ابراہیم قتادہ ابو صالح ربیع بن انس ضحاک بن زید بھی یہی کہتے ہیں امام ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت خدیجہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دو بچوں کی نسبت دریافت کیا جو زمانہ جاہلیت میں مرے تھے تو آپ نے فرمایا وہ دونوں جہنم میں ہیں، پھر جب مائی صاحبہ کو غمگین دیکھا تو فرمایا اگر تم ان کی جگہ دیکھ لیتیں تو تمہارے دل میں ان کا بغض پیدا ہو جاتا مائی صاحبہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا بچہ جو آپ سے ہوا وہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا وہ جنت میں ہے مومن مع اپنی اولاد کے جنت میں ہیں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی یہ تو ہوئی ماں باپ کے اعمال صالحہ کی وجہ سے اولاد کی بزرگی اب اولاد کی دعا خیر کی وجہ سے ماں باپ کی بزرگی ملاحظہ ہو مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے کا درجہ جنت میں دفعۃً بڑھاتا ہے وہ دریافت کرتا ہے کہ اللہ میرا یہ درجہ کیسے بڑھ گیا؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تیری اولاد نے تیرے لئے استغفار کیا اس بناپر میں نے تیرا درجہ بڑھا دیا اس حدیث کی اسناد بالکل صحیح ہیں گو بخاری مسلم میں ان لفظوں سے نہیں آئی لیکن اس جیسی ایک روایت صحیح مسلم میں اسی طرح مروی ہے کہ ابن آدم کے مرتے ہی اس کے اعمال موقوف ہو جاتے ہیں لیکن تین عمل کہ وہ مرنے کے بعد بھی ثواب پہنچاتے رہتے ہیں۔

صدقہ جاریہ علم دین جس سے نفع پہنچتا ہے نیک اولاد جو مرنے والے کے لئے دعائے خیر کرتی رہے چونکہ یہاں بیان ہوا تھا کہ مومنوں کی اولاد کے درجے بے عمل بڑھا دیئے گئے تھے تو ساتھ ہی ساتھ اپنے اس فضل کے بعد اپنے عدل کا بیان فرماتا ہے کہ کسی کو کسی کے اعمال میں پکڑا نہ جائے گا بلکہ ہر شخص اپنے اپنے عمل میں رہن ہوگا باپ کا بوجھ بیٹے پر اور بیٹے کا باپ پر نہ ہوگا جیسے اور جگہ ہے آیت (كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ، المدثر:38)، ہر شخص اپنے کئے ہوئے کاموں میں گرفتار ہے مگر وہ جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال پہنچے وہ جنتوں میں بیٹھے ہوئے گنہگاروں سے دریافت کرتے ہیں۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ طور، بیروت)

وَ اَمۡدَدۡنٰهُمۡ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحۡمٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ ○ يَتَنَازَعُوۡنَ فِيۡهَا كَاۡسًا لَّا لَغۡوٌ فِيۡهَا وَلَا تَاۡثِيۡمٌ ○

وَ يَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ غِلۡمَانٌ لَّهُمۡ كَاَنَّهُمۡ لُؤۡلُؤٌ مَّكۡنُوۡنٌ ○

اور ہم انہیں پھل اور گوشت، جو وہ چاہیں گے زیادہ سے زیادہ دیتے رہیں گے۔ وہاں یہ لوگ جھپٹ جھپٹ کر جام لیں گے، اس میں نہ کوئی بیہودہ گوئی ہوگی اور نہ گناہ گاری ہوگی۔ اور نو جوان ان کے اِردگرد گھومتے ہوں گے، گویا وہ غلاف میں چھپائے ہوئے موتی ہیں۔

اہل جنت کیلئے پھلوں اور گوشت کے ہونے کا بیان

"وَأَمۡدَدۡنَاهُمۡ" زِدۡنَاهُمۡ فِي وَقۡت بَعۡد وَقۡت "بِفَاكِهَةٍ وَلَحۡم مِمَّا يَشۡتَهُونَ" وَإِنۡ لَمۡ يُصَرِّحُوا بِطَلَبِهِ،

"يَتَنَازَعُونَ" يَتَعَاطَوۡنَ بَيۡنهمۡ "فِيهَا" أَيۡ الۡجَنَّة "كَأۡسًا" خَمۡرًا "لَا لَغۡو فِيهَا" أَيۡ بِسَبَبِ شُرۡبهَا يَقَع بَيۡنهمۡ "وَلَا تَأۡثِيم" بِهِ يَلۡحَقهُمۡ بِخِلَافِ خَمۡر الدُّنۡيَا،

"وَيَطُوف عَلَيۡهِمۡ" لِلۡخِدۡمَةِ "غِلۡمَان" أَرِقَّاء "لَهُمۡ كَأَنَّهُمۡ" حُسۡنًا وَلَطَافَة "لُؤۡلُؤ مَكۡنُون" مَصُون فِي الصَّدَف لِأَنَّهُ فِيهَا أَحۡسَن مِنۡهُ فِي غَيۡرهَا،

اور ہم انہیں پھل اور گوشت، جو وہ چاہیں گے وقفہ سے وقفہ زیادہ سے زیادہ دیتے رہیں گے۔ اگرچہ وہ اس کو طلب کرنے پر اصرار نہ کریں گے۔ وہاں یعنی جنت یہ لوگ جھپٹ جھپٹ کر شراب طہور کے جام لیں گے، اس شراب جنت میں اس کو پینے کی وجہ سے نہ کوئی بیہودہ گوئی ہوگی اور نہ گناہ گاری ہوگی۔ یعنی جو انہیں دنیا میں لاحق ہوتی ہے وہ گناہگاری وہاں نہ ہوگی۔ اور نو جوان خدمت گزار ان کے اِردگرد گھومتے ہوں گے، گویا وہ غلاف میں چھپائے ہوئے موتی ہیں۔ یعنی وہ حسن ولطافت میں موتی ہوں گے کیونکہ جو موتی صدف میں ہوتا ہے وہ اس موتی سے کہیں زیادہ حسین ہوتا ہے جس صدف کے سوا ہوتا ہے۔

اہل جنت کیلئے مختلف کھانوں کے ہونے کا بیان

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان جنتیوں کو قسم قسم کے میوے اور طرح طرح کے گوشت دیئے جاتے ہیں جس چیز کو جی چاہے جس پر دل آئے وہ یک لخت موجود ہو جاتی ہے شراب طہور کے چھلکتے ہوئے جام ایک دوسرے کو پلا رہے ہیں جس کے پینے سے سرور اور کیف لطف اور بہار حاصل ہوتا ہے لیکن بدزبانی بیہودہ گوئی نہیں ہوتی ہذیان نہیں بکتے بیہوش نہیں ہوتے سچا سرور اور پوری خوشی حاصل بک جھک سے دور گناہ سے غافل باطل وکذب سے دور غیبت وگناہ سے نفور دنیا میں شرابیوں کی حالت دیکھی ہوگی کہ ان کے سر میں چکر پیٹ میں درد عقل زائل بکواس بہت بو بری چہرے بیرونق اسی طرح شراب کے بدذائقہ اور بدبو یہاں جنت کی شراب ان تمام گندگیوں سے کوسوں دور ہے یہ رنگ میں سفید پینے میں خوش ذائقہ نہ اس کے پینے سے حواس معطل ہوں نہ بک جھک ہو نہ بہکیں نہ بھٹکیں نہ مستی ہو نہ اور کسی طرح ضرر پہنچائے ہنسی خوشی اس پاک شراب کے جام پلا رہے ہوں گے ان کے غلام کمسن نوعمر بچے جو حسن

وخوبی میں ایسے ہیں جیسے مروارید ہوں اور وہ بھی ڈبے میں بندر کھے گئے ہوں کسی کا ہاتھ بھی نہ لگا ہو اور ابھی ابھی تازے تازے نکالے ہوں ان کی آبداری صفائی چمک دمک روپ رنگ کا کیا پوچھنا؟ لیکن ان غلمان کے حسین چہرے انہیں بھی ماند کر دیتے ہیں اور جگہ یہ مضمون ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے آیت (یَـطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ، الواقعۃ: 17) یعنی ہمیشہ نوعمر اور کمسن رہنے والے بچے آبخورے آفتابے اور ایسی شراب صاف کے جام کہ جن کے پینے سے نہ سر میں درد ہو نہ بہکیں اور جس قسم کا میوہ یہ پسند کریں اور جس پرند کا گوشت یہ چاہیں ان کے پاس بار بار لانے کے لئے چاروں طرف کمر بستہ چل رہے ہیں اس دور شراب کے وقت آپس میں گھل مل کر طرح طرح کی باتیں کریں گے دنیا کے احوال یاد آئیں گے کہیں گے کہ ہم دنیا میں جب اپنے والوں میں تھے تو اپنے رب کے آج کے دن کے عذاب سے سخت لرزاں و ترساں تھے الحمد اللہ رب نے ہم پر خاص احسان کیا اور ہمارے خوف کی چیز سے ہمیں امن دیا ہم اسی سے دعائیں اور التجائیں کرتے رہے اس نے ہماری دعائیں قبول فرمائیں اور ہمارا قول پورا کر دیا یقیناً وہ بہت ہی نیک سلوک اور رحم والا ہے۔

مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی اپنے دوستوں سے ملنا چاہے گا تو ادھر دوست کے دل میں بھی یہی خواہش پیدا ہوگی اس کا تخت اڑے گا اور راستہ میں دونوں مل جائیں گے اپنے اپنے تختوں پر آرام سے بیٹھے ہوئے باتیں کرنے لگیں گے دنیا کے ذکر کو چھیڑیں گے اور کہیں گے کہ فلاں دن فلاں جگہ ہم نے اپنی بخشش کی دعا مانگی تھی اللہ نے اسے قبول فرمایا۔ اس حدیث کی سند کمزور ہے حضرت مائی عائشہ نے جب اس آیت کی تلاوت کی تو یہ دعا پڑھی (اللھم من علینا وقنا عذاب السموم انک انت البر الرحیم) حضرت اعمش راوی حدیث سے پوچھا گیا کہ اس آیت کو پڑھ کر یہ دعا ام المومنین نے نماز میں مانگی تھی؟ جواب دیا ہاں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ طور، بیروت)

وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ٥ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِیْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِیْنَ٥
فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَ وَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ٥
اوران کے بعض بعض پر متوجہ ہوں گے، ایک دوسرے سے سوال کرتے ہوں گے۔ کہیں گے بلاشبہ ہم اس سے پہلے اپنے
گھر والوں میں ڈرنے والے تھے۔ پس اللہ نے ہم پر احسان فرما دیا اور ہمیں نارِ جہنم کے عذاب سے بچالیا۔

اہل جنت کے باہمی کلام کرنے کا بیان

"وَأَقْبَلَ بَعْضهمْ عَلَى بَعْض يَتَسَاءلُونَ" يَسْأَل بَعْضهمْ بَعْضًا عَمَّا كَانُوا عَلَيْهِ وَمَا وَصَلُوا إلَيْهِ تَلَذُّذًا وَاعْتِرَافًا بِالنِّعْمَةِ

"قَالُوا" إيمَاء إلَى عِلَّة الْوُصُول "إنَّا كُنَّا قَبْل فِي أَهْلنَا" فِي الدُّنْيَا "مُشْفِقِينَ" خَائِفِينَ مِنْ عَذَاب اللَّه

"فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا" بِالْمَغْفِرَۃِ "وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ" النَّارِ لِدُخُوْلِھَا فِی الْمَسَامِّ وَقَالُوْا اِیْمَاءً اَیْضًا

اوران کے بعض بعض پر متوجہ ہوں گے، ایک دوسرے سے سوال کرتے ہوں گے۔ جو کام وہ دنیا میں کرتے تھے اور جو انہیں عطاء ہوا ہوگا۔ یہ بہ طور لذت اور نعمت کے اعتراف کے طور پر ہوگا۔ کہیں گے، یعنی سبب وصول کی علت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہیں گے کہ بلاشبہ ہم اس سے پہلے دنیا میں اپنے گھر والوں میں اللہ کے عذاب سے ڈرنے والے تھے۔ پس اللہ نے ہمیں بخش کر ہم پر احسان فرمادیا اور ہمیں نارِ جہنم کے عذاب سے بچالیا۔ جہنم کی آگ کو سموم اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ مسامات میں داخل ہوجاتی ہے۔ لہٰذا وہ اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہوں گے۔

یعنی جنتی جنت میں ایک دوسرے سے دریافت کریں گے کہ دنیا میں کس حال میں تھے اور کیا عمل کرتے تھے، اور یہ دریافت کرنا نعمتِ الٰہی کے اعتراف کے لئے ہوگا۔

یعنی دنیا میں بیتے ہوئے ایام کی یاد تازہ کرنا چاہیں گے اور کہیں گے ہمیں تو ہر وقت یہی دھڑ کا لگا رہتا تھا کہ ہم سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوجائے جس کی پاداش میں اللہ کے حضور ہماری جواب طلبی اور گرفت ہوجائے۔ اور گھر والوں کا ذکر اس لیے کریں گے کہ انسان دنیا میں بہت سے گناہ کے کام محض اہل وعیال کی خاطر کرتا ہے۔ مال ودولت کی ہوس کی وجہ سے اسے مال کمانے میں حرام وحلال کی تمیز نہیں رہتی۔

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ۝ فَذَكِّرْ فَمَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝
بیشک ہم پہلے سے ہی اسی کی عبادت کیا کرتے تھے، بیشک وہ احسان فرمانے والا بڑا رحم فرمانے والا ہے۔
سوآپ نصیحت فرماتے رہیں پس آپ اپنے رب کے فضل وکرم سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ دیوانے۔

مشرکین کو دعوت توحید دیتے رہنے کا بیان

"اِنَّا کُنَّا مِنْ قَبْلُ" اَیْ فِی الدُّنْیَا "نَدْعُوْہُ" نَعْبُدُہٗ مُوَحِّدِیْنَ "اِنَّہٗ" بِالْکَسْرِ اسْتِئْنَافًا وَاِنْ کَانَ تَعْلِیْلًا مَعْنًی وَبِالْفَتْحِ تَعْلِیْلًا لَفْظًا "ھُوَ الْبَرُّ" الْمُحْسِنُ الصَّادِقُ فِیْ وَعْدِہٖ "الرَّحِیْمُ" الْعَظِیْمُ الرَّحْمَۃِ،

"فَذَکِّرْ" دُمْ عَلٰی تَذْکِیْرِ الْمُشْرِکِیْنَ وَلَا تَرْجِعْ عَنْہُ لِقَوْلِھِمْ لَکَ کَاھِنٌ مَجْنُوْنٌ "فَمَا اَنْتَ بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ" بِاِنْعَامِہٖ عَلَیْکَ "بِکَاھِنٍ" خَبَرُ مَا "وَلَا مَجْنُوْنٍ" مَعْطُوْفٌ عَلَیْہِ،

بیشک ہم پہلے یعنی دنیا سے ہی اسی کی عبادت کیا کرتے تھے، یعنی ہم توحید والے اسی کی عبادت کرتے تھے۔ یہاں پر لفظ اِنّ کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے جب یہ نیا جملہ ہو۔ جب معنوی تعلیل کیلئے ہو اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے جب لفظی تعلیل ہو۔ بیشک وہ احسان فرمانے والا یعنی اپنے وعدے میں سچا ہے۔ بڑا رحم فرمانے والا ہے۔ پس آپ نصیحت فرماتے رہیں یعنی آپ دائمی طور پر مشرکین کو نصیحت کرتے رہیں۔ اور ان کے قول کاہن ومجنون وغیرہ کے سبب ان سے توجہ نہ ہٹائیں۔ پس آپ اپنے رب کے

فضل وکرم سے نہ تو کاہن (یعنی جنات کے ذریعے خبریں دینے والے) ہیں اور نہ دیوانے۔یعنی جو اس ذات نے آپ پر انعام کیا ہے۔یہاں پر لفظ کاہن یہ ماء کی خبر ہے اور لا مجنون کا اس پر عطف کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ اللہ کی رسالت اللہ کے بندوں تک پہنچاتے رہیں ساتھ ہی بدکاروں نے جو بہتان آپ پر باندھ رکھے تھے ان سے آپ کی صفائی کرتا ہے کاہن اسے کہتے ہیں جس کے پاس کبھی کبھی کوئی خبر جن پہنچا دیتا ہے تو ارشاد ہوا کہ دین حق کی تبلیغ کیجئے۔الحمد للہ آپ نہ تو جنات والے ہیں نہ جنوں والے۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ○ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ○
کیا کہتے ہیں کہ شاعر ہیں؟ ہم ان کے حق میں حوادث زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں؟۔فرما دیجئے: تم منتظر رہو
اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔

کفار کی ہلاکت کے انتظار کا بیان

"أَمْ" بَلْ "يَقُولُونَ" هُوَ "شَاعِرٌ نَتَرَبَّص بِهِ رَيْبَ الْمَنُون" حَوَادِث الدَّهْر فَيَهْلَك كَغَيْرِهِ مِنْ الشُّعَرَاء،

"قُلْ تَرَبَّصُوا" هَلَاكِي "فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَبِّصِينَ" هَلَاككُمْ فَعُذِّبُوا بِالسَّيْفِ يَوْم بَدْر وَالتَّرَبُّص الِانْتِظَار،

یہاں پر اَم بہ معنی بل ہے۔کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہیں؟ ہم ان کے حق میں حوادث زمانہ کا انتظار کر رہے ہیں؟۔یعنی دوسرے شعراء کی طرح ان کا بھی اختتام ہو جائے گا۔فرما دیجئے: تم بھی میرے اختتام پر منتظر رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ تمہاری ہلاکت کا انتظار کرنے والوں میں ہوں۔لہٰذا انہیں بدر کے دن تلوار کے عذاب سے ہلاک کیا گیا۔اور تربص کا معنی انتظار ہے۔

پھر کافروں کا قول نقل فرماتا ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شاعر ہیں انہیں کہنے دو جو کہہ رہے ہیں ان کے انتقال کے بعد ان کی سی کون کہے گا؟ ان کا یہ دین ان کے ساتھ ہی فنا ہو جائے گا پھر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا جواب دینے کو فرماتا ہے کہ اچھا ادھر تم انتظار کرتے ہو ادھر میں بھی منتظر ہوں دنیا دیکھ لے گی کہ انجام کار غلبہ اور غیر فانی کامیابی کسے حاصل ہوتی ہے؟ دار الندوہ میں قریش کا مشورہ ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی مثل اور شاعروں کے ایک شعر گو ہیں انہیں قید کر لو ہیں یہ ہلاک ہو جائیں گے جس طرح زہیر اور نابغہ شاعروں کا حشر ہوا۔اس پر یہ آیتیں اتریں۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ طور،بیروت)

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ○اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ○
کیا ان کی عقلیں انہیں یہ سجھاتی ہیں یا وہ سرکش و باغی لوگ ہیں۔یا وہ کہتے ہیں کہ
اس نے اس کو از خود گھڑ لیا ہے، بلکہ وہ مانتے ہی نہیں ہیں۔

کفار کا قرآن مجید پر بہتان باندھنے کا بیان

"أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ" عُقُولُهُمْ "بِهَٰذَا" قَوْلُهُمْ لَهُ : سَاحِرٌ كَاهِنٌ مَجْنُونٌ أَيْ لَا تَأْمُرُهُمْ بِذَٰلِكَ "أَمْ" بَلْ "هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ" بِعِنَادِهِمْ

"أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ" اخْتَلَقَ الْقُرْآنَ لَمْ يَخْتَلِقْهُ "بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ" اسْتِكْبَارًا فَإِنْ قَالُوا اخْتَلَقَهُ،

کیا ان کی عقلیں انہیں یہ بے عقلی کی باتیں سجھاتی ہیں جس کی وجہ سے ان کا یہ قول یہ آپ ساحر، کاہن مجنون ہیں۔یعنی وہ ان کو ایسا حکم نہیں دیتیں۔یہاں پر بھی اَم بہ معنی بل ہے۔بلکہ وہ لوگ عناد کی وجہ سے سرکش و باغی لوگ ہیں۔یا وہ کہتے ہیں کہ اس رسول نے اس قرآن کو از خود گھڑ لیا ہے، حالانکہ آپ نے اس کو گھڑا نہیں ہے۔بلکہ وہ حق کو مانتے ہی نہیں ہیں۔یعنی بہ طور تکبر ان کا یہ گھڑنے والا قول ہے۔

پھر فرماتا ہے کیا ان کی دانائی انہیں یہی سمجھاتی ہے کہ باوجود جاننے کے پھر بھی تیری نسبت غلط افواہیں اڑائیں اور بہتان بازی کریں حقیقت یہ ہے کہ یہ بڑے سرکش گمراہ اور عناد رکھنے والے لوگ ہیں دشمنی میں آ کر واقعات سے چشم پوشی کر کے آپ کو مفت میں برا بھلا کہتے ہیں کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود آپ بنا لیا ہے؟ فی الواقع ایسا تو نہیں لیکن ان کا کفر ان کے منہ سے یہ غلط اور جھوٹ بات نکلوا رہا ہے اگر یہ سچے ہیں تو پھر یہ خود بھی مل جل کر ہی ایک ایسی بات بنا کر دکھا دیں یہ کفار قریش تو کیا؟ اگر ان کیساتھ روئے زمین کے جنات وانسان مل جائیں جب بھی اس قرآن کی نظیر سے وہ سب عاجز رہیں گے اور پورا قرآن تو بڑی چیز ہے اس جیسی دس سورتیں بلکہ ایک سورت بھی قیامت تک بنا کر نہیں لا سکتے۔

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِنْ كَانُوا صٰدِقِينَ ۝ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخٰلِقُونَ ۝
پس وہ اس جیسی ایک ہی بات بنا کر لے آئیں، اگر سچے ہیں۔کیا وہ کسی شے کے بغیر ہی پیدا کر دیئے گئے ہیں یا وہ خود ہی خالق ہیں۔

وجود مخلوق سے وجود خالق پر دلیل ہونے کا بیان

"فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ" مُخْتَلَقٍ "مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ" فِي قَوْلِهِمْ "أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ" مِنْ غَيْرِ خَالِقٍ "أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ" أَنْفُسَهُمْ وَلَا يُعْقَلُ مَخْلُوقٌ بِغَيْرِ خَالِقٍ وَلَا مَعْدُومٌ يَخْلُقُ فَلَا بُدَّ لَهُمْ مِنْ خَالِقٍ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ فَلِمَ لَا يُوَحِّدُونَهُ وَيُؤْمِنُونَ بِرَسُولِهِ وَكِتَابِهِ،

پس وہ اس جیسی ایک ہی بات بنا کر لے آئیں، اگر سچے ہیں۔یعنی اگر وہ اپنے قول کہ قرآن گھڑا ہوا ہے تو وہ بھی ایک ہی آیت اس کی مثل گھڑ کر لے آئیں۔کیا وہ کسی شے کے بغیر ہی پیدا کر دیئے گئے ہیں یا وہ خود ہی خالق ہیں۔لہٰذا یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے کہ کوئی چیز ہو لیکن وہ بغیر خالق ہو اور اسی طرح یہ عقل میں آنے والی بات نہیں ہے کہ معدوم چیز نے کسی چیز کی تخلیق کر دی ہو۔لہٰذا خالق کا ہونا ثابت ہوگا۔اور وہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔لہٰذا اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔پس وہ اس کی توحید پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی اس کے رسولان گرامی اور اس کی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔

بتوں کے خود مخلوق ہونے کا بیان

کیا وہ ماں باپ سے پیدا نہ ہوئے، جماد بے عقل ہیں جن پر حجت قائم نہ کی جائے گی ایسا نہیں یا یہ معنی ہیں کہ کیا وہ نطفہ سے پیدا نہیں ہوئے اور کیا انہیں خدا نے نہیں بنایا۔

کہ انہوں نے اپنے آپ کو خود ہی بنالیا ہو یہ بھی محال ہے تو لامحالہ انہیں اقرار کرنا پڑے گا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا پھر کیا سبب ہے کہ وہ اس کی عبادت نہیں کرتے اور بتوں کو پوجتے ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ طور، لاہور)

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ○ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ ○
یا انھوں نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ وہ یقین نہیں کرتے۔ یا ان کے پاس تیرے رب
کے خزانے ہیں، یا وہی حکم چلانے والے ہیں؟

زمین وآسمان کی تخلیق سے حق عبادت پر دلیل ہونے کا بیان

"أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَات وَالْأَرْض" وَلَا یَقْدِر عَلَى خَلْقهمَا إِلَّا اللّٰه الْخَالِق فَلِمَ لَا یَعْبُدُونَهُ "بَلْ لَا یُوقِنُونَ" بِهِ وَإِلَّا لَآمَنُوا بِنَبِیِّهِ

"أَمْ عِنْدهمْ خَزَائِن رَبّك" مِنْ النُّبُوَّة وَالرِّزْق وَغَیْرهمَا فَیَخُصُّوا مَنْ شَاءُوا بِمَا شَاءُوا "أَمْ هُمْ الْمُسَیْطِرُونَ" الْمُتَسَلِّطُونَ الْجَبَّارُونَ وَفِعْله سَیْطَرَ وَمِثْله بَیْطَرَ وَبَیْقَرَ،

یا انھوں نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی تخلیق پر کوئی قادر ہی نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اس کی عبادت کیوں نہیں کرتے۔ بلکہ وہ یقین نہیں کرتے۔ ورنہ وہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے۔ یا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں، یعنی جو نبوت اور روزق وغیرہ ہے۔ جبکہ ان کے ساتھ وہ خاص فرماتا ہے جسے وہ چاہتا ہے۔ یا وہی حکم چلانے والے ہیں؟ یعنی وہ مسلط حکمران ہیں۔ اور اس کا فعل سیطر اور اس کی مثل بیطر اور بیقر ہے۔

یعنی کیا یہ خیال ہے کہ پیغمبر جو کچھ سنا رہا ہے وہ اللہ کا کلام نہیں؟ بلکہ اپنے دل سے گھڑ لایا؟ اور جھوٹ موٹ خدا کی طرف منسوب کردیا؟ سو نہ ماننے کے ہزار بہانے۔ جو شخص ایک بات پر یقین نہ رکھے اور اسے تسلیم نہ کرنا چاہے وہ اسی طرح کے بیسروپا احتمالات نکالا کرتا ہے ورنہ آدمی ماننا چاہے تو اتنی بات سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ وہ دنیا کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کر کے بھی اس قرآن کا مثل نہیں لا سکتے۔ اور جیسے خدا کی زمین جیسی زمین، اور اس کے آسمان جیسا آسمان بنانا کسی سے ممکن نہیں، اس کے قرآن جیسا قرآن بنالانا بھی محال ہے۔

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْهِ ۚ فَلْیَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ○ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ○
یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے وہ اس میں کان لگا کر باتیں سن لیتے ہیں؟ سو جو ان میں سے سننے والا ہے

اُسے چاہئے کہ روشن دلیل لائے۔ یا اس کے لیے تو بیٹیاں ہیں اور تمھارے لیے بیٹے؟

مشرکین کے بے تکے نظریات فاسدہ کا بیان

"أَمْ لَهُمْ سُلَّم " مَرْقَى إِلَى السَّمَاء "يَسْتَمِعُونَ فِيهِ" أَيْ عَلَيْهِ كَلَام الْمَلَائِكَة حَتَّى يُمْكِنهُمْ مُنَازَعَة النَّبِيّ بِزَعْمِهِمْ إِنْ ادَّعَوْا ذَلِكَ "فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعهمْ " مُدَّعِي الِاسْتِمَاع عَلَيْهِ "بِسُلْطَانٍ مُبِين" بِحُجَّةٍ بَيِّنَة وَاضِحَة وَلِشَبَهِ هَذَا الزَّعْم بِزَعْمِهِمْ أَنَّ الْمَلَائِكَة بَنَات اللَّه"أَمْ لَهُ الْبَنَات" بِزَعْمِكُمْ "وَلَكُمْ الْبَنُونَ" تَعَالَى اللَّه عَمَّا زَعَمْتُمُوهُ،

یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر وہ اس آسمان میں کان لگا کر باتیں سن لیتے ہیں؟ یعنی فرشتوں کا کلام سنتے ہوں تو پھر ان کیلئے نبی کریم ﷺ سے منازعت ممکن ہو جائے۔ جس طرح ان کے دعویٰ میں ان کا گمان ہے۔ سو جو ان میں سے سننے والا ہے یعنی سننے کا مدعی ہے اسے چاہئے کہ روشن دلیل لائے۔ کیونکہ ان کا یہ وہم اس وہم کے مشابہ ہے۔ کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ یا اس کے لیے تو بیٹیاں ہیں جس طرح تمہارا گمان ہے۔ اور تمھارے لیے بیٹے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے جس طرح تم نے گمان کیا ہوا ہے۔

پھر فرمایا کیا تو اپنی تبلیغ پر ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتا ہے جو ان پر بھاری پڑے؟ یعنی نبی اللہ دین اللہ کے پہنچانے پر کسی سے کوئی اجرت نہیں مانگتے پھر انہیں یہ پہنچانا کیوں بھاری پڑتا ہے؟ کیا یہ لوگ غیب دان ہیں؟ نہیں بلکہ زمین وآسمان کی تمام مخلوق میں سے کوئی بھی غیب کی باتیں نہیں جانتا کیا یہ لوگ دین اللہ اور رسول اللہ کی نسبت بکواس کر کے خود رسول کو مومنوں اور عام لوگوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں یاد رکھو یہی دھوکے باز دھوکے میں رہ جائیں گے اور اخروی عذاب سمیٹیں گے پھر فرمایا کیا اللہ کے سوا ان کے اور معبود ہیں؟ اللہ کی عبادت میں بتوں کو اور دوسری چیزوں کو یہ کیوں شریک کرتے ہیں؟ اللہ تو شرکت سے مبرا شرک سے پاک اور مشرکوں کے اس فعل سے سخت بیزار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ طور، بیروت)

اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ○اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ○
کیا آپ ان سے کوئی اُجرت طلب فرماتے ہیں کہ وہ تاوان کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں۔
کیا ان کے پاس غیب ہے کہ وہ لکھ لیتے ہیں۔

کفار سے دعوت دین پر کوئی اجرت نہ لینے کا بیان

"أَمْ تَسْأَلهُمْ أَجْرًا" عَلَى مَا جِئْتهمْ بِهِ مِنْ الدِّين "فَهُمْ مِنْ مَغْرَم" غُرْم ذَلِكَ "مُثْقَلُونَ" فَلَا يُسْلِمُونَ

"أَمْ عِنْدهمْ الْغَيْب" أَيْ عِلْمه "فَهُمْ يَكْتُبُونَ" ذَلِكَ حَتَّى يُمْكِنهُمْ مُنَازَعَة النَّبِيّ صَلَّى اللَّه

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْبَعْثِ وَأُمُورِ الْآخِرَةِ بِزَعْمِهِمْ،

کیا آپ ان سے کوئی اُجرت طلب فرماتے ہیں یعنی اس کے بدلے میں جو آپ دین لے کر آئے ہیں۔ کہ وہ تاوان کے بوجھ سے دبے جارہے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ اسلام کو قبول نہیں کرتے۔ کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ لکھ لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کیلئے نبی کریم ﷺ کی بعثت میں اور ان کے خیال کے مطابق امور آخرت سے متعلق جھگڑا کرنا ممکن ہو سکے۔

اہل باطل کے مذہب باطل پر کوئی دلیل نہ ہونے کا بیان

حضرت ابن عباس کے نزدیک الغیب سے مراد لوح محفوظ ہے کہ جس میں تمام کائنات کا اندراج ہوتا ہے فھو یکتبون کہ جہاں سے وہ لکھ لیتے ہیں۔ بیضاوی کا بھی یہی قول ہے۔

قتادہ نے کہا ہے کہ یہ جواب ہے کافروں کے قول کا۔ کافروں نے کہا تھا کہ نتربص بہ ریب المنون۔ اللہ نے اس کا جواب دیا۔ کیا ان کو علم غیب ہے کہ (حضرت) اس صورت میں فھو یکتبون کا ترجمہ ہوگا۔ جس کی بنا پر وہ فیصلہ دے رہے ہیں۔ یکتبون بمعنی یحکمون ہے۔

یعنی کیا خود ان پر اللہ اپنی وحی بھیجتا اور پیغمبروں کی طرح اپنے بھید پر مطلع کرتا ہے جسے یہ لوگ لکھ لیتے ہیں جیسے انبیاء کی وحی لکھی جاتی ہے۔ اس لیے ان کو آپ کی پیروی کی ضرورت نہیں۔

أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ط فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ۝ط أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ط
سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝
یا وہ کوئی چال چلنا چاہتے ہیں؟ تو جن لوگوں نے کفر کیا وہی چال میں آنے والے ہیں۔
کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی معبود ہے، اللہ ہر اس چیز سے پاک ہے جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

دارندوہ میں کفار مکہ کی نبی کریم ﷺ کے خلاف سازش کرنے کا بیان

"أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا" بِكَ لِيُهْلِكُوكَ فِي دَارِ النَّدْوَةِ "فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ" الْمَغْلُوبُونَ الْمُهْلَكُونَ فَحَفِظَهُ اللَّهُ مِنْهُمْ ثُمَّ أَهْلَكَهُمْ بِبَدْرٍ

"أَمْ لَهُمْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ" بِهِ مِنَ الْآلِهَةِ وَالِاسْتِفْهَامُ بِأَمْ فِي مَوَاضِعِهَا لِلتَّقْبِيحِ وَالتَّوْبِيخِ،

یا وہ کوئی چال چلنا چاہتے ہیں؟ تا کہ آپ کو دارندوہ میں ختم کر دیں۔ (نعوذ باللہ) تو جن لوگوں نے کفر کیا وہی چال میں آنے والے ہیں۔ یعنی وہ خود ہلاک ہونے والے ہیں۔ پس اللہ نے آپ کی حفاظت فرمائی جبکہ ان ہیں بدر میں ہلاک کر دیا۔ کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی معبود ہے، اللہ ہر اس چیز سے پاک ہے جسے یعنی جن دوسرے معبودان باطلہ کو وہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ کیونکہ

استفہام جب اَم کے ساتھ آئے تو وہ تمام مقامات پر قباحت وتوبیخ کیلئے آیا کرتا ہے۔

دارندوہ والوں کی سازش کا بیان

دارالندوہ میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کے نبی ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضرر وقتل کے مشورے کرتے ہیں۔ انکے مکر وکید کا وبال انہیں پر پڑے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے مکر سے محفوظ رکھا اور انہیں بدر میں ہلاک کیا۔ (تفسیر خازن، سورہ طور، بیروت)

وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَرْكُومٌ ○ فَذَرْهُمْ
حَتَّى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ○
اور اگر وہ آسمان سے گرتا ہوا کوئی ٹکڑا دیکھ لیں تو کہہ دیں گے یہ ایک تہ بہ تہ بادل ہے۔ سو آپ ان کو (اُن کے حال پر)
چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن سے آملیں جس میں وہ ہلاک کر دیئے جائیں گے۔

کفار مکہ کا نبی کریم ﷺ سے آسمان گرا دینے کا مطالبہ کرنے کا بیان

"وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا" بَعْضًا "مِنَ السَّمَاء سَاقِطًا" عَلَيْهِمْ كَمَا قَالُوا: "فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِنَ السَّمَاء" أَيْ تَعْذِيبًا لَهُمْ "يَقُولُوا" هَذَا "سَحَاب مَرْكُوم" مُتَرَاكِب نُرْوَى بِهِ وَلَا يُؤْمِنُونَ "فَذَرْهُمْ حَتَّى يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ" يَمُوتُونَ،

اور اگر وہ آسمان سے گرتا ہوا کوئی ٹکڑا دیکھ لیں یعنی جس طرح ان کا قول تھا کہ ہم پر بہ طور عذاب آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دو۔ تو کہہ دیں گے یہ ایک تہ بہ تہ بادل ہے۔ جو ہمیں سیراب کرنے آیا ہے لہٰذا وہ ایمان نہ لائیں گے۔ سو آپ ان کو اُن کے حال پر چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن سے آملیں جس میں وہ ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ یعنی جب وہ مریں گے۔

کفار ومشرکین کی بدبختی کا بیان

مشرکوں اور کافروں کے عناد کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ اپنی سرکشی ضد اور ہٹ دھرمی میں اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اللہ کے عذاب کو محسوس کر لینے کے بعد بھی انہیں ایمان کی توفیق نہ ہوگی یہ اگر دیکھ لیں گے کہ آسمان کا کوئی ٹکڑا اللہ کا عذاب بن کر ان کے سروں پر گر رہا ہے تو بھی انہیں تصدیق ویقین نہ ہوگا بلکہ صاف کہدیں گے کہ غلیظ ابر ہے جو پانی برسانے کو آرہا ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا آیت (وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ، الحجر:14)، اگر ہم ان کے لئے آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور یہ وہاں چڑھ جائیں تب بھی یہ تو یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے یعنی معجزات جو یہ طلب کر رہے ہیں اگر ان کی چاہت کے مطابق ہی دکھا دیئے جائیں بلکہ خود انہیں آسمانوں پر چڑھا دیا جائے جب بھی یہ کوئی بات بنا کر ٹال دیں گے اور ایمان نہ لائیں گے یہ جواب ہے کفار کے اس مقولہ کا جو کہتے تھے کہ ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا کر عذاب کیجئے،

اللہ تعالیٰ اسی کے جواب میں فرماتا ہے کہ ان کا کفر وعناد اس حد پر پہنچ گیا ہے کہ اگر ان پر ایسا ہی کیا جائے کہ آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیا جائے اور آسمان سے اسے گرتے ہوئے دیکھیں تو بھی کفر سے باز نہ آئیں اور براہِ عناد یہی کہیں کہ یہ تو ابر ہے اس سے ہم سیراب ہوں گے۔ (تفسیر خزائن العرفان بہ تصرف، سورہ طور، لاہور)

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○
جس دن نہ ان کا مکر وفریب ان کے کچھ کام آئے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گے۔ اور بیشک جو لوگ ظلم کر رہے ہیں
ان کے لئے اس عذاب کے علاوہ بھی عذاب ہے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

کفار مکہ پر قحط وقتل کے ذریعے دنیا میں عذاب آنے کا بیان

"يَوْمَ لَا يُغْنِي" بَدَل مِنْ يَوْمهمْ "عَنْهُمْ كَيْدهمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ" يُمْنَعُونَ مِنْ الْعَذَاب فِي الْآخِرَة،

"وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا" بِكُفْرِهِمْ "عَذَابًا دُون ذَلِكَ" فِي الدُّنْيَا قَبْل مَوْتهمْ فَعُذِّبُوا بِالْجُوعِ وَالْقَحْط سَبْع سِنِينَ وَبِالْقَتْلِ يَوْم بَدْر "وَلَكِنَّ أَكْثَرهمْ لَا يَعْلَمُونَ" أَنَّ الْعَذَاب يَنْزِل بِهِمْ ۔

جس دن نہ ان کا مکر وفریب ان کے کچھ کام آئے گا۔ یہاں پر یوم لایغنی یہ یومہم سے بدل ہے۔ اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گے۔ یعنی آخرت میں کوئی ان سے عذاب کو دور کر کے ان کی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔ اور بیشک جو لوگ کفر کر کے ظلم کر رہے ہیں ان کے لئے اس دنیا کے عذاب کے علاوہ بھی ان کے مرنے سے پہلے عذاب ہے، لہٰذا ان کو سات سال کی بھوک قحط اور یوم بدر قتل کا عذاب کا دیا گیا۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ ان پر نازل ہونے والے اس عذاب کو جانتے نہیں ہیں۔

یعنی ایسے معاندوں کے پیچھے پڑنے کی زیادہ ضرورت نہیں۔ چھوڑ دیجیے کہ چند روز اور کھیل لیں اور باتیں بنالیں۔ آخر وہ دن آتا ہے جب قہر الٰہی کی کڑک بجلی سے ان کے ہوش وحواس جاتے رہیں گے۔ اور بچاؤ کی کوئی تدبیر کام نہ دے گی، نہ کسی طرف سے مدد پہنچے گی۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ○
وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ○
اور آپ اپنے رب کے حکم کی خاطر صبر جاری رکھئے بیشک آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اور آپ اپنے رب کی حمد کے
ساتھ تسبیح کیجئے جب بھی آپ کھڑے ہوں۔ اور رات کے اوقات میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور جب ستارے چھپتے ہیں۔

صبر کی تلقین اور تسبیح پڑھنے کے حکم کا بیان

"وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ" بِإِمْهَالِهِمْ وَلَا يَضِقْ صَدْرك "فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا" بِمَرْأَى مِنَّا نَرَاكَ وَنَحْفَظك "وَسَبِّحْ" مُتَلَبِّسًا "بِحَمْدِ رَبِّكَ" أَيْ قُلْ : سُبْحَانَ اللَّه وَبِحَمْدِهِ "حِينَ تَقُوم" مِنْ مَنَامك أَوْ مِنْ مَجْلِسك

"وَمِنَ اللَّيْل فَسَبِّحْهُ" حَقِيقَة أَيْضًا "وَإِدْبَار النُّجُوم" مَصْدَر أَيْ عَقِب غُرُوبهَا سَبِّحْهُ أَيْضًا أَوْ صَلِّ فِي الْأَوَّل الْعِشَاءَيْنِ وَفِي الثَّانِي الْفَجْر وَقِيلَ الصُّبْح،

اور اے حبیب مکرم ﷺ ان کی باتوں سے غم زدہ نہ ہوں، آپ اپنے رب کے حکم کی خاطر صبر جاری رکھئے۔ کیونکہ انہیں مہلت دی گئی ہے۔ بیشک آپ ہر وقت ہماری آنکھوں کے سامنے رہتے ہیں۔ لہٰذا ہم آپ کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے۔ یعنی آپ فرمادیں'' : سُبْحَانَ اللَّه وَبِحَمْدِهِ '' جب بھی آپ محو استراحت سے یا جلوہ نما ہونے کی جگہ سے کھڑے ہوں۔ اور رات کے اوقات میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور پچھلی رات بھی جب ستارے چھپتے ہیں۔ نجوم مصدر ہے جو غروب کے بعد آتا ہے۔ اس وقت تسبیح فرمائیں یا اسی طرح جب مغرب اور عشاء کی نماز پڑھیں۔ اور ثانی فجر میں اور کہا گیا ہے وہ صبح ہے۔

سنن کی فضیلت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ستاروں کے بعد (یعنی فجر سے پہلے) دو سنتیں اور سجود (مغرب) کے بعد بھی دو رکعت سنتیں ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف محمد بن فضل کی روایت سے اسی سے مرفوع جانتے ہیں۔ محمد بن فضل، رشد بن کریب سے نقل کرتے ہیں۔
(امام ترمذی کہتے ہیں) میں نے امام بخاری سے پوچھا کہ محمد اور رشدین بن کریب میں سے کون زیادہ ثقہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ دونوں ہی ایک جیسے ہیں لیکن محمد میرے نزدیک زیادہ راجح ہیں پھر میں نے (یعنی امام ترمذی نے) عبداللہ بن عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی فرمایا کہ دونوں ایک جیسے ہیں لیکن رشدین میرے نزدیک زیادہ ارجح ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1223)

صبح وشام دعا پڑھنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا! یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسی دعا پڑھنے کا حکم دیجئے جسے میں صبح اور شام کے وقت (بطریق ورد) پڑھ لیا کروں۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پڑھ لیا کرو دعا (اللهم عالم الغيب والشهادة فاطر السموات والارض رب كل شيء ومليكه اشهد ان لا اله الا انت اعوذبك من شر نفسي ومن شر الشيطان وشركه ۔ (نیز آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) تم اس دعا کو صبح کے وقت پڑھ لیا کرو، شام کے وقت پڑھ لیا کرو اور سونے کے وقت بھی۔

(ترمذی، ابوداؤد، دارمی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 922)

حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد مکرم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو بندہ روزانہ صبح وشام کے وقت یہ کہے دعا (**بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیء فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم**) اور یہ تین مرتبہ کہے تو اسے کوئی چیز ضرر نہیں پہنچائے گی۔ (یعنی اگر کوئی شخص اس دعا کو صبح وشام تین تین بار پڑھ لے تو نہ اسے کوئی چیز ضرر ونقصان پہنچائے گی اور نہ وہ کسی آفت ومصیبت میں مبتلا ہوگا (اور اتفاق کی بات کہ اس وقت) حضرت ابان فالج کی ایک قسم میں مبتلا تھے چنانچہ اس شخص نے جو اس روایت کو سن رہا تھا حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف (بڑی تعجب کی نظروں سے) دیکھنا شروع کیا (کہ یہ کہہ تو یہ رہے ہیں کہ جو شخص اس دعا کو پڑھے اسے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا حالانکہ یہ خود فالج میں گرفتار ہیں) حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا تم میری طرف بنظر تعجب کیا دیکھ رہے ہو؟ اچھی طرح جان لو، یہ حدیث اسی طرح جس طرح میں نے بیان کی ہے یعنی بالکل صحیح ہے البتہ جس دن میں اس مرض میں مبتلا ہوا اس دن میں نے یہ دعا نہیں پڑھی تھی تا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے مقدر میں جو کچھ لکھ دیا تھا وہ پورا ہو۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 923)

اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص اس دعا کو شام کے وقت پڑھے وہ صبح تک کسی ناگہانی بلاء میں گرفتار نہیں ہوگا اور جو شخص اس کو صبح کے وقت پڑھے وہ شام تک کسی بلائے ناگہانی میں مبتلا نہیں ہوتا۔

سورہ کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ احقاف کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار رہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت نجم ھے

سورت نجم کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃُ النَّجْم (مَکِّیَّۃ وَ آیَاتھَا اثْنَتَانِ وَسِتُّونَ)

سورۃ النجم مکیہ ہے، اس میں تین رکوع، باسٹھ آیات، تین سو ساٹھ کلمات، ایک ہزار چار سو پانچ حروف ہیں۔ یہ وہ پہلی سورت ہے جس کا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا اور حرم شریف میں مشرکین کے روبرو پڑھی۔

سورت نجم کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کی پہلی آیت میں لفظ نجم استعمال ہوا ہے جس کا لغوی معنی ستارہ ہے۔ جبکہ اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے کہ جب آپ معراج شریف پر تشریف لے گئے۔ پس اسی مناسبت کے سبب یہ سورت اسی نجم کے لفظ سے معروف ہوئی ہے۔

لفظ کی تفسیر کی مراد کا بیان

نجم کی تفسیر میں مفسرین کے بہت سے قول ہیں بعض نے ثریا مراد لیا ہے اگرچہ ثریا کئی تارے ہیں لیکن نجم کا اطلاق ان پر عرب کی عادت ہے۔ بعض نے نجم سے جنسِ نجوم مراد لی ہے۔ بعض نے وہ نباتات جو ساق نہیں رکھتے، زمین پر پھیلتے ہیں۔ بعض نے نجم سے قرآن مراد لیا ہے لیکن سب سے لذیذ تفسیر وہ ہے جو حضرت مترجم قدس سرہ نے اختیار فرمائی کہ نجم سے مراد ہے ذاتِ گرامی ہادیِ برحق سید انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ (تفسیر خازن، سورہ نجم، بیروت)

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ۝
اس پیارے چمکتے تارے محمد (ﷺ) کی قسم! جب یہ معراج سے اترے۔

"وَالنَّجْم" الثُّرَيَّا "إِذَا هَوَى" غَابَ

اور ستارے یعنی ثریا کی قسم جب وہ غائب ہو جاتا ہے۔

لفظ نجم کے لغوی مفہوم کا بیان

عربی لغت میں نجم کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے۔

لفظِ نجم کا پہلا معنی

یہ لفظ عربی زبان وادب میں کبھی اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور کبھی اس کا استعمال بطور مصدر عمل میں لایا جاتا ہے۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اگر لفظ نجم بطور اسم استعمال ہو تو اس کا ایک معنی یہ لیا جائے گا کہ کسی چیز کی اصل، مبداء مثلاً کسی درخت کی جڑ، جو ایک تناور درخت کی اصل ہوتی ہے۔ جس جگہ سے کوئی چشمہ پھوٹے اس جگہ کو بھی نجم کہا جاتا ہے۔ چشمہ سب کو سیراب کرتا ہے۔ سنگلاخ چٹانوں کو بھی شاداب موسموں کی نوید دیتا ہے۔

فن حدیث میں لفظ نجم استعمال ہوتا ہے۔ یہ اس حدیث کے لئے آتا ہے جو اپنا اصل نہ رکھتی ہو، یعنی بے بنیاد اور من گھڑت ہو مثلاً جب یہ کہا جائے کہ ھذا الحدیث لانجم لہ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ یہ بے بنیاد اور من گھڑت ہے۔

لفظ نجم کا دوسرا معنی

آیتِ مذکورہ میں نجم سے مراد حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ قسم ہے ستارے کی جب وہ اترے معراج کی شب عظمت کا تاج کس رسول محتشم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس پر سجایا گیا، کھلے آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ ظاہر ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات تھی اور خدا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستارے سے تشبیہ دے رہا ہے۔ ستارا جو روشنی کی علامت ہے، ستارہ جو حرکت اور زندگی کا استعارہ ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں النجم انہ محمد۔ (روح المعانی، 14:45(تفسیر المظہری، 9:103)

نجم سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

لفظ نجم کا تیسرا معنی

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ نجم سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب اطہر ہے، وہ قلب مقدس جس پر اس عظیم سفر کی جزئیات رقم ہوئیں۔ اگر یہ معنی لیا جائے تو بھی مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہی ٹھہرتی ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی کا پہلا معنی۔۔۔ اصلِ کائنات

اکثر محدثین ومفسرین نے نجم سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو ہی لیا ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں، امام خازن رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر خازن اور روزبہان بقلی رحمۃ اللہ علیہ نے عرائس البیان میں نجم کے اسی مفہوم کو اعتماد واعتبار کی سند عطا کی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر متعدد ائمہ تفسیر نے بھی نجم سے مراد سیاح لامکاں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہی لی ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نجم کی شرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: خدا کی ذات بابرکات نے کنائے اور اشارے کے پیرائے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رخشندہ و تابندہ ذات کی قسم کھائی اور فرمایا: قسم ہے اے محبوب! کہ تو اصل ہے۔
(المفردات:483)

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى میں مخفی حقائق کا بیان

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى کا پہلا معنی بلندیوں تک پہنچنا ہے۔ معراج کی شب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وجود بشری کے ساتھ ان بلندیوں سے بھی آگے تشریف لے گئے جن بلندیوں پر جبرئیل جیسے مقرب فرشتے کے بھی پر جلتے ہیں۔ کلام خدا پر جتنا بھی غور کیا جائے تفہیم کی نئی نئی پرتیں خود بخود سامنے آتی جاتی ہیں۔ اگر والنجم سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مسعود مراد لیا جائے اور لفظ هَوٰى هَوِىَ سے مشتق ہو تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا چمکتے ہوئے ستارے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم جو زمین کی پستیوں سے ابھر کر عالم لامکاں کی بلندیوں کی انتہاء تک پہنچا۔ حقیقت معراج روز روشن کی طرح واضح ہو رہی ہے۔ اب اس استدلال کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یہ کسی خواب کی کیفیت بیان نہیں ہو رہی بلکہ روح کا جسم کے ساتھ آسمانوں پر جانا ہی معراج ہے۔ اس کا ذکر رب کائنات نے قسم کھا کر کیا ہے کہ یہ واقعہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

بحالت خواب روحانی معراج کی مطلقاً کوئی ضرورت نہ تھی اور نہ رب کائنات کو قسم کھانے کی ضرورت تھی کہ خواب میں تو اس قسم کے محیر العقول مشاہدات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اللہ ربّ العزت کا قسم کھانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ واقعہ غیر معمولی نوعیت کا ہے۔ اگر اس سے یہ مراد لی جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدرۃ المنتہی سے واپس لوٹ آئے (جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے) تو پھر بھی یہ واقعہ اتنی اہمیت کا حامل نہ ہوتا کہ سدرۃ المنتہی تک تو جبرئیل کو بھی رسائی حاصل ہے۔ سدرۃ المنتہی عالم ملوکیت کی آخری حد ہے، جہاں شہداء اور خدا کے برگزیدہ بندوں کا گزر رہتا ہے، لہٰذا سدرۃ المنتہی تک پہنچنا اتنی عظیم بات نہ ہوتی اور اسے اس اہتمام سے بیان بھی نہ کیا جاتا لیکن بات سدرۃ المنتہی سے آگے کی ہے۔ خدائے بزرگ و برتر کے قسم کھانے سے اس استدلال کو تقویت ملتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پروردگار عالم کی عطا کردہ قوت سے عالم بالا کے اس آخری کنارے تک پہنچے جہاں کوئی نبی مرسل یا فرشتہ پہنچنے کی نہ تاب رکھتا ہے اور نہ جرات، وہاں تک مرغ تخیل کی رسائی بھی ممکن نہیں۔

لفظ هَوٰى سدرۃ المنتہی سے قاب قوسین تک کے سفر کو بیان کر رہا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس لمحہ کی قسم جب میرے محبوب تو لامکاں کی حدوں کو پار کر کے میرے مقام قرب تک پہنچا۔ خلاصہ بحث یہ ہوا کہ خدائے علیم وخبیر نے اس آیت مقدسہ میں اس چمکتے ہوئے ستارے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم کھائی جو شب معراج عظمتوں اور رفعتوں سے ہمکنار ہوئے بلکہ سب رفعتوں اور عظمتوں کو اپنے قدموں کے نیچے چھوڑتے ہوئے بلندیوں کی آخری منزل تک جا پہنچے۔ اس منزل تک جس منزل تک عام انسان تو کجا فرشتوں تک کے پہنچنے کا تصور بھی محال ہے۔

سفرِ معراج کا نقطۂ آغاز اور منتہائے کمال

طائف کے بازاروں میں اوباش لڑکوں کی سنگ باری کا دلخراش سانحہ گزر چکا تھا، مکہ مکرمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واپسی کے مقفل دروازے کھل چکے تھے۔ قلب اطہر کفار و مشرکین مکہ کی مسلسل چیرہ دستیوں پر ملول تھا لیکن لب اقدس پر دعا کے پھول کھل رہے تھے۔ تحریک اسلامی کی قیادت عظمیٰ آزمائش کے مراحل سے گزر چکی تھی۔ دلجوئی کے لئے نہ عبدالمطلب تھے نہ ابوطالب، اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کی دلجوئی اس طرح کی کہ انہیں عظمتوں اور رفعتوں کی اس منزل تک لے گیا جس کا تصور بھی ذہن انسانی میں نہیں سما سکتا۔ سدرۃ المنتہی کی وہ منزل جس سے آگے جبرئیل جیسے مقرب فرشتے کو بھی دم مارنے کی جا نہیں، آپ کے سفر معراج کا ایک پڑاؤ ٹھہری۔

اس سفر عظیم کا آغاز حطیم کعبہ سے ہوا۔ آقائے کائنات استراحت فرما تھے۔ ادھر آسمانوں پر حور و ملائکہ محبوب کبریا کی پیشوائی کے منتظر تھے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں اور وہ آسمانی مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہوں میں اپنی آنکھیں بچھانے کا اعزاز حاصل کرے۔ جبرئیل امین آسمانوں سے اترے، حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیدار کیا اور ایک سواری حاضر کی، جو دراز گوش سے اونچی اور خچر سے قدرے نیچی تھی۔ اس سواری کا نام براق تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار ہوئے۔ یہ ایک تیز رفتار سواری تھی۔ اس کی تیز رفتاری کا عالم یہ تھا کہ اس کا ہر ہر قدم منتہائے نظر پر پڑتا تھا۔ سفر کے پہلے مرحلے پر تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس لے جائے گئے جہاں تمام انبیاء آپ کے منتظر تھے۔ نماز کا وقت ہوا، صفیں درست ہوئیں اور جبرئیل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انبیاء کی امامت کے لئے مصلیٰ پر کھڑا کر دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک۔ تمام انبیائے کرام نے سردار انبیاء کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ یہاں سے براق پر سوار ہو کر آپ نے آسمان دنیا پر ورود فرمایا۔ آسمان دنیا کے دروازے پر جبرئیل امین نے دستک دی تو دربان نے پوچھا کہ جبرئیل تمہارے ساتھ کون ہے؟ جب جبرئیل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی لیا تو دروازہ کھل گیا۔

حور و غلمان صف بہ صف کھڑے تھے۔ خوش آمدید یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش آمدید، مرحبا یا نبی مرحبا۔ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، آپ نے نسل انسانی کے جد امجد کو سلام کیا تو حضرت آدم علیہ السلام نے صالح بیٹے اور صالح نبی کہہ کر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا استقبال کیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے ساتوں آسمانوں کے دروازے کھلتے چلے گئے۔ عرش معلیٰ پر جشن کا سا سماں تھا۔ ہر طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے چرچے تھے۔ آج وہ مہمان ذی وقار آرہے ہیں جن کے بارے میں رب کائنات نے فرمایا کہ اے محبوب! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر تجھے پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو یہ زمین ہوتی اور نہ یہ آسمان، پیارے یہ کائنات رنگ و بو تیرے قدموں کا صدقہ ہے، یہ زمین و آسمان تیرے نقوش پا کی خیرات ہے۔ فرشتے جوق در جوق استقبال کے لئے حاضر ہوتے رہے۔ کائنات ارض و سماوات عالم بشریت کی زد میں تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عظمتوں اور رفعتوں کا یہ عظیم سفر طے کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

عروج آدم خاکی سے سہمے ہوئے انجم بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان پر آپ کی ملاقات بالترتیب حضرت یحییٰ وعیسیٰ، حضرت یوسف، حضرت ادریس، حضرت ہارون، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ہوئی۔ گویا آپ جہاں گئے انبیاء سے فرشتوں تک تمام آسمانی مخلوقات آپ کے لئے چشم براہ تھیں۔ سدرۃ المنتہیٰ کا مقام بلند آ گیا۔ جبرائیل علیہ السلام رک گئے اور آگے بڑھنے سے معذوری کا اظہار کیا: **لو دنوت انملة لاحترقت.** اگر ایک پور برابر بھی آگے بڑھوں تو جل جاؤں گا۔ (روح البیان تفسیر نیشاپوری (الیواقیت والجواہر، 2:35)

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ○ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○
عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ○ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ○ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ○
تمہیں صحبت سے نوازنے والے (یعنی تمہیں اپنے فیضِ صحبت سے صحابی بنانے والے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
نہ راہ بھولے اور نہ راہ سے بھٹکے۔ اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو نازل
کی جاتی ہے۔ ان کو بڑی قوّتوں والے نے علم سے نوازا۔ پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا، اور وہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
شب معراج عالم مکاں کے) سب سے اونچے کنارے پر تھے (یعنی عالمِ خلق کی انتہاء پر تھے)۔

نبی کریم ﷺ کی شان وحی کا بیان

"مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ" مُحَمَّد عَلَيْهِ الصَّلَاة وَالسَّلَام عَنْ طَرِيق الْهِدَايَة "وَمَا غَوَى" مَا لَابَسَ الْغَيّ وَهُوَ جَهْل مِنْ اعْتِقَاد فَاسِد "وَمَا يَنْطِق" بِمَا يَأْتِيكُمْ بِهِ "عَنِ الْهَوَى" هَوَى نَفْسه "إِنْ" مَا "هُوَ إِلَّا وَحْي يُوحَى" إِلَيْهِ "عَلَّمَهُ" إِيَّاهُ مَلَك، "ذُو مِرَّة" قُوَّة وَشِدَّة أَوْ مَنْظَر حَسَن أَيْ جِبْرِيل عَلَيْهِ السَّلَام "فَاسْتَوَى" اسْتَقَرَّ "وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى" أُفُق الشَّمْس أَيْ عِنْد مَطْلَعهَا عَلَى صُورَته الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا فَرَآهُ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ بِحِرَاءٍ قَدْ سَدَّ الْأُفُق إِلَى الْمَغْرِب فَخَرَّ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ وَكَانَ قَدْ سَأَلَهُ أَنْ يُرِيه نَفْسه عَلَى صُورَته الَّتِي خُلِقَ عَلَيْهَا فَوَاعَدَهُ بِحِرَاءٍ فَنَزَلَ جِبْرِيل لَهُ فِي صُورَة الْآدَمِيِّينَ،

تمہیں اپنی صحبت سے نوازنے والے یعنی تمہیں اپنے فیضِ صحبت سے صحابی بنانے والے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ کبھی ہدایت کی راہ سے بھولے اور نہ کبھی راہ سے بھٹکے۔ کیونکہ غی اعتقاد فاسد کے سبب پیدا ہونے والا جہل ہے۔ اور وہ کوئی بات اپنی خواہش یعنی جو بھی بات آپ لاتے ہیں، اپنی خواہش سے نہیں کرتے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔ یعنی وحی بذریعہ فرشتے نازل ہوتی ہے۔ ان کو بڑی قوّتوں والے (رب) نے (براہِ راست) علم (کامل) سے نوازا۔ پھر اس جلوہ یعنی جبرائیل نے

قصد فرمایا، اور وہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج عالم مکاں کے) سب سے اونچے کنارے پر تھے (یعنی عالم خلق کی انتہاء پر تھے)۔یعنی جو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ ہے۔ جبرائیل امین اس صورت میں آئے جس پر انہیں کی تخلیق ہوئی تھی۔تو نبی کریم ﷺ نے انہیں دیکھا کیونکہ حراء میں آپ نے ان کو دیکھا تھا۔تو اس نے افق مغرب یعنی غروب ہونے کی جگہ تک کو بھرلیا۔تو آپ پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوئی۔ جبکہ وہ جبرائیل امین آپ سے وعدہ کر چکے تھے۔کہ اپنی اصلی صورت میں حاضر ہوں گے۔اور یہ وعدہ غار حراء میں ہوا تھا لہٰذا جبرائیل زمین انسانی شکل میں آئے۔

"صَاحِبُکُم" سے مراد سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔معنی یہ ہیں کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی طریق حق وہدایت سے عدول نہ کیا، ہمیشہ اپنے رب کی توحید وعبادت میں رہے، آپ کے دامنِ عصمت پر کبھی کسی امرِ مکروہ کی گرد نہ آئی۔اور بیراہ نہ چلنے سے یہ مراد ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ رشد وہدایت کی اعلیٰ منزل پر متمکن رہے۔اعتقادِ فاسد کا شائبہ بھی کبھی آپ کے حاشیہ بساط تک نہ پہنچ سکا۔

نبی کریم ﷺ کی زبان اقدس سے حق بیان ہونے کا بیان

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تو وہی کہتا ہوں جو کہتا ہوں۔مسند کی اور حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتا تھا اسے حفظ کرنے کے لئے لکھ لیا کرتا تھا پس بعض قریشیوں نے مجھے اس سے روکا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان ہیں کبھی کبھی غصے اور غضب میں بھی کچھ فرمادیا کرتے ہیں چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا پھر میں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میری زبان سے سوائے حق بات کے اور کوئی کلمہ نہیں نکلتا یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ابی شیبہ میں بھی ہے بزار میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں جس امر کی خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوں اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں سوائے حق کے اور کچھ نہیں کہتا۔اس پر بعض صحابہ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی ہم سے خوش طبعی بھی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس وقت بھی میری زبان سے ناحق نہیں نکلتا۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ نجم، بیروت)

شدید قویٰ سے مراد ہونے کا بیان

بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ سخت قوتوں والے طاقتور سے مراد حضرت جبریل ہیں اور سکھانے سے مراد تعلیم الٰہی سکھانا یعنی وحیِ الٰہی کا پہنچانا ہے۔حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ (عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰى - ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى، النجم:6) سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اس نے اپنی ذات کو اس وصف کے ساتھ ذکر فرمایا معنی یہ ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بیواسطہ تعلیم فرمائی۔(تفسیر روح البیان، سورہ نجم، بیروت)

فاستویٰ کی تفسیر کا بیان

عام مفسرین نے فَاسْتَوٰی کا فاعل بھی حضرت جبریل کو قرار دیا ہے اور یہ معنی لئے ہیں کہ حضرت جبریل امین اپنی اصلی صورت

پر قائم ہوئے اور اس کا سبب یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ان کی اصلی صورت میں ملاحظہ فرمانے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی تو حضرت جبریل جناب مشرق میں حضور کے سامنے نمودار ہوئے اور ان کے وجود سے مشرق سے مغرب تک بھر گیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی انسان نے حضرت جبریل کو ان کی اصلی صورت میں نہیں دیکھا۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل کو دیکھنا تو صحیح ہے اور حدیث سے ثابت ہے لیکن یہ حدیث میں نہیں ہے کہ اس آیت میں حضرت جبریل کو دیکھنا مراد ہے بلکہ ظاہر تفسیر میں یہ ہے کہ مراد فَاسْتَوٰی سے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکانِ عالی اور منزلت رفیعہ میں استوٰی فرمانا ہے۔ (تفسیر کبیر، سورہ نجم، بیروت)

تفسیر روح البیان میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افقِ اعلٰی یعنی آسمانوں کے اوپر استوٰی فرمایا اور حضرت جبریل سدرۃ المنتہٰی پر رک گئے آگے نہ بڑھ سکے انہوں نے کہا اگر میں ذرا بھی آگے بڑھوں تو تجلّیاتِ جلال مجھے جلا ڈالیں اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھ گئے اور مستوائے عرش سے بھی گزر گئے۔

اور حضرت مترجم قدّس سرّہ کا ترجمہ اس طرف مشیر ہے کہ استوٰی کی اسناد حضرت ربُّ العزّت عزّ واعلٰی کی طرف ہے، اور یہی قول حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نجم، لاہور)

افقِ اعلٰی کے مفہوم کا بیان

یہاں بھی عام مفسرین اسی طرف گئے ہیں کہ یہ حال جبریلِ امین کا ہے لیکن امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ حال سید عالم محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کہ آپ افقِ اعلٰی یعنی فوقِ سمٰوات تھے جس طرح کہنے والا کہتا ہے کہ میں نے چھت پر چاند دیکھا پہاڑ پر چاند دیکھا اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ چاند چھت پر یا پہاڑ پر تھا۔

بلکہ یہی معنی ہوتے ہیں کہ دیکھنے والا چھت یا پہاڑ پر تھا اسی طرح یہاں معنی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فوقِ سمٰوات پر پہنچے تو تجلّیِ ربانی آپ کی طرف متوجہ ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نجم، لاہور)

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ○ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ○
مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ○ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ○
پھر وہ (ربّ العزّت اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے) قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہو گیا۔ پھر (جلوہ حق اور حبیب مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صرف) دو کمانوں کی مقدار فاصلہ رہ گیا یا (انتہائے قرب میں) اس سے بھی کم (ہو گیا)۔ پس (اس خاص مقامِ قرب و وصال پر) اس (اللہ) نے اپنے عبدِ (محبوب) کی طرف وحی فرمائی جو (بھی) وحی فرمائی۔ (اُن کے) دل نے اس کے خلاف نہیں جانا جو (اُن کی) آنکھوں نے دیکھا۔ کیا تم ان سے اس پر جھگڑتے ہو کہ جو انہوں نے دیکھا۔

شب معراج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام قرب کا بیان

"ثُمَّ دَنَا" قَرُبَ مِنْهُ "فَتَدَلّٰى" زَادَ فِي الْقُرْبِ "فَكَانَ" مِنْهُ "قَابَ" قَدْرَ "قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى" مِنْ ذٰلِكَ حَتّٰى أَفَاقَ وَسَكَنَ رَوْعَهُ،

"فَأَوْحٰى" تَعَالٰى "إِلٰى عَبْدِهٖ" جِبْرِيلَ "مَا أَوْحٰى" جِبْرِيلُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَذْكُرِ الْمُوحٰى تَفْخِيمًا لِشَأْنِهٖ،

"مَا كَذَبَ" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ أَنْكَرَ "الْفُؤَادُ" فُؤَادُ النَّبِيِّ "مَا رَأٰى" بِبَصَرِهٖ مِنْ صُورَةِ جِبْرِيلَ،

"أَفَتُمَارُونَهٗ" تُجَادِلُونَهٗ وَتَغْلِبُونَهٗ "عَلٰى مَا يَرٰى" خِطَابٌ لِلْمُشْرِكِينَ الْمُنْكِرِينَ رُؤْيَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجِبْرِيلَ،

پھر وہ قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہو گیا۔ یعنی قرب میں زیادہ قربت ہوئی۔ پھر دو کمانوں کی مقدار فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب افاقہ ہوا تو آپ سے خوف جاتا رہا۔ پس اس خاص مقام قرب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی جو جبرائیل نے آپ کی طرف وحی فرمائی جو بھی وحی فرمائی۔ جبکہ شان کے اعلیٰ ہونے کے سبب موحی بہ کا ذکر نہیں ہے۔ اُن کے دل یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے اس کے خلاف نہیں جانا، یہاں پر ما کذب تشدید وتخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ جو اُن کی آنکھوں نے صورت جبرائیل کو دیکھا۔ کیا تم ان سے اس پر جھگڑتے ہو کہ جو انہوں نے دیکھا۔ یہاں مشرکین ومنکرین سے خطاب ہے جو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبرائیل کو دیکھنے سے متعلق جھگڑا کرتے تھے۔

دنا فتدلّٰی کے مفہوم کا بیان

اس کے معنی میں بھی مفسرین کے کئی قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت جبریل کا سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب ہونا مراد ہے کہ وہ اپنی صورت اصلی دکھا دینے کے بعد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب میں حاضر ہوئے دوسرے معنی یہ ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حق کے قرب سے مشرف ہوئے تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے قرب کی نعمت سے نوازا اور یہی صحیح تر ہے۔

شیبانی سے روایت ہے کہ میں نے زر بن حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول (فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى، پھر فاصلہ کمان کے برابر تھا اس سے بھی کم)۔ کی تفسیر پوچھی۔

تو انہوں نے فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا اور ان کے چھ سو پر تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1225)

قابَ قوسین اوادنیٰ کے مفہوم کا بیان

اس میں چند قول ہیں ایک تو یہ کہ نزدیک ہونے سے حضور ﷺ کا عروج ووصول مراد ہے اور اتر آنے سے نزول ورجوع تو حاصلِ معنی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے قرب میں باریاب ہوئے پھر وصال کی نعمتوں سے فیض یاب ہوکر خَلق کی طرف متوجہ ہوئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت ربُّ العزّت اپنے لطف ورحمت کے ساتھ اپنے حبیب سے قریب ہوا اور اس قرب میں زیادتی فرمائی تیسرا قول یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقربِ درگاہِ ربوبیّت ہوکر سجدہ طاعت ادا کیا۔ (روح البیان) بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ قریب ہوا جبار ربُّ العزّت الخ۔ (تفسیر خازن، سورہ نجم، بیروت)

پوشیدہ راز والی وحی کا بیان

اکثر علماءِ مفسرین کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ خاص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی فرمائی۔ (تفسیر جمل، سورہ نجم، بیروت)

حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی یہ وحی بیواسطہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا اور یہ خدا اور رسول کے درمیان کے اسرار ہیں جن پر ان کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔ بقلی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس راز کو تمام خَلق سے مخفی رکھا اور نہ بیان فرمایا کہ اپنے حبیب کو کیا وحی فرمائی اور محبّ ومحبوب کے درمیان ایسے راز ہوتے ہیں جن کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (تفسیر روح البیان، سورہ نجم، بیروت)

علماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس شب میں جو آپ کو وحی فرمائی گئی وہ کئی قسم کے علوم تھے۔ ایک تو علم شرائع واحکام جن کی سب کو تبلیغ کی جاتی ہے دوسرے معارف الٰہیہ جو خواص کو بتائے جاتے ہیں تیسرے حقائق ونتائجِ علوم ذوقیہ جو صرف اخص الخواص کو تلقین کئے جاتے ہیں اور ایک قسم وہ اسرار جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خاص ہیں کوئی ان کا تحمل نہیں کرسکتا۔
(تفسیر روح البیان، سورہ نجم، بیروت)

اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے کا بیان

آنکھ نے یعنی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک نے اس کی تصدیق کی جو چشم مبارک نے دیکھا۔ معنی یہ ہیں کہ آنکھ سے دیکھا دل سے پہچانا اور اس رویت ومعرفت میں شک وتردّد نے راہ نہ پائی اب یہ بات کہ کیا دیکھا بعض مفسرین کا قول یہ ہے کہ حضرت جبریل کو دیکھا لیکن مذہب صحیح یہ ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا اور یہ دیکھنا کس طرح تھا چشم سر سے یا چشم دل سے اس میں مفسرین کے دونوں قول پائے جاتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب عزّ وجلّ کو اپنے قلب مبارک سے دوبار دیکھا (رواہ مسلم)
ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ نے رب عزّ وجلّ کو حقیقۃً چشم مبارک سے دیکھا۔ یہ قول حضرت انس بن مالک اور حسن وعکرمہ کا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خُلّت اور حضرت موسیٰ علیہ

السلام کو کلام اور سید عالم محمد مصطفیٰ کو اپنے دیدار سے امتیاز بخشا۔ (صلوات اللہ تعالیٰ علیہم) کعب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو بار کلام فرمایا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ دیکھا۔ (ترمذی)

لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیدار کا انکار کیا اور آیت کو حضرت جبریل کے دیدار پر محمول کیا اور فرمایا کہ جو کوئی کہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے رب کو دیکھا اس نے جھوٹ کہا اور سند میں (لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ، الانعام:103) تلاوت فرمائی۔ یہاں چند باتیں قابلِ لحاظ ہیں ایک یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول نفی میں ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اثبات میں اور مثبت ہی مقدم ہوتا ہے کیونکہ نافی کسی چیز کی نفی اس لئے کرتا ہے کہ اس نے سنا نہیں اور مثبت اثبات اس لئے کرتا ہے کہ اس نے سنا اور جانا تو علم مثبت کے پاس ہے علاوہ بریں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ کلام حضور سے نقل نہیں کیا بلکہ آیت سے اپنے استنباط پر اعتماد فرمایا یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رائے ہے اور آیت میں ادراک یعنی احاطہ کی نفی ہے نہ رویت کی۔

صحیح یہ ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیدارِ الٰہی سے مشرّف فرمائے گئے۔ مسلم شریف کی حدیث مرفوع سے بھی یہی ثابت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو بحر الامۃ ہیں، وہ بھی اسی پر ہیں۔ مسلم کی حدیث ہے رَاَيْتُ رَبِّيْ بِعَيْنِيْ وَبِقَلْبِيْ میں نے اپنے رب کو اپنی آنکھ اور اپنے دل سے دیکھا۔

حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ قسم کھاتے تھے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قائل ہوں حضور نے اپنے رب کو دیکھا اس کو دیکھا اس کو دیکھا۔ امام صاحب یہ فرماتے ہی رہے یہاں تک کہ سانس ختم ہو گیا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نجم، لاہور)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھانے کیلئے آنے میں دیر کر دی حتیٰ کہ سورج کے نکلنے کا وقت قریب آ گیا، پھر آپ نے جلدی جلدی نماز پڑھائی، پھر سلام پھیرنے کے بعد آپ نے بہ آواز بلند فرمایا: تم جس طرح بیٹھے ہو اپنی اپنی صفوں پر بیٹھے رہو، پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں عنقریب تم سے بیان کروں گا کہ مجھے صبح آنے میں تاخیر کیوں ہو گئی، آپ نے فرمایا: میں رات کو اٹھا اور میں نے وضو کر کے اتنی نماز پڑھی جتنی میرے لئے مقدر کر دی گئی تھی، پھر مجھے نماز میں نیند آ گئی اچانک میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو نہایت حسین صورت میں دیکھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا محمد (ﷺ)! میں نے کہا یا میرے رب، لبیک! فرمایا: فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟

میں نے کہا اے میرے رب! مجھے از خود علم نہیں، یہ مکالمہ تین بار ہوا، پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا اور میں نے اس کے پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی۔ پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی اور میں نے جان لیا۔ (الحدیث) امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن، صحیح ہے اور میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث حسن، صحیح ہے۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث، ۳۲۴۶) مسند احمد، رقم الحدیث، ۲۲۷۰۰)

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ○ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ○ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ○ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ○

اور بیشک انہوں نے تو اس کو دوسری مرتبہ دیکھا (اور تم ایک بار دیکھنے پر ہی جھگڑ رہے ہو)۔ سدرۃ المنتہٰی کے پاس۔

اسی کے پاس جنت الماْوٰی ہے۔ جب نور حق کی تجلیات سدرۃ (المنتہٰی) کو ڈھانپ رہی تھیں جو کہ سایہ فگن تھیں۔

سدرہ منتہیٰ اور جنت ماویٰ کا بیان

"وَلَقَدْ رَآهُ" عَلَى صُورَته "نَزْلَة" مَرَّة "عِنْد سِدْرَة الْمُنْتَهَى" لَمَّا أُسْرِيَ بِهِ فِي السَّمَاوَات وَهِيَ شَجَرَة نَبْق عَنْ يَمِين الْعَرْش لَا يَتَجَاوَزهَا أَحَد مِنْ الْمَلَائِكَة وَغَيْرهمْ "عِنْدهَا جَنَّة الْمَأْوَى" تَأْوِي إلَيْهَا الْمَلَائِكَة وَأَرْوَاح الشُّهَدَاء الْمُتَّقِينَ "إذْ" حِين وَإِذْ مَعْمُولَة لِرَآهُ "يَغْشَى السِّدْرَة مَا يَغْشَى" مِنْ طَيْر وَغَيْره،

اور بیشک انہوں نے تو اس (جلوہ حق) کو اس کی صورت پر دوسری مرتبہ پھر دیکھا (اور تم ایک بار دیکھنے پر ہی جھگڑ رہے ہو)۔ سدرۃ المنتہٰی کے پاس۔ جب نبی کریم ﷺ شب معراج آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ سدرہ وہ بیری کا درخت جو عرش کی دائیں جانب ہے اس سے آگے کوئی فرشتہ بھی جا سکتا۔ اسی کے پاس جنت الماْوٰی ہے۔ جہاں پر فرشتوں اور شہداء کی ارواح اور اہل تقویٰ لوگوں کی ارواح رہتی ہیں۔ جب نور حق کی تجلیات سدرۃ (المنتہٰی) کو بھی ڈھانپ رہی تھیں جو کہ اس پر سایہ فگن تھیں۔ پرند وغیرہ ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا دوبارہ دیدار کرنے کا بیان

کیونکہ تخفیف کی درخواستوں کے لئے چند بار عروج ونزول ہوا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب عزّ وجلّ کو اپنے قلب مبارک سے دو مرتبہ دیکھا اور انہیں سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور نے رب عزّ وجلّ کو آنکھ سے دیکھا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نجم، لاہور)

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مجھے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں۔ میں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتے (لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمانے لگے تیرا ستیاناس ہو یہ تو جب ہے کہ وہ اپنے نور کے ساتھ تجلی فرمائے بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1227)

حضرت ابن عباس اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد (مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى 11 اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى 12 وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى 13) 53۔ النجم: 11-12-13) (ترجمہ: اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے غلط نہیں کہا اس چیز کی بابت جو انہوں نے آنکھوں سے دیکھی یعنی ذات اقدس تعالیٰ کو اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے پروردگار کو ایک مرتبہ اور دیکھا

کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پروردگار کو دل کی آنکھوں سے ہر مرتبہ دیکھا۔

(مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 226)

اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے (مذکورہ آیت کی تفسیر میں) کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دیکھا۔" حضرت عکرمہ کہتے ہیں کہ (میں نے یہ سن کر اپنا اشکال ظاہر کیا اور) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا کہ (قرآن کریم میں اپنی ذات کے بارے میں) اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ لاتدرکہ الابصار وہو یدرک الابصار (پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اشکال کے جواب میں) کہا کہ تم پر افسوس ہے (کہ تم بات نہیں سمجھ سکے، حقیقت یہ کہ) یہ (مفہوم جو تم نے اس آیت کے ذریعہ پیش کیا ہے) اس وقت کے لئے ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص تجلی ظاہر فرمائے اور اپنے اس نور کے ساتھ ظاہر ہو جو اس کی ذات خاص کا نور ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو دو مرتبہ دیکھا۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 226)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پروردگار کو دل سے دو مرتبہ دیکھا۔" یعنی اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں میں بینائی کی بھی وہ طاقت ودیعت فرمائی جو آنکھ میں ہوتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کو ادراک کی بھی وہ طاقت عطا فرمائی جو قلب میں ہوتی ہے، پس یہ کہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کو بچشم قلب دیکھا یا یہ کہ بچشم سر دیکھا، دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یہ مطلب اس لئے اختیار کیا گیا، تا کہ جو حضرات جیسے حضرت ابن عباس وغیرہ) یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں پروردگار کو بچشم سر دیکھا ہے اور حضرات یہ کہتے ہیں کہ بچشم قلب دیکھا ہے، ان دونوں کے اقوال کی رعایت ہو جائے جیسا کہ اوپر اجمالاً ذکر کیا گیا پہلے اختلاف تو یہی ہے کہ سورت نجم کی ابتدائی آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کس کو دیکھنے کا ذکر ہے حق تعالیٰ کو یا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حق تعالیٰ کو دیکھنا مراد لیتے ہیں جمہور صحابہ ان کی تائید میں ہیں اور سلف میں جمہور مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں ان کے نزدیک دنی فتدلی قاب قوسین اوادنی کے الفاظ (جو ان آیات میں آئے ہیں) معراج کے موقعہ پر بارگاہ ربوبیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب اور پروردگار کے مشاہدہ وزیارت کا بیان ہیں۔ پھر اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو بچشم سر دیکھا ہے یا بچشم قلب؟ بعضوں نے تو یہ کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر ہی کی آنکھوں سے اپنے پروردگار کو دیکھا۔

امام نووی کی تحقیق کے مطابق اکثر علماء کے نزدیک ترجیحی قول یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ جو حضرات آیات مذکورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا مراد لیتے ہیں ان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل

ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان آیات میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اس قرب ومشاہدہ کا بیان وذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرائیل امین کی اصل صورت کے ساتھ شب معراج میں اور اس سے پہلے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں حاصل ہوا تھا۔ یہ اس وقت کے لئے ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص تجلی ظاہر فرمائے الخ" کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات حق تعالیٰ کی مشیت وقدرت پر منحصر ہے اگر اس کی ذات خاص کی تجلی ظاہر ہو تو اس میں شبہ نہیں کہ کسی کی بھی نگاہ وبصر کی توانائی برداشت کر سکتی ہو تو یقیناً نگاہ اس کی طرف اٹھ سکتی ہے اور آنکھیں دیدار اور زیارت کی تاب لا سکتی ہیں رہی اس آیت کی بات جس کا حوالہ حضرت عکرمہ نے دیا تو اس کے متعلق علماء لکھتے ہیں کہ اس آیت میں "ادراک" کا ذکر ہے جس کے لغوی معنی کسی چیز کا اس کے تمام اطراف وجوانب اور تمام سرحدوں کے ساتھ احاطہ کرنا ہیں اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے نہ کوئی حد ونہایت ہے اور نہ اس کے اطراف وجانب ہیں، اس کی ذات ان چیزوں سے ماوراء اور لامحدود ہے، اس معنی میں کوئی بھی نگاہ وبصر اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ لہٰذا اس آیت میں "احاطہ" کی نفی مراد ہے مطلق دیدار کی نفی مراد نہیں ہے جس سے یہ اشکال واقع ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی بات اس آیت کے خلاف پڑتی ہے۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت نے اپنے پروردگار کو دو مرتبہ دیکھا۔ "میں دو مرتبہ" کی وضاحت بعض محدثین نے یہ کی ہے کہ ایک مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب اور ایک مرتبہ عرش پر اور ملا علی قاری نے اس جملہ کے تحت یہ لکھا ہے کہ "دو مرتبہ دیکھا" سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مرتبہ دل کی آنکھوں سے دیکھا اور ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے یہ اختلاف مطالب اس لئے ہے کہ کسی بھی روایت میں وضاحت کے ساتھ منقول نہیں ہے (جیسا کہ اس روایت میں بھی نہیں، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دو بار دیکھا۔

سدرہ منتہیٰ کے مفہوم کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سِدْرَۃَ الْمُنْتَھٰی تک پہنچے (یعنی شب معراج میں) اور منتہیٰ سے مراد وہ چیز ہے جس کی طرف زمین سے چڑھا اور اس سے زمین کی طرف اترا جائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین ایسی چیزیں عطا کیں جو کسی اور نبی کو نہیں دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں، سورت بقرہ کی آخری آیات عطا کی گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے سارے کبیرہ گناہ معاف کر دیئے گئے بشرطیکہ وہ لوگ اللہ کے ساتھ شرک نہ کریں۔ پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ آیت پڑھی (اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی، جب کہ اس سدرۃ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا)۔ اور فرمایا کہ سدرہ چھٹے آسمان پر ہے۔ سفیان کہتے ہیں کہ وہ علیہ السلام پٹنے والی چیز سونے کے پروانے تھے اور پھر ہاتھ ہلا کر بتایا کہ اس طرح اڑ رہے تھے۔ مالک بن غلول کے علاوہ دوسرے علماء کا کہنا ہے کہ وہ مخلوق کے علم کی انتہا ہے اس کے بعد کوئی کسی چیز کے متعلق نہیں جانتا۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1224)

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے یہ روایت ہے کہ اس وقت سدرۃ المنتہیٰ پر سونے کے بنے ہوئے پروانے ہر طرف

گرر ہے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس روز سدرۃ المنتہیٰ کو خاص طور سے سجایا گیا تھا جس میں آنے والے مہمان حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز تھا۔

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ اس وقت جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کیا گیا، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ (سدرۃ المنتہیٰ ایسا درخت ہے کہ) کوئی (تیز رفتار) سوار اس کی شاخوں کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے یا یہ فرمایا کہ اس کے سائے میں بیک وقت سو سوار دم لے سکیں، اس درخت پر سونے کی ٹڈیاں ہیں گویا اس کے پھل مٹکوں کے برابر ہیں۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

(مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 205)

سدرۃ المنتہیٰ " کے معنی ہیں " بیری کا وہ درخت جس پر انتہاء ہے۔" اس درخت کو " سدرۃ المنتہیٰ " اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ جنت کے اس انتہائی کنارے پر واقع ہے جس کے پرے کسی کو کچھ علم نہیں کیا ہے، اس کے آگے کسی فرشتے تک کو جانے کا حکم نہیں ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آخری رسائی بھی یہیں تک ہے، اس کے آگے وہ بھی نہیں جا سکتے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں اس درخت سے آگے گئے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق یہ درخت چھٹے آسمان پر ہے۔

لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ ساتویں آسمان پر۔ "اس درخت پر سونے کی ٹڈیاں ہیں۔" سے شاید یہ مراد ہے کہ اس درخت پر جو نورانی فرشتے ہیں ان کے پر اس طرح چمکتے اور جھلملاتے ہیں جیسے اس کی شاخوں پر سونے کی چمکدار ٹڈیاں ادھر ادھر پھدک رہی ہوں یا یہ کہ اس درخت سے جو انوار اٹھتے ہیں اور شاخوں پر ایک خاص قسم کی روشنی پھوٹتی رہتی ہے اس کو سونے کی "ٹڈیاں" سے تعبیر فرمایا۔ واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد " اس درخت پر سونے کی ٹڈیاں ہیں۔ " دراصل اس آیت کریمہ (اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی، النجم:16) (جب اس سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپ رکھا جو کچھ کہ ڈھانپتا ہے) کی تفسیر ہے، چنانچہ بیضاوی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ فرشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہے اس درخت کو ڈھانپے رہتی ہے۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی ۝
اُن کی آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی (جس کو تکنا تھا اسی پر جمی رہی)۔
بیشک انہوں نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

شب معراج نبی کریم ﷺ کی آنکھ مبارک کا کمال کے ساتھ دیکھنے کا بیان

"مَا زَاغَ الْبَصَر " مِنَ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَمَا طَغٰى " أَيْ مَا مَالَ بَصَره عَنْ مَرْئِيّه الْمَقْصُود لَهُ وَلَا جَاوَزَهُ تِلْكَ اللَّيْلَة

"لَقَدْ رَأٰى " فِي تِلْكَ اللَّيْلَة "مِنْ آيَات رَبّه الْكُبْرٰى " الْعِظَام أَيْ بَعْضهَا فَرَأَى مِنْ عَجَائِب

الْمَلَكُوت رَفْرَفًا أَخْضَر سَدّ أُفُق السَّمَاء وَجِبْرِيل لَهُ سِتّ مِائَة جَنَاح

اُن کی آنکھ یعنی نبی کریم ﷺ کی آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی۔ یعنی اس رات میں نبی کریم ﷺ کی نظر مبارک نے جس کو دیکھنا مقصود تھا اسی کو دیکھا اس کے سوا کسی طرف نہ پھری۔ اور نہ حد سے بڑھی۔ (جس کو تکنا تھا اسی پر جمی رہی)۔ بیشک انہوں نے معراج کی شب اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ یعنی ملکوتی عجائب سبز رفرف کو دیکھا جس نے آسمانی افق کو بھر دیا اور جبرائیل کو دیکھا جس کے چھ سو پر تھے۔

اس میں سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالِ قوت کا اظہار ہے کہ اس مقام میں جہاں عقلیں حیرت زدہ ہیں آپ ثابت رہے اور جس نور کا دیدار مقصود تھا اس سے بہرہ اندوز ہوئے، داہنے بائیں کسی طرف ملتفت نہ ہوئے، نہ مقصود کی دید سے آنکھ پھیری، نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بیہوش ہوئے بلکہ اس مقام عظیم میں ثابت رہے۔ (تفسیر خازن، سورہ نجم، بیروت)

یعنی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج عجائبِ ملک وملکوت کا ملاحظہ فرمایا اور آپ کا علم تمام معلومات غیبیہ ملکوتیہ پر محیط ہو گیا جیسا کہ حدیث اختصام ملائکہ میں وارد ہوا ہے اور دوسری اور احادیث میں آیا ہے۔ (روح البیان، نجم، بیروت)

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝
تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝
پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا۔ اور تیسری ایک اور منات کو۔ کیا تمھارے لیے لڑکے ہیں
اور اس کے لیے لڑکیاں؟ تب تو یہ تقسیم بڑی ناانصافی ہے۔

لات، منات اور عزیٰ جیسے بیکار بتوں کا بیان

"وَمَنَاة الثَّالِثَة" لِلَّتَيْنِ قَبْلهَا "الْأُخْرَى" صِفَة ذَمّ لِلثَّالِثَةِ وَهِيَ أَصْنَام مِنْ حِجَارَة كَانَ الْمُشْرِكُونَ يَعْبُدُونَهَا وَيَزْعُمُونَ أَنَّهَا تَشْفَع لَهُمْ عِنْد اللّٰه وَمَفْعُول أَفَرَأَيْتُمْ الْأَوَّل اللَّاتِي وَمَا عُطِفَ عَلَيْهِ وَالثَّانِي مَحْذُوف وَالْمَعْنَى أَخْبِرُونِي أَلِهَذِهِ الْأَصْنَام قُدْرَة عَلَى شَيْء مَا فَتَعْبُدُونَهَا دُون اللّٰه الْقَادِر عَلَى مَا تَقَدَّمَ ذِكْره وَلَمَّا زَعَمُوا أَيْضًا أَنَّ الْمَلَائِكَة بَنَات اللّٰه مَعَ كَرَاهَتهمْ الْبَنَات نَزَلَتْ

"ضِيزَى" جَائِرَة مِنْ ضَازَهُ يَضِيزهُ إِذَا ظَلَمَهُ وَجَارَ عَلَيْهِ

پھر کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا۔ اور تیسری ایک اور دیوی منات کو۔ یہاں الاخریٰ یہ ثالثہ کی صفت ذم ہے۔ اور وہ پتھر کے بت ہیں۔ مشرکین جن کی عبادت کرتے تھے اور ان کو یہ نظریہ تھا کہ وہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔ اور الات یہ رائیتم کا مفعول اول ہے جس کا اس پر عطف کیا گیا ہے جبکہ اس کا مفعول ثانی محذوف ہے۔ معنی یہ ہے کہ مجھے ان بتوں کے بارے میں بتاؤ

کہ ان کی کس چیز پر قدرت ہے۔ جس کی وجہ سے تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی پوجا کرتے ہو۔ جس طرح پہلے بیان ہوا ہے۔ کیونکہ جب انہوں نے یہ گمان کیا ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ حالانکہ وہ خود بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ کیا تمھارے لیے لڑکے ہیں اور اس کے لیے لڑکیاں؟ (اگر تمہارا تصور درست ہے) تب تو یہ تقسیم بڑی ناانصافی ہے۔ یہاں پر لفظ ضیزی یہ ضازہ یضیزہ سے مشتق ہے یعنی جب ظلم و جارحیت ہے۔

دور جاہلیت کے معروف بت اور ان کے تعارف کا بیان

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ مشرکین کو ڈانٹ رہا ہے کہ وہ بتوں کی اور اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش کرتے ہیں اور جس طرح خلیل اللہ نے بحکم اللہ بیت اللہ بنایا ہے یہ لوگ اپنے اپنے معبودان باطل کے پرستش کدے بنا رہے ہیں۔ لات ایک سفید پتھر منقش تھا جس پر قبہ بنا رکھا تھا غلاف چڑھائے جاتے تھے مجاور محافظ اور جاروب کش مقرر تھے اس کے آس پاس کی جگہ مثل حرم کی حرمت و بزرگی والی جانتے تھے اہل طائف کا یہ بت کدہ تھا قبیلہ ثقیف اس کا پجاری اور اس کا متولی تھا۔ قریش کے سوا باقی اور سب پر یہ لوگ اپنا فخر جتایا کرتے تھے۔ ابن جریر فرماتے ہیں ان لوگوں نے لفظ اللہ سے لفظ لات بنایا تھا گویا اس کا مؤنث بنایا تھا اللہ کی ذات تمام شریکوں سے پاک ہے ایک قرأت میں لفظ لات تاکہ تشدید کے ساتھ ہے یعنی گھولنے والا اسے لات اس معنی میں اس لئے کہتے تھے کہ یہ ایک نیک شخص تھا موسم حج میں حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلاتا تھا اس کے انتقال کے بعد لوگوں نے اس کی قبر پر مجاورت شروع کر دی رفتہ رفتہ اسی کی عبادت کرنے لگے۔ اسی طرح لفظ عزیٰ لفظ عزیز سے لیا گیا ہے مکے اور طائف کے درمیان نخلہ میں یہ ایک درخت تھا اس پر بھی قبہ بنا ہوا تھا چادریں چڑھی ہوئی تھیں قریش اس کی عظمت کرتے تھے۔

ابوسفیان نے احد والے دن بھی کہا تھا ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارا نہیں جس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلوایا تھا اللہ ہمارا والی ہے اور تمہاری کوئی نہیں صحیح بخاری میں ہے جو شخص لات عزیٰ کی قسم کھا بیٹھے اسے چاہیے کہ فوراً لا الہ الا اللہ کہہ لے اور جو اپنے ساتھی سے کہہ دے کہ آ جوا کھیلیں اسے صدقہ کرنا چاہیے، مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں چونکہ اسی کی قسم کھائی جاتی تھی تو اب اسلام کے بعد اگر کسی کی زبان سے اگلی عادت کے موافق یہ الفاظ نکل جائیں تو اسے کلمہ پڑھ لینا چاہیے۔

حضرت سعد بن وقاص ایک مرتبہ اسی طرح لات وعزیٰ کی قسم کھا بیٹھے جس پر لوگوں نے انہیں متنبہ کیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے آپ نے فرمایا دعا (لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئی قدیر) پڑھ لو اور تین مرتبہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر اپنی بائیں جانب تھوک دو اور آئندہ سے ایسا نہ کرنا مکے اور مدینے کے درمیان قدید کے پاس مشلل میں مناۃ تھا۔ قبیلہ خزاعہ، اوس، اور خزرج جاہلیت میں اس کی بہت عظمت کرتے تھے یہیں سے احرام باندھ کر وہ حج کعبہ کے لئے جاتے تھے اسی طرح ان تین کی شہرت بہت زیادہ تھی اس لئے یہاں صرف ان تین کا ہی بیان فرمایا۔ ان مقامات کا یہ لوگ طواف بھی کرتے تھے قربانیوں کے جانور وہاں لے جاتے تھے ان کے نام پر جانور چڑھائے جاتے تھے باوجود اس کے یہ سب لوگ کعبہ کی حرمت وعظمت کے قائل تھے اسے مسجد ابراہیم مانتے تھے اور اس کی خاطر خواہ توقیر کرتے تھے

سیرۃ ابن اسحاق میں ہے کہ قریش اور بنو کنانہ عزیٰ کے پجاری تھے جو نخلہ میں تھا۔اس کا نگہبان اور متولی قبیلہ بنو شیبان تھا جو قبیلہ سلیم کی شاخ تھا اور بنو ہاشم کے ساتھ ان کا بھائی چارہ تھا اس بت کے توڑنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید کو بھیجا تھا جنہوں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کہتے جاتے تھے۔ **یا عزی کفرانك لا سبحانك انی رایت الله قد اهانك**

اے عزیٰ میں تیرا منکر ہوں تیری پاکی بیان کرنے والا نہیں ہوں میرا ایمان ہے کہ تیری عزت کو اللہ نے خاک میں ملا دیا۔یہ ببول کے تین درختوں پر تھا کاٹ ڈالے گئے اور قبہ ڈھا دیا اور واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی آپ نے فرمایا تم نے کچھ نہیں کیا لوٹ کر پھر دوبارہ جاؤ حضرت خالد کے دوبارہ تشریف لے جانے پر وہاں کے محافظ اور خدام نے بڑے بڑے مکر وفریب کئے اور خوب غل مچا مچا کر یا عزیٰ یا عزیٰ کے نعرے لگائے حضرت خالد نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک ننگی عورت ہے جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں اور اپنے سر پر مٹی ڈال رہی ہے آپ نے تلوار کے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کیا اور واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی آپ نے فرمایا عزیٰ یہی تھی۔

لات قبیلہ ثقیف کا بت تھا جو طائف میں تھا۔اس کی تولیت اور مجاورت بنو معتب میں تھی یہاں اس کے ڈھانے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابوسفیان صخر بن حرب کو بھیجا تھا جنہوں نے اسے معدوم کر کے اس کی جگہ مسجد بنا دی، مناۃ اوس وخزرج اور اس کے ہم خیال لوگوں کا بت تھا یہ مثلل کی طرف سے سمندر کے کنارے قدید میں تھا یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسفیان کو بھیجا اور آپ نے اس کے ریزے ریزے کر دیئے۔بعض کا قول ہے کہ حضرت علی کے ہاتھوں یہ کفرستان فنا ہوا۔ذو الخلعہ نامی بت خانہ دوس اور خثعم اور بجیلہ کا تھا اور جو لوگ اس کے ہم وطن تھے یہ تبالہ میں تھا اور اسے یہ لوگ کعبہ یمانیہ کہتے تھے اور مکہ کے کعبہ کو کعبہ شامیہ کہتے تھے یہ حضرت جریر بن عبداللہ کے ہاتھوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے فنا ہوا فلس نامی بت خانہ قبیلہ طے اور ان کے آس پاس کے عربوں کا تھا یہ جبل طے میں سلمیٰ اور اجا کے درمیان تھا اس کے توڑنے پر حضرت علی مامور ہوئے تھے آپ نے اسے توڑ دیا اور یہاں سے دو تلواریں لے گئے تھے۔

ایک رسوب دوسری مخزم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں تلواریں انہی کو دے دیں،قبیلہ حمیر اہل یمن نے اپنا بت خانہ صنعاء میں ریام نامی بنا رکھا تھا مذکور ہے کہ اس میں ایک سیاہ کتا تھا اور وہ دو حمیری جو تبع کے ساتھ نکلے تھے انہوں نے اسے نکال کر قتل کر دیا اور اس بت خانہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور رضا نامی بت کدہ بنو ربیعہ بن سعد کا تھا اس کو مستوغر بن ربیعہ بن کعب بن اسد نے اسلام میں ڈھایا۔

ابن ہشام فرماتے ہیں کہ ان کی عمر تین سو تیس سال کی ہوئی تھی جس کا بیان خود انہوں نے اپنے اشعار میں کیا ہے ذو الکعبات نامی صنم خانہ بکر تغلب اور یاد قبیلے کا سنداد میں تھا پھر فرماتا ہے کہ تمہارے لئے لڑکے ہوں اور اللہ کی لڑکیاں ہوں؟ کیونکہ مشرکین اپنے زعم باطل میں فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر تم آپس میں تقسیم کرو اور کسی کو صرف لڑکیاں اور کسی کو

صرف لڑکے دو تو وہ بھی راضی نہ ہوگا اور یہ تقسیم نا منصفی کی سمجھی جائے گی چہ جائیکہ تم اللہ کے لئے لڑکیاں ثابت کرو اور خود تم اپنے لئے لڑکے پسند کرو پھر فرماتا ہے ان کو تم نے اپنی طرف سے بغیر کسی دلیل کے مضبوط ٹھہرا کر جا چاہا نام گھڑ لیا ہے۔

ورنہ نہ وہ معبود ہیں نہ کسی ایسے پاک نام کے مستحق ہیں خود یہ لوگ بھی ان کی پوجا پاٹ پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے صرف اپنے بڑوں پر حسن ظن رکھ کر جو انہوں نے کیا تھا یہ بھی کر رہے ہیں مکھی پر مکھی مارتے چلے جاتے ہیں مصیبت تو یہ ہے کہ دلیل آ جانے اللہ کی باتیں واضح ہو جانے کے باوجود بھی باپ دادا کی غلط راہ کو نہیں چھوڑتے۔ پھر فرماتا ہے کیا ہر انسان تمنا پر تمہارے لئے کیا لکھا جائے گا؟ تمام امور کا مالک اللہ تعالیٰ ہے دنیا اور آخرت میں تصرف اسی کا ہے جو اس نے جو چاہا ہو رہا ہے اور جو چاہے گا ہوگا۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی بڑے سے بڑا فرشتہ بھی کسی کے لئے سفارش کا لفظ بھی نہیں نکال سکتا۔ جیسے فرمایا آیت (مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَه لَه وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ، الحدید: 11) کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش پیش کر سکے اس کے فرمان کے بغیر کسی کو کسی کی سفارش نفع نہیں دے سکتی۔ جبکہ بڑے بڑے مقربی فرشتوں کا یہ حال ہے تو پھر اے ناواقفو! تمہارے یہ بت اور تھان کیا نفع پہنچا دیں گے؟ ان کی پرستش سے اللہ روک رہا ہے تمام رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور کل آسمانی کتابیں اللہ کے سوا اوروں کی عبادت سے روکنا اپنا عظیم الشان مقصد بتاتی ہیں پھر تم ان کو اپنا سفارشی سمجھ رہے ہو کس قدر غلط راہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نجم، بیروت)

اِنْ هِیَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍؕ
اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰىؕ
مگر وہ محض نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی نسبت کوئی دلیل نہیں اتاری، وہ لوگ
محض وہم و گمان کی اور نفسانی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے۔

بت پرستوں کا بت پرستی پر قائم رہنے کا بیان

"إِنْ هِيَ" أَيْ مَا الْمَذْكُورَات "إِلَّا أَسْمَاء سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ" أَيْ سَمَّيْتُمْ بِهَا أَصْنَامًا تَعْبُدُونَهَا "مَا أَنْزَلَ اللَّه بِهَا" أَيْ بِعِبَادَتِهَا "مِنْ سُلْطَان" حُجَّة وَبُرْهَان "إِنْ" مَا "يَتَّبِعُونَ" فِي عِبَادَتهَا "إِلَّا الظَّنّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُس" مِمَّا زَيَّنَ لَهُمْ الشَّيْطَان مِنْ أَنَّهَا تَشْفَع لَهُمْ عِنْد اللَّه تَعَالَى "وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبّهمْ الْهُدَى" عَلَى لِسَان النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبُرْهَانِ الْقَاطِع فَلَمْ يَرْجِعُوا عَمَّا هُمْ عَلَيْهِ،

مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مذکورہ بت محض نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ یعنی تم نے ان کا نام بت رکھا ہے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اللہ نے ان کی عبادت کی نسبت کوئی دلیل یعنی حجت و برہان نہیں اتاری، وہ لوگ ان کی

عبادت میں محض وہم وگمان کی اور نفسانی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں۔ کیونکہ شیطان نے ان کیلئے مزین کر دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔ حالانکہ ان کے پاس نبی کریم ﷺ کی زبان اقدس کے ذریعے ان کے رب کی طرف سے ہدایت آ چکی ہے۔ جو دلیل قطعی کے ساتھ ہے لیکن وہ جس پر لگے ہیں انہوں نے اس سے رجوع نہ کیا۔

لفظ ظن عربی زبان میں مختلف معانی کے لئے بولا جاتا ہے، ایک معنی یہ بھی ہیں کہ بے بنیاد خیالات کو ظن کہا جاتا ہے، آیت میں یہی مراد ہے اور یہی مشرکین مکہ کی بت پرستی کا سبب تھا، اسی کے ازالہ کے لئے یہ فرمایا گیا ہے، دوسرے معنی ظن کے وہ ہیں جو یقین کے بالمقابل آتے ہیں، یقین کہا جاتا ہے اس علم قطعی مطابق للواقع کو جس میں کسی شک وشبہ کی راہ نہ ہو، جیسے قرآن کریم یا احادیث متواترہ سے حاصل شدہ علم، اس کے مقابل ظن اس علم کو کہا جاتا ہے جو بے بنیاد خیالات تو نہیں دلیل کی بنیاد پر قائم ہے، مگر یہ دلیل اس درجہ قطعی نہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال ہی نہ رہے، جیسے عام روایات حدیث سے ثابت ہونے والے احکام، اسی لئے قسم اول کے مسائل کو قطعیات اور یقینیات کہا جاتا ہے، اور دوسری قسم کو ظنیات، اور یہ ظن شریعت میں معتبر ہے، قرآن وحدیث میں اس کے معتبر ہونے کے شواہد موجود ہیں اور تمام امت کے نزدیک واجب العمل ہے، آیت مذکورہ میں ظن کو جو نا قابل اعتبار قرار دیا ہے اس سے مراد ظن بمعنی بے بنیاد بے دلیل خیالات ہیں، اس لئے کوئی اشکال نہیں۔

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰیO فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰیO
کیا انسان کے لئے وہ میسر ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے۔ تو آخرت اور دنیا سب کا مالک اللہ ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں بتوں کی سفارش کے باطل ہونے کا بیان

"أَمْ لِلْإِنْسَانِ" أَيْ لِكُلِّ إِنْسَان مِنْهُمْ "مَا تَمَنَّى" مِنْ أَنَّ الْأَصْنَام تَشْفَع لَهُمْ ؟ لَيْسَ الْأَمْر كَذَلِكَ، "فَلِلَّهِ الْآخِرَة وَالْأُولَى" أَيْ الدُّنْيَا فَلَا يَقَع فِيهِمَا إلَّا مَا يُرِيدهُ تَعَالَى،

کیا ان میں سے ہر انسان کے لئے وہ سب کچھ میسر ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے۔ کہ بت ان کی سفارش کریں گے۔ جبکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ تو آخرت اور دنیا سب کا مالک اللہ ہی ہے۔ لہٰذا دونوں جہانوں میں وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔

یعنی سمجھتے ہیں کہ یہ بت ہمارے سفارشی بنیں گے۔ یہ خالی خیالات اور آرزوئیں ہیں۔ کیا انسان جو تمنا کرے وہ ہی مل جائے گا۔ یاد رہے دنیا اور آخرت کی سب بھلائی اللہ کے پاس ہے۔

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰىO
اور کتنے ہی فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ ان کی سفارش کچھ کام نہیں آتی مگر جبکہ اللہ اجازت دے دے جس کیلئے چاہے اور پسند فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفارش کرنے کا بیان

"وَكَمْ مِنْ مَلَك" أَيْ وَكَثِير مِنْ الْمَلَائِكَة "فِي السَّمَوَات" وَمَا أَكْرَمهمْ عِنْد اللَّه "لَا تُغْنِي

شَفَاعَتهم شَيْئًا إلَّا مِنْ بَعْد أَنْ يَأْذَن اللَّه " لَهُمْ فِيهَا "لِمَنْ يَشَاء " مِنْ عِبَاده "وَيَرْضَى" عَنْهُ لِقَوْلِهِ "وَلَا يَشْفَعُونَ إلَّا لِمَنِ ارْتَضَى " وَمَعْلُوم أَنَّهَا لَا تُوجَد مِنْهُمْ إلَّا بَعْد الْإِذْن فِيهَا "مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَع عِنْده إلَّا بِإِذْنِهِ"

اور کتنے ہی زیادہ فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ ان کی سفارش کچھ کام نہیں آتی مگر جبکہ اللہ اجازت دے دے۔ جس کے لیے چاہے اور پسند فرمائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے گا شفاعت کا اذن دے گا۔ کیونکہ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ کہ وہ سفارش نہیں کرتے مگر جس وہ پسند کرلے۔ معلوم ہوا کہ سفارش صرف اسی کی اجازت سے ہوگی۔ اور یہ فرمان بھی ہے کہ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے۔

یعنی ملائکہ باوجود یہ کہ بارگاہ الٰہی میں قرب ومنزلت رکھتے ہیں، بعد ازاں صرف اس کے لئے شفاعت کریں گے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو یعنی مومن موحّد کے لئے، تو بتوں سے شفاعت کی امید رکھنا نہایت باطل ہے کہ نہ انہیں بارگاہ حق میں قرب حاصل، نہ کفار شفاعت کے اہل۔ (خزائن العرفان، سورہ نجم، لاہور)

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَیُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِیَةَ الْاُنْثٰی ۝
بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یقیناً وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے ناموں کی طرح رکھتے ہیں۔

مشرکین کا فرشتوں کے نام رکھنے کا بیان

"إنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَة تَسْمِيَة الْأُنْثَى" حَيْثُ قَالُوا : هُمْ بَنَات اللَّه

بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یقیناً وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے ناموں کی طرح رکھتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کے اس قول کی تردید فرماتا ہے کہ اللہ کے فرشتے اس کی لڑکیاں ہیں۔ جیسے اور جگہ ہے آیت (وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَیُسْـَٔلُوْنَ ، الزخرف:19)، یعنی اللہ کے مقبول بندوں اور فرشتوں کو انہوں نے اللہ کی لڑکیاں ٹھہرا دیا ہے کیا ان کی پیدائش کے وقت یہ موجود تھے؟ ان کی شہادت لکھی جائے گی اور ان سے پرستش کی جائے گی یہاں بھی فرمایا کہ یہ لوگ فرشتوں کے زنانہ نام رکھتے ہیں جو ان کی بے علمی کا نتیجہ ہے محض جھوٹ کھلا بہتان بلکہ صریح شرک ہے یہ صرف ان کی اٹکل ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اٹکل پچو کی باتیں حق کے قائم مقام نہیں ہوسکتیں۔ حدیث شریف میں ہے گمان سے بچو گمان بدترین جھوٹ ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ نجم، بیروت)

وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا ۝
حالانکہ انھیں اس سے متعلق کوئی علم نہیں، وہ صرف گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور بے شک گمان حق کے مقابلے میں کسی کام نہیں آتا۔

یقین کے مقابلے میں گمان کے بیکار ہونے کا بیان

"وَمَا لَهُمْ بِهِ" بِهٰذَا الْقَوْل "مِنْ عِلْم إِنْ" مَا "يَتَّبِعُونَ" فِيهِ "إِلَّا الظَّنّ" الَّذِي تَخَيَّلُوهُ "وَإِنَّ الظَّنّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقّ شَيْئًا" أَيْ عَنِ الْعِلْم فِيمَا الْمَطْلُوب فِيهِ الْعِلْم

حالانکہ انھیں اس یعنی اس قول کے متعلق کوئی علم نہیں، وہ صرف گمان کے پیچھے چل رہے ہیں جو ان کے ذہن میں آیا ہے اور بے شک گمان حق کے مقابلے میں کسی کام نہیں آتا۔ یعنی ایسا علم جس میں مقصد ہو وہاں گمان کیا کرے گا۔

یعنی جن کو آخرت کا یقین نہیں وہ سزا کی طرف سے بیفکر ہو کر ایسی گستاخیاں کرتے ہیں۔ مثلاً فرشتوں کو زنانہ قرار دے کر خدا کی بیٹیاں کہہ دیا۔ یہ ان کی محض جہالت ہے۔ بھلا فرشتوں کو مرد اور عورت ہونے سے واسطہ۔ اور خدا کے لیے اولاد کیسی۔ کیا سچی اور ٹھیک بات پر قائم ہونا ہو تو ایسی اٹکلوں اور یادر ہوا اوہام سے کام چل سکتا ہے۔ اور کیا تخمینے اور اٹکلیں حقائق ثابتہ کے قائم مقام ہو سکتی ہیں؟

فَأَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝
سو آپ اپنی توجہ اس سے ہٹالیں جو ہماری یاد سے رُوگردانی کرتا ہے اور سوائے دنیوی زندگی کے اور کوئی مقصد نہیں رکھتا۔

قرآن سے اعراض کرنے والے کیلئے وعید کا بیان

"فَأَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا" أَيْ الْقُرْآن "وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاة الدُّنْيَا" وَهٰذَا قَبْل الْأَمْر بِالْجِهَادِ

پس آپ اپنی توجہ اس سے ہٹالیں جو ہماری یاد یعنی قرآن سے رُوگردانی کرتا ہے اور سوائے دنیوی زندگی کے اور کوئی مقصد نہیں رکھتا۔ یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ حق سے اعراض کرنے والوں سے آپ بھی اعراض کرلیں ان کا مطمع نظر صرف دنیا کی زندگی ہے اور جس کی غایت یہ سفلی دنیا ہو اس کا انجام کبھی نیک نہیں ہوتا ان کے علم کی غایت بھی یہی ہے کہ دنیا طلبی اور کوشش دنیا میں ہر وقت منہمک رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) گھر نہ ہو اور دنیا اس کا مال ہے جس کا مال (آخرت میں) کنگال نہ ہو، ایک منقول دعا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں (اللهم لا تجعل الدنيا اكبر همنا ولا مبلغ علمنا) پروردگار تو ہماری اہم تر کوشش اور مطمع نظر اور مقصد معلومات صرف دنیا ہی کو نہ کر۔ پھر فرماتا ہے کہ جمیع مخلوقات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اپنے بندوں کی مصلحتوں سے صحیح طور پر وہی واقف ہے جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے ضلالت دے سب کچھ اس کی قدرت علم اور حکمت سے ہو رہا ہے وہ عادل ہے اپنی شریعت میں اور انداز مقرر کرنے میں ظلم و بے انصافی نہیں کرتا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نجم، بیروت)

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ط اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ لا وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ○
یہ علم میں ان کی انتہا ہے، یقیناً تیرا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے اسے جو اس کے راستے سے بھٹک گیا
اور وہی زیادہ جاننے والا ہے اسے جو راستے پر چلا۔

دنیا اور آخرت کے طالب کا بیان

"ذٰلِكَ" أَیْ طَلَبَ الدُّنْیَا "مَبْلَغهمْ مِنَ الْعِلْم" أَیْ نِهَایَة عِلْمهمْ أَنْ آثَرُوا الدُّنْیَا عَلَى الْآخِرَة "إِنَّ رَبّك هُوَ أَعْلَم بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیله وَهُوَ أَعْلَم بِمَنِ اهْتَدَى" عَالِم بِهِمَا فَیُجَازِیهِمَا

یہ یعنی دنیا کی طلب میں علم میں ان کی انتہا ہے، یعنی ان کے علم کا انتہاء یہی ہے کیونکہ انہوں نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی ہے یقیناً تیرا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے اسے جو اس کے راستے سے بھٹک گیا اور وہی زیادہ جاننے والا ہے اسے جو راستے پر چلا۔ لہٰذا وہ ان دونوں کا جزاء دینے والا ہے۔

دنیا اور آخرت کی مثال کا بیان

حضرت مستورد بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ "اللہ کی قسم! آخرت (کے زمانہ اور وہاں کی نعمتوں) کے مقابلے میں دنیا (کے زمانہ اور اس کی نعمتوں) کی مثال ایسی ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی کو سمندر میں ڈبوئے اور پھر دیکھے کہ وہ انگلی کیا چیز لے کر واپس آئی ہے۔ (مسلم، مشکوۃ شریف، حدیث نمبر 1082)

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی انگلی کو سمندر میں ڈبو کر باہر نکالے تو وہ دیکھے گا کہ اس کی انگلی سمندر میں سے محض تری یا صرف ایک آدھ قطرہ پانی کا لے کر واپس آئی ہے، پس سمجھنا چاہئے کہ آخرت کے زمانہ اور وہاں کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کا زمانہ اور دنیا کی تمام نعمتیں اسی قدر قلیل و کمتر ہیں جس قدر کہ سمندر کے مقابلہ میں اس کی انگلی کو لگا ہوا پانی، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ تمثیل بھی محض لوگوں کو سمجھانے کے لئے ہے ورنہ متناہی کو غیر متناہی کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں ہو سکتی، پانی کا وہ ایک قطرہ جو دریا سے باہر آیا ہے اپنی کمتری و بے وقعتی کے باوجود سمندر سے کچھ نہ کچھ نسبت ضرور رکھتا ہے مگر دنیا، آخرت سے اس قدر بھی نسبت نہیں رکھتی۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ انسان کو چاہئے کہ نہ تو نہایت جلد فنا ہو جانے والی دنیا کی نعمتوں اور آسائشوں پر مغرور ہو اور نہ اس کی سختیوں اور پریشانیوں پر روئے پیٹے اور نہ شکوہ و شکایت کرے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے مطابق یہی کہے کہ: اللھم لا عیش الا عیش الاخرۃ، "اے اللہ! اصل زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے" نیز اس حقیقت کو ہر لحظہ مدنظر رکھے کہ یہ دنیا، مزرعۃ الاخرۃ (آخرت کی کھیتی ہے) اور یہاں کی زندگانی بس ایک ساعت کی ہے لہٰذا اس ایک ساعت کو گنوانے کی بجائے طلب الٰہی میں مصروف رکھنا ہی سب سے بڑی دانشوری ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا
وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى۝

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں تا کہ برائی کرنے والوں کو ان کے کیے کا
بدلہ دے اور نیکی کرنے والوں کو نہایت اچھا صلہ عطا فرمائے۔

نیک اعمال کرنے والوں کیلئے جنت ہونے کا بیان

"وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَات وَمَا فِي الْأَرْض" هُوَ مَالِك لِذٰلِكَ وَمِنْهُ الضَّالّ وَالْمُهْتَدِي يُضِلّ مَنْ يَشَاء وَيَهْدِي مَنْ يَشَاء "لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا" مِنْ الشِّرْك وَغَيْره "وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا" بِالتَّوْحِيدِ وَغَيْره مِنْ الطَّاعَات "بِالْحُسْنَى" الْجَنَّة وَبَيَّنَ الْمُحْسِنِينَ بِقَوْلِهِ،

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی وہ مالک ہے۔ اور اسی طرح ضلالت وہدایت ہے، لہٰذا وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ تا کہ برائی کرنے والوں کو ان کے کیے کا بدلہ دے جو انہوں نے شرک وغیرہ جیسے کام کیے ہیں۔ اور نیکی کرنے والوں کو نہایت اچھا صلہ عطا فرمائے۔ کیونکہ انہوں نے توحید وغیرہ ذریعے طاعات کی ہیں۔ اور حسنیٰ سے مراد جنت ہے۔ جس کو احسان کرنے والوں کیلئے بیان کیا گیا ہے۔ جیسا آئندہ آیت میں قول ہے۔

اے اللہ جبکہ تو معاف فرماتا ہے تو سب کچھ ہی معاف فرما دے ورنہ یوں آلودہ عصیاں تو ہر انسان ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں اہل جاہلیت اپنے طواف میں عموماً اس شعر کو پڑھا کرتے تھے۔ ابن جریر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شعر کو پڑھنا بھی مروی ہے ترمذی میں بھی یہ مروی ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح غریب کہتے ہیں، بزار فرماتے ہیں ہمیں اس کی اور سند معلوم نہیں صرف اسی سند سے مرفوعاً مروی ہے۔

ابن ابی حاتم اور بغوی نے بھی اسے نقل کیا ہے بغوی نے اسے سورہ تنزیل میں روایت کیا ہے لیکن اس مرفوع کی صحت میں نظر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مراد یہ ہے کہ زنا سے نزدیکی ہونے کے بعد توبہ کرے اور پھر نہ لوٹے چوری کے قریب ہو جانے کے بعد چوری نہ کی اور توبہ کر کے لوٹ آیا اسی طرح شراب پینے کے قریب ہو کر شراب نہ پی اور توبہ کر کے لوٹ گیا یہ سب المام ہیں جو ایک مومن کو معاف ہیں، حضرت حسن سے بھی یہی مروی ہے ایک روایت میں ہے صحابہ سے عموماً اس کا مروی ہونا بیان کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں مراد اس سے شرک کے علاوہ گناہ ہیں۔ ابن زبیر فرماتے ہیں دو حدوں کے درمیان حد زنا اور عذاب آخرت ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ہر وہ چیز جو دو حدوں کے درمیان حد دنیا اور حد آخرت نمازیں اس کا کفارہ بن جاتی ہیں

اور وہ ہر واجب کر دینے والی سے کم ہے حد دنیا تو وہ ہے جو کسی گناہ پر اللہ نے دنیاوی سزا مقرر کر دی ہے اور اس کی سزا دنیا میں مقرر نہیں کی۔ تیرے رب کی بخشش بہت وسیع ہے ہر چیز کو گھیر لیا ہے اور تمام گناہوں پر اس کا احاطہ ہے جیسے فرمان ہے آیت (قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ 53)-39الزمر:53) اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جان پر اسراف کیا ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو نا اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے اور وہ بڑی بخشش والا اور بڑے رحم والا ہے پھر فرمایا وہ تمہیں دیکھنے والا اور تمہارے ہر حال کا علم رکھنے والا اور تمہارے ہر کلام کو سننے والا اور تمہارے تمام تر اعمال سے واقف ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نجم، بیروت)

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ
هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ
فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝
وہ لوگ جو بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں مگر صغیرہ گناہ، یقیناً تیرا رب وسیع بخشش والا ہے،
وہ تمہیں زیادہ جاننے والا ہے جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں
بچے تھے۔ سو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو، وہ زیادہ جاننے والا ہے کہ کون پرہیزگار ہے۔

بڑے گناہوں سے احتراز کے سبب صغائر کی معافی کا بیان

"اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبَائِر الْإِثْم وَالْفَوَاحِش إِلَّا اللَّمَم" هُوَ صِغَار الذُّنُوب كَالنَّظْرَةِ وَالْقُبْلَة وَاللَّمْسَة فَهُوَ اِسْتِثْنَاء مُنْقَطِع وَالْمَعْنَى لَكِنَّ اللَّمَم يُغْفَر بِاجْتِنَابِ الْكَبَائِر "إِنَّ رَبّك وَاسِع الْمَغْفِرَة" بِذٰلِكَ وَبِقَبُولِ التَّوْبَة وَنَزَلَ فِيمَنْ كَانَ يَقُول : صَلَاتنَا صِيَامنَا حَجّنَا "هُوَ أَعْلَم" أَيْ عَالِم "بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْض" أَيْ خَلَقَ أَبَاكُمْ آدَم مِنَ التُّرَاب "وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّة" جَمْع جَنِين "فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسكُمْ" لَا تَمْدَحُوهَا عَلَى سَبِيل الْإِعْجَاب أَمَّا عَلَى سَبِيل الِاعْتِرَاف بِالنِّعْمَةِ فَحَسَن "هُوَ أَعْلَم" أَيْ عَالِم،

وہ لوگ جو بڑے گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں مگر صغیرہ گناہ، یعنی جیسے نظر، بوسہ، چھونا پس یہ استثناء منقطع ہے۔ معنی یہ ہے کہ بڑے گناہوں سے بچنے کیلئے چھوٹے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یقیناً تیرا رب وسیع بخشش والا ہے، کیونکہ وہ توبہ قبول فرماتا ہے۔

یہ آیت مبارکہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہتا ہے کہ میری نماز، روزہ اور حج ہے۔ وہ تمہیں زیادہ جاننے والا

ہے جب اس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا یعنی تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا ہے۔اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے۔ یہاں پر لفظ اجنہ یہ جنین کی جمع ہے۔سو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو، یعنی بہ طور تعجب اپنی تعریف نہ کرو۔ جبکہ اعتراف نعمت کے طور پر ہو تو اچھا ہے۔وہ زیادہ جاننے والا ہے کہ کون پرہیزگار ہے۔

سورہ نجم آیت ۳۲ کے شان نزول کا بیان

ثابت بن انصاری سے منقول ہے کہ جب یہود کا کوئی چھوٹی عمر کا بچہ مرجاتا تو وہ کہتے یہ صدیق ہے یہ بات نبی کریم ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا یہود نے جھوٹ کہا اللہ جس جان کو بھی اس کی ماں کے پیٹ میں پیدا فرماتا ہے اس کے بارے میں جانتا ہے کہ یہ بدبخت ہے یا نیک بخت اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(سیوطی 277،نیسابوری 328،قرطبی 17-110)

سورہ نجم آیت ۳۲ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ الایۃ (وہ جو بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں مگر صغیرہ گناہوں سے۔ بے شک آپ کا رب بڑا وسیع بخشش والا ہے۔النجم)۔کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یا اللہ اگر تو بخشتا ہے تو سارے گناہ بخش دے تیرا کونسا ایسا بندہ ہے جو گناہوں سے آلودہ نہ ہو۔یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1232)

کبیرہ گناہ کا معنی اور بعض کبائر کا بیان

گناہ کبیرہ" کے معنی ہیں۔بڑے گناہ! چنانچہ اصطلاح شریعت میں " گناہ کبیرہ" اس بڑے فعل کو فرماتے ہیں جس کا ارتکاب کرنے والا حد یعنی شریعت کی متعین کردہ سزا کا موجب ہوتا ہے، یا جس کے ارتکاب پر قرآن وحدیث میں سخت وعید و تنبیہ مذکورہ ہو، یا جس کے ارتکاب کو شریعت نے بطور مبالغہ ارتکاب کفر سے تعبیر کیا ہو (جیسے قصدا نماز ترک کرنے پر حدیث میں یہ وعید آئی ہے (حدیث من ترك الصلوة متعمد افقد کفر) یعنی جس آدمی نے نماز قصدا ترک کردی وہ کافر ہوگیا) یا جس کا فساد ونقصان گناہ کبیرہ کے فساد ونقصان کے برابر یا اس سے زیادہ ہو، یا جس کی ممانعت دلیل قطعی کے ساتھ ثابت ہو اور جس کا اختیار کرنا حرمت دین کی ہتک کا موجب ہو پس جس فعل اور بات میں ان میں سے کوئی بھی چیز پائی جائے گی اس کو گناہ کبیرۃ یعنی بڑا گناہ کہیں گے اور جس فعل یا بات میں ان میں سے کوئی چیز نہیں پائی جائے گی۔

اور وہ اسلامی تعلیمات اور دینی تقاضا کے خلاف ہوگی اس کو گناہ صغیرہ یعنی چھوٹا گناہ کہا جائے گا یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بعض اعتبار سے اگرچہ گناہ کبیرہ کے مختلف درجات ہیں کہ بعض کبیرہ گناہ تو بہت ہی برے اور نہایت ہی قابل نفرت ہیں اور بعض گناہ نسبۃ کچھ ہلکے درجہ کے ہیں لیکن شریعت کی نظر میں قابل مواخذہ وگرفت اور موجب عذاب ہونے کے اعتبار سے سب یکساں نوعیت رکھتے ہیں۔احادیث میں ایک جگہ تمام کبیرہ گناہوں کا تعین اور تفصیل کے ساتھ ذکر موجود نہیں ہے، بلکہ موقع محل کی مناسبت

یا کسی سائل کو جواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بیان کردہ کبیرہ گناہوں کی جو فہرست مرتب کی ہے وہ مختصراً یوں ہے۔
(۱) اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا یعنی کسی کو اس کی عبادت یا اس کی صفات میں شریک کرنا مثلاً استعانت (مدد چاہنے) میں، علم میں، قدرت میں، تصرف میں، تخلیق میں، پکارنے میں، نام رکھنے میں، ذبح کرنے میں، نذر ماننے میں اور لوگوں سے امور سونپنے میں کسی کو بھی وہ درجہ اور حیثیت دینا جو صرف اللہ تعالیٰ کی سزاوار ہے۔ (۲) گناہ پر اصرار و دوام کی نیت رکھنا۔ (۳) ناحق کسی کو قتل کرنا (۴) زنا کرنا۔ (۵) لواطت کرنا۔ (۶) چوری کرنا۔ (۷) جادو سیکھنا اور جادو کرنا (۸) شراب پینا اور نشہ آور اشیاء کا استعمال کرنا۔ (۹) محارم یعنی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، نانی اور خالہ وغیرہ سے نکاح کرنا۔ (۱۰) جوا سیکھنا اور جوا کھیلنا (۱۱) دارالحرب سے ہجرت نہ کرنا۔ (۱۲) دشمنان دین سے ناروا دوستی اور تعلق رکھنا۔ (۱۳) طاقت و قوت اور غالب حیثیت رکھنے کے باوجود دشمنان دین سے جہاد نہ کرنا۔ (۱۴) سود کھانا۔ (۱۵) خنزیر اور مردار کے گوشت کا استعمال کرنا۔ (۱۶) نجومی اور کاہن کی تصدیق کرنا۔ (۱۸) ناحق کسی کا مال ہڑپ کر لینا۔ (۱۸) پاکباز مرد یا پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت دھرنا۔ (۱۹) جھوٹی گواہی دینا۔ (۲۰) کسی عذر شرعی کے بغیر قصداً رمضان کا روزہ نہ رکھنا یا روزہ توڑنا۔ (۲۱) جھوٹی قسم کھانا۔ (۲۲) قطع تعلق کرنا۔ (۲۳) ماں باپ کو ستانا اور ان کی نافرمانی کرنا۔ (۲۴) جنگ کے موقع پر دشمنان دین کے مقابلہ سے فرار اختیار کرنا۔ (۲۵) یتیموں کا مال ناحق کھانا۔ (۲۶) ناپ تول میں خیانت کرنا۔ (۲۷) نماز کو وقت پر نہ پڑھنا۔ (۲۸) مسلمانوں سے ناحق لڑنا جھگڑنا۔ (۲۹) ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹا الزام لگانا۔ (۳۰) رسول، کتاب اللہ اور فرشتوں کا انکار کرنا یا ان کا مذاق اڑانا۔ (۳۱) احکام دین اور مسائل شریعت کا انکار کرنا۔ (۳۲) فرائض پر عمل نہ کرنا یعنی نماز نہ پڑھنا، زکوٰۃ ادا نہ کرنا، رمضان کے روزے نہ رکھنا اور استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا۔ (صحابہ یا کسی صحابی کو برا کہنا۔ (۳۴) بالعذر کتمان شہادت کرنا۔ (۳۵) رشوت لینا۔ (۳۶) میاں بیوی کے درمیان نفاق ڈلوانا۔ (۳۷) حاکم کے سامنے کسی کی چغل خوری کرنا۔ (۳۸) غیبت کرنا۔ (۳۹) اسراف میں مبتلا ہونا۔ (۴۰) رہزنی کا ارتکاب کرنا۔ (۴۱) دین کے نام پر یا کسی دنیوی غرض کے تحت روئے زمین پر فتنہ و فساد پھیلانا۔ (۴۲) گناہ صغیرہ پر اصرار و دوام اختیار کرنا۔ (۴۳) کسی کو گناہ کی طرف راغب کرنا یا گناہ کے ارتکاب میں مدد دینا۔ (۴۴) ہارمونیم، طبلہ اور دوسرے ممنوع باجوں کے ساتھ گانا۔ (۴۵) نہاتے وقت دوسروں کے سامنے ستر کھولنا۔ (۴۶) مالی مطالبات و واجبات کی ادائیگی میں بخل کرنا۔ (۴۷) خود کشی کرنا۔ (۴۸) اپنے اعضاء بدن میں سے کسی عضو کو ضائع کرنا اور تلف کر دینا۔ (۴۹) منی اور پیشاب کی گندگی سے صفائی اور پاکی حاصل نہ کرنا۔ (۵۰) تقدیر کو جھٹلانا۔ (۵۱) اپنے سردار اور حاکم سے عہد شکنی کرنا۔ (۵۲) کسی کی ذات اور نسب میں طعنہ زنی کرنا۔ (۵۳) غرور اور تکبر کے تحت پائنچے لٹکانا۔ (۵۴) لوگوں کو گمراہی کی طرف بلانا۔ (۵۵) میت پر نوحہ کرنا۔ (۵۶) برے طریقے اور بیہودہ رسمیں رائج کرنا۔ (۵۷) دھار دار آلہ سے کسی مسلمان کی طرف اشارہ کرنا۔ (۵۸) کسی کو خصی کر دینا۔ (۵۹) اپنے بدن کے کسی حصہ کو کاٹنا۔ مثلاً داڑھی منڈانا یا ناک وغیرہ تھوڑی سی کاٹ ڈالنا۔ (۶۰) اپنے محسن سے احسان فراموشی کرنا۔ (۶۱) حدود حرم میں ان کاموں کو کرنا جن کی ممانعت ہے۔ (۶۲) حدود حرم میں جاسوسی کرنا۔ (۶۳) نرد کھیلنا یا ایسا کوئی بھی کھیل کھیلنا

جو بالاتفاق حرام ہو۔(۶۴) کسی مسلمان کو کافر کہنا یا اس کو کسی ایسے الفاظ سے مخاطب کرنا جو صرف کافر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (۶۵) اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان باری میں عدل نہ کرنا۔(۶۶) جلق کرنا (مشت زنی کرنا)۔(۶۷) غلہ وغیرہ کی گرانی سے خوش ہونا۔(۶۸) جانوروں کے ساتھ بدفعلی کرنا۔(۶۹) عالم کا اپنے علم پر عمل نہ کرنا۔(۷۰) دنیا کی محبت میں مبتلا ہونا۔(۷۱) امرد پر بری نظر رکھنا۔(۷۲) دوسروں کے گھر میں جھانکنا۔(۷۳) صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اس کے گھر کے اندر داخل ہونا۔(۷۴) دیوثی اور قرم ساقی کرنا۔(۷۵) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یعنی اچھے کاموں کی تبلیغ وتلقین اور برے کاموں سے روکنے) کا فریضہ باوجود قدرت کے انجام نہ دینا۔(۷۶) پڑھنے کے بعد قرآن مجید کو بھلا دینا۔(۷۷) جانوروں کو آگ میں جلانا (۷۸) عورت کا بغیر عذر شرعی اپنے شوہر کی نافرمانی کرنا۔(۷۹) مرد کا عورت پر ظلم کرنا۔(۸۰) اللہ کی رحمت ومغفرت سے ناامید ہونا۔(۸۱) اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا۔(۸۲) علماء اور حفاظ کی توہین وتحقیر کرنا۔(۸۳) بیوی سے ظہار کرنا، بعض علماء نے کبائر کی فہرست میں کچھ اور گناہوں کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہاں اختصار کی پیش نظر اسی فہرست پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰیo وَاَعْطٰی قَلِیْلاً وَّ اَکْدٰیo اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَیْبِ فَهُوَ یَرٰیo
کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے منہ پھیر لیا۔اور تھوڑا سا دیا اور رک گیا۔کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے؟ پس وہ دیکھ رہا ہے۔

عار دلانے کے سبب اعراض کرنے کا بیان

"أَفَرَأَيْت الَّذِي تَوَلَّى " عَنْ الْإِيمَان ارْتَدَّ لَمَّا عُيِّرَ بِهِ وَقَالَ إنِّي خَشِيت عِقَاب اللّٰه فَضَمِنَ لَهُ الْمُعِير لَهُ أَنْ يَحْمِل عَنْهُ عَذَاب اللّٰه إنْ رَجَعَ إلَى شِرْكه وَأَعْطَاهُ مِنْ مَاله كَذَا فَرَجَعَ

"وَأَعْطَى قَلِيلًا " مِنْ الْمَال الْمُسَمَّى "وَأَكْدَى" مَنَعَ الْبَاقِي مَأْخُوذ مِنْ الْكُدْيَة وَهِيَ أَرْض صُلْبَة كَالصَّخْرَةِ تَمْنَع حَافِر الْبِئْر إذَا وَصَلَ إلَيْهَا مِنْ الْحَفْر

"أَعِنْده عِلْم الْغَيْب فَهُوَ يَرَى " يَعْلَم مِنْ جُمْلَته أَنَّ غَيْره يَتَحَمَّل عَنْهُ عَذَاب الْآخِرَة ؟ لَا وَهُوَ الْوَلِيد بْن الْمُغِيرَة أَوْ غَيْره وَجُمْلَة أَعِنْده الْمَفْعُول الثَّانِي لِرَأَيْت بِمَعْنَى أَخْبِرْنِي

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ایمان سے منہ پھیر لیا۔یعنی جب اس کو ایمان کی عار دلائی گئی تو وہ مرتد ہو گیا۔اور کہا کہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرنے والا ہوں لہٰذا وہ عار دلانے والا اس کیلئے ضامن ہو جائے گا۔کہ وہ اس سے اللہ کے عذاب کو اٹھائے گا۔یہ کہ وہ شرک کی لوٹ آئے۔اور اس کو اس کے مال سے دیا تو وہ لوٹ آیا ہے۔اور تھوڑا مقرر کردہ مال سے تھوڑا سا مال دیا اور باقی سے رک گیا۔یہاں پر لفظ اکدیٰ یہ کدیہ سے مشتق ہے اور وہ ایسی زمین ہے جو پتھریلی ہو جس کنواں کھودنے والے کو چٹان آ جانے کی وجہ سے کنواں کھودنے سے روک دے۔کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے؟ پس وہ دیکھ رہا ہے۔یعنی ان علوم میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے علاوہ کے عذاب کو اٹھا لے گا ہر گز نہیں۔بلکہ وہ ولید بن مغیرہ ہے۔اور اس کے علاوہ کوئی ہو۔اور جملہ اعندہ یہ

رائیت بہ معنی اخبرنی کا مفعول ثانی ہے۔

سورت نجم ۳۳ کے شان نزول کا بیان

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک غزوہ کے لیے نکلے تو ایک شخص آپ کے پاس سواری کے لیے آیا لیکن اسے سواری نہ مل سکی جس پر سوار ہو کر وہ آپ کے ساتھ نکل سکے وہ اپنے ایک دوست سے ملا اور اس سے کہا مجھے کچھ دے دے اس نے کہا میں تجھے یہ چیز اس شرط پر دیتا ہوں کہ تو میرے گناہ اٹھائے گا اس شخص نے کہا ٹھیک ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

دراج سے روایت ہے کہ میں جہاد کی غرض سے نکلنے والے ایک لشکر میں نکلا ایک شخص نے آپ سے سواری طلب کی تو آپ نے فرمایا میرے پاس تجھے سوار کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے چنانچہ وہ غمگین ہو گیا وہ ایک شخص کے پاس سے گزرا جس کا اونٹ اس کے سامنے بندھا ہوا تھا اس نے اس شخص سے اپنی بے بسی کی شکایت کی تو اس نے کہا کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے تیری نیکیوں کے بدلے اس سواری پر سوار کر دوں تا کہ تو لشکر میں شامل ہو جائے اس نے کہا ٹھیک ہے اور سوار ہو گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن زید سے روایت ہے کہ ایک شخص اسلام لے آیا تو اسے ایک آدمی ملا اس پر طعن کیا اور کہا کہ تو نے پچھلوں کا دین چھوڑ کر انہیں گمراہ قرار دیا اور یہ گمان کیا کہ وہ جہنمی ہیں اس نے کہا مجھے اللہ کے عذاب سے ڈر ہے۔

اس آدمی نے کہا مجھے کچھ دے دے میں اس کے بدلے تیرا تمام عذاب برداشت کروں گا اس نے اسے کچھ نہ دیا اس نے کہا مزید دو یہ ابتداء متفق نہ ہوا پھر آخر کار کچھ مزید بھی دے دیا گیا اور ایک دستاویز لکھی اور گواہ بھی قائم کیے اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (سیوطی 278، طبری 27۔41، زادالمیسر 8۔77)

ابن عباس، سدی، کلبی، اور میسب بن شریک کہتے ہیں کہ یہ آیت عثمان بن عفان کے بارے میں نازل ہوئی یہ خیر کے کاموں میں صدقہ وخیرات کے طور پر بہت خرچ کرتے تھے ان کے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح نے کہا یہ تم کیا کرتے ہو؟ قریب ہے کہ تمہارے پاس کچھ بھی نہ بچے عثمان نے کہا میرے بہت گناہ اور خطائیں ہیں میں اس طرح اللہ کی رضا طلب کرتا ہوں اور اسکی معافی کی امید رکھتا ہوں عبداللہ نے کہا مجھے اپنی اونٹنی کجاوے سمیت دے دو میں اس کے بدلے میں تمہارے تمام گناہوں کا بوجھ اٹھاؤں گا انہوں نے وہ اونٹنی دے دی اور گواہ بھی قائم کر لیے اور اپنے صدقات وغیرہ کے عمل سے رک گئے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰی وَاَعْطٰی قَلِیْلًا وَّاَکْدٰی، بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے منہ پھیر لیا اور تھوڑا سا دیا پھر ہاتھ روک لیا کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تو عثمان دوبارہ اس بھلائی اور خیر کے کاموں کی طرف لوٹ آئے۔ (قرطبی 17۔111)

مجاہد اور ابن زید کہتے ہیں کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی اس نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع اختیار کر لی تو کسی مشرک نے اسے عار دلائی اور کہا کہ تو نے اپنے بزرگوں کے دین کو چھوڑ کر انہیں گمراہ قرار دیا اور کیوں کہا کہ وہ جہنمی ہیں؟ اس

نے کہا مجھے اللہ کے عذاب کا ڈر ہے تو اس مشرک نے کہا اگر تو اپنے مال کا کچھ حصہ مجھے دے دے اور شرک کی طرف واپس لوٹ جائے تو میں تیری جانب سے اللہ کا عذاب برداشت کرلوں گا چنانچہ اس نے اس ڈانٹنے والے کو اس مال میں جس کا وعدہ کیا تھا کچھ دے دیا اور پھر بخل کیا اور بقیہ دینے سے انکار کر دیا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ (نیسابوری 329، قرطبی 17-112)

لفظ اکدیٰ کے مفہوم کا بیان

اکدی، کدیہ سے مشتق ہے، کدیہ اس سخت پتھر کو کہا جاتا ہے جو کوئی کنواں یا بنیاد کھودتے ہوئے زمین میں نکل آوے اور کھدائی کے لئے رکاوٹ بن جاوے، اس لئے اکدی کے معنی یہ ہوئے کہ پہلے کچھ دیا پھر دینے سے رک گیا، آیت کے شان نزول میں جو ایک واقعہ اوپر بیان ہو چکا ہے اس کے مطابق تو معنی ظاہر ہیں اور اس سے قطع نظر کی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کیا پھر چھوڑ دیا، یا شروع میں کچھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف مائل ہوا، کچھ کرنے لگا پھر چھوڑ بیٹھا، اس لفظ کی یہ تفسیر حضرت مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ وغیرہ سے منقول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نجم، بیروت)

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ○ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى ○
یا اسے اس بات کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے۔ اور ابراہیم کے جس نے پورا کیا۔

حضرت موسیٰ وابراہیم علیہما السلام کے صحائف کا بیان

"أَمْ" بَلْ "لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُف مُوسَى" أَسْفَار التَّوْرَاة أَوْ صُحُف قَبْلهَا "و" صُحُف "إِبْرَاهِيم الَّذِي وَفَّى" تَمَّمَ مَا أُمِرَ بِهِ نَحْو "وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيم رَبّه بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ" وَبَيَان مَا،

یہاں پر لفظ اُم بمعنی بل ہے۔ یا اسے اس بات کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں یعنی جو اسفار تورات اور اس سے پہلے صحائف میں ہے۔ اور ابراہیم کے صحیفوں میں جس نے عہد پورا کیا۔ یعنی مکمل ہوا جس کا حکم دیا گیا جیسے "وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيم رَبّه بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ" اور یہ ما کا بیان ہے۔

یہ حضرت ابراہیم کی صفت ہے کہ انہیں جو کچھ حکم دیا گیا تھا وہ انہوں نے پورے طور پر ادا کیا اس میں بیٹے کا ذبح بھی ہے اور اپنا آگ میں ڈالا جانا بھی اور اس کے علاوہ اور مامورات بھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس مضمون کا ذکر فرماتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں مذکور فرمایا گیا تھا۔ (تفسیر خازن، سورہ نجم، بیروت)

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ○ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○
کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی۔

دوسروں کے گناہوں کا بوجھ نہ اٹھانے کا بیان

"أَ" أَنْ "لَا تَزِر وَازِرَة وِزْر أُخْرَى" إلَخ وَأَنْ مُخَفَّفَة مِنَ الثَّقِيلَة أَيْ لَا تَحْمِل نَفْس ذَنْب

غَيْرِهَا،

"وَأَنْ" أَيْ أَنَّهُ "لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى" مِنْ خَيْرٍ فَلَيْسَ لَهُ مِنْ سَعْيِ غَيْرِهِ الْخَيْرِ شَيْءٌ،

یہاں پر لفظ اَلا اصل میں اَن لا تھا۔ کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ یہاں پر اَن یہ ثقل سے مخففہ ہے۔ اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی۔

اور کوئی دوسرے کے گناہ پر نہیں پکڑا جاتا اس میں اس شخص کے قول کا ابطال ہے جو ولید بن مغیرہ کے عذاب کا ذمہ دار بنا تھا اور اس کے گناہ اپنے ذمہ لینے کو کہتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ زمانہ حضرت ابراہیم سے پہلے لوگ آدمی کو دوسرے کے گناہ پر بھی پکڑ لیتے تھے اگر کسی نے کسی کو قتل کیا ہوتا تو بجائے اس قاتل کے اس کے بیٹے یا بھائی یا بی بی یا غلام کو قتل کر دیتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ آیا تو آپ نے اس کی ممانعت فرمائی اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پہنچایا کہ کوئی کسی کے بار گناہ میں ماخوذ نہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نجم، لاہور)

دوسروں سبب ثواب حاصل کر سکنے کا بیان

یعنی عمل۔ مراد یہ ہے کہ آدمی اپنی ہی نیکیوں سے فائدہ پاتا ہے یہ مضمون بھی صُحُف ابراہیم و موسیٰ کا ہے۔ علیہما السلام اور کہا گیا ہے کہ ان ہی امتوں کے لئے خاص تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ حکم ہماری شریعت میں آیت (اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ، الطّور: 21) سے منسوخ ہو گیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں کی وفات ہو گئی اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں کیا نافع ہوگا؟ فرمایا: ہاں۔ مسائل اور بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ میت کو صدقات و طاعات سے جو ثواب پہنچایا جاتا ہے پہنچتا ہے اور اس پر علماء امت کا اجماع ہے اور اسی لئے مسلمانوں میں معمول ہے کہ وہ اپنے اموات کو فاتحہ، سوم، چہلم، برسی، عرس وغیرہ میں طاعات و صدقات سے ثواب پہنچاتے رہتے ہیں یہ عمل احادیث کے بالکل مطابق ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں انسان سے کافر مراد ہے اور معنی یہ ہیں کہ کافر کو کوئی بھلائی نہ ملے گی بجز اس کے جو اس نے کی ہو کہ دنیا ہی میں وسعتِ رزق یا تندرستی وغیرہ سے اس کا بدلہ دے دیا جائے گا۔

تاکہ آخرت میں اس کا کچھ حصہ باقی نہ رہے۔ اور ایک معنی آیت کے مفسرین نے یہ بھی بیان کئے ہیں کہ آدمی بمقتضائے عدل وہی پائے گا جو اس نے کیا ہو اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جو چاہے عطا فرمائے۔ اور ایک قول مفسرین کا یہ بھی ہے کہ مومن کے لئے دوسرا مومن جو نیکی کرتا ہے وہ نیکی خود اسی مومن کی شمار کی جاتی ہے جس کے لئے کی گئی ہو کیونکہ اس کا کرنے والا مثل نائب و وکیل کے اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نجم، لاہور)

وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۝ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۝

اور یہ کہ یقیناً اس کی کوشش جلد ہی اسے دکھائی جائے گی۔ پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اور یہ کہ آپ کے رب ہی کی طرف پہنچنا ہے۔

اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جانے کا بیان

"وَأَنَّ سَعْيه سَوْف يُرَى" يُبْصَر فِي الْآخِرَة "ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاء الْأَوْفَى" الْأَكْمَل يُقَال : جَزَيْته سَعْيه وَبِسَعْيِهِ،

"وَأَنَّ" بِالْفَتْحِ عَطْفًا وَقُرِءَ بِالْكَسْرِ اسْتِئْنَافًا وَكَذَا مَا بَعْدهَا فَلَا يَكُون مَضْمُون الْجُمَل فِي الصُّحُف عَلَى الثَّانِي "إِلَى رَبّك الْمُنْتَهَى" الْمَرْجِع وَالْمَصِير بَعْد الْمَوْت فَيُجَازِيهِمْ،

اور یہ کہ یقیناً اس کی کوشش جلد ہی اسے آخرت میں دکھائی جائے گی۔ پھر اسے اس کی ہر کوشش کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور کہا جاتا ہے کہ جزیتہ سعیہ وبسعیہ کہ میں نے اس کی کوشش کا پورا پورا بدل دے دیا ہے۔ اور یہاں پر اَن فتحہ کے ساتھ آیا ہے۔ جس کا عطف کیا گیا ہے۔ اور نئے جملے طور پر اس کو کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور اس طرح اس کے مابعد کا جملہ جبکہ صحف ثانی پر مضمون جملہ نہ ہوگا۔ اور یہ کہ بالآخر سب کو آپ کے رب ہی کی طرف پہنچنا ہے۔ یعنی موت کے بعد اسی کی جانب لوٹ کر آنا ہے لہٰذا ان کو اس پر جزاء دی جائے گی۔

دنیا یا آخرت میں اعمال کا بدلہ دیا جانے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" اللہ تعالیٰ مومن کی نیکی کا اجر ضائع نہیں کرتا، کہ اس کی اس نیکی کے سبب اس کو دنیا میں بھلائیاں دی جاتی ہیں اور آخرت میں بھی اس کا اجر وثواب دیا جائے گا۔ اور کافر اللہ کی خوشنودی کے لئے جو اچھے کام کرتا ہے اس کو اس کے بدلہ میں اس دنیا میں کھلا پلا دیا جاتا ہے (یعنی وہ ان اچھے کاموں کی وجہ سے جس بھلائی کا مستحق ہوتا ہے وہ اس کو نعمتوں اور راحتوں کی صورت میں اس دنیا میں دے دی جاتی ہے) یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے نامہ اعمال میں ایسی کوئی نیکی نہیں ہوگی کہ جس کی وجہ سے اس کو وہاں اجر وثواب دیا جائے۔

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1085)

اس ارشاد گرامی کے ذریعہ اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ آخرت کی بھلائی اور وہاں کے اجر وثواب کا دارومدار دنیا میں محض اچھے کام کرنے پر نہیں ہے بلکہ ایمان وعقیدہ پر ہے چنانچہ وہ نیک کام جو اللہ کی خوشنودی کے لئے کئے جاتے ہیں اور جن سے اللہ یقیناً خوش ہوتا ہے، جب کوئی مومن کرتا ہے تو اس کو ان نیک کاموں کی وجہ سے دنیا میں بھی اچھا بدلہ ملتا ہے۔ بایں طور پر کہ اس کے کاروبار معیشت اور رزق میں وسعت وفراخی عطا کی جاتی ہے۔

اس کی زندگی کو چین وسکون اور خوش حالی وقلبی اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے اور پھر اس کو ہر طرح کی آفات وبلیات اور ناپسندیدہ عناصر سے محفوظ و مامون رکھا جاتا ہے اور پھر جب وہ اس دنیا کی زندگی کو پورا کر کے آخرت میں پہنچے گا تو اس کو وہاں بھی ان نیک کاموں کا پورا پورا اجر وثواب ملے گا۔ اس کے برخلاف جب کافر اچھے اعمال کرتا ہے جس سے اللہ خوش ہوتا ہو جیسے فقیر ومحتاج کو کھانا کھلانا اور اس کی مدد کرنا، یتیم اور بیواؤں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرنا اور اس طرح کے دوسرے فلاح ورفاہی کے کام تو اس کے ان اچھے کاموں کا پورا بدلہ اس کو دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے، جب کہ آخرت میں وہ ان اچھے کاموں کا کوئی اجر وثواب پانے کا مستحق نہیں ہوگا۔ رہی یہ بات کہ جس طرح مومن کو دنیا میں اپنے اچھے کاموں کا بدلہ اچھا ملتا ہے اسی طرح کیا اس کو دنیا میں برے کاموں کی سزا بھی ملتی ہے؟ تو اس کا جواب اثبات میں ہوگا کہ حق تعالیٰ اپنے جس بندہ کو آخرت کے عذاب وشدائد سے بچانا چاہتا ہے اس کو اس کی برائیوں کی سزا اس دنیا میں دے دیتا ہے۔

چنانچہ ایک دوسری حدیث میں منقول ہے کہ مومن کو اس کے برے کاموں کا بدلہ دنیا میں مختلف قسم کے مصائب وآلام اور تکالیف وپریشانیوں کی صورت میں دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ جب آخرت میں پہنچے گا تو اس کے نامہ اعمال میں ایسی کوئی برائی نہیں ہوگی جس پر وہ عذاب کا مستوجب قرار پائے۔

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو احمد اور ابن حبان نے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ من یعمل سوء یجز بہ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر ایسا ہے کہ بندہ سے جو بھی برائی صادر ہوگی اس کی وجہ سے اس کو آخرت میں ضرور سزا دی جائے گی اور ظاہر ہے کہ دنیا میں ہر بندے سے چھوٹی یا بڑی کوئی نہ کوئی برائی ضرور صادر ہوتی ہے) تو پھر نجات پانے والا کون شخص ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "اللہ تمہیں بخشے، کیا تم غمگین نہیں ہوتے، کیا تم رنج والم نہیں اٹھاتے، کیا تم بیمار نہیں ہوتے اور کیا تمہیں کوئی آفت یا بلا نہیں پہنچتی؟" انہوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" (تو یاد رکھو) یہ چیز (یعنی تمہارا کسی تکلیف ومصیبت اور رنج والم میں مبتلا ہونا) دراصل تمہارے حق میں اس برائی کی سزا اور بدلہ ہے جو تم سے صادر ہو جاتی ہے۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰی ۝ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۝ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی ۝
اور یہ کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ اسی نے ہنسایا اور رلایا۔ اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے۔
اور یہ کہ بے شک اسی نے دو قسمیں نر اور مادہ پیدا کیں۔

خوشی ہنسانے اور غمی سے رولا دینے والے کا بیان

"وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ" مَنْ شَاءَ اَفْرَحَهٗ "وَاَبْكٰی" مَنْ شَاءَ اَحْزَنَهٗ "وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ" فِی الدُّنْيَا "وَاَحْيَا" لِلْبَعْثِ "وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ" الصِّنْفَيْنِ،

اور یہ کہ بے شک حقیقت یہ ہے کہ اسی نے خوشی سے ہنسایا اور غم سے رلایا۔ جس اس نے چاہا۔ اور یہ کہ وہی دنیا میں مارتا ہے اور بعث کیلئے جلاتا ہے۔ اور یہ کہ بے شک اسی نے دو قسمیں نر اور مادہ پیدا کیں۔

دنیا کی حقیقت کی معرفت کے سبب رونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ابوالقاسم (محمد) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم اس چیز کو جان لو جس کو میں جانتا ہوں تو یقیناً تمہارا رونا زیادہ اور ہنسنا کم ہو جائے (یعنی قیامت کے احوال اور اس کی ہولناکیاں، مبدأ و معاد کی حقیقت گنہگاروں کے تئیں اللہ تعالیٰ کا عتاب و عذاب یوم حساب کی شدت پرسش اور باری تعالیٰ کی صفات قہریہ وجلالیہ کو، جو خوف مصیبت کا باعث ہیں جس قدر میں جانتا ہوں اور پھر ان چیزوں کے تعلق سے تمہارے انجام کار کے بارے میں جو کچھ مجھے معلوم ہے اور جس کی وجہ سے میرے دل پر ہر وقت غم و خوف طاری رہتا ہے اگر تم بھی ان سب چیزوں سے پوری طرح آگاہ ہو جاؤ تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خوف و ہیبت کے مارے تم ہنسنا بھول جاؤ اور اپنا زیادہ وقت رونے اور غم کھانے میں صرف کرو، کیونکہ اس صورت میں تم رجا یعنی رحمت الٰہی کی امید کے مقابلہ پر عذاب الٰہی کے خوف کو زیادہ ترجیح دینے لگو)۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1269)

اس ارشاد گرامی میں امت کے لئے ایک تنبیہ تو یہ ہے کہ اپنے اوپر گریہ طاری رکھنا چاہئے اور ان چیزوں کی یاد تازہ رکھنی چاہئے جو رونے وہلانے اور غم کھانے کا باعث ہوتی ہیں جیسے خوف الٰہی کا احساس اور عظمت وجلال حق کی حقیقت معلوم کرنا۔ دوسری تنبیہ یہ ہے کہ جاہل و غافل لوگوں کی طرح بہت زیادہ ہنسنے اور راحت چین اختیار کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف عفو مغفرت اور اس کی رحمت پر امید کی وجہ سے فی الجملہ راحت چین اختیار کرنا ایک حد تک گنجائش رکھتا ہے۔

مِنۡ نُّطۡفَةٍ اِذَا تُمۡنٰی٭وَاَنَّ عَلَيۡهِ النَّشۡاَةَ الۡاُخۡرٰی٭
نطفہ سے جبکہ وہ ٹپکایا جاتا ہے۔ اور یہ کہ دوبارہ زندہ کرنا اسی پر ہے۔

انسان کی تخلیق اول سے بعث کی حیات پر دلیل ہونے کا بیان

"مِنۡ نُطۡفَة" مَنِيّ "إِذَا تُمۡنَى" تُصَبّ فِي الرَّحِم "وَأَنَّ عَلَيۡهِ النَّشۡأَة" بِالۡمَدِّ وَالۡقَصۡر "الۡأُخۡرَى" الۡخَلۡقَة الۡأُخۡرَى لِلۡبَعۡثِ بَعۡد الۡخَلۡقَة الۡأُولَى،

نطفہ ایک تولیدی قطرہ سے جبکہ وہ رَحِم مادہ میں ٹپکایا جاتا ہے۔ اور یہ کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا بھی اسی پر ہے۔ یہاں پر لفظ نشاء یہ مد اور بغیر مد کے بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی وہ خلقت اولی کے بعد دوبارہ اٹھانے کیلئے زندہ کرے گا۔

وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغۡنٰی وَ اَقۡنٰی٭وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعۡرٰی٭
اور یہ کہ بے شک اسی نے غنی کیا اور خزانہ بخشا۔ اور یہ کہ بے شک وہی شعریٰ کا رب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا لوگوں کی کفالت کے مطابق مال دینے کا بیان

"وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَى " النَّاس بِالْكِفَايَةِ بِالْأَمْوَالِ "وَأَقْنَى" أَعْطَى الْمَال الْمُتَّخَذ قِنْيَة "وَأَنَّهُ هُوَ رَبّ الشِّعْرَى" هُوَ كَوْكَب خَلْف الْجَوْزَاء كَانَتْ تُعْبَد فِي الْجَاهِلِيَّة

اور یہ کہ بے شک اسی نے غنی کیا یعنی لوگوں کو اموال کے ساتھ خود کفیل بنایا۔اور خزانہ بخشا۔یعنی ان مال دیا اور یہ کہ بے شک وہی شعریٰ ستارے کا رب ہے۔شعریٰ وہ ستارہ ہے جو جوزاء کے بعد آتا ہے دور جاہلیت میں اس کی پوجا کی جاتی تھی۔

اقنی کا لغوی مفہوم:۔اقنی بمعنی غنی کرنا اور راضی کرنا (مفردات) یعنی اتنا مال و دولت دینا کہ اس کی احتیاج پوری کرنے کے علاوہ وہ خوش بھی ہو جائے اور بعض اہل لغت کے نزدیک اقنی اغنیٰ کی ضد ہے بمعنی مفلس بنا دینا۔گویا اقنی لغت اضداد سے ہے۔ان آیات میں چونکہ متقابل چیز کا ذکر ہو رہا ہے۔لہٰذا یہاں دوسرا معنی ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔فلہٰذا ترجمہ میں یہی دوسرا معنی اختیار کیا گیا ہے۔

ایک ستارے کا نام ہے جو جوزا کے پیچھے ہے، عرب کی بعض اقوام اس ستارے کی پرستش کرتی تھیں، اس لئے خصوصیت سے اس کا نام لے کر بتلایا کہ اس ستارے کا مالک اور پروردگار بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے، اگرچہ وہ سارے ہی ستاروں، آسمانوں، زمینوں کا خالق و مالک اور پروردگار ہے۔

وَ اَنَّـهٗۤ اَهۡلَكَ عَادَا ۨالۡاُوۡلٰى ۝ وَ ثَمُوۡدَاۡ فَمَاۤ اَبۡقٰى ۝ وَقَوۡمَ نُوۡحٍ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا هُمۡ اَظۡلَمَ وَاَطۡغٰى ۝
اور یہ کہ بے شک اسی نے پہلی قوم عاد کو ہلاک کیا۔اور ثمود کو، پس باقی نہیں چھوڑا۔اور ان سے پہلے نوح
کی قوم کو، یقیناً وہی زیادہ ظالم اور زیادہ حد سے بڑھے ہوئے تھے۔

قوم عاد، ثمود اور قوم نوح کی ہلاکتوں کا بیان

"وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَى " وَفِي قِرَاءَة بِإِدْغَامِ التَّنْوِين فِي اللَّام وَضَمّهَا بِلَا هَمْزَة وَهِيَ قَوْم عَادٍ وَالْأُخْرَى قَوْم صَالِح

"وَثَمُودَ" بِالصَّرْفِ اسْم لِلْأَبِ وَبِلَا صَرْف لِلْقَبِيلَةِ وَهُوَ مَعْطُوف عَلَى عَادًا "فَمَا أَبْقَى" مِنْهُمْ أَحَدًا

"وَقَوْم نُوح مِنْ قَبْل " أَيْ قَبْل عَادٍ وَثَمُود أَهْلَكْنَاهُمْ "إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَم وَأَطْغَى" مِنْ عَادٍ وَثَمُود لِطُولِ لُبْث نُوح فِيهِمْ "فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْف سَنَة إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا" وَهُمْ مَعَ عَدَم إِيمَانهمْ بِهِ يُؤْذُونَهُ وَيَضْرِبُونَهُ

اور یہ کہ بے شک اسی نے پہلی قوم عاد کو ہلاک کیا۔ایک قرأت کے مطابق تنوین کے لام میں ادغام کے ساتھ اور ضمہ کے

ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا گیا ہے۔اور وہ قوم عاد ہے۔ جبکہ دوسرے قوم صالح ہے۔اور ثمود کو، یہاں پر لفظ ثمود جب باپ کا نام ہو تو منصرف اور قبیلہ کا نام ہو تو غیر منصرف پڑھا گیا ہے۔اور اس کا عطف عاد پر ہے۔ پس ان میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑا۔اور ان سے پہلے نوح کی قوم کو، یعنی قوم عاد و ثمود سے پہلے ان کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ یقیناً وہی عاد و ثمود سے زیادہ ظالم اور زیادہ حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ کیونکہ ان میں حضرت نوح علیہ السلام نے طویل قیام فرمایا تھا۔پس آپ ان میں ساڑھے نو سو سال رہے۔لیکن وہ آپ پر ایمان نہ لائے بلکہ وہ آپ کو تکالیف پہنچاتے۔اور آپ مارتے۔

عذاب الٰہی کے واقعات کا بہ طور عبرت ہونے کا بیان

عاد اولیٰ جن کی طرف سیدنا ہود مبعوث ہوئے اور عاد ثانیہ یا قوم ثمود جن کی طرف سیدنا صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔اور قوم فرعون یہ سب لوگ آخرت کے منکر، اکڑ باز اپنے رسولوں کو ایذائیں اور دکھ پہنچانے والے اللہ کے باغی اور شرارتیں کرنے والے تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان سب کو تباہ کر ڈالا۔قوم عاد دنیا کی قوی اور سخت ترین قوم ہے، ان کے دو طبقے یکے بعد دیگرے اولیٰ اور اخریٰ کے نام سے موسوم ہیں، ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا، نافرمانی پر ہوا کے طوفان کا عذاب آیا، پوری قوم ہلاک ہوئی، قوم نوح علیہ السلام کے بعد عذاب سے ہلاک ہونے والی یہ پہلی قوم ہے۔اور ثمود بھی انہی کی نظیر دوسری شاخ ہے، جن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا، ان کی نافرمانی کرنے والوں پر سخت آواز کا عذاب آیا، جس سے ان کے کلیجے پھٹ کر ہلاک ہو گئے۔(تفسیر قرطبی، سورہ نجم، بیروت)

وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰىo فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰىo فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰىo
اور الٹی ہوئی بستیوں کو اسی نے نیچے دے پٹکا۔پس ان کو ڈھانپ لیا جس نے ڈھانپ لیا۔
سو تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں میں شک کرے گا۔

قوم لوط کی بستیوں کو الٹا کر پٹخ دینے کا بیان

"وَالْمُؤْتَفِكَة" وَهِيَ قُرَى قَوْم لُوط "أَهْوَى" أَسْقَطَهَا بَعْد رَفْعهَا إلَى السَّمَاء مَقْلُوبَة إلَى الْأَرْض بِأَمْرِهِ جِبْرِيل بِذَلِكَ،

"فَغَشَّاهَا" مِنْ الْحِجَارَة بَعْد ذَلِكَ "مَا غَشَّى" أُبْهِمَ تَهْوِيلًا وَفِي هُود: "جَعَلْنَا عَالِيهَا سَافِلهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَة مِنْ سِجِّيل"

"فَبِأَيِّ آلَاء رَبّك" أَنْعُمه الدَّالَّة عَلَى وَحْدَانِيّته وَقُدْرَته "تَتَمَارَى" تَتَشَكَّك أَيّهَا الْإِنْسَان أَوْ تُكَذِّب،

اور قوم لوط کی الٹی ہوئی بستیوں کو اوپر اٹھا کر آسمان تک بلند کرنے کے بعد الٹا کر کے اسی نے نیچے زمین کی طرف دے

پٹکا۔یعنی اس ذات کے حکم سے جبرائیل نے ایسا کیا۔پس ان کو ڈھانپ لیا۔یہاں پر ما غشیٰ کی ہولنا کی کو ظاہر کرنے کیلئے ابہام میں رکھا ہے۔جس نے ڈھانپ لیا یعنی ان بستیوں کو اوپر لے جا کر نیچے پھینک دیا پھران پر پتھروں کی بارش کر دی گئی۔پس تو اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں میں شک کرے گا۔یعنی جو اللہ کی نعمتیں تجھ پر ہیں۔جو اس کی وحدانیت وقدرت پر دلیل ہیں۔اے انسان تو ان میں شک کرتا ہے یا ان کی تکذیب کرتا ہے۔

موتفکہ کے لفظی معنے موتلفہ کے ہیں، یہ چند بستیاں اور شہر متصل تھے حضرت لوط علیہ السلام ان کی طرف مبعوث ہوئے، نافرمانی اور بے حیائی کے اعمال کی سزا میں ان کی بستیاں جبرئیل امین نے الٹ دیں۔

تماری کے معنی جھگڑا اور مخالفت کرنا ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ خطاب ہر انسان کو ہے، کہ سابقہ آیات اور صحف موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام میں آئی ہوئی آیات ربانی میں کوئی ذرا بھی غور وفکر کرے تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی وحی اور تعلیمات کے حق ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی اور اقوام سابقہ کی ہلاکت وعذاب کے واقعات سن کر مخالفت سے باز آ جانے کا اچھا موقع ملتا ہے جو حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اس کے باوجود تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت میں جھگڑا اور خلاف کرتے رہو گے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ نجم، بیروت)

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ○ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ○ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ○
یہ اگلے ڈرسنانے والوں میں سے ایک ڈرسنانے والے ہیں۔آنے والی قریب آ پہنچی۔اللہ کے سوا اس کا کوئی کھولنے والا نہیں۔

نبی کریم ﷺ کا سابقہ رسولان گرامی کی طرح مبعوث ہونے کا بیان

"هَذَا" مُحَمَّد "نَذِير مِنْ النُّذُر الْأُولَى" مِنْ جِنْسهمْ أَيْ رَسُول كَالرُّسُلِ قَبْله أُرْسَلَ إِلَيْكُمْ كَمَا أُرْسِلُوا إِلَى أَقْوَامهمْ "أَزِفَتِ الْآزِفَة" قَرُبَتْ الْقِيَامَة، "لَيْسَ لَهَا مِنْ دُون اللَّه " نَفْس "كَاشِفَة" أَيْ لَا يَكْشِفهَا وَيُظْهِرهَا إِلَّا هُوَ كَقَوْلِهِ "لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ"

یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اگلے ڈرسنانے والوں میں سے ایک ڈرسنانے والے ہیں۔یعنی انہی رسولان گرامی کی جنس میں سے ہیں جس طرح وہ پہلے رسولان گرامی تھے۔جن کو تمہاری طرف اسی طرح مبعوث کیا گیا ہے جس سے سابقہ اقوام کی طرف رسولان گرامی کی بعثت ہوئی۔آنے والی قیامت کی گھڑی قریب آ پہنچی۔اللہ کے سوا اس کا کوئی کھولنے والا نہیں۔یعنی اس کو ظاہر کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔جس طرح یہ فرمان ہے کہ اس کے وقت کو وہی ظاہر کرے گا۔

انبیائے کرام کا صفت انذار کے ساتھ مبعوث ہونے کا بیان

یہ خوف اور ڈر سے آگاہ کرنے والے ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی رسالت بھی ایسی ہی ہے جیسے آپ سے

پہلے رسولوں کی رسالت تھی جیسے اور آیت میں ہے آیت (قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ، الاَحقاف:9) یعنی میں کوئی نیا رسول تو ہوں نہیں رسالت مجھ سے شروع نہیں ہوئی بلکہ دنیا میں مجھ سے پہلے بھی بہت سے رسول آ چکے ہیں قریب آنے والی کا وقت آئے گا یعنی قیامت قریب آ گئی۔ نہ تو اسے کوئی دفع کر سکے نہ اس کے آنے کے صحیح وقت معین کا کسی کو علم ہے۔

نذیر عربی میں اسے کہتے ہیں مثلاً ایک جماعت ہے جس میں سے ایک شخص نے کوئی ڈراؤنی چیز دیکھی اور اپنی قوم کو اس سے آگاہ کرتا ہے یعنی ڈر اور خوف سنانے والا جیسے اور آیت میں ہے آیت (اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ، سبأ:46) میں تمہیں سخت عذاب سے مطلع کرنے والا ہوں حدیث میں ہے تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ یعنی جس طرح کوئی شخص کسی برائی کو دیکھ لے کہ وہ قوم کے قریب پہنچ چکی ہے اور پھر جس حالت میں ہو اسی میں دوڑا بھاگا آ جائے اور قوم کو دفعۃً متنبہ کر دے کہ دیکھو وہ بلا آ رہی ہے فوراً تدارک کر لو اسی طرح قیامت کے ہولناک عذاب بھی لوگوں کی غفلت کی حالت میں ان سے بالکل قریب ہو گئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان عذابوں سے ہوشیار کر رہے ہیں جیسے اس کے بعد کی سورت میں ہے آیت (اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ، القمر:1) قیامت قریب آ چکی۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے لوگو گناہوں کو چھوٹا اور حقیر جاننے سے بچو سنو چھوٹے چھوٹے گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک قافلہ کسی جگہ اترا سب ادھر ادھر چلے گئے اور لکڑیاں سمیٹ کر تھوڑی تھوڑی لے آئے تو چاہے ہر ایک کے پاس لکڑیاں کم کم ہیں لیکن جب وہ سب جمع کر لی جائیں تو ایک انبار لگ جاتا ہے جس سے دیگیں پک جائیں اسی طرح چھوٹے چھوٹے گناہ جمع ہو کر ڈھیر لگ جاتا ہے اور اچانک اس گنہگار کو پکڑ لیتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے اور حدیث میں ہے میری اور قیامت کی مثال ایسی ہے پھر آپ نے اپنی شہادت کی اور درمیان کی انگلی اٹھا کر ان کا فاصلہ دکھایا میری اور قیامت کی مثال دو ساعتوں کی سی ہے میری اور آخرت کے دن کی مثال ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح ایک قوم نے کسی شخص کو اطلاع لانے کے لئے بھیجا اس نے دشمن کے لشکر کو بالکل نزدیک کی کمین گاہ میں چھاپہ مارنے کے لئے تیار دیکھا یہاں تک کہ اُسے ڈر لگا کہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی کہیں یہ نہ پہنچ جائیں تو وہ ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور وہیں کپڑا اہلا ہلا کر انہیں اشارے سے بتا دیا کہ خبردار ہو جاؤ دشمن سر پر موجود ہے پس میں ایسا ہی ڈرانے والا ہوں اس حدیث کی شہادت میں اور بھی بہت سی حسن اور صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ پھر مشرکین کے اس فعل پر انکار فرمایا کہ وہ قرآن سنتے ہیں مگر اعراض کرتے ہیں اور بے پرواہی برتتے ہیں بلکہ اس کی رحمت سے تعجب کے ساتھ انکار کر بیٹھتے ہیں اور اس سے مذاق سنتے ہیں مگر اعراض کرتے ہیں اور بے پرواہی برتتے ہیں۔

بلکہ اس کی رحمت سے تعجب کے ساتھ انکار کر بیٹھتے ہیں اور اس سے مذاق اور ہنسی کرنے لگتے ہیں چاہیے یہ تھا کہ مثل ایمان داروں کے اسے سن کر روتے عبرت حاصل کرتے جیسے مومنوں کی حالت بیان فرمائی کہ وہ اس کلام اللہ شریف کو سن کر روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور خشوع وخضوع میں بڑھ جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نجم، بیروت)

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ○ وَتَضْحَكُوْنَ وَ لَاتَبْكُوْنَ○

تو کیا اس بات سے تم تعجب کرتے ہو؟ اور تم ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو۔

دنیا میں مذاق کی ہنسیوں سے ہنس کر گزر جانے کا بیان

"أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيث" أَيْ الْقُرْآن "تَعْجَبُونَ" تَكْذِيبًا "وَتَضْحَكُونَ" اسْتِهْزَاء "وَلَا تَبْكُونَ" لِسَمَاعِ وَعْده وَوَعِيده،

تو کیا اس بات یعنی قرآن سے تم تعجب کرتے ہو؟ یعنی تکذیب کر رہے ہو۔ اور تم بہ طور مذاق ہنستے ہو اور وعد و وعید کو سن کر روتے نہیں ہو۔

دنیا میں رونے اور سجدہ ریز ہونے کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے اور جو کچھ میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے (یعنی قیامت کی علامتیں، قدرت کی کرشمہ سازیوں کی نشانیاں اور اللہ تعالیٰ کی صفات قہریہ وجلالیہ جس طرح میرے سامنے ہیں اور میں ان کو دیکھتا ہوں اس طرح نہ تمہارے سامنے ہیں اور نہ تم انہیں دیکھتے ہو، نیز احوال آخرت کے اسرار واخبار، قیامت کی ہولناکیوں اور دوزخ کے عذاب کی شدت وسختی کی باتوں کو جس طرح میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے) آسمان میں سے آواز نکلتی ہے اور اس میں سے آواز کا نکلنا بجا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آسمان میں چار انگشت کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں جہاں فرشتے اللہ کے حضور اپنا سر سجدہ ریز کئے ہوئے نہ پڑے ہوں۔

اللہ کی قسم اگر تم اس چیز کو جان لو جس کو میں جانتا ہوں تو یقیناً تم بہت کم ہنسو اور زیادہ رونے لگو۔ اور بستروں پر اپنی عورتوں سے لذت حاصل کرنا چھوڑ دو اور یقیناً تم اللہ سے نالہ وفریاد کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاؤ جیسا کہ رنج اٹھانے والوں اور غموں سے تنگ آ جانے والوں کا شیوہ ہوتا ہے کہ وہ گھروں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں اور صحرا صحرا جنگل جنگل گھومتے پھرتے ہیں تاکہ زمین کا بوجھ کم ہو اور دل کچھ ٹھکانے لگے۔ حضرت ابوذر نے یہ حدیث بیان کرکے ارادہ حسرت و دردناکی کہا کہ کاش میں درخت ہوتا جس کو کاٹا جاتا۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1277)

"اطت" دراصل "اط" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں آواز نکالنا، پالان اور زین وغیرہ کا چڑ چڑانا، اونٹ کا تعب کی وجہ سے بلبلانا، اس حدیث میں آسمان سے آواز نکلنے کی جو بات فرمائی گئی ہے اس کا مفہوم بالکل ظاہر ہے کہ فرشتوں کی کثرت وازدہام اور ان کے بوجھ کی وجہ سے آسمان میں سے آواز نکلتی ہے جیسا کہ سواری کا جانور سواری کے بوجھ کی وجہ سے ایک خاص قسم کی آواز نکالتا ہے یا کسی تخت وپلنگ پر جب زیادہ لوگ بیٹھ جاتے ہیں تو وہ چڑ چڑانے لگتا ہے یا آسمان میں سے نکلنے کا مطلب آسمان کا اللہ کے خوف سے نالہ وفریاد کرنا ہے اور اس جملے کا مقصد یہ آگاہی ہے کہ جب آسمان ایک غیر ذی روح اور منجمد چیز ہوتے ہوئے اور مقدس

ملائکہ کی قرارگاہ کی حیثیت رکھنے کے باوجود خوف الٰہی سے نالہ وفریاد کرتا ہے تو انسان کہ جو جاندار ہے اور گناہ و معصیت کی آلودگی رکھتا ہے، وہ کہیں زیادہ اس لائق ہے کہ خوف الٰہی سے گریہ وزاری اور نالہ وفریاد کرے۔

یہ معنی حدیث کے اصل مقصد سے زیادہ قریب اور مناسب تر ہیں۔ "اپنا سر سجدہ ریز کئے ہوئے نہ پڑے ہوں" سے مراد فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کی عبادت وتابعداری میں مشغول ہونا ہے۔ یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے تاکہ وہ بات بھی اس جملے کے دائرہ مفہوم میں آ جائے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ہر فرشتہ اللہ کی عبادت وتابعداری میں مشغول ہے کہ کچھ تو قیام کی حالت میں عبادت گزار ہیں، کچھ رکوع کی حالت میں ہیں اور کچھ سجدے میں پڑے ہوئے ہیں یا یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان میں سے کسی خاص آسمان کا ذکر فرمایا ہے اور اس آسمان میں جو فرشتے ہیں وہ سب کے سب سجدہ کی ہی حالت میں پڑے ہوئے اللہ کی عبادت کر رہے ہیں۔ "صعدات" اصل میں "صعد" کی جمع ہے اور صعد جمع ہے صعید کی جیسے طرقات جمع ہے طرق کی اور طرق جمع ہے طریق کی۔ صعید کے لغوی معنی مٹی، راستہ اور زمین کے بلند حصے کے ہیں اور یہاں حدیث میں اس سے مراد جنگل ہے۔ "کاش میں درخت ہوتا" یعنی انسان ہونے کی حیثیت سے گناہوں اور برائیوں کے ارتکاب سے بچنا بڑا مشکل ہے شیطان ہر وقت پیچھے لگا رہتا ہے نہ جانے کب اس کا داؤ چل جائے گا اور گناہ و معصیت کا ارتکاب ہو جائے۔ جس کی وجہ سے اللہ کی ناراضگی اور اس کا عذاب مول لینا پڑ جائے گا۔

لہٰذا حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آرزو ظاہر کی کہ کاش میں انسان نہ ہوتا تاکہ کل قیامت کے دن گناہوں کی آلودگی کے ساتھ نہ اٹھتا۔ اور جس طرح ایک درخت کو کاٹ ڈالا جاتا ہے تو وہ سرے سے مٹ جاتا ہے، اسی طرح میں بھی ہوتا کہ مجھے کاٹ کر پھینک دیا جاتا اور میں آخرت میں ندامت وشرمندگی اور عذاب سے بچ جاتا۔ واضح رہے کہ اس طرح کی غمناک اور دردانگیز آرزوئیں دوسرے بڑے صحابہ سے بھی منقول ہیں، مثلاً ایک صحابی نے کہا تھا کہ کاش، میں بکری ہوتا جس کو لوگ کاٹ کر کھا جاتے ہیں۔

دوسرے صحابی نے کہا کاش میں پرندہ ہوتا کہ وہ جہاں چاہتا ہے بیٹھ جاتا ہے اور جہاں چاہتا ہے چلا جاتا ہے۔ اس پر کوئی فکر اور کسی چیز کا دباؤ نہیں ہوتا یہ سب مقدس صحابہ وہ تھے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی زندگی ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی اور آخرت کے اعتبار سے ان کی عافیت کے بخیر ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا لیکن جب ان پاک نفس حضرات کے احساس اور فکر آخرت کا یہ حال تھا تو دوسروں کو کیا کہا جا سکتا ہے۔

اگرچہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعدہ ہے کہ ہر مومن انشاء اللہ مغفرت وبخشش سے نوازا جائے گا اور اس کی عاقبت بخیر ہوگی لیکن بارگاہ بے نیازی کا خوف ہی کمر توڑے ڈالتا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے کیا کیا نہ اپنے زہد واطاعت پہ ناز تھا بس دم نکل گیا جو سنا بے نیاز ہے۔

وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ۝ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا۝
اور تم کھیل میں پڑے ہو۔ تو اللہ کے لیے سجدہ اور اس کی بندگی کرو۔ (السجدۃ)

اللہ تعالیٰ کیلئے سجدہ کرنے کا بیان

"وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ" لَاهُونَ غَافِلُونَ عَمَّا يُطْلَبُ مِنْكُمْ "فَاسْجُدُوا لِلَّهِ" الَّذِي خَلَقَكُمْ "وَاعْبُدُوا" وَلَا تَسْجُدُوا لِلْأَصْنَامِ وَلَا تَعْبُدُوهَا

اورتم کھیل میں پڑے ہو۔یعنی جوتم سے مقصد تھا اس سے تم غافل ہوئے ہو۔تو اللہ کے لیے سجدہ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اوراس کی بندگی کرو۔لہٰذا بتوں کی پوجا نہ کرو۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں (سمد) کلام پڑھنے کو کہتے ہیں یہ یمنی لغت ہے آپ سے (سامدون) کے معنی اعراض کرنے والے اور تکبر کرنے والے بھی مروی ہیں حضرت علی اور حسن فرماتے ہیں غفلت کرنے والے۔پھر اپنے بندوں کا حکم دیتا ہے کہ توحید واخلاص کے پابند رہو خضوع، خلوص اور توحید کے ماننے والے بن جاؤ۔صحیح بخاری شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں نے مشرکوں نے اور جن وانس نے سورۃ النجم کے سجدے کے موقعہ پر سجدہ کیا۔مسند احمد میں ہے کہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم پڑھی پس آپ نے سجدہ کیا اوران لوگوں نے بھی جو آپ کے پاس تھے راوی حدیث مطلب بن ابی وداعہ کہتے ہیں میں نے اپنا سر اٹھایا اور سجدہ نہ کیا یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اسلام کے بعد جس کسی کی زبانی اس سورہ مبارکہ کی تلاوت سنتے سجدہ کرتے یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ نجم، بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک حدیث کو روایت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے کا اللہ سے قریب ترین ہونا اس وقت شمار ہوتا ہے جب کہ وہ سجدہ میں ہو اس لئے تم (سجدے میں) بہت زیادہ دعا کیا کرو۔(صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 858)

یوں تو اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر حال میں اپنے بندوں سے نزدیک رہتا ہے مگر سب سے زیادہ نزدیک اس وقت ہوتا ہے جب بندہ سجدہ میں ہوتا ہے یعنی سجدے کی حالت میں اللہ بندہ سے راضی ہوتا ہے اور دعا قبول کرتا ہے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ سجدہ میں کثرت سے دعا مانگنی چاہئے تا کہ وہ قبولیت کے درجے کو پہنچے۔

سورہ کی نجم تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔انہی کے تصدق سے سورنجم کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی